احادیث کا عظیم ذخیرہ

اثمار الہدایۃ

علی الہدایۃ

مکمل ہدایہ اولین

ترجمہ و تشریح

مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

زمزم پبلشرز

فہرست مضامین اثمار الہدایۃ جلد ثانی

فہرست مضامین اثمار الھدایۃ جلد الثانی

فہرست مضامین اثمار الہدایۃ جلد الثانی

اثمار الهداية

علی الهداية

ھدایہ اول

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

جلد ثانی

جامعہ روضۃ العلوم

نیا نگر، ضلع گڈا، جھارکھنڈ، انڈیا

نام کتاب .... اثمار الهدایہ
نام شارح .... مولانا ثمیر الدین قاسمی
ناشر .... جامعہ روضہ العلوم نیانگر ، جھارکھنڈ
باہتمام .... مولانا ابوالحسن قاسمی ، نیانگر
نگران .... مولانا مسلم قاسمی سیپوری
طباعت بار اول .... نومبر ۲۰۰۸ء
کمپیوٹر کمپوزنگ .... مولانا ثمیر الدین قاسمی
سیٹنگ .... حافظ زکی ، باٹلی
قیمت پانچ جلدیں .... ۳۰ پونڈ

شارح کا پتہ
Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
Tel 00 44 (0161)2279577

انڈیا کا پتہ
مولانا ابوالحسن، ناظم جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر
At Post. Nayanagar
Via Mahagama Dist Godda
Jharkhand-INDIA
Pin 814154
Tel 0091 9304 768719
Tel 0091 9308 014992

C:\Documents and s\Administrator Documents\3) JPEG CLIPART\PALM.jpg not found.

ملنے کے پتے

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL

Tel 00 44 (0161)2279577

انڈیا کا پتہ

مولانا ابوالحسن، ناظم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر

At Post. Nayanagar,Via Mahagama, Dist Godda

Jharkhand-INDIA ,Pin 814154

فون نمبر Tel 0091 9304 768719

Tel 0091 9308 014992

جناب مولانا مسلم قاسمی صاحب، خطیب مسجد بادل بیگ، نمبر 5005

بازار سرکی والان, حوض قاضی۔ دہلی نمبر 6

انڈیا, پین کوڈ نمبر 110006

فون نمبر 09891 213348

جناب مولانا نثار احمد صاحب

ثاقب بک ڈپو، دیوبند, ضلع سہارنپور، یوپی

انڈیا، پین کوڈ نمبر 247554

فون نمبر 09412496688

﴿خصوصیات اثمار الهدایة﴾

(۱) ھدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے۔

(۲) پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔

(۳) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۴) کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تا کہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں۔

(۵) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۶) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۷) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے۔

(۹) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۱۱) لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔

(۱۲) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے' اثر ' کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔

(۱۳) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی، یا پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۴) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تا کہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔

ہم اثمار الھدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱) اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔

(۲) کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔

(۳) صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔

(۴) ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

(۵) بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔

(۶) سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔

(۷) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

Documents\3) JPEG CLIPART\Big blank book.jpg not found.

اثمار الھدایۃ

ocun
and
inistr
ments\
JPEG

فہرست مضامین اثمار الھدایۃ جلد ثانی

فہرست مضامین اثمار الہدایۃ جلد الثانی

فہرست مضامین اثمار الھدایۃ جلد الثانی

﴿ فصل ما يكره فى ا لصلوة ﴾

(۴۲۹) ويكره للمصلى ان يعبث بثوبه اوبجسده ﴾ ١ لقوله عليه السلام ان اللّٰه تعالىٰ كره لكم ثلثا وذكر منها العبث فى الصلوٰة ٢ ولان البعث خارج الصلوٰة حرام فما ظنك فى الصلوٰة (۴۳۰) ولايقلِّب الحصا لانه نوع عبث الا ان لايمكنه من السجود فيسويه مرة

﴿ مکروہات نماز ﴾

ترجمہ: (۴۲۹) مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کے لئے کہ وہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

وجہ : (۱) نماز میں خشوع وخضوع ہونا چاہئے۔آیت میں ہے قوموا للہ قانتین نماز میں عاجزی سے اورادب سے اللہ کے سامنے کھڑے رہو۔اس لئے جسم اور کپڑے سے کھیلنا مکروہ ہے (۲) حدیث میں بھی ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد على سبعة اعظم لا اكف شعرا و لا ثوبا (بخاری شریف، باب لا یکف ثوبہ فی الصلوۃ ص۱۱۳ نمبر ۸۱۶/ مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب ص۱۹۳ نمبر ۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو بلا وجہ بار بار سمیٹنا مکروہ ہے تو اس سے کھیلنا بھی مکروہ ہوگا (۳) حدیث میں ہے قال ابو ذر قال رسول الله ﷺ لا يزال الله عز وجل مقبلا على العبد وهو فى صلوته مالم يلتفت فاذا التفت انصرف عنه ۔(ابوداؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۳۸ نمبر ۹۰۹) کھیلنے میں نماز سے دوسری طرف متوجہ ہونا ہوتا ہے اس لئے مکروہ ہے۔اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوگی البتہ اچھا نہیں ہے۔(۴) اثر میں ہے۔قال الثورى : جائت الاحاديث أنه كان يكره العبث فى الصلوة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب العبث فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۲۶۷، نمبر ۳۳۱۰) اس اثر میں ہے کہ نماز میں کھیلنا مکرہ ہے۔

ترجمہ : ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ اللہ تعالی نے تمہارے لئے تین چیزیں مکروہ قرار دی ہیں اوران میں سے نماز میں کھیلنے کو بھی ذکر فرمایا۔ ۔اس حدیث کا مفہوم اوپر گزر گیا۔البتہ صراحت کے ساتھ یہ حدیث نہیں ملی۔

ترجمہ : ٢ اوراسلئے کہ نماز سے باہر بھی عبث کام کرنا حرام ہے تو نماز میں آپکا کیا گمان ہے؟

تشریح : نماز سے باہر عبث اور بیکار کام کرنا اچھا نہیں ہے تو نماز کے اندر کپڑے اور جسم سے کھیلنا کیسے اچھا ہوگا۔

ترجمہ: (۴۳۰) کنکری کو الٹ پلٹ نہ کرے۔[اسلئے کہ یہ بھی عبث کام ہے] مگر یہ کہ اس پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ کنکری کو برابر کردے۔

تشریح : نماز میں کنکری کو الٹ پلٹ کرنا مکروہ ہے۔البتہ اگر وہاں اتنی کنکری ہو کہ اس پر سجدہ کرنا ناممکن ہو جائے تو ایک مرتبہ کنکری کو سیدھی کرلے تا کہ اس پر سجدہ کیا جا سکے، لیکن کھیلنے کے طور پر بار بار اسکو ادھر ادھر کرنا مکروہ ہے۔

ل لقوله عليه السلام مرة يا اباذروالافذر ٢ ولان فيه اصلاح صلاته(۴۳۱) ولا يفرقع اصابعه ﴾
ل لقوله عليه السلام لاتفرقع اصابعک وانت تصلی (۴۳۲) ولا یتخصّر ﴾

وجه: (۱) کنکری کو بار بار ادھر ادھر کرنا کھیلنا ہے اور پیچھے گزرا کہ نماز میں کھیلنا مکروہ ہے۔ (۲) حدیث میں ہے عن معیقیب قال سألت
رسول الله عن مسح الحصى فى الصلوة فقال ان كنت لا بد فاعلا فمرة واحدة . و فى حديث آخر عن ابى ذر عن النبى ﷺ قال اذا قام احدكم الى الصلوة فلا يمسح الحصى فان الرحمة تواجهه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ مسح الحصی فی الصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۳۷۹ / ابو داؤد شریف ، باب مسح فی مسح الحصی فی الصلوۃ ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۶/۹۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکری کو بار بار ہٹانا مکروہ ہے۔ البتہ ضرورت پڑے اور کنکری پر سجدہ کرنا ناممکن ہو تو نماز میں ایک بار اس کو درست کر لے۔

ترجمه : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ اے ابو ذر کنکری کو الٹنا ہو تو ایک مرتبہ، یا پھر چھوڑ دو۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث قریب قریب یہ ہے۔ عن ابی ذر قال : سألتُ النبی ﷺ عن کل شیء حتی سألته عن مسح الحصی ، فقال : واحدة أو د ع . (مصنف عبد الرزاق، باب مسح الحصی، ج ثانی ص ۳۹ نمبر ۲۴۰۶) اس حدیث میں ہے کہ کنکری کو الٹنا پلٹنا ہو تو صرف ایک مرتبہ کر سکتے ہو۔

ترجمه : ٢ اور اسلئے کہ اس میں اپنی نماز کی اصلاح ہے۔

تشریح: کنکری کو الٹنا پلٹنا اچھا نہیں ہے لیکن چونکہ اپنی نماز کی اصلاح ہے اسلئے ایک مرتبہ کر سکتا ہے۔

ترجمه: (۴۳۱) نہ انگلیاں چٹخائے۔

ترجمه : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ اپنی انگلیوں کو نہ چٹخاؤ جب تم نماز میں ہو۔

تشریح: انگلیاں چٹخانا جس کی وجہ سے انگلیوں سے آواز نکلتی ہے نماز میں مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز میں کولھے پر ہاتھ رکھنا یا کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کہ حدیث یہ ہے عن علی ان رسول الله ﷺ قال لا تفقع اصابعک وانت فی الصلوة . (ابن ماجہ شریف، باب ما یکرہ فی الصلوۃ ص ۱۳۶، نمبر ۹۶۴ / سنن للبیھقی ، باب کراہیۃ تفقیع الاصابع فی الصلوۃ ج ثانی ص ۴۱۰، نمبر ۳۵۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے۔

ترجمه: (۴۳۲) اور نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے۔

ل وهو وضع اليد على الخاصرة لانه عليه السلام نهىٰ عن الاختصار فى الصلوٰة ٢ ولان فيه ترك الوضع المسنون(۴۳۳) ولا يلتفت ﴾ ل لقوله عليه السلام لوعلم المصلى من يناجى ما التفت

ترجمه : ل تخصر کا ترجمہ ہے ہاتھ کو کوکھ پر رکھنا۔اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں اختصار سے روکا ہے۔

تشریح : تخصر کا ترجمہ ہے کوکھ پر یا کمر پر ہاتھ رکھنا۔ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے اسلئے کہ حضورؐ نے اس سے روکا ہے۔

وجه : (۱) کوکھ پر یا کو لھے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ انه نهى ان يصلى الرجل مختصرا . (مسلم شریف، باب کراہیۃ الاختصار فی الصلوۃ ص ۲۰۶ نمبر ۱۲۱۸/۵۴۵/ابو داؤد شریف، باب التخصر والاقعاء ص ۱۳۷ نمبر ۹۰۳) اس حدیث میں ہے کہ کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔(۲) عن زياد بن صبيح الحنفى قال : صليت الى جنب ابن عمر فوضعت يدى على خاصرتى ،فلما صلى قال : هذا الصلب فى الصلوة ،و كان رسول الله ﷺ ينهى عنه ۔(ابوداود شریف، باب التخصر والاقعاء، ص ۱۳۸، نمبر ۹۰۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کوکھ پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔

ترجمه : ٢ اور اسلئے کہ اس میں مسنون طریقے کو چھوڑنا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ کوکھ پر ہاتھ رکھنا مکروہ اسلئے بھی ہے مسنون طریقہ یہ ہے کہ قیام میں ہاتھ باندھ کر رکھے اور یہ اسکے خلاف ہاتھ کو کوکھ پر رکھ رہا ہے۔

ترجمه : (۴۳۳) نماز میں دائیں بائیں جانب متوجہ نہ ہو۔

تشریح : اگر صرف نظریں پھرائیں تو مکروہ ہے۔اور چہرہ پھرایا تو مکروہ تحریمی ہے۔اور سینہ بھی پھر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجه : حدیث میں ہے عن عائشة قالت سألت رسول الله ﷺ عن الالتفات فى الصلوة فقال هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلوة العبد ۔(بخاری شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۱/ابو داؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ ص ۱۳۸ نمبر ۹۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکنا مکروہ ہے۔

ترجمه : ل حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اگر نمازی جان لے کہ کس ذات سے سرگوشی کر رہا ہے تو کبھی ادھر ادھر توجہ نہ کرے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث کا مفہوم اس حدیث میں ہے۔ قال ابو ذر : قال رسول الله ﷺ : لا يزال الله عز و جل مقبلاً على العبد و هو فى صلوته ما لم يلتفت ، فاذا التفت انصرف عنه . (ابوداود شریف، باب الالتفات فی الصلوۃ، ص ۱۳۹، نمبر ۹۰۹) اس حدیث میں ہے کہ جب تک بندہ ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ اسکی توجہ خاص کرتے ہیں ،اور ادھر ادھر کرتا ہے اللہ تعالی توجہ خاص پھیر لیتے ہیں۔

(٤٣٤) ولو نظر بمؤخر عينيه يمنة ويسرة من غير ان يلوى عنقه لا يكره ﴾ ۱ لانه عليه السلام كان يلاحظ اصحابه فى صلاته بمؤق عينيه (٤٣٥) ولا يُقْعِي ولا يفترش ذراعيه ﴾

ترجمه : (٤٣٤) اوراگر آنکھ کے کنارے سے دائیں بائیں دیکھا بغیر گردن کو موڑے ہوئے تو مکروہ نہیں ہے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ حضور علیہ السلام نماز میں اپنے ساتھیوں کو آنکھ کے کنارے سے دیکھا کرتے تھے۔

تشـــريح : نماز میں گردن سیدھی رکھی اسکو ادھر ادھر نہیں موڑی صرف آنکھ کے کنارے سے دائیں بائیں دیکھ لیا تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ كان يلحظ فى الصلوة يميناً و شمالاً و يلوى عنقه خلف ظهره ۔(ترمذی شریف، باب ماذکر فی الالتفات فی الصلوۃ ص ١٥٣، نمبر ٥٨٧ رنسائی شریف، باب الرخصۃ فی الالتفات فی الصلوۃ یمینا وشمالا، ص ١٦٧، نمبر ١٢٠١) اس حدیث میں ہے کہ حضور گردن کو بغیر موڑے ہوئے کبھی کبھی ادھر ادھر دیکھتے تھے (٢) قال سهل التفت ابو بكر فرأى النبى ﷺ وفى حديث آخر عن ابن عمر انه قال رأى رسول الله ﷺ نخامة فى قبلة المسجد و هو يصلى بين يدى الناس فحتها (بخاری شریف، باب هل يلتفت لامر ينزل به ص ١٠٤ نمبر ٧٥٣ رابوداؤد شریف، باب الرخصۃ (النظر فی الصلوۃ) ص ١٣٩ نمبر ٩١٦) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر نظریں پھرا کر دیکھنے کی کراہیت نہیں ہے۔ پھر بھی خشوع وخضوع میں خلل آسکتا ہے اس لئے بلا ضرورت نہیں دیکھنا چاہئے۔

لغت: مؤخر عینیہ: آنکھ کا دونوں کنارہ۔ یمنۃ: دائیں جانب۔ یسرۃ: بائیں جانب۔ یلوی: لوی سے مشتق ہے ،موڑے۔ مؤق: آنکھ کا کنارہ۔

ترجمه: (٤٣٥) کتے کی طرح نہ بیٹھے۔ اور نہ اپنے باہوں کو بچھائے۔

تشـــريح : سرین زمین پر رکھ دے اور دونوں گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں باہوں زمین پر ٹیک دے۔ اس انداز سے کتا عموما بیٹھتا ہے اس لئے نماز میں اس انداز سے بیٹھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح سجدے میں دونوں بانہو کو بچھانا مکروہ ہے۔

وجه : (١) عن على قال قال النبى ﷺ : يا على ! لا تقع اقعاء الكلب ۔(ابن ماجۃ شریف، باب الجلوس بین السجدتین، ص ١٢٦، نمبر ٨٩٥ رترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ الاقعاء بین السجدتین، ص ٦٣، نمبر ٢٨٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتے کی طرح نہ بیٹھے۔ (٢) سمعت انس بن مالک يقول : قال لى النبى ﷺ : اذا رفعت رأسک من السجود فلا تقع كما يقعى الكلب ، ضع أليتک بين قدميک ، و الزق ظاهر قدميک بالارض (ابن ماجۃ

ل لقول ابی ذر نهانی خلیلی عن ثلٰث ان انقر نقرالدیک و ان اُقعِیَ اِقعاءَ الکلب و ان افترش افتراش الثلعب.۲ والاقعاء ان یضع الیتیه علی الارض وینصب رکبتیه نصبا هو الصحیح

شریف، باب الجلوس بین السجدتین،ص۱۲۶،نمبر ۸۹۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے۔ اور سجدے میں کتے کی طرح ہاتھ کو بچھانا مکروہ ہے، اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن انس أن النبی ﷺ قال : اعتدلوا فی السجود و لا یفترش أحدکم ذراعیه افتراش الکلب ۔(ابوداود شریف، باب صفۃ السجود،ص ۱۳۸،نمبر ۸۹۷/بخاری شریف، باب لایفترش ذراعیه فی السجود،ص۱۱۳،نمبر ۸۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدے میں کتے کی طرح ہاتھ نہ بچھائے۔ مکروہ ہے بلکہ ہتھیلی زمین پر رکھ کر ہاتھ زمین سے اونچا رکھے۔

ترجمه : ل حضرت ابوذرؓ کے قول کی وجہ سے، کہ میرے خلیلؐ نے مجھے تین باتوں سے روکا، [۱] یہ کہ سجدے میں مرغے کی طرح ٹھونگ نہ ماروں [۲] اور یہ کہ کتے کی طرح نہ بیٹھوں، [۳] اور یہ کہ لومڑی کی طرح ہاتھ نہ بچھاؤں۔

تشریح : صاحب هدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة قال : أمر نی رسول الله ﷺ بثلاث و نهانی عن ثلاث ،أمرنی برکعتی الضحی کل یوم ، و الوتر قبل النوم ، و صیام ثلاثة ایامٍ من کل شهر ، و نهانی عن نقرة کنقرة الدیک ، و اقعاء کاقعاء الکلب ، و التفات کالتفات الثعلب ۔(مسند احمد، مسند ابی هریرة، ج ثانی ص ۵۹۹،نمبر ۸۰۴۴) اس حدیث میں ہے کہ کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا۔ البتہ اس حدیث میں لومڑی کی طرح التفات کرنا ہے، بچھانا نہیں ہے۔

ترجمه : ۲ اور اقعاء کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں چوتڑوں کو زمین پر رکھے اور دونوں گھٹنے بالکل کھڑے کر لے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح :اقعاء بیٹھنے کی دو تفسیریں ہیں [۱] ایک تو یہ ہے کہ دونوں قدموں کو کھڑا کرے اور ایڑیوں بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ یہ تفسیر امام کرخیؒ کی ہے۔ [۲] اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اپنے چوتڑ پر بیٹھے اور اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کرے، اور اپنے دونوں رانوں کو سینے سے ملائے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔ یہ تفسیر صاحب ھدایہ نے لی ہے۔

وجه : ابی عبیدہؒ نے یہی تفسیر کی ہے۔عن ابی عبیدة أنه قال الاقعاء هو أن یلصق الیتیه بالارض و ینتصب علی ساقیه و یضع یدیه بالأرض ، و قال فی موضع آخر : الاقعاء جلوس الانسان علی الیتیه ناصباً فخذیه مثل اقعاء الکلب و السبع ۔(سنن للبیهقی ، باب الاقعاء المکروہ فی الصلوۃ ج ثانی ص ۱۷۳،نمبر ۲۷۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چوتڑ کو زمین پر رکھے اور دونوں پنڈلی کو اونچی کرے، اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھ دے یہ کتے کی طرح بیٹھنا ہے جو مکروہ ہے ۔اوپر کی حدیث ابن ماجہ نمبر ۸۹۶، سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۳۶) ولا يرد السلام بلسانه لانه كلام ولا بيده ﴾

نوٹ: سجدوں کے درمیان دونوں ایڑیوں کو کھڑی کر کے اس پر سرین رکھ کر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمع طاؤسا يقول قلنا لابن عباس فى الاقعاء على القدمين فقال هى السنة فقلنا له انا لنراه جفاء بالرجل فقال ابن عباس بل هى سنة نبيك ﷺ (مسلم شریف، باب جواز الاقعاء علی العقبین ص ۲۰۲ نمبر ۵۳۶/۱۱۹۸ رسنن للبیہقی ، باب القعود على العقبين بين السجدتين ج ثانی ص ۱۷۱، نمبر ۲۷۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں پر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

لغت: الاقعاء : کتے کی طرح بیٹھنا۔

ترجمه : (۴۳۶) زبان سے سلام کا جواب نہ دے۔[اسلئے کہ وہ کلام کے درجے میں ہے]۔اور نہ ہاتھ سے اشارہ کرے۔

وجه :(۱) حدیث میں دونوں طرف کے جواب دینے سے منع فرمایا ہے عن زيد ابن ارقم قال كنا نتكلم فى الصلوة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه فى الصلوة حتى نزلت و قوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام . (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۴ نمبر ۵۳۹ /ابا داؤد شریف، باب النہی عن الکلام فی الصلوۃ ص ۱۴۴ /ترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوۃ ص ۹۲، نمبر ۴۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زبان سے کلام کرنا جائز نہیں ہے۔حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بھول سے بھی کلام کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

۔اشارے سے سلام کا جواب دینے کی ممانعت اس حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا السلام عليكم ورحمة الله ،السلام عليكم ورحمة الله واشار بيده الى الجانبين فقال رسول الله ﷺ علام تؤمون بايديكم كانها اذناب خيل شمس انما يكفى احدكم اى يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه و شماله ۔(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنہی عن الاشارۃ بیدہ الخ ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۱ /ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

فائده: بعض ائمہ کے نزدیک تھوڑے سے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن صهيب قال مررت برسول الله ﷺ وهو يصلى فسلمت عليه فرد الى اشارة وقال لا اعلم الا انه قال اشارة باصبعه ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاشارۃ فی الصلوۃ ص ۸۵ نمبر ۳۶۷ /ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۵ /ابوداؤد شریف، باب الاشارۃ فی الصلوۃ ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۳ /مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ نمبر ۵۴۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ہم کہتے ہیں کہ یہ پہلی احادیث کی وجہ سے

ل لانـه سلام معنى حتى لو صافح بنية التسليم تفسد صلاته(٤٣٧) ولايتربع الامن عذر ﴾ ل لان فيه تـرک سنة القعود.(٤٣٨) ولا يـعقص شعره ﴾ ل وهـو ان يـجـمـع شعره علىٰ هامته ويشدّه بخيط

منسوخ ہے۔اس لئے مکروہ ہے۔البتہ چونکہ نہ یہ کلام ہےاور نہ عمل کثیر ہےاس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه : ل اسلئے کہ ہاتھ سے اشارہ کرنا سلام کے معنی میں ہے۔یہاں تک کہ اگر سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشـريح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ ہاتھ سے اشارہ کرنا سلام کے معنی میں ہے،اورابھی گزرا کہ سلام کرنا مکروہ ہے،اسلئے اشارے سے جواب دینا بھی مکروہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر نماز میں سلام کی نیت سے مصافحہ کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔

ترجمه: (٤٣٧) اور چارزانوں نہ بیٹھے۔

ترجمه : ل اسلئے کہ اس میں بیٹھنے کی سنت کو چھوڑنا ہے۔

تشـريح : پالتی مارکر چارزانوں بیٹھنا مکروہ ہے۔اسلئے کہ سنت کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کھڑا رکھےاور بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔

وجه : (١)فقال ابو حميد الساعدى.... فاذا جلس فى الركعتين جلس على رجله اليسرى و نصب اليمنى واذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته ـ(بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص١١٤نمبر٨٢٨ر مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص١٩٤نمبر٤٩٨ر١١١٠) مسلم شریف میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے منقول ہے(٢) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لانظرن الى صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس يعنى للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعنى على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى ـ(ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص٦٥ نمبر٢٩٢)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔اس لئے چارزانوں بیٹھنا مکروہ ہے۔(٣)اس اثر میں ہے۔قال عبد الله (بن مسعود) لان اجلس على رضفين خير من ان اجلس فى الصلوة متربعا (مصنف عبدالرزاق، باب الاقعاء فی الصلوۃ ج ثانی ص١٩٦نمبر٣٠٥٢)

نوٹ: کبھی کبھار حضورؐاور صحابہ پالتی مارکر بیٹھتے تھےاس لئے یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے۔عذر ہوتو ایسا بھی بیٹھنا جائز ہے۔

ترجمه: (٤٣٨)اور نہ بال کا چوٹا باندھے۔

ترجمه : ل عقص یہ ہے کہ اپنے بال کو اپنی پیشانی یا سر پر جمع کرےاوراسکو دھاگے سے باندھے، یا گوند سے چپکادے۔

اوبصمغ ليتلبّد ۲ قد روى انه عليه السلام نهى ان يصلى الرجل وهو معقوص. (۴۳۹) ولا يكف ثوبه لانه ۱ نوع تجبر

تشریح : عورت کے لئے تو جائز ہے لیکن مرد پیشانی یا سر پر بال کا چوٹلا باندھ کر نماز پڑھے یہ مکروہ ہے۔ چوٹلا باندھنے کی دو صورتیں ہیں [۱] ایک صورت تو یہ ہے کہ سر پر یا پیشانی پر تمام بالوں کو جمع کرے اور اسکو دھاگے سے باندھ دے اور چوٹلا بنا دے ،[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ ان بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے جما دے، یہ دونوں صورتیں مکروہ ہیں۔

وجه : (۱) مرد کے لئے یہ زینت کے خلاف ہے، اور اس میں بالوں کو سمیٹنا ہوگا جو حدیث میں ممنوع ہے۔ عن ابن عباس قال أمر النبی ﷺ أن یسجد علی سبعة أعظم ، و لا یکف ثوبه و لا شعره ۔(بخاری شریف، باب لا یکف شعراً، ص ۱۱۳، نمبر ۸۱۵ / مسلم شریف، باب أعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب، ص ۲۰۲، نمبر ۴۹۰/۱۰۹۵) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں بال کو نہ سمیٹے، اور چوٹلا باندھنے میں بال کو سمیٹنا ہوتا ہے اسلئے یہ مکروہ ہوگا ۔(۲) أنه رأى أبا رافع مولى النبی ﷺ مر بحسن بن علی علیهما السلام و هو یصلی قائما و قد غرز ضفره فی قفاه ، فحلها أبو رافع فالتفت حسن الیه مغضباً فقال ابو رافع : أقبل علی صلوتک و لا تغضب فانی سمعتُ رسول الله ﷺ : یقول : ذالک کفل الشیطان ، یعنی مقعد الشیطان ۔ یعنی مغرز ضفره ۔(ابوداود شریف، باب الرجل یصلی عاقصاً شعره، ص ۱۰۲، نمبر ۶۴۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی کف الشعر فی الصلوۃ، ص ۸۷، نمبر ۳۸۴) اس حدیث میں ہے کہ چوٹلا باندھنا شیطان کا کام ہے۔(۳) مرد کے لئے بال گوندھنے میں عورت کی مشابہت ہے اسلئے بھی مکروہ ہے۔

ترجمه : ۲ حضور علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آدمی کو چوٹلا باندھ کر نماز پڑھنے سے روکا۔

وجه : ۔(۳) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ رأیت أبا رافع مولی رسول الله ﷺ .... و قال نهی رسول الله ﷺ أن یصلی الرجل و هو عاقص شعره ۔(ابن ماجۃ شریف، باب کف الشعر والثوب فی الصلوۃ، ص ۱۴۶، نمبر ۱۰۴۲) اس حدیث میں ہے کہ مرد کے لئے سر پر جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے

لغت : یعقص : عقص سے مشتق ہے، سر پر جوڑا باندھنا، اسی سے معقوص ہے، چپکا ہوا۔۔ ھامۃ: کھوپڑی، سر کا حصہ۔ یشد: باندھنا۔ صمغ : گوند۔ یتلبد : لبد سے مشتق ہے گوند سے کسی چیز کو چپکانا

ترجمه: (۴۳۹) اپنے کپڑے کو نہ سمیٹے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ یہ ایک قسم کا تکبر ہے

تشریح : نماز میں بار بار کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے اسلئے کہ یہ ایک قسم کا تکبر ہے۔

(٤٤٠)ولا يسدُل ﴿١ ثوبه لانه عليه السلام نهى عن السدل ٢ وهو ان يجعل ثوبه على رأسه وكتفيه ثم يرسل اطرافه من جوانبه(٤٤١) ولا يأكل ولايشرب ﴾

وجه : (١) ابھی اوپر حدیث گزری کہ نماز میں کپڑا نہ سمیٹے۔حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس قال أمر النبی ﷺ أن يسجد على سبعة أعظم ، و لا يكف ثوبه و لا شعره ۔(بخاری شریف، باب لا یکف شعراً ص ۱۱۳، نمبر ۸۱۵ر مسلم شریف، باب أعضاء السجو د والنھی عن کف الشعر والثوب ص ۲۰۲، نمبر ۴۹۰ ر ۱۰۹۵) اس حدیث میں ہے کہ کپڑا نہ سمیٹے

ترجمہ: (۴۴۰) نہ کپڑا لٹکائے۔

ترجمہ : ١ اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے سدل سے روکا

تشریح : کندھے پر کپڑا ڈال کر دونوں کناروں کو لٹکا ہوا چھوڑ دینا سدل ہے اور یہ مکروہ ہے۔

وجہ : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هرير ة ان رسول الله ﷺ نهى عن السدل فى الصلوة وان يغطى الرجل فاه ۔(ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی السدل فی الصلوۃ ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۳ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ السدل فی الصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۳۷۸) اس حدیث میں ہے کہ سدل کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ٢ سدل یہ ہے کہ کپڑا اپنے سر پر اور اپنے کندھے پر ڈالے پھر اسکے کنارے کو ہر جانب سے چھوڑ دے۔

تشریح : یہ سدل کی تفسیر فرما رہے ہیں، کہ سدل کی صورت یہ ہے کہ کپڑا اپنے سر پر اور کندھے پر ڈال دے اور اسکے تمام کنارے کو نیچے لٹکتا چھوڑ دے، اسکو سدل کہتے ہیں۔ لیکن اگر چادر کو یا رومال کو ایک پیچ دے دیا جائے تو اب سدل نہیں رہے گا [۱] اسکے مکروہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ یہود کا طریقہ ہے، [۲] اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح کپڑا لٹکا رہے تو نماز میں بار بار اسکو سمیٹنا پڑتا ہے جس سے خشوع خضوع میں فرق پڑے گا، اور پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ بار بار کپڑے کو سمیٹنا مکروہ ہے اس لئے بھی مکروہ ہے۔

نوٹ: بعض علماء نے فرمایا کہ جسم پر قمیص یا ازار وغیرہ نہ ہو صرف ایک ہی کپڑا جسم پر ہو وہ بھی اس طرح کہ ذرا سا کھل جائے تو ستر نظر آجائے تو اس طرح کے کپڑے کو لٹکانا بھی سدل ہے اور یہ مکروہ ہے۔ ترمذی شریف کی اس عبارت میں اسکی وضاحت ہے۔و قال بعضهم انما كره السدل فى الصلوة اذا لم يكن عليه الا ثوب واحد ، فأما اذا سدل على القميص فلا بأس ، و هو قول أحمد ، و كره ابن المبارك السدل فى الصلوة ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ السدل فی الصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۳۷۸) اس عبارت میں ہے کہ ایک ہی کپڑا جسم پر ہو تو کپڑا لٹکا کر رکھنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۴۴۱) اور نماز میں نہ کھائے اور نہ پیئے۔

لے لانه ليس من اعمال الصلوٰة فان اكل اوشرب عامدا اوناسيا فسدت صلاته ﴾ لے لانه عمل كثير وحالة الصلوة مذكّرة(۴۴۲) ولابأس بان يكون مقام الامام فى المسجد وسجوده فى الطاق ويكره ان يقوم فى الطاق

ترجمه : لے اسلئے کہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہیں۔
پس اگر جان کر یا بھول کر کھایا یا پیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : نماز میں بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نماز میں جان کر یا بھول کر بھی کھایا یا پیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجه : اثر میں ہے۔ عن الثورى عمن سمع عطاء قال : لا يأكل و لا يشرب و هو يصلى ، فان فعل أعاد۔(مصنف عبدالرزاق، باب الأكل والشرب فى الصلوة، ج ثانی، ص ۳۳۲، نمبر ۳۵۷۹) اس اثر میں ہے کہ نماز میں کھائے گا یا پیے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے نماز دوبارہ پڑھے۔اور چونکہ جان کر یا بھول کر کی قید نہیں ہے اسلئے جان کر کھائے گا یا بھول کر کھائے گا دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : لے اسلئے کہ یہ عمل کثیر ہے، اور نماز کی حالت یاد دلانے والی ہے [اسلئے بھول کر بھی نماز میں کھائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی]

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ نماز کی حالت یاد دلانے والی ہے اسلئے اس میں بھول کر کھانا عذر نہیں ہے، اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : (۴۴۲) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ امام مسجد میں کھڑا ہو اور انکا سجدہ محراب میں ہو۔ اور خود امام کو محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

تشریح : طاق کا معنی محراب ہے۔ امام محراب میں کھڑا ہو اور سجدہ بھی محراب میں کرے تو یہ مکروہ ہے۔ لیکن اگر امام مسجد میں اس طرح کھڑا ہو کہ پاؤں مسجد میں ہو اور جب سجدے میں جائے تو سجدہ محراب میں ہو جاتا ہو تو یہ جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں امام کی حالت عام مقتدی کی ہوگئی ہے اور کوئی خصوصیت نہیں رہی اسلئے یہ جائز ہے۔

وجه : (۱) امام محراب میں ہو تو اس صورت میں مقتدی سے امام کی ایک اہم خصوصیت ہو جاتی ہے اسلئے یہ مکروہ ہے۔ (۲) عن ابراهيم كان يكره أن يصلى فى طاق الامام ۔(مصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ الامام فی الطاق، ج ثانی، ص ۴۱۲، نمبر ۳۸۹۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷۸ الصلوۃ فی الطاق، ج اول، ص ۴۰۹، نمبر ۴۶۹۷) اس اثر میں ہے کہ امام طاق یعنی محراب میں ہو تو یہ مکروہ

ل لانه يشبه صنيع اهل الكتاب من حيث تخصيص الامام بالمكان بخلاف ماذاكان سجوده فى الطاق (٤٤٣) ويكره ان يكون الامام وحده على الدكان لما قلنا وكذاعلى القلب

ہے۔البتہ امام محراب سے باہر ہواور سجدہ محراب کے اندر کرتا ہو،تو چونکہ اس صورت میں امام کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اسلئے یہ جائز ہے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ محراب میں کھڑا ہونا اہل کتاب کے طریقے کے مشابہ ہے اسلئے کہ امام کو مکان کی تخصیص ہوگئی بخلاف جبکہ صرف سجدہ محراب میں ہو

تشریح: عام لوگوں سے الگ تھلگ کھڑا ہونا اہل کتاب کا طریقہ ہے،اسلئے اسکی مشابہت اچھی نہیں۔کیونکہ اس میں ایک قسم کی خصوصیت ہے۔ہاں امام مسجد میں کھڑا ہواور صرف سجدہ محراب میں کرے تو کوئی بات نہیں ہے۔

وجہ: اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔عن موسى الجهنى قال : قال رسول الله ﷺ لا تزال هذه الامة أو قال أمتى بخير ما لم يتخذ وا فى مساجدهم مذائح كمذائح النصارى . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷۸ الصلوۃ فی الطاق، ج اول،ص ۴۰۹،نمبر ۴۶۹۹)اس اثر میں ہے کہ مسجدوں میں نصاری کی طرح محراب بنانا اچھی بات نہیں ہے۔مذائح کا معنی ہے، محراب۔

ترجمہ: (۴۴۳)اور امام اکیلے اونچی جگہ پر ہوتو یہ مکروہ ہے[اس بناء جو میں نے پہلے کہا]اور ایسے ہی اسکا الٹا[یعنی اکیلے امام نیچے ہو]

تشریح: امام کے ساتھ دو چار آدمی بھی اونچی جگہ پر ہوتو کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن تنہا امام اونچی جگہ پر ہوتو اس میں اس میں اہل کتاب کی طرح ایک خصوصیت ہے اسلئے یہ بھی مکروہ ہے۔اسی طرح مقتدی اونچی جگہ پر ہواور صرف امام نیچی جگہ پر ہوتو اس میں امام کی توہین ہے اسلئے یہ بھی مکروہ ہے۔

وجہ: اس حدیث میں ہے۔أنه كان مع عمار بن ياسر بالمدائن ....قال له حذيفة : ألم تسمع رسول الله ﷺ يقول : اذا أم الرجل القوم فلا يقم فى مكان أرفع من مقامهم . أو نحو ذالک قال عمار : لذالک اتبعتک حين أخذت على يدى ۔(ابوداود شریف،باب الامام یقوم مکانا أرفع من مکان القوم،ص ۹۸،نمبر ۵۹۸/مستدرک للحاکم،باب ومن کتاب الامامۃ وصلاۃ الجماعۃ،ج اول،ص ۳۲۹،نمبر ۷۶۰)اس حدیث میں ہے کہ امام اونچی جگہ پر ہواور مقتدی نیچی جگہ پر ہو یہ اچھا نہیں ہے،اسی طرح اکیلا امام نیچی جگہ پر ہوتو اس میں امام کی توہین ہے اسلئے یہ بھی مکروہ ہے۔

اگر کسی مسئلے کو سمجھانے کے لئے اونچی جگہ پر نماز پڑھی تو مکروہ نہیں ہے۔اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ أن رجالاً أتوا سهل

لـ فى ظاهر الرواية لانه ازدراء بالامام(۴۴۴)ولابأس ان يصلى الى ظهر رجل قاعد يتحدث
لـ لان ابن عمرؓ ربما كان يستتر بنافع فى بعض اسفاره

ابـن سعدالساعدى ....ثم رأيت رسول الله ﷺ صلى عليها و كبر و هو عليها ثم ركع و هو عليها ثم نزل القهقرى فسجد فى أصل المنبر ، ثم عاد ، فلما فرغ أقبل على الناس فقال : أيها الناس انما صنعت هذا لتأتموا بى و لتعلموا صلاتى ۔(بخاری شریف، باب الخطبہ علی المنبر ،ص ۱۴۷،نمبر ۹۱۷)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے منبر کے اوپر نماز پڑھی،لیکن خود حدیث میں ہے کہ یہ لوگوں کو بتلانے لئے تھا اسلئے جائز ہے ورنہ عام حالات میں اکیلا اونچائی پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ترجمه : لـ ظاہر روایت میں،اسلئے کہ اس میں امام کی توہین ہے ۔

تشریح : ظاہر روایت یہی ہے کہ اکیلا امام کے نیچے رہنے میں امام کی توہین ہے اسلئے یہ بھی مکروہ ہے۔

ترجمه: (۴۴۴)کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بیٹھ کر بات کرنے والے مرد کے پیچھے نماز پڑھے۔

تشریح : کوئی آدمی بیٹھ کر بات کر رہا ہوتو اسکے پیچھے نماز پڑھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔البتہ اگر اتنی زور زور سے باتیں کر رہے ہوں کہ خشوع خضوع ختم ہونے کا خطرہ ہوتو انکے پیچھے نماز نہ پڑھے تو اچھا ہے،اسی طرح اگر باتیں کرنے والے کا چہرہ نمازی کی طرف ہوتب بھی نماز نہ پڑھے کیونکہ دیکھنے والے کوشبہ ہوسکتا ہے کہ اسی آدمی کی عبادت کر رہا ہو

وجه: آدمی سامنے ہوتو اسکے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عائشة أن النبى ﷺ كان يصلى من الليل و أنا معترضة بينه و بين القبلة كاعتراض الجنازة ۔(ابن ماجۃ،باب من صلی وبینہ وبین القبلۃ شیء،ص ۱۳۵، نمبر ۹۵۶ رابوداود شریف، باب من قال:المرأۃ لاتقطع الصلوۃ،ص ۱۱۱،نمبر ۷۱۱)اس حدیث میں ہے کہ کوئی آدمی سامنے ہوتو اسکے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔(۲)اس اثر میں ہے بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھی۔اثر یہ ہے عن نافع أن ابن عمر كان يقعد رجلاً فيصلى خلفه و الناس يمرون بين يدى ذالك الرجل ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۵۸ الرجل یستر اذاصلی الیہ أم لا ؟،ج اول،ص ۲۵۰،نمبر ۲۸۸۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت نافع جو بیٹھے ہوئے ہوتے انکے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه : لـ اسلئے کہ حضرت ابن عمرؓ بعض سفر میں حضرت نافعؓ کوسامنے بیٹھاتے اور پردہ کرتے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔عن نافع قال : كان ابن عمر اذا لم يجد سبيلا الى سارية من سوارى المسجد قال لى : ولنى ظهرك ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۵۸ الرجل یستر اذاصلی الیہ أم لا؟،ج اول،ص ۲۵۰،نمبر ۲۸۷۸)

(۴۴۵) ولابأس بان يصلى وبين يديه مصحف معلّق اوسيف معلق ﴾ لے لانهما لا يعبدان وباعتباره تثبت الكراهة. (۴۴۶) ولابأس بان يصلى على بساط فيه تصاوير ﴾ لے لان فيه استهانة بالصور

اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ حضرت نافعؒ کو اپنے سامنے بیٹھاتے اور نماز پڑھتے۔
اور خشوع خضوع میں خلل ہو تو بات کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ حدثني عبد الله بن عباس أن النبي ﷺ قال : لا تصلوا خلف النائم و لا المتحدث ۔(ابو داود شریف باب الصلوۃ الی المتحد ثین والنیام ص ۱۰۸، نمبر ۶۹۴ / ابن ماجۃ، باب من صلی وبینہ وبین القبلۃ شیء، ص ۱۳۵، نمبر ۹۵۹) اس حدیث میں ہے کہ بات کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

ترجمہ: (۴۴۵) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ اس حال میں نماز پڑھے کہ اسکے سامنے قرآن لٹکا ہوا ہو، یا تلوار لٹکی ہوئی ہو ۔

ترجمہ : لے اسلئے کی ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی، اور اسی عبادت کی وجہ ہی سے کراہیت ثابت ہوتی ہے۔

تشریح : سامنے قرآن لٹکا ہوا ہو، یا رکھا ہوا ہو، یا تلوار رکھی ہوئی ہو یا لٹکی ہوئی ہو اور اسکے سامنے نماز پڑھے تو مکروہ نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اسکی ایک وجہ صاحب ھدایہ نے بیان کی ہے کہ کراہیت عبادت کرنے سے ہوتی ہے اور ان دونوں کی مسلمان عبادت نہیں کرتا اسلئے انکے سامنے ہونے سے کراہیت نہیں ہوگی۔(۲) دوسری وجہ یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا خرج يوم العيد أمر بالحربة فتوضع بين يديه ، فيصلى اليها و الناس ورائه ، و كان يفعل ذالک فی السفر ۔(مسلم شریف، باب سترۃ المصلی والندب الی الصلوۃ الی سترۃ ص ۱۹۵، نمبر ۵۰۱ / ۱۱۱۵ / بخاری شریف ، باب حمل العنزۃ أو الحربۃ بین یدی الامام یوم العید، ص ۱۵۶، نمبر ۹۷۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ اپنے سامنے نیزہ رکھتے اور اسکے سامنے نماز پڑھتے، جس سے معلوم ہوا کہ سامنے تلوار یا ہتھیار ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سامنے قرآن کریم ہو تو بھی نماز جائز ہوگی، کیونکہ مسلمان انکی عبادت نہیں کرتے۔

ترجمہ: (۴۴۶) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے ایسے بچھونے پر نماز پڑھنے میں جس میں تصویر ہو۔

ترجمہ : لے اسلئے کہ اس میں تصویر کی توہین ہے۔

تشریح : بچھونے پر تصویر ہو اور اس تصویر پر پاؤں رکھکر نماز پڑھے اور اس تصویر پر سجدہ نہ کرے تو یہ جائز ہے۔۔ یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جس صورت میں تصویر کی توہین ہوتی ہو تو جائز ہے، اور جس صورت میں تصویر کی تعظیم ہوتی ہو اس صورت میں جائز نہیں ہے۔

(۴۴۷)ولا یسجد علی التصاویر﴾ ۱ لانہ یشبہ عبادۃ الصورۃ ۲ واطلق الکراھیۃ فی الاصل لان المصلّی معظم

وجہ : (۱)تصویر حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسکی عبادت نہ کی جائے اور اسکی تعظیم نہ ہو بلکہ توہین ہو،اب تصویر والی جائے نماز پر اس طرح پاؤں رکھا کہ تصویر کی توہین ہو تو جائز ہے۔(۲)اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔ سمعت عائشۃؓ : قدم رسول اللہ ﷺ من سفر و قد سترت بقرام لی علی سھوۃ لی فیھا تماثیل فلما رأہ رسول اللہ ﷺ و قال أشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ ، قالت : فجعلناہ وسادۃ أو وسادتین . (بخاری شریف،باب ماوطی من التصاویر،ص۱۰۴۳،نمبر۵۹۵۴مسلم شریف ، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ ۔کتاب اللباس والزینۃ ،ص ۹۴۱ ،نمبر ۲۱۰۷/۵۵۳۱)اس حدیث میں ہے کہ پردے کو تکیہ بنادیا،اور تکیہ کو روندا جاتا ہے،جس سے معلوم ہوا کہ اگر جائے نماز کے اوپر تصویر ہو اور اسکو روندا جائے تو اس طرح اس تصویر والے جائے نماز پر نماز پڑھنا جائز ہے۔اس لئے کہ تصویر کی توہین ہوگئی۔

ترجمہ : (۴۴۷) اور تصویر پر سجدہ نہ کرے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ تصویر کی عبادت کے مشابہ ہے۔

تشریح : اوپر فرمایا کہ تصویر والی جائے نماز پر نماز جائز ہے،لیکن خود تصویر پر سجدہ نہ کرے کیونکہ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ خود تصویر کی عبادت کر رہا ہے،اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ تصویر کی تعظیم کی شکل جائز نہیں،البتہ توہین کرنے کی شکل میں جائز ہے۔

ترجمہ :۲ اور اصل[یعنی مبسوط میں] کراہیت کو مطلق رکھا ہے اسلئے کہ جائے نماز عظمت کی چیز ہے۔

تشریح: اوپر متن میں تو یہ تھا کہ تصویر والی جائے نماز پر نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ،البتہ تصویر پر سجدہ نہ کرے۔لیکن مبسوط میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تصویر والی جائے نماز پر نماز پڑھنا مطلقا مکروہ ہے۔یعنی تصویر پر سجدہ کرے تب بھی مکروہ ہے اور نہ کرے تب بھی مکروہ ہے۔

وجہ : (۱)اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ جائے نماز معظم اور محترم چیز ہے اسلئے اس میں تصویر ہو تو مکروہ ہوگی چاہے اس پر سجدہ کرے یا نہ کرے۔(۲) اور اوپر میں جو حدیث گزری حضرت عائشہؓ نے پردے کو تکیہ بنادیا تو اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ پردے کو اس طرح پھاڑا کہ تصویر باقی نہیں رہی بلکہ تصویر کا بھی دو ٹکڑا ہوگیا اور اسکی آنکھ کان مٹ کر درخت سا بن گیا اسلئے اسکا تکیہ بنانا جائز ہوگیا ۔(۳)وہ اس حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں ۔عن عائشۃ قالت حشوت للنبی ﷺ وسادۃ فیھا تماثیل کانھا نمرقۃ ، فجاء فقام بین الناس و جعل یتغیر وجھہ فقلت ما لنا یا رسول اللہ ؟ قال :ما بال ھذہ الوسادۃ؟ قلت وسادۃ جعلتھا لک لتضطجع علیھا قال أما علمتِ أن الملائکۃ لا تدخل بیتاً فیہ صورۃ و

(۴۴۸)ویکرہ ان یکون فوق رأسه فی السقف اوبین یدیه اوبحذائه تصاویر اوصورة معلقة ﴾
لـ لحديث جبريل انا لاندخل بيتا فيه كلب اوصورة

ان من صنع الصورة يعذب يوم القيامة فيقول : أحيوا ما خلقتم ۔(بخاری شریف، باب اذا قال احدکم آمین والملائکۃ فی السماء فوافقت احدھما الاخری غفرلہ ما تقدم من ذنبہ، ص ۵۳۸، نمبر ۳۲۲۴ر مسلم شریف، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ۔ کتاب اللباس والزینۃ، ص ۹۴۱، نمبر ۲۱۰۷/۵۵۲۰) اس حدیث میں ہے کہ بستر اور کپڑے پر بھی جاندار کی تصویر ہو تو اسکو استعمال کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ : (۴۴۸) اور مکروہ ہے کہ سر کے اوپر چھت میں تصویر ہو، یا نمازی کے سامنے [سجدے کی جگہ] تصویر ہو، یا اسکے آگے تصویر ہو، یا تصویر لٹکی ہوئی ہو۔

ترجمہ : لـ حضرت جبریلؑ کی حدیث کی وجہ سے کہ میں ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتا جس میں کتا یا تصویر ہو۔

تشریح : اوپر متن میں تھا کہ جائے نماز میں تصویر مکروہ ہے۔ اب یہ بتا رہے ہیں کہ [۱] نمازی کے سر کے اوپر چھت میں تصویر ہو تب بھی مکروہ ہے [۲] نمازی کے سامنے سجدے کی جگہ تصویر ہو تب بھی مکروہ ہے۔ [۳] نمازی کے دائیں بائیں تصویر ہو تب بھی مکروہ ہے۔ [۴] نمازی کے سامنے دیوار پر تصویر ہو تب بھی مکروہ ہے۔ [۵] یا سامنے دیوار کے ساتھ لٹکی ہوئی تصویر ہو تب بھی مکروہ ہے۔ البتہ تصویر نمازی کے پیچھے ہو، یا قدم کے نیچے رگڑی جا رہی ہو تب مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں تصویر کی توہین ہے، البتہ گھر میں تصویر ہونے کا گناہ ضرور ہوگا۔

وجہ : (۱) اوپر کی پانچ شکلوں میں تصویر کی تعظیم ہے اسلئے اس صورت میں نماز مکروہ ہوگی۔ اور تصویر نمازی کے پیچھے ہو یا قدم کے نیچے ہو تو اسکی توہین ہے اسلئے نماز مکروہ نہیں ہوگی۔ البتہ تصویر کو گھر میں بھی رکھنے کی ممانعت ہے اسلئے گھر کے کسی بھی حصے میں ہو تو اسکا رکھنا مکروہ ہوگا۔

(۲) اوپر حضرت عائشہؓ کی حدیث گزری کہ دیوار پر پردہ تھا اور اس میں تصویر تھی تو آپ ﷺ نے کراہیت کا اظہار فرمایا، کیونکہ اس میں اسکی تعظیم تھی اور اسکو تکیہ بنا دیا جس سے تصویر کو روندا جائے تو جواز کا درجہ ہوا حدیث یہ ہے۔ **سمعت عائشةؓ : قدم رسول الله ﷺ من سفر و قد سترت بقرام لی علی سهوة لی فيها تماثيل فلما رأه رسول الله ﷺ و قال أشد الناس عذابا يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله ، قالت : فجعلناه وسادة أو وسادتين .** (بخاری شریف، باب ما وطی من التصاویر، ص ۱۰۴۳، نمبر ۵۹۵۴ر مسلم شریف، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ۔ کتاب اللباس والزینۃ، ص ۹۴۱، نمبر ۲۱۰۷/۵۵۳۱) اس حدیث میں ہے کہ تصویر دیوار کے پردے پر تھی تو اس سے ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور اسکا تکیہ بنا دیا جس سے روندا

۲ ولو كانت الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للناظر لا يكره لان الصغار جدالاتعبد(۴۴۹) واذا كان التمثال مقطوع الرأس اى محوالراس فليس بتمثال ﴾

جائے تو آپؐ نے کچھ نہیں کہا (۳) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے. سمعت أبا طلحة يقول : سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب و لا صورة تماثيل ۔(بخاری شریف، باب اذا قال أحدكم آمين والملائكة فی السماء فوافقت احداهما الاخرى غفرله ما تقدم من ذنبه، ص ۵۳۸ نمبر ۳۲۲۵ رمسلم شریف، باب تحریم صورة الحيوان، الخ، ص ۹۴۰، نمبر ۲۱۰۴/۵۵۱۱)اس حدیث میں ہے کہ ذی روح کی تصویر جہاں ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے ۔

ترجمه : ۲ اور اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو نظر نہ آتی ہو تو مکروہ نہیں ہے اسلئے کہ بہت چھوٹی تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی۔

تشريح: اگر نمازی آگے پیچھے، یا دائیں بائیں اتنی چھوٹی تصویر ہے کہ دیکھنے والے کو نظر نہیں آتی تو اسکے سامنے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے ۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ اس تصویر کا سامنے ہونا مکروہ ہے جس کی عبادت کی جاتی ہو، اور بہت چھوٹی تصویر جو دیکھنے والے کو نظر بھی نہ آتی ہو اسکی عبادت نہیں کی جاتی اسلئے اسکے سامنے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔تاہم گھر میں تصویر رکھنے کی کراہیت ہوگی۔

ترجمه : (۴۴۹) اگر ذی روح تصویر کا سر کٹا ہوا ہو، یعنی سر مٹا ہوا ہو تو وہ اب ذی روح تصویر نہیں ہے۔

تشريح : ذی روح کی تصویر بنتی ہے سر سے، اور اگر سر نہ ہو تو نہ اسکی عبادت کی جاتی ہے اور نہ وہ ذی روح تصویر بنتی ہے، بلکہ وہ ایک درخت کی طرح ہوگئی۔اسلئے ذی روح کی تصویر سر کٹی ہوئی ہو یا سر مٹی ہوئی ہو تو گھر میں اسکا رکھنا بھی جائز ہے اور وہ سامنے ہو تو نماز مکروہ نہیں۔

وجه: (۱) سر کٹی ہوئی تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی اسلئے وہ مکروہ نہیں۔(۲) حدثنا ابو هريرة قال : قال رسول الله ﷺ أتاني جبرائيل فقال لی : أتيتک البارحة فلم يمنعنی أن اكون دخلت الا أنه كان على الباب تماثيل و كان فی البيت قرام ستر فيه تماثيل و كان فی البيت كلب ، فمر برأس التمثال الذی فی باب البيت يقطع فيصير كهيئة الشجرة و مر بالستر فليقطع فليجعل منه و سادتين منبوذتين توطآن و مر بالكلب فليخرج ففعل رسول الله ﷺ . (ابوداود شریف، باب فی الصور، ص ۵۸۳، نمبر ۴۱۵۸)اس حدیث میں ہے کہ تصویر کا سر کٹا ہوا ہو تو وہ درخت کی طرح ہو جاتا ہے۔(۳) حضرت عائشہؓ نے اوپر والی حدیث میں پردہ پھاڑ دیا اور تصویر کے سر کا ٹکڑا کر دیا اور اسکو تکیہ بنا دیا تو جائز ہو گیا۔یہ حدیث اوپر گزر گئی۔

۱؎ لانـه لاتـعبـد بـدون الرأس وصار كما اذا صلى الىٰ شمع اوسراج علىٰ ما قالوا(۴۵۰) ولو كانت الـصـورـة عـلىٰ وسادة ملقاة اوعلىٰ بساط مفروش لايكره ﴾ ۱؎ لانهـا تداس وتوطأ ۲؎ بخلاف ماذا كانت الوسادة منصوبة اوكانت على الستر لانه تعظيم لها

(۴)اس حدیث میں ہے کہ درخت کی تصویر ہوتو کوئی بات نہیں ہے۔عـن ابن عباس ....سمعت ُ رسول الله ﷺ يقول : كل مصور فى النار يجعل له بكل صورة صورها ، نفساً فتعذبه فى جهنم ،
و قـال ان كـنـت َلا بـد فاعلاً فاصنع الشجر و ما لا نفس له .فأقر به نصر بن على (مسلم شریف، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ۔کتاب اللباس والزینۃ ،ص ۹۴۱،نمبر ۲۱۱۰/۵۵۴۰)اس حدیث میں ہے کہ اگر تصویر بنانا ہی ہوتو ذی روح کے علاوہ کی تصویر بنائے۔جس سے معلوم ہوا کہ ذی روح کا سر کاٹ دیا جائے تو وہ درخت کے درجے میں ہوگا،اور وہ سامنے ہوتو مکروہ نہیں ہے۔

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ بغیر سر کے تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی،اور ایسا ہو گیا کہ موم بتی یا چراغ کی طرف نماز پڑھی جیسا کہ لوگوں نے کہا۔

تشـــريح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ بغیر سر کے تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی اسلئے سر نہ ہوتو وہ تصویر نہیں رہی،تو ایسا سمجھو کہ چراغ یا شمع کی طرف نماز پڑھی،اور چراغ یا موم بتی کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے تو سر کٹے ہوئے تصویر کی طرف بھی جائز ہے۔

لغت : تمثال: ذی روح تصویر۔محو: مح سے مشتق ہے،مٹانا۔شمع: موم بتی۔سراج: چراغ۔

ترجمه : (۴۵۰)اور اگر تصویر پڑا ہوا تکیہ پر ہو یا بچھا ہوا بچھونے پر ہوتو مکروہ نہیں ہے

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ تکیہ اور بچھونا روندا اور بچھایا جاتا ہے۔

تشريح : اگر تصویر پڑا ہوا تکیہ پر ہو یا بچھا ہوا بچھونے پر ہوتو چونکہ اس صورت میں تصویر کی توہین ہو رہی ہے اسلئے اس پر نماز مکروہ نہیں ہے۔

وجه : اوپر حدیث میں اسکا اشارہ گزرا کہ تصویر کی توہین ہو رہی ہوتو اسکی گنجائش ہے۔فـلـيـجـعـل منه و سادتين منبوذتين تـوطآن و مر بالكلب فليخرج ففعل رسول الله ﷺ . (ابوداود شریف، باب فی الصور،ص ۵۸۳،نمبر ۴۱۵۸)کہ تصویر کو پھاڑ کر تکیہ بنادو جو نیچے پڑا ہوا اور روندا جائے۔

ترجمه: ۲؎ بخلاف جبکہ تکیہ کھڑا ہو،یا پردے پر ہو اسلئے کہ اسکی تعظیم ہے۔

تشـــريح : اگر تکیہ سامنے کھڑا ہوتو اس صورت میں تصویر کی تعظیم ہے،اسی طرح دیوار پر لٹکا ہوا پردا ہوتو اس صورت میں بھی تصویر

۳ واشدها كراهة ان تكون امام المصلی ثم من فوق راسه ثم علیٰ یمینه ثم علیٰ شماله ثم خلفه (۴۵۱) ولو لبس ثوبًا فيه تصاوير يكره ۱ لانه يشبه حامل الصنم ۲ والصلوة جائزة فی جميع ذٰلک لا ستجماع شرائطها

کی تعظیم ہے، اسلئے ان صورتوں میں اسکی طرف نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور دلیل اوپر والی حدیث ہے۔

ترجمه : ۳ اشد کراہیت اس صورت میں ہے جبکہ تصویر نمازی کے سامنے ہو، پھر جبکہ اسکے سر کے اوپر ہو، پھر جبکہ اسکی دائیں جانب ہو، پھر جبکہ اسکی بائیں جانب ہو، پھر جبکہ اسکے پیچھے ہو۔

تشریح : یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ کس صورت میں کراہیت زیادہ ہے اور کس صورت میں کم ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ تصویر نمازی کے سامنے ہو تو اس میں کراہیت بہت زیادہ ہے، اس سے کم اس صورت میں ہے جبکہ نمازی کے سر کے اوپر ہو، اس سے کم ہے جبکہ نمازی کی دائیں جانب ہو، اور اس سے کم ہے جب نمازی کی بائیں جانب ہو، اور اس سے کم ہے جب نمازی کے پیچھے تصویر ہو۔

وجه : (۱) سامنے تصویر ہو تو زیادہ کراہیت اس لئے ہے کہ اس میں اسکی عبادت کا پہلو زیادہ واضح ہے۔ (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن انسؓ قال : كان قرام لعائشة سترت به جانب بيتها ، فقال لها النبی ﷺ : أميطی عنی فانه لا تزال تصاويره تعرض لی فی صلاتی . (بخاری شریف، باب کراہیۃ الصلوۃ فی التصاویر، ص ۱۰۴۳، نمبر ۵۹۵۹) اس حدیث میں ہے کہ سامنے تصویر تھی تو اسکو دور کرنے کے لئے فرمایا۔

ترجمه: (۴۵۱) اور اگر ایسا کپڑا پہنا جس میں تصویر ہو تو مکروہ ہے

ترجمه ۔ ۱ اسلئے کہ بت کو اٹھانے والے کی طرح ہو گیا۔

تشریح : کسی نے ایسا کپڑا پہنا جس میں تصویر ہو تو یہ مکروہ ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کو پہنتے وقت ایسا لگتا ہے کہ وہ تصویر کو اٹھائے پھر رہا ہے، اور اس میں اسکی تعظیم ہوتی ہے اسلئے یہ مکروہ ہے۔

وجه : (۱) اس حدیث میں ہے۔ عن عائشةؓ أنها اشترت نمرقة فيها تصاوير فقام النبی ﷺ بالباب فلم يدخل فقلت أتوب الی الله مما أذنبت قال : ما هذه النمرقة ؟ قلت لتجلس عليها و توسدها قال ان أصحاب هذه الصورة يعذبون يوم القيامة ۔ (بخاری شریف، باب من کرہ القعود علی الصورۃ، ص ۱۰۴۳، نمبر ۵۹۵۷) اس حدیث میں ہے کہ تصویر والے کپڑے پر آپؐ نے بیٹھنا پسند نہیں فرمایا، جب تصویر والے کپڑے پر بیٹھنا مکروہ ہے تو اسکو پہننا بدرجہ اولی مکروہ ہے

ترجمه: ۲ اور نماز ان تمام صورتوں میں جائز ہے، اسلئے کہ تمام شرائط جمع ہیں۔

تشریح : ان تمام صورتوں میں جن میں نماز مکروہ ہیں وہ نماز جائز ہیں، اسلئے کہ نماز کے اندر کی تمام شرائط موجود ہیں، البتہ چونکہ

۳؎ وتعاد علیٰ وجه غیر مکروه وهو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراهة(۴۵۲) ولایکره تمثال غیرذی الروح لانه لایعبد. (۴۵۳)ولا بأس بقتل الحیة والعقرب فی الصلوۃ ﴾ ا؎ لقوله علیه السلام اقتلوا الاسودین ولو کنتم فی الصلوۃ

خامی ہے اسلئے نمازی کو دوبارہ صحیح طور پر نماز پڑھ لینی چاہئے تاکہ ادا کی ہوئی نماز مکروہ باقی نہ رہے۔

ترجمه : ۳؎ نماز بغیر مکروہ کے طور پر لوٹالی جائے ،یہی حکم ان تمام نمازوں میں ہے جو کراہیت کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔

تشریح : جو نماز کراہیت کے ساتھ ادا کی گئی ہو اسکو دوبارہ ادا کر لینی چاہئے۔پس اگر مکروہ تنزیہی کے ساتھ نماز ادا کی ہو تو دوبارہ ادا کر لینا مستحب ہے اور مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا کی ہو تو دوبارہ ادا کر لینا واجب ہے کیونکہ بہت کمی کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔

ترجمه : (۴۵۲) غیر ذی روح کی تصویر مکروہ نہیں ہے۔ ا؎ اسلئے کہ غیر ذی روح تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔

تشریح : چونکہ غیر ذی روح کی تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی ہے اسلئے اسکی تصویر مکروہ نہیں ہے۔

وجه: (۱)اس حدیث میں ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ درخت کی تصویر ہو تو کوئی بات نہیں ہے۔عن ابن عباس ....سمعتُ رسول الله ﷺ یقول : کل مصور فی النار یجعل له بکل صورة صورها ، نفساً فتعذبه فی جهنم ،و قال ان کنتَ لا بد فاعلاً فاصنع الشجر و ما لا نفس له .فأقر به نصر بن علی (مسلم شریف،باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ۔کتاب اللباس والزینۃ،ص ۹۴۱،نمبر ۲۱۱۰/۵۵۴۰)اس حدیث میں ہے کہ اگر تصویر بنانا ہی ہو تو ذی روح کے علاوہ کی تصویر بنائے وہ جائز ہے۔(۲) حدثنا ابو هریرة قال : قال رسول الله ﷺ أتانی جبرائیل فقال لی : أتیتک البارحة فلم یمنعنی أن اکون دخلتُ الا أنه کان علی الباب تماثیل و کان فی البیت قرام ستر فیه تماثیل و کان فی البیت کلب ، فمر برأس التمثال الذی فی باب البیت یقطع فیصیر کهیئة الشجرة و مر بالستر فلیقطع فلیجعل منه و سادتین منبوذتین توطآن و مر بالکلب فلیخرج ففعل رسول الله ﷺ . (ابو داود شریف،باب فی الصور،ص ۵۸۳،نمبر ۴۱۵۸)اس حدیث میں ہے کہ درخت کی مانند ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ غیر ذی روح کی تصویر جائز ہے۔

ترجمه: (۴۵۳) نماز میں سانپ اور بچھو کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه : ا؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اسودین یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کرو۔

تشریح : حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سانپ اور بچھو کو قتل کرو،اس حدیث کی وجہ یہ ثابت کیا کہ اگر نماز میں کسی موذی جانور سے

۲ ولان فيه ازالة الشغل فاشبه درء المارّ ۳ ويستوى جميع انواع الحيات هو الصحيح لاطلاق ماروينا(۴۵۴) ويكره عدّالاٰى والتسبيحات باليد فى الصلوٰة﴾

تکلیف کا خطرہ ہوتو نماز میں ہی اسکو قتل کرسکتا ہے۔

وجه : (۱) سانپ یا بچھو سامنے ہو تو آدمی کا دل اسکی طرف مشغول رہتا ہے اور خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے، اور اسکو مار دیا جائے تو خشوع خضوع باقی رہے گا اسلئے اسکو نماز میں بھی مارنا جائز ہے۔ (۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ اقتلوا الاسودين فى الصلوة : الحية و العقرب ۔ (ابوداود شریف، باب العمل فی الصلوۃ، ص ۱۴۱، نمبر ۹۲۱ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی قتل الاسودین فی الصلوۃ، ص ۱۰۴، نمبر ۳۹۰) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں بھی سانپ اور بچھو کو مار سکتے ہو۔ (۳) اس حدیث میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ قالت حفصةؓ قال رسول الله ﷺ : خمس من الدواب لا حرج على من قتلهن : الغراب ، و الحدأ ، و الفأرة ، و العقرب ، و الكلب العقور ۔ (بخاری شریف، باب ما یقتل المحرم من الدواب، ص ۲۹۵، نمبر ۱۸۲۸ / مسلم شریف، باب باب ما یندب للمحرم وغیرہ قتلہ من الدواب فی الحل والحرم، ص ۴۹۸، نمبر ۲۸۶۱/۱۱۹۸) اس حدیث میں ہے کہ ان پانچ جانوروں کو حرم میں بھی مارنا جائز ہے، اس لئے نماز میں بھی مارنا جائز ہوگا۔

نوٹ : بعض حضرات نے فرمایا کہ مارنے میں عمل کثیر ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی اسلئے نماز دہرانی ہوگی، اور اگر عمل کثیر نہیں ہوا تو بغیر کراہیت کے نماز ہو جائے گی۔

ترجمه : ۲ اور اس لئے کہ سانپ کے موجود رہنے میں مشغولیت ختم ہو جائے گی، اسلئے گزرنے والے کے دور کرنے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : یہ سانپ کے مارنے کی دلیل عقلی ہے، سانپ مارنے میں نماز کے علاوہ کام کرنا ہے پھر بھی وہ جائز اس لئے ہے کہ جس طرح سامنے سے کوئی گزر رہا ہو تو نمازی کا دل اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسلئے حکم یہ ہے کہ اسکو اشارہ کر کے سجدے کی جگہ سے دور کرے اسی پر قیاس کر کے سانپ بچھو سامنے ہو تو اسکو مارے اور دور کرے تا کہ نمازی کا دل اسکی طرف متوجہ نہ ہو۔

ترجمه: ۳ اس بارے میں تمام سانپ برابر ہیں یہی صحیح ہے اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : حدیث میں مطلق سانپ مارنے کا حکم ہے اسلئے چاہے سفید سانپ ہو چاہے کالا سب کو نماز میں مارنا جائز ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سفید سانپ جو پتلا ہوتا ہے اور گھروں میں رہتا ہے وہ اصل میں جنات ہے۔ اسلئے اسکو نماز میں مارنا جائز نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث مطلق ہے اسلئے تمام سانپوں کو مارنا جائز ہے۔

ترجمه: (۴۵۴) ہاتھ کے ذریعہ آیتوں اور تسبیحات کو نماز میں گننا مکروہ ہے۔

۱ وكذلك عدّ السور لان ذلك من اعمال الصلوٰة ۲ وعن ابی یوسفؒ ومحمدؒ انه لابأس بذلک فی الفرائض والنوافل جمیعاً مراعاةًلسنة القراءة والعمل بما جاءت به السنة

تشریح : ۔آیتوں اورتسبیحات کونماز میں گننے کے کئی طریقے ہیں۔[۱] ایک ہے دل سے گننا، یہ جائز ہے۔[۲] دوسرا ہے پوروں کے ذریعہ گننا، یہ بھی نماز میں جائز ہے [۳] اور تیسرا ہے ہاتھ کے ذریعہ نماز میں تسبیح یا آیتوں کو گننا، مصنف فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ دل ادھر مشغول ہوگا۔(۲) دوسری وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ گننا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے، اسلئے اسکو نماز میں کرنا اچھا نہیں ہے (۳) اثر میں ہے کہ نماز کے باہر بھی گننا اچھا نہیں ہے تو نماز کے اندر گننا بدرجہ اولی اچھا نہیں ہے۔اثر یہ ہے۔ کان عبد الله یکره العدد و یقول : أیمن علی الله حسناته ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۶۷۵ من کرہ عقد التسبیح، ج ثانی، ص ۱۶۴، نمبر ۷۶۶۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے تسبیح گننا مکروہ ہے۔اس لئے نماز میں بھی مکروہ ہوگا۔

ترجمه : ۱ اسی طرح سورتوں کا گننا بھی مکروہ ہے اسلئے کہ یہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ تسبیحات کو گننا نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے، اسلئے اسکو گننا مکروہ ہے۔

ترجمه : ۲ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ گننے میں کوئی حرج نہیں ہے فرائض اور نوافل تمام میں، سنت قرات کی رعایت کرنے کے لئے اور اس پر عمل کرنے کے لئے جو حدیث میں آیا ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ فرائض اور نوافل تمام میں تسبیحات اور آیتوں کو گننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسکی دو وجہ بیان کرتے ہیں [۱] ایک وجہ یہ ہے کہ مثلا کوئی سنت طریقہ پر فجر کی نماز میں [طوال مفصل] ساٹھ آیتیں پڑھنا چاہتا ہے اب اسکو ساٹھ آیتوں کو گننے کی ضرورت پڑے گی تا کہ سنت طریقہ پر قرأت کر سکے، اسلئے نماز میں آیتوں کو گننا جائز [۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ صلوۃ التسبیح میں ایک رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح پڑھنے کا حکم ہے، اور وہ گنے بغیر نہیں ہوسکتا اسلئے گننا جائز ہے۔صلوۃ التسبیح کے لئے لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال للعباس بن عبد المطلب : یا عباس ! ثم ترفع رأسک من الرکوع فتقولها عشرا ثم تهوی ساجدا فتقولها و أنت ساجدا عشرا ثم ترفع رأسک من السجود فتقولها عشرا ثم تسجد فتقولها عشرا ثم ترفع رأسک فتقولها عشرا فذالک خمس و سبعون . (ابوداود شریف، باب صلوۃ التسبیح، ص ۱۹۴، نمبر ۱۲۹۷) اس حدیث میں ہے کہ صلوۃ التسبیح کی ایک رکعت میں پچھتر مرتبہ تسبیح پڑھو، تو ظاہر ہے کہ اسکو انگلیوں سے گنے گا بھی اس سے گننے کا ثبوت ہوتا ہے۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ پوروں سے گننا جائز ہے۔اس کے لئے حدیث یہ ہے۔

۳؎ قلنا يمكنه ان يعد ذٰلک قبل الشروع فيستغنى عن العدِّ. والله اعلم.

عن يسيرة أخبرتها أن النبي ﷺ أمرهن أن يراعين بالتكبير و التقديس و التهليل و أن يعقد ن بالأنامل ، فانهن مسئولات مستنطقات . (ابوداود شریف، باب التسبیح بالحصی ،ص۲۲۲،نمبر ۱۵۰۱رمصنف ابن ابی شیبۃ ،باب ۶۷۴ فی عقدالتسبیح و عدالحصی ،ج ثانی ،ص۱۶۳،نمبر ۷۶۵۵)اس حدیث میں ہے کہ انگلیوں سے تسبیح گنے۔

ترجمه: ۳؎ ہم اسکا جواب دیتے ہیں کہ نمازی کے لئے ممکن ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اسکو گن لے تاکہ نماز کے اندر گننے سے بے نیاز ہو جائے۔

تشریح : یہ صاحبین کی دلیل کا جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا مثلا طوال مفصل کے لئے نماز میں آیتوں کو گننا پڑے گا جس سے نماز میں گننے کا ثبوت ہوا۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ نماز سے پہلے ہی ساٹھ آیتیں گن کر ذہن میں متعین کر لے اور نماز کے اندر اتنی آیتیں پڑھ لے تو نماز میں گننے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔اور اس سے نماز کے اندر گننے کا ثبوت نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿فصل﴾

(۴۵۵)ويكره استقبال القبلة بالفرج فى الخلاء ﴾ ل لانه عليه السلام نهٰى عن ذٰلك

﴿فصل﴾

ترجمه : (۴۵۵) شرمگاہ کے ساتھ بیت الخلاء میں قبلہ کا استقبال کرنا مکروہ ہے۔

ترجمه : ل اسلئے کہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

تشریح : بیت الخلاء[ٹویلٹ] سے باہر ہو اور قبلہ کی طرف شرمگاہ کر کے پیشاب یا پیخانہ کرے تو یہ مکروہ ہے، اسی طرح اگر مکان کے اندر یا بیت الخلاء کے اندر ہو اور قبلہ کی طرف شرمگاہ کر کے پیشاب یا پیخانہ کرے تو یہ بھی مکروہ ہے، کیونکہ حضورؐ نے اس طرح کر نے سے منع فرمایا ہے۔

وجه : (۱) چاہے مکان کے اندر ہو پھر بھی اس طرح کرنے سے قبلہ کی توہین ہوتی ہے اسلئے اسکی طرف رخ کر کے پیشاب یا پیخانہ کرنا مکروہ ہے۔(۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے. عن ابی أيوب الانصاری أن النبی ﷺ قال : اذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة و لا تستدبروها ، و لكن شرقوا أو غربوا ۔(بخاری شریف، باب قبلۃ أهل الشام و المشرق، ص۵۷، نمبر ۳۹۴ رمسلم شریف، باب الاستطابۃ، ص۱۳۰، نمبر ۶۰۹/۲۶۴ رابوداود شریف، باب کراهیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، ص۳، نمبر ۹) اس حدیث میں ہے کہ پیشاب اور پیخانہ کے وقت قبلے کی طرف رخ بھی نہ کرے اور پیٹھ بھی نہ کرے۔ کیونکہ اس طرف شرمگاہ کرنا مکروہ ہے۔

چہار دیواری کے اندر ہو تب بھی قبلے کی طرف رخ کرنا مکروہ ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ خود راوی نے شام میں بیت الخلاء قبلہ رخ دیکھا تو وہ بیت الخلاء میں قبلہ سے ہٹ کر پیشاب پیخانہ کیا کرتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی أيوب رواية قال : : اذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط و لا بول ، و لكن شرقوا أو غربوا فقدمنا الشام فوجدنا مراحيض قد بنيت قبل القبلة ، فكنا ننحرف عنها و نستغفر الله ۔(ابوداود شریف، باب کراهیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، ص۳، نمبر ۹ رترمذی شریف، باب فی النھی عن استقبال القبلۃ بغائط أو بول، ص۸، نمبر ۸) اس اثر میں ہے کہ قبلے کی طرف بیت الخلاء بنا ہوا تھا تو حضرت ابو ایوبؓ اس سے پھر جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ چہار دیواری کے اندر بھی قبلے کا رخ کرنا مکروہ ہے ۔

قبلے کی طرف رخ کرنا حرام نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے قبلے کی طرف رخ کیا ہے۔ حدیث یہ ہے۔عن جابر بن عبد الله قال : نهى نبى الله ﷺ أن نستقبل القبلة ببول ، فرأيته قبل أن يقبض بعام يستقبلها ۔(ابوداود شریف، باب الرخصۃ فی ذالک، [ای کراهیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، ص۳، نمبر ۱۳ رترمذی شریف،

۲؎ والاستدبار ۲؎ یکرہ فی روایة لما فیه من ترک التعظیم ولایکرہ فی روایة لان المستدبر فرجه غیر موازی للقبلة وما ینحطّ منه ینحط الی الارض بخلاف المستقبل لان فرجه موازلها ومابنحط منه ینحط الیها

باب ما جاء من الرخصة فی ذالک ،ص۹ ،نمبر۹) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وفات سے پہلے قبلہ کی طرف رخ فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ رخ کرنا شدید کراہیت نہیں ہے۔

فائدہ : حضرت امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ چہار دیواری کے اندر ہو تو قبلہ کی طرف رخ کر سکتا ہے۔

وجه : انکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن مروان الاصفر قال رأیت ابن عمر أناخ راحلته مستقبل القبلة ثم جلس یبول الیھا فقلتُ : یا ابا عبد الرحمن ! ألیس قد نھی عن ھذا ؟ قال : بلی ، انما نھی عن ذالک فی الفضاء ، فاذا کان بینک و بین القبلة شیء یسترک فلا بأس ۔(ابوداود شریف، باب کراھیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة ،ص۳، نمبر۱۱) اس اثر میں ہے کہ قبلہ اور تمہارے درمیان کوئی چیز ہو تو قبلہ کی طرف رخ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲؎ ایک روایت میں استدبار بھی مکروہ ہے اسلئے کہ اس میں تعظیم کو چھوڑنا ہے۔اور دوسری روایت میں مکروہ نہیں ہے اسلئے کہ پیٹھ کرنے والا اپنی شرمگاہ کو قبلے کی طرف نہیں کرتا اور جو نجاست گرتی ہے وہ زمین کی طرف گرتی ہے۔بخلاف استقبال کرنے والے کے اسلئے کہ اسکی شرمگاہ قبلے کی طرف ہوتی ہے اور جو نجاست گرتی ہے وہ قبلے کی طرف ہو کر گرتی ہے۔

تشریح : قبلے کی طرف پیٹھ کر کے پیشاب پیخانہ کرنا ایک روایت میں ہے کہ مکروہ ہے۔(۱) اور اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قبلے کی تعظیم کو چھوڑنا ہوگا،اور ایک قسم کی توہین ہوگی۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اوپر حدیث میں جہاں قبلے کی طرف رخ کرنے سے منع فرمایا وہیں اسکی طرف پیٹھ کرنے سے بھی منع فرمایا،اسلئے اسکی طرف پیٹھ کرنا بھی مکروہ ہوگا۔یہ حدیث گزر گئی۔ عن ابی أیوب الانصاری أن النبی ﷺ قال : اذا أتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة و لا تستدبروھا ، و لکن شرقوا أو غربوا ۔(بخاری شریف، باب قبلة أھل الشام والمشرق ،ص۵۷ ،نمبر۳۹۴ / مسلم شریف، باب الاستطابة ،ص۱۳۰، نمبر ۲۶۴/۶۰۹ / ابوداود شریف، باب کراھیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة ،ص۳ ،نمبر۹) اس حدیث میں ہے کہ قبلے کی طرف رخ بھی نہ کرو اور پیٹھ بھی نہ کرو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ پیشاب پیخانے کے وقت شرمگاہ کے ساتھ قبلے کا رخ کرنا تو مکروہ ہے۔لیکن پیٹھ کرنا مکروہ نہیں۔

وجه: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ پیٹھ قبلے کی طرف ہو تو پیچھے کے راستے سے جو پیخانہ نکلتا ہے وہ نیچے کی طرف گرتا ہے وہ قبلے کی طرف نہیں گرتا،اور دبر بھی نیچے کی طرف ہوتا ہے وہ قبلے کی طرف نہیں ہوتا اسلئے قبلے کی توہین نہیں ہوئی اسلئے قبلے کی طرف پیٹھ کر کے

(۴۵۶) ﴿ویکره المجامعة فوق المسجد والبول والتخلی﴾

پیشاب پیخانہ کرنا مکروہ نہیں۔(۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن عبد اللہ ابن عمر قال رقیت یوما علی بیت حفصة فرأیت النبی ﷺ علی حاجته مستقبل الشام مستدبر الکعبة. (ترمذی شریف، باب ما جاء من الرخصة فی ذالک، ص۹، نمبر ۱۱/ ابوداود شریف، باب الرخصة فی ذالک، [ای کراھیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، ص۳، نمبر ۱۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور ؐ نے قبلے کی طرف پیٹھ کر کے حاجت پوری کی جس سے معلوم ہوا کہ قبلے کی طرف پیٹھ کر کے پیشاب پیخانہ کرنا جائز ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس شکل میں قبلے کی توہین ہوتی ہو وہ شکل مکروہ ہے اور جس شکل میں قبلے کی توہین نہیں ہوتی ہو وہ جائز ہے۔

لغت : استقبال: رخ کرنا۔فرج: عورت کی شرمگاہ، یا مرد کی شرمگاہ۔خلاء: بیت الخلاء، ٹویلٹ۔استدبار: دبر سے مشتق ہے، کسی چیز کی طرف پیٹھ کرنا، اسی سے مستدبر ہے پیٹھ کرنے والا۔موازی: وازاہ موازاۃ سے مشتق ہے، کسی کے سامنے ہونا، کسی کے مقابل ہونا۔یخط: حط سے مشتق ہے، نیچے گرنا۔

ترجمہ : (۴۵۶) اور مکروہ ہے مسجد کے اوپر صحبت کرنا اور پیشاب کرنا اور پیخانہ کرنا۔

تشریح : مسجد کی چھت کا حکم وہی ہے جو مسجد کا حکم ہے۔اسلئے جو چیز مسجد کے اندر مکروہ ہے وہ مسجد کی چھت پر بھی مکروہ ہے۔ اسلئے مسجد کی چھت پر صحبت کرنا، اس پر پیشاب کرنا، اس پر پیخانہ کرنا سب مکروہ ہے۔

وجہ : (۱) چھت کا حکم وہی ہے جو مسجد کا حکم ہے اور مسجد میں نجاست والا کام مکروہ ہے اسلئے اسکی چھت پر بھی نجاست والا کام مکروہ ہوگا۔(۲) حدثنی انس بن مالک و ھو عم اسحاق قال بینما نحن فی المسجد ....ان رسول اللہ ﷺ دعاہ فقال له ان ھذہ المساجد لا تصلح لشیء من ھذا البول والقذر انما ھی لذکر اللہ عز وجل و الصلوۃ و قرأة القرآن . (مسلم شریف، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات اذا احصلت فی المسجد الخ ص۱۳۸، نمبر ۲۸۵/۶۶۱) اس حدیث میں ہے کہ مسجد نجاست کے لائق نہیں ہے، اسلئے اس میں ناپاکی نہیں ڈالنی چاہئے۔(۳) سمعت انس بن مالک قال : قال النبی ﷺ : البزاق فی المسجد خطیئة و کفارتها دفنها ۔(بخاری شریف، باب کفارۃ البزاق فی المسجد، ۵۹، نمبر ۴۱۵)(۴) عن انس أن النبی ﷺ رأی نخامة فی القبلة فشق ذالک علیه حتی رُئی فی وجهه ، فقام فحکه بیده ، فقال ان احدکم اذا قام فی صلوته فانه یناجی ربه أو ان ربه بینه و بین القبلة فلا یبزقن أحدکم قبل قبلته و لکن عن یساره أو تحت قدمه . ثم أخذ طرف ردائه فبصق فیه ثم رد بعضه علی

۱؎ لان سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الاقتداء منه بمن تحته ۲؎ ولا يبطل الاعتكاف بالصعود اليه ۳؎ ولا يحل للجنب الوقوف عليه (۴۵۷) ولابأس بالبول فوق بيت فيه مسجد﴾ ۱؎ والمراد ما اعدّ للصلوٰة في البيت لانه لم يأخذ حكم المسجد وان نُدِبْنَا اليه و

بعض ، فقال أو يفعل هكذا ۔(بخاری شریف، باب حک البزاق بالید من المسجد،ص ۵۸،نمبر ۴۰۵)اس حدیث میں ہے کہ قبلہ کی جانب تھوکے بھی نہیں،اس سے معلوم ہوا کہ اس کی طرف شرمگاہ کرنا بھی اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ مسجد کی چھت کا حکم وہی ہے جو مسجد کا حکم ہے یہاں تک کہ اوپر والے نیچے والے کی اقتداء کرسکتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ چھت کا حکم وہی ہے جو مسجد کے اندر کے حصے کا حکم ہے۔یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مسجد کی چھت کے اوپر ہے وہ مسجد کے اندر والے کی اقتداء کرسکتا ہے،جس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر اور مسجد کے اوپر کا حکم ایک ہی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور چھت کے اوپر چڑھنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ معتکف آدمی مسجد کی چھت پر چڑھے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا،اس سے معلوم ہوا کہ چھت مسجد کا حصہ ہے کیونکہ باہر کا حصہ ہوتا تو اعتکاف ٹوٹ جاتا۔اس سے معلوم ہوا کہ چھت کا حکم وہی ہے جو مسجد کے اندر کا حکم ہے

ترجمہ : ۳؎ اور جنبی کو چھت کے اوپر ٹھہرنا جائز نہیں۔

تشریح : یہ تیسری دلیل عقلی ہے۔کہ جنبی آدمی مسجد کی چھت پر نہیں جاسکتا،جس طرح مسجد کے اندر نہیں جاسکتا،جس سے معلوم ہوا کہ چھت کا حکم بھی مسجد کا ہی حکم ہے۔اسلئے مسجد کی چھت پر پیشاب، پیخانہ،اور صحبت کرنا مکروہ ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے۔

ترجمہ : (۴۵۷)اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ ایسے گھر کے اوپر پیشاب کرے جسکے اندر مسجد ہو۔

ترجمہ : ۱؎ مراد یہ ہے کہ جو مسجد گھر میں نماز کے لئے تیار کی گئی ہو۔اسلئے کہ وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔اگر چہ ہمیں گھر میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

تشریح : شریعت نے یہ ترغیب دی ہے کہ گھر میں بھی ایک جگہ متعین کردی جائے تاکہ عورتیں اس خاص جگہ میں نماز ادا کرتیں رہیں۔ اسکو گھر کی مسجد کہتے ہیں۔لیکن اسکی وجہ سے اس گھر کا حکم مسجد کا حکم نہیں ہوگیا،اس گھر کی مسجد کی وجہ سے ابھی بھی یہ گھر کے حکم میں ہے اسلئے اس گھر میں پیشاب پیخانہ کیا جاسکتا ہے،اور اس گھر کی چھت پر بھی پیشاب پیخانہ کیا جاسکتا ہے۔

وجہ : (۱) گھر میں مسجد بنانے کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے. أن عتبان بن مالك ، و هو من أصحاب رسول الله ﷺ ممن شهد بدراً من الانصار ....وددت يا رسول الله ! أنك تأتيني فتصلي في

(۴۵۸) یکره ان یغلق باب المسجد ﴾ ۱؎ لانه یشبه المنع من الصلوٰة وقیل لابأس به اذاخیف علیٰ متاع المسجد فی غیراوان الصلوٰة (۴۵۹) ولا بأس بان ینقش المسجد بالجصّ والساج و ماء الذهب﴾

بیتی فأتخذه مصلی .... ثم قال : ((أین تحب أن أصلی من بیتک ؟)) قال فأشرت لہ الی ناحیة من البیت ۔ (بخاری شریف، باب المساجد فی البیوت، ص۶۰، نمبر۴۲۵) اس حدیث میں ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنائی اور حضورؐ نے اس کا افتتاح کیا۔ (۲) اس حدیث میں تو گھر میں مسجد بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ عن ابن عمر قال : قال رسول اللہ ﷺ ((اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ، و لا تتخذو ھا قبورا ً. (ابوداود شریف، باب صلوۃ الرجل التطوع فی بیتہ، ص۱۵۸، نمبر۱۰۴۳) اس حدیث میں ہے کہ گھر میں بھی نماز پڑھو اور اسکو قبرستان کی طرح نہ بناؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھر میں بھی ایک مسجد ہونی چاہئے۔

تاہم گھر میں بھی جس جگہ کو نماز کے لئے متعین کیا ہے اس جگہ ناپاکی ڈالنا اچھا نہیں ہے۔ اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن عائشة قالت : أمر رسول اللہ ﷺ ببناء المساجد فی الدور ، و أن تنظف و تطیب ۔ (ابوداود شریف، باب اتخاذ المساجد فی الدور، ص۷۱، نمبر۴۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھروں میں مسجد بناؤ اور اسکو صاف ستھرا رکھو۔

ترجمہ: (۴۵۸) اور مکروہ ہے کہ مسجد کا دروازہ بند کیا جائے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نماز سے روکنے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے۔ اسلئے کہ مسجد کا دروازہ بند کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ مصلی کو نماز سے روکنا چاہتا ہے۔ اور آیت میں ہے کہ نماز سے روکنے والا ظالم ہے۔ اسلئے مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے۔

وجہ : ۔اس آیت میں ہے۔ و من أظلم ممن منع مساجد اللہ أن یذکر فیھا اسمه و سعی فی خرابھا۔ (آیت ۱۱۴، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جو مسجد میں اللہ تعالی کا نام لینے سے روکے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا۔ اور مسجد کو بند کرنے سے لوگوں کو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے روکنا ہے اسلئے مسجد کے دروازے کو بند کرنا مکروہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ مسجد کے سامان پر خطرہ ہو تو نماز کے وقت کے علاوہ بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح : بعض علماء نے فرمایا کہ مسجد کے سامان چوری ہونے کا خطرہ ہو تو نماز کے وقت کے علاوہ میں مسجد کے دروازے کو بند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ سامان کی اہمیت ہے اسلئے اسکی چوری ہونے کا خطرہ ہو تو دروازہ بند کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۴۵۹) اور مسجد کو گچ، سال کی لکڑی، اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱ وقوله لابأس يشير الىٰ انه لايوجر عليه لكنه لاياثم به وقيل هو قربة

تشریح : مسجد کو بہت زیادہ آرائش وزیبائش کرنا اچھا نہیں ہے لیکن بقدر ضرورت اسکو مضبوط کرنا جائز ہے۔

وجه: (۱) أن عبد الله أخبره أن المسجد كان على عهد رسول الله ﷺ مبنيا باللبن ، و سقفه الجريد ، و عمده خشب النخل ، فلم يزد فيه أبو بكر شيئا ، و زاد فيه عمر و بناه على بنيانه في عهد رسول الله ﷺ باللبن و الجريد ، و أعاد عمده خشباً ثم غيره عثمان فزاد فيه زيادةً كثيرةً و بنى جداره بالحجارة المنقوشة و القصة ، و جعل عمده من حجارة منقوشة و سقفه بالساج ۔(بخاری شریف، باب بنیان المسجد، ص ٦٤، نمبر ٤٤٦ ر ابوداود شریف، باب فی بناء المساجد، ص ٧١، نمبر ٤٥١) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تھوڑی بہت مسجد کی زینت کی ہے۔اور مسجد کو مضبوط کیا ہے اسلئے تھوڑی بہت زینت کرنا جائز ہے اور مضبوط کرنا بھی جائز ہے۔

لیکن بہت زیادہ زینت کرنا اچھا نہیں ہے۔اسکی دلیل یہ حدیث ہے (۱) عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ : ما أمرت بتشييد المساجد . قال ابن عباس : لتزخرفنها كما زخرفت اليهود و النصارى ۔(ابوداود شریف، باب فی بناء المساجد، ص ٧١، نمبر ٤٤٨) اس حدیث میں ہے کہ بلا وجہ مسجد کی بہت زینت کرنا اچھا نہیں ہے یہود و نصاری کا کام ہے۔(۲) عن يزيد بن الاصم و كان ابن خالة ابن عباس قال : قال النبي ﷺ : ماأمرت بتشييد المساجد قال : و قال ابن عباس أما و الله لتزخرفنّها ۔(مصنف عبد الرزاق، باب تزیین المساجد والممر فی المسجد، ج ثالث، ص ١٥٢، نمبر ٥١٢٧) اس حدیث میں بھی ہے کہ مسجد کو بہت زیادہ زینت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔(۳) أن عليا قال : ان القوم اذا زينوا مساجدهم فسدت أعمالهم ۔(مصنف عبد الرزاق، باب تزیین المساجد والممر فی المسجد، ج ثالث، ص ١٥٤، نمبر ٥١٣٣) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسجد کی زیادہ زینت کرنے سے اعمال فاسد ہو جائیں گے ۔

ترجمه: ۱ اور مصنف کا قول: لابأس۔اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نقش ونگار کرنے پر اسکو ثواب نہیں دیا جائے گا، لیکن وہ اس سے گناہگار بھی نہیں ہوگا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عبادت ہے۔

تشریح : ۔متن میں ((لابأس)) گزرا، اسلئے اس لابأس کی تفسیر فرمار ہے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کا نقش ونگار کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اس میں کوئی ثواب نہیں دیا جائے گا۔البتہ اس میں گنہگار بھی نہیں ہوگا۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مسجد کا نقش ونگار کرنا عبادت ہے، اسلئے مسجد کو پاک رکھنے اور اسکو اچھے انداز میں رکھنے کی تاکید ہے۔

وجه : (۱) عن عائشة قالت : أمر رسول الله ﷺ ببناء المساجد في الدور ، و أن تنظف و تطيب ۔(ابوداود شریف، باب اتخاذ المساجد فی الدور، ص ٧١، نمبر ٤٥٥) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھروں میں مسجد بناؤ اور اسکو صاف ستھرا رکھو۔ (۲) ابھی حضرت عثمانؓ کا عمل گزرا کہ انہوں نے مسجد نبوی میں نقش ونگار کے پتھر لگائے، تو ظاہر ہے کہ وہ عبادت ہی سمجھ کر

۲ وهذا اذا فعل من مال نفسه اما المتولّی یفعل من مال الوقف مایرجع الی احکام البناء دون مایرجع الی النقش حتی لو فعل یضمن (واللّٰه اعلم بالصواب.)

لگائے ہونگے۔اسلئے تھوڑا بہت نقش ونگار کرنا عبادت ہے۔یہ حدیث گزرچکی۔عبد اللہ .... ثم غیرہ عثمان فزاد فیه زیادة کثیرة و بنی جداره بالحجارة المنقوشة و القصة ، و جعل عمده من حجارة منقوشة و سقفه بالساج ۔(بخاری شریف، باب بنیان المسجد،ص ۶۴،نمبر ۴۴۶ ابوداود شریف، باب فی بناء المساجد،ص ۷۱،نمبر ۴۵۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے تھوڑا بہت مسجد کا نقش ونگار کیا ہے ۔اور مسجد کو مضبوط کیا ہے اسلئے تھوڑا بہت نقش ونگار کرنا جائز ہے اور مضبوط کرنا بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۲ یہ تھوڑا بہت نقش ونگار کرنا اس وقت ہے کہ اپنے مال سے کیا ہو۔اور متولی وقف کے مال سے وہ کام کرے گا جو عمارت کی مضبوطی کی طرف لوٹتا ہو، وہ کام نہیں کرے گا جو نقش ونگار کی طرف لوٹتا ہو، یہاں تک کہ اگر نقش ونگار کرلیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

تشریح : اوپر جو اختلاف آیا کہ مسجد کا نقش ونگار کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ اس صورت میں ہے کہ آدمی اپنے مال سے نقش ونگار کرے یا نہیں کرے تو بعض نے فرمایا کہ ٹھیک ہے،اور بعض نے فرمایا کہ عبادت ہے۔لیکن اگر مسجد کا متولی وقف کے مال سے مسجد کا کام کرانا چاہے تو وہ کام کرسکتا ہے جو مسجد کی بنیاد کو مضبوط کرے کیونکہ یہی کام کرانے کے لئے لوگوں نے مال وقف کیا ہے۔اور جن کاموں سے نقش ونگار ہوتا ہو وہ کام نہیں کرسکتا۔اور اگر وقف کے مال سے نقش ونگار کیا تو متولی کو اس مال کا ضمان دینا ہوگا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے وقف کیا وہ دیوار کو مضبوط کرنے کے لئے وقف کیا ہے نقش ونگار کرنے کے لئے وقف نہیں کیا ہے اسلئے خلاف مقصد کام کیا اسلئے اس مال کا ضامن ہوگا۔

Documents\3) JPEG CLIPART\26555.JPEG.jpg not found.

﴿باب صلوۃ الوتر﴾

(۴۶۰) الوتر واجب عند ابی حنیفۃؒ﴾

﴿ وتر کا بیان ﴾

نوٹ : نماز وتر کے بارے میں پانچ بحثیں ہیں[۱] وتر کی نماز واجب ہے، یا سنت۔[۲] وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ تین رکعت ہے، یا ایک رکعت ہے۔[۳] وتر میں دعاء قنوت رکوع سے پہلے ہے یا رکوع کے بعد[۴] دعاء قنوت پورے سال پڑھے یا صرف رمضان کے اخیر میں[۵] اور نمازوں میں بھی قنوت پڑھے یا صرف وتر کی نماز میں یہ پانچ بحثیں ہیں۔

ترجمہ: (۴۶۰) وتر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔اور تین رکعتیں ایک ساتھ ہیں۔دو رکعت کے بعد سلام کر کے تیسری رکعت ایک سلام کے ساتھ نہ پڑھے۔ بلکہ تینوں رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے۔

وجہ: (۱) وتر کی تاکید بہت سی احادیث میں ہے۔اور جب تاکید ہوتی ہے تو سنت سے اوپر اٹھا کر واجب میں لے جاتے ہیں۔لیکن چونکہ آیت سے ثابت نہیں ہے اور نہ اتنی تاکید ہے کہ فرض میں لے جایا جا سکے۔ورنہ تو پانچ کے بجائے چھ نمازیں فرض ہو جائیں گی۔اس لئے وتر کو واجب میں رکھا۔

نوٹ: امام شافعیؒ کے نزدیک سنت کے بعد فرض کا درجہ ہے۔واجب کا درجہ نہیں ہے اس لئے وتر ان کے یہاں بھی مؤکد ہے۔لیکن سنت میں داخل ہے۔کیونکہ آگے واجب کا درجہ ان کے یہاں نہیں ہے(۲) واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔جسکو صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے۔ **قال ابو الولید العدوی قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال ان الله تعالی قد امدکم بصلوۃ وھی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین العشاء الی طلوع الفجر** ۔(ابو داؤد شریف، باب استحباب الوتر، باب تفریع ابواب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ ر ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۶۸) فرض نمازوں پر زیادہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی فرض کی طرح ہی اہم ہے لیکن ہم فرض تو نہیں کرتے اس لئے واجب قرار دیتے ہیں۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وتر کا وقت عشاء کے بعد ہے، فجر تک(۳) **عن عبد الله بن بریدۃ عن ابیہ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا** ۔(ابو داؤد شریف، باب فی من لم یوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۹ر سنن للبیھقی ، باب تاکید صلوۃ الوتر ج ثانی ص ۶۵۹، نمبر ۴۴۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر حق ہے یعنی واجب ہے(۴) **عن علی قال قال رسول الله ﷺ یا اھل القرآن اوتروا فان الله وتر یحب الوتر** . (ابو داؤد

ل وقالا سنة لظهور اٰثار السنن فيه حيث لايكفر جاحده ولا يؤذن له ٢ ولابی حنيفةؒ قوله عليه السلام ان اللّٰه تعالیٰ زادكم صلوٰة الاوهی الوتر فصلّوها مابين العشاء الیٰ طلوع الفجر

شریف، باب استحباب الوتر ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۶ رترمذی شریف، باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۳) اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔ اس سے بھی وتر کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

فائدة : ترجمه : ل صاحبینؒ نے فرمایا کہ سنت ہے، کیونکہ سنت کے آثار اس میں ظاہر ہیں [۱] یہی وجہ ہے کہ وتر کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا [۲] اور نہ اسکے لئے اذان دی جاتی ہے۔

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ وتر سنت ہے اور یہی رائے حضرت امام شافعیؒ کی بھی ہے۔ اور اسکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ وتر میں سنت کے آثار ظاہر ہیں۔ اور ان آثار کی دو مثالیں دے رہے ہیں۔ [۱] ایک وجہ یہ ہے کہ اگر وتر واجب ہوتا تو اسکا انکار کرنے والا کافر ہوتا، حالانکہ وتر کا انکار کرنے والا بالاجماع کافر نہیں ہوتا، جس سے معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں ہے۔ [۲] اور دوسری مثال یہ ہے کہ وتر کے لئے اذان نہیں دی جاتی، اگر یہ واجب ہوتا تو اسکے لئے مستقل اذان دی جاتی، لیکن اذان نہ دینا سنت کی دلیل ہے۔

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علی قال الوتر ليس بحتم كهيئة الصلوة المكتوبة ولكن سنة سنها رسول اللہ ﷺ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۴ رنسائی شریف، باب الامر بالوتر ص ۱۸۹ نمبر ۱۶۷۷) حضرت علی کے قول سے معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فرض کی طرح تو ہم بھی وتر کو فرض نہیں مانتے۔ ہم تو صرف واجب مانتے ہیں۔ (۲) عن عبد الله عن النبی ﷺ قال ان الله وتر يحب الوتر فاوتروا يا اهل القرأن۔ (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ وتر کو پسند کرتے ہیں یہ سنت کی دلیل ہے۔

ترجمه: ٢ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل حضور ؐ کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالی نے تم پر ایک اور نماز زیادہ کیا ہے، سن لو وہ وتر ہے اسلئے اسکو عشاء اور طلوع فجر سے پہلے کے درمیان پڑھو۔

تشریح : یہ حدیث حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ وتر واجب ہے۔ ایک حدیث ابو داود شریف کی اوپر گزر چکی ہے۔ اور صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال مكثنا زمانا لا نزيد على الصلوات الخمس ، فامرنا رسول الله ﷺ فاجتمعنا ، فحمد الله و أثنى عليه ، ثم قال : ((ان الله قد زادكم صلوة)) فأمرنا بالوتر۔ (دار قطنی، باب فضیلۃ الوتر، ج ثانی، ص ۲۱، نمبر ۱۶۴۲) اس حدیث میں ہے کہ پانچ نماز پر ایک اور زیادہ کیا، اور وہ

۳ امر وهو للوجوب ۴ ولهذا وجب القضاء بالاجماع ۵ وانما لایکره جاحده لانه وجوبه ثبت بالسنة وهو المعنی بماروی عنه انه سنة ۶ وهو یؤدّی فی وقت العشاء فاکتفی باذانه واقامته

(۴۶۱) قال الوتر ثلث رکعات لایفصل بینهن بسلام ﴾

پانچ فرض تھے اسلئے وتر بھی فرض ہی ہوگا اور اس میں امر کیا گیا ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے اس لئے وتر واجب ہے۔

ترجمه: ۳ حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔

تشریح: حدیث یہ ہے۔عن ابی سعید أن النبی ﷺ قال: ((أوتروا قبل أن تصبحوا))۔(مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعۃ من آخر اللیل، ص ۳۰۶، نمبر ۱۷۶۴/۷۵۴) اس حدیث میں ہے کہ صبح سے پہلے وتر کی نماز پڑھو، اور اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے، اسلئے وتر واجب ہے۔

ترجمه: ۴ اسلئے بالاجماع وتر کی قضا واجب ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔کہ تینوں اماموں کے نزدیک وتر کی قضا واجب ہے، اور اسی وقت قضا واجب ہوگی جب وہ واجب ہو اس سے پتہ چلا کہ وتر واجب ہے۔۔وتر کی قضا واجب ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔اسلئے اس سے استدلال کرنا مشکل ہے۔

ترجمه: ۵ اور وتر کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔اسلئے کہ اسکا وجوب حدیث سے ثابت ہے۔اور یہی مطلب ہے اس قول کا جو امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا گیا ہے، کہ وتر سنت ہے۔

تشریح: یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ وتر سنت ہے اور اسکی دلیل دی تھی کہ یہی وجہ ہے کہ اسکا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا، اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ اسکا انکار کرنے والا اسلئے کافر نہیں ہوگا کہ اسکا وجوب آیت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اسکا وجوب حدیث سے ثابت ہے، اور حدیث کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا۔چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ وتر سنت ہے اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ وتر کا وجوب چونکہ سنت یعنی حدیث سے ثابت ہے، اسلئے وتر کو سنت کہا۔

ترجمه: ۶ اور وتر عشاء کے وقت ادا کیا جاتا ہے اسلئے عشاء ہی کی اذان اور اسکی اقامت پر اکتفا کیا گیا۔

تشریح: یہ بھی امام صاحبینؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ وتر کیلئے مستقل اذان نہیں دی جاتی جو اسکے سنت ہونے کی دلیل ہے۔اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ وتر عشاء کے وقت میں ادا کیا جاتا ہے اسلئے عشاء ہی کی اذان اور اسکی اقامت پر اکتفاء کیا گیا۔ اسلئے یہ دلیل سنت ہونے کی نہیں ہے۔

ترجمه: (۴۶۱) وتر تین رکعت ہے، اسکے درمیان سلام سے فصل نہ کرے۔

۱؎ لما روت عائشةؓ انه عليه السلام كان يوتر بثلث ۲؎ وحكى الحسنؒ اجماع المسلمين على الثلث ۳؎ وهذا احد اقوال الشافعیؒ وفی قول يوتر بتسليمتين وهو قول مالكؒ والحجة عليهما مارويناه ٥

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر تین رکعت ہے اور دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے بلکہ تین رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ اسلئے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ وتر تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن علی قال كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل يقرأ فی كل ركعة بثلاث سور آخرهن قل هو الله احد ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بثلاث ص ۱۰۶ نمبر ۴۵۹) (۲) عن ابی بن كعب قال كان رسول الله ﷺ كان يقرأ فی الوتر ﴿بسبح اسم ربك الاعلى﴾ وفی الركعة الثانية ﴿بقل يا ايها الكافرون﴾ وفی الثالثة ﴿بقل هو الله احد﴾ ولا يسلم الا فی آخرهن (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۲ مستدرک للحاکم، کتاب الوتر، ج اول، ص ۴۴۶، نمبر ۱۱۳۹ / ترمذی شریف، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳ / ابوداؤد شریف، باب مایقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں ہے ولا یسلم الا فی آخرھن (۳) مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی ایک لمبی حدیث ہے جس میں حضورؐ کی تہجد کی نماز کا ذکر ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے انه سأل عائشة كيف كانت صلوة رسول الله ﷺ؟ ... ثم يصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلی ثلاثا (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبیؐ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۸/ ۱۷۲۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

ترجمه: ۲؎ اور حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ مسلمانوں کا تین رکعت وتر ہونے پر اجماع ہے۔

تشریح: حضرت حسنؒ کی روایت یہ ہے۔ عن الحسن قال : أجمع المسلمون عن أن الوتر ثلاث لا يسلم الا فی آخرهن ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۷۵ من کان یوتر بثلاث أو اکثر، ج ثانی، ص ۹۱، نمبر ۶۸۳۳) اس اثر میں ہے کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں، اور اسکے اخیر ہی میں سلام پھیرے۔

فائده : ترجمه: ۳؎ اور امام شافعیؒ کے اقوال میں سے ایک قول یہی ہے۔۔ اور دوسرے قول میں ہے کہ وتر پڑھے گا دو سلاموں کے ساتھ، اور یہی قول امام مالکؒ کا ہے اور ان دونوں پر حجت وہ روایت ہے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے کہ وتر تین رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ ہے۔ لیکن دوسرا قول یہ ہے کہ وتر تین رکعت دو

(۴۶۲) ویقنت فی الثالثة قبل الرکوع ﴾

سلاموں کے ساتھ ہے۔اور امام مالکؒ کا قول بھی یہی ہے۔

وجه: (۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن ابن عمر : أن رجلا سأل رسول الله ﷺ عن صلوۃ اللیل : فقال رسول الله ﷺ صلوة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی. (بخاری شریف، باب ماجاء فی الوتر ص۱۳۵ نمبر ۹۹۰ رمسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعۃ وان الرکعۃ صلوۃ صحیحۃ ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۱۷/۷۴۳۶) ان احادیث سے اور مسلم کی بہت سی احادیث کی بنا پر ان کے یہاں ایک رکعت وتر ہے۔مسلم شریف کے اوپر کے باب ہی میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله((الوتر رکعة من آخر اللیل))(مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعۃ وان الرکعۃ صلوۃ صحیحۃ ص۲۵۷ نمبر ۷۵۲ /۱۷۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت ہے۔

لیکن اوپر کی حدیث امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے۔

نوٹ: تہجد اور صلوۃ اللیل کو بھی وتر کہتے ہیں جیسا کہ حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔(۱) خود امام ترمذی نے فرمایا قال اسحق ابن ابراهیم معنی ماروی ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث عشرة ،قال انما معناه انه کان یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة مع الوتر فنسبت صلوة اللیل الی الوتر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بسبع ص۱۰۳ نمبر ۴۵۷)اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کو بھی شامل کر کے وتر کہتے تھے۔(۲)اوپر اس حدیث میں گزرا۔عن ابن عمر : أن رجلا سأل رسول الله ﷺ عن صلوۃ اللیل : فقال رسول الله ﷺ صلوة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی. (بخاری شریف، باب ماجاء فی الوتر ص۱۳۵ نمبر ۹۹۰ رمسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعۃ وان الرکعۃ صلوۃ صحیحۃ ص۲۵۴ نمبر ۱۷۱۷/۷۴۳۶) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ تہجد کی نماز پڑھتے رہتے تھے اور جب صبح کا وقت ہوتا تو سب کو وتر بنانے کے لئے ایک رکعت پڑھ لیتے ،اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کو بھی وتر کہتے ہیں۔اس لئے جہاں پانچ رکعت یا ایک رکعت وتر ہے وہ تہجد کی نماز کے ساتھ ہے۔وہ وتر نہیں ہے جو حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں ہیں۔

ترجمه: (۴۶۲) قنوت پڑھی جائے گی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔

تشریح: وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھے ۔امام شافعیؒ کے نزدیک رکوع کے بعد پڑھے۔

وجه: (۱)حدیث میں ہے۔عن ابی بن کعب ان رسول الله ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع. (ابوداؤد شریف،

۱؎ وقال الشافعیؒ بعده لما روی انه علیه السلام قنت فی آخر الوتر وهو بعد الرکوع ۲؎ ولنا ماروی انه علیه السلام قنت قبل الرکوع

باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۷ / نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۰ / ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۶، نمبر ۱۱۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر میں دعاء قنوت تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی (۲) اس اثر میں ہے کہ۔ کان ابن مسعود لا یقنت فی شیء من الصلوات الا فی الوتر قبل الرکوع ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۸۱ فی القنوت قبل الرکوع أو بعدہ، ج ثانی، ص ۹۷ نمبر ۶۹۰۳) اس اثر میں ہے کہ کسی اور نماز میں قنوت نہیں پڑھتے سوائے وتر کے اور دوسری بات یہ ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے۔ (۳) اور جس حدیث سے رکوع کے بعد ہے یا فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے جو کسی مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اسکا ثبوت یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قنت رسول الله شهرا متتابعا فی الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلوة الصبح فی دبر کل صلوة اذا قال سمع الله لمن حمده من الرکعة الآخرة یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل و ذکوان و عصیة و یؤمن خلفه . (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ، ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۳ / بخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ مصیبت کے وقت تھا۔

فائدہ: ترجمہ: ۱؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے۔ اسلئے کہ روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام وتر کی اخیر میں قنوت پڑھا، اور وہ رکوع کے بعد ہے۔

وجہ: امام شافعیؒ کے نزدیک قنوت رکوع کے بعد ہے۔ (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے انس بن مالک اقنت النبی ﷺ فی الصبح قال نعم قیل او قنت قبل الرکوع؟ قال بعد الرکوع یسیرا۔ (بخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع و بعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۱ / ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ، ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنا چاہئے (۲) سألت انس بن مالک عن القنوت ، فقال ((قنت رسول الله ﷺ بعد الرکوع . (دار قطنی، باب مایقرأ فی رکعات الوتر والقنوت فیہ، ج ثانی، ص ۳۳، نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث میں ہے کہ قنوت وتر کے بعد پڑھے (۳) صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے۔ عن سوید بن غفلة قال : سمعت أبا بکر و عمر و عثمان و علیا یقولون: ((قنت رسول الله ﷺ فی آخر الوتر ، و کان یفعلون ذالک (دار قطنی، باب مایقرأ فی رکعات الوتر والقنوت فیہ، ج ثانی، ص ۳۳، نمبر ۱۶۴۸) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی اخیر میں قنوت پڑھے جو رکوع کے بعد ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل وہ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھی۔ ۔ یہ روایت گزر چکی

۳؎ ومازاد علیٰ نصف الشئ اٰخره. (۴۶۳) یقنت فی جمیع السنة﴾

ہے۔ عن ابی بن کعب ان رسول الله ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع. (ابوداؤدشریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۷ رنسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین لخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۰ رابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع وبعدہ ص ۱۶۰، نمبر ۱۱۸۲) اس حدیث میں ہے کہ رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھی۔

ترجمہ: ۳؎ اور جو نصف شیء سے زیادہ ہو وہ اخیر ہوتی ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے حدیث پیش کی تھی کہ وتر کے اخیر میں قنوت پڑھا۔ حدیث یہ تھی۔ عن سوید بن غفلة قال : سمعت أبا بکر و عمر و عثمان و علیاً یقولون: ((قنت رسول الله ﷺ فی آخر الوتر، و کان یفعلون ذالک (دار قطنی، باب مایقرأ فی رکعات الوتر والقنوت فیہ، ج ثانی، ص ۳۳، نمبر ۱۶۴۸) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی آخیر میں قنوت پڑھے۔ جسکا مطلب لیا تھا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا، اسکا جواب دے رہے ہیں کہ آخیر کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دو رکعت کے بعد یعنی تیسری رکعت میں قنوت پڑھا اور رکوع سے پہلے پڑھا۔ کیونکہ وتر میں تین رکعتیں ہوتی ہیں تو ڈیڑھ رکعت پر نصف ہو جائے گا اور تیسری رکعت میں قنوت پڑھے تو نصف سے زیادہ ہو جائیگا۔ اور اس حدیث میں یہ ثبوت نہیں ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھا یا بعد میں اسلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ رکوع سے پہلے پڑھا۔ البتہ بخاری شریف کی جس حدیث میں ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا، اس میں یہ جواب نہیں چلے گا۔

ترجمہ: (۴۶۳) اور قنوت پورے سال میں پڑھے

پورے سال میں قنوت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال ابو هريرة او صانی رسول الله ﷺ بالوتر قبل النوم۔ (بخاری شریف، باب ساعات الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۵ رابوداؤد شریف، باب فی الوتر قبل النوم ص ۲۱۰ نمبر ۱۴۳۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پورے سال وتر پڑھنا ہے۔ اس لئے پورے سال دعائے قنوت بھی اس میں پڑھنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں گزری کہ قنت فی الوتر قبل الرکوع کہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اس لئے پورا سال قنوت پڑھی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال : لاوتر الا بقنوت (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۹۳ من قال لا وتر الا بقنوت، ج ثانی، ص ۱۰۲، نمبر ۶۹۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وتر میں قنوت پڑھنا لازمی ہے۔ (۳) عن ابراهيم قال عبد الله : لا یقنت السنة کلها فی الفجر و یقنت فی الوتر کل لیلة قبل الرکوع قال ابو بکر : هذا القول عندنا ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۸۶ من قال القنوت فی النصف من رمضان، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۶۹۴۱ رترمذی شریف، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، ص ۱۲۳، نمبر ۴۶۴) اس اثر میں ہے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ پورے سال وتر میں قنوت پڑھتے تھے۔

۱ خلافا للشافعیؒ فی غیر النصف الاخیر من رمضان ۲ لقوله علیه السلام للحسن بن علی حین علمه دعاء القنوت اجعل هذا فی وترک من غیر فصل (۴۶۴) ویقرأ فی کل رکعة من الوتر فاتحة الکتاب وسورة ﴿۱ لقوله تعالی: فاقرء وا ماتیسر من القرآن

فائدہ: ترجمہ: ۱ خلاف امام شافعیؒ کے رمضان کے نصف اخیر کے علاوہ میں۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھے اور باقی سال میں نہ پڑھے۔

وجه: (۱) انکی دلیل یہ اثر ہے۔ ان ابی بن کعب امهم یعنی فی رمضان و کان یقنت فی النصف الاخیر من رمضان (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۴۲۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، ص ۱۲۳، نمبر ۴۶۴) اس سے معلوم ہوا کہ ابی بن کعب کا عمل یہ تھا کہ وہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ہم نے ثابت کیا کہ حضورؐ رکوع سے پہلے ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے (۲) عن ابن عمر أنه کان لا یقنت الا فی النصف ، یعنی من رمضان ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۸۶ من قال: القنوت فی النصف من الرمضان، ج ثانی، ص ۹۹، نمبر ۶۹۳۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ صرف رمضان کے آخیر میں قنوت پڑھتے تھے۔ (۳) یہ اثر ان کی دلیل ہے عن ابی هریرةؓ قال نزلت علیه عشر سنین فما رأیته قنت فی وتره (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۸۸ من کان لایقنت فی الوتر، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۶۹۴۳) اس اثر میں ہے کہ پورے سال قنوت پڑھتے ہی نہیں تھے۔

ترجمہ: ۲ حضور علیہ کے قول کی وجہ سے حضرت حسن بن علیؓ کو جس وقت اسکو دعاء قنوت سکھایا، کہ اسکو اپنے وتر میں کرلو۔ بغیر کسی تفصیل کے۔

تشریح: حضرت حسن بن علیؓ کو حضورؐ نے دعاء قنوت سکھائی اور فرمایا کہ اسکو اپنے وتر میں کرلو۔ اور یہ تفصیل نہیں فرمایا کہ اسکو پورے سال میں پڑھو یا صرف رمضان کے نصف آخیر میں پڑھو اسلئے اس سے یہی مفہوم لیا جائے گا کہ قنوت کو پورے سال میں پڑھے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے۔ قال الحسن بن علی: علمنی رسول اللہ ﷺ کلمات أقولهن فی الوتر. قال ابن جواس: فی قنوت الوتر. اللهم اهدنی فیمن هدیت، الخ۔ (ابوداود شریف، باب القنوت فی الوتر، ص ۲۱۳، نمبر ۱۴۲۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، ص ۱۲۳، نمبر ۴۶۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے مجھے سکھایا اور میں اسکو وتر میں پڑھتا ہوں۔ تو اسکا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ پورے سال میں پڑھتا ہوں۔

ترجمہ: (۴۶۴) وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا۔

ترجمہ: ۱ فاقرء وا ما تیسر من القرآن کی وجہ سے۔

(۴۶۵) وان ارادان يقنت كبّر ﴾ ۱؎ لان الحالة قد اختلفت. (۴۶۶) ورفع يديه وقنت ﴾

تشـــریح : اس مسئلے میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وتر واجب تو ہے لیکن اسکی ایک حیثیت سنت کی بھی ہے اسلئے اسکی ہر رکعت میں سورت ملائی جائے گی۔ کیونکہ سنت کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملائی جاتی ہے۔

وجه: (۱) فاقرء وا ما تيسر من القرآن (آیت ۲۰، سورۃ المزمل ۷۳) کی وجہ سے قرأت تو فرض ہے لیکن وتر مکمل فرض کی طرح نہیں ہے کہ تیسری رکعت میں سورۃ نہ ملائی جائے۔ بلکہ من وجہ سنت کی طرح ہے۔ اس لئے اس کی تیسری رکعت میں بھی سورت ملائی جائے گی (۲) عن ابی بن كعب قال كان رسول الله ﷺ كان يقرأ فی الوتر ﴿ بسبح اسم ربک الاعلی﴾ وفی الركعة الثانية ﴿بقل يا ايها الكافرون﴾ وفی الثالثة ﴿بقل هو الله احد ﴾ولا يسلم الا فی آخرهن (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۱۷۰۲ مستدرک للحاکم، کتاب الوتر ، ج اول، ص ۴۴۶، نمبر ۱۱۳۹ ر ترمذی شریف، باب ماجاء مایقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳ رابوداؤد شریف، باب مایقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم، اور دوسری رکعت میں قل یا ایھا الکافرون، اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد، پڑھا کرتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ وتر کی تینوں رکعتوں میں سورت ملائی جائے گی۔

ترجمه: (۴۶۵) پس جبکہ دعائے قنوت کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے ۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حالت مختلف ہوگئی ہے۔

وجه : (۱) دعاء قنوت کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے، اسکی وجہ یہ ہے کہ قرأت کرنے کے بعد اب دعاء قنوت پڑھنے کی طرف بدل رہی ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدلے تو تکبیر کہے، اسلئے یہاں حالت بدلنے پر تکبیر کہے۔ (۲) اثر میں ہے۔ أن عبد الله بن مسعود كان اذا فرغ من القرأة كبّر ثم قنت فاذا فرغ من القنوت كبّر ثم ركع . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۵۹۰ فی التکبیر للقنوت، ج ثانی، ص ۱۰۱، نمبر ۶۹۴۷) اس اثر میں ہے کہ قنوت پڑھتے وقت تکبیر کہے۔

ترجمه: (۴۶۶) اور ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔

وجه: (۱) ہاتھ اٹھانے کا ثبوت اس اثر میں ہے عن عبد الله (بن مسعود) انه كان يرفع يديه فی قنوت الوتر. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۹۱ فی رفع الیدین فی القنوت ج ثانی ص ۱۰۱، نمبر ۶۹۵۳) (۲) عبد الرحمن بن الاسود عن ابيه قال كان ابن مسعود يرفع يديه فی القنوت الى ثدييه (سنن للبیھقی، باب رفع الیدین فی القنوت، ج ثالث، ص ۵۹، نمبر ۴۸۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قنوت پڑھنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے گا۔

ل لقوله عليه السلام لاترفع الايدى الافى سبع مواطن وذكر منها القنوت (۴۶۷) ولا يقنت فى صلوٰة غيرها ل خلافا للشافعیؒ فى الفجر

ترجمه: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ ہاتھ نہ اٹھایا جائے مگر سات جگہ پر، اوران میں سے قنوت کو ذکر کیا۔

تشریح : قنوت پڑھتے وقت ہاتھ اٹھانے کی یہ دلیل ہے کہ سات جگہ اٹھانے کا ذکر کیا اوران میں سے ایک جگہ قنوت کا وقت بھی ہے۔۔اس عبارت میں اس اثر کی طرف اشارہ ہے، لیکن اس میں قنوت کا ذکر نہیں ہے۔اثر یہ ہے ۔عن ابن عباس قال : لا ترفع الأيدى الا فى سبع مواطن : [اذا قام الى الصلوة [۲] و اذا رأى البيت [۳] و على الصفا [۴] و المروة [۵] و فى عرفات [۶]و فى جمع [۷] و عند الجمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود ، ج اول، ص ۲۱۴، نمبر ۲۴۵۰ رسنن بیہقی ، باب رفع الیدین اذا رأی البیت، ج خامس، ص ۱۱۷، نمبر ۹۲۱۰) اس اثر میں ہے کہ سات جگہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھایا جائے گا۔اس میں قنوت کا تذکرہ نہیں ہے البتہ اوپر کے اثر میں گزرا کہ عبداللہ بن مسعود قنوت کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

ترجمه: (۴۶۷) اور قنوت نہ پڑھے وتر کے علاوہ میں۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وتر کے علاوہ فجر کی نماز وغیرہ میں قنوت نہ پڑھے، بلکہ صرف وتر میں قنوت پڑھے، البتہ کوئی عظیم مصیبت پیش آجائے تو اس وقت فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھے۔

وجه : (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قنت رسول الله شهرا متتابعا فى الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلوة الصبح فى دبر كل صلوة اذا قال سمع الله لمن حمده من الركعة الآخرة يدعو على احياء من بنى سليم على رعل و ذكوان و عصية و يؤمن خلفه . (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ، ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۳ر بخاری شریف، باب القنوت قبل الرکوع وبعدہ ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ مصیبت کے وقت تھا۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن انس بن مالک ان النبیؐ و قنت شهرا ثم تركه. (ابو داؤد شریف، باب القنوت فی الصلواۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۴۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ کے بعد آپ نے قنوت نازلہ چھوڑ دی ۔کیونکہ منسوخ ہوگئی۔(۳) اس حدیث میں تو فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے سے منع فرمایا۔ عن ام سلمةؓ قالت : نهى رسول الله ﷺ عن القنوت فى الفجر ۔(ابن ماجۃ، باب ماجاء فی القنوت فی صلوۃ الفجر، ص ۱۷۵، نمبر ۱۲۴۲ر دار قطنی ، باب صفۃ القنوت وبیان موضعہ، ج ثانی، ص ۲۷، نمبر ۱۶۷۲) اس حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے سے منع فرمایا دیا ہے۔

فائده: **ترجمه**: ل خلاف امام شافعیؒ کے فجر کی نماز کے بارے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔

۲ لما روى ابن مسعودؓ انه عليه السلام قنت فى صلوٰة الفجر شهر اثم تركه (۴۶۸) فان قنت الامام فى صلوٰة الفجر يسكت من خلفه عند ابى حنيفةؒ ومحمدؒ وقال ابويوسفؒ يتبعه ﴾

وجه : (۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔أنه سمع أبا هريرة يقول : و الله ! لأقربن بكم صلوة رسول الله ﷺ فكان أبو هريرة يقنت فى الظهر و العشاء الأخرة و صلوة الصبح ، و يدعو للمومنين ، و يلعن الكفار ۔(مسلم شریف، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات اذا نزلت بالمسلمين نازلة،ص۲۷۳،نمبر۱۵۴۴/۶۷۶/ابوداود شریف، باب القنوت فی الصلوۃ،ص۲۱۵،نمبر۱۴۴۰)اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ نے حضورؐ کی مشابہت کی نماز پڑھی اور ظہر اور عشاء اور مغرب کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی۔(۲)عن البراء ان النبى ﷺ كان يقنت فى صلوة الصبح زادابن معاذ و صلوة المغرب ۔(ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوۃ ص۲۱۱نمبر۱۴۴۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا مسنون ہے۔ (۳)عن انس ان النبى ﷺ قنت شهرا يدعوا عليهم ثم تركه ، و أما فى الصبح فلم يزل يقنت حتى فارق الدنيا . (دار قطنی، باب صفة القنوت وبیان موضعہ، ج ثانی،ص۲۸،نمبر۱۶۷۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے صبح کی نماز میں آخیر وقت تک قنوت نازلہ پڑھی، اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک صبح کی نماز میں قنوت نازلہ مسنون ہے۔

ترجمه : ۲ اسلئے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فجر کی نماز میں ایک ماہ تک قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا۔

تشریح : یہ روایت حضرت انس بن مالک کی یہ ہے۔عن انس بن مالک ان النبیؐ و قنت شهرا ثم تركه. (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلواۃ ص۲۱۱نمبر۱۴۴۵)

نوٹ ابھی حنفیہ کے یہاں بھی اس پر عمل ہے کہ مصیبت کے وقت صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔جیسا کہ امام مسلمؒ نے باب باندھا ہے۔مسلم شریف، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات اذا نزلت بالمسلمين نازلة،ص۲۷۳،نمبر۱۵۴۴/۶۷۶)اس باب میں ہے کہ جب مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو اس وقت قنوت نازلہ پڑھے۔

ترجمه: (۴۶۸) پس اگر امام فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے لگے تو پیچھے والا چپ رہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ امام کی اتباع کرے۔

تشریح : امام شافعی مذہب کا ماننے والا ہے اور مقتدی حنفی مذہب کا ماننے والا ہے، اب امام نے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ شروع کر دی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی قنوت نازلہ نہ پڑھے بلکہ پیچھے چپ کھڑا رہے۔

وجه : (۱)اسکی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ اوپر حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ فجر میں قنوت پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے، اور منسوخ میں متابعت کرنا اچھا نہیں۔اسلئے اس قنوت کے وقت چپ رہے۔

ل لانـه تبع لا مامه والقنوت فی الفجر مجتهد فيه ۲ ولهما انه منسوخ ولا متابعة فيه ۳ ثم قيل يقف قائما ليتابعه فيما تجب متابعته ۴ وقيل يقعد تحقيقا للمخالفة لان الساكت شريک الداعی

ترجمه: ل اسلئے کہ وہ امام کے تابع ہے۔اور فجر میں قنوت پڑھنا مجتہد فیہ ہے۔[اسلئے امام کی اتباع کرے]

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ امام قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی بھی اسکی اقتدا میں قنوت پڑھے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے تابع ہے،اسلئے جیسا امام کرے گا ویسا ہی مقتدی کو کرنا چاہئے۔اس حدیث میں ہے۔عـن عـائشة ام الـمـؤمـنـيـن أنهـا قالت صلى رسول الله ﷺ فی بيته و هو شاک ، فصلی جالساً و صلی ورائه قوم قياماً ، فـأشـار اليهـم أن اجـلسـوا ، فـلـمـا انصرف قال ((انما جعل الامام ليؤتم به ، فاذا ركع فاركعوا ، واذا رفع فـارفعوا ، و اذا قال سمع الله لمن حمد ؛ فقولوا : ربنا لک الحمد ، و اذا صلی جالسا فصلوا جلوساً))۔(بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ،ص۹۵،نمبر ۶۸۸)اس حدیث میں ہے کہ مقتدی کو چاہئے کہ امام کی پوری اتباع کرے۔اسلئے جب وہ قنوت پڑھے تو مقتدی بھی قنوت پڑھے۔(۲)اور دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ فجر میں قنوت پڑھنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کسی نے فرمایا قنوت پڑھنا سنت ہے اور کسی نے فرمایا کہ یہ منسوخ ہے،اس لئے اس کے بارے میں شک ہو گیا، اور اوپر کی حدیث کی بناء پر امام کی اتباع کرنا ضروری ہے اسلئے شک کو چھوڑ کر یقینی والا کام کرے یعنی امام کی اتباع کرے۔

ترجمه: ۲ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ فجر میں قنوت منسوخ ہے اور منسوخ میں متابعت نہیں ہے۔

تشریح: اوپر کی حدیث میں ہے کہ فجر میں قنوت پڑھنا منسوخ ہے اور جب یہ منسوخ ہو گیا تو چاہے شافعی امام اسکو پڑھے تب بھی ہم اسکی اتباع نہ کریں۔

ترجمه: ۳ پھر کہا گیا کہ کھڑا رہے تاکہ جس چیز میں اتباع کرنا واجب ہے اس میں بقدر امکان اتباع ہو سکے۔

تشریح: امام کے ساتھ فجر میں قنوت تو نہ پڑھے،لیکن چپ کھڑا رہے یا بیٹھ جائے؟اس بارے میں بعض ائمہ کی رائے ہے کہ چپ کھڑا رہے، کیونکہ امام کی اتباع بھی اوپر کی حدیث کی بناء ضروری ہے اور امام کھڑا ہے اسلئے مقتدی بھی کھڑا رہے، اور جتنی متابعت کرنے میں کوئی حرج نہ ہو اتنی متابعت کر لے،اور قنوت نہ پڑھے اسلئے کہ وہ منسوخ ہے۔

ترجمه: ۴ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بیٹھ جائے تاکہ مخالفت ثابت ہو جائے ۔اسلئے کہ چپ رہنے والا بلانے والے کا شریک سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: بعض حضرات کی رائے ہے کہ جب شافعی امام فجر میں قنوت شروع کرے تو حنفی مقتدی بیٹھ جائے تاکہ انکی مخالفت باضابطہ ثابت ہو جائے ۔کیونکہ اگر کھڑے رہے اور چپ رہے تو لوگ ایسا ہی سمجھیں گے کہ یہ بھی قنوت میں شریک ہے، کیونکہ

۵ والاوّل اظهر ٦ وَدَلّت المسألة علٰى جواز الاقتداء بالشفعوية وعلى المتابعة فى قراء ة القنوت فى الوتر ۷ واذا علم المقتدى منه مايزعم به فساد صلاته كالفصد وغيره لايجزيه الاقتداء به

قاعدہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کوئی بات کہہ رہا ہو اور دوسرا وہاں چپ کھڑا ہو تو ایسا سمجھا جاتا ہے کہ یہ آدمی بھی کہنے میں شریک ہے اس لئے بیٹھ جائے تاکہ مخالفت واضح ہو جائے

ترجمہ : ۵ اول زیادہ ظاہر ہے۔

تشریح : پہلا مسلک یہ تھا کہ امام کے ساتھ کھڑا رہے اور چپ رہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ مسلک زیادہ ظاہر ہے اور اچھا ہے۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث۔((انما جعل الامام ليؤتم به ، فاذا ركع فاركعوا ، واذا رفع فارفعوا ، و اذا قال سمع الله لمن حمد ؛ فقولوا : ربنا لك الحمد ، و اذا صلى جالسا فصلوا جلوسا)) ۔(بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ، ص ۹۵، نمبر ۶۸۸) میں ہے کہ امام کی اتباع کرو اسلئے کھڑا ہونے میں اتباع کی جائے گی، اور قنوت منسوخ ہے اسلئے اس میں چپ رہے گا تو دونوں حدیثوں پر عمل ہو گیا۔ اور کوئی قباحت لازم نہیں آئی۔ اور بیٹھنے کی شکل میں امام کی اتباع والی حدیث پر عمل نہیں ہو گا۔ پھر امام کی مخالفت کر کے بیٹھنا یہ اچھا بھی معلوم نہیں ہوتا۔

نوٹ : دعاء قنوت تین قسم کی ہیں [۱] مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا، حضورؐ نے ایک مہینہ پڑھا اسکے بعد چھوڑ دیا۔ البتہ عظیم مصیبت کے وقت ابھی بھی حنفیہ کے یہاں فجر کی نماز میں پڑھنا مسنون ہے۔[۲] فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھنا، یہ حنفیہ کے یہاں نہیں ہے اور امام شافعیؒ کے یہاں ہے۔[۳] وتر میں دعاء قنوت پڑھنا۔ یہ امام شافعیؒ کے یہاں صرف رمضان کے نصف آخیر میں ہے، باقی دنوں میں نہیں۔ اور حنفیہ کے یہاں پورے سال میں ہے۔۔ دلائل اور تفصیل اوپر گزر گئے۔

ترجمہ ٦ یہ مسئلہ شوافع کی اقتداء پر دلالت کرتا ہے۔ اور متابعت پر دلالت کرتا ہے وتر کے قنوت پڑھنے میں۔

تشریح : متن کے مسئلے سے دو باتیں معلوم ہوئیں [۱] ایک تو یہ کہ حنفی مقتدی شافعی امام کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اسی طرح مالکی اور حنبلی امام کی بھی اقتداء کر سکتا ہے، اور یہ جائز ہے۔[۲] اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر شافعی امام وتر میں قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی انکی اقتداء میں قنوت پڑھے۔

وجہ : کیونکہ جب فجر کی نماز میں شافعی امام قنوت پڑھے تو انکی اقتداء میں اس وقت کھڑا رہنا بہتر ہے تو جب وہ وتر میں قنوت پڑھے تو ہم بھی انکی اقتداء میں قنوت پڑھیں کیونکہ یہ قنوت تو ہمارے یہاں بھی واجب ہے۔

ترجمہ: ۷ اور اگر حنفی مقتدی شافعی امام کے بارے میں ایسی بات جان لے جس سے حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہو، جیسے فصد لگانا وغیرہ تو اس وقت شافعی امام کی اقتداء جائز نہیں ہوگی۔

۸؎ والمختار فی القنوت الاخفاء لانه دعاء.

تشریح : امام شافعی تھےاور مقتدی حنفی تھا، شافعی امام نے اپنے مذھب کے مطابق عمل کیا لیکن ایسا عمل کیا جس سے حنفی مذھب کے مطابق وضوٹوٹ جاتا تھا ، مثلا امام صاحب نے وضوکرنے کے بعد فصد لگوایا اوراس سے خون نکلا اب امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق وضونہیں ٹوٹا اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق وضوٹوٹ گیا اب اس حال میں امام نے نماز پڑھادی تو چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق وضوٹوٹ گیا ہے اسلئے حنفی مقتدی کو انکی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے ، کیونکہ مقتدی کے مذھب کے مطابق جب وضوٹوٹ گیا ہے تو مقتدی کی نماز ہوگی ہی نہیں ۔ ہاں اگران تمام باتوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھاتے جس سے حنفی کے وضو میں خلل واقع نہیں ہوتا تو حنفی مقتدی کا اقتداء کرنا درست ہوتا۔

اصول :[۱] حنفی مقتدی شافعی، مالکی، حنبلی کی اقتداء کرسکتا ہے بشرطیکہ فساد وضو یا فساد نماز کا ارتکاب اس وقت نہ کر رہا ہو۔

ترجمہ: ۸؎ اور قنوت میں مختار مذھب اخفاء پڑھنا ہے اسلئے کہ وہ دعاء ہے۔

تشریح : وتر میں دعاء قنوت آہستہ پڑھے، اسکی وجہ یہ ہے کہ قنوت دعاء ہے اور دعاء کے بارے میں قرآنی ھدایت یہ ہے کہ آہستہ پڑھے اسلئے وتر میں دعاء قنوت آہستہ پڑھنا بہتر ہے۔آیت یہ ہے۔ **ادعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین** ۔(آیت ۵۵،سورۃ الاعراف ۷)اس آیت میں ہے کہ اللہ کو آہستہ اور گڑگڑا کر پکارو، اسلئے دعاء قنوت بھی آہستہ پڑھنا چاہئے۔

البتہ فجر میں جو قنوت نازلہ پڑھتے ہیں اسکو حنفیہ کے یہاں بھی زور سے پڑھتے ہیں اور مقتدی اس پر آمین کہتے ہیں۔

وجه : اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ **عن ابن عباس قال قنت رسول الله ﷺ شهرا متتابعا فی الظهر و العصر و المغرب و العشاء و صلوة الصبح فی دبر کل صلوة اذا قال : ((سمع الله لمن حمد)) من الرکعة الآخرة یدعو علی أحیاء من بنی سلیم علی رعل و ذکوان و عصیة و یوّمن من خلفه .** (ابوداود شریف ،باب القنوت فی الصلوۃ،ص ۲۱۵ نمبر ۱۴۴۳)اس حدیث میں ہے کہ مقتدی قنوت نازلہ پر آمین کہتے تھے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ حضورؐ زور سے قنوت نازلہ پڑھتے تھے اسی لئے تو صحابہ اس پر آمین کہتے تھے۔

Files\Microsoft
\CLIPART\PUB60COR\J01053
not found.

﴿باب النوافل﴾

(۴۶۹) السنة ركعتان قبل الفجر واربع قبل الظهر وبعدها ركعتان و اربع قبل العصر و ان شاء ركعتين و ركعتان بعد المغرب واربع قبل العشاء واربع بعدها وان شاء ركعتين ﴾

﴿ باب النوافل ﴾

ضروری نوٹ: النوافل سے مراد فرض کے علاوہ نماز ہے۔ یہاں نوافل میں سنت اور نوافل دونوں شامل ہیں۔ دلیل یہ حدیث ہے سألت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه؟ فقالت كان يصلى فى بيتى قبل الظهر اربعا ثم يخرج فيصلى بالناس ثم يدخل فيصلى ركعتين وكان يصلى بالناس المغرب ثم يدخل فيصلى ركعتين ويصلى بالناس العشاء و يدخل بيتى فيصلى ركعتين ... وكان اذا طلع الفجر صلى ركعتين (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۶۹۹/۷۳۰/ابو داؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنة ص ۱۸۵ نمبر ۱۲۵۱/ترمذی شریف، باب ما جاء فی من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة مالہ من الفضل ص ۹۴ نمبر ۴۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض نماز سے پہلے اور فرض نماز کے بعد پورے دن اور رات میں سنت مؤکدہ ہیں اور وہ بارہ رکعتیں ہیں۔ ان کی تاکید آئی ہے۔

ترجمہ: (۴۶۹) سنت نماز میں یہ ہے کہ دو رکعتیں فجر نماز سے پہلے ، اور چار ظہر نماز سے پہلے، اور اسکے بعد دو رکعتیں، اور چار عصر کی نماز سے پہلے، اور اگر چاہے تو دو رکعتیں، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد، اور چار رکعتیں عشاء سے پہلے، اور چار عشاء کے بعد، اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔

تشریح: ان رکعتوں میں سے کچھ سنت مؤکدہ ہیں اور کچھ سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ جنکی تاکید زیادہ ہے وہ سنت موکدہ ہیں اور جنکی تاکید زیادہ نہیں ہے وہ سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

یہ بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں انکی تاکید زیادہ آئی ہے [۱] فجر سے پہلے دو رکعتیں [۲] ظہر سے پہلے چار رکعتیں [۳] ظہر کے بعد دو رکعتیں [۳] مغرب کے بعد دو رکعتیں [۴] عشاء کے بعد چار رکعتیں۔

وجہ: ۔اسکی دلیل کے لئے یہ حدیث گزر گئی۔ سألت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه؟ فقالت كان يصلى فى بيتى قبل الظهر اربعا ثم يخرج فيصلى بالناس ثم يدخل فيصلى ركعتين وكان يصلى بالناس المغرب ثم يدخل فيصلى ركعتين ويصلى بالناس العشاء و يدخل بيتى فيصلى ركعتين ... وكان اذا طلع الفجر صلى ركعتين (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۶۹۹/۷۳۰/ابو داؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنة ص ۱۸۵ نمبر ۱۲۵۱/ترمذی شریف، باب ما جاء فی من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة مالہ من الفضل ص ۹۴ نمبر

لے والاصل فیہ قولہ علیہ السلام من ثابر علیٰ ثنتی عشرة رکعة فی الیوم واللیلة بنی اللّٰہ لہ بیتا فی الجنة

---

(۴۱۴) اس حدیث میں بارہ رکعتوں کا تذکرہ ہے جو سنت مؤکدہ ہیں۔ اور عصر سے پہلے چار رکعتیں یا دو رکعتیں، اسی طرح عشاء سے پہلے چار رکعتیں یہ غیر مؤکدہ ہیں کیوں کہ انکی تاکید کم ہے۔

فجر کی سنت زیادہ مؤکد ہے اسکی دلیل یہ ہے (۱) **عن عائشة قالت لم یکن النبی ﷺ علی شیء من النوافل اشد تعاهدا منه علی رکعتی الفجر** (بخاری شریف، باب تعاهد رکعتی الفجر ص ۱۵۶ نمبر ۱۱۶۹ مسلم شریف، باب استحباب رکعتی سنة الفجر ص ۲۵۰ نمبر ۷۲۴/۱۶۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنت سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ آپؐ اس کی بہت تاکید فرماتے تھے۔ (۲) ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں (۲) **عن عائشة ان النبی ﷺ کان لا یدع اربعا قبل الظهر ورکعتین قبل الغداة** (بخاری شریف نمبر ۱۱۸۲) (۳) دوسری حدیث میں ہے **عن ابن عمر قال حفظت من النبی ﷺ عشر رکعات ، رکعتین قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب فی بیته ورکعتین بعد العشاء فی بیته ورکعتین قبل صلوة الصبح** (بخاری شریف، باب رکعتین قبل الظہر ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۰ / ابو داؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدہا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں۔ اور ایک حدیث میں ظہر کے بعد بھی چار رکعت سنت کی حدیث ہے۔ **قالت ام حبیبة قال رسول اللہ ﷺ من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر واربع بعدها حرم علی النار** ۔(ابو داؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدہا ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹ / ترمذی شریف، باب آخر (باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظہر ص ۹۸ نمبر ۴۲۷) اس حدیث کی بنا پر اور اوپر کی حدیث کی بنا پر ظہر کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں۔ اسی لئے یہ عمل ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ پھر دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھتے ہیں۔

ترجمہ: لے اور اصل اس میں حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ جس نے دن اور رات میں بارہ رکعتوں پر ہمیشگی کی تو اسکے لئے اللہ جنت میں گھر بنائیں گے۔

تشریح : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ ((من ثابر علی ثنتی عشرة رکعة من السنة بنی اللہ له بیتاً فی الجنة : أربع رکعات قبل الظهر ، و رکعتین بعدها ، و رکعتین بعد المغرب ، و رکعتین بعد العشاء ، و رکعتین قبل الفجر))** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة، ص ۱۱۲، نمبر ۴۱۴ / ابن ماجہ، باب ماجاء فی ثنتی عشرة رکعة من السنة، ص ۱۶۰، نمبر ۱۱۴۰) اس حدیث میں ہے کہ جس نے بارہ رکعت سنت پر ہمیشگی کی تو اسکے لئے اللہ جنت میں گھر بنائے گا۔

۲ وفسر علیٰ نحو ماذکر فی الکتاب غیر انه لم یذکر الاربع قبل العصر فلهذا سماه فی الاصل حسنا وخیر لاختلاف الاٰثار والافضل هو الاربع ۳ ولم یذکر الاربع قبل العشاء ولهذا کان مستحبا لعدم المواظبة.

ترجمه: ۲ اور حدیث میں ایسی ہی تفسیر کی جیسا کہ متن میں ذکر کیا گیا ہے۔البتہ عصر سے پہلے چار رکعتوں کا ذکر نہیں ہے اسی لئے مبسوط میں اسکو حسن کہا ہے، اور احادیث میں اختلاف ہونے کی وجہ سے چار اور دو میں اختیار دیا گیا ہے۔لیکن افضل چار رکعتیں ہیں۔

تشریح : جس طرح متن میں رکعتوں کی تعداد مذکور ہے اسی طرح حدیث میں بھی ذکر کی گئی ہے البتہ اس حدیث میں عصر سے پہلے چار رکعتوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ چونکہ اس حدیث میں عصر سے پہلے چار رکعتوں کا تذکرہ نہیں ہے اسلئے مبسوط میں اسکو حسن کہا ہے، اور اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض حدیث میں چار رکعت سنت کہا ہے اور بعض حدیث میں دو رکعت سنت کہا ہے ۔۔ اسلئے عصر سے پہلے نماز حسن ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔

وجه : (۱) **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ رحم الله امرء صلی قبل العصر اربعا** (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۱ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر سے پہلے چار رکعت سنت ہیں۔لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتیں سنت ہیں۔حدیث میں ہے **عن علی ان النبی ﷺ کان یصلی قبل العصر رکعتین** ۔(ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۲ رترمذی شریف ، باب ما جاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۲۹) اس حدیث کی بنا پر صاحب کتاب نے فرمایا کہ عصر کی سنت دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه : ۳ اور عشاء سے پہلے چار رکعتوں کا تذکرہ اوپر کی حدیث میں نہیں ہے، اسی لئے وہ مستحب ہیں۔اور اسلئے بھی کہ حضورؐ نے اس پر ہمیشگی نہیں کی

تشریح : اوپر کی صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث میں اس بات کا بھی ذکر نہیں ہے کہ عشاء سے پہلے چار رکعت سنت ہے یا نہیں ۔اس لئے علماء نے اسکو مستحب کہا ہے۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اس سنت کو ہمیشہ نہیں پڑھی ہے اسلئے بھی یہ مستحب ہے۔

وجه : چونکہ عشا سے پہلی چار رکعت پڑھنے کی دلیل حدیث مشہورہ میں نہیں ہے اس لئے عشا سے پہلے چار رکعتیں مندوب ہیں۔ اور چونکہ منع نہیں فرمایا اور حدیث میں ہے **عن عبد الله بن مغفل قال قال النبی ﷺ بین کل اذانین صلوۃ بین کل**

۴ وذكر فيه ركعتين بعد العشاء وفي غيره ذكر الاربع فلهذا خير الاان الاربع افضل خصوصًا عند ابي حنيفةؒ علىٰ ما عرف من مذهبه

اذا نين صلوة ثم قال في الثالثة لمن شاء . (بخاری شریف، باب بین کل اذانین صلوۃ ص ۸۷ باب الاذان نمبر ۶۲۷) اس اعتبار سے عشا کی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ رکعتیں ہونی چاہئے۔ اسلئے عشا سے پہلے چار رکعتیں مندوب ہیں، مستحب ہیں۔

ترجمه: ۴ اور حدیث مذکور میں عشاء کے بعد دو رکعتیں ذکر کی، اور دوسری حدیث میں چار رکعتیں ذکر کی ہیں اسی لئے اختیار دیا گیا ہے، مگر یہ کہ چار افضل ہیں خصوصاً امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جیسا کہ انکے مذہب سے پہچانا گیا۔

تشریح : ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ عشاء کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں لیکن دوسری حدیث میں ہے کہ عشاء کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں، اسی لئے صاحب قدوری نے اپنی کتاب میں اختیار دیا ہے کہ دو پڑھو یا چار رکعتیں پڑھو دونوں جائز ہیں، البتہ چار رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔

وجه: (۱) عشاء کے بعد دو رکعت کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **سألت عائشة عن صلاة رسول الله ﷺ عن تطوعه ؟ .... ويصلى بالناس العشاء و يدخل بيتي فيصلى ركعتين.** (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲، نمبر ۷۳۰/۱۶۹۹/ ابو داؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنة ص ۱۸۵، نمبر ۱۲۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد دو رکعت سنت ہے۔

(۲) اور عشا کے بعد چار رکعت سنت پڑھنے کی حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قال سألتها عن صلوة رسول الله ﷺ فقالت ما صلى رسول الله العشاء قط فدخل على الا صلى اربع ركعات او ست ركعات** (ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ بعد العشاء ص ۱۹۲ نمبر ۱۳۰۳/ سنن للبیھقی، باب من جعل بعد العشاء اربع رکعات او اکثر ج ثانی ص ۶۷۱، نمبر ۴۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشا کے بعد چار رکعت سنت ہے۔ اس لئے دونوں حدیثوں کی بنا پر حنفیوں کا عمل یہ ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دو رکعت نفل کی نیت سے عشا کے بعد پڑھتے ہیں۔ (۳) اور یہ وجہ بھی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رات کی نفل ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا افضل ہے اسلئے بھی عشاء کے بعد چار رکعت نفل پڑھنی چاہئے۔ (۴) ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابن عباس قال : كان النبي ﷺ يركع قبل الجمعة أربعا ، لا يفصل في شيء منهن .** (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ قبل الجمعۃ، ص ۱۵۸، نمبر ۱۱۲۹) (۵) **عن ابي هريرة قال : قال رسول الله ﷺ ((اذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعا.** (مسلم شریف باب الصلوۃ بعد الجمعۃ، ص

۵ والاربع قبل الظهر بتسليمة واحدة عندنا كذا قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم (۴۷۰)قال ونوافل النهار ان شاء صلى بتسليمة ركعتين وان شاء اربعًا وتكره الزيادة علىٰ ذٰلك فاما نافلة الليل قال ابوحنيفةؒ ان صلى ثمان ركعات بتسليمة جازوتكره الزيادة علىٰ ذٰلك وقالا لا يزيد بالليل علىٰ ركعتين بتسليمة ﴾

۳۵۲،نمبر۸۸۱/۲۰۳۶/ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی الصلوۃ بعد الجمعۃ ،ص ۱۵۸،نمبر۱۱۳۲) ان حدیثوں میں ہے کہ جمعہ سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھے اسلئے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت نفل پڑھنا افضل ہے۔

ترجمہ: ۵ اورظہر سے پہلے چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہمارے نزدیک ہے،حضور علیہ السلام نے ایسا ہی فرمایا۔

تشریح : ہمارے نزدیک ظہر سے پہلے چار رکعتیں سنت ہیں۔(۱) اسکے لئے یہ حدیث گزر چکی ہے۔سألت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه؟ فقالت كان يصلى فى بيتى قبل الظهر اربعا (مسلم شریف،باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا ص۲۵۲ نمبر۷۳۰/۱۶۹۹/ابوداؤد شریف،ابواب التطوع ورکعات السنۃ ص۱۸۵ نمبر۱۲۵۱/ترمذی شریف، باب ما جاء فی من صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ مالہ من الفضل ص۹۴ نمبر۴۱۴) اس حدیث میں ہے کہ ظہر سے پہلے حضورؐ چار رکعت سنت پڑھتے تھے۔(۲)قالت ام حبيبة زوج النبى ﷺ قال رسول الله ﷺمن حافظ على اربع ركعات قبل الظهر واربع بعدها حرم على النار (ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدھا ص۱۸۷ نمبر۱۲۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا ظہر کی سنت چار رکعتیں ہیں

ترجمہ: ۶ اوراس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ ظہر کی سنت دوسلاموں کے ساتھ چار رکعت پڑھے۔

وجہ : ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبى ﷺ قال صلوة الليل والنهار مثنى مثنى ان تشهد فى كل ركعتين . (ابوداؤد شریف، باب فی صلوۃ النہار ص۱۹۰ نمبر۱۲۹۵)اس حدیث میں ہے کہ رات اور دن کی سنتیں دو دو رکعت کر کے پڑھے اسلئے ظہر کہ چار سنتیں بھی دوسلاموں کے ساتھ پڑھے۔

ترجمہ: (۴۷۰) دن کے نوافل اگر چاہے تو ایک سلام سے دو رکعتیں پڑھے،اور اگر چاہے تو چار پڑھے،اوراس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے، بہر حال رات کی نفلیں تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے،اوراس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے،اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ رات کی نوافل میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعتوں پر زیادتی نہ کرے۔

تشــریح : یہاں دوطرح کے مسئلے ہیں[۱] ایک دن کے نوافل [۲] اور دوسرے رات کے نوافل کہ ایک سلام سے کتنی رکعتیں تک پڑھ سکتے ہیں۔اور یہ اختلاف استحباب میں ہے، اسلئے اسکے خلاف بھی کرے گا تو کوئی حرج نہیں ہے ۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دن کے نوافل ایک سلام سے دو رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے اور چار بھی پڑھ سکتا۔البتہ چار سے زیادہ نہ پڑھے تو اچھا ہے۔لیکن اگر کسی نے پڑھ ہی لیا تو نماز ہو جائے گی۔اور اگر رات میں نفل پڑھے تو ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔

وجه: (۱)اوپر حدیث گزری کہ ظہر کی چار رکعتیں ایک سلام سے پڑھے، حدیث یہ ہے **عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ : أربع ركعات قبل الظهر ،** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن صلی فی یوم ولیلۃ ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ، ص۱۱۲، نمبر ۴۱۴/ابن ماجہ، باب ما جاء فی ثنتی عشرۃ رکعۃ من السنۃ، ص۱۶۰، نمبر ۱۱۴۰) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی سنت چار رکعت پڑھے ۔(۲)**قال سألت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه ؟ فقالت : كان يصلي في بيتي قبل الظهر أربعا** ۔(مسلم شریف، باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا، الخ ص۲۵۲، نمبر ۱۶۹۹/۷۳۰)اس حدیث میں بھی ہے کہ ظہر کی سنت چار رکعت پڑھتے تھے۔(۲)**عن عائشة قالت : كان رسول الله ﷺ يصلي الضحى أربعاً و يزيد ما شاء** ۔(مسلم شریف، باب استحباب صلوۃ الضحی وان أقلھا رکعتان، الخ ص ۲۴۹، نمبر ۱۶۶۵/۷۱۹)اس حدیث میں ہے کہ چاشت کی نماز چار رکعت پڑھتے تھے۔اس سے بھی معلوم ہوا کہ دن کی سنت چار رکعت ہے اسلئے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا مستحب ہے۔

اور رات کی سنت ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھ سکتا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے۔اس لئے کہ حضورؐ نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی ہے۔اس لئے زیادہ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن عائشة قالت كان رسول الله يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس لا يجلس في شيء الا في آخرها .** (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی فی اللیل ص۲۵۴ نمبر ۷۳۷)اس حدیث میں ہے کہ تیرہ رکعتیں پڑھی اور پانچ رکعت وتر ہے اور صرف اخیر میں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ رات میں پڑھی ہے۔اس لئے ایک سلام کے ساتھ رات میں آٹھ رکعت پڑھنا جائز ہے۔اس سے زیادہ کا ثبوت نہیں اس لئے ایک سلام کے ساتھ اس سے زیادہ پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ (۲)**سألت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ ؟ فقالت كان يصلي ثلاث عشرة ركعة ، يصلي ثمان ركعات ثم يوتر** (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل، ص ۲۹۸، نمبر ۱۷۲۴/۷۳۸) اس حدیث میں ہے کہ آپ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔ (۳)**عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ((أفضل الصلوة طول القنوت))** (مسلم شریف، باب أفضل الصلوۃ طول القنوت، ص ۳۰۶، نمبر ۱۷۶۸/۷۵۶)اس حدیث میں ہے کہ طول قنوت افضل نماز ہے، اسلئے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھے تو طول قنوت ہوگا اسلئے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھ سکتا ہے اس سے زیادہ

ل وفی الجامع الصغیر لم یذکر الثمانی فی صلوٰۃ اللیل ۲ے ودلیل الکراھۃ انه علیه السلام لم یزد علیٰ ذٰلک ولولا الکراھۃ لزادتعلیما للجواز ۳ے والافضل فی اللیل عند ابی یوسفؒ ومحمدؒ مثنی مثنی

نہیں۔

فائدہ : اورصاحبینؒ فرماتے ہیں رات کےنوافل دودورکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھےاس سے زیادہ نہ پڑھےتوافضل ہے۔

وجه : (۱)حدیث میں ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوۃ اللیل مثنی مثنی ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء ان صلوۃ اللیل مثنی مثنی ص۹۸ نمبر۴۳۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں نفل نماز دودورکعتیں ہیں۔(۲)عن ابن عمر أن رجلاً سأل رسول اللہ ﷺ عن صلوۃ اللیل ؟ فقال رسول اللہ ﷺ ((صلوۃ اللیل مثنی مثنی فاذا خشی أحدکم الصبح صلی رکعة واحدۃ توتر له ما قد صلی . (مسلم شریف باب صلوۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعۃ من آخراللیل، ص۲۵۴،نمبر۱۷۴۸/۷۴۹)اس حدیث میں بھی ہے کہ رات کی نماز دودورکعتیں ہیں۔لیکن چونکہ دن کے بارے میں چار کا ثبوت ہےاس لئے دن میں تو چار کے قائل ہوگئےلیکن رات کے بارے میں فرمایا کہ دودورکعتیں ہی افضل ہیں۔

ترجمه: لے اورجامع صغیرمیں رات کی نفل کے بارے میں آٹھ کا تذکرہ نہیں ہے۔

تشریح : جامع صغیرکی اصل عبارت میں رات کی نفل کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ ایک ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھے،البتہ اسکےاملاء کرانے میں اس بات کاذکر ہے۔جامع صغیرمیں یہ عبارت ہے۔ و صلوۃ اللیل ان شئت فصل بتکبیرۃ رکعتین ، و ان شئت أربعاً و ان شئت ستاً ، و ذکر فی((الاملاء)) ثمانی رکعات ، و صلوۃ النھار رکعتان و أربع ، و یکرہ أن تزید ، و ان فعلت لزمک ، و قال أبو یوسف ومحمدؒ : صلوۃ اللیل مثنی مثنی ۔ (جامع صغیر،باب مسائل لم تدخل فی الابواب،ص۱۱۱)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جامع صغیرکی اصل عبارت میں آٹھ رکعتوں کا تذکرہ نہیں ہے۔

ترجمه: ۲ے اورکراہیت کی دلیل یہ ہے کہ حضورعلیہ السلام نے آٹھ پرزیادہ نہیں کی۔اگرکراہیت نہیں ہوتی توجواز کی تعلیم کے لئے آٹھ سےزیادہ کرتے۔

تشریح : ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھنا مکروہ فرمایااسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ حضورؐ نےاس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ نہیں پڑھی ہے۔اگراس سے زیادہ مکروہ نہ ہوتا تو آپؐ امت کو بتلانے کے لئے ضرورایک مرتبہ بھی آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھ کر بتاتے،لیکن کبھی بھی اس سے زیادہ نہیں پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ آٹھ سے زیادہ مکروہ ہے۔آٹھ رکعتوں کی دلیل اوپر حدیث مسلم گزرگئی

ترجمه: ۳ے امام ابویوسف اورامام محمدؒ کے نزدیک رات میں افضل دودورکعتیں ہیں اوردن میں چارچار۔

وفي النهار اربع اربع ۴ وعند الشافعیؒ فيهما مثنى مثنى. ۵ وعندابی حنفيةؒ فيهما اربع اربع ۶ للشافعیؒ قوله عليه السلام صلوٰة الليل و النهار مثنى مثنى

تشریح : صاحبین فرماتے ہیں کہ رات میں نفل دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے۔اوردن میں ایک سلام کے ساتھ چار چار کر کے افضل ہے

وجہ : رات میں دو دو کر کے افضل ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة الليل مثنى مثنى ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوة اللیل مثنی مثنی ص ۹۸ نمبر ۴۳۷)اس حدیث میں ہے کہ رات کی نفل دو دو رکعت ہے۔ اوردن کے بارے میں اوپر حدیث گزری کہ چار رکعت پڑھتے تھے اسلئے دن میں چار رکعت پڑھنے کے قائل ہوئے۔

ترجمہ: ۴ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دن رات دونوں میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ دن اور رات میں دو دو رکعت پڑھے۔حدیث یہ ہے ۔(۱)عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة الليل و النهار مثنى مثنى ان تشهد في كل ركعتين (ابوداؤد شریف، باب فی صلوة النهار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ دن میں بھی دو دو رکعت پڑھے اور رات میں بھی دو رکعت پڑھے۔(۲) حدیث میں ہے. عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يصلى فيما بين ان يفرغ من صلوة العشاء وهى التى يدعو الناس العتمة الى الفجر احدى عشر ركعت يسلم بين كل ركعتين ۔(مسلم شریف، باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۳۶)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رات کی نماز دو دو رکعت پڑھنی چاہئے۔اوردن کے بارے میں یہ حدیث ہے (۳)عن ام هانى بنت ابى طالب ان رسول الله ﷺ يوم الفتح صلى سبحة الضحى ثمانى ركعات يسلم من كل ركعتين ۔(ابوداؤد شریف، باب صلوة الضحى ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کی نماز دو دو رکعتیں پڑھنی چاہئے۔ان احادیث کی بنا پر امام شافعیؒ رات اور دن میں دو دو رکعت نفل پڑھنے کے قائل ہیں۔

ترجمہ: ۵ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دن میں بھی چار چار رکعت اور رات میں بھی چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

وجہ : اوپر کئی حدیثیں آ گئیں جن میں ہے کہ حضور دن میں بھی سنتیں چار رکعتیں پڑھتے تھے،اور رات میں بھی سنتیں چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

ترجمہ: ۶ امام شافعیؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ دن اور رات کی سنتیں دو دو ہیں۔

تشریح : حدیث یہ گزر گئی۔عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة الليل و النهار مثنى مثنى ان تشهد فى كل ركعتين (ابوداؤد شریف، باب فی صلوة النهار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) اس حدیث میں ہے کہ دن اور رات کی سنتیں دو دو ہیں۔

ے ولهما الاعتبار بالتراويح ۸ ولابی حنیفةؒ انه علیه السلام کان یصلی بعد العشاء اربعًا روته عائشةؓ ۹ وکان یواظب علی الاربع فی الضحیٰ

ترجمه: ے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ وہ تراویح پر قیاس کرتے ہیں۔

تشریح : صاحبین کی رائے تھی کہ دن کی سنتیں چار چار رکعتیں ہوں اور رات کی سنتیں دو دو رکعتیں ہوں، انکی کچھ دلیلیں اوپر گزر گئیں، اور ایک دلیل صاحب ھدایہ نے یہ بھی دی کہ رات میں تراویح کی نماز جو سنت ہے وہ دو دو رکعت پڑھتے ہیں اسلئے رات کی اور سنتیں بھی دو دو رکعت ہی ہونی چاہئے۔ اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن ابی عمر انه صلی خلف ابی هریرة و کان یصلی رکعتین ثم یسلم ثم یقوم فیوتر برکعة ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۶۸۵ فی کم یسلم الامام، ج ثانی، ص ۱۷۰، نمبر ۷۷۳۴)اس اثر میں ہے کہ تراویح میں دو رکعت پر سلام پھیرے، جس سے معلوم ہوا کہ تراویح دو دو رکعت ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے رات کی سنت بھی دو دو رکعت ہونی چاہئے۔

ترجمه: ۸ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے اسکو حضرت عائشہؓ نے روایت کی ہے ۔

تشریح : حضرت عائشہؓ کی روایت یہ۔ عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة : کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان ؟ قالت : ما کان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان ، و لا فی غیره علی احدی عشرة رکعة ، یصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ،ثم یصلی أربعاً فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ، ثم یصلی ثلاثا . (مسلم شریف، باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل، ص ۲۹۸، نمبر ۱۷۲۳/۷۳۸) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ رات کی سنتیں چار چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

ترجمه: ۹ اور حضور چاشت کی نماز میں چار رکعت پر ہمیشگی کرتے تھے

تشریح : حضورؐ اکثر و بیشتر چاشت کی نماز چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث میں ہے۔ عن عائشة قالت : کان رسول الله ﷺ یصلی الضحی أربعاً و یزید ما شاء ۔(مسلم شریف، باب استحباب صلوۃ الضحی وان اقلها رکعتان، الخ ص ۲۴۹، نمبر ۱۶۶۵/۷۱۹/ابن ماجۃ شریف، باب فی صلوۃ الضحی، ص ۱۹۶، نمبر ۱۳۸۱)اس حدیث میں ہے کہ چاشت کی نماز چار رکعت پڑھتے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دن کی سنت چار رکعت ہے اسلئے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھنا مستحب ہے۔ اس حدیث میں یہ تو نہیں ہے کہ حضورؐ ہمیشہ ایسا کرتے تھے لیکن ، کان یصلی ، استمرار کا صیغہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ اکثر و بیشتر ایسا کرتے تھے۔

١٠ ولانه ادوم تحريمة فيكون اكثر مشقة وازيد فضيلة ١١ ولهذا الونذران يصلى اربعًا بتسليمة لايخرج عنه بتسليمتين وعلى القلب يخرج ١٢ والتراويح تؤدّى بجماعة فيراعى فيها جهة التيسير ١٣ ومعنى ماروراه شفعا لا وترا. والله اعلم.

ترجمہ: ١٠ اس لئے بھی کہ تحریمہ دیر تک رہے گا اسلئے اس میں مشقت زیادہ ہوگی اور فضیلت بھی زیادہ ہوگی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔کہ چار رکعتوں کا تحریمہ ایک ساتھ باندھے گا تو یہ تحریمہ دیر تک رہے گا اسلئے اس میں مشقت زیادہ ہوگی اور مشقت زیادہ ہونے کی وجہ سے فضیلت اور ثواب بھی زیادہ ہوگا۔اسلئے چار رکعت ایک ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ: ١١ یہی وجہ ہے کہ اگر نذر مانی کہ ایک سلام کے ساتھ چار رکعت پڑھے گا تو دو سلام سے پڑھنے سے اس نذر سے نہیں نکلے گا۔اور اسکے الٹے میں [یعنی دو رکعت کی نذر مانی اور چار رکعت پڑھ لی] تو نذر سے نکل جائے گا۔

تشریح: کسی نے نذر مانی کہ ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھونگا، پھر اس نے دو سلام سے چار رکعتیں پڑھی تو نذر پوری نہیں ہو گی۔اور اگر نذر مانی کہ چار رکعتیں دو سلام کے ساتھ پڑھونگا ، پھر اس نے چار رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھ لیا تو نذر پوری ہو جائے گی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ چار رکعتوں میں مشقت زیادہ ہے اسلئے دو دو رکعتوں کی نذر مانی اور چار رکعتیں پڑھ لی تو نذر پوری ہو جائے گی،اور چار رکعتوں کی نذر مانی تو اس میں زیادہ مشقت تھی اور دو دو رکعت کر کے پڑھی اس میں مشقت کم ہوئی اسلئے نذر پوری نہیں ہوگی۔

ترجمہ ١٢ اور تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اسلئے اس میں آسانی کی جہت کی رعایت کی گئی ہے۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ تراویح کی نماز دو دو رکعت کر کے پڑھتے ہیں اسلئے رات کی نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا بہتر ہے۔اسکا جواب ہے کہ تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اسلئے اس میں آسانی اختیار کرنا بہتر ہے اور آسانی اسی میں ہے کہ دو دو رکعت کر کے سنت پڑھی جائے۔لیکن اور نوافل الگ الگ پڑھتے ہیں اسلئے اسکو چار رکعت ایک ساتھ پڑھنا بہتر ہے۔

ترجمہ: ١٣ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی اسکا معنی یہ ہے کہ شفعہ ادا کرے طاق ادا نہ کرے۔

تشریح: یہ امام شافعی کے استدال کا جواب ہے۔انہوں نے حدیث پیش کی تھی کہ رات اور دن کی نماز مثنی مثنی پڑھے۔اس مثنی کی تاویل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رات کی نماز طاق طاق نہ پڑھے بلکہ شفعہ شفعہ پڑھے، چاہے دو رکعت کا شفعہ ہو، یا چار رکعت کا شفعہ ہو،اس لئے اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سنت دو دو رکعت ہی پڑھے۔

﴿فصل فی القراء ة﴾

(۴۷۱) والقراء ة فی الفرض واجبة فی الرکعتین﴾

﴿ فصل فی القرأة ﴾

ترجمہ: (۴۷۱) قرأت واجب ہے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں

تشریح: فرض کی جو نماز چار رکعت والی ہے مثلا ظہر، عصر اور عشاء، یا تین رکعت والی ہے مثلا مغرب تو ان کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہے۔ اگر ایک آیت بڑی بھی قرأت نہیں کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا اور سورت ملانا دونوں واجب ہیں۔ دلائل گزر چکے ہیں

وجہ: (۱) اصل میں فرض میں پہلی دو رکعتیں اصل ہیں اور دوسری دو رکعتیں انکے تابع ہیں۔ اس لئے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا فرض ہوگا۔ کیونکہ آیت ((فأقرء وا ما تیسر من القرآن)) ۔ (آیت ۲۰، سورۃ المزمل ۷۳) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکعت میں بھی قرآن کی آیت پڑھ لی گئی تو فرض کی ادائیگی ہوگئی۔ (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر. (بخاری شریف، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ / مسلم شریف، باب القراءة فی الظهر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱ / ۱۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن یہ ہمارے یہاں بطور سنت کے ہے وجوب کے نہیں (۳) جابر بن سمرة قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الاخریین ولا آلو ما اقتدیت به من صلوة رسول الله ﷺ قال صدقت ذلک الظن بک او ظنی بک۔ (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰ / مسلم شریف، باب القراءة فی الظهر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳) احذف فی الاخریین کے دو ترجمے کر سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بالکل قرأت نہیں کرتا ہوں۔ یہ ترجمہ حنفیہ کے مطابق ہوگا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں ہے۔ اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ مختصر قرأت کرتا ہوں یعنی سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ اس ترجمہ سے سورۂ فاتحہ کا ثبوت ہوگا جو حنفیہ کے نزدیک فرض کی دوسری دو رکعتوں میں سنت ہے (۴) عن عبد الله بن ابی رافع قال کان یعنی علیا یقرأ فی الاولیین من الظهر والعصر بام القرآن و سورة ولا یقرأ فی الاخریین (مصنف عبد الرزاق، باب کیف القراءة فی الصلوة ج ثانی ص ۶۵، نمبر ۲۶۵۸ / مصنف ابن ابی شیبة، ۱۴۶ من کان یقول یسبح فی الاخریین ولا یقرأ، ج اول، ص ۳۲۷، نمبر ۳۷۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت کوئی ضروری نہیں ہے۔ (۵) عن

ل وقال الشافعیؒ :فی الرکعات کلها لقوله علیه السلام :لا صلوٰة الابقراء ة، وکل رکعة صلوة
٢ وقال مالکؒ: فی ثلث رکعات اقامة للاکثر مقام الکل تیسیر ا

ابـراهیم قال :ما قر أ علقمة فی الرکعتین الأخریین حر فاً قط ۔(مصنف عبدالرزاق، باب کیف القراءۃ فی الصلوۃ ج ثانی ص ۶۵ ،نمبر ۲۶۶۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۴۶ من کان یقول یسبح فی الاخریین ولایقرأ، ج اول، ص ۳۲۷ ،نمبر ۳۷۴۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورت پڑھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

فائدہ : ترجمہ: ل اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ تمام ہی رکعتوں میں پڑھنا ضروری ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ کوئی نماز بغیر قرأت کے نہیں ہوتی اوراسلئے بھی کہ ہر رکعت نماز ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک ہر رکعت میں قرأت کرنا فرض ہے، چاہے فرض نماز ہو یا نفل نماز ہو۔

وجہ: (۱)ان کے نزدیک ہر رکعت مستقل نماز ہے۔اور نماز بغیر قرأت کے نہیں ہوتی اس لئے دوسری دو رکعتوں بھی سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے(۲)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال ((لا صلوة الا بقرأة))(مسلم شریف، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ،ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۶ /۸۸۲)اس حدیث میں ہے کہ قرأت کے بغیر نماز ہی نہیں ہوگی ،اورانکے یہاں ہر رکعت نماز ہے اسلئے ہر رکعت میں قرأت فرض ہے ۔(۳)اسی مسئلہ میں بخاری کی یہ حدیث گزری ۔عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر . (بخاری شریف، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی الظهر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱ /۱۰۱۲) جس میں ہے کہ حضورؐ دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے(۴) عن عبادة بن صامت : أن رسول الله ﷺ قال : ((لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب(بخاری شریف ،باب وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلوات کلها ،ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ رمسلم شریف، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ،ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴ /۸۷۴)اس حدیث کی وجہ سے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ٢ اورامام مالک نے فرمایا کہ تین رکعتوں میں کافی ہے،آسانی کے لئے اکثر کوکل کے قائم مقام کرتے ہوئے۔

تشریح: حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز میں تین رکعتوں میں قرأت کرلے تب بھی کافی ہوجائے گی۔

وجہ : (۱)اسکی وجہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اکثر میں قرأت کرلی تو یہ کل کے حکم میں ہوگیا،اسلئے یہ کافی ہوگیا۔(۲)اثر میں اسکا ثبوت

۳ ولنا قوله تعالیٰ فاقرء وا ما تیسر من القراٰن والامر بالفعل لایقتضی التکرار ۴ وانما اوجبنا فی الثانیة استدلالا بالاولی لانهما تتشاکلان من کل وجه فاما الاخریان تفارقانهما فی حق السقوط بالسفر وصفة القراء ة وقدرها فلاتلحقان بهما

ہے۔ عن ابراهیم قال : اذا لم یقرأ فی ثلاث من الظهر أعاد . (مصنف عبدالرزاق، باب من نسی القرأۃ، ج ثانی، ص ۸۱، نمبر ۲۷۶۲) اس اثر میں ہے کہ تین رکعتوں میں قرأت نہ کرے تو نماز لوٹائے۔

ترجمه: ۳ اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ((فأقرء وا ما تیسر من القرآن))۔ (آیت ۲۰، سورۃ المزمل ۷۳) ہے اور کسی کام کا امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ ہمیں قرآن میں سے جو آسان ہو اسکو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی کام کا حکم ہو تو اسکو ایک مرتبہ کر دینے سے ادا ہو جائے گا، اسکو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں جب تک کہ الگ سے دوبارہ حکم نہ آ جائے۔ کیونکہ امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ اسلئے آیت کی وجہ سے صرف ایک رکعت میں قرأت کرنا فرض ہوا، لیکن دوسری رکعت میں بھی فرض اسلئے قرار دیتے ہیں کہ وہ بہت حد تک پہلی رکعت کے مشابہ ہے۔ البتہ تیسری اور چوتھی رکعت پہلے دونوں رکعتوں کے مشابہ نہیں ہیں اسلئے ان میں قرأت کرنا فرض نہیں ہوا بلکہ سنت ہوا۔

ترجمه: ۴ اور ہم نے پہلی رکعت پر قیاس کرتے ہوئے دوسری رکعت میں قرأت واجب کی، اسلئے کہ دونوں ہر اعتبار سے مشابہ تھے۔ بہر حال تیسری اور چوتھی رکعت تو وہ دونوں پہلی دونوں سے مختلف ہیں۔ [۱] سفر میں ساقط ہونے کے حق میں [۲] اور قرأت کی صفت میں [۳] اور اسکی مقدار میں اسلئے دوسری دو رکعتیں پہلی کے ساتھ لاحق نہیں ہونگیں۔

تشریح : دوسری دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں سے ان باتوں میں مختلف ہیں اسلئے قرأت کی فرضیت میں تیسری چوتھی کو پہلی کے ساتھ لاحق نہیں کر سکتے [۱] سفر میں دوسری رکعت ساقط نہیں ہوتی، لیکن تیسری اور چوتھی رکعت ساقط ہو جاتی ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ تیسری اور چوتھی پہلی اور دوسری رکعت کے مشابہ نہیں ہیں۔ [۲] پہلی اور دوسری میں رات میں جہری قرأت پڑھی جاتی ہے۔ جبکہ تیسری اور چوتھی میں سری پڑھی جاتی ہے۔ اس صفت کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔ [۳] تیسری اور چوتھی کی قرأت مقدار کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔ کیونکہ پہلی اور دوسری میں سورت ملائی جاتی ہے جبکہ تیسری اور چوتھی میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنا کافی ہے سورت ملانے کی ضرورت نہیں۔ اس اعتبار سے بھی مختلف ہیں اسلئے تیسری چوتھی رکعت پہلی رکعت کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی اور پہلی رکعت پر قیاس کرتے ہوئے تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت فرض نہیں ہوگی، کیونکہ دونوں مختلف ہیں۔۔ یہ دلیل عقلی ہے، تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت فرض نہ ہونے کے لئے اصل میں اوپر کی حدیث اور قول صحابی ہیں۔

۵ و الصلوٰة فیما روی مذکورة صریحا فتصرف الی الکاملة وهی الرکعتان عرفا کمن حلف لایصلی صلوٰة بخلاف ما اذا حلف لا یصلی (٤٧٢) وهو مخیر فی الاخریین ﴾ ل معناه ان شاء سکت وان شاء قرأوان شاء سبّح کذاروی عن ابی حنیفةؒ وهو الماثورعن علیؓ وابن مسعودؓ وعائشة

ترجمه: ۵ اور جوامام شافعیؒ نے حدیث روایت کی اس میں ((صلوۃ)) کا لفظ صراحت کے ساتھ مذکور ہے اسلئے صلوۃ کامل نماز کی طرف پھیری جائے گی، اور وہ عرف میں دو رکعت ہیں۔ جیسے کوئی قسم کھائے ((لا یصلی صلوۃ)) کہ ایک نماز نہیں پڑھونگا، بخلاف جبکہ قسم کھائے ((لا یصلی)) کہ کوئی بھی نماز نہیں پڑھے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا۔ عن ابی هریرة أن رسول الله ﷺ قال ((لا صلوة الا بقرأة)) (مسلم شریف، باب وجوب قرأة الفاتحة فی کل رکعة، ص ١٦٩ نمبر ٨٨٢/٣٩٦) اس حدیث میں ہے 'لاصلوۃ الا بقرأۃ' اسلئے اس صلوۃ سے ہر رکعت مراد نہیں لی جائے بلکہ پوری نماز مراد لی جائے، ۔ یعنی دو رکعت مراد لی جائے، اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلی دو رکعت بغیر قرأت کے درست نہیں ہوگی، کیونکہ عرف میں نماز سے کامل نماز مراد لیتے ہیں چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ ((لا یصلی صلوۃ)) کہ میں ایک نماز نہیں پڑھونگا تو اس سے دو رکعت والی پوری نماز مراد ہوتی ہے ۔ چنانچہ اگر وہ دو رکعت والی پوری نماز پڑھے گا تو حانث ہوگا اور ایک رکعت نماز پڑھے گا تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر یوں قسم کھائی ((لا یصلی)) کہ میں نماز نہیں پڑھونگا، تو اس صورت میں ایک رکعت بھی نماز پڑھے گا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ اس صورت میں صلوۃ کا لفظ نہیں بڑھایا اسلئے کامل نماز مراد نہیں ہوگی، ایک رکعت پڑھنے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

لغت: تیسیراً: آسانی کے لئے۔ یقتضی: تقاضا کرتا ہے۔ تتشا کلان: دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ لاتلحقان: لاحق نہیں ہونگے، نہیں ملائے جائیں گے۔

ترجمه: (٤٧٢) اور اس کو اختیار ہے دوسری دو رکعتوں میں اگر چاہے تو سورۂ فاتحہ پڑھے اور اگر چاہے تو چپ رہے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔

ترجمه: ل امام ابو حنیفہؒ سے ایسے ہی روایت کی گئی ہے۔ یہی حضرت علی، حضرت ابن مسعود، اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔

تشریح: فرض کی پہلے دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے لیکن دوسری دو رکعتوں میں اسکو اختیار ہے۔ چاہے تو تسبیح کی مقدار چپ رہے پھر رکوع میں چلا جائے، اور چاہے تو الحمد پڑھے اور چاہے تو تسبیح پڑھے۔

وجه: (١) اوپر حدیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے اسلئے مصلی کو یہ سب اختیار ہیں۔

۲ الا ان الافضل ان یقرأ لانه علیه السلام داوم علی ذلک ولهذا لا یجب السهو بترکها فی ظاهر الروایة (۴۷۳) والقراءة واجبة فی جمیع رکعات النفل وفی جمیع رکعاتالوتر﴾

---

(۲)اس اثر میں چپ رہنے کا ثبوت ہے۔عن ابراهیم قال :ما قرأ علقمة فی الرکعتین الأخریین حرفاً قط ۔ (مصنف عبدالرزاق ، باب کیف القراءة فی الصلوة ج ثانی ص ۶۵ ،نمبر ۲۶۶۰ رمصنف ابن ابی شیبة ،۱۴۶ من کان یقول یسبح فی الاخریین ولایقرأ، ج اول ،ص ۳۲۷ ،نمبر ۳۷۴۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں چپ رہے۔اور تسبیح پڑھنے کی دلیل یہ اثر ہے۔عن علی و عبد الله أنهما قالا : اقرأ فی الاولیین و سبح فی الاخریین ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۱۴۶ من کان یقول یسبح فی الاخریین ولایقرأ، ج اول ،ص ۳۲۷ ،نمبر ۳۷۴۲ رمصنف عبدالرزاق ، باب کیف القراءة فی الصلوة ج ثانی ص ۶۵ ،نمبر ۲۶۵۹) اس اثر میں ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھتے تھے۔

ترجمہ: ۲ مگر افضل یہ ہے کہ پڑھے۔اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے اس پر مداومت کی ہے۔اسی وجہ سے ظاہر روایت میں یہ ہے کہ قرأت چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

تشریح : حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اکثر وبیشتر دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اسلئے دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا افضل ہے۔اس حدیث میں ہے۔عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب و سورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر . (بخاری شریف، باب یقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ رمسلم شریف، باب القراءة فی الظهر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱ /۱۰۱۲)اس حدیث میں 'کان یقرأ' کا لفظ ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ اکثر وبیشتر ایسا کرتے تھے کہ دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اسلئے دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا افضل ہے۔(۲)اس حدیث میں اسکی صراحت ہے. عن ابی مالک أن النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر و العصر فی کلهن . (مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۵ من کان یقرأ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورة وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب ، ج اول ،ص ۳۲۶ ،نمبر ۳۷۲۹)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ تمام رکعتوں میں قرأت فرماتے تھے۔ اور چونکہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت افضل ہے اسلئے کوئی سورہ فاتحہ چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے۔حضرت حسن بن زیاد نے امام اعظم سے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ اگر دوسری دو رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۴۷۳) قرأت واجب ہے نفل کی تمام رکعتوں میں اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

تشریح : مثلاً نفل میں چار رکعتوں کی نیت باندھی تو چاروں رکعتوں میں سورہ فاتحہ بھی پڑھے اور سورت بھی ملائے ،فرض کی طرح

۱؎ اما النفل فلان کل شفع منه صلوٰة علیٰ حدة والقیام الی الثالثة کتحریمة مبتدأة ۲؎ ولهذا لا یجب بالتحریمة الاولی الا رکعتان فی المشهور عن اصحابنا ۳؎ ولهذا قالوا یستفتح فی الثالثة ای یقول

نہیں ہے کہ صرف پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھے اور دوسری دو رکعتوں میں اختیار ہے۔

وجہ: (۱) نفل کی ہر دو رکعت ایک شفعہ ہے اور شفعہ مستقل نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھی تو دو رکعت ہی لازم ہوگی۔ چار رکعت لازم نہیں ہوگی۔ (۲) ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے اس کا اشارہ حدیث میں ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة اللیل والنهار مثنی مثنی (ابوداؤد شریف، باب فی صلوۃ النہار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) اس لئے ہر شفعہ میں قرأت کرنا لازم ہے۔ اور ہر شفعہ کی ہر رکعت میں قرأت کرنا ضروری ہے

(۳) وتر بھی من وجہ نفل ہے اس لئے اس کی تیسری رکعت میں قرأت کرے گا۔ احتیاط کا بھی تقاضا یہی ہے (۴) وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کرنے کا ثبوت حدیث میں ہے سألت عائشة بای شیء کان یوتر رسول الله؟ قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی و فی الثانیة بقل یا ایها الکافرون وفی الثالثة بقل هوا الله احد والمعوذتین (ترمذی شریف، باب ما جاء ما یقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۴۶۳ / ابوداؤد شریف، باب ما یقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۲۳) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ ملانا واجب ہے۔ اور جب وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کی جائے گی تو نفل کی تیسری رکعت میں بدرجہ اولی قرأت کی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ بہر حال نفل تو اسلئے کہ ہر شفع اسکی الگ نماز ہے، اور تیسری کی طرف کھڑا ہونا گویا کہ الگ سے تحریمہ باندھنا ہے۔

تشریح: یہاں سے تین دلیلیں دے کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی رکعت الگ شفعہ ہے اور گویا کہ الگ نماز ہے اسلئے اسکے لئے الگ قرأت چاہئے۔ [۱] نفل کی ہر رکعت میں قرأت کے واجب ہونے کی دلیل ہے، جسکی تفصیل اوپر گزری، کہ نفل کی ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے، اور گویا کہ الگ الگ نماز ہے، یہی وجہ ہے کہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو گویا کہ اس نے الگ تحریمہ باندھا اسلئے پہلے شفعہ کی قرأت دوسرے شفعہ کے لئے کافی نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ اسی لئے پہلی تحریمہ سے دو ہی رکعت لازم ہوگی۔ ہمارے اصحاب سے مشہور روایت یہی ہے۔

تشریح: ۔[۲] اگر کسی نے چار رکعت کی نیت باندھی تو ہمارے اصحاب کی مشہور روایت یہی ہے کہ اس تحریمہ سے صرف دو رکعت ہی لازم ہوگی چار رکعتیں لازم نہیں ہوگی۔ اسلئے کہ پہلی دو رکعتوں کا شفعہ الگ ہو گیا اور دوسری دو رکعتوں کا شفعہ الگ ہو گیا، اسلئے پہلے تحریمہ سے تیسری اور چوتھی رکعت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ تیسری رکعت میں ثناء، یعنی ((سبحانک اللھم)) الخ پڑھے۔

سبحانک اللهم ۴ واما الوتر فللاحتیاط (۴۷۴) قال ومن شرع فی نافلة ثم افسدها قضاها ۱ وقال الشافعیؒ لاقضاء علیه لانه متبرع فیه ولا لزوم علی المتبرع

تشریح : [۳] شفعہ الگ ہونے کی یہ تیسری دلیل ہے۔ کہ علماء نے فرمایا کہ چونکہ تیسری رکعت الگ شفعہ اور گویا کہ الگ نماز ہے اسلئے تیسری رکعت کے لئے جب کھڑا ہو تو اس میں پہلی رکعت کی طرح ثنا یعنی ((سبحانک اللھم وبحمدک))، الخ بھی پڑھے۔

ترجمہ : ۴ بہر حال وتر تو احتیاط کے لئے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ وتر کی تینوں رکعتوں میں قرأت کرنے کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ وتر اگر چہ واجب ہے، اسلئے فرض کی طرح اسکی تیسری رکعت میں قرأت واجب نہیں ہونی چاہئے، لیکن یہ نفل کی بھی مشابہ ہے، کیونکہ یہ حدیث سے ثابت ہے اسلئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسکو نفل کے زمرے میں رکھکر اسکی تینوں رکعتوں میں قرأت کی جائے ۔۔ اسکے علاوہ حدیث سے ثابت کیا کہ حضورؐ وتر کی تینوں رکعتوں میں سورت فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور سورت بھی ملاتے تھے۔

ترجمہ : (۴۷۴) جو نفل نماز میں داخل ہو پھر اس کو فاسد کر دے تو اس کی قضا کرے گا۔

تشریح : اگر کسی نے نفل کی نیت باندھی اور تحریمہ کے بعد اس کو توڑ دیا تو دو رکعت کی قضا لازم ہوگی۔

وجہ: (۱) نفل جب تک شروع نہ کرے وہ نفل ہے، تبرع ہے۔ لیکن شروع کرنے کے بعد وہ ایک قسم کی عملا نذر کی طرح ہو جاتی ہے اور نذر کو پوری کرنا ضروری ہے۔ اس لئے نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو اس کو قضا کرنا واجب ہوگا۔ نذر پوری کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ ثم لیقضوا تفثهم ولیوفوا نذورهم ۔ (آیت ۲۹، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا چاہئے (۲)۔ دوسری آیت میں ہے کہ عمل کو باطل نہیں کرنا چاہئے اس لئے نفل کی جب نیت باندھ لی تو وہ ایک عمل بن گیا۔ اس لئے اس کو باطل نہیں کیا جائے گا۔ اور توڑ دیا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔ آیت میں ہے یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم ۔ (آیت ۳۳ سورۂ محمد ۴۷) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال کو باطل نہیں کرنا چاہئے اور باطل کر دیا تو اس کی قضا کرے۔

فائدہ : ترجمہ : ۱ اور امام شافعیؒ نے فرمایا اس پر قضاء نہیں ہے اس لئے کہ وہ احسان کر رہا ہے، اور تبرع کرنے والے پر لزوم نہیں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تب بھی وہ نفل ہی رہتی ہے۔ اس کی قضا کرنا واجب نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ نفل پڑھنے والا تبرع اور احسان کرنے والا ہے اور تبرع اور احسان کرنے والے پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ اسلئے نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

۲؎ ولنا ان المؤدی وقع قربة فیلزم الاتمام ضرورة صیانته عن البطلان (۴۷۵) وان صلی اربعًا وقرأ فی الاوّلیین وقعدثم افسد الاخریین قضی رکعتین﴾ ۱؎ لان الشفع الاول قدتم والقیام الی الثالثة

وجه : (۱)ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ ما علی المحسنین من سبیل والله غفور رحیم.(آیت۹۱ سورۂ توبہ۹)اس آیت میں ہے کہ احسان کرنے والے اور نفل کام کرنے والے پر کوئی راستہ نہیں ہے۔یعنی واجب نہیں ہے۔اس لئے نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو قضا واجب نہیں ہے(۲)وہ فرماتے ہیں کہ پہلے بھی وہ نفل تھی اسلئے شروع کرنے کے بعد بھی وہ نفل ہی رہے گی واجب نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ادا کیا ہوا قربت واقع ہوئی تو اسکو پورا کرنا لازم ہوگا اسکو باطل ہونے سے بچانے کے لئے۔

تشریح : نفل اگر چہ تبرع ہے لیکن جتنا ادا کر دیا وہ قربت واقع ہوئی،اور قربت کو پورا کرنا ضروری ہے اور آیت کی وجہ سے قربت کو باطل ہونے سے بچانا بھی ضروری ہے اسلئے ادا کئے ہوئے کو باطل ہونے سے بچائے۔اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ نفل کی قضاء کرے،اور اسکی قضاء کرنا لازم ہو۔اسلئے نفل کی قضاء ہوگی۔۔اسکے لئے آیت اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۴۷۵)اگر چار رکعت نماز پڑھی اور دو رکعت میں قرأت کی اور بیٹھ گیا پھر دوسری دو رکعت فاسد کر دی تو دو رکعت ہی قضا کرے۔

تشریح : چار رکعت نفل نماز کی نیت باندھی۔پھر دو رکعت میں قرأت کی پھر تشہد میں بیٹھا اور گویا کہ دو رکعت پوری کی پھر دوسری دو رکعت کو فاسد کر دیا تو دوسری دو رکعت ہی قضا کرے۔پہلی دو رکعت پوری ہوگئی۔۔اور اگر دو رکعت کے بعد تشہد میں نہ بیٹھتا تو پھر تیسری رکعت کو فاسد کرتا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی چار رکعت ہی پوری کرے گا،اسلئے کہ جب تشہد میں نہیں بیٹھا تو پہلا شفعہ بھی پورا نہیں ہوا اور تیسری رکعت کو فاسد کر کے اس شفعہ کو بھی خراب کیا اسلئے دونوں شفعے کو قضاء کرنا ہوگا۔

وجہ: یہ مسئلہ دو اصولوں پر مبنی ہے۔ایک یہ کہ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے۔ایک کے فساد سے دوسرے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھ گیا تو وہ دونوں رکعتیں پوری ہوگئیں۔اب صرف سلام باقی ہے۔اس لئے دوسری دو رکعتوں کو فاسد کیا تو اس کو قضا کرے گا۔البتہ پہلی دو رکعتیں پوری ہوگئیں۔اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اصول : (۱)نفل میں دو رکعت الگ الگ شفعہ ہیں(۲)ایک کے فساد سے دوسرے پر اثر نہیں پڑے گا۔حدیث صلوة اللیل والنهار مثنی مثنی (ابوداؤد شریف نمبر۱۲۹۵)سے استدلال کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے پہلا شفعہ پورا ہوگیا اور تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہونا گویا کہ شروع سے تحریمہ باندھنا ہے اسلئے تیسری چوتھی

بمنزلة التحريمة المبتدأه فيكون ملزما ۲؎ هٰذا اذا فسد الاخريين بعد الشروع فيهما ولو افسد قبل الشروع في الشفع الثاني لايقضي الاخريين ۳؎ وعن ابی یوسفؒ انه يقضي اعتبارا للشروع بالنذر

رکعت لازم ہوگی۔

تشریح : چار رکعت نفل کی نیت باندھی اور اسکو قرأت اور تشہد کے ساتھ پوری کر کے سلام پھیرے بغیر تیسری شروع کی اور تیسری رکعت کو فاسد کیا تو چونکہ پہلا شفعہ پورا ہو چکا ہے، اسلئے اسکی قضاء لازم نہیں ہوگی، اور تیسری رکعت کو شروع کرنا گویا کہ الگ تحریمہ باندھنا ہے ،اسلئے اسکو فاسد کرنے سے صرف اس شفعہ کی قضاء لازم ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ یہ واجب ہونا جب ہے کہ دوسری دو رکعتوں کو شروع کرنے کے بعد فاسد کیا ہو۔ اور اگر دوسرے شفعہ کو شروع کرنے سے پہلے فاسد کر دیا تو دوسری دو رکعتوں کی قضاء واجب نہیں ہے۔

تشریح : اوپر جو گزرا کہ تیسری اور چوتھی رکعت کی قضاء لازم ہوگی یہ اس وقت ہے کہ دوسرے شفعہ کو شروع کیا پھر اسکو فاسد کر دیا تو دوسرے شفعہ کی قضاء لازم ہوگی، اور اگر دوسرے شفعہ کو ابھی شروع ہی نہیں کیا اور پہلی دو رکعت کے تشہد کے بعد نماز فاسد کر دی تو دوسرے شفعہ کی قضاء واجب نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ دوسرا شفعہ پہلے شفعہ سے بالکل الگ ہے، اور چار رکعت کی نیت باندھنے سے چار رکعت لازم نہیں ہو گی بلکہ دو رکعت ہی لازم ہوگی، کیونکہ دونوں شفعے الگ الگ ہیں، اسلئے دوسرے شفعے کو شروع کرنے سے پہلے اسکی قضاء لازم نہیں ہو گی۔ ہاں اسکو شروع کرنے کے بعد فاسد کرے گا تو اسکی قضاء لازم ہوگی۔

ترجمہ : ۳؎ حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کہ چاروں رکعتوں کی قضاء کرے گا وہ قیاس کرتے ہیں شروع کو نذر کرنے پر۔

تشریح : یہ قول اس اصول پر ہے کہ، چار رکعت کی نیت کرنے سے چاروں رکعتیں ایک ساتھ لازم ہونگیں، اسلئے ایک کو بھی فاسد کرنے سے چاروں فاسد ہونگیں اور چاروں کی قضاء لازم ہوگی۔ اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ چار رکعتوں کی نیت باندھی اور دو رکعت پوری کرنے کے بعد نماز فاسد کر دی تو حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چاروں رکعتوں کی قضاء لازم ہوگی۔ جیسے کوئی چار رکعتوں کی نذر مانے اور تیسری رکعت میں فاسد کر دے تو، یا پہلی رکعت میں فاسد کر دے تو چاروں رکعتوں کی قضاء لازم ہوتی ہے اسی طرح یہاں چاروں رکعتوں کی قضاء لازم ہوگی۔ کیونکہ چار رکعت کی نذر ماننے سے چاروں رکعتیں ایک ساتھ ہی لازم ہوتی ہیں۔

۴ ولهما ان الشروع ملزم ما شرع فيه ومالا صحة له الابه وصحة الشفع الاوّل لاتتعلق بالثانی بخلاف الركعة الثانية ۵ وعلیٰ هذا سنة الظهر لانها نافلة ۶ وقيل يقضی اربعًا احتياطا لانها بمنزلة صلوٰة واحدة

ترجمہ: ۴ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ جسکو شروع کیا وہی لازم ہوگی، اور وہ لازم ہوگی جسکے بغیر یہ صحیح نہیں ہوتی۔ اور شفع اول کا صحیح ہونا شفع ثانی سے متعلق نہیں ہے، بخلاف رکعت ثانی کے [کہ پہلی رکعت کا صحیح ہونا دوسری رکعت پر موقوف ہے۔

تشریح: دوسرے شفع کے لازم نہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جس رکعت کو شروع کی اسکی قضاء لازم ہوگی، اور وہ رکعت بھی لازم ہوگی جس کے بغیر یہ رکعت درست نہ ہوتی ہو۔ مثلا پہلی رکعت شروع کی تو اسکی قضاء لازم ہوگی، لیکن ایک رکعت پڑھنا صلوۃ بتیرا ہے جو حدیث میں ممنوع ہے اسلئے دوسری رکعت کے بغیر پہلی رکعت صحیح نہیں ہے۔ اسلئے پہلی رکعت شروع کی تو دوسری رکعت کی قضاء بھی لازم ہوگی کیونکہ دوسری رکعت کے بغیر پہلی رکعت درست نہیں ہے۔ شفع ثانی کا حال ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ شفع ثانی کے بغیر بھی شفع اول جائز ہے، اسلئے شفعہ اول شروع کیا تو اس سے شفع ثانی کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

اصول: [۱] جس رکعت کو شروع کیا اسکی قضاء واجب ہوگی۔ [۲] اور شروع کی ہوئی رکعت کا صحیح ہونا جس رکعت پر موقوف ہو اسکی قضاء بھی لازم ہوگی۔ [۳] اور جس پر موقوف نہ ہو اسکی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۵ اسی اختلاف پر ظہر کی سنت ہے اسلئے کہ وہ بھی نفل ہے۔

تشریح: ظہر کی سنت ایک ساتھ چار رکعت ہے، اب کسی نے چار رکعت کی نیت کی اور تیسری رکعت شروع کرنے کے بعد فاسد کر دی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہاں بھی پہلی دو رکعت الگ شفع ہے اور دوسری دو رکعت الگ شفعہ ہے اسلئے دوسرے شفعہ کو فاسد کرنے کی وجہ سے صرف دوسرے شفع کی ہی قضاء لازم ہوگی، پہلے شفع کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاروں رکعتیں ایک ہی نیت کے ساتھ باندھی ہے اسلئے تیسری کو فاسد کرنے کی وجہ سے بھی چاروں رکعتوں کی قضاء لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۶ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ احتیاط کے طور پر چار ہی قضاء کرے اسلئے کہ چاروں رکعتیں ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں۔

تشریح: بعض حضرات کی رائے ہے کہ ظہر کی سنت میں چار رکعتوں کی نیت باندھی تو وہ چاروں رکعتیں ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں اسلئے تیسری کو فاسد کیا تب بھی مکمل چار رکعتیں ہی قضاء کرے احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

(۴۷۶) وان صلی اربعا ولم یقرأ فیھن شیئا اعاد رکعتین وھذا عندابی حنفیةؒ ومحمدؒ وعند ابی یوسفؒ یقضی اربعًا﴾

ترجمہ: (۴۷۶) اگر چار رکعتیں نماز پڑھی اور کسی میں بھی کچھ قرأت نہیں کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو ہی رکعتیں لوٹائے ،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعتیں قضاء کرے۔

تشریح : اس مسئلے کی سولہ صورتیں ہیں ،البتہ آٹھ صورتوں میں سب صورتیں شامل ہو جاتیں ہیں اسلئے مصنفؒ نے آٹھ صورتیں ہی بیان کی ہیں۔

﴿مسئلے کی سولہ صورتیں﴾

[۱]	چاروں رکعتوں میں قرأت کی ہو	[۹]	شفع اول اور تیسری رکعت میں قرأت چھوڑ دی
[۲]	چاروں میں سے کسے میں قرأت نہ کی ہو	[۱۰]	شفع اول اور چوتھی رکعت میں قرأت چھوڑ دی ہو
[۳]	پہلی دو رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی ہو	[۱۱]	پہلی رکعت اور شفع ثانی میں قرأت چھوڑ دی ہو
[۴]	دوسری دو رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی ہو	[۱۲]	دوسری رکعت اور شفع ثانی میں قرأت چھوڑ دی ہو
[۵]	صرف پہلی رکعت میں قرأت چھوڑی ہو	[۱۳]	پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں قرأت چھوڑی ہو
[۶]	صرف دوسری رکعت میں قرأت چھوڑ دی	[۱۴]	پہلی رکعت اور چوتھی رکعت میں قرأت چھوڑی ہو
[۷]	صرف تیسری رکعت میں قرأت چھوڑ دی	[۱۵]	دوسری رکعت اور تیسری رکعت میں قرأت چھوڑی ہو
[۸]	صرف چوتھی رکعت میں قرأت چھوڑ دی	[۱۶]	دوسری رکعت اور چوتھی رکعت میں قرأت چھوڑی ہو

﴿صاحب ھدایہ کی پیش کردہ آٹھ صورتیں یہ ہیں﴾

[۱]	چاروں رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی ہو	[۵]	شفع اول کی کسی رکعت میں قرأت چھوڑی ہو
[۲]	شفعہ ثانی میں قرأت چھوڑ دی ہو	[۶]	شفع اول کی کسی ایک رکعت میں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں قرأت چھوڑی ہو
[۳]	شفع اول میں قرأت چھوڑ دی ہو	[۷]	شفع ثانی کی دونوں رکعتوں میں اور شفع اول کی کسی ایک رکعت میں قرأت چھوڑی ہو
[۴]	شفع ثانی کی کسی رکعت میں قرأت چھوڑی ہو	[۸]	شفع اول کی دونوں رکعتوں میں اور شفع ثانی کی کسی ایک رکعت میں قرأت چھوڑی ہو

یہ سب مسائل تین اصولوں پر ہیں۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ۔دونوں رکعتوں میں قرأت چھوڑے گا تو تحریمہ باطل ہو جائے گا، اور ایک رکعت میں قرأت چھوڑے گا تو تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔

اصول : امام محمدؒ۔ایک رکعت میں بھی قرأت چھوڑے گا تو تحریمہ باطل ہو جائے گا۔

اصول : امام ابو یوسفؒ۔چاروں رکعتوں میں بھی قرأت چھوڑے گا تب بھی تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔

﴿تینوں اصولوں کی وجہ﴾

امام ابوحنیفہؒ کے اصول کی وجہ:۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایک رکعت میں بھی قرأت کر لی تو بعض ائمہ کی رائے ہے کہ نقصان کے ساتھ دونوں رکعتیں ادا ہو گئیں، اور پورا شفع صحیح ہو گیا، کیونکہ پہلے آیت سے ثابت کیا گیا ہے کہ حقیقت میں پہلی رکعت میں قرأت فرض ہے اور دوسری میں اسکے تابع کر کے فرض کی گئی ہے، اسلئے دوسری میں قرأت چھوڑ بھی دی تو شفع صحیح ہو گیا۔ اسلئے ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوگا، اور جب پہلے شفعے کا تحریمہ باطل نہیں ہوا تو دوسرے شفع کا اس پر بناء کرنا درست ہو گیا۔

اور اگر دونوں رکعتوں میں قرأت چھوڑ دی تو کسی امام کے نزدیک نماز نہیں ہوئی اور جب نماز ہی نہیں ہوئی تو تحریمہ باطل ہو گیا، اسلئے اب دوسرے شفع کو اس پر بناء کرنا درست نہیں رہا۔اس اثر میں ہے۔ **أن عمر صلى المغرب فلم يقرأ ، فأمر المؤذن فأعاد الأذان و الاقامة ، ثم أعاد الصلوة** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب من نسی القرأة، ج ثانی، ص ۸۱، نمبر ۲۷۵۷) اس اثر میں ہے کہ مغرب کی کسی رکعت میں قرأت نہیں کی تو اس نماز کو دوبارہ لوٹایا۔

۱ وهٰذه المسألة علٰى ثمانية اوجه ۲ والاصل فيها ان عند محمدؒ ترک القراء ة فی الاوّلیین اوفی احدٰهما یوجب بطلان التحریمة لانها تعقد للافعال

امام محمدؒ کےاصول کی وجہ :۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تحریمہ افعال کے لئے منعقد کیا گیا ہےاور قرأت جیسے اہم فعل چھوڑ دیا تو ایک رکعت بھی اہم فعل سے خالی ہوگی تو تحریمہ باطل ہوجائے گا،اور تحریمہ باطل ہوگیا تو اس پر دوسرے شفع کو بناءنہیں کرسکتا ۔

امام ابو یوسفؒ کےاصول کی دلیل :۔امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چاروں رکعتوں میں بھی قرأت چھوڑ دے گا تب بھی تحریمہ باطل نہیں ہوگا،،اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں[۱] کہ قرأت ایک زائد رکن ہے،یہی وجہ ہے کہ گونگا قرأت نہیں کرسکتا ہے اسکے باوجود اسکی نماز ہو جاتی ہے۔اسلئے قرأت چھوڑنے سے نماز تو صحیح نہیں ہوگی لیکن تحریمہ باطل نہیں ہوگا[۲] دوسری وجہ یہ فرماتے ہیں کہ خود نماز کو ادا کرنا چھوڑ دے تو تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو ایک رکن قرأت چھوڑ دے تو تحریمہ باطل کیسے ہوگا۔مثلاً کسی آدمی کو حدث ہوا اور وہ نماز چھوڑ کر وضو کرنے گیا تو واپس آکر دوبارہ بناء کرسکتا ہے اسلئے کہ اسکا تحریمہ باطل نہیں ہوا جب نماز چھوڑنے پر تحریمہ باطل نہیں ہوتا تو ایک رکن قرأت کے چھوڑنے پر بھی تحریمہ باطل نہیں ہوگا اور جب قرأت چھوڑنے سے شفع اول کا تحریمہ باطل نہیں ہوا تو شفع ثانی کا اس پر بناء کرسکتا ہے۔

﴿تشریح مسائل﴾

مسئلے کی تشریح :یہ ہے کہ چار رکعتیں نفل نماز پڑھی اور کسی رکعت میں قرأت نہیں کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں کو لوٹائے گا۔

وجہ : امام ابوحنیفہؒ کا اصول گزرا کہ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت نہیں کی تو اسکا تحریمہ ٹوٹ گیا اسلئے دوسری دو رکعتوں کو اس پر بناء کرنا درست نہیں،اسلئے دوسری دو رکعتوں کی نیت ہی نہیں ہوئی،اسلئے پہلی دو رکعتوں کو لوٹائے گا،اسلئے کہ اس میں قرأت نہیں کی ہے ۔اور امام محمدؒ کے نزدیک تو ایک ہی رکعت میں قرأت نہ کرنے کی وجہ سے اسکا تحریمہ ٹوٹ گیا اسلئے دوسری دو رکعتوں کو اس پر بناء کرنا صحیح نہیں ہوا ،اسلئے صرف پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے ساتھ ادا کرے گا۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاروں رکعتوں میں قرأت چھوڑنے سے تحریمہ نہیں ٹوٹا،اسلئے دوسری دو رکعتوں کو اس پر بناء کرنا صحیح ہوا ،لیکن چاروں رکعتوں میں قرأت نہیں کی اسلئے چاروں رکعتوں کو دوبارہ پڑھے۔

ترجمہ : ۱ یہ مسئلہ آٹھ طریقوں پر ہے۔

تشریح : یہ آٹھ طریقے اوپر ذکر کردئے گئے ہیں ۔انکو دوبارہ دیکھ لیں۔

ترجمہ : ۲ ان مسئلوں میں قاعدہ یہ ہے۔کہ امام محمدؒ کے نزدیک پہلے دو میں قرأت چھوڑے یا ان میں سے ایک میں قرأت

۳۔ وعندابی یوسفؒ ترک القراء ۃ فی الشفع الاوّل لایوجب بطلان التحریمۃ وانما یوجب فساد الاداء لان القراء ۃ رکن زائد الاتری ان للصلوۃ وجودابدونھا غیر انہ لاصحۃ للاداء الابھا

۴۔ وفساد الاداء لایزید علیٰ ترکہ فلایبطل التحریمۃ

چھوڑے تو تحریمے کو باطل کر دیتی ہے، اسلئے کہ تحریمہ افعال کے لئے منعقد کیا گیا ہے [اور افعال یعنی قرأت نہ ہو تو جس کے لئے منعقد کیا گیا ہے وہی نہ ہو تو تحریمہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح :مصنفؒ یہاں سے امام محمدؒ کا اصول بیان فرما رہے ہیں، کہ تحریمہ اسلئے باندھا تھا کہ رکعتوں میں افعال کریں گے اور جب قرأت جیسی اہم چیز چھوڑ دی تو تحریمہ کا فائدہ ہی نہیں رہا اسلئے تحریمہ باطل ہو جائے گا۔ اسلئے اس پر دوسری دو رکعتوں کو بناء کرنا صحیح نہیں، البتہ پہلی دو رکعتیں نقص کے ساتھ اداء ہوئی ہیں، اسلئے انکو بھی دوبارہ اداء کرنا ہوگا۔

ترجمہ : ۳۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں میں قرأت کو چھوڑنا تحریمہ کو باطل نہیں کرتی، صرف اداء فاسد ہوگی۔ اسلئے کہ قرأت زائد رکن ہے، کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ قرأت کے بغیر بھی نماز کا وجود ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قرأت کے بغیر نماز کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قرأت ایک زائد رکن ہے اسلئے اسکو تمام رکعتوں میں بھی چھوڑنے سے بھی تحریمہ نہیں ٹوٹے گا چنانچہ گونگا قرأت نہیں کرتا ہے پھر بھی نماز ہو جاتی ہے، اور جب تحریمہ نہیں ٹوٹا تو اس پر دوسری دو رکعتوں کی بناء جائز ہے، ہاں یہ بات ہے کہ بغیر قرأت کے نماز صحیح نہیں ہوگی اسلئے چاروں رکعتوں کو دہرانا ہوگا۔

لغت : انما یوجب فساد الاداء: کا مطلب یہ ہے کہ بغیر قرأت کے نماز درست نہیں ہوگی۔۔اور ان للصلوۃ وجوداً بدونھا : کا مطلب یہ ہے کہ قرأت کے بغیر بھی نماز کا وجود ہے۔ جیسے گونگے کی نماز میں قرأت نہیں ہوتی اسکے باوجود اسکی نماز ہو جاتی ہے۔ غیر انہ لاصحۃ للاداء الا بھا: کا مطلب یہ ہے کہ کہ قرأت چھوڑنے سے تحریمہ تو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ وہ بڑی چیز ہے۔ لیکن قرأت کے بغیر نماز کی ادائیگی بھی صحیح نہیں ہوگی، اسلئے نماز دہرانی ہوگی۔

ترجمہ : ۴۔ اداء کا فساد اسکے چھوڑنے سے زیادہ نہیں ہے اسلئے بھی تحریمہ باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: نماز کو اداء ہی کرنا چھوڑ دے تب بھی تحریمہ باطل نہیں ہوتا وہ اتنا مضبوط ہوتا ہے تو نماز کی ادائیگی میں فساد آجائے تو بدرجہ اولی تحریمہ نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ مثلا کسی کو حدث پیش آجائے اور وہ نماز چھوڑ کر وضو کرنے جائے تب بھی تحریمہ نہیں ٹوٹتا تو قرأت چھوڑنے سے نماز کی ادائیگی میں خرابی آجائے تو کیسے تحریمہ ٹوٹے گا! اور جب تحریمہ نہیں ٹوٹا تو دوسری دو رکعتوں کا اسپر بناء کرنا جائز ہے۔۔ پھر چاروں رکعتوں میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے نقص آیا تو چاروں کو دہرانا ضروری ہوگا۔

۵ وعند ابی حنفیةؒ ترک القراء ة فی الاولیین یوجب بطلان التحریمة وفی احدٰهما لایوجب لان کل شفع من التطوع صلوة علیٰ حدة وفسادها بترک القراء ة فی رکعة واحدة مجتهد فیه فقضینا بالفساد فی حق وجوب القضاء وحکمنا ببقاء التحریمة فی حق لزوم الشفع الثانی احتیاطًا

٦ اذا ثبت هذا نقول اذالم یقرأ فی الکل قضی رکعتین عندهما لان التحریمة قدبطلت بترک القراءة فی الشفع الاوّل عندهما فلم یصح الشروع فی الثانی ٧ وبقیت عند ابی یوسفؒ فصح

ترجمه : ۵ اورامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قرأت چھوڑنے سے تحریمہ باطل ہوتا ہے۔اوردونوں میں سے ایک میں چھوڑنے سے تحریمہ باطل نہیں ہوگا،اسلئے کہ نفل کا ہرشفع الگ الگ نماز ہےاورایک رکعت میں قرأت کے چھوڑنے سے نماز کا فاسد ہونا مجتہد فیہ ہے،اسلئے قضاء کے واجب ہونے کے حق میں ہمنے فساد کا فیصلہ کیا اور دوسرے شفع کے لازم ہونے کے حق میں احتیاط کے طور پر تحریمہ کے باقی رہنے کا فیصلہ کیا۔

تشریح : دونوں رکعتوں میں قرأت چھوڑ دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحریمہ باطل ہوجائے گا۔اسلئے کہ آیت [فأقروا ما تیسر من القرآن] کی وجہ سے کم سے کم ایک رکعت میں بھی قرأت کرنا فرض تھااورکسی میں بھی قرأت نہیں کی تو نماز بھی نہیں ہوئی اوراسکی وجہ سے تحریمہ بھی باطل ہوگیا۔اورایک رکعت میں قرأت کی اورایک میں نہیں کی تو کم سے کم ایک رکعت میں فرض کی ادائیگی کر لی اوربعض ائمہ مثلا حضرت حسن بصریؒ کی رائے ہے کہ ایک رکعت میں بھی قرأت کر لی تو نماز ہوجائے گی۔اسلئے ایک رکعت میں قرأت کرنے سے نماز کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔اسلئے ہمنے احتیاط اختیار کیااور یوں کہا کہ تحریمہ تو باقی رہے گا تاکہ اس پر شفع ثانی کی بناء کی جاسکے۔لیکن قرأت نہ کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی اسلئے اسکی قضاء واجب ہوگی۔

ترجمه : ٦ جب یہ سب اصول سمجھ گئے تو ہم کہتے ہیں جب چاروں رکعتوں میں قرأت نہیں کی تو امام ابوحنیفہ اورامام محمدؒ کے نزدیک دو ہی رکعتیں قضاء کرے گا اسلئے کہ شفع اول میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے ان دونوں کے نزدیک تحریمہ باطل ہوگیا اسلئے دوسرے شفع کا شروع صحیح نہیں ہوا

تشریح : اصول بیان کرنے کے بعد مسئلے کو اس پر چسپاں کررہے ہیں۔کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت نہ کرنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہوگیا،اسلئے دوسری دو رکعتوں کو ان پر بناء کرنا صحیح نہیں ہوا،اور جب صحیح نہیں ہوا تو اسکی قضاء کرنے کی ضرورت نہیں رہی،البتہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہ کرنے کی وجہ سے وہ ادا نہیں ہوئی اسلئے پہلی دو رکعتوں کو قضاء کرے گا۔

ترجمه: ٧ اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک تحریمہ باقی رہا اسلئے شفع ثانی کو شروع کرنا صحیح ہوا،پھر قرأت چھوڑنے کی وجہ سے کل

الشـروع فـی الشـفع الثانی ثم اذا فسد الکل بترک القراء ة فیه فعلیه قضاء الاربع عنده(٤٧٧) ولو قـرأ فی الاوّلیین لاغیر فعلیه قضاء الاخریین بالاجماع ﴾ ١ لان التحریمة لم تبطل فصح الشروع فی الشـفـع الثـانـی ثم فساده بترک القراء ة لایوجب فساد الشفع الاوّل(٤٧٨) ولـو قرأ فی الاخریین لاغیر فعلیه قضاء الاوّلیین بالاجماع ﴾ ١ لان عندهما لم یصح الشروع فی الشفع الثانی.

رکعتوں کو فاسد کر دیا تو اس پر چاروں رکعتوں کی قضاء ہے۔

تشریح : پہلی دو رکعتوں میں قرأت چھوڑنے کے باوجود تحریمہ باقی رہا اسلئے دوسری دو رکعتوں کو اس پر بناء کرنا صحیح ہوا، لیکن چاروں رکعتوں میں قرأت ہی نہیں کی ہے اسلئے چاروں رکعتوں کو دوبارہ قضاء کرے۔

ترجمہ : (٤٧٧) اور اگر پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی تو اس پر بالاجماع دوسری دو رکعتوں کی قضاء واجب ہے۔

تشریح : چار رکعت کی نیت باندھی اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور گویا کہ انکو صحیح پڑھی، اسلئے کسی کے یہاں تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے ان پر دوسری دو رکعتوں کی بناء درست ہے، لیکن دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے سب کے نزدیک انکی قضاء واجب ہوگی۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ کسی کے یہاں تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے دوسرے شفع کو شروع کرنا صحیح ہوا پھر قرأت کے چھوڑنے سے دوسرے شفع کا فساد شفع اول کے فساد کو واجب نہیں کرتا [اسلئے پہلا شفع صحیح اداء ہوا اور دوسرے شفع کو قضاء کرنا پڑے گا]

تشریح : پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی ہے اسلئے تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے دوسرے شفع کی بناء صحیح ہوئی۔ اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت کر کے انکو صحیح اداء کیا ہے اسلئے ان دونوں کو قضاء کرنے کی ضرورت نہیں ہے البتہ دوسرے شفع میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکی قضاء کرے گا۔

ترجمہ: (٤٧٨) اور اگر دوسری دو رکعتوں میں قرأت کی اور پہلی دو رکعتوں میں نہیں کی ہے تو اس پر بالاجماع پہلی دو رکعتوں کی قضاء ہے۔

ترجمہ : ١ اسلئے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوسرے شفع کو شروع کرنا صحیح نہیں ہے۔

تشریح : چار رکعتوں کی نیت باندھی، اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت کی اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہ کرنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اسلئے دوسری دو رکعتوں کی بناء اس پر جائز نہیں، اسلئے وہ بیکار گئیں، اور پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکی قضاء واجب ہے۔

۲ وعند ابی یوسفؒ ان صح فقد اداھما (۴۷۹) ولوقرأ فی الاوّلیین واحدی الاخریین فعلیه قضاء الاخریین بالاجماع﴾ (۴۸۰) ولوقرأ فی الاخریین واحدی الاوّلیین فعلیه قضاء الاوّلیین بالاجماع (۴۸۱) ولو قرأ فی احدی الاوّلیین واحدی الاخریین علیٰ قول ابی یوسفؒ قضاء الاربع وکذا عند ابی حنفیةؒ﴾

ترجمه : ۲ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر چہ دوسرے شفع کو بناء کرنا صحیح ہے لیکن اسکو اداء بھی کر دیا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہ کرنے کی وجہ سے تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے شفع ثانی کو اس پر بناء کرنا درست ہوا لیکن شفع ثانی میں قرأت کی ہے اسلئے وہ اداء ہو گیا، اسلئے اسکو دوبارہ اداء کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکو اداء کرے گا۔ حاصل یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک پہلی ہی دو رکعتوں کو ہی اداء کرے گا ،البتہ وجہ ہر ایک کی الگ الگ ہیں۔

ترجمه : (۴۷۹) اگر پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی اور دوسری دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی تو اسکے اوپر بالاجماع دوسری دو رکعتوں کی قضاء ہے۔

تشریح : چونکہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی ہے اسلئے تحریمہ سب کے نزدیک باقی ہے اسلئے دوسری دو رکعتوں کو شروع کرنا صحیح ہے، لیکن دوسری دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت نہیں ہے اسلئے اسکو سب کے نزدیک دہرائے گا۔

ترجمه : (۴۸۰) اور اگر دوسری دو رکعتوں میں قرأت کی اور پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی تو بالاجماع اس پر پہلی دو کی قضاء ہے۔

وجه : پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی ہے اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے دوسرے شفع کی بناء کرنا صحیح ہوا اور اس کی دونوں رکعتوں میں قرأت کی ہے اسلئے وہ شفع اداء بھی ہو گیا، البتہ پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکو دوبارہ اداء کرے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی یہی بات ہوئی کہ تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے دوسرے شفع کی بناء صحیح ہے، لیکن اس میں قرأت کر چکا ہے اسلئے اسکی ادائیگی ہو گئی۔ اور پہلے شفع میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکو دوبارہ اداء کرے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلے شفع میں قرأت نہ کرنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اسلئے دوسرے شفع کو شروع کرنا صحیح نہیں ہوا اسلئے پہلے شفع کو اداء کرے۔

ترجمه : (۴۸۱) اور پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی اور دوسری دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعتیں قضاء کرے گا اور یہی حال ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

۱؎ لان التحریمة باقیة ۲؎ وعند محمدؒ قضاء الاوّلیین لان التحریمة قدارتفعت عنده
۳؎ وقد انکر ابویوسف هٰذه الروایة عنه وقال رویت لک عن ابی حنیفةؒ انه یلزمه قضاء رکعتین

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ تحریمہ باقی ہے۔

تشریح : پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں قرأت کی اسلئے امام ابوحنیفہؒ کے یہاں تحریمہ باقی رہا اسلئے تیسری اور چوتھی رکعتوں کا بناء کرنا صحیح ہوا اور چاروں رکعتوں کی نیت صحیح ہوئی لیکن پہلے شفع کے ایک رکعت میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکو دوبارہ اداء کرنا ہوگا اور دوسرے شفع کی ایک رکعت میں بھی قرأت نہیں کی ہے اسلئے اسکو بھی دوبارہ پڑھنا ہوگا، اس طرح چاروں رکعتوں کی قضاء انکے یہاں لازم ہوگی۔ اور یہی حال امام ابو یوسفؒ کے یہاں ہے کہ انکے یہاں تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے دوسرے شفع کا بناء کر نا درست ہوا اور دونوں شفع میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے چاروں رکعتوں کی قضاء کرے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ و قال أبو یوسفؒ یعید أربعا و ان لم یقرأ فیهن جمیعا ، (جامع صغیر، باب فی القرأۃ فی الصلوۃ، ص۹۹)

ترجمہ: ۲؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلی دو کی قضاء کرے گا اسلئے کہ تحریمہ انکے نزدیک ختم ہو چکا ہے۔

تشریح : اور امام محمدؒ کے نزدیک پہلے شفع کے ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے تحریمہ ہی باطل ہو گیا اسلئے دوسرے شفع کی بناء اس پر درست نہیں اسلئے صرف پہلی دو رکعتوں کی قضاء لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس روایت کا انکار کیا، اور فرمایا کہ آپ کے سامنے امام ابو حنیفہؒ کی یہ روایت کی تھی کہ اسکو دو ہی رکعت قضاء واجب ہوگی، لیکن امام محمدؒ نے اس سے رجوع نہیں کیا۔

تشریح : حضرت امام محمد نے جامع صغیر لکھی اور امام ابو یوسفؒ کو پیش کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کی روایت آپ سے یہ بیان کی تھی کہ شفع اول میں سے ایک رکعت میں اور شفع ثانی میں سے ایک رکعت میں قرأت نہ کی ہو تو مصلی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو ہی رکعت قضاء کرے گا، اور آپ نے جامع صغیر میں لکھ دی کہ چار رکعت قضاء کرے گا؟ اس جملہ کے کہنے کے بعد بھی امام محمدؒ نے رجوع نہیں فرمایا اور یہی لکھا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار رکعت ہی قضاء کرے گا۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ رجل صلی أربع رکعات تطوعا لم یقرأ فیهن شیئا أعاد رکعتین، و ان لم یقرأ فی الثانیة و الرابعة أعاد أربعا (جامع صغیر، باب فی القرأۃ فی الصلوۃ، ص۹۹) اس عبارت میں ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت میں قرأت نہیں کی تو چار رکعتیں قضاء کرے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کا جو اصول اوپر بیان کیا اس سے امام محمدؒ کی تائید ہوتی ہے کہ چار رکعت قضاء کرے، کیونکہ ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے سے انکے یہاں تحریمہ باطل نہیں ہوگا اسلئے دوسرے شفع کا بناء کرنا صحیح ہے اور دونوں شفع میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے دونوں شفع کی قضاء کرے، یعنی چار رکعت قضاء کرے۔

ومحمدؒ لم يرجع عن رواية عنه(۴۸۲) ولو قرأ في احدى الاوليين لاغير قضى اربعا عندهما وعند محمدؒ قضى ركعتين ﴾(۴۸۳)ولو قرأ في احدى الاخريين لاغير قضى اربعًا عند ابى يوسفؒ وعندهما ركعتين ﴾ ا قال وتفسير قوله عليه السلام لايصلى بعد صلوٰة مثلها يعنى ركعتين بقراءة وركعتين بغير قراءة فيكون بيان فرضية القراءة في ركعات النفل كلها

البتہ دوسری روایت میں ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت میں قرأت چھوڑ دے تو دو رکعت ہی قضاء کرے گا۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ و ان لم يقرأ في الاولين أو في الاخريين أعاد اللتين لم يقرأ فيهما ، وهو قول محمدؒ الا اذا لم يقرأ في الثانية و الرابعة ، فانه يعيد ركعتين ، (جامع صغیر، باب فی القرأة فی الصلوۃ، ص۹۹) اس عبارت میں ہے کہ دو ہی رکعت قضاء کرے۔

ترجمہ: (۴۸۲) اور اگر پہلی دو میں سے ایک میں قرأت کی اور اسکے علاوہ میں قرأت نہیں کی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت قضاء کرے، اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے۔

تشریح: پہلی ایک رکعت میں قرأت کی اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تحریمہ باطل نہیں ہوا اسلئے دوسرے شفع کا بناء کرنا صحیح ہوا اور پہلے شفع کی ایک رکعت میں قرأت نہیں کی ہے اور دوسرے شفع کی دونوں رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے چاروں رکعتوں کی قضاء کرے ۔اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں بھی تحریمہ باقی رہا اسلئے دوسرے شفع کا بناء کرنا صحیح ہوا اسلئے دونوں شفع کی قضاء کرے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک رکعت میں قرأت چھوڑنے کی وجہ سے تحریمہ باطل ہو گیا اسلئے دوسرے شفع کا بناء کرنا صحیح نہیں ہوا اسلئے صرف پہلے شفع کی قضاء کرے۔

ترجمہ: (۴۸۳) اور اگر تیسری اور چوتھی میں سے ایک میں قرأت کی اسکے علاوہ میں قرأت نہیں کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت قضاء کرے، اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے۔

تشریح: چونکہ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے اسلئے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تحریمہ باطل ہو گیا اسلئے دوسرے شفع کو بناء کرنا صحیح نہیں ہوا اسلئے پہلی دو رکعتوں کی ہی قضاء کرے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں رکعتوں میں قرأت چھوڑنے کے باوجود تحریمہ باقی رہا اسلئے دوسرے شفع کا بناء کرنا صحیح ہوا اسلئے دونوں شفع یعنی چار رکعت کی قضاء لازم ہوگی۔

ترجمہ: ا جامع صغیر میں حضور ﷺ کا قول ((لا يصلى بعد صلوة مثلها)) کی یہ تفسیر بیان کی کہ دو رکعت قرأت کے ساتھ اور دو رکعت بغیر قرأت کے نہ پڑھے تو یہ بیان ہو گیا کہ نفل کے تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔

تشریح: جامع صغیر کی عبارت یہ ہے ۔ و تفسير قوله ﷺ ((لا يصلى بعد صلوة مثلها)) يعنى ركعتين

(۴۸۴) (ويصلى النافلة قاعدًا مع القدرة على القيام ﴾ لے لقوله عليه السلام صلوٰة القاعد على النصف من صلوٰة القائم ٢ ولان الصلوة خير موضوع وربما يشق عليه القيام فيجوزله تركه كيلا

بقرأة و ركعتين بغير قرأة . (جامع صغیر، باب فی القرأة فی الصلوة ،ص۹۹) اس عبارت میں حضرت امام محمدؒ نے یہ حدیث (ایک نماز کے بعد اسی کی مثل نماز نہ پڑھو) کا مطلب یہ بیان کیا کہ چار رکعت والی نفل نماز کی پہلی دو رکعت میں قرأت کرے اور فرض کی طرح دوسری دو رکعت میں قرأت نہ کرے، ایسا نہ کرے بلکہ نفل کی دوسری دو رکعتوں میں بھی قرأت کرے ۔ گویا کہ نفل کی چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے ۔ فرض کی طرح نہیں ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں فرض ہو اور دوسری دو رکعتوں میں فرض نہ ہو۔ البتہ حدیث کا یہ مطلب علماء نے مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایک ہی فرض کو دو مرتبہ نہ پڑھے ۔اصل حدیث یہ ہے۔ أتيت ابن عمر على البلاط و هم يصلون ، فقلت الا تصلى معهم ؟ قال قد صليت ، انى سمعت رسول الله ﷺ يقول ((لا تصلوا صلوة فى يوم مرتين ۔(ابوداود شریف، باب اذا صلی فی جماعة ثم أدرک جماعة يعيد ،ص۹۳، نمبر ۵۷۹ر نسائی شریف، باب سقوط الصلوة عمن صلی مع الامام فی المسجد جماعة ،ص۱۱۹، نمبر ۸۶۱) اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول اس طرح ہے۔ قال عبد الله : لا يصلى على أثر صلوة مثلها (مصنف ابن ابی شیبة ،۴۶۳، من کرہ ان یصلی بعد الصلوة مثلھا، ج ثانی ،ص۲۲، نمبر ۵۹۹۸) اس اثر میں ہے کہ جو نماز پڑھ چکا ہو اس طرح پھر نہ پڑھو۔

ترجمہ: (۴۸۴) نفل نماز کھڑے ہونے پر قدرت ہونے کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: لے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے بیٹھنے والے کی نماز کا ثواب کھڑے ہونے والے سے آدھا ہے۔

تشریح : فرض میں تو کھڑا ہونا فرض ہے، لیکن نفل نماز میں گنجائش ہے کہ کھڑا ہونے پر قدرت ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، البتہ اس میں کھڑے ہونے سے آدھا ثواب ملے گا۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے عن .عمران بن حصين قال سألت النبى ﷺ عن صلو ة الرجل وهو قاعد فقال من صلى قائما فهو افضل ومن صلى قاعدا فله نصف اجر القائم ومن صلى نائما فله نصف اجر القاعد (بخاری شریف، باب صلوة القاعد ص۱۵۰، ابواب تقصیر الصلوة نمبر ۱۱۱۶ر ترمذی شریف، باب ما جاء ان صلوة القاعد علی النصف من صلوة القائم ص۸۵ نمبر ۳۷۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، البتہ اس کو ثواب کھڑے ہونے والے سے آدھا ملے گا۔

ترجمہ : ٢ اور اسلئے بھی کہ نماز بہت اچھا کام ہے اور کبھی کبھی کھڑا ہونے میں مشقت ہوتی ہے اسلئے اسکو چھوڑنا بھی جائز قرار

ینقطع عنه ۳؎ واختلفوا فی کیفیة القعود والمختار ان یقعد کما یقعد فی حالة التشهد لانه عهد مشروعًا فی الصلوٰة (۴۸۵) وان افتتحها قائما ثم قعد من غیر عذر جاز عند ابی حنیفة ؒ ا؎ وهذا استحسان

دیا گیا تا کہ اس سے یہ خیر کا کام منقطع نہ ہو جائے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ نماز بہت اچھا کام ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کھڑا ہو تو سکتا ہے لیکن کھڑا ہونا دشوار ہوتا ہے اب اگر نفل نماز میں بھی ہمیشہ کھڑے ہونے ہی کی شرط لگا دی جائے تو اس خیر کے کام سے محروم ہو جائے گا اسلئے یہ کہا گیا کہ کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے البتہ اس صورت میں اسکو آدھا ثواب ملے گا۔

ترجمہ: ۳؎ بیٹھنے کی کیفیت میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن مختار یہ ہے کہ ایسے ہی بیٹھے جیسے تشہد کی حالت میں بیٹھتے ہیں ،اسلئے کہ نماز کی حالت میں یہی مشہور بھی ہے اور مشروع بھی ہے۔

تشریح: نفل نماز میں کس طرح بیٹھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن جس طرح تشہد میں بیٹھتے ہیں یہ زیادہ پسندیدہ ہے، اور نماز میں یہ مشروع ہے، اور اس طرح کا بیٹھنا نماز میں مشہور بھی ہے۔ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں بچھائے اور اس پر سرین رکھ کر اس پر بیٹھ جائے۔۔ اس کے لئے یہ حدیث گزر گئی ہے۔ **فقال ابو حمید الساعدی.... فاذا جلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسری و نصب الیمنی واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته** ۔ (بخاری شریف، باب سنة الجلوس فی التشهد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸ / مسلم شریف، باب ما یجمع صفة الصلوة وما یفتتح به ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۸ / ۱۱۱۰) مسلم شریف میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے منقول ہے (۲) **عن وائل بن حجر قال قدمت المدینة قلت لانظرن الی صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله الیسری ووضع یده الیسری یعنی علی فخذه الیسری ونصب رجله الیمنی** ۔ (ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشهد ص ۶۵ نمبر ۲۹۲) اس حدیث میں ہے کہ بایاں پاؤں بچھائے اور اس پر سرین رکھ کر بیٹھ کر جائے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے، یہی زیادہ مختار ہے۔

ترجمہ: (۴۸۵) اگر کھڑے ہو کر نفل شروع کی پھر بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

ترجمہ: ا؎ اور یہ استحسان ہے۔

تشریح: کھڑا ہو کر نفل نماز پڑھ رہا تھا اسلئے بہتر یہی ہے کہ کھڑا ہو کر ہی نماز پوری کرے، لیکن پھر بھی بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو جائز

۲ وعندهما لایجزیه وهو قیاس لان الشروع معتبر بالنذر. ۳ له انه لم یباشر القیام فیما بقی ولما باشر صحة بدونه

ہے،کوئی گناہ نہیں یہ استحسان کا تقاضاء ہے کیونکہ جب بغیر عذر کے پوری نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو کھڑا ہونے کے بعد آدھی نماز بھی بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔

وجہ: (۱) وجہ امام ابوحنیفہ : پہلے گزر چکا ہے کہ نفل میں کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔اس لئے جتنی دیر تک کھڑا رہا کھڑا رہا اور آگے کے کھڑے ہونے کو لازم نہیں کیا ہے۔اس لئے وہ بیٹھ سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان يصلى جالسا فيقرأ وهو جالس فاذا بقى من قرأته نحو من ثلثين آية او اربعين آية قام فقرأها وهو قائم ثم ركع ثم سجد يفعل فى الركعة الثانية مثل ذلك .** (بخاری شریف،باب اذا صلی قاعدا ثم صح اووجد خفة تمم ما بقی، ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۹ر مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۰۴/۷۳۱ر ترمذی شریف، باب من تطوع جالسا ص ۸۵ نمبر ۳۷۴) اس حدیث میں آپ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر بھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر شروع کیا تو بیٹھ کر پوری کرسکتا ہے۔ اگر چہ کھڑا ہو کر ہی پوری کرنا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۲ اور صاحبین کے نزدیک کافی نہیں ہے اور قیاس کا تقاضاء بھی یہی ہے اسلئے کہ شروع کرنا نذر پر قیاس کیا جائے گا۔

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ کھڑا ہو کر نفل نماز شروع کی تو اب بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔

وجہ : (۱) صاحبین فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نفل شروع کیا تو گویا کہ اس نے اپنے اوپر کھڑے ہونے کو لازم کیا تو گویا کہ یہ عملا نذر ہوگئی جس طرح کوئی آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اسکے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں اسی طرح کھڑا ہو کر نماز شروع کی تو بیٹھ کر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔اس لئے بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔قیاس کا تقاضا بھی یہی ہی۔(۲) حدیث میں ہے۔**سألنا عائشةعن صلوة رسول الله ﷺ فقالت كان رسول الله يكثر الصلوة قائما وقاعدا فاذا افتتح الصلوة قائما ركع قائما واذا افتتح الصلوة قاعدا ركع قاعدا** (مسلم شریف،باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۰۳/۷۳۰) اس حدیث میں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز شروع کرتے تو کھڑے ہو کر ہی رکوع سجدہ کرتے تھے۔

ترجمہ: ۳ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باقی میں قیام نہیں کیا اور ایسا بھی اختیار نہیں کیا جس کے بغیر صحیح نہ ہو۔

تشریح : **انه لم يباشر القيام فيما بقى:** اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ رکعت کے جس حصے میں قیام کیا اس میں تو قیام کر لیا،اور جس حصے میں قیام نہیں کیا اسکے قیام کو لازم نہیں کیا ہے،اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے بغیر قیام کے بھی وہ حصہ جائز ہے کیونکہ نفل نماز بیٹھ کر بھی جائز ہے اسلئے جتنا حصہ کھڑا ہو کر پڑھا وہ ٹھیک ہے اور جتنے حصے میں بیٹھ گیا وہ بھی ٹھیک ہے۔

۴ بخلاف النذر لانه التزمه نصا حتی لو لم ینص علی القیام لایلزم القیام عند بعض المشائخ

(۴۸۶) ومن کان خارج المصر تنفل علیٰ دابته الی ای جهة توجهت یومی ایماء

و لما باشر صحة بدونه: اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔مثلا دوسری رکعت کے بغیر پہلی رکعت صحیح نہیں ہے ورنہ نماز بتیرہ ہو جائے گی اسلئے پہلی رکعت پڑھے گا تو دوسری رکعت بھی پڑھنا ہوگا۔لیکن قیام میں ایسی بات نہیں ہے کہ آدھی رکعت میں قیام کیا ہو تو باقی آدھی میں قیام کئے بغیر صحیح نہ ہو اسلئے جتنے میں قیام کیا وہ کر لیا اور باقی میں قیام لازم نہیں ہے بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۴ بخلاف نذر کے اسلئے کہ نذر مان کر صراحت کے ساتھ اپنے اوپر قیام کو لازم کیا، یہاں تک کہ اگر قیام کی صراحت نہ کی ہو تو بعض مشائخ کے نزدیک اسکو قیام لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ جس طرح کھڑے ہونے کی نذر مانی ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے اسی طرح کھڑا ہو کر نفل شروع کی ہو تو باقی میں بھی قیام کرنا ضروری ہے، کیونکہ نذر فعلی ہوگئی۔اسکا جواب یہ دے رہے ہیں کہ نذر ماننے کی صورت میں باضابطہ زبان سے اقرار کیا ہے کہ کھڑا ہو کر نفل پوری کرے گا اسلئے کھڑا ہوئے بغیر نذر پوری نہیں ہو گی، کھڑا ہو کر نفل شروع کرنے کی صورت میں صراحت کے ساتھ کھڑا ہونے کا اقرار نہیں کیا ہے اسلئے اس پر کھڑا ہونا لازم نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے صرف یوں کہا کہ نفل پڑھونگا، اور یوں صراحت نہیں کی کھڑا ہو کر نفل پڑھیگا تو اس نذر میں بعض مشائخ کے نزدیک اس پر کھڑا ہو کر نفل پوری کرنا لازم نہیں ہے بیٹھ کر نفل پڑھ لے گا تب بھی نذر پوری ہو جائے گی ۔حاصل یہ ہے کہ صراحت کے ساتھ کھڑے ہونے کی نذر مانے گا تو کھڑا ہونا لازم ہوگا، اور صرف کھڑا ہو کر نفل شروع کرے گا تو کھڑا ہونا لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۴۸۶) جو شہر سے باہر ہو وہ نفل پڑھ سکتا ہے سواری پر جس جانب بھی متوجہ ہو اشارہ کر کے۔

تشریح: شہر سے باہر ہو تو نفل نماز سواری پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔اور سواری قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ قبلہ کی جانب رخ نہیں کر سکے گا اس لئے قبلہ کی خلاف جانب رخ کر کے بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔نیز سواری پر رکوع وسجدہ بھی پورے طور پر نہیں کر سکے گا تو اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرے گا۔اس کی بھی گنجائش ہے۔

وجہ: (۱) نفل نماز ہر وقت پڑھ سکتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس لئے یہ تمام سہولتیں شریعت نے دی ہے کہ خلاف قبلہ ہو، رکوع اور سجدہ کا اشارہ ہو۔سواری پر ہو تب بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔فرض کے لئے قدرت ہو تو سواری سے اترے گا (۲) حدیث میں ہے جابر بن عبد الله اخبره ان النبی ﷺ کان یصلی التطوع وهو راکب فی غیر القبلة . (بخاری شریف ، باب صلوة التطوع علی الدواب حیثما توجهت بہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۹۴ مسلم شریف ، باب جواز صلوة النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجهت ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰/۱۶۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کے رخ کے خلاف نفل نماز پڑھ لے تب بھی جائز ہوگی (۳) عامر

ل لحديث ابن عمرؓ قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى علٰى حمار وهو متوجه الىٰ خيبر يؤمى ايماء ۲ ولان النوافل غير مختصة بوقت فلو الزمناه النزول والاستقبال تنقطع عنه النافلة اوينقطع هو عن القافلة

بن ربيعة اخبره قال رأيت النبی ﷺ وهو على الراحلة يسبح يؤمى برأسه قبل الى اى وجه توجه ولم يكن رسول الله ﷺ يصنع ذلک فی الصلوة المكتوبة . (بخاری شریف، باب ینزل للمکتوبۃ ص۱۴۸نمبر۱۰۹۷رمسلم شریف، باب جواز صلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر حیث توجھت ص۲۴۴نمبر۱۶۱۸/۷۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز میں سواری پر رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا۔اور فرض نماز میں اتر کر نماز پڑھنا ہوگی۔

ترجمہ: ل عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو گدھے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اس حال میں کہ وہ خیبر کی متوجہ تھے، اور اور اشارہ کر رہے تھے۔

تشریح : اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سواری جس طرف متوجہ ہو اسی طرف رخ کر کے نفل پڑھنا جائز ہے، اور رکوع سجدہ نہیں کر سکے گا اسلئے رکوع سجدے کا اشارہ کرے۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے. عن ابن عمر قال رأيت رسول الله ﷺ يصلى على حمار و هو موجه الى خيبر ۔(مسلم شریف، باب جواز صلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر ص۲۴۴نمبر ۱۶۱۴/۷۰۰)اور یومی کا لفظ دوسری حدیث میں ہے وہ یہ ہے۔عامر بن ربيعة اخبره قال رأيت النبی ﷺ وهو على الراحلة يسبح يؤمى برأسه قبل الى اى وجه توجه ولم يكن رسول الله ﷺ يصنع ذلک فی الصلوة المكتوبة . (بخاری شریف، باب ینزل للمکتوبۃ ص۱۴۸نمبر۱۰۹۷)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ سر کے اشارے سے نفل نماز پڑھتے تھے۔

ترجمہ: ۲ اسلئے کہ نوافل کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے، پس اگر مصلی کو اترنا لازم کریں اور قبلے کا استقبال لازم کریں تو اس سے نفل چھوٹ جائے گی، یا وہ قافلے سے دور ہو جائے گا۔

تشریح : نوافل کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے کسی وقت بھی پڑھ سکتا ہے اسلئے اگر نفل پڑھنے کے لئے یہ شرط لگائیں کہ سواری سے نیچے اترے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہی نفل پڑھے تو اس صورت میں بہت مرتبہ نماز نہیں پڑھ سکے گا، پھر اتر کر نماز پڑھے گا تو قافلے سے دور ہو جائے گا اس سہولت کی خاطر نہ اترنے کی شرط لگائی اور نہ استقبال قبلہ کی شرط لگائی تا کہ ہمہ وقت نفل پڑھ سکے۔

۳؎ اما الفرائض مختصة بوقت ۴؎ والسنن الرواتب نوافل ۵؎ وعن ابی حنیفةؒ انه ینزل لسنة الفجر لانه اٰکدمن سائرها ۶؎ والتقييد بخارج المصر ينفی اشتراط السفر والجوازَ فی المصر

ترجمه: ۳؎ بہرحال فرائض تو وقت کے ساتھ خاص ہیں۔

تشریح :چونکہ فرائض وقت کے ساتھ خاص ہیں اسلئے اس خاص وقت میں اتر کر نماز پڑھ لے گا اسلئے اس میں اترنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه: ۴؎ اور سنن رواتب نوافل کے درجے میں ہیں۔

تشریح : فرض نماز سے پہلے اور اسکے بعد جو بارہ سنتیں ہیں وہ نوافل کے درجے میں ہیں اسلئے انکو بھی سواری پر بیٹھ کر اشارے سے پڑھنا جائز ہے وہ فرض کے درجے میں نہیں ہیں۔

ترجمه: ۵؎ اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ فجر کی سنت کے لئے اترے اسلئے کہ اور نوافل سے وہ زیادہ مؤکد ہے۔

تشریح: فجر کی سنت اور سنتوں سے اہم ہے اسلئے امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ فجر کی سنت کے لئے سواری سے اترے اور رکوع اور سجدہ کر کے نماز اداء کرے۔

وجه : (۱) فجر کی سنت اہم ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے :عن عائشة قالت : أن رسول الله ﷺ لم يكن على شيء من النوافل أشد معاهدة منه على الركعتين قبل الصبح . (ابوداود شریف، باب رکعتی الفجر، ص ۱۸۸، نمبر ۱۲۵۴)(۲) عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ ((لا تدعوهما و ان طردتكم الخيل . (ابوداود شریف، باب فی تخفیفهما. ای رکعتی الفجر ،ص ۱۸۸، نمبر ۱۲۵۸) اس حدیث میں ہے کہ فجر کی سنت اور سنتوں سے اہم ہے اسلئے اسکو سواری سے نیچے اتر کر پڑھے۔

ترجمه: ۶؎ متن میں شہر سے باہر ہونے کی قید سفر کی شرط کی نفی کرتی ہے اور شہر میں جائز ہونے کی بھی نفی کرتی ہے۔

تشریح : متن میں یہ قید لگائی کہ جو آدمی شہر سے باہر ہو وہ سواری پر سوار ہو کر نفل پڑھ سکتا ہے، اس قید سے دو باتیں معلوم ہوئیں [ا] ایک تو یہ کہ اس آدمی کے لئے مدت سفر ہونا ضروری نہیں ہے صرف شہر سے باہر ہو تو سواری پر سوار ہو کر نفل پڑھ سکتا چاہے تھوڑے ہی فاصلے کے لئے سفر کر رہا ہو، [۲] اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شہر سے باہر ہو تب ہی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے اگر شہر میں ہو تو نہیں پڑھ سکتا۔

وجه: (۱) حدثنی انس ابن مالک : أن رسول الله ﷺ كان اذا سافر فأراد أن يتطوع استقبل بناقته القبلة فكبر ثم صلى حيث وجهه ركابه ۔(ابوداود شریف، باب التطوع علی الراحلة والوتر، ص ۱۸۲، نمبر ۱۲۲۵) اس حدیث

ے وعن ابی یوسفؒ انه یجوز فی المصر ایضاً ٨ ووجه الظاهر ان النص ورد خارج المصر والحاجة الی الرکوب فیه اغلب(٤٨٧) فان افتتح التطوع راکبا ثم نزل یبنی وان صلی رکعة نازلا ثم رکب استقبل

میں ہے کہ سفر میں ہوتے تھے تب سواری پر نفل پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ شہر سے باہر سواری پر سوار ہو کر نفل پڑھے، شہر کے اندر نہیں (٢) حدیث میں ہے کان عبد الله بن عمر یصلی فی السفر علی راحلته اینما توجهت به یؤمی وذکر عبد الله ان النبی ﷺ کان یفعله . (بخاری شریف، باب الایماء علی الدابۃ ص ١٤٨ ابواب تقصیر الصلوۃ نمبر ١٠٩٦ رمسلم شریف، باب جواز صلوۃ النافلۃ علی الدابۃ فی السفر ص ٢٤٤ نمبر ٧٠٠ ر ١٦١٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سفر میں قبلہ کے خلاف رخ پر نماز پڑھتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ شہر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ے حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ شہر میں بھی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ شہر کے اندر رہتے ہوئے بھی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ شہر سے باہر ہو اسلئے شہر کے اندر بھی رہ کر سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے۔ عامر بن ربیعة اخبره قال رأیت النبی ﷺ وهو علی الراحلة یسبح یؤمی برأسه قبل الی ای وجه توجه ولم یکن رسول الله ﷺ یصنع ذلک فی الصلوة المکتوبة . (بخاری شریف، باب ینزل للمکتوبۃ ص ١٤٨ نمبر ١٠٩٧) اس حدیث میں ہے کہ آپ سواری پر نفل پڑھ رہے تھے اور یہ نہیں ہے کہ شہر کے باہر تھے اسلئے شہر کے اندر بھی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ٨ اور ظاہر کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں جو وارد ہوا ہے وہ شہر سے باہر ہے اور شہر سے باہر ہی سوار ہونے کی زیادہ ضرورت ہے۔

تشریح: اوپر جو امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کیا گیا ہے کہ شہر سے باہر ہو تب ہی نفل سواری پر پڑھ سکتا ہے۔ اسکی وجہ یہ بیان کر رہے کہ اوپر حدیث میں تھا کہ آپؐ سفر میں تھے اور خیبر کی طرف جا رہے تھے اور نفل سواری پر پڑھ رہے تھے جس سے معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ہو تب ہی نفل سواری پر پڑھے ۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ شہر سے باہر ہی زیادہ تر سواری پر سوار ہونے کی ضرورت پڑتی ہے اسلئے شہر سے باہر ہی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: (٤٨٧) اگر سوار ہو کر نفل شروع کی پھر نیچے اترا تو اس پر بناء کرے گا۔ اور اگر ایک رکعت اتر کر نفل پڑھی پھر سوار ہوا تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

تشریح: سواری پر سوار ہو کر نفل کی نیت کی پھر سواری سے اتر کر نفل پوری کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے، اور نیچے اتر کر نفل کی تحریمہ

ل لان احرام الراكب انعقد مجوزا للركوع والسجود لقدرته على النزول فاذا اتى بهما صح

باندھااورایک رکعت پڑھ کراب سواری پرسوار ہوکرنفل پوری کرنا چاہتا ہےتو نہیں کرسکتا۔

وجہ : (۱)اسکی وجہ یہ ہے کہ سواری پرتحریمہ باندھا تو اپنے اوپرلازم کیا کہ رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا اور ہوسکے گا تو پورا رکوع اور سجدہ بھی کرے گا، تو گویا کہ اشارہ کرکے اور باضابطہ رکوع اور سجدہ کرے گا دونوں کا تحریمہ باندھا ہے۔اسلئے سواری پربھی نفل پڑھے اور نیچے اتر کربھی بناء کرسکتا ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ سواری پر رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا اور قیام بھی نہیں کر سکے گا اسلئے سواری پرنماز کمزور ہے اور نیچے اترے گا رکوع اور سجدے کا اتمام کرے گا اور قیام بھی کرے گا اسلئے نیچے اترنے میں تحریمہ قوی ہے، اسلئے ضعیف کی بناء قوی پر ہوسکتی ہے، اسلئے بھی سواری سے اتر کر بناء کرسکتا ہے،(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ سواری سے نیچے اترنے میں عمل کثیر نہیں ہے اسلئے بھی بناء کرسکتا ہے۔

اصول: ضعیف کی بناء قوی پر ہوسکتی ہے۔ لیکن قوی کی بناء ضعیف پر نہیں ہوسکتی ہے۔

اورزمین پرتحریمہ باندھا اور ایک رکعت پڑھ چکا ہے اب سواری پر چڑھ کر بناء کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔اسکی وجہ یہ ہے(۱) جب زمین پرتحریمہ باندھا تو اس بات کا التزام کیا کہ رکوع سجدے کا اتمام کرے گا اشارے کے ساتھ نہیں اداء کرے گا، اور قیام بھی کرے گا، اب سواری پرسوار ہوکر بناء کرے گا تو رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا اور قیام بھی نہیں کر سکے گا تو اکمل شروع کرکے اضعف سے پورا کرنا چاہتا ہے اسلئے اضعف کی بناء اقوی پر نہیں کر سکے گا۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ سواری پرسوار ہوتے وقت عمل کثیر ہوگا جس سے تحریمہ باطل ہونے کا خطرہ ہے اسلئے بھی زمین سے شروع کرکے سواری پر بناء نہیں کرسکتا۔(۳) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ زمین پر تحریمہ باندھا تو اکمل کا تحریمہ باندھا، اضعف کا نہیں باندھا، اسلئے اکمل کا تحریمہ باندھ کر اضعف اداء نہیں کرسکتا اسلئے کہ اسکا تحریمہ ہی نہیں باندھا ہے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ سوار ہونے والے کا تحریمہ رکوع اور سجدے کو جائز کرنے والا منعقد ہوا ہے اترنے پر قدرت ہونے کی وجہ سے پس جبکہ اتر کر اسکو اداء کیا تو صحیح ہے۔

تشریح : . مجوزا للركوع و السجود : کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ جائز ہیں یعنی رکوع سجدے کا اشارہ کرنا بھی جائز ہے اور رکوع سجدے کا اتمام یعنی پورا رکوع سجدہ بھی جائز ہیں ۔ پوری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سوار ہونے والے کا تحریمہ رکوع سجدے کے اشارے کے لئے بھی منعقد ہوا ہے اور رکوع اور سجدے کے اتمام کے لئے بھی منعقد ہوا ہے اسلئے سواری پر اشارے سے بھی اداء کرسکتا ہے اور اتر کر اتمام بھی کرسکتا ہے، اور دونوں کرلیا تو بناء کرنا صحیح ہے۔

٢ واحرام النازل انعقد لوجوب الرکوع والسجود فلا یقدر علیٰ ترک مالزمہ من غیر عذر ٣ وعن ابی یوسفؒ انہ یستقبل اذا نزل ایضًا. ۴ وکذا عن محمدؒ اذا نزل بعد ماصلی رکعۃ والاصح ھو الظاھر.

ترجمہ: ٢ احرام النازل انعقد لوجوب الرکوع و السجود : کا مطلب یہ ہے کہ رکوع سجدہ واجب منعقد ہوئے ہیں، یعنی رکوع بھی پورا کرنا ہے اور سجدہ بھی پورا کرنا ہے اشارہ کرنا کافی نہیں۔ پوری عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر جو تحریمہ باندھا ہے تو وہ تحریمہ پورا رکوع سجدہ اداء کرنے کے لئے منعقد ہوا ہے اسلئے جو اس نے لازم کیا ہے بغیر بیماری کے عذر کے اسکو چھوڑ نہیں سکتا۔ اسلئے سواری پر سوار ہو کر اس پر بناء نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ٣ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جب سواری سے اترے تب بھی شروع سے نماز پڑھے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سواری پر نفل کی نیت باندھی تو سواری سے اتر کر بناء کرنا چاہے تو بناء نہیں کرسکتا۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ سواری پر نفل کمزور ہے کیونکہ اشارے سے رکوع سجدہ اداء کرے گا اور زمین پر نفل قوی ہے کیونکہ پورا رکوع سجدہ کرے گا، اور قوی کی بناء ضعیف پر نہیں ہوتی، جیسے کوئی بیمار آدمی لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو اسکو درمیان نماز میں قوت ہو جائے اور رکوع سجدہ پورا کرنے پر قدرت ہو جائے تو یہ پہلے پر بناء نہیں کرسکتا ہے بلکہ شروع سے نماز پڑھے اسلئے کہ قوی کی بناء ضعیف پر ہے، اسی طرح یہاں قوی کی بناء ضعیف پر ہے اسلئے زمین پر اترنے کے بعد سواری کی نفل پر بناء نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ۴ ایسے ہی امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر ایک رکعت پڑھنے کے بعد اترے تو بناء کرنا جائز نہیں، لیکن صحیح ظاہر روایت ہی ہے۔

تشریح : امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ اگر نفل کی ایک رکعت سواری پر پڑھ چکا ہے اسکے بعد سواری سے اتر کر زمین پر بناء کرنا چاہے تو بناء نہیں کرسکتا۔ اور ایک رکعت پڑھنے سے پہلے بناء کرنا چاہے تو بناء کرسکتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک رکعت پوری کرنے سے پہلے صرف تحریمہ ہے اور تحریمہ کمزور نماز کے لئے بھی ہوتا اور قوی نماز کے لئے بھی ہوتا ہے اسلئے کمزور نماز کا تحریمہ باندھ کر قوی نماز پڑھ سکتا ہے، اور ایک رکعت پڑھنے کے بعد وہ صرف تحریمہ باقی نہیں رہا بلکہ نماز ہوگئی اور یہ ضعیف نماز ہے، اور اوپر گزرا کہ ضعیف نماز پر قوی نماز کی بناء نہیں کرسکتا اسلئے ایک رکعت کے بعد سواری سے اترا تو اب سواری والی نماز پر بناء نہیں کرسکتا۔۔ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت جو گزری کہ سواری پر نفل پڑھنے والا نیچے اتر کر بناء کرسکتا ہے اور نیچے والا سواری پر چڑھنے کے بعد بناء نہیں کرسکتا یہی روایت صحیح ہے۔

﴿فصل فی قیام رمضان﴾

(۴۸۸) يستحب ان يجتمع الناس فی شهر رمضان بعد العشاء فيصلی بهم امامهم خمس ترويحات كل ترويحة بتسليمتين ﴾

﴿فصل فی قیام رمضان﴾

ضروری نوٹ: قیام رمضان سے مراد یہاں تہجد نہیں ہے بلکہ تراویح ہے۔ مسلم شریف میں 'باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح' باب باندھا ہے کہ قیام رمضان وہ تراویح ہے۔

ترجمہ: (۴۸۸) مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان کے مہینہ میں عشا کے بعد جمع ہوں اور امام ان کو پانچ ترویحہ پڑھائے

تشریح: رمضان میں عشاء کے بعد امام لوگوں کو پانچ ترویحہ پڑھائے، تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ تراویح بیس رکعتیں پڑھائے، اسلئے کہ ایک ترویحہ جب دو سلام کے ساتھ ہوگا تو ہر سلام دو رکعتوں پر مشتمل ہوگا، تو دو سلام چار رکعتوں پر مشتمل ہوگا اس طرح ہر ترویحہ چار رکعتوں پر مشتمل ہوا، اور پانچ ترویحہ بیس رکعتیں ہو گئیں۔

وجہ: تراویح پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى فی المسجد وصلى رجال بصلاته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله فصلى بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد ! فانه لم يخف علیّ مكانكم لكنی خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفی رسول الله والامر على ذلك ۔ (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۲ رمسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح ص ۲۵۹ نمبر ۷۶۱/۱۷۸۴ ر ابو داؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان ص ۲۰۲ نمبر ۱۳۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح کے لئے رمضان میں تین راتیں کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو تراویح پڑھائی تھی۔ البتہ ہمیشہ اس لئے نہیں پڑھائی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔ (۲) أن ابا هريرةؓ قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول لرمضان ((من قامه ايمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه . (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۰۸ رمسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح ص ۲۵۹ نمبر ۷۵۹/۱۷۷۹ رابو داؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان ص ۲۰۲ نمبر ۱۳۷۱) اس حدیث میں ہے کہ ایمان کے ساتھ جو تراویح پڑھے گا اسکا گناہ معاف

کردیا جائے گا۔اس میں تراویح کا ثبوت ہے۔
بیس رکعت تراویح کی دلیل یہ حدیث ہے(۱)۔**عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یصلی فی شهر رمضان عشرین رکعة و الوتر** ۔(طبرانی الکبیر، باب مقسم عن ابن عباس، ج حادی عشر، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۱۰۲ رسنن للبیھقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۹۸، نمبر ۴۶۱۵ ر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ بیس رکعتیں تراویح پڑھتے تھے (۲) **ان عمر بن خطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة** (مصنف ابن ابی شیبة، ۷۷، ۶ کم یصلی فی رمضان من رکعة، ج ثانی، ص ۱۶۵، نمبر ۷۶۸۱ رمصنف عبد الرزاق، باب قیام رمضان ج رابع ص ۲۰۰ نمبر ۷۷۶۰) اس حدیث اور عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں۔ (۳) **ان علیا أمر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة** . (مصنف ابن ابی شیبة، ۷۷، ۶ کم یصلی فی رمضان من رکعة، ج ثانی، ص ۱۶۵، نمبر ۷۶۸۰ رسنن للبیھقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۹۸، نمبر ۴۶۲۰) اس اثر میں بھی ہے کہ حضرت علیؓ بیس رکعتیں تراویح پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔
(۴) امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اہل مدینہ کی ایک رائے ہے کہ ۴۱ رکعتیں تراویح پڑھے، البتہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ بیان فرمایا کہ وہ بیس رکعتیں پڑھنے کے قائل ہیں ترمذی شریف کی عبارت یہ ہے۔**و اختلف اهل العلم فی قیام رمضان ، فرأی بعضهم أن یصلی احدی و اربعین رکعة مع الوتر ، و هو قول أهل المدینة ، و العمل علی هذا عندهم بالمدینة وأكثر اهل العلم علی ما روی عن علی و عمر و غیرهما من أصحاب النبی ﷺ عشرین رکعة و هو قول سفیان الثوری و ابن المبارک و الشافعی ، و قال الشافعی و هکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة** . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان، ۲۰۱، نمبر ۸۰۶) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تراویح بیس رکعتیں پڑھی جائے۔
نوٹ: (۱) حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ہے جس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ تراویح کی نماز صرف آٹھ رکعتیں ہیں، لیکن اس حدیث سے استدلال کرنا اسلئے صحیح نہیں ہے کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حضورؐ کے تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، جس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ حضرات اس حدیث کو تہجد کے ساتھ خاص مانتے تھے کہ آپ تہجد میں آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے تراویح میں نہیں۔حدیث یہ ہے۔**سأل عائشةؓ کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان ؟ فقالت : ما کان رسول الله ﷺ یزید فی رمضان و لا فی غیره علی احدی عشرة رکعة ، یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ، ثم یصلی ثلاثا** . (بخاری شریف، باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان وغیرہ، ص ۱۸۳، نمبر ۱۱۴۷ رمسلم شریف، باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل وان الوتر رکعة، ص ۲۹۹، نمبر ۱۷۱۸/۷۳۸ رابوداود شریف، باب فی صلوة اللیل، ص ۱۹۹، نمبر ۱۳۴۱ رترمذی شریف، باب ما جاء فی وصف صلوة النبی ﷺ باللیل، ص ۹۹، نمبر ۴۳۹) یہ

حدیث مسلم شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف میں صرف تہجد کے باب میں ذکر فرمایا ہے تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا جسکا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ تہجد میں آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے (۲) اس حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ **عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یصلی من اللیل ثمان رکعات و یوتر بثلاث** ۔(طبرانی کبیر، باب یحی بن وثاب عن ابن عباس، ج ثانی عشر، ص ۱۰۶، نمبر ۱۲۶۹۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز حضورؐ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۳) صرف امام بخاریؒ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں بھی ذکر فرمایا ہے، اور تہجد کے باب میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ تہجد کے بارے میں بخاری کی اوپر حدیث گزر چکی اور تراویح کے بارے میں حدیث کا باب یہ ہے ۔ **سأل عائشةؓ کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ فی رمضان ؟ فقالت : ما کان یزید فی رمضان و لا فی غیره علی احدی عشرة رکعة ، یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ، ثم یصلی أربعا فلا تسأل عن حسنهن و طولهن ثم یصلی ثلاثا .** (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان، ص ۳۲۲، نمبر ۲۰۱۳) اس آٹھ رکعتوں کی حدیث کو امام بخاریؒ نے قیام رمضان ، یعنی تراویح کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔ (۴) اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ آپ چار رکعتیں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے جن کے حسن کا کیا کہنا۔ اور تراویح کی نماز ایک ساتھ چار رکعت نہیں ہوتی۔ بلکہ دو دو رکعت کر کے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔ (۳) سنن للبیھقی نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ رکعت تہجد پڑھتے ہوں گے۔ پھر بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوں گے۔ ان کا جملہ اس طرح ہے **ویمکن الجمع بین الروایتین فانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث** (سنن للبیھقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان ج ثانی ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۱۸) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رمضان میں بھی پہلے تہجد کی نماز آٹھ رکعتیں پڑھتے ہونگے، اسکے بعد تراویح کی بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔

اور امام جماعت کے ساتھ تراویح اور وتر پڑھائے اسکی دلیل یہ اثر ہے (۱) **ان عمر بن خطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة** (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۷۷ کم یصلی فی رمضان من رکعة، ج ثانی، ص ۱۶۵، نمبر ۷۶۸۱ / مصنف عبد الرزاق، باب قیام رمضان ج رابع ص ۲۰۰ نمبر ۷۷۶۰) (۲) **ان علیا أمر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة .** (مصنف ابن ابی شیبة، ۶۷۷ کم یصلی فی رمضان من رکعة، ج ثانی، ص ۱۶۵، نمبر ۷۶۸۰ / سنن للبیھقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان ج ثانی ص ۶۹۸، نمبر ۴۶۲۰) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کسی امام کو حکم فرماتے کہ وہ لوگوں کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائے جس سے ثابت ہوا کہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ہوگی۔

اور تراویح دو دو رکعتیں پڑھائے اسکی دلیل یہ اثر ہے **.عن ابی عمر انه صلی خلف ابی هریرة و کان یصلی رکعتین ثم یسلم ثم یقوم فیوتر برکعة** ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۶۸۵ فی کم یسلم الامام، ج ثانی، ص ۱۷۰، نمبر ۷۷۳۴) اس اثر میں

۲؎ والنبی علیه السلام بین العذرفی ترکه المواظبة وهو خشية ان تكتب علينا (۴۹۱) والسنة فيها الجماعة۞

راشدین اسکو ہمیشہ پڑھتے رہے ہیں۔اور خلفاء راشدین جس بات کو ہمیشہ کرتے رہے ہوں وہ سنت ہوتی ہے۔اور حضورؐ نے ہمیشہ تراویح اسلئے نہیں پڑھی کہ کہیں وہ امت پر فرض نہ ہوجائے، چنانچہ حدیث میں اسکو بیان بھی فرمایا ۔

وجه : (۱) خلفاء راشدین نے تراویح ہمیشہ پڑھی اسکے لئے یہ اثر ہے۔ عن السائب بن يزيد قال : كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطابؓ فی شهر رمضان بعشرين ركعة قال : و كانوا يقرأون بالمئين و كانوا يتوكأون على عصيهم فی عهد عثمان بن عفانؓ من شدة القيام۔ (سنن للبیہقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۱۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں لوگ تراویح پڑھتے تھے اور دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے لکڑیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

(۲) اس حدیث میں ((کان النبی ﷺ یصلی)) ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ اس پر ہمیشگی کرتے تھے اسلئے بھی تراویح سنت ہے۔ حدیث یہ گزری۔ عن ابن عباس قال كان النبی ﷺ يصلی فی شهر رمضان عشرين ركعة والوتر ۔ (طبرانی الکبیر، باب مقسم عن ابن عباس، ج حادی عشر ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۱۰۲ / سنن للبیہقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۹۸، نمبر ۴۶۱۵) اس حدیث میں کان یصلی سے تراویح سنت معلوم ہوتی ہے۔

ترجمه : ۲؎ اور نبی علیہ السلام نے ہمیشگی کے چھوڑنے کے بارے میں عذر بیان فرمایا، وہ یہ کہ اس ڈر چھوڑ دیا کہ ہم لوگوں پر تراویح فرض نہ ہوجائے۔

حضورؐ نے ہمیشہ تراویح کی نماز نہیں پڑھی جسکی وجہ یہ فرمایا کہ اگر میں ہمیشہ تراویح پڑھوں تو خطرہ ہے کہ امت پر فرض نہ ہوجائے اسلئے ہمیشہ تراویح کی نماز نہیں پڑھی۔ لمبی حدیث مسئلہ نمبر ۴۸۸ میں گزر چکی ہے جسکا ٹکڑا یہ ہے۔ ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل .... اما بعد ! فانه لم يخف عليّ مكانكم لكنی خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفی رسول الله والامر على ذلک ۔ (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۲ / مسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح ص ۲۵۹ نمبر ۱۷۸۴ / ۷۶۱ / ابوداؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان ص ۲۰۲ نمبر ۱۳۷۳) اس حدیث میں ہے کہ امت پر فرض ہونے کے خوف سے تراویح ہمیشہ نہیں پڑھ رہا ہوں۔

ترجمه : (۴۹۱) اور تراویح میں سنت جماعت ہے۔

تشریح : تراویح میں سنت جماعت ہے، اور اگر جماعت چھوڑ کر الگ الگ نماز پڑھے تو جماعت کی فضیلت نہیں ملے گی۔

وجه : (۱) اوپر حدیث گزری کہ تراویح کے لئے صحابہ جمع ہوئے اور حضورؐ نے تین دن تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی۔ حدیث

لے لکن علی وجه الکفاية حتى لو امتنع اهل المسجد عن اقامتها کانوا مسيئين ولو اقامها البعض فالمتخلف عن الجماعة تارک للفضيلة لان افراد الصحابة يروى عنهم التخلف.

یہ گزری

ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلى فی المسجد وصلى رجال بصلاته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله فصلى بصلوته فلما کانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد ! فانه لم يخف علیّ مکانکم لکنی خشيت ان تفرض عليکم فتعجزوا عنها فتوفی رسول الله والامر على ذلک۔(بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ٢٦٩ نمبر ٢٠١٢ر مسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وھوالتراویح ص ٢٥٩ نمبر ١٧٨٢/٧٦١ر ابوداؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شہر رمضان باب فی قیام شہر رمضان ص ٢٠٢ نمبر ١٣٧٣)اس حدیث میں ہے کہ صحابہ تراویح کے لئے جمع ہوئے ،جس سے تراویح کی جماعت ثابت ہوتی ہے۔(٢)امام جماعت کے ساتھ تراویح اور وتر پڑھائے اسکی دلیل یہ اثر ہے(١)ان عمر بن خطاب امر رجلا يصلى بهم عشرين رکعة (مصنف ابن ابی شیبة ،٦٧٧ کم یصلی فی رمضان من رکعة ،ج ثانی ،ص ١٦٥، نمبر ٧٦٨١ر مصنف عبد الرزاق، باب قیام رمضان ج رابع ص ٢٠٠ نمبر ٧٧٢٠) (٣)ان عليا أمر رجلا يصلى بهم عشرين رکعة . (مصنف ابن ابی شیبة ،٦٧٧ کم یصلی فی رمضان من رکعة ،ج ثانی ،ص ١٦٥،نمبر ٧٦٨٠ر سنن للبیھقی ،باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ٦٩٨ ،نمبر ٤٦٢٠)ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کسی امام کو حکم فرماتے کہ وہ لوگوں کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائے جس سے ثابت ہوا کہ تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ہوگی۔

ترجمه: لے لیکن کفایہ کے طور پر ہے، یہاں تک کہ مسجد والے جماعت قائم کرنے سے رک جائے تو سب گنہگار ہونگے ،اور اگر بعض نے جماعت کر لی تو جماعت کو چھوڑنے والے فضیلت کو چھوڑنے والے ہونگے ،اسلئے کہ افراد صحابہ کا پیچھے رہنا مروی ہے۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے اسلئے اگر کسی نے بھی جماعت نہیں کی تو سب گنہگار ہونگے ،اور اگر کچھ لوگوں نے جماعت کر لی تو سب سے گناہ ختم ہو جائے گا ،البتہ جن لوگوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی انہوں نے جماعت کی فضیلت چھوڑ دی ،اسکی وجہ یہ ہے کہ بعض صحابہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے تنہا تراویح کی نماز پڑھی ہے۔

وجه : اثر یہ ہے. عن ابن عمر أنه کان لا يقوم مع الناس فی شهر رمضان قال: و کان سالم و القاسم لا

۲ والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویحة وکذا بین الخامسة وبین الوتر لعادة اھل الحرمین ۳ واستحسن البعض الاستراحة علیٰ خمس تسلیمات ولیس بصحیح

یقومون مع الناس ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۶۸۰ من کان لایقوم مع الناس فی رمضان، ج ثانی، ص ۱۶۸، نمبر ۷۷۱۳) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمر، حضرت سالم اور حضرت قاسم لوگوں کے ساتھ تراویح کی نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ تنہا تنہا پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے، اور تنہا پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

لغت : مسیئین: سیٔ سے مشتق ہے، گناہگار۔ المتخلف: خلف سے مشتق ہے، پیچھے رہنے والے۔ افراد: فرد کی جمع ہے، بعض حضرات۔

ترجمہ: ۲ اور مستحب دو ترویحہ کے درمیان بیٹھنا ایک ترویحہ کی مقدار ہے اور ایسے ہی پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان اھل حرمین کی عادت کی وجہ سے۔

تشریح : تراویح: راح سے مشتق ہے، جسکا معنی ہی ہے آرام کرنا، اسلئے تراویح میں ہر چار رکعتوں کے بعد آرام کرنا مستحب ہے۔ اھل حرم کے بعض حضرات اس آرام کے درمیان دو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن صاحب ھدایہ اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ اس موقع پر آرام کرے، اور اتنی دیر تک آرام کرے جتنی دیر دو رکعتیں پڑھنے میں لگی ہے۔

وجہ : آرام کرنے کے لئے اوپر یہ اثر گزر گیا۔(۱) کان عمر بن خطاب یروحنا فی رمضان یعنی بین الترویحتین قدر ما یذھب الرجل من المسجد الی سلع .(سنن للبیھقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان ص ۷۰۰، نمبر ۴۶۲۲) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ ترویحہ کے درمیان اتنی دیر آرام کرنے کے لئے دیتے جتنی دیر میں آدمی مقام سلع تک جاسکتا ہے۔(۲) اور اس درمیان نماز نہ پڑھے اسکے لئے یہ اثر ہے۔عن سعید ابن جبیر أنه کان یکرہ أن یقوم بین الترویحتین الصلوة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۶۸۳ فی الصلوۃ بین التراویح، ج ثانی، ص ۱۶۹، نمبر ۷۷۳۰) اس اثر میں ہے کہ تراویح کے درمیان نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے (۳) اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت آرام کرنے کے لئے ہے تاکہ چستی کے ساتھ تراویح پڑھ سکے نماز پڑھنے کے لئے نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳ بعض حضرات نے پانچویں سلام کے بعد آرام کرنا اچھا سمجھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

تشریح : پانچ سلام کے بعد کا مطلب یہ ہے کہ دس رکعتوں کے بعد بھی آرام کے لئے بیٹھے، لیکن یہ اچھا اسلئے نہیں ہے کہ پھر دو ترویحہ کے بعد بیٹھنا نہیں ہوگا بلکہ آٹھ رکعت کے بعد، پھر دس رکعت کے بعد، پھر بارہ رکعت کے بعد بیٹھنا ہو جائے گا تو ان رکعتوں میں چار کے بجائے ہر دو رکعت کے بعد بیٹھنا ہو جائے گا۔اسلئے یہ اچھا نہیں ہے کیونکہ اوپر حضرت عمر کے اثر میں تھا کہ ہر دو ترویحہ یعنی

۴؎ وقوله ثم یوتربهم یشیر الی ان وقتها بعد العشاء قبل الوتروبه قال عامة المشائخ والاصح ان وقتها بعد العشاء الی اٰخر اللیل قبل الوتر وبعده لانها نوافل سُنَّتْ بعد العشاء ۵؎ ولم یذکر قدر القراءة واکثر المشائخ علیٰ ان السنة فیها الختم مرة فلا یترک لکسل القوم بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات حیث یترکها لانها لیست بسنة

ہر چار رکعت کے بعد آرام کے لئے بیٹھنا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ متن میں تھا (ثم یوتر بھم) یہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے، عام مشائخ نے یہی فرمایا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے آخیر رات تک ہے، چاہے وہ وتر سے پہلے ہو یا وتر کے بعد ہو، اسلئے کہ تراویح نوافل ہے، اور عشاء کے بعد سنت قرار دی گئی ہے۔

تشریح : متن میں یہ عبارت تھی (ثم یوتر بھم) کہ تراویح کے بعد لوگوں کو وتر پڑھائے، جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد اور وتر سے پہلے ہے، چنانچہ بہت سے مشائخ نے یہی فرمایا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد ہے چاہے وہ وتر سے پہلے پڑھ لے چاہے وتر کے بعد پڑھ لے۔ عشاء کے بعد تو اسلئے ہے کہ تراویح سنت ہے اور عشاء کے بعد مسنون کیا گیا ہے اسلئے عشاء کے بعد ہی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ عشاء کے تابع ہے۔ اور وتر سے پہلے یا بعد ہونے کی شرط اسلئے نہیں ہے کہ تراویح وتر کے تابع نہیں ہے۔

وجہ : عن ابی ذر قال : صمنا مع رسول الله ﷺ رمضان فلم یقم بنا شیئا من الشهر ....فلما کانت الثالثة جمع أهله و نسائه و الناس فقام بنا حتی خشینا أن یفوتنا الفلاح ، قال قلت : ما الفلاح ؟ قال السحور ، ثم لم یقم بنا بقیةالشهر ۔(ابوداود شریف، باب فی قیام شہر رمضان، ص ۲۰۵، نمبر ۱۳۷۵) اس حدیث میں ہے کہ سحری تک تراویح پڑھتے رہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ سحری تک تراویح کا وقت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد تراویح کا وقت ہے۔ البتہ چونکہ وتر کو آخیر وقت میں پڑھنا مستحب ہے اسلئے وتر کو تراویح کے بعد پڑھے تو بہتر ہے، لیکن وتر سے پہلے بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ قرأت کی مقدار ذکر نہیں کی، اور اکثر مشائخ اس بات پر ہے کہ تراویح میں سنت ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا ہے ، اسلئے قوم کی سستی کی وجہ سے نہ چھوڑے، بخلاف تشہد کے بعد جو اور دعائیں ہیں اس طرح کہ اسکو چھوڑ سکتا ہے اسلئے کہ وہ سنت نہیں ہیں۔

تشریح : تراویح کی ایک رکعت میں کتنی آیتیں پڑھے متن میں اسکا تذکرہ نہیں ہے۔ لیکن سنت یہ ہے کہ پورے رمضان میں

(۴۹۲) **ولا يصلى الوتر بجماعة فى غير شهر رمضان** ﴾ ل عليه اجماع المسلمين. والله اعلم بالصواب.

تراویح میں کم سے کم ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرے۔اورقوم کی سستی کی وجہ سے ایک مرتبہ ختم کرنا نہ چھوڑے۔البتہ اگرلوگوں پر گراں گزرتا ہوتو تشہد کے بعد جودعائیں ہیں انکو چھوڑ دے کیوں کہ وہ اتنی اہم سنتوں میں سے نہیں ہیں، تاہم ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا نہ چھوڑے۔تشہد کے بعد درودشریف پڑھنا پھر بھی نہ چھوڑے کیونکہ درودشریف امام شافعیؒ کے یہاں فرض ہے اسلئے ہمارے یہاں اہم سنت ہوگی اسلئے قوم کتنی ہی سست ہوتراویح میں درودشریف پڑھنا نہ چھوڑے۔

وجه: (۱)اس حدیث میں ہے۔عن عبد الله ابن عمر و ان النبی ﷺ قال له : ((أقرأ القرآن فی شهر)) قال انی اجد قوة قال : أقرأ فی عشرين . (ابوداود شریف، باب فی کم یقرأ القرآن، ص ۲۰۸، نمبر ۱۳۸۸)اس حدیث میں ہے کہ قرآن کوایک مہینے میں ختم کرنا چاہئے۔اس لئے پورے رمضان میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرے۔(۲)عن ابی عثمان قال : دعا عمر القراء فی رمضان فأمر اسرعهم قراء ة أن يقرأ ثلاثلين آية و الوسط خمسا و عشرين آية و البطیء عشرين آية ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۶۷۶ فی صلوۃ رمضان، ج ثانی، ص۱۶۴، نمبر ۷۶۷۱ رسنن بیہقی، باب قدر قراءتھم فی قیام شھر رمضان، ج ثانی، ص ۷۰۰، نمبر ۴۶۲۴)اس اثر میں ہے کہ سست پڑھنے والے کوبھی بیس آیتیں پڑھنے کے لئے کہتے تھے۔اب ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھے تو ایک دن کی بیس رکعتوں میں چارسوآیتیں ہونگیں اورتیس دنوں میں بارہ ہزارآیتیں ہونگیں۔ قرآن کریم میں ۶۲۳۶ آیتیں ہیں اسلئے بارہ ہزارکو ۶۲۳۶ سے تقسیم دیں تو پورے رمضان میں دوختم ہوئے،اسکا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ پورے رمضان میں دوختم کرواتے تھے،لیکن سہولت کے لئے ہم کہتے ہیں کہ کم سے کم ایک ختم کرے۔اس سے حافظ صاحبان کاقرآن بھی یادرہے گا۔ (۳)ایک مرتبہ ختم کرنے کا ثبوت اس اثر میں ہے۔کان عمر بن عبد العزيز يأمر الذين يقرأون فی رمضان فی كل ركعة بعشر آيات عشر آيات . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۶۷۶ فی صلوۃ رمضان، ج ثانی، ص۱۶۴، نمبر ۷۶۷۵)اس اثر میں ہے کہ ہر رکعت میں دس دس آیتیں پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے تو پورے رمضان میں چھ ہزار آیتیں پڑھی جائے گی جس سے ایک قرآن کریم ختم ہوگا۔

ترجمه: (۴۹۲) رمضان کے مہینے کے علاوہ میں وتر جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔

ترجمه: ل اسی پرمسلمانوں کا اجماع ہے۔

وجــــه : (۱)وتر ایک قسم کی سنت ہے اورسنت کے بارے میں یہ ہے کہ جہاں جہاں اسکی جماعت ثابت ہے وہیں اسکی جماعت مسنون ہوگی ورنہ عام حالات میں تنہا تنہا اسکی نماز پڑھی جائے گی، چونکہ وتر کے بارے میں صرف رمضان میں اسکی جماعت ثابت ہے اسلئے صرف رمضان میں اسکو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی،اورسال کے باقی حصے میں تنہا تنہا پڑھی جائے گی۔(۲) تراویح

کے بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں یہ اثر گزر چکا ہے۔ **عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامرھم منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال و کان علی یوتربھم .** (سنن للبیھقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی۔ اور دنوں میں لوگ اپنے اپنے طور پر وتر پڑھیں گے۔ واللہ اعلم۔

﴿باب ادراک الفریضة﴾

(۴۹۳) ومن صلی رکعة من الظهر ثم اقیمت یصلی اخری ﴾ صیانة للمؤدی عن البطلان. ﴿ ثم یدخل مع القوم ﴾ لے احرازا لفضیلة الجماعة

﴿باب ادراک الفریضة﴾

ضروری نوٹ : اس باب میں تمام مسائل جامع صغیر سے لئے گئے ہیں،(جامع صغیر، باب الرجل یدرک الفریضة فی جماعة وقد صلی بعض صلوتہ،ص۸۹)اور دو قاعدے سے مستنبط ہیں۔[۱] ایک تو ہے کہ اگر فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جا رہی ہو تو اس میں شریک ہونا چاہئے اور اپنی نماز چھوڑ دینی چاہئے ،اور اگر فرض پڑھ چکا ہو تو دوبارہ جماعت کے ساتھ شامل ہو جانا چاہئے ، یہ نماز نفل ہوگی اور پہلے پڑھی ہوئی نماز فرض برقرار رہے گی۔اور اگر سنت پڑھ رہا ہو تو اسکو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جانا چاہئے۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے جماعت کی ایک اہمیت ہے اسکے لئے یہ حدیث ہے(۱)۔عن ابی هريرة أن النبی ﷺ قال ((و الذی نفسی بيده لقد هممت ان آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلوة فيؤذن لهاثم آمر رجلا فيؤم الناس ، ثم أخالف الی رجال فأحرق عليهم بيوتهم ، و الذی نفسی بيده ! لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقا سمينا ، أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء ۔(بخاری شریف، باب وجوب صلوة الجماعة،ص۸۹،نمبر۶۴۴/مسلم شریف، باب فضل صلوة الجماعة و بیان التشدید فی التخلف عنها وأنها فرض کفایة،ص۲۶۲،نمبر۶۵۱/۱۴۸۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ شریک ہونا چاہئے۔ (۲) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : ((اذا أقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة)) . مسلم شریف، باب کراهیة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلوة ،الخ،ص ۲۸۸،نمبر۷۱۰/۱۶۴۴/ترمذی شریف، باب ماجاء اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة،ص۱۱۳،نمبر۴۲۱) اس حدیث میں ہے کہ فرض نماز کی اقامت کہی جا رہی ہو تو کوئی نماز نہ پڑھے، بلکہ فرض ہی پڑھے۔

ترجمه: (۴۹۳) کسی نے ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر ظہر ہی کی اقامت کہی گئی تو ایک رکعت ملا لے [اداء کی ہوئی نماز کو باطل سے بچانے کے لئے] پھر قوم کے ساتھ داخل ہو جائے۔

ترجمه: لے جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے کیلئے۔

تشریح : ایک آدمی نے اپنے طور پر مثلا ظہر کی ایک رکعت فرض پڑھی اسی دوران ظہر کی ہی جماعت کھڑی ہو گئی تو اسکو چاہئے کہ اپنی نماز کے ساتھ ایک رکعت اور ملا لے تا کہ یہ نماز بتیرا یعنی ایک رکعت نہ رہ جائے ، بلکہ شفع ہو جائے اور پڑھی ہوئی نماز باطل نہ جائے بلکہ دو رکعتوں کا ثواب مل جائے۔ پھر جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے جماعت کے ساتھ مل جائے۔

(۴۹۴) وان لم یقید الاولیٰ بالسجدة یقطع ویشرع مع الامام هو الصحیح ﴾

وجه : (۱) حدیث میں ہے کہ جماعت ہو رہی ہو تو دوسری نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : ((اذا أقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة))(مسلم شریف، باب کراھیۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن فی اقامۃ الصلوۃ، الخ ،ص ۲۸۸ ،نمبر ۱۶۴۴/۱۷۱۰ ترمذی شریف، باب ماجاء اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ ،ص ۱۱۳، نمبر ۴۲۱) اس حدیث میں ہے کہ فرض نماز کی اقامت کہی جا رہی ہو تو کوئی نماز نہ پڑھے ، بلکہ فرض ہی پڑھے۔(۲)عن ابن بحينة قال : أقیمت صلوة الصبح ، فرأی رسول الله ﷺ رجلا یصلی و المؤذن یقیم فقال : ((أتصلی الصبح أربعا))؟ ۔(مسلم شریف، باب کراھیۃ الشروع فی نافلۃ بعد شروع المؤذن فی اقامۃ الصلوۃ، الخ ،ص ۲۸۸ ،نمبر ۱۶۵۰/۱۷۱۱)اس حدیث میں ہے کہ اقامت کے وقت اکیلے اکیلے فجر کا فرض پڑھ رہا تھا تو آپؐ نے انکو کہا کہ کیا چار رکعت فجر پڑھ رہے ہو، جس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے وقت اپنی الگ نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔(۳) اور جماعت میں شریک ہو جائے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔۔عن ابی هریرة أن النبی ﷺ قال ((و الذی نفسی بیده لقد هممت ان آمر بحطب لیحطب ثم آمر بالصلوة فیؤذن لها ثم آمر رجلا فیؤم الناس ، ثم أخالف الی رجال فأحرق علیهم بیوتهم ، و الذی نفسی بیده ! لو یعلم أحدهم أنه یجد عرقا سمینا ، أو مرماتین حسنتین لشهد العشاء ۔(بخاری شریف، باب وجوب صلوۃ الجماعۃ ،ص ۸۹، نمبر ۶۴۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ شریک ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۴۹۴) اور اگر پہلی رکعت کو سجدے سے مقید نہیں کیا تو امام کے ساتھ شروع کر دے، صحیح یہی ہے۔

تشریح : نماز اپنے طور پر شروع کیا تھا لیکن ابھی ایک رکعت پوری نہیں ہوئی تھی، یعنی رکعت کو سجدے سے مقید نہیں کیا تھا کہ اسی نماز کی جماعت شروع ہوگئی، تو اسی وقت اپنی نماز چھوڑ کر جماعت کے ساتھ شریک ہو جانا چاہئے، صحیح یہی ہے۔

هو الصحیح : کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی دو رکعت پوری کرے اسکے بعد جماعت کے ساتھ شریک ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر سنت پڑھ رہا ہو اور فرض کی جماعت کھڑی ہوگئی ہو تو سنت کی دو رکعتیں پوری کر تے ہیں اسکے بعد سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہونے کا حکم ہے اسی طرح فرض میں بھی دو رکعت پوری کرنے کے بعد سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہونا چاہئے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ چونکہ ابھی تک ایک رکعت پوری نہیں ہوئی ہے اسلئے اسی وقت نماز توڑ کر جماعت کے ساتھ شریک ہو جائے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سجدہ کرنے سے پہلے مکمل رکعت نہیں ہے بلکہ ابھی صرف تحریمہ ہے۔ سجدہ کرنے کے بعد نماز بتیرا بنے گی

وجه : اگر رکعت کا سجدہ نہیں کیا تو ابھی رکعت مکمل نہیں ہوئی اسلئے صلوۃ بتیرا ابھی نہیں ہوئی اسلئے اسکو چھوڑ سکتا ہے اور اسکو چھوڑ کر

۱ لانه بمحل الرفض ۲ والقطع للاکمال ۳ بخلاف ماذا کان فی النقل لانه لیس للاکمال.
۴ ولو کان فی السنة قبل الظهر والجمعة فاقیم اوخطب یقطع علی راس الرکعتین یروی ذٰلک عن ابی یوسفؒ

جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ چھوڑ نا اسکو اعلی درجے پر پورا کرنے کے لئے ہے اسلئے یہ چھوڑ نا نہیں ہے بلکہ اکمال ہے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ یہ رکعت چھوڑنے کی جگہ میں ہے۔

تشریح : یہ رکعت ابھی سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بتیر انہیں ہوئی ہے اسلئے اس درجے میں ہے کہ اسکو چھوڑ دیا جائے۔ اسلئے اسکو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔

ترجمه: ۲ اور توڑ نا اعلی درجے پر پورا کرنے کے لئے ہے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ، نماز کے چھوڑنے میں اسکو باطل کرنا ہے، اور ابھی اوپر گزرا کہ عمل کو باطل کرنا اچھا نہیں ہے۔ تو یہاں نماز کو چھوڑ کر جماعت میں شریک ہونا کیسے جائز ہوگا؟ اسکا جواب دیا جارہا ہے کہ ، یہاں پہلی نماز کو اسلئے باطل کررہے ہیں کہ اسکو کمال کے درجے میں جماعت کے ساتھ اداء کیا جائے، تو یہ باطل کرنا نہیں ہے بلکہ اسکو اس سے اعلی درجے پر اداء کرنا ہے، جیسے مسجد کو اسلئے شہید کرتے ہیں کہ اسکو اس سے اعلی درجے پر تعمیر کی جائے تو اس سے اور ثواب ملے گا عذاب نہیں ہوگا، اسی طرح یہاں ہے کہ توڑ نا اکمال کے لئے ہے۔

ترجمه: ۳ بخلاف جبکہ نفل میں ہو اسلئے کہ وہ اعلی درجے پر اداء کرنے لئے نہیں ہے۔

تشریح : یہ حضرت امام سرخسیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ جس طرح سنت کو دو رکعت سے پہلے نہیں چھوڑتے اسی طرح فرض کو بھی دو رکعت سے پہلے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اسکا جواب دے رہے ہیں کہ سنت کو درمیان میں چھوڑنے کے بعد اسکو اعلی درجے پر پورا کرنے کے لئے جماعت میں شریک نہیں ہو رہا، اسلئے سنت کو چھوڑ نا اسکو باطل کرنا ہے اسلئے سنت کو دو رکعت پوری کئے بغیر نہ چھوڑے اور فرض کو درمیان میں چھوڑ کر جماعت میں شریک ہونا اسی فرض کو اعلی درجے پر پورا کرنا ہے اسلئے فرض کو درمیان میں چھوڑ سکتا ہے۔

ترجمه: ۴ اور اگر ظہر اور جمعہ سے پہلے کی سنت میں مشغول ہوا اور اقامت کہی گئی، یا خطبہ شروع کیا گیا تو دو رکعتوں پر سنت چھوڑ دے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت اور جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت ایک نماز ہے، یا نفل کی طرح دو شفع ہے، اگر ایک نماز ہے تو چاروں رکعت پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہوا اور اگر دو شفع ہیں تو دو رکعت

۵ وقد قیل یتمها (۴۹۵) وان کان قد صلی ثلثا من الظهر یتمها

پوری کرنے کے بعد سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت یہی ہے کہ یہ دو شفع ہیں اسلئے اگر ظہر کی سنت پڑھتے وقت جماعت شروع ہو گئی تو دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو جائے، اسی طرح جمعہ سے پہلی والی چار سنت پڑھ رہا تھا کہ خطبہ شروع ہو گیا تو دو رکعت پر سلام پھیر کر خطبہ سننے میں شریک ہو جائے۔

وجه : انکی دلیل یہ حدیث ہے، اس لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ سألنا علیا عن تطوع رسول الله ﷺ بالنهار فقال : .....و أربعا قبل الظهر اذازلت الشمس ، و رکعتین بعدها ، و اربعا قبل العصر ، یفصل بین کل رکعتین بالتسلیم علی الملائکة المقربین و النبیین ، و من تبعهم من المسلمین و المؤمنین . (ابن ماجۃ، باب ماجاء فیما یستحب من التطوع بالنھار، ص۱۶۳، نمبر ۱۱۶۱) اس حدیث میں ہے کہ ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیرے جس سے معلوم ہوا کہ ہر دو رکعتیں الگ الگ شفع ہیں

ترجمه: ۵ ،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چار رکعت پوری کرے۔

تشریح : اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ پوری چار رکعت ایک نماز ہے اسلئے چاروں رکعتیں پوری کرنے کے بعد جماعت اور خطبہ میں شریک ہوں۔

وجه : (۱) انکی رائے ہے کہ چاروں رکعتیں ایک ہی نماز ہے اسلئے چاروں رکعتیں پڑھنے کے بعد ہی سلام پھیرے۔(۲) اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ چاروں رکعتیں ایک ہی نماز ہے دو شفع نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن أبی أیوب عن النبی ﷺ قال : ((أربع قبل الظهر لیس فیهن تسلیم تفتح لهن أبواب السماء)) (ابو داود شریف، باب الاربع قبل الظہر و بعدھا، ص۱۹۰، نمبر ۱۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ درمیان میں سلام نہ ہو جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ہی نماز ہے۔

ترجمه: (۴۹۵) اور اگر ظہر کی تین رکعتیں پڑھ چکا ہو تو ظہر کو پوری کرے گا۔

تشریح : ظہر کی فرض تین رکعتیں پوری کر چکا تھا اور تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا تھا اور جماعت کی اقامت کہی گئی تو اب فرض کی چاروں رکعتیں پوری کرے اسکے بعد سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو، تیسری رکعت کو چھوڑ کر جماعت میں شریک نہ ہو۔

وجه : تین رکعت پوری کر چکا ہے تو اکثر نماز پڑھ چکا ہے اور اکثر کا حکم کل کا حکم ہوتا ہے اسلئے اسکو توڑنا اچھا نہیں، اسلئے تین رکعت کے بعد نہ توڑے بلکہ چوتھی رکعت ملالے اور سلام پھیرنے کے بعد اگر جماعت جاری ہو تو شریک ہو جائے ورنہ معاملہ ختم ہو گیا۔۔ اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہے تو تیسری رکعت نہیں پڑھی تو گویا کہ دو ہی رکعت ابھی فرض پڑھی ہے اور دو رکعت پر نماز چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو سکتا ہے اسلئے جماعت میں شریک ہو جائے۔

۱؎ لان للاكثر حكم الكل فلا يحتمل النقض بخلاف ماذا كان فى الثالثة بعدولم يقيد ها بالسجدة حيث يقطعها لانه بمحل الرفض ۲؎ ويتخير ان شاء عاد فقعد وسلم وان شاء كبّر قائما ينوى الدخول فى صلوٰة الامام (۴۹۶) واذا اتمها يدخل مع القوم والذى يصلى معهم نافلة ﴾ ۱؎ لان الفرض لايتكرر فى وقت واحد.

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اکثر کا حکم کل کا حکم ہے، اسلئے توڑنے کا احتمال نہیں رکھتا، بخلاف جبکہ ابھی تیسری رکعت میں ہو اور سجدہ نہ کیا ہو اس حیثیت سے کہ اسکو توڑ سکتا ہے اسلئے کہ وہ توڑنے کی جگہ پر ہے۔

تشریح: اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو یہ رکعت مکمل ہوگئی اور اکثر رکعتیں ہوگئیں جو کل کے حکم میں ہے اسلئے وہ توڑنے کے درجے میں نہیں ہے اسلئے اب چار رکعت مکمل کرے اور سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو، اور تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو اسکو توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے کیونکہ وہ توڑنے کے محل میں ہے

ترجمہ: ۲؎ اور اختیار ہے کہ توڑتے وقت لوٹ کر بیٹھے اور سلام پھیرے پھر جماعت کے ساتھ ملے اور چاہے تو کھڑے کھڑے تکبیر کہے اور امام کی نماز میں داخل ہونے کی نیت کر لے۔

تشریح: جماعت کے ساتھ کس طرح ملے اسکی دو صورتیں بتاتے ہیں۔[۱] ایک صورت یہ ہے کہ جب جماعت میں شریک ہونے کا ارادہ ہو تو بیٹھ کر سلام پھیرے اور پہلی نماز سے باہر نکلنے کے بعد جماعت میں شرک ہو۔[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ کھڑے کھڑے ہی تکبیر کہہ کر جماعت میں شریک ہو جائے اور جماعت میں شریک ہونے کی نیت کر لے۔۔ بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر سلام پھیرے پھر جماعت میں شریک ہو جائے۔

ترجمہ: (۴۹۶) اور جب نماز پوری کر لے تو قوم کے ساتھ شامل ہو جائے، اور جو نماز قوم کے ساتھ پڑھی ہے وہ نفل ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ فرض ایک وقت میں دوبار نہیں ہوتی۔

تشریح: اگر اکیلے میں پڑھے ہوئے فرض کو پورا نہیں کیا اور جماعت میں شامل ہو گیا، پس اگر پہلی دو رکعت مکمل کر کے شامل ہوا ہے تب تو وہ نفل ہوگی اور اگر ایک رکعت سے پہلے چھوڑ دی ہے تو وہ بیکار جائے گی، اور امام کے ساتھ جو نماز پڑھی وہ فرض شمار کی جائے گی۔ اور اگر پہلی فرض پوری کرنے کے بعد امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا تو جو فرض اکیلے میں پہلے پڑھی ہے وہ فرض شمار کی جائے گی اور جو نماز امام کے ساتھ پڑھی ہے وہ نفل شمار کی جائے گی۔

وجہ: (۱) ایک دن میں ایک ہی فرض نماز پڑھی جاتی ہے اسلئے لازمی طور پر ایک نماز نفل ہوگی اور دوسری نماز فرض ہوگی، اسلئے کہ پہلی نماز فرض کی نیت سے پڑھی گئی ہے اسلئے وہ فرض ہوگی۔ اور امام کے ساتھ نفل۔(۲) ایک دن میں ایک ہی فرض ہے اسکے

(۴۹۷) فان صلی من الفجر رکعة ثم اقیمت یقطع ویدخل معهم لانه ﴾ ۱ لو اضاف الیها اخری تفوته الجماعة

لئے یہ حدیث ہے۔اتیت ابن عمر علی البلاط و هم یصلون ، فقلت الا تصلی معهم ؟ قال قد صلیت ، انی سمعت رسول الله ﷺ یقول ((لا تصلو صلوة فی یوم مرتین ۔(ابوداود شریف، باب اذا صلی فی جماعة ثم أدرک جماعة یعید، ص ۹۳، نمبر ۵۷۹ رنسائی شریف، باب سقوط الصلوۃ عمن صلی مع الامام فی المسجد جماعة، ص ۱۱۹، نمبر ۸۶۱) (۳) اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول اس طرح ہے۔ قال عبد الله : لا یصلی علی أثر صلوۃ مثلها (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۶۳، من کرہ ان یصلی بعد الصلوۃ مثلها، ج ثانی، ص ۲۲، نمبر ۵۹۹۸) اس اثر میں ہے کہ جو نماز پڑھ چکا ہو اس طرح پھر نہ پڑھو۔ (۴) اور اکیلے میں پڑھی ہوئی نماز فرض ہوگی اور جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز نفل ہوگی اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر بن یزید الاسود عن ابیه أنه صلی مع رسول الله ﷺ و هو غلام شاب ....فقال ما منع کما أن تصلیا معنا ؟ قالا : قد صلینا فی رحالنا ، فقال لا تفعلوا اذا صلی أحدکم فی رحله ثم أدرک الامام ولم یصل فلیصل معه فانها له نافلة ۔(ابوداود شریف، باب فیمن صلی فی منزله ثم أدرک الجماعة یصلی معهم، ص ۹۵، نمبر ۵۷۵) اس حدیث میں ہے کہ اگر فرض ایک مرتبہ پڑھ چکا ہو دوبارہ جماعت کھڑی ہوگئی تو اسکے ساتھ دوبارہ نماز پڑھ لے اور یہ نماز نفل ہوگی۔

ترجمہ: (۴۹۷) پس اگر فجر کی ایک رکعت پڑھی پھر اقامت کہی گئی تو نماز توڑ دے اور قوم کے ساتھ داخل ہو جائے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ اگر دوسری رکعت ملائے گا تو اسکی جماعت فوت ہو جائے گی۔

تشریح: فجر کی نماز دو ہی رکعت ہے، اور دوسری مجبوری یہ ہے کہ فجر کے فرض کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔اب چاہے ایک رکعت پڑھ چکا ہو اور اس رکعت کو سجدے سے مقید کر چکا ہو پھر بھی اسکو اسی وقت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔اسی طرح اگر فجر کی دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا ہو اور ابھی اسکا سجدہ کر کے دوسری رکعت کو مکمل نہ کیا ہو تو بھی اسکو چھوڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔

وجہ: (۱) اگر دوسری رکعت ملایا تو اسکا فرض پورا ہو جائے گا اب وہ جماعت کے ساتھ شریک نہیں ہو سکے گا، اسلئے کہ اگر جماعت کے ساتھ بھی فرض کی نیت کی تو فرض دو مرتبہ ہو جائے گا، اور ابھی گزرا کہ ایک فرض کو دو مرتبہ نہیں پڑھ سکتا۔اور اگر بعد میں نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہوا تو فجر کے بعد نفل نہیں ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ دوسری رکعت ملائے بغیر نماز توڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔(۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن ابن بحینة قال اقیمت صلاۃ الصبح ،فرأی رسول الله ﷺ رجلا یصلی ، والمؤذن یقیم فقال: أتصلی الصبح أربعا؟ (مسلم شریف، باب کراھیة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلوۃ ،الخ ص ۲۸۸، نمبر ۱۱۷/۱۶۵۰) اس حدیث میں ہے کہ جماعت کے وقت فجر کی نماز اکیلے پڑھ رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا فجر چار رکعت پڑھ رہے ہو،

۲ وکذا اذا قام الی الثانية قبل ان يقيد ها بالسجدة ۳ وبعد الاتمام لايشرع فی صلوٰة الامام لکراهية النفل بعده ۴ وکذا بعد المغرب فی ظاهر الرواية لان التنفل بالثلٰث مکروه وفی جعلها اربعا مخالفة لا مامه (۴۹۸) و من دخل مسجد اقداذن فيه يکره له ان يخرج حتی يصلی ﴾ ۱ لقوله عليه السلام لايخرج من المسجد بعد النداء الامنافق اورجل يخرج لحاجة يريد الرجوع

جسکا مطلب یہ تھا کہ آپ کو جماعت میں شریک ہوجانا چاہئے۔ اور فرض پوری کرنے کے بعد نفل کے طور پر جماعت میں شریک ہوگا تو فجر کے فرض کے بعد نفل نہیں ہے اسلئے فرض کرنے کے بعد کیسے جماعت میں شریک ہوگا؟ فجر کے فرض کے بعد نفل نہیں ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے. عن ابن عباس ....أن النبی ﷺ نهی عن الصلوة بعد الصبح حتی تشرق الشمس ، و بعد العصر حتی تغرب . (بخاری شریف، باب الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ص۸۲، نمبر ۵۸۱/ مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوة فیہا، ص ۳۳۳، نمبر ۸۲۵/۱۹۲۰) اس حدیث میں ہے کہ فجر کے فرض کے بعد کوئی نفل نہیں ہے، اسلئے فرض پڑھنے کے بعد فجر کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا۔

ترجمہ: ۲ ایسے ہی اگر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا اسکو سجدے سے مقید کرنے سے پہلے۔

تشریح: اکیلا آدمی فجر کا فرض پڑھ رہا تھا اور دوسری رکعت میں تھا ابھی اسکو سجدہ سے مقید نہیں کیا تھا کہ جماعت کھڑی ہوگئی تب بھی اسکو توڑ کر جماعت کے ساتھ مل جانا چاہئے، کیونکہ دوسری رکعت پوری کرے گا تو جماعت کے ساتھ نہیں مل پائے گا، وہ جماعت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

ترجمہ: ۳ اور فرض مکمل کرنے کے بعد امام کی نماز میں شریک نہ ہو، فرض کے بعد نفل مکروہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ فجر کے فرض کے بعد نفل مکروہ ہے اسلئے اگر فرض مکمل کرلیا تو اب جماعت میں شریک نہ ہو۔

ترجمہ: ۴ اور ایسے ہی مغرب کے بعد ظاہر روایت میں اسلئے کہ تین رکعت نفل مکروہ ہے، اور اسکو چار رکعت کرنے میں اپنے امام کی مخالفت ہے۔

تشریح: مغرب کا فرض پڑھنے کے بعد جماعت کھڑی ہورہی ہو تو ظاہر روایت میں ہے کہ جماعت کے ساتھ شریک نہ ہو، اسکی وجہ یہ ہے کہ فرض پڑھ چکا ہے اسلئے امام کے ساتھ یہ نماز نفل ہوگی، پس اگر امام کے ساتھ تین رکعت پڑھے گا تو تین رکعت وتر کے علاوہ کوئی نفل نہیں ہے، اور اگر چوتھی رکعت ملائے گا تو امام کی مخالفت ہوگی، اسلئے بہتر یہ ہے کہ جماعت میں شریک ہی نہ ہو۔

ترجمہ: (۴۹۸) کوئی ایسی مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان دی جا چکی ہو تو اسکے لئے نماز پڑھنے سے پہلے نکلنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ اذان کے بعد مسجد سے نہیں نکلتا ہے مگر منافق، یا ایسا آدمی جو ضرورت کے

(۴۹۹) قال الا اذا كان ينتظم به امر جماعة ﴾ ل لانه ترک صورة تكميل معنى

لئے نکلا ہو پھر واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

تشریح : اگر ابھی تک فرض نماز نہیں پڑھی ہو اور مسجد میں اذان ہو جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا مکروہ ہے، ہاں کسی ضرورت سے جائے اور جماعت کے وقت واپس آنے کی نیت ہو تو نکل سکتا ہے، یا وہ کسی اور مسجد کا منتظم یا امام وغیرہ ہو کہ دوسری مسجد میں جماعت کا انتظام کرنا ہو تو اسکے لئے مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اس حدیث میں ہے کہ اذان کے بعد بغیر نماز پڑھے ہوئے منافق ہی نکل سکتا ہے، یا ضرورت والا نکل سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عثمان قال قال رسول الله ﷺ ((من ادركه الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة و هو لا يريد الرجعة فهو منافق ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب اذا اذن وانت فی المسجد فلا تخرج، ص ۱۰۵، نمبر ۷۳۴) اس حدیث میں ہے کہ منافق ہی نکل سکتا ہے (۲) عن ابی ھريرة .... ثم قال أمرنا رسول الله ﷺ اذا كنتم في المسجد فنودي بالصلوة ، فلا يخرج أحدكم حتى يصلي ۔ (مسند احمد، باب مسند ابی ھریرۃ، ج ثالث، ص ۳۵۶، نمبر ۱۰۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر نہیں نکلنا چاہئے (۳) عن ابی الشعثاء قال : كنا قعودا في المسجد مع ابی هريرة ، فأذن المؤذن ، فقام رجل من المسجد يمشي فأتبعه أبو هريرة بصره حتى خرج من المسجد ، فقال أبو هريرة : أما هذا فقد عصى أبا القاسم ﷺ . (مسلم شریف، باب النھی عن الخروج من المسجد اذا أذن المؤذن، ص ۲۶۴، نمبر ۶۵۵ / ۱۴۸۹ / ابو داود شریف، باب الخروج من المسجد بعد الأذان، ص ۸۶، نمبر ۵۳۶ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی الکراھیۃ الخروج من المسجد بعد الأذان، ص ۵۷، نمبر ۲۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان ہونے کے بعد بغیر نماز پڑھے ہوئے مسجد سے نکلنا اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: (۴۹۹) مگر یہ کہ اسکے ذریعہ جماعت کے کام کا انتظام ہوتا ہو۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ صورت میں جماعت چھوڑنا ہے اور معنی کے اعتبار سے اسکی تکمیل ہے۔

تشریح : اگر وہ آدمی دوسری جگہ جماعت کا انتظام کرتا ہو، یا وہ دوسری جگہ نماز پڑھاتا ہو اسکے لئے اس مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ظاہر میں جماعت کو چھوڑنا ہے لیکن حقیقت میں اور معنوی طور پر جماعت کی تکمیل کر رہا ہے اسلئے اسکے لئے آذان کے بعد اس مسجد سے نکلنا مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر فرض ایک مرتبہ پڑھ چکا ہے تو اسکے لئے گنجائش ہے۔

وجہ : اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ضرورت کے لئے جانا چاہے تو کراہیت نہیں ہے۔ عن عثمان قال قال رسول الله ﷺ ((من ادركه الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة و هو لا يريد الرجعة فهو

(۵۰۰) وان كان قد صلى وكانت الظهر والعشاء فلا بأس بان يخرج ﴾ ل لانه اجاب داعی الله مرة. (۵۰۱) الا اذا اخذ المؤذن فی الاقامة﴾ ل لانه يتهم لمخالفة الجماعة عيانا (۵۰۲) وان كانت العصر او المغرب او الفجر خرج وان اخذ المؤذن فيها﴾ ل لكراهية النفل بعدها

منافق ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب اذا اذن وانت فی المسجد فلا تخرج ،ص ۱۰۵، نمبر ۷۳۴) اس حدیث میں ہے کہ ضرورت کے لئے نکلنا چاہے تو نکل سکتا ہے، اور دوسری مسجد کے انتظام کی ضرورت ہو تو بدرجہ اولی نکل سکتا ہے۔

ترجمہ: (۵۰۰) اور اگر نماز پڑھ چکا ہے اور ظہر اور عشاء کا وقت ہے تو مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے

ترجمہ: ل اسلئے کہ ایک مرتبہ اللہ کے پکار کو قبول کر لیا

تشریح : اگر ایک مرتبہ فرض نماز پڑھ چکا ہے اور مسجد میں اس نماز کی اذان ہو گئی اور ظہر اور عشاء کا وقت ہے تب بھی اسکے لئے گنجائش ہے کہ مسجد سے نکل جائے۔ کیونکہ ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ چکا ہے اور اللہ تعالی کی پکار کو قبول کر چکا ہے اسلئے دوبارہ اسکی پکار کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ امام کے پیچھے نفل کی نیت باندھ کر دوبارہ نماز پڑھ لے تو بہتر ہے کیونکہ ان دونوں نمازوں کے بعد نفل ہے، اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہ نہیں آئے گا کہ یہ آدمی مسجد سے بھاگ گیا۔

ترجمہ: (۵۰۱) مگر یہ کہ مؤذن اقامت کہنے لگے [تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے]

ترجمہ: ل اسلئے کہ وہ ظاہری طور پر جماعت کی مخالفت کا متہم ہوگا۔

تشریح : اگر اقامت کہی جا رہی ہو اور عشاء یا ظہر کا وقت ہو تو جماعت کے ساتھ نفل نماز پڑھ لینا ہی چاہئے۔ کیونکہ نہیں پڑھے گا تو سامنے جماعت کی مخالقت ظاہر ہوگی، اس لئے پڑھ ہی لے۔ (۲) عن ابی هريرة .... ثم قال أمرنا رسول الله ﷺ اذا كنتم فی المسجد فنودی بالصلوة ، فلا يخرج أحدكم حتى يصلی ۔ (مسند احمد، باب مسند ابی ھریرۃ، ج ثالث، ص ۳۵۶، نمبر ۱۰۵۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد مسجد سے نماز پڑھے بغیر نہیں نکلنا چاہئے، تو اقامت کے بعد بدرجہ اولی نہیں نکلنا چاہئے۔

ترجمہ: (۵۰۲) اور اگر عصر یا مغرب یا فجر کا وقت ہو تو مسجد سے نکل جائے، چاہے مؤذن اقامت کہنا شروع کر دے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ ان نمازوں کے بعد نفل مکروہ ہے۔

تشریح : عصر، یا فجر، یا مغرب کی نماز ہو اور فرض پڑھ چکا ہو اور جماعت کھڑی ہوئی تو جماعت میں شریک نہیں ہوگا۔ اسکی وجہ گزر چکی ہے کہ عصر اور فجر کے بعد نفل مکروہ ہے، اور یہ آدمی فرض پڑھ چکا ہے اسلئے نفل کی نیت سے ہی جماعت میں شریک ہوگا۔ اور مغرب میں شریک ہوگا تین رکعت نفل پڑھنا پڑے گا، اور تین رکعت نفل نہیں ہے، اور چوتھی رکعت ملائے گا تو امام کی مخالفت ہوگی،

(۵۰۳) ومن انتهى الى الامام فى صلوٰة الفجر وهو لم يصل ركعتى الفجران خشى ان تفوته ركعة ويدرك الاخرى يصلى ركعتى الفجر عند باب المسجد ثم يدخل لانه ﴿ امكنه الجمع بين الفضيلتين ﴿ وان خشى فوتها دخل مع الامام ﴾ ١ لان ثواب الجماعة اعظم والوعيد بالترك الزم

اسلئے مغرب میں بھی جماعت میں شریک نہ ہو۔

وجه : (۱)عصراور فجر کے بعدنفل مکروہ ہےاسکے لئے یہ حدیث گزرچکی ہے۔ عن ابن عباس ....أن النبى ﷺ نهى عن الصلوة بعد الصبح حتى تشرق الشمس ، و بعد العصر حتى تغرب . (بخاری شریف،باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس،ص۸۲،نمبر۵۸۱رمسلم شریف،باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا،ص۳۳۳،نمبر۱۹۲۰/۸۲۵)اس حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کے فرض کے بعدکوئی نفل نہیں ہے،اسلئے فرض پڑھنے کے بعد فجر اور عصر کی جماعت میں شریک نہ ہو۔

ترجمه: (۵۰۳) کوئی فجر کی نماز میں امام تک پہنچااوراس نے فجر کی دوسنتیں نہیں پڑھی ہیں،پس اگرخوف ہو کہ فرض کی ایک رکعت نکل جائے گی اور دوسری پالے گا،تو فجر کی دوسنتیں مسجد کے دروازے کے پاس پڑھ لے پھر فرض میں داخل ہوجائے[اسلئے کہ دونوں فضیلتوں کوجمع کرناممکن ہے]اوراگرڈرہو کہ دوسری رکعت بھی فوت ہوجائے گی توامام کے ساتھ شامل ہوجائے۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ جماعت کا ثواب زیادہ ہے،اور جماعت چھوڑنے کی وعید بہت سخت ہے۔

تشریح : فجر کی جماعت ہورہی تھی اس وقت مسجد میں پہنچا،اوراس نے فجر کی سنت ابھی نہیں پڑھی تھی،پس اگراس بات کا غالب گمان ہو کہ سنت پڑھنے کے باوجود کم سے کم فرض کی ایک رکعت مل جائے گی تو بہتر یہ ہے کہ صف سے باہر مسجد کے کسی کونے میں یا مسجد کے دروازے کے پاس دورکعت سنت پڑھ لے پھر جماعت میں شریک ہوجائے،تا کہ فجر کی جماعت بھی مل جائے اور فجر کی سنت بھی اس سے نہ چھوٹے،اور دونوں فضیلتیں مل جائے۔اوراگراس بات کا خطرہ ہو کہ سنت پڑھنے جائے گا تو جماعت کی دونوں رکعتیں ختم ہوجائیں گی تو ایسی صورت میں جماعت کے ساتھ مل جائے اور سنت چھوڑ دے۔

وجه : (۱) جماعت کے فوت ہونے کے خطرے سے سنت چھوڑ کر جماعت میں اس لئے شریک ہوجائے کہ جماعت کا ثواب بہت ہے،اوراسکے چھوڑنے کی وعید بھی بہت سخت ہے۔(۲) جماعت کا ثواب یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر : أن رسول الله ﷺ قال : ((صلوة الجماعة تفضل صلوة الفذ بسبع و عشرين درجة . (بخاری شریف،باب فضل صلوۃ الجماعۃ، ص۸۹،نمبر۶۴۵رمسلم شریف،باب فضل صلوۃ الجماعۃ و بیان التشدید فی التخلف عنھا وأنھا فرض کفایۃ،ص۲۶۲،نمبر۱۴۷۸/۶۵۰) اس حدیث میں ہے کہ جماعت کا ثواب ستائس گنازیادہ ہے۔(۳)اوراسکی وعید یہ ہے -عن ابى هريرة أن النبى ﷺ قال

۲ بخلاف سنة الظهر حيث يتركها في الحالين لانه يمكنه اداؤ ها في الوقت بعد الفرض وهو الصحيح

((و الذى نفسى بيده لقد هممت ان آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلوة فيؤذن لهاثم آمر رجلا فيؤم الناس ، ثم أخالف الى رجال فأحرق عليهم بيوتهم ، و الذى نفسى بيده ! لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقا سمينا ، أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء ۔(بخاری شریف، باب وجوب صلوۃ الجماعۃ ،ص ۸۹، نمبر ۶۴۴ / مسلم شریف، باب فضل صلوۃ الجماعۃ و بیان التشدید فی التخلف عنھا وأنھا فرض کفایۃ ،ص ۲۶۲ ،نمبر ۶۵۱ / ۱۴۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ شریک نہ ہوتو اسکا گھر جلا دینا چاہئے ۔(۴)عن عثمان قال قال رسول الله ﷺ ((من ادركه الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة و هو لا يريد الرجعة فهو منافق ۔(ابن ماجۃ شریف، باب اذا اذن وانت فی المسجد فلا تخرج ،ص ۱۰۵ ،نمبر ۷۳۴) اس حدیث میں ہے کہ منافق ہی بغیر ضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکل سکتا ہے۔

اور فجر کی سنت پڑھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے(۱)۔عن علی قال كان النبى ﷺ يصلى الركعتين عند الاقامة .(ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی الرکعتین قبل الفجر ،ص ۱۶۰ ،نمبر ۱۱۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی سنت اتنی اہم ہے کہ فرض کی اقامت کے وقت بھی اسکو پڑھ سکتا ہے ۔(۲) اور دروازے کے پاس سنت پڑھے اسکی دلیل یہ اثر ہے. عن سعيد بن جبير أنه جاء الى المسجد و الامام فى صلاة الفجر فصلى الركعتين قبل أن يلج المسجد عند باب المسجد .(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب الرجل یدخل المسجد فی الفجر، ج ثانی ،ص ۵۶ ،نمبر ۶۴۱۲) اس اثر میں ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوگئی ہوتو مسجد کے دروازے کے پاس سنت پڑھ لینی چاہئے ۔(۳)عن حارثة بن مضرب أن ابن مسعود و أبا موسى خرجا من عند سعيد بن العاص فأقيمت الصلوة فركع ابن مسعود ركعتين ثم دخل مع القوم في الصلوة و أما أبو موسى فدخل في الصف (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب الرجل یدخل المسجد فی الفجر، ج ثانی ،ص ۵۶ ،نمبر ۶۴۱۴) اس اثر میں ہے کہ فجر کی سنت اتنی اہم ہے کہ فرض نماز کھڑی ہوگئی ہوتب بھی فجر کی سنت پڑھے تب فرض میں شریک ہو۔(۴) فجر کی سنت بہت اہم ہے اسلئے جماعت کے وقت بھی پڑھنے کی اسکی تاکید ہے ۔اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ ((لاتدعوهما و ان طردتكم الخيل))(ابوداود شریف، باب فی تخفيفهما [ای سنۃ الفجر]ص ۱۸۹، نمبر ۱۲۵۸) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑا ابھی روند دے تب بھی فجر کی سنت پڑھنی چاہئے ۔

ترجمه: ۲ بخلاف ظہر کی سنت اس طرح کہ اسکو دونوں حالتوں میں چھوڑے، اسلئے کہ فرض کے بعد وقت ہی میں اسکا اداء کرنا ممکن ہے۔صحیح یہی ہے

تشريح : ظہر کی سنت نہ پڑھی ہو اور نہ ابھی شروع کی ہو اور ظہر کی جماعت کھڑی ہوگئی تو چاہے فرض کی چوتھی رکعت ملنا ممکن ہو

۳ وانما الاختلاف بین ابی یوسفؒ ومحمدؒ فی تقدیمها علی الرکعتین وتاخیرها عنهما
۴ ولاکذلک سنة الفجر علی مانبین ان شاء اللہ تعالیٰ

پھر بھی سنت نہ پڑھے، بلکہ جماعت میں شریک ہو جائے۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ ظہر کی سنت فجر کی سنت کی طرح اہم نہیں ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ فجر کی سنت چھوٹنے کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اسکو نہیں پڑھ سکتے کیونکہ حدیث میں آیا کہ فجر کے بعد کوئی سنت نہیں ہے اسلئے وہ قضاء ہو جائے گی اور وقت میں نہیں پڑھ سکے گا، اسکے برخلاف ظہر کے فرض کے بعد سنت کا وقت ہے اسلئے اس سنت کو فرض کے بعد وقت ہی میں اداء کر سکتا ہے اسلئے اسکو ابھی چھوڑ دے۔ (۳) حدیث میں ہے کہ ظہر سے پہلے کی سنت چھوٹ جائے تو ظہر کے بعد اسکو اداء کر لے۔ حدیث یہ ہے. عن عائشة قالت : کان رسول اللہ ﷺ اذا فاتته الاربع قبل الظهر ، صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب من فاتتہ الاربع قبل الظہر ،ص ۱۶۲، نمبر ۱۱۵۸) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی سنت فرض کے بعد اداء کرے۔

ترجمه: ۳ صرف اختلاف امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اس بارے میں ہے کہ پہلے کی چار رکعتوں کو ظہر کی دو رکعتوں سے پہلے پڑھے یا انکے بعد۔

تشریح : اس بارے میں تو متفق ہیں کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی سنت ظہر کے بعد پڑھے، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ظہر کے بعد جو دو رکعت سنت ہے اسکے بعد چھوٹی ہوئی سنت پڑھے یا پہلے پڑھے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پہلے چھوٹی ہوئی پڑھے اسکے بعد دو رکعت پڑھے۔ کیونکہ جو پہلے چھوٹی ہے اسکو پہلے اداء کرے اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔ عن عائشة أن النبی ﷺ کان اذا لم یصل أربعا قبل الظهر صلا هن بعدها . (ترمذی شریف، باب منہ [ای من الرکعتین بعد الظہر] آخر ،ص ۱۱۵، نمبر ۴۲۶) اس حدیث میں ہے کہ پہلے کی چار رکعت سنت ظہر کے فرض کے بعد پڑھے، یعنی فوراً بعد پڑھے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ چھوٹی ہوئی سنت اپنے وقت سے مؤخر ہو چکی ہے اسلئے ظہر کے بعد کی رکعت کو اپنے وقت سے مؤخر نہ کریں اسکو ظہر کے بعد متصلا اپنے وقت میں پڑھے اور چھوٹی ہوئی سنت کو اسکے بعد پڑھے۔

وجه : اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی دو رکعت کے بعد ظہر سے پہلے کی چھوٹی ہوئی سنت کو پڑھے۔ حدیث یہ گزر چکی ہے۔ عن عائشة قالت : کان رسول اللہ ﷺ اذا فاتته الاربع قبل الظهر ، صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب من فاتتہ الاربع قبل الظہر ،ص ۱۶۲، نمبر ۱۱۵۸) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی سنت فرض کے بعد جو دو رکعت سنت ہے اسکے بعد اداء کرے

ترجمه: ۴ فجر کی سنت میں ایسی بات نہیں ہے، جیسا کہ ہم اسکو انشاء اللہ بیان کریں گے۔

۵ والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراهة فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوٰة.

٦ والافضل فی عامة السنن والنوافل المنزل هو المروی عن النبی علیه السلام

تشریح : فجر کی سنت کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اسکو فرض کے بعد اسکے وقت میں پڑھے، کیونکہ فجر کے فرض کے بعد حدیث سے معلوم ہوا کہ نوافل ہے ہی نہیں اگر اسکو اداء بھی کرنا ہو تو سورج طلوع ہونے کے بعد اداء کرے، وقت میں نہیں اسلئے فجر کی سنت نہ پڑھی ہو تو فرض کی ایک رکعت ملنے کی امید ہو تب بھی سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہو۔ اور ظہر کی سنت ظہر کے فرض کے بعد میں وقت ہی میں پڑھ سکتا ہے اسلئے ظہر کی سنت شروع نہ کی ہو تو جماعت میں شامل ہو جائے اور فرض کے بعد وقت ہی میں پڑھ لے۔

ترجمہ: ۵ مسجد کے دروازے پر اداء کرنے کی قید دلالت کرتی ہے مسجد میں مکروہ ہونے پر جبکہ امام نماز میں ہو۔

تشریح : متن میں یہ تھا کہ فجر کی جماعت شروع ہو چکی ہو تو فجر کی سنت مسجد کے دروازے پر پڑھے، یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مسجد میں نماز ہو رہی ہو تو مسجد میں سنت پڑھنا مکروہ ہے۔

وجہ : (۱) مسجد میں نماز ہو رہی ہو تو وہاں سنت پڑھنا مکروہ ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ابی هریرة عن النبی ﷺ قال : ((اذا أقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة))** . مسلم شریف، باب کراھیة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلوة، الخ، ص ۲۸۸، نمبر ۱۶۴۴/۷۱۰ ترمذی شریف، باب ما جاء اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة، ص ۱۱۳، نمبر ۴۲۱) اس حدیث میں ہے کہ فرض نماز کی اقامت کہی جا رہی ہو تو کوئی نماز نہ پڑھے، بلکہ فرض ہی پڑھے۔ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جماعت کے وقت مسجد ہی میں سنت شروع کرنا مکروہ ہے۔ لیکن کراہیت شدیدہ نہیں ہے اسکی وجہ یہ اثر ہے۔ **عن مسروق أنه دخل االمسجد و القوم فی صلوة الغداة و لم یکن صلی الرکعتین فصلا هما فی ناحیة ثم دخل مع القوم فی صلاتهم** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب الرجل یدخل المسجد فی الفجر، ج ثانی، ص ۵۶، نمبر ۶۴۱۱) اس اثر میں ہے کہ مسجد کے کنارے میں سنت پڑھے۔

ترجمہ: ٦ عام سنت اور نوافل کے بارے میں افضل یہ ہے کہ گھر میں پڑھے، یہی نبی علیہ السلام سے مروی ہے۔

تشریح : تراویح وغیرہ مخصوص سنتوں کے علاوہ عام سنت اور نوافل میں افضل یہی ہے کہ اسکو گھر میں پڑھے، حضورؐ سے یہی منقول ہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن زید بن ثابت أن رسول الله ﷺ اتخذ حجرة .... فصلوا ایها الناس فی بیوتکم فان أفضل الصلوة صلوة المرء فی بیته الا المکتوبة** . (بخاری شریف، باب صلاة اللیل، ص ۱۱۹، نمبر ۷۳۱ / مسلم شریف، باب استحباب صلوة النافلة فی بیته و جوازھا فی المسجد، الخ، ص ۳۱۷، نمبر ۱۸۲۵/۷۸۱ / ابو داود شریف، باب فضل التطوع فی البیت، ص ۲۱۶، نمبر ۱۴۴۷) اس حدیث میں ہے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔

اصول:۔ [۱] فجر کی سنت کی زیادہ اہمیت ہے [۲] اسکے بعد ظہر کی سنت کی [۳] اسکے بعد مغرب اور عشاء کی سنت کی [۴] اسکے بعد عصر

(۵۰۴) واذا فاتته رکعتا الفجر لا یقضیهما قبل طلوع الشمس ﴾ ل لانه یبقی نفلا مطلقا وهو مکروه بعدالصبح **(۵۰۵) ولا بعد ارتفاعها عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وقال محمدؒ احب الیّ ان یقضیهما الی وقت الزوال** ﴾ ل لانه علیه السلام قضاهما بعد ارتفاع الشمس غداةلیلة التعریس

سے پہلے کی سنت ۔۔ان سنتوں کو ((سنن رواتب)) کہتے ہیں [۵] اسکے بعد جو نوافل ان نمازوں کی سنتوں کے بعد ہیں [٦] اسکے بعد تہجد کی نماز کی [۷] اسکے بعد باقی نوافل کی ۔اور وقت میں گنجائش ہونے پر اسی ترتیب پر انکو اداء کرنے کی تاکید ہے۔

ترجمہ: (۵۰۴) اگر فجر کی دو سنتیں فوت ہو جائے تو اسکو سورج طلوع ہونے سے پہلے قضاء نہ کرے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ وہ صرف نفل باقی رہی اور نفل فجر کے فرض کے بعد مکروہ ہے۔

تشریح: فجر کی دو سنتیں فوت ہوگئی اسکو نہ پڑھ سکا اور فجر کا فرض پڑھ لیا، تو اب اس سنت کو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نہ پڑھے۔

وجہ: (۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ سنت اپنے وقت سے فوت ہونے کے بعد اب سنت نہیں رہی بلکہ فقط نفل ہوگئی، اور اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ فجر کے فرض کے بعد نفل پڑھنا مکروہ ہے اسلئے سورج طلوع ہونے سے پہلے نہ پڑھے۔(۲) حدیث یہ گزر چکی ہے **.عن ابن عباس ....أن النبی ﷺ نهی عن الصلوة بعد الصبح حتی تشرق الشمس ، و بعد العصر حتی تغرب .** (بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ص ۸۲، نمبر ۵۸۱ مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا ،ص ۳۳۳، نمبر ۱۹۲۰/۸۲۵) اس حدیث میں ہے کہ فجر کے فرض کے بعد کوئی نفل نہیں ہے، اسلئے فرض پڑھنے کے بعد فجر کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ: (۵۰۵) اور سورج بلند ہونے کے بعد بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نہ پڑھے۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مجھے زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ ان دونوں رکعتوں کو زوال سے پہلے تک قضاء کر لے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے اسکو لیلۃ التعریس میں سورج بلند ہونے کے بعد قضاء فرمائی۔

تشریح: سورج کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی سنت قضاء کرے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سورج بلند ہونے کے بعد بھی قضاء نہ کرے۔

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ سنت اپنے وقت سے ہٹ جانے کے بعد ایک نفل باقی رہ جاتی ہے، اور نفل کی قضاء نہیں ہے، قضاء تو واجب کی ہے اسلئے اسکی قضاء نہ کرے۔(۲) اور لیلۃ التعریس میں جو حضور ﷺ نے فجر کی سنت طلوع آفتاب کے بعد قضاء کی اسکا جواب دیتے ہیں کہ وہ فرض کے تابع کر کے کی ہے مستقل طور پر سنت کی قضاء نہیں ہے (۳) چنانچہ خود لیلۃ التعریس کی سنت کے

۲ ولهما ان الاصل فی السنة لاتقضی لاختصاص القضاء بالواجب.

بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ کسی کو سنت پڑھنا ہو تو پڑھو جس سے معلوم ہوا کہ اب یہ سنت اہم نہیں رہی۔ حدیث یہ ہے۔ حدثنی ابو قتادة الانصاری فارس رسول الله ﷺ قال : بعث رسول الله ﷺ جیش الامراء ، بهذه القصة .....حتی اذا تعالت الشمس قال رسول الله ﷺ ((من کان منکم یرکع رکعتی الفجر فلیرکعهما)) فقام من کان یرکعهما و من لم یکن یرکعهما ، فرکعهما ۔ (ابوداود شریف، باب فی من نام عن صلوة اُونسیھا ،ص ۵۷، نمبر ۴۳۸) اس حدیث میں ہے کہ جسکو سنت پڑھنی ہو وہ پڑھے، جس سے معلوم ہوا کہ وقت سے ہٹ جانے کے بعد سنت نفل ہو جاتی ہے۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنت بغیر فرض کے بھی فوت ہو جائے تو افضل یہ ہے کہ زوال سے پہلے پہلے اسکی قضاء کر لے، البتہ یہ قضاء کرنا واجب نہیں ہے صرف افضل ہے۔

وجہ : (۱) فجر کی سنت کی بہت اہمیت ہے اسلئے اسکی قضاء افضل ہے (۲) حدیث میں ہے کہ فجر کی سنت فوت ہو جائے تو سورج طلوع ہونے کے بعد اسکو پڑھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ((من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس، ص ۱۱۴، نمبر ۴۲۳ / ابن ماجہ، شریف، باب ماجاء فیمن فاتتہ الرکعتان قبل صلوۃ الفجر متی یقضیھما، ص ۱۶۲، نمبر ۱۱۵۵) اس حدیث میں ہے کہ فجر کی سنت فوت ہوگئی تو سورج طلوع ہونے کے بعد اسکی قضاء کرے۔ (۳) حدیث میں ہے کہ لیلۃ التعریس میں فجر کی سنت کی قضاء کی۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے. عن ابی هريرة قال عرسنا مع نبی الله ﷺ فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس ....و قال یعقوب : ثم صلی سجدتین ثم أقیمت الصلوة فصلی الغداة . (مسلم شریف، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا، ص ۲۳۸، نمبر ۱۵۶۱/۶۸۰ / ابوداود شریف، باب من نام عن صلوۃ اُونسیھا، ص ۵۷، نمبر ۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ فجر کے فرض کو بھی سورج طلوع ہونے کے بعد قضاء کیا اور اسکی سنت کی بھی قضاء کی

ترجمہ: ۲ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ سنت میں اصل یہ ہے کہ قضاء نہ کی جائے، کیونکہ قضاء واجب کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح : یہ طرفین کی دلیل ہے کہ سنت کی اصل یہ ہے کہ اسکی قضاء نہیں ہے، قضاء واجب ہونا واجب کی خصوصیت ہے۔ اور یہ واجب نہیں اسلئے اسکی قضاء بھی نہیں۔

۳ والحدیث ورد فی قضائهما تبعا للفرض فبقی ماوراء ہ علی الاصل **۴** وانما تقضی تبعا له وهو یصلی بالجماعة او وحده الیٰ وقت الزوال وفیما بعده اختلاف المشائخؒ **۵** واما سائر السنن سواها لاتقضی بعد الوقت وحدها واختلف المشائخؒ فی قضائها تبعًا للفرض

ترجمہ: ۳ اور حدیث جو قضاء کے بارے میں وارد ہوئی ہے وہ فرض کے تابع ہے اسلئے اسکے علاوہ سنت اصل پر باقی رہی۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کی پیش کردہ حدیث کا جواب ہے۔انہوں نے کہا تھا کہ لیلۃ التعریس میں فجر کی سنت قضاء کی ہے۔تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ وہاں فرض بھی قضاء ہوئی تھی اسلئے جب فرض کی قضاء کی گئی تو اسکے تابع کر کے اسکی سنت کی بھی قضاء کر دی گئی۔لیکن مستقل طور پر سنت کی قضاء واجب نہیں۔

ترجمہ: ۴ فرض کے تابع کر کے سنت کی قضاء کی جائے گی چاہے جماعت کے ساتھ قضاء کرے، چاہے تنہا زوال کے وقت تک۔اور زوال کے بعد قضاء کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح: فرض کے تابع کر کے فجر کی سنت زوال تک ہی قضاء کرے، یہ بالاتفاق ہے،اور زوال کے بعد فرض پڑھے تو اسکے تابع کر کے سنت قضاء کرے یا نہیں اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے،بعض حضرات نے فرمایا کہ سنت کی بھی قضاء کرے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف فرض کی قضاء کرے اب سنت کی قضاء نہ کرے۔۔البتہ زوال سے پہلے پہلے فرض جماعت کے ساتھ پڑھ رہا ہو تب بھی سنت کی قضاء کرے اور تنہا تنہا پڑھ رہا ہو تب بھی سنت کی قضاء کر سکتا ہے۔دونوں کی گنجائش ہے۔

ترجمہ: ۵ بہر حال فجر کے علاوہ ساری سنتوں کا حال یہ ہے کہ وقت کے بعد تنہا قضاء نہیں کی جائے گی۔اور فرض کے تابع کر کے اسکی قضاء کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح: فرض قضاء نہیں ہوا صرف سنت قضاء ہوئی تو فجر کی سنت کے علاوہ کا حال یہ ہے کہ وقت کے بعد اسکی قضاء نہیں کی جائے گی۔۔اور فرض کے تابع کر کے قضاء کرے تو اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

وجہ: فجر کی سنت کی اہمیت تھی،اور اسکی قضاء کے بارے میں لیلۃ التعریس کی حدیث بھی تھی جسکی وجہ سے یہ کہا گیا کہ اسکی قضاء کر لے،لیکن دوسری سنتوں کی اتنی اہمیت نہیں ہے اسلئے وقت سے ہٹ جانے کے بعد تنہا اسکی قضاء نہیں ہے۔البتہ استحباب کے طور پر قضاء کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اور فرض کے تابع کر کے قضاء کرے یا نہیں اسکے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

فائدہ: بعض حضرات کی رائے ہے کہ سنت کی قضاء سنت ہے اور کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

وجہ: انکی دلیل یہ حدیث ہے (۱) فسأل أم سلمة فقالت فقالت ان رسول الله ﷺ بینما هو یتوضأ فی بیتی للظهر ....ثم قال ((شغلنی أمر الساعی أن اصلیهما بعد الظهر فصلیتهما بعد العصر ۔(ابن ماجہ شریف، باب

(٥٠٦) ومن ادرک من الظهر رکعة ولم یدرک الثلث فانه لم یصل الظهر بجماعة وقال محمد: قدادرک فضل الجماعة﴾

فیمن فاتتہ الرکعتان بعد الظہر ،ص۱۶۲،نمبر ۱۱۵۹/ابوداود شریف، باب الصلوۃ بعد العصر،ص۱۹۱،نمبر ۱۲۷۳)اس حدیث میں ہے کہ ظہر کے بعد کی سنت فوت ہوگئی تو اسکو عصر کے بعد اداء کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اورسنتوں کی قضاء سنت ہے(۲).عن عائشة قالت : کان رسول الله ﷺ اذا فاتته الاربع قبل الظهر ، صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر ۔(ابن ماجۃ شریف، باب من فاتتہ الاربع قبل الظہر ،ص۱۶۲،نمبر ۱۱۵۸)اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی سنت فرض کے بعد جو دو رکعت سنت ہے اسکے بعد اداء کی،جس سے معلوم ہوا کہ سنت کی قضاء ہے۔(۳)اور عام نوافل کی قضاء کے بارے میں یہ حدیث ہے۔عن عمر بن الخطاب یقول : قال رسول الله ﷺ ((من نام عن حزبه أو عن شیء منه فقرأه فیما بین صلوة الفجر و صلوة الظهر کتب له کأنما قرأه من اللیل .(۴) عن عائشة أن رسول الله ﷺ کان اذا فاتته الصلوة من اللیل من وجع أو غیره صلی من النهار ثنتی عشرة رکعة (مسلم شریف، باب من جامع صلوۃ اللیل ومن نام عنہ أو مرض، ص۳۰۳نمبر ۱۷۴۷/۱۷۴۵/۱۷۴۶نمبر ۱۷۴۳/ ۱۷۴۳)اس حدیث میں ہے کہ تہجد کی نماز چھوٹ جائے تو دن میں اسکی قضاء کرے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سنت کی قضاء سنت ہے، واجب کی قضاء واجب ہے،فرض کی قضاء فرض ہے،اور نفل کی قضاء نفل ہے۔

ترجمه: (۵۰۶) کسی نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور تین رکعتیں نہیں پائیں تو اس نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس نے جماعت کی فضیلت پالی۔

تشریح : یہاں دو باتیں ہیں[۱] ایک ہے جماعت کی فضیلت پانا۔ایک رکعت بھی پائے گا تو جماعت کی فضیلت پالے گا۔اور یہ کہا جائے گا کہ اس نے جماعت کی فضیلت پالی۔

وجه : (۱)حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ((من أدرک رکعة من الصلوة فقد أدرک الصلوة)) (ابوداود شریف، باب من أدرک من الجمعۃ رکعۃ ،ص ۱۶۸،نمبر ۱۱۲۱/ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ ،ص ۱۳۸،نمبر ۵۲۴)اس حدیث میں ہے کہ ایک رکعت بھی پائی تو اس نے جماعت کی فضیلت پالی۔

[۲] اور دوسری بات ہے پوری نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنا۔ یہ اس وقت ہوگا جب اکثر نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہو، چنانچہ اگر ظہر کی نماز میں دو رکعت یا دو سے کم جماعت کے ساتھ پڑھی تو کہا جائے گا جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی، البتہ جماعت کی فضیلت پالی۔

ل لان من ادرک اخر الشئ فقد ادرکه فصار محرزا ثواب الجماعة لکنه لم یصلها بالجماعة حقیقة ٢ ولهذا یحنث به فی یمینه لایدرک الجماعة ولایحنث فی یمینه لایصلی الظهر بالجماعة

(٥٠٧) ومن اتی مسجدًا قد صلی فیه فلا بأس بان یتطوع قبل المکتوبة مابداله مادام فی الوقت

اصول : اکثر چیز کو پانے سے اس چیز کا پانا شمار کیا جاتا ہے۔

متن کی تشریح یہ ہے کہ ظہر کی چار رکعت میں سے صرف ایک رکعت پائی اور تین رکعت نہیں پائی تو فرماتے ہیں کہ ظہر کی پوری نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جماعت کی فضیلت مل گئی۔ یہی رائے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اکثر رکعت ملتی تو گویا کہ وہ چیز ملتی اور اکثر رکعت نہیں ملی اسلئے اس نے جماعت کے ساتھ ظہر نہیں پڑھی۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ جس نے آخری چیز کو پایا تو گویا کہ اس نے جماعت کے ثواب کو جمع کر لیا، لیکن اسکو حقیقت میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ، جس نے چیز کے اخیر حصے کو پالیا تو گویا کہ اسکے ثواب کو جمع کر لیا، لیکن یوں نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حقیقت میں جماعت کے ساتھ پوری نماز کو پڑھا۔ اسلئے فضیلت جماعت کو پانے والا تو ہوا لیکن پوری نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے والا نہیں ہوا۔ محرزا: حرز سے مشتق ہے، جمع کرنے والا۔

ترجمہ : ٢ اسی لئے کوئی قسم کھائے کہ جماعت نہیں پائے گا [تو ایک رکعت کے پانے سے حانث ہو جائے گا] اور کوئی قسم کھائے کہ ظہر کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے گا [تو ایک رکعت کے پانے سے حانث نہیں ہوگا]

تشریح : یہ اوپر کے قاعدے پر قسم کھانے کو متفرع کر رہے ہیں۔ کسی نے قسم کھائی کہ ((**لا یدرک الجماعة**)) جماعت کو نہیں پائے گا۔ پھر ظہر کی ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو قسم میں حانث ہو جائے گا، کیونکہ اسنے ایک رکعت جماعت تو پا لی، اور قسم کھائی تھی کہ جماعت نہیں پائے گا، اسلئے قسم میں حانث ہو جائے گا۔

اور قسم کھائی ((**لا یصلی الظهر بالجماعة**)) ظہر کی نماز کو جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے گا، اور ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی تو حانث نہیں ہوگا اسلئے کہ ایک رکعت پانے میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے والا نہیں ہوا۔

ترجمہ : (۵۰۷) کوئی ایسی مسجد میں آیا جس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا چکی ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ فرض سے پہلے جتنا ہو سکے وقت کے اندر نفل کی نماز پڑھے۔

ل ومراده اذا كان فی الوقت سعة وان كان فيه ضيق تركه ٢ قيل هذا فی غير سنة الظهر والفجر لان لهما زيادة مزِيَّة قال عليه السلام فی سنة الفجر صلوها ولو طرد تكم الخيل

تشریح : ایسی مسجد میں کوئی آدمی آیا جس میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا چکی ہے۔ پس اگر فجر اور ظہر کا وقت ہے اور اتنا وقت ہے کہ فجر کی سنت اور فرض پڑھ سکے، یا ظہر سے پہلے کی سنت اور اسکا فرض پڑھ سکے تو پہلے سنت پڑھے پھر فرض پڑھے، اور اگر اتنا تنگ وقت ہے کہ صرف فرض پڑھ سکتا ہے تو اب مجبوری ہے صرف فرض پڑھ لے۔ دوسری سنتوں کی اگر چہ اتنی اہمیت نہیں ہے تاہم اگر وقت میں گنجائش ہو تو پڑھ لے، اسکی وجہ یہ ہے کہ سنتیں فرض کو تکمیل کرنے والی ہیں اسلئے تنہا نماز پڑھ رہا تب بھی سنتوں کا اہتمام کرے۔

وجہ: (۱) فجر کی سنت اہم ہے اسلئے تھوڑی سی بھی وقت میں گنجائش ہو تو اسکو پڑھ لے، اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ((لاتدعوهما و ان طردتكم الخيل))** (ابوداود شریف، باب فی تخفیفهما [ای سنۃ الفجر] ص ۱۸۹، نمبر ۱۲۵۸) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑا بھی روند دے تب بھی فجر کی سنت پڑھنی چاہئے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ فجر اور ظہر کی سنت اہم ہے۔

اسلئے اسکو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عائشةؓ أن النبی ﷺ كان لا يدع أربعا قبل الظهر ، و ركعتين قبل الغداة .** (بخاری شریف، باب الرکعتین قبل الظہر، ص ۱۸۸، نمبر ۱۱۸۱) اس حدیث میں ہے کہ ظہر سے پہلے اور فجر سے پہلے کی سنتیں آپ نہیں چھوڑتے تھے۔

ترجمہ: ل اسکی مراد یہ ہے کہ جب وقت میں گنجائش ہو، اور وقت میں تنگی ہو تو سنت کو چھوڑ دے گا۔

تشریح : یہ متن کا مطلب بتا رہے ہیں، متن میں تھا کہ جہاں تک ہو سکے وقت میں سنت پڑھے، اسکا مطلب یہ ہے کہ وقت میں گنجائش ہو تو سنت پڑھے، اور اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو سنت کو چھوڑ دے۔ یہ سنت رواتب کے بارے میں ہے۔ فجر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، عصر سے پہلے چار رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، اور عشاء کے بعد دو رکعتیں یہ سنت رواتب ہیں، انکی تاکید حدیث میں گزر چکی ہے

ترجمہ: ٢ وقت تنگ ہو تو سنت چھوڑ دے، یہ بات ظہر اور فجر کی سنت کے علاوہ میں ہے۔ اسلئے کہ ظہر اور فجر کی سنت کی زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فجر کی سنت کے بارے میں فرمایا کہ اسکو پڑھو چاہے تمکو گھوڑا روند دے۔

تشریح : وقت میں تھوڑی بہت بھی گنجائش ہو تو فجر اور ظہر کی سنت ضرور پڑھ لے کیونکہ اور سنتوں کے مقابلے میں فجر اور ظہر کی سنتوں کی اہمیت زیادہ ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ چاہے گھوڑا روند دے پھر بھی فجر کی سنت پڑھو، اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی اہمیت

۳ وقال فی الاخریٰ من ترک الاربع قبل الظهر لم تنله شفاعتی ۴ وقیل هٰذا فی الجمیع لانه علیه السلام واظب علیها عند اداء المکتوبات بالجماعة ولاسنة دون المواظبة ۵ والاولیٰ ان لایترکها فی الاحوال کلها لکونها مکمّلات للفرائض الااذاخاف فوت الوقت

زیادہ ہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ گزری۔عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ((لاتدعوھما و ان طردتکم الخیل))(ابوداود شریف، باب فی تخفیفھما[ای سنۃ الفجر]ص۱۸۹،نمبر۱۲۵۸)اس حدیث میں ہے کہ گھوڑا بھی روند دے تب بھی فجر کی سنت پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: ۳ اورظہر کی سنت کے بارے میں فرمایا کہ،جس نے ظہر سے پہلے چاررکعت چھوڑ دی اسکو میری شفاعت نہیں ملے گی۔

تشریح: یہ حدیث اس الفاظ کے ساتھ نہیں ملی۔البتہ ترمذی شریف میں اس طرح ہے۔عن ام حبیبۃ قالت : قال رسول اللہ ﷺ ((من صلی قبل الظھر أربعا و بعدھا أربعا حرمه الله علی النار ۔(ترمذی شریف، باب منہ[فی الرکعتین بعدالظھر]آخر،ص۱۱۵،نمبر۴۲۷)اس حدیث میں ہے کہ ظہر سے پہلے چاررکعت پڑھےتو اس پر جہنم حرام کردی جائے گی۔

ترجمہ: ۴ کہا گیا کہ سنتوں کو نہ چھوڑے یہ تمام سنتوں کے بارے میں ہے،اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے جماعت کے ساتھ فرض کی ادائیگی کے وقت اس پر ہمیشگی کی ہے۔اور بغیر ہمیشگی کے سنت نہیں ہوسکتی۔

تشریح : حضرت صدرالاسلام نے فرمایا کہ وقت میں گنجائش ہوتو تمام ہی سنن رواتب کوادا کرنا چاہئے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے جماعت کے ساتھ فرض ادا کی تو تمام سنتوں کو ہمیشہ ادا کیا اوراس پر مواظبت کی اسلئے تمام ہی سنتوں کوادا کر لینا چاہئے۔اور جب کبھی سنت وقت میں نہ پڑھ سکے تو بعد میں اسکی قضاء کی۔جسکی دلیل اوپر گزر چکی ہے، یہاں تک کہ رات کی تہجد فوت ہوئی تو اسکو دن میں اداء کرلیا ۔عن عمر بن الخطاب یقول : قال رسول اللہ ﷺ ((من نام عن حزبه أو عن شیء منه فقرأہ فیما بین صلوۃ الفجر و صلوۃ الظھر کتب له کأنما قرأہ من اللیل .(۴) عن عائشة أن رسول اللہ ﷺ کان اذا فاتته الصلوۃ من اللیل من وجع أو غیرہ صلی من النھار ثنتی عشرۃ رکعة (مسلم شریف،باب من جامع صلوۃ اللیل ومن نام عنہ اُومرض،ص۳۰۳نمبر ۱۷۴۵/۱۷۴۷نمبر۱۷۴۳/۱۷۴۶)اس حدیث میں ہے کہ تہجد کی نماز چھوٹ جائے تو دن میں اسکی قضاء کرے۔اسلئے فجر اورظہر کی سنتوں کے علاوہ کو بھی اہتمام سے اداکرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۵ زیادہ بہتر ہے کہ تمام احوال میں سنتوں کو نہ چھوڑے اسلئے کہ وہ فرائض کومکمل کرنے والی ہیں۔مگر جبکہ وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو

(۵۰۸) ومن انتھی الی الامام فی رکوعه فکبر و وقف حتی رفع الامام رأسه لایصیر مدرکالتلک الرکعة﴾ ۱؎ خلافا لزفرؒ وھو یقول ادرک الامام فیما له حکم القیام ۲؎ ولنا ان الشرط ھو المشارکة فی افعال الصلوٰة ولم یوجد فی القیام ولا فی الرکوالمشارکة فی افعال الصلوٰة ولم یوجد فی القیام ولا فی الرکوع

تشریح : زیادہ بہتر یہ ہے کہ کسی بھی سنت رواتب کو کسی بھی وقت میں نہ چھوڑے، کیونکہ وہ فرائض کو پوری کرنے والی ہیں، ہاں وقت کے فوت ہونے کا خوف ہو تو اب چھوڑ دے کیونکہ اسکو اداء کرنے جائے گا تو فرض ہی قضاء ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۵۰۸) کوئی آدمی امام تک اسکے رکوع میں پہنچا، پس اس نے تکبیر کہی اور ٹھہرا رہا یہاں تک کہ امام نے اپنا سر اٹھالیا تو آدمی اس رکعت کو پانے والا نہیں ہوا۔

تشریح : کوئی آدمی اس وقت صف میں پہنچا جبکہ امام رکوع میں تھے، اس آدمی نے تکبیر کہی اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ رکوع میں شامل نہیں ہوا تھا کہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا، تو اس آدمی نے اس رکعت کو نہیں پایا، اس رکعت کو دوبارہ پڑھنا ہوگا۔

وجه: (۱) اثر میں ہے۔ عن ابن عمر قال : اذا أدركت الامام راكعا فركعت قبل ان يرفع فقد أدركت ، و ان رفع قبل أن تركع فقد فاتتك . (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يدرك الامام وهو راكع فيرفع الامام قبل أن يركع، ج ثانی، ص ۱۸۱، نمبر ۳۳۷۰ رمصنف ابن ابی شیبة، باب من قال اذا ادركت الامام وهو راكع فوضعت يديك على ركبتيك من قبل أن يرفع رأسه فقد ادركته، ج اول، ص ۲۲۰، نمبر ۲۵۲۰) اس اثر میں ہے کہ امام کے سر اٹھانے سے پہلے امام کو رکوع میں پا لیا تو وہ رکعت ملی ورنہ نہیں۔
(۲) اور دلیل عقلی یہ ہے کہ نماز کے افعال میں شرکت سے وہ رکعت ملے گی، اور قیام قرأت اور رکوع فرض ہیں، اب قیام اور قرأت میں شریک نہ ہو سکا تو کم سے کم رکوع میں تو شریک ہو اب اگر اس میں بھی شریک نہ ہو سکے تو تین فرائض چھوٹ جائیں گے، اب اتنے فرائض چھوٹنے سے کیسے رکعت ملے گی۔
گی! اس لئے امام کے ساتھ رکوع میں ملے گا تو رکعت ملے گی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ خلاف امام زفرؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ امام کو ایسی حالت میں پایا جسکا حکم قیام کا ہے۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ رکوع آدھا قیام ہے تو مقتدی بھی قیام میں ہے اور امام بھی رکوع یعنی قیام میں ہے، تو گویا کہ قیام میں دونوں کی شرکت ہوگئی، اور ایک رکن میں شرکت ہوگئی تو اس رکعت کو پا لیا۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرط افعال نماز میں شرکت کرنا ہے اور وہ نہیں پائی گئی، نہ قیام میں اور نہ رکوع میں [اسلئے اس رکعت کو نہیں پایا]

(۵۰۹) ولو ركع المقتدى قبل امامه فادركه الامام فيه جاز ﴾ ل وقال زفرؒ لايجزيه لان ماأتى به قبل الامام غير معتدبه فكذا مايبنى عليه

تشریح : ہماری دلیل عقلی یہ ہے کہ رکعت پانے کے لئے افعال نماز میں شرکت شرط ہے۔ یا قیام میں شرکت ہو یا رکوع میں شرکت ہو۔ اور یہ آدمی نہ قیام میں شرکت کر پایا اور نہ امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو سکا، اسلئے وہ رکعت نہیں ہوئی، اسکو دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

ترجمہ: (۵۰۹) اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع میں گیا پھر امام نے اسکو رکوع میں پایا تو رکوع ہو گیا۔

تشریح : مقتدی امام سے پہلے ہی رکوع میں چلا گیا بعد میں امام رکوع میں گیا تو مقتدی کا رکوع ہوا یا نہیں؟ تو فرماتے ہیں کہ مقتدی کا رکوع ہو گیا، اور اسکی اقتداء بھی درست ہوگئی

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ اقتداء کے لئے، یا رکوع درست ہونے کے لئے امام اور مقتدی کا ایک ساتھ شریک ہونا شرط ہے، اور دونوں رکوع میں شریک ہو گئے اسلئے رکوع ہو گیا، یہ اور بات ہے کہ امام کو پہلے رکوع میں جانا چاہئے اور مقتدی کو بعد میں، لیکن یہاں الٹا ہو گیا، تاہم رکوع ہو جائے گا

مقتدی امام سے پہلے رکوع سجدے میں جائے یہ مکروہ ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ (۱) سمعت أبا هريرة عن النبى ﷺ قال : ((أما يخشى أحدكم أو لا يخشى أحدكم اذا رفع رأسه قبل الامام أن يجعل الله رأسه رأس حمار ؟ أو يجعل الله صورته صورة حمار (بخاری شریف، باب اثم من رفع رأسه قبل الامام، ص ۹۶، نمبر ۶۹۱ / ابوداود شریف، باب التشديد فيمن يرفع قبل الامام أو يضع قبله، ص ۹۸، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ امام سے پہلے رکوع سجدے میں چلا جائے تو کہیں اسکا سر گدھے کے سر میں تبدیل نہ ہو جائے۔ (۲) عن معاوية بن ابى سفيان قال : قال رسول الله ﷺ ((لا تبادرونى بركوع و لا بسجود فانه مهما أسبقكم به اذا ركعت تدركونى به اذا رفعت انى قد بدنتُ ۔ (ابو داود شریف، باب ما یؤمر به المأموم من اتباع الامام، ص ۹۲، نمبر ۶۱۹) اس حدیث میں ہے کہ مجھ سے پہلے رکوع سجدے میں مت جایا کرو۔ اسلئے امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جانا مکروہ ہے۔، تاہم نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ل امام زفرؒ نے فرمایا کہ اسکو رکوع کافی نہیں ہے، اسلئے کہ جو کچھ امام سے پہلے لایا اسکا اعتبار نہیں ہے، اور اس چیز کا بھی اعتبار نہیں جو اس پر بناء کی گئی۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی نے امام سے پہلے رکوع کیا اور پھر بعد میں امام بھی اس رکوع میں شریک ہو گیا پھر بھی مقتدی کا وہ رکوع نہیں ہوا ۔

وجہ: اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ رکوع کا جو حصہ امام سے پہلے ادا کیا اسکا اعتبار نہیں ہے، اور امام کے شریک ہونے کے بعد رکوع کا

۲ ولنا ان الشرط هو المشاركة في جزء واحد كما في الطرف الاول .... والله اعلم.

جوحصہ اداء ہوا اسکی بناء رکوع کے پہلے حصے پر ہوا جو فاسد ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ فاسد پر جسکی بناء ہوگی وہ بھی فاسد ہو جائے گی، اسلئے رکوع کے بعد والا حصہ بھی فاسد ہو گیا، اور گویا کہ پورا رکوع فاسد ہو گیا، اور جب رکوع فاسد ہوا تو پوری رکعت بیکار گئی اسکو دوبارہ اداء کرنا ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کسی ایک جز میں شرکت شرط ہے، جیسے کہ پہلے ہی حصے میں شریک ہو جاتا۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ امام کے ساتھ رکوع کے کسی ایک حصے میں شریک ہو جانا ہی رکوع پانے کے لئے کافی ہے، چاہے شروع کے حصے میں، یا درمیان کے حصے میں، یا آخیر کے حصے میں، اور اس آدمی نے درمیان کے حصے میں امام کے ساتھ شرکت کر لی اسلئے رکوع مل گیا، اور رکوع ملنے کی وجہ سے پوری رکعت مل گئی۔ اب اسکو اس رکعت کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ واللہ اعلم۔

﴿باب قضاء الفوائت﴾

﴿(۵۱۰) من فاتته صلوٰة قضاها اذا ذكرها وقدمها علىٰ فرض الوقت﴾

﴿ باب قضاء الفوائت ﴾

ضروری نوٹ: قضاء الفوائت : جونماز فوت ہو جائے اور چھوٹ جائے اس کو فوائت کہتے ہیں۔ اور اس کے پڑھنے کو قضا کہتے ہیں۔ نماز قضا کرنا فرض ہے۔ کیونکہ نماز کو وقت پر پڑھنا فرض تھا جب وقت پر نہ پڑھ سکا تو اب قضا کرنا فرض ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال من نسی صلوة فلیصل اذا ذکر لا کفارة لها، الا ذلک﴿ و اقم الصلوة لذکری﴾** ،آیت ۱۴ سورۃ طٰہٰ ۲۰ (بخاری شریف، باب من نسی صلوۃ فلیصل اذا ذکر ص ۸۴ نمبر ۵۹۷ /ابو داؤد شریف، باب فی من نام عن صلوۃ او نسیھا ص ۷۰ نمبر ۴۳۵) اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ فوت نماز پڑھنا فرض ہے۔

اصول : یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ: جو نماز پہلے فوت ہوئی ہے اسکو پہلے اداء کرنا چاہئے۔ اسلئے اگر وقت میں گنجائش ہو تو فوت شدہ نماز پہلے پڑھے اور اسکے بعد وقتیہ نماز پڑھے، اسی طرح اگر مثلا چار نمازیں فوت ہوئیں ہیں تو جو نماز پہلے فوت ہوئی ہے اسکو پہلے پڑھے اور جو اسکے بعد فوت ہوئی ہے اسکو اسکے بعد پڑھے مثلا ظہر عصر اور مغرب فوت ہوئی ہیں تو پہلے ظہر پڑھے اسکے بعد عصر پڑھے، اسکے بعد مغرب پڑھے۔۔ ایسے آدمی کو صاحب ترتیب کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۵۱۰) جس کی نماز فوت ہوگئی اس کو قضا کرے جب یاد آئے۔ اور قضاء نماز کو وقتیہ فرض پر مقدم کرے۔

تشریح : کسی کی نماز فوت ہوگئی ہو تو تین شرطیں پائی جائیں تو فوت شدہ نماز کو پہلے پڑھنا واجب ہے [۱] ایک تو یہ کہ وقت تنگ نہ ہو۔ اگر وقت اتنا سا ہی کہ وقتیہ نماز ہی پڑھ سکتا ہے تو وقتیہ پڑھے فائتہ نماز چھوڑ دے اب ترتیب واجب نہیں رہی [۲] دوسری شرط یہ ہے کہ بھولا نہ ہو۔ اگر فائتہ نماز یاد ہی نہیں تھی کہ وقتیہ نماز پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ [۳] فوت شدہ نماز کثیر نہ ہو جائے، یعنی چھ نماز نہ ہو جائے۔ اگر چھ نماز سے کم فوت ہوئی ہے تو ترتیب واجب ہے اور چھ نماز ہوگئی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ اب یہ صاحب ترتیب نہیں رہا۔

وجہ: (۱) اوپر کی حدیث بخاری کے الفاظ ' **فلیصل اذا ذکر** ' سے معلوم ہوا کہ فائتہ کا وقت یاد آتے ہی قضا واجب ہوئی۔ اور وقتیہ کا وقت اس کے بعد ہوگا۔ اس لئے پہلے فائتہ ادا کی جائے گی بعد میں وقتیہ۔ حدیث کی اس تاکید سے ترتیب واجب ہوتی ہے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال من نسی صلوة فلم یذکرها الا وهو مع الامام فلیصل مع الامام فاذا فرغ من صلوته فلیعد الصلوة التی نسی ثم لیعد الصلوة التی صلی مع الامام** (سنن للبیہقی، باب من ذکر صلوۃ وھو فی اخری ج ثانی ص ۳۱۳، نمبر ۳۱۹۳ / دار قطنی، باب الرجل یذکر صلوۃ وھو فی

۱؎ والاصل فيه ان الترتيب بين الفوائت وفرض الوقت عندنا مستحق ۲؎ وعندالشافعیؒ مستحب لان كل فرض اصل بنفسه فلا يكون شرطا لغيره

اُخری، ج اول، ص ۴۰۰، نمبر ۱۵۴۴) اس حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ بھی وقتیہ نماز پڑھی ہے تو فائتہ قضا کرے۔ ترتیب برقرار رکھنے کے لئے وقتیہ کو لوٹائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے (۳) فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب برقرار رکھنے کی حدیث بخاری میں ہے **عن جابر قال جعل عمر يوم الخندق يسب كفارهم وقال يا رسول اللهؐ ! ما كدت اصلى العصر حتى غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلى رسول الله ﷺ بعد ما غربت الشمس ثم صلى المغرب** (بخاری شریف، باب قضاء الصلوات الاول فالاولی ص ۸۴ نمبر ۵۹۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص ۴۳ نمبر ۱۷۹ / ۱۸۰) اس حدیث میں عصر کی فائتہ پہلے پڑھی پھر مغرب کی وقتیہ پڑھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔ ورنہ تو مغرب کو مؤخر نہ کرتے۔ (۴) اثر میں ہے۔ **عن عامر وعن مغيرة عن عن ابراهيم قالا : اذا كنت فى صلوة العصر فذكرت أنك لم تصل الظهر فانصرف فصل الظهر ثم صل العصر** . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۸۷، الرجل یذکر صلوۃ علیہ وھو فی اُخری، ج اول، ص ۴۱۴، نمبر ۴۷۵۷) اس اثر میں ہے کہ پہلے فائتہ نماز پڑھے اسکے بعد وقتیہ نماز پڑھے۔

ترجمہ: ۱؎ اصل اس میں یہ ہے کہ فوت نماز کے درمیاں اور وقت کے فرض کے درمیان ترتیب مستحق ہے، یعنی واجب ہے۔

تشریح : وقتیہ نماز اور فوت شدہ نماز کے درمیان ہمارے یہاں ترتیب واجب ہے۔ اسکی دلیل حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ اسلئے کہ ہر فرض خود اصل ہے، اسلئے دوسرے کے لئے شرط نہیں ہوگی۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں اور دگر ائمہ کرام کے یہاں وقتیہ اور فائتہ کے درمیان ترتیب مستحب ہے، اسی طرح خود فائتہ نمازوں کے درمیان بھی ترتیب مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ موسوعہ میں انکی عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ : من فاتته الصلوة فذكرها و قد دخل فى صلوة غيرها مضى على صلوته التى هو فيها و لم تفسد عليه ، اماما كان أو ماموما، فاذا فرغ من صلوته صلى الصلوة الفائتة** (موسوعۃ امام شافعیؒ، الرجل یصلی وقد فاتتہ قبلھا صلوۃ، ج الثانی ص ۴۴، نمبر ۱۰۴۳) اس عبارت میں ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں ترتیب سنت ہے۔

وجہ : انکی دلیل عقلی یہ دے رہے ہیں کہ فوت شدہ نماز بھی اصل فرض ہے اور وقتیہ نماز بھی اصل فرض ہے، اسلئے وقتیہ نماز صحیح ہونے کے لئے فوت شدہ نماز کو اداء کر لینے کی شرط ہو یہ محتاجگی صحیح نہیں ہے، اسلئے ترتیب کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مستحب ہونا چاہئے (۲) امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک فائتہ اور وقتیہ کے درمیان اسی طرح بہت سی فائتہ کے درمیان ترتیب سنت ہے۔ وہ

۳؎ ولنا قوله عليه السلام من نام عن صلوة اونسيها فلم يذكرها الا وهو مع الامام فليصل التى هو فيها ثم ليصل التى ذكرها ثم ليعدالتى صلى مع الامام

بھی اوپر کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔اورایک حدیث یہ بھی ہے جوسنت پر دلالت کرتی ہے **عن علی بن طالب انه قال شغل رسول الله ﷺ یوم الاحزاب عن صلوة العصر حتی صلی ما بین المغرب والعشاء فقال شغلونا عن الصلوة الوسطی صلوة العصر ملأ الله قبورهم وبیوتهم نارًا** (سنن للبیھقی ،باب من قال بترک الترتیب فی قضائھن وھوقول طاؤس والحسن ج ثانی ص۳۱۲،نمبر۳۱۸۹)اس حدیث میں آپ ؐ نے عصر کی نماز مغرب کے بعد پڑھی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں سنت ہے۔(۳)اس حدیث میں ہے کہ وقتیہ نماز پڑھنے لگے اور فائتہ یاد آجائے تو پہلے وقتیہ پڑھ لے بعد میں فائتہ قضاء کرے،اس حدیث میں یہ جملہ نہیں ہے کہ فائتہ قضاء کرنے کے بعد پھر دوبارہ وقتیہ قضاء کرے جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے،صرف سنت ہے۔حدیث یہ ہے ۔**عن عبد الله بن عباس قال : قال رسول الله ﷺ ((اذا نسی أحدکم الصلوة فذکرها و هو فی صلاة مکتوبة ، فلیبدأ بالتی هو فیها ، فاذا فرغ منها صلی التی نسی** .(دار قطنی ،باب الرجل یذکرصلوة وھوفی أخری،ج اول ،ص۴۰۰،نمبر۱۵۴۳رسنن للبیھقی ،باب من ذکرصلوة وھوفی اخری ج ثانی ص۳۱۳،نمبر۳۱۹۶)اس حدیث میں ہے کہ وقتیہ شروع کر دیا ہوتو پہلے وقتیہ پڑھے پھر فائتہ نماز پڑھے۔جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب واجب نہیں ہے،سنت ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول: جونماز سے سوگیا یا بھول گیا،اور اسکو یاد نہیں آیا مگر یہ کہ وہ امام کے ساتھ ہو تو وہ نماز پڑھے جس میں وہ ہے،پھر وہ نماز پڑھے جو یاد آئی،پھر وہ نماز لوٹائے۔ یہ حدیث گزر چکی ہے،وہ یہ ہے۔**عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺقال من نسی صلوة فلم یذکرهاالا وهو مع الامام فلیصل مع الامام فاذا فرغ من صلوته فلیعد الصلوة التی نسی ثم لیعد الصلوة التی صلی مع الامام** (سنن للبیھقی ،باب من ذکرصلوة وھوفی اخری ج ثانی ص۳۱۳،نمبر۳۱۹۳ردار قطنی ،باب الرجل یذکرصلوة وھوفی أخری،ج اول،ص۴۰۰،نمبر۱۵۴۴)اس حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ جو وقتیہ نماز پڑھی ہے،فوت شدہ نماز پڑھنے کے بعد اس وقتیہ نماز کو بھی لوٹائے تاکہ فوت شدہ اور وقتیہ نماز کے درمیان ترتیب برقرار ہوجائے،اس سے ترتیب کے واجب ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔**أن ابا جمعة حبیب بن سباع و کان قد ادرک النبی ﷺ ((ان النبی ﷺ عام الاحزاب صلی المغرب ، فلما فرغ قال : هل علم أحدمنکم أنی صلیت العصر ؟ قالا : یا رسول الله ما صلیتها ، فأمر المؤذن فأقام الصلوة فصلی العصر ثم أعاد المغرب .**
(مسند احمد،مسند حدیث أبی جمعۃ حبیب بن سباع ؓ،ج خامس،ص۷۷،نمبر۱۶۵۲۷) اس حدیث میں ہے کہ مغرب کی نماز پڑھ لی

(۱۵۱۱) ولو خاف فوت الوقت يقدّمُ الوقتية ثم يقضيها ﴾ ۱ لان الترتيب يسقط بضيق الوقت ۲ وكذا بالنسيان ۳ وكثرة الفوائت كيلا يؤدّيَ الٰى تفويت الوقتية

تھی، پھر یاد آیا کہ عصر کی نماز نہیں پڑھی تو عصر کی نماز پڑھ کر مغرب کی نماز لوٹائی، جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب واجب ہے۔

ترجمه: (۵۱۱) اور اگر وقتیہ نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو وقتیہ نماز کو مقدم کرے پھر فوت شدہ نماز کو قضاء کرے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ ترتیب وقت کے تنگ ہونے سے ساقط ہو جاتی ہے۔

تشریح : یہاں سے ان تین شرطوں کا بیان ہے جن سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔ ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وقت اتنا تنگ ہو کہ اگر فوت شدہ نماز اداء کریں تو وقتی نماز کا وقت نہیں رہے گا، وہ قضاء ہو جائے گی۔

وجه : کیونکہ فوت شدہ نماز پڑھنے میں جب وقتیہ ہی قضاء ہو جائے گی اور فوت ہو جائے گی تو فوت شدہ نماز کو کیسے پڑھیں؟ اس سے تو وقتیہ جو اصلی ہے اسکا حق مارا جائے گا۔ اسلئے وقت تنگ ہو تو ترتیب ساقط ہو جائے گی. عن الحسن قال : اذا نسی الصلوات فليبدأ بالاولى فالاولى فان خاف الفوت يبدأ بالتي يخاف فوتها . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۸۳ فی الرجل ینسی الصلوات جمیعا، ج اول، ص ۴۱۰، نمبر ۴۷۲۵) اس اثر میں ہے کہ وقتیہ نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وقتیہ نماز پڑھے اور وقت تنگ ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

ترجمه: ۲ اور ایسے ہی بھول جانے سے۔

تشریح : آدمی بھول گیا کہ اس پر نماز قضاء ہے، اور وقتیہ نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی، اور ترتیب ساقط ہو گی

وجه : (۱) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ سألت الحكم و حماد ا عن رجل ذكر صلوة و هو في صلوة قالا : اذا ذكر ها قبل أن يتشهد أو يجلس مقدار التشهد ترك هذه و عاد الى تلك فان ذكرها بعد ذالك اعتد بهذه و عاد الى تلك . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۸۷، الرجل یذکر صلوۃ علیہ وھو فی اُخری، ج اول، ص ۴۱۴، نمبر ۴۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ بھول کر عصر کی نماز پوری پڑھ لی بعد میں یاد آیا کہ مجھ پر ظہر کی نماز قضاء ہے تو اب ترتیب ساقط ہو گئی اور عصر کی نماز صحیح ہو گئی۔ (۲) بھول جانا عذر ہے اسلئے اس سے بھی ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

ترجمه: ۳ اور فائتہ نماز کثیر ہو جائے [تب بھی ترتیب ساقط ہو جائے گی] تا کہ وقتیہ کے فوت ہونے تک نہ پہنچائے

تشریح : ایک دن ایک رات کی نماز پانچ ہوتی ہیں، یہ قلیل ہیں اور اس سے زیادہ ہو جائے، یعنی چھ نمازیں قضاء ہو جائے تو یہ کثیر ہیں اس سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ ان تمام کو اداء کرنے جائے گا تو اس میں اتنا وقت صرف ہو جائے گا کہ وقتیہ نماز جسکا وقت ہے وہی قضاء ہو جائے گی، اور اسکا حق مارا جائے گا اسلئے نماز زیادہ ہونے سے بھی ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

(٥١٢) ولو قدم الفائتة جاز۞ ل لان النهى عن تقديمها لمعنى فى غيرها ٢ بخلاف ماذا كان فى الوقت سَعَةٌ وقدّم الوقتية حيث لايجوز لانه ادّاها قبل وقتها الثابتِ بالحديث

ترجمہ: (۵۱۲) اور اگر فوت شدہ نماز کو پہلے پڑھ لیا تو جائز ہے۔

تشریح: وقت اتنا تنگ ہے کہ فوت شدہ نماز پڑھے گا تو وقتیہ نماز فوت ہو جائے گی اسلئے اسکو وقتیہ نماز پڑھنی چاہئے ،لیکن پھر بھی اس نے فوت شدہ نماز پڑھ لی اور وقتیہ نماز فوت کر دی، تو فوت شدہ نماز ہو جائے گی ،البتہ وقتیہ نماز کو فوت کرنے کا گناہ ہوگا۔

وجہ: یہ وقت وقتیہ نماز کا بھی ہے اور اس میں فوت شدہ نماز بھی پڑھ سکتا ہے،اسلئے وقتیہ چھوڑ کر فائتہ پڑھ لیا تو فائتہ نماز ہو جائے گی۔اگر چہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔کیونکہ فائتہ پڑھنے سے وقتیہ فوت ہوگئی۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ مقدم کرنے سے جو روکا گیا ہے وہ ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو غیر میں ہے۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تنگ وقت میں فوت شدہ نماز پہلے پڑھنے سے اسلئے روکا گیا ہے کہ غیر کا حق مارا جائے گا ،یعنی وقتیہ نماز جو اصل ہے وہ بھی فوت ہو جائے گی۔تاہم فوت شدہ نماز کا بھی یہ وقت ہے اسلئے اسکو پڑھنے سے اداء ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٢ بخلاف جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور وقتیہ کو پہلے پڑھ لے تو جائز نہیں ہے اسلئے کہ وقتیہ کو اسکے وقت سے پہلے اداء کر لیا جو حدیث سے ثابت ہے۔

تشریح: وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ فوت شدہ نماز پڑھ سکے پھر بھی یاد ہوتے ہوئے فوت شدہ نماز نہیں پڑھی اور وقتیہ نماز پڑھ لی تو یہ وقتیہ نماز ہوگی ہی نہیں۔فوت شدہ نماز پڑھنے کے بعد وقتیہ کو دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث سے پتہ چلا کہ وقت میں گنجائش ہو تو فوت شدہ نماز اداء کرنے کے بعد وقتیہ نماز کا وقت آتا ہے اور اس نے فوت شدہ نماز پڑھنے سے پہلے وقتیہ پڑھ لی تو گویا کہ وقتیہ کو وقت سے پہلے پڑھی ،اور قاعدہ یہ ہے کہ وقت سے پہلے نماز پڑھی ہو تو وہ نماز ہی نہیں ہوتی اسلئے یہ وقتیہ نماز ہی نہیں ہوگی۔(۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ فوت شدہ نماز سے پہلے وقتیہ پڑھ لی تو اسکو دہرائے۔اور اسکی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ گویا کہ وقت سے پہلے پڑھ لی۔حدیث یہ ہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔

عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال من نسى صلوة فلم يذكرها الا وهو مع الامام فليصل مع الامام فاذا فرغ من صلوته فليعد الصلوة التى نسى ثم ليعد الصلوة التى صلى مع الامام (سنن للبیھقی ،باب من ذکر صلوۃ وھو فی اخری ج ثانی ص ۳۱۳،نمبر ۳۱۹۳ /دار قطنی ،باب الرجل یذکر صلوۃ وھو فی اُخری ،ج اول ،ص ۴۰۰،نمبر ۱۵۴۴) اس حدیث میں ہے کہ فوت شدہ نماز سے پہلے وقتیہ پڑھ لی تو اس نماز کو دوبارہ پڑھے۔

(**نوٹ**) بعض علماء کی رائے ہے کہ حدیث سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ فوت شدہ نماز اور وقتیہ کے درمیان ترتیب باقی رکھنے کے لئے وقتیہ کو دوبارہ پڑھ لے۔لیکن اس حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ وقتیہ نماز فاسد ہو جائے گی ،اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ

(۵۱۳) ولو فاتته صلواتٌ رَتّبَهَا فی القضاء کما وجبت فی الاصل﴾ ۱؎ لان النبی علیه السلام شغل عن اربع صلوٰت یوم الخندق فقضا هن مرتّبًا ثم قال صلّوا کما رأیتمونی اصلّی (۵۱۴) الا ان یزید الفوائت علٰی ستة صلواتٍ﴾

اسکا وقت بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۵۱۳) اور اگر بہت سی نمازیں اس سے فوت ہوگئیں تو قضاء میں انکو ترتیب وار کرے جیسا کہ اصل میں واجب ہوئی

تشریح: جس طرح فائتہ اور وقتیہ میں ترتیب ضروری ہے اسی طرح بہت سے فوائت ہو جائیں تو ان کے درمیان میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ مثلا پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا پڑھے گا۔ جس ترتیب سے اصل میں وقتیہ نماز واجب ہوئی تھی، اسی ترتیب سے قضاء بھی واجب ہوگی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **قال عبد الله ان المشرکین شغلوا رسول الله عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ما شاء الله فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص ۴۳، نمبر ۱۷۹ ر نسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ ص ۸۵، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ترتیب کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے۔ پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشا پڑھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کئی نمازیں فوت ہوئیں ہوں تو انکے درمیان بھی ترتیب ضروری ہے۔ لیکن اگر چھ نمازیں قضا ہو جائیں تو چونکہ اب ان کو قضا کرتے کرتے وقتیہ بھی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے اب ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ تاہم وقت ملے تو ترتیب برقرار رکھے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نبی علیہ السلام جنگ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول ہوگئے تو انکو ترتیب وار قضاء فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ایسے ہی نماز پڑھو جیسے تم لوگ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھے۔

تشریح: یہ حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ اس حدیث کا ایک ٹکڑا ابھی اوپر گزرا، (ابوداود شریف، نمبر ۱۷۹، نسائی شریف، نمبر ۲۶۳) اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔ **حدثنا مالک قال: أتینا الی النبی ﷺ و نحن شیبة متقاربون فأقمنا عنده عشرین یوماً و لیلة .... و صلوا کما رأیتمونی أصلی فاذا حضرت الصلوة فلیؤذن لکم أحدکم و لیؤمکم أکبرکم.** (بخاری شریف، باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعۃ والاقامۃ وکذالک بعرفۃ وجمع ص ۸۷، نمبر ۶۳۱) اس حدیث میں ہے کہ ((و صلوا کما رأیتمونی أصلی)) کہ جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح نماز پڑھا کرو۔

ترجمہ: (۵۱۴) مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں چھ سے زیادہ ہو جائے [تو ترتیب ساقط ہو جائے گی]

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے یہ نمازیں کثیر ہوگئیں، اب ان سب کو ادا کرنے جائیں تو وقتیہ نماز بھی فوت ہو سکتی ہے اسلئے اب ترتیب

۱ لان الفوائت قد كثرت فتسقط الترتيب فيما بين الفوائت بنفسها كما يسقط بينها وبين الوقتية ۲ وحده الكثرة ان تصير الفوائت ستا بخروج وقت الصلوٰة السادسة وهو المراد بالمذكور فى الجامع الصغير وهو قوله

ساقط ہوجائے گی۔(۲)عن ابراهيم قال : كان يقول فى المغمى عليه اذا أغمى عليه يوم و ليلة أعاد و اذا كان اكثر من ذالک لم يعد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۴۷ ما یعید المغمی علیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ۷۱، نمبر ۶۵۹۱ رمصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ، ج ثانی، ص ۳۱۷، نمبر ۴۱۶۳)اس اثر میں ہے کہ ایک دن رات سے زیادہ نمازیں بیہوشی میں گزر جائیں تو اسکی قضاء نہیں ہے اور اس سے کم ہو تو اسکی قضاء ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک دن رات یعنی پانچ نمازوں تک کم ہے اور اس سے زیادہ کثیر ہے۔(۳)اس اثر میں ہے۔عن الحسن قال : اذا نسى الصلوات فليبدأ بالاولى فالاولى فان خاف الفوت يبدأ بالتى يخاف فوتها . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۸۳ فی الرجل ینسی الصلوات جمیعا، ج اول، ص ۴۱۰، نمبر ۴۷۲۵)اس اثر میں ہے کہ وقتیہ نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وقتیہ نماز پڑھے اور وقت تنگ ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوجائے گی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ فوت شدہ نماز زیادہ ہوگئی تو خود فوت شدہ نمازوں کے درمیان ترتیب ساقط ہوجائے گی، جیسے کہ وقتیہ اور فوت شدہ کے درمیان ترتیب ساقط ہوجائے گی۔

تشریح : یہ ترتیب ساقط ہونے کی دلیل عقلی ہے۔کہ نماز زیادہ ہوجائے تو وقتیہ اور فوت شدہ کے درمیان ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔اسی طرح خود فوت شدہ نمازوں کے درمیان بھی ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔

ترجمہ: ۲ اور کثرت کی حد یہ ہے کہ فوت شدہ نمازیں چھ ہوجائیں، چھٹی نماز کے وقت کے نکل جانے سے۔جامع صغیر میں جو مذکور ہے اسکا یہی مطلب ہے۔

تشریح : یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ چھٹی نماز کا وقت نکل جائے اور فوت ہوجائے تب چھ نمازیں پوری ہونگیں اور اسکے بعد وقتیہ نماز پڑھے تو اسکے لئے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ ترتیب ساقط ہوگئی۔جامع صغیر میں ایک عبارت ہے اسکا مطلب بھی یہی ہے۔جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔محمد عن يعقوب عن ابى حنيفةؒ فى رجل فاتته صلوة يوم و ليلة أو اقل فصلى صلوة دخل وقتها قبل أن يبدأ بما فاته لم يجز ، و ان فاته أكثر من يوم و ليلة أجزته التى بدأ . (جامع صغیر، باب فیمن تفوتہ الصلوۃ، ص ۱۰۶)اس عبارت میں ہے کہ ایک دن سے کم نماز فوت ہوئی ہو تو ترتیب واجب ہے اور ایک دن سے زیادہ یعنی چھ نمازیں قضاء ہوجائے تو ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔اور ایک دن رات سے زیادہ ہونے کا مطلب یہ ہے چھٹی نماز کا وقت نکل جائے۔

(۵۱۵) وان فاتته اكثر من صلوات يوم وليلة اجزأته التى بدأبها ﴾ ١ لانه اذازاد علىٰ يوم وليلة تصيرستاً ٢ وعن محمدؒ انه اعتبر دخول وقت السادسة ٣ والاوّل هو الصحيح لان الكثرة بالدخول فى حدالتكرار وذٰلک فى الاول

ترجمه: (۵۱۵) اوراگرایک دن اورایک رات سے زیادہ کی نمازفوت ہوجائے توجس نمازکوشروع کیاوہ جائز ہوجائے گی۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ ایک دن اورایک رات سے زیادہ ہوجائےتوچھ نمازیں ہوجائیں گی۔

تشریح: متن کی یہ عبارت جامع صغیر کی ہےجسکواوپرلکھ چکاہوں۔جسکامطلب یہ ہے کہ ایک دن ایک رات سے زیادہ نماز فوت ہوجائے اورچھٹی نمازکابھی وقت نکل جائےتوچھ نماز ہوجائے گی اوراب انکویادکرتے ہوئے بھی وقتیہ نماز پڑھ لے وقتیہ نماز فاسدنہیں ہوگی، بلکہ ہوجائے گی۔

ترجمه: ٢ اورمحمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے چھٹی کے وقت کے داخل ہونے کااعتبارکیا۔

تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ چھٹی نمازکاوقت صرف داخل ہوگیا، پھربھی کثیرہوگئی اوراب وقتیہ کوپڑھناجائز ہوگیا۔

ترجمه: ٣ پہلی روایت صحیح ہے۔اسلئے کہ کثرت ہوتی ہے حدتکرارمیں داخل ہونے سے،اوریہ پہلی روایت میں ہے

تشریح: پہلی روایت یہ ہے کہ چھٹی نمازکاوقت نکل جائےتب کثیرہوگی،صرف داخل ہونے سے کثیرنہیں ہوگی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ کثیراس وقت ہوگی جب قضاءنمازکی تکرارہوجائے،مثلافجرسےعشاءتک قضاءہوئی ہےتوتکراراس وقت ہوگی جب اگلے دن کی فجربھی قضاءہوجائے،اوراگلے دن کی فجراس وقت قضاءشمارکی جائے گی جب اسکاوقت نکل جائے،کیونکہ وقت باقی ہوتوابھی اداءکر سکتاہے ،اسلئے چھٹی نمازکاوقت نکل جائےتونمازکثیرہوگی اوراب ترتیب ساقط ہوگی۔

وجه: اس اثرمیں اسکاثبوت ہے۔(۱) عن ابراهيم قال : كان يقول فى المغمى عليه اذا أغمى عليه يوم و ليلة أعاد و اذا كان اكثر من ذالک لم يعد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۴۷ مایعیدالمغمی علیہ من الصلوۃ،ج ثانی،ص ۷۱،نمبر ۶۵۹۱ رمصنف عبدالرزاق،باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ،ج ثانی،ص ۳۱۷،نمبر ۴۱۶۳ رکتاب الآثارلامام محمدؒ،باب صلوۃ المغمی علیہ،ص ۳۴،نمبر ۱۶۹)(۲)عن نافع عن ابن عمر أنه أغمى عليه أياما فأعاد صلوة يومه الذى أفاق فيه و لم يعد شيئا مما مضى . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۴۷ مایعیدالمغمی علیہ من الصلوۃ،ج ثانی،ص ۷۱،نمبر ۶۵۸۵ رمصنف عبد الرزاق،باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ،ج ثانی،ص ۳۱۷،نمبر ۴۱۶۳) ان دونوں اثروں سے معلوم ہواکہ چھٹی نماز قضاءہوجائےتب وہ کثیرہوگی۔

(۵۱۶) ولو اجتمعت الفوائت القديمة والحديثة قيل يجوز الوقتية مع تذكر الحديثة لكثرة الفوائت ﴾ ۱؎ وقيل لايجوز ويجعل الماضى كان لم يكن زجراله عن التهاون (۵۱۷) ولو قضى بعض الفوائت حتى قلّ مابقى عاد الترتيب عند البعض ﴾ ۱؎ وهو الاظهر

ترجمہ: (۵۱۶) اگر پرانی فوت شدہ نماز اورنئی فوت شدہ نماز جمع ہوگئیں،تو کہا گیا ہے کہ نئی نماز کو یاد کرتے ہوئے وقتیہ نماز پڑھنا جائز ہے،فوت شدہ نماز کی کثرت ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : مثلا پانچ نمازیں پرانی قضاء ہوئیں اور پانچ نمازیں نئی قضاء ہوئیں،تو دونوں ملا کر دس ہوئیں،لیکن نئی نمازیں تو پانچ ہی ہیں جو کثیر نہیں ہیں،تاہم اس وقت میں گنجائش تو ان پانچ نمازوں کو یاد کرتے ہوئے وقتیہ نماز پڑھنا جائز ہے،اسلئے کہ پرانی اور نئی دونوں کو ملا کر دس نمازیں ہوگئیں جو کثیر ہے،اسلئے وقتیہ نماز جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وقتیہ پڑھنا جائز نہیں ہے،اور پرانی نمازوں کو ایسا سمجھو کہ قضاء ہوئی ہی نہیں سستی سے تنبیہ کرنے کے لئے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ سستی کی وجہ سے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے پرانی نماز کو کالعدم کیا جائے گا اور نئی کو سامنے رکھا جائے گا اور نئی نمازیں کثیر نہیں ہیں اسلئے وقتیہ نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لغت: حدیثۃ: نئی نماز۔ زجرا: تنبیہ کرنا۔ تھاون: سستی۔

ترجمہ: (۵۱۷) اگر بعض فوت شدہ نماز کو قضاء کر لی یہاں تک کہ باقی نمازیں چھ سے کم ہوگئی تو بعض کے نزدیک ترتیب لوٹ آئے گی۔

ترجمہ: ۱؎ ظاہر روایت یہی ہے۔

تشریح : مثلا سات نمازیں قضاء ہوگئیں جنکی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی،لیکن اس آدمی نے چار نمازیں قضاء کر لی اور اس پر صرف تین نمازیں باقی رہیں تو اب یہ آدمی دوبارہ صاحب ترتیب بن جائے گا یا نہیں۔اس بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترتیب واپس آجائے گی۔اور ان تین نمازوں کو یاد کرتے ہوئے وقتیہ پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔ظاہر روایت یہی ہے۔

وجہ : (۱) زیادہ نماز فوت ہونے سے ترتیب اس لئے ساقط کی گئی کہ اتنی نمازوں کو پڑھنے میں خود وقتیہ نماز فوت ہونے کا خطرہ ہے۔اور جب نماز قضاء کرتے کرتے پانچ سے کم ہوگئی تو اب اسکو اداء کرنے میں وقتیہ نماز کے فوت ہونے کا خطرہ نہیں ہے اسلئے ترتیب واپس لوٹ آنی چاہئے۔(۲) اس اثر میں اسکا اشارہ ہے **عن الحسن قال : اذا نسی الصلوات فلیبدأ بالاولی فالاولی فان خاف الفوت یبدأ بالتی یخاف فوتھا** (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۸۳ فی الرجل ینسی الصلوات جمیعا، ج

۲ فانه رُوِیَ عن محمدؒ فی من ترک صلوٰۃ یوم ولیلۃ وجعل یقضی من الغد مع کل وقتیۃ فائتۃ فالفوائت جائزۃ علٰی کل حال والوقتیات فاسدۃ ان قدمھا لدخول الفوائت فی حدالقلۃ

اول،ص۴۱۰،نمبر ۴۷۲۵)اس اثر میں ہے کہ وقتیہ فوت ہونے کا خطرہ ہوتو فائتہ نہ پڑھے بلکہ وقتیہ پڑھے،اس سے معلوم ہوا کہ کثرت نماز سے وقتیہ فوت ہونے کا خطرہ ہوتو ترتیب ساقط ہوگی،اور پانچ نماز سے کم باقی رہی ہوتو اسکے اداء کرنے میں وقتیہ فوت ہونے کا خطرہ نہیں ہے اسلئے اب ترتیب لوٹ آئے گی۔

ترجمہ: ۲ چنانچہ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ کسی نے ایک دن ایک رات کی نماز چھوڑی،اور اگلے دن ہر وقتیہ کے ساتھ فوت شدہ نماز قضاء کرتا رہا،تو فائتہ ہر حال میں جائز ہیں،اور وقتیات فاسد ہوتی رہیں گی اگر انکو فائتہ سے مقدم کیا،اسلئے کہ فوت شدہ نماز قلیل کی حد میں داخل ہوتی رہی۔

تشریح : اس عبارت سے ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی فائتہ نمازیں قضاء کرتے کرتے چھ سے کم ہو جائیں تو ترتیب لوٹ آتی ہے،جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ کم ہونے سے ترتیب لوٹ آئے گی۔

مسئلے کی صورت یہ ہے کہ،ایک آدمی نے ایک دن اور ایک رات کی پانچ نمازیں چھوڑ دیں،اسلئے یہ آدمی صاحب ترتیب ہے ،مثلا پیر کے دن کی فجر،ظہر،عصر،مغرب،اور عشاء چھوڑی۔دوسرے دن یعنی منگل کے دن ہر وقتیہ نماز کے ساتھ ایک نماز کی قضاء کرنی شروع کی۔تو اب دو صورتیں ہیں[۱] ایک تو یہ کہ ہر وقت میں وقتیہ نماز پہلے پڑھے اور فوت شدہ بعد میں۔[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہر وقت میں فوت شدہ نماز پہلے پڑھے اور اسکے بعد وقتیہ نماز پڑھے۔۔دونوں صورتوں میں فوت شدہ نماز اداء ہوتی جائے گی اور وقتیہ نماز کا حال یہ ہوگا کہ جن صورتوں میں وہ صاحب ترتیب ہے ان صورتوں میں وقتیہ نماز فاسد ہو جائے گی۔اور جن صورتوں وہ صاحب ترتیب نہیں ہے ان صورتوں میں وقتیہ نماز صحیح ہوگی۔

نوٹ : ان تمام صورتوں میں دو باتیں قدر مشترک ہیں[۱] ان تمام صورتوں میں فائتہ نمازیں اداء ہوتی جاتیں ہیں۔اور صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے وقتیہ نمازیں فاسد ہوتیں جاتیں ہیں۔[۲] جب جب اس پر چھ نمازیں قضاء ہوتیں ہیں تو وہ صاحب ترتیب باقی نہیں رہتا۔اور جوں ہی اداء کرتے کرتے چھ سے کم ہو جاتیں ہیں تو یہ واپس صاحب ترتیب بن جاتا ہے۔۔اب تفصیل دیکھیں۔

﴿ وقتیہ نماز پہلے اور فوت شدہ بعد میں پڑھنے کا اثر ﴾

[۱۔فجر]۔منگل کے دن کی فجر وقتیہ کے ساتھ پیر کی فجر کی بھی قضاء کی۔۔لیکن وقتیہ پہلے پڑھی اور فوت شدہ فجر بعد میں،اب جیسے ہی وقتیہ فجر پڑھی تو وہ فاسد ہوگئی،کیونکہ اس آدمی پر پیر کے دن کی صرف پانچ نمازیں (۱۔فجر،۲۔ظہر،۳۔عصر،۴۔مغرب،۵۔عشاء

)قضاء ہونے کی وجہ سے صاحب ترتیب تھا ۔لیکن اب اس پر چھ نمازیں فوت ہوگئیں ۔ پانچ نمازیں پیر کے دن کی اور منگل کے دن کی (۶۔فجر)۔اور یہ آدمی صاحب ترتیب نہیں رہا،اب تین منٹ کے بعداس نے پیر کے دن کی فوت شدہ فجر پڑھی تو وہ جائز ہو گئی ، کیونکہ اس آدمی پر چھ نمازیں قضاء ہونے کی وجہ سے صاحب ترتیب نہیں رہا۔لیکن جیسے ہی پیر کے دن کی فجر کی قضاء کی اور وہ جائز بھی ہوگئی تو اب اس پر صرف پانچ نمازیں ہی فوت رہی ۔۔ پیر کے دن کی (۱۔ظہر،۲۔عصر،۳۔مغرب،۴۔عشاء)،اور منگل کے دن کی (۵۔فجر)۔کل پانچ نمازیں ہوئیں ۔اور یہ آدمی دوبارہ صاحب ترتیب لوٹ آیا۔

[۲۔ظہر] پھر منگل کے دن منگل کی وقتیہ ظہر پہلے پڑھی تو وہ فاسد ہوگئی ۔ کیونکہ وہ صاحب ترتیب ہے ۔لیکن پھر اس پر چھ نمازیں قضاء ہوگئیں ۔ پیر کے دن کی ۔(۱۔ظہر،۲۔عصر،۳۔مغرب،۴۔عشاء،)۔اور منگل کے دن کی (۵۔فجر،۶۔ظہر)اسلئے یہ صاحب ترتیب نہیں رہا۔

اب تین منٹ کے بعد پیر کی فوت شدہ ظہر پڑھی تو وہ جائز ہوجائے گی ۔اور اس پر صرف پانچ نمازیں باقی رہیں گی ۔

پیر کے دن کی (۱۔عصر،۲۔مغرب،۳۔عشاء)۔اور منگل کے دن کی (۴۔فجر،۵۔ظہر)اسلئے اب یہ صاحب ترتیب لوٹ آیا۔

[۳۔عصر] پھر منگل کے دن منگل کی وقتیہ عصر پہلے پڑھی تو وہ فاسد ہوگئی کیونکہ وہ صاحب ترتیب ہے ۔لیکن پھر اس پر چھ نمازیں قضاء ہوگئیں ۔ پیر کے دن کی ۔(۱۔عصر،۲۔مغرب،۳۔عشاء،)۔اور منگل کے دن کی (۴۔فجر،۵۔ظہر،۶۔عصر)اسلئے یہ صاحب ترتیب نہیں رہا۔

اب تین منٹ کے بعد پیر کی فوت شدہ عصر پڑھی تو وہ جائز ہوجائے گی ۔اور اس پر صرف پانچ نمازیں باقی رہیں گی ۔

پیر کے دن کی (۱۔عصر،۲۔مغرب،۳۔عشاء)۔اور منگل کے دن کی (۴۔فجر،۵۔ظہر)اسلئے اب یہ صاحب ترتیب لوٹ آیا۔

[۴مغرب] پھر منگل کے دن منگل کی وقتیہ مغرب پہلے پڑھی تو وہ فاسد ہوگئی کیونکہ وہ صاحب ترتیب ہےلیکن پھر اس پر چھ نمازیں قضاء ہوگئیں پیر کے دن کی (۱۔مغرب ،۲۔عشاء،)اور منگل کے دن کی (۳۔فجر،۴۔ظہر،۵۔عصر،۶۔مغرب)اسلئے یہ صاحب ترتیب نہیں رہا۔

اب تین منٹ کے بعد پیر کی فوت شدہ مغرب پڑھی تو وہ جائز ہوجائے گی ۔اور اس پر صرف پانچ نمازیں باقی رہیں گی ۔

پیر کے دن کی (۱۔عشاء)۔اور منگل کے دن کی (۲۔فجر،۳۔ظہر،۴۔عصر،۵۔مغرب)اسلئے اب یہ صاحب ترتیب لوٹ آیا۔

[۵عشاء] پھر منگل کے دن منگل کی وقتیہ عشاء پہلے پڑھی تو وہ فاسد ہوگئی کیونکہ وہ صاحب ترتیب ہےلیکن پھر اس پر چھ نمازیں قضاء ہوگئیں ۔ پیر کے دن کی ۔(۱۔عشاء،)۔اور منگل کے دن کی (۲۔فجر،۳۔ظہر،۴۔عصر،۵۔مغرب ،۶۔عشاء)اسلئے یہ صاحب ترتیب نہیں رہا۔

اب تین منٹ کے بعد پیر کی فوت شدہ عشاء پڑھی تو وہ جائز ہوجائے گی ۔اور اس پر صرف پانچ نمازیں باقی رہیں گی ۔

۳ وان اخرها فکذلک ۴ الا العشاء الاخیرة لانه لافائتة علیه فی ظنه حال ادائها

منگل کے دن کی (۱۔فجر،۲۔ظہر،۳۔عصر،۴۔مغرب،۵۔عشاء) اسلئے اب یہ صاحب ترتیب لوٹ آیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کثیر نماز والا نماز اداء کرتے کرتے چھ سے کم پر آجائے تو پھر وہ دوبارہ صاحب ترتیب بن جائے گا۔

البتہ مسئلہ نمبر ۵۲۰، سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دن ایک رات تک وقتیہ نماز فاسد ہوتی رہے گی، اسکے بعد اگر انہوں نے ترتیب کی رعایت نہیں کی تو سمجھا جائے گا کہ یہ پرانی نماز بھول گیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ فائتہ نماز بھول کر وقتیہ پڑھ لے تو وقتیہ نماز ہو جاتی ہے۔ اسلئے اب اس آدمی کی وقتیہ نماز ہوتی جائے گی۔

﴿فوت شدہ نماز پہلے اور وقتیہ بعد میں پڑھے تو اسکا اثر﴾

ترجمہ: ۳ اور اگر وقتیہ کو بعد میں پڑھا تو بھی ایسا ہی ہوگا کہ [کہ وقتیہ فاسد ہوتی جائے گی اور فائتہ اداء ہوتی جائے گی]۔

تشریح : اگر وقتیہ نماز پہلے پڑھی تو اس پر صرف پانچ نمازیں فوت ہیں اسلئے وہ فاسد ہوتی جائے گی، اور اسکے بعد جو فائتہ نماز پڑھتا جا رہا ہے وہ اداء ہوتی جائے گی۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔۔ اور اگر فائتہ نماز پہلے پڑھی تو وہ ہو جائے گی، اور صاحب ترتیب ہونے کی وجہ سے وقتیہ نماز فاسد ہوتی جائے گی۔ مثلا پیر کے دن کی (،۱۔فجر،۲۔ظہر،۳۔عصر،۴۔مغرب،۵۔عشاء،) قضاء ہوگئی۔ اب اسکو منگل کے دن اس ترتیب سے قضاء کر رہا ہے کہ فوت شدہ نماز پہلے پڑھی اور وقتیہ نماز بعد میں۔ اب پیر کے دن کی فجر پہلے پڑھی تو وہ اداء ہوگئی، اور اس آدمی پر پیر کے دن کی صرف چار نمازیں فوت رہیں، ۱۔ظہر،۲۔عصر،۳۔مغرب،۴۔عشاء، اور یہ صاحب ترتیب باقی رہا، تین منٹ کے بعد منگل کے دن کی وقتیہ فجر پڑھی تو وہ فاسد ہوگئی، اسلئے کہ یہ صاحب ترتیب ہے، لیکن اب اس پر پانچ نمازیں فوت ہوگئیں۔ پیر کے دن کی (،۱۔ظہر،۲۔عصر،۳۔مغرب،۴۔عشاء) اور منگل کے دن کی (۵۔فجر) تاہم یہ ابھی بھی صاحب ترتیب ہے اسلئے کہ اس پر صرف پانچ نمازیں ہی فوت ہیں۔۔ اس صورت میں ہر موقع پر چار نمازیں فوت ہونگیں، یا پانچ نمازیں۔ چھ نمازیں کبھی فوت نہیں ہونگیں اسلئے آدمی ہمیشہ صاحب ترتب ہی رہے گا

ترجمہ: ۴ مگر آخیر عشاء [فاسد نہیں ہوگی] اسلئے اسکے اداء کرنے کے وقت اسکے گمان میں ہے کہ اس پر فوت شدہ نماز نہیں ہے۔

تشریح : آخیر عشاء سے مراد ہے دوسرے دن کی وقتیہ عشاء، پچھلی مثال میں منگل کے دن کی عشاء بنتی ہے ۔ یہ وقتیہ عشاء صاحب ترتیب ہونے کے باوجود فاسد نہیں ہوگی، جائز ہو جائے گی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پڑھنے والا فائتہ نماز کو اداء نہیں کر رہا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ گویا کہ وہ اسکو بھولا ہوا ہے، یا یاد ہے لیکن یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے کہ وہ صاحب ترتیب ہے، اور اسکی وقتیہ نماز فاسد ہوتی چلی جا رہی، تو وہ بھی فائتہ کے بھولنے والے ہی کے درجے میں ہے، اور بھول کر وقتیہ پڑھ لے تو وہ جائز ہو جاتی ہے، اسلئے

﴿(۵۱۸) ومن صلى العصر وهو ذاكر انه لم يصل الظهر فهي فاسدة الا اذا كان في اٰخر الوقت ﴾ لے وهي مسألة الترتيب (۵۱۹)واذا فسدت الفرضية لايبطل اصل الصلوٰة عند ابي حنيفة وابي يوسف﴾

دوسرے دن کی عشاء بھی جائز ہوجائے گی۔۔ چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکو یاد ہوکہ اس پر فائتہ ہے،اور مسئلہ بھی معلوم ہوکہ صاحب ترتیب کی وقتیہ فاسد ہوجاتی ہے تو اسکی یہ عشاء فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ: (۵۱۸) کسی نے عصر کی نماز پڑھی یہ یاد کرتے ہوئے کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو عصر کی نماز فاسد ہو جائے گی۔مگر جبکہ آخری وقت میں ہو۔

ترجمہ: لے اور یہ ترتیب کا مسئلہ ہے۔[دوبارہ اصل نماز اور وصف نماز کو بیان کرنے لئے لایا ہے۔]

تشریح: کسی نے عصر کی نماز پڑھی،اور اسکو یاد ہے کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی اور وقت میں گنجائش بھی ہے تو اسکی عصر کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ یہ مسئلہ گزر چکا ہے لیکن یہ بیان کرنے لئے کہ ترتیب کو چھوڑنے کی وجہ سے نماز باطل ہوئی تو اصل نماز بھی باطل ہوگئی، یا صرف نماز کا وصف باطل ہوا،اسلئے اس مسئلے کو دوبارہ ذکر کیا۔

وجہ: (۱)اسکی وجہ یہ ہے کہ اس آدمی پر ایک نماز قضاء ہے اسلئے یہ صاحب ترتیب ہے،اور وقت میں بھی گنجائش ہے اسلئے فوت شدہ نماز کو یاد کرتے ہوئے وقتیہ پڑھے گا تو وہ فاسد ہوجائے گی۔ ہاں اگر وقت تنگ ہو اور آخری وقت میں عصر کی نماز پڑھ رہا ہو تو عصر کی نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوجاتی ہے(۲)اس اثر میں اسکا ثبوت ہے ۔عن عامر وعن مغيرة عن عن ابراهيم قالا : اذا كنت في صلوة العصر فذكرت أنك لم تصل الظهر فانصرف فصل الظهر ثم صل العصر . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۸۷،الرجل یذکر صلوۃ علیہ وھو فی أخری، ج اول،ص ۴۱۴،نمبر ۴۷۵۷)اس اثر میں ہے کہ عصر پڑھ رہا ہو اور اسکو یاد آجائے کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو،ظہر کی نماز پڑھ کر پھر عصر لوٹائے۔

ترجمہ: (۵۱۹) جب فرض فاسد ہوجائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں اصل نماز باطل نہیں ہوگی۔

تشریح: ایک ہے اصل نماز جو کم سے کم نفل ہوتی ہے،آدمی مطلق نماز کی نیت کرے گا تو وہ نفل ہوگی۔البتہ فرض یا واجب،یا سنت کی صفت کی زیادتی کرے گا تو پھر فرض یا واجب یا سنت ہوگی۔اور دوسری ہے فرضیت کی صفت ۔۔امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اگر فائتہ یاد کرتے ہوئے صاحب ترتیب نے وقتیہ نماز پڑھی اور وہ فاسد ہوگئی تو وہ بالکل باطل نہیں ہوگی بلکہ نفل کے درجے میں باقی رہے گی۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ تحریمہ دو باتوں کا مجموعہ تھا،ایک اصل نماز جو نفل ہے،اور دوسری فرضیت کی صفت۔اب فرضیت کی صفت

۱ وعندمحمدؒ تبطل لان التحريمة عقدت للفرض فاذا بطلت الفرضية بطلت التحريمة اصلا ۲ ولهما انها عقدت لاصل الصلوة بوصف الفرضية فلم يكن من ضرورة بطلان الوصف بطلان الاصل (۵۲۰) ثم العصر يفسد فسادا ﴿موقوفاً﴾ حتى لوصلى ست صلوات ولم يعد الظهر انقلب الكل جائزا ۱ وهذا عند ابى حنيفةؒ.

فاسد ہوئی تو کم سے کم اصل نماز باقی رہی جو نفل ہے، اسلئے صاحب ترتیب کی نماز فاسد ہونے کے بعد نفل باقی رہے گی۔

ترجمہ: ۱ اور محمدؒ کے نزدیک اصل نماز باطل ہو جائے گی۔ اسلئے کہ تحریمہ فرض کے لئے منعقد ہوا ہے پس جب فرضیت باطل ہوئی تو اصل تحریمہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس کام کے لئے تحریمہ باندھا ہے وہ کام ہی فاسد ہو گیا تو اسکی وجہ سے تحریمہ ہی باطل ہو جائے گا۔ اسلئے صاحب ترتیب کی نماز فاسد ہوئی تو اب وہ نفل بھی باقی نہیں رہے گی اصل نماز بھی باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ اصل نماز کے لئے منعقد ہوا ہے، فرضیت کی صفت کے ساتھ، پس صفت کے باطل ہونے سے کوئی ضروری نہیں ہے کہ اصل نماز بھی باطل ہو جائے۔

تشریح: شیخین کی دلیل یہ ہے کہ تحریمہ نماز کے لئے منعقد ہوا ہے، فرضیت کی صفت کے ساتھ، اب صاحب ترتیب کی فرضیت ختم ہو گئی تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ اصل نماز بھی ختم ہو جائے۔ اصل نماز نفل باقی رہے گی۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک غریب آدمی کفارہ یمین کے لئے روزہ رکھ رہا تھا، وہ دن میں مالدار ہو گیا تو اب وہ کھانا کھلا کر یا کپڑا پہنا کر کفارہ اداء کرے گا، کیونکہ مالدار آدمی کا کفارہ کھانا کھلانا ہے یا کپڑا پہنانا ہے، لیکن جو روزہ وہ رکھ رہا تھا وہ باطل نہیں ہوگا بلکہ نفل ہو جائے گا، اسی طرح یہ نماز نفل ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۵۲۰) پھر عصر فساد موقوف ہوگا یہاں تک کہ اگر چھ نمازیں پڑھ لی اور ظہر کو نہیں لوٹایا تو کل نمازیں جائز ہو جائیں گی۔

ترجمہ: ۱ یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ صاحب ترتیب آدمی پر ظہر کی نماز قضاء تھی، اسکو یاد کرتے ہوئے عصر کی نماز پڑھ لی تو عصر کی نماز فاسد ہو گئی۔ اور یہ فساد موقوف ہے۔ یعنی ۱۔ عصر فاسد ہوئی۔ پھر ظہر یاد کرتے ہوئے ۲۔ مغرب پڑھ لی، اسلئے وہ بھی فاسد ہو گئی۔ پھر ظہر یاد کرتے ہوئے ۳۔ عشاء پڑھ لی اسلئے وہ بھی فاسد ہو گئی، پھر ظہر یاد کرتے ہوئے ۴۔ فجر پڑھ لی اسلئے وہ بھی فاسد ہو گئی۔ پھر ظہر یاد کرتے ہوئے دوسرے دن کی ۵۔ ظہر پڑھ لی اسلئے وہ بھی فاسد ہو گئی، پھر ظہر یاد کرتے ہوئے دوسرے دن کی ۶۔ عصر پڑھ لی

۲؎ وعند هما يفسد فسادا باتًا لا جواز لها بحال وقد عرف ذٰلک فی موضعه (۵۲۱) و لو صلی الفجر وهو ذاکر انه لم یوتر فهی فاسدة ﴾ ۱؎ عند ابی حنیفةؒ خلافا لهما

اسلئے وہ بھی فاسد ہوگئی۔

اور قضاء شدہ ظہر نہیں پڑھی، اب چھ نمازیں فاسد ہوئیں، اسلئے اب یہ صاحب ترتیب نہیں رہا، اس سے ترتیب ساقط ہوگئی، اور ترتیب ساقط ہونے کا حکم پہلے دن کے ظہر کے وقت سے ہی لگایا جائے گا اسلئے پہلے دن کی عصر اب واپس صحیح ہوگئی اور اسکے بعد کی بھی ساری نمازیں واپس صحیح ہوگئیں۔ اسی کو [فساد موقوف] کہتے ہیں کہ چھ نمازوں سے پہلے فاسد شدہ نمازیں اداء کر لے تو اداء ہو جائے گی، اور اداء نہیں کی تو چھ نمازوں کے بعد ترتیب ساقط ہونے کی وجہ سے واپس سب نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور صاحبین کے نزدیک فساد بات [یعنی فساد قطعی] ہوگی کسی حال میں بھی واپس جائز نہیں ہوگی۔ اور یہ اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ چھٹی نمازیں فاسد ہونے سے پہلے جتنی نمازیں فاسد ہوئیں وہ سب دوبارہ جائز نہیں ہونگیں وہ فاسد ہی رہیں گی انکو دوبارہ اداء کرنا ہوگا۔

وجہ: چھ نمازوں سے پہلے وہ صاحب ترتیب تھا اسی لئے اسکی نمازیں فاسد ہوئیں۔ چھٹی نماز کے بعد اسکی ترتیب ساقط ہوئی، اسلئے اس سے پہلے جو نماز فاسد ہوئی وہ فاسد ہی رہے گی، کیونکہ ترتیب ساقط ہونے کی علت بعد میں آئی ہے۔ ۔ باتا: کٹنا، یہاں مراد ہے فاسد ہی باقی رہ جانا۔

ترجمہ: (۵۲۱) اگر فجر کی نماز پڑھی یہ یاد کرتے ہوئے کہ اس نے وتر نہیں پڑھی ہے تو فجر فاسد ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خلاف صاحبینؒ کے

تشریح: کوئی آدمی صاحب ترتیب تھا، اس پر وتر کی نماز قضاء تھی اسکو یاد کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فجر کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے، جو فرض کے درجے میں ہے، اور فرض نماز کو یاد کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھے تو وہ فاسد ہو جائے گی، اسی طرح وتر کو یاد کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھے تو وہ فاسد ہو جائے گی۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک وتر سنت ہے اسلئے وتر یاد کرتے ہوئے فجر کی نماز پڑھی تو فجر فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ سنت اور فرض کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔ وہ تو فرض اور واجب کے درمیان ہے۔

۲؎ وهذا ابناء علیٰ ان الوتر واجب عنده. سنة عندهما ولا ترتيب فيما بين الفرائض والسنن.

۳؎ وعلیٰ هٰذا اذا صلى العشاء ثم توضأ وصلى السنة والوتر تبين انه صلى العشاء بغير طهارةٍ فعنده يعيد العشاء والسنة دون الوتر لان الوتر فرض علٰى حدة عنده وعندهما يعيد الوتر ايضًا لكونهٖ تبعًا للعشاء ..والله اعلم.

ترجمه: ۲؎ یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے وتر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہے۔اور فرض اور سنت کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔

تشریح: ھدایہ، مسئلہ نمبر ۴۶۰، باب صلوۃ الوتر، میں عبارت اس طرح ہے۔(الوتر واجب عند ابی حنیفةؒ و قالا سنة) جس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہے۔اسی بنیاد پر یہ اختلاف ہے کہ وتر یاد کرتے ہوئے فجر پڑھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فجر فاسد ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی۔کیونکہ واجب فرض کے درجے میں ہے اور فرضوں کے درمیان ترتیب ضروری ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک سنت ہے اور فرض اور سنت کے درمیان ترتیب نہیں ہے۔

ترجمه: ۳؎ اسی اختلاف پر ہے۔کہ اگر عشاء کی نماز پڑھی پھر وضو کیا اور سنت اور وتر پڑھی، پھر معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی ہے، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشاء اور سنت لوٹائے۔وتر نہیں لوٹائے، اسلئے کہ وتر انکے نزدیک الگ فرض ہے۔اور صاحبینؒ کے نزدیک وتر بھی لوٹائے گا اسلئے کہ وہ عشاء کے تابع ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو واجب ہوگا وہ کسی فرض کے تابع نہیں ہوگا، وہ مستقل چیز ہے، اسلئے اگر فرض لوٹایا تو اسکے تابع کر کے واجب کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، اور جو سنت کسی فرض کے تابع ہے اور اسکے بعد ہے تو اگر فرض کو لوٹایا تو ترتیب باقی رکھنے کے لئے اسکے بعد والی سنت کو بھی لوٹانا ہوگا۔

اس اصول پر مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ کسی نے عشاء کی نماز پڑھی اسکے بعد وضو کی اور عشاء کی سنت پڑھی اور وتر بھی پڑھی، بعد میں معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز بغیر طہارت کے پڑھی ہے اسلئے عشاء کی نماز کو دہرایا، تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف عشاء کی سنت دہرانی ہوگی، وتر کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وتر واجب ہے اور مستقل چیز ہے، عشاء کے تابع نہیں ہے کہ عشاء کے تابع کر کے اسکو دہرانے کی ضرورت ہو، اور وتر کو پڑھی بھی ہے طہارت کے ساتھ اسلئے اسکو دہرانے کی ضرورت نہیں، البتہ عشاء کی بعد والی سنت عشاء کے تابع ہے اسلئے فرض اور سنت کے درمیان ترتیب باقی رکھنے کے لئے عشاء کے ساتھ اسکی سنت بھی دہرائے گا۔یہ اور بات ہے کہ عام حالات میں وتر عشاء کے بعد پڑھتے ہیں لیکن یہاں عشاء کو دہرانے کی وجہ سے یہ ترتیب باقی نہیں رہی۔ اور

صاحبینؒ کے نزدیک وتر سنت ہے، تو گویا کہ عشاء کی نماز کے تابع ہے، اسلئے جب عشاء کی نماز دہرائی تو جس طرح اسکے تابع کر کے عشاء کی سنت دہرائے گا تو وتر بھی اسکے تابع کر کے دہرائے گا، کیونکہ وہ بھی تو سنت ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

Documents\3) JPEG CLIPART\rose2.JPEG.jpg not found.

﴿باب سجود السهو﴾

(٥٢٢) يسجد للسهو في الزيادة والنقصان سجدتين بعد السلام ثم يتشهد ثم يسلم﴾

﴿ باب سجود السهو ﴾

ضروری نوٹ : سجود السھو : کوئی واجب بھول جائے یا واجب کی زیادتی ہو جائے یا فرائض مکرر ادا ہو جائیں تو اس کو گویا کہ پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو واجب ہے۔سنت کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو نہیں ہے۔فرض چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔(۱)واجب کے بھولنے میں سجدہ سہو ہے،اسکی دلیل یہ ہے۔ **عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ ((اذا قام الامام في الركعتين فان ذكر قبل أن يستوى قائما فليجلس ، فان استوى قائما فلا يجلس و يسجد سجدتى السهو))** ۔(ابوداود شریف، باب من نسی أن يتشهد وهو جالس،ص ١٥٧،نمبر ١٠٣٦ر ترمذی شریف، باب ماجاء في سجدتی السھو قبل السلام،ص ٩٠،نمبر ٣٩١)اس حدیث میں ہے کہ قاعدہ اولی بھول جائے تو سجدہ سہو کرے،اور قاعدہ اولی واجب ہے جس سے معلوم ہوا کہ واجب کے چھوٹنے سجدہ سہو واجب ہوگا۔

اس حدیث میں ہے کہ ہر بھول کے لئے سجدہ سہو ہے،لیکن احادیث سے پتہ چلتا ہے سنت کے بھولنے سے سجدہ نہیں ہے بلکہ واجب کے بھولنے سے سجدہ ہے حدیث یہ ہے۔(۲) **عن ثوبان عن النبي ﷺ قال : ((لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم))** ۔(ابوداود شریف، باب من نسی أن يتشهد وهو جالس،ص ١٥٧،نمبر ١٠٣٨ر ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فيمن سجدهما بعد السلام ،ص ١٧١،نمبر ١٢١٩)اس حدیث میں ہے کہ ہر بھول میں سجدہ سہو ہے۔(۳) **عن عمران بن حصين قال سلم رسول الله ﷺ في ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال اقصرت الصلوة يا رسول الله فخرج مغضبا فصلى الركعة التى كان ترك ثم سلم ثم سجد سجدتى السهو ثم سلم** (مسلم شریف، باب فصل من ترک الرکعتین اونحوھا فلیتم مابقی ویسجد سجدتین بعد التسلیم ،ص ٢١٤،نمبر ١٢٩٤/٥٧٤ر بخاری شریف، باب ھل یأخذ الامام اذا شک بقول الناس،ص ٩٩،نمبر ٧١٤ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا،ص ٨٣،نمبر ٣٦٤ر ابو داؤد شریف، باب السھو فی السجدتین،ص ١٥٣،نمبر ١٠١٨اس باب کی آخری حدیث ہے)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی واجب بھول جائے تو سلام کرے پھر سجدۂ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔

ترجمہ: (٥٢٢) بھول سے زیادہ کرنے یا نقصان کرنے سے دو سجدہ سہو کرے سلام کے بعد پھر تشہد پڑھے، پھر دوبارہ سلام کرے۔

تشریح : نماز میں واجب کی کمی رہ جائے یا زیادتی ہو جائے یا خلاف ترتیب ہو جائے تو اس کو پورا کرنے کے لئے سجدۂ سہو

کرے۔ اور سلام پھیرے۔ حنفیہ کے نزدیک تشہد پڑھ کر دائیں جانب ایک سلام کرے پھر دو سجدۂ سہو کرے پھر دوبارہ تشہد پڑھے، درود پڑھے، دعا پڑھے اور دوبارہ دونوں جانب سلام کرے۔

وجــــه : (۱) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ آپؐ نے کمی زیادتی میں سلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کیا ہے اور پھر دوبارہ سلام کیا ہے۔ **عن عمران بن حصين قال سلم رسول الله ﷺ في ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال اقصرت الصلوة يا رسول الله فخرج مغضبا فصلى الركعة التي كان ترك ثم سلم ثم سجد سجدتي السهو ثم سلم** (مسلم شريف، باب فصل من ترك الركعتين اونحوهما فليتم مابقي ويسجد سجدتين بعد التسليم ص ۲۱۴، نمبر ۵۷۴/۱۲۹۴ / بخاری شریف، باب هل يأخذ الامام اذا شك بقول الناس، ص ۹۹، نمبر ۱۴۷۱ / ترمذی شریف، باب ما جاء في الامام ينهض في الركعتين ناسيا، ص ۸۳ نمبر ۳۶۴ / ابو داؤد شریف، باب السهو في السجدتين، ص ۱۵۳، نمبر ۱۰۱۸ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی واجب بھول جائے تو سلام کرے پھر سجدۂ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ثوبان عن النبي ﷺ قال : ((لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم))** ۔ (ابوداود شریف، باب من نسي أن يتشهد وهو جالس، ص ۱۵۷، نمبر ۱۰۳۸ / ابن ماجة شريف، باب ما جاء فيمن سجدهما بعد السلام، ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۱۹) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔ (۳) زیادہ ہونے پر سجدۂ سہو کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله قال صلى النبي ﷺ الظهر خمسا فقالوا ازيد في الصلوة؟ قال وما ذاك قالوا صليت خمسا قال فثنى رجله وسجد سجدتين** (بخاری شریف، باب ما جاء في القبلة ومن يرا الاعادة على من سهى ص ۵۸ نمبر ۴۰۴ / مسلم شریف، باب من صلى خمسا اونحوه ص ۲۱۲ نمبر ۵۷۲/۱۲۸۳) اس حدیث میں پانچ رکعت پڑھنے پر آپؐ نے سجدۂ سہو کیا ہے جو زیادہ کرنے پر سجدۂ سہو ہوا۔ (۴) کمی پر سجدۂ سہو کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله بن بحينة انه قال صلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم قام فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضى صلوته وانتظر نا التسليم كبر فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم صلى الله عليه وسلم** (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتين ولم يتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ / ترمذی شریف، باب ما جاء في الامام ينهض في الركعتين ناسيا ص ۸۳، نمبر ۳۶۴ / نسائی شریف، باب ما يفعل من قام من اثنتين ناسيا ولم يتشهد ص ۱۳۷ نمبر ۱۲۲۳) اس حدیث میں کمی ہونے پر سجدہ کیا، قعدۂ اولی نہ کرنے اور تشہد نہ پڑھنے پر سجدہ کیا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ قعدۂ اولے اور تشہد کا پڑھنا واجب ہے تو واجب کے چھوڑنے پر سجدۂ سہو کیا۔ دو سلاموں کے درمیان دوبارہ تشہد پڑھے (۵) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عمران بن حصين ان النبي ﷺ صلى بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم** (ابوداؤد شریف، باب سجدتي السهو فيهما تشهد وتسليم ص ۱۵۶ نمبر ۱۰۳۹ / ترمذی شریف، باب ما جاء في التشهد في سجدتي السهو ص ۹۰ نمبر ۳۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں سلاموں کے درمیان تشہد دوبارہ پڑھے گا۔ اور تشہد پڑھے گا تو اخیر میں درود شریف اور دعا بھی پڑھے۔ پہلا

۱؎ وعند الشافعیؒ یسجد قبل السلام لما روی انه علیه السلام سجد للسهو قبل السلام ۲؎ ولنا قوله علیه السلام لکل سهو سجدتان بعد السلام

سلام نماز پوری ہونے کے لئے ہے اور دوسرا سلام اس لئے ہے کہ سجدۂ سہو نماز کے اندر ہو جائے تا کہ سجدۂ سہو کے اندر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس کو سجدہ کے ذریعہ پوری کی جا سکے۔

فائدہ : ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے سلام سے پہلے سجدہ فرمایا ہے۔

تشریح:۔ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں سجدہ سہو سلام کے بعد ہے، تاہم یہ استحباب کا اختلاف ہے اسلئے سلام سے پہلے بھی کر لیا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ سجود السهو کله عندنا فی الزیادة و النقصان قبل السلام . (موسوعة الشافعی، باب سجود السهو، ج ثانی، ص ۲۳۱، نمبر ۱۶۰۱) اس عبارت میں ہے کہ سجدہ سھو سلام سے پہلے ہے۔

وجه : (۱) انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله ابن بحینة الاسدی حلیف بنی المطلب : أن رسول الله ﷺ قام فی صلوة الظهر و علیه جلوس فلما أتم صلوته سجد سجدتین یکبر فی کل سجدة و هو جالس قبل أن یسلم ، و سجد هما الناس معه مکان ما نسی من الجلوس ۔ (بخاری شریف، باب یکبر فی سجدتی السھو ص ۱۹۶، نمبر ۱۲۳۰ / مسلم شریف، باب السھو فی الصلوۃ والسجود لہ، ص ۲۲۹، نمبر ۵۷۰ / ۱۲۶۹) (۲) عن عبد الله بن بحینة انه قال صلی لنا رسول الله ﷺ رکعتین ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلوته وانتظر نا التسلیم کبر فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم صلی الله علیه وسلم (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشہد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا، ص ۸۳، نمبر ۳۶۴ / نسائی شریف، باب مایفعل من قام من اثنتین ناسیا ولم یتشھد ص ۱۳۷ نمبر ۱۲۲۳) اس حدیث میں سلام سے پہلے سجدہ سہو فرمایا ہے اسلئے سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا بہتر ہے۔

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کمی ہوئی ہو تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کریگا اور زیادتی ہوئی ہو تو سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے گا۔ انہوں نے دیکھا کہ سلام سے پہلے اور سلام کے بعد دونوں طرح سجدۂ سہو ثابت ہے اس لئے انہوں نے یہ مسلک اختیار فرمایا۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے: ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں سلام کے بعد

تشریح : ۔صاحب ھدایہ کی یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ عن ثوبان عن النبی ﷺ قال : ((لکل سهو سجدتان بعد ما یسلم)) ۔ (ابوداود شریف، باب من نسی أن یتشھد وھو جالس، ص ۱۵۷، نمبر ۱۰۳۸ / ابن ماجة شریف، باب ماجاء فیمن سجد ھما بعد السلام، ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ ہر بھول میں سلام کے بعد سجدہ سہو ہے، اور یہ حدیث قولی ہے۔

۳ وروی انه علیه السلام سجد سجدتی السهو بعد السلام ۴ فتعارضت روایتا فعله فبقی التمسک بقوله سالما ۵ ولان سجود السهو مما لایتکرر فیؤخر عن السلام حتی لو سهی عن السلام ینجبر به. ۶ وھٰذا الخلاف فی الاولوية

ترجمه : ۳ اورروایت کی گئی ہے حضور علیہ السلام نے سجدہ سہو کے دوسجدے سلام کے بعد فرمائے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عبد اللہ ؓ أن رسول الله ﷺ صلی الظهر خمسا ، فقیل له : أزید فی الصلوة ؟ فقال ((و ما ذاک ؟)) قال صلیت خمسا ، فسجد سجدتین بعد ما سلم .(بخاری شریف، باب اذا صلی خمسا ،ص ۱۹۶،نمبر ۱۲۲۶ رمسلم شریف ، باب السھو فی الصلوۃ والسجو دلہ ،ص ۲۳۳،نمبر ۱۲۹۰/۵۷۳)اس حدیث میں ہے کہ سلام کے بعد سجدہ سہوفرمایا ۔اور یہ حدیث فعلی ہے۔

ترجمه : ۴ پس حضور علیہ السلام کی دوفعلی حدیثیں متعارض ہوگئیں ،اسلئے انکی قولی حدیث سے دلیل پکڑنا سالم رہ گیا۔

تشریح : امام شافعیؒ نے حضورؐ کی فعلی حدیث پیش کی کہ حضورؐ نے سلام سے پہلے سجدہ سہوفرمایا ،اورحنفیہ نے بھی حضورؐ کی فعلی حدیث پیش کی کہ حضورؐ نے سلام کے بعد سجدہ سہوفرمایا ،اسلئے دوفعلی حدیثیں متعارض ہوگئیں ،اسلئے دونوں حدیثیں چھوڑ دیں ،اور حضورؐ کی قولی حدیثیں لے لیں ،اورقولی حدیث میں ہے کہ سلام کے بعد سجدہ کرو۔اس لئے اسی سے دلیل پکڑنا چاہئے۔

ترجمه : ۵ اوراسلئے کہ سجدہ سہواس میں سے ہے جو بار بارنہیں ہوتا اسلئے سلام کے بعد کریں ،تاکہ اگر سلام سے سہوہوجائے توسجدہ سے اسکو پورا کرلے۔

تشریح : سلام کے بعد سجدہ سہوہو اسکی یہ دلیل عقلی ہے۔سجدہ ان اعمال میں سے ہے کہ وہ مکرر نہیں ہوتا ،اب اگر سلام سے پہلے سجدہ کرلیں ،اورمثلا سوچ میں پڑ گیا کہ چار رکعتیں پڑھیں یا تین رکعتیں پڑھیں ،اسی سوچ میں سلام کی تاخیر ہوگئی اور سلام میں تاخیر کی وجہ سے دوبارہ سجدہ سہولازم ہوگیا تو اب دوبارہ سجدہ سہوکرنا ہوگا ،اورسجدہ سہومکرر نہیں ہے۔اسلئے سلام کے بعد سجدہ سہوکریں تاکہ سلام میں کوئی خامی آجائے تواس سجدہ سے وہ خامی بھی پوری ہوجائے۔ اسلئے سلام کے بعد سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ینجبر : نقصان کو پورا کرنا۔

ترجمه : ۶ یہ اختلاف اولویت میں ہے۔

تشریح : سلام سے پہلے سجدہ کرے یابعد میں دونوں جائز ہیں۔لیکن ہمارے یہاں اولی یہ ہے کہ سلام کے بعد سجدہ کرے۔یہ اختلاف اولی ہونے میں ہے ،جواز اورعدم جواز میں نہیں ہے۔

۷ ویاتی بتسلیمتین هو الصحیح صرفا للسلام المذکور الی ماهو المعهود ۸ ویاتی بالصلوٰۃ علی النبی علیہ السلام والدعاء فی قعدۃ السھو ھو الصحیح لان الدعاء موضعہ اٰخر الصلوٰۃِ

ترجمہ: ۷ دونوں سلام پھیرے، صحیح یہی ہے، مذکورہ سلام کو معہود کی طرف پھیرنے کے لئے۔

تشریح: سجدہ سہو سے پہلے جو سلام پھیرے گا وہ دو سلام پھیرے گا، یا ایک ہی سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے گا۔ اس بارے میں صاحب ھدایہ کی رائے یہ ہے کہ دونوں سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ سلام پھیر کر سجدہ کرے تو اس سلام سے وہی سلام مراد ہوگی لوگوں کے ذہن میں پہلے سے ہے، اور لوگوں کے ذہن میں نماز کا سلام ہے جو دونوں طرف پھیرتے ہیں، اس لئے وہی سلام مراد ہوگی جو معہود و متعین ہے، اسلئے دونوں طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے۔

ھو الصحیح ؛ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ایک سلام پھیر کر ہی سجدہ سہو کرے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں بعد ما یسلم کا لفظ ہے جس سے اشارہ ہے کہ ایک ہی سلام کرے۔ آج کل حنفیہ کے یہاں اسی پر عمل ہے۔

ترجمہ: ۸ قاعدہ سہو میں حضورؐ پر درود پڑھے، اور دعاء کرے، صحیح یہی ہے، اسلئے کہ دعاء کی جگہ نماز کا اخیر حصہ ہے۔

تشریح: یہاں دو قسم کے قعدہ ہیں [۱] سجدہ سہو سے پہلے کا قعدہ، جس کو ,قعدہ صلوۃ، کہتے ہیں [۲] اور دوسرا ہے سجدہ سہو کے بعد کا قعدہ جسکو ,قعدہ سہو، کہتے ہیں۔ مصنف فرماتے ہیں کہ حضورؐ پر درود شریف، اور امت کے لئے دعاء قعدہ سہو کے بعد یعنی سجدہ سہو کے بعد جو قعدہ ہے اسکے بعد کرے، صحیح یہی ہے۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ (۱) دعاء کا مقام نماز کا اخیر ہے، اور درود شریف دعاء کے قبول ہونے کے لئے کی جاتی ہے اسلئے وہ بھی دعاء کے ساتھ اخیر میں ہونی چاہئے (۲) **عن عمران بن حصین : أن النبی ﷺ صلی بھم فسھا فسجد سجدتین ثم تشھد ثم سلم** ۔ (ابوداود شریف، باب سجدتی السھو فیھما تشھد وتسلیم ص ۱۵۸، نمبر ۱۰۳۹) اس حدیث میں ہے کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھا اور سلام فرمایا، اور یہ بات معلوم ہے کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھتے ہیں، اور اسکے بعد دعاء کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ قعدہ سہو کے بعد درود اور دعاء پڑھے۔ (۳) اس اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ **عن الحکم و حماد أنھما قالا : یتشھد فی سجود السھو ثم یسلم** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۴۴، ما قالوفیھما تشھد أم لا؟ ومن قال: لا یسلم فیھما، ج اول، ص ۳۸۸، نمبر ۴۴۶۶ رمصنف عبد الرزاق، باب ھل فی سجدتی السھو تشھد وتسلیم، ج ثانی ص ۲۰۴، نمبر ۳۵۱۲) اس اثر میں ہے کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد اور سلام ہے۔ تو درود اور دعاء بھی اسکے بعد ہوگی۔

نوٹ: حنفیہ کے یہاں پہلے تشہد پڑھتے ہیں اسکے بعد دائیں جانب ایک سلام پھیر کر دو سجدہ سہو کرتے ہیں، اسکے بعد دوبارہ تشہد پڑھتے ہیں، اسکے بعد درود شریف، اسکے بعد دعاء پڑھ کر دو سلام پھیرتے ہیں۔ سجدہ سہو سے پہلے اور سجدہ سہو کے بعد دونوں میں تشہد پڑھے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن ابی عبیدۃ عن عبد اللہ قال : یتشھد فیھما** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴۴، ما قالوفیھما

(۵۲۳) قال ویلزمه السهو اذا زاد فی صلاته فعلا من جنسها لیس منها﴾

تشهد أم لا؟ ومن قال: لا یسلم فیهما، ج اول، ص ۳۸۸، نمبر ۴۴۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو کے بھی بیٹھنے میں تشہد پڑھے اور اسکے بعد بھی تشہد پڑھے۔

ترجمہ: (۵۲۳) سجدہ سہو لازم ہوگا جبکہ نماز میں ایسا فعل زیادہ ہو جائے جو نماز کی جنس میں سے ہو لیکن نماز کا جزء نہ ہو۔

تشریح : سجدہ سہو کب لازم ہوگا اس کا سبب بتارہے ہیں۔ کہ ایسا کام جو نماز کی جن سے ہو لیکن نماز کا جزء نہ ہو وہ کرلے تو سجدہ سہو لازم ہو جائے گا۔ مثلا، سجدہ نماز کی جنس ہے، لیکن تیسرا سجدہ نماز کا جزء نہیں ہے، اب کسی نے دو کے بجائے تین سجدہ کرلیا تو تیسرے سجدے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہو جائے گا۔ اسی طرح رکوع نماز کی جنس ہے، لیکن ایک رکوع کے بعد دوسرا رکوع نماز کا جزء نہیں ہے، اسلئے اگر کسی نے دو رکوع کرلیا تو دوسرے رکوع کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ کسی واجب کے چھوٹنے سے، یا کسی واجب کے زیادہ ہونے سے، یا کسی فرض کے تاخیر ہونے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

وجہ : (۱) واجب کی کمی رہنے سے نقصان ہوا اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے سجدہ کیا جاتا ہے، جیسے حج میں کوئی کمی رہ جائے تو اس کمی کو پورا کرنے لئے دم دینا پڑتا ہے [یعنی جانور ذبح کرنا پڑتا ہے] اسی طرح یہاں کمی پورا کرنے کے لئے سجدہ کیا جاتا ہے۔ (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ (۲) **عن عبدالله قال صلینا مع رسول الله ﷺ فاما زاد او نقص قال ابراهیم وایم الله ما جاء ذاک الا من قبلی قال قلنا یا رسول الله ﷺ احدث فی الصلوۃ شیء؟ فقال لا قال فقلنا له الذی صنع فقال اذا زاد الرجل او نقص فلیسجد سجدتین قال ثم سجد سجدتین** (مسلم شریف، باب من ترک الرکعتین اونحوهما فلیتم مابقی ویسجد سجدتین بعد التسلیم ص ۲۱۳ نمبر ۱۲۸۷/۵۷۲/ ابوداؤد شریف، باب من قال یتم علی اکثر ظنه ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زیادتی ہو جائے یا کچھ واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو کرے۔ اوراس حدیث میں [**فلیسجد سجدتین**] امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے اسلئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو بھی خود واجب ہے ۔(۳) **عن ثوبان عن النبی ﷺ قال : ((لکل سهو سجدتان بعد ما یسلم))** ۔(ابوداود شریف، باب من نسی أن یتشهد وهو جالس، ص ۱۵۷، نمبر ۱۰۳۸/ ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فیمن سجدهما بعد السلام، ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۱۹) اس حدیث میں ہے کہ ہر بھول میں سلام کے بعد سجدہ سہو ہے، (۴) پتہ نہیں چلا کہ رکعت کم ہوگئی یا زیادہ ہوگئی تو اس پر بھی سجدہ سہو ہے، اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدری ، قال قال رسول الله ﷺ ((اذا شک أحدکم فی صلوته فلم یدر کم صلی ؟ ثلاثا أم أربعا ؟ فلیطرح الشک و لیبن علی ما استیقن ، ثم یسجد سجدتین قبل أن یسلم ، فان کان صلی خمسا ، شفعن له صلوته و ان کان صلی اتماما لاربع کانتا ترغیما للشیطان .** (مسلم شریف، باب السهو فی الصلوۃ

۱ وهٰذا يدل على ان سجدة السهو واجبة هو الصحيح لانها تجب لجبر نقصان تمكن فى العبادة فتكون واجبة كالدماء فى الحج ۲ واذا كان واجبًا لايجب الابترك واجب اوتاخيره اوتاخيرركن ساهيا هٰذا هو الاصل

والسجو دلہ،ص۲۳۰،نمبر۱۲۷۲/۵۷۱)اس حدیث میں ہے کہ رکعت کم ہوجائے یا زیادہ ہوجائے اور پتہ نہ چلے تو سجدہ سہو کرے۔جس سے معلوم ہوا کہ کمی اور زیادتی دونوں میں سجدہ سہو واجب ہے ، اور چونکہ حدیث میں[یسجد ، اور دوسری حدیث میں فلیسجد سجدتین۔مسلم شریف،نمبر۱۲۶۵/۳۸۹]امر کا صیغہ ہے اسلئے اس سے وجوب ثابت ہوگا۔

ترجمه : ۱ متن میں[یلزمہ السہو] کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے،اور یہی بات صحیح ہے،اسلئے کہ سجدہ سہو نقصان کو پورا کرنے لئے واجب ہوتا ہے جو عبادت میں آگیا ہے، جیسے کہ حج میں جنایت کے وقت دم دینا پڑتا ہے۔

تشریح : صاحب ھدایہ اس عبارت سے دو باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں[۱]ایک یہ کہ سجدہ سہو خود واجب ہے،سنت نہیں ہے ۔[۲]اور دوسری بات یہ کہ سجدہ سہو کسی واجب کے چھوڑنے سے، یا زیادہ کرنے سے، یا مؤخر کرنے سے واجب ہوگا۔سنت کے چھوڑنے سے واجب نہیں ہوگا ، یا فرض کے چھوڑنے سے واجب نہیں ہوگا۔اسکے چھوڑنے سے تو نماز ہی باطل ہوجائے گی ،اسکو دوبارہ دہرانی ہوگی۔

متن کی عبارت[یلزمہ السہو] سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے۔کیونکہ یلزمہ کا لفظ وجوب کے لئے آتا ہے۔حضرت امام ابو الحسن کرخیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو سنت ہے ،اسلئے کہ سنت یعنی حدیث سے ثابت ہے۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سجدہ سہو واجب ہے۔

وجه : (۱)اسکی دلیل عقلی یہ ہے کہ عبادت میں جو نقصان گھس آیا ہے اسکو پورا کرنے اور مکافات کرنے کے لئے سجدہ سہو واجب ہو تا ہے،اور جو نقصان پورا کرنے لئے آئے وہ واجب ہوتا ہے، جیسے کہ حج میں کوئی جنایت ہوجائے تو اسکو پورا کرنے لئے اور مکافات کرنے لئے دم دینا پڑتا ہے اور جانور ذبح کرنا پڑتا ہے اور وہ واجب ہے اسی طرح سجدہ سہو بھی واجب ہوگا۔(۲)اصل تو یہ ہے کہ حدیث میں[فلیسجد] امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

ترجمه : ۲ اور جب سجدہ سہو واجب ہے تو واجب ہی کے چھوڑنے سے، یا واجب ہی کے مؤخر ہونے سے، یا کسی فرض کو بھول کر مؤخر کرنے سے واجب ہوتا ہے۔، یہ قاعدہ ہے۔

تشریح : اوپر کی دلیل سے ثابت کیا کہ سجدہ سہو کرنا واجب ہے۔اب یہ فرمارہے ہیں کہ سجدہ سہو[۱]واجب ہی کے چھوڑنے سے ،[۲]یا اسکو مؤخر کرنے سے واجب ہوگا،[۳] یا کوئی فرض اپنی جگہ سے مؤخر ہوجائے تو اسکی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔

مثالیں۔[۱]واجب چھوڑنے کی مثال۔جیسے۔قعدہ اولی چھوڑ دیا تو اس سے سجدہ سہو واجب ہوگا ،اور قاعدہ اولی واجب ہے۔تو یہ

۳؎ وانما وجبت بالزيادة لانها لا تعرى عن تاخير ركن اوترك واجب

واجب کے چھوڑنے کی مثال ہوئی ۔۔[۲]واجب مؤخر ہونے کی مثال ۔جیسے بھول سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا،جسکی وجہ سے سلام پھیرنے میں تاخیر ہوئی ، جوواجب ہے،تو واجب میں تاخیر کرنے سے سجدہ سہوواجب ہوا۔۔[۳] نماز کا رکن یعنی فرض مؤخر ہونے کی مثال ۔جیسے قعدہ اولی میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے لگا جسکی وجہ سے تیسری رکعت جوفرض ہے اسکواداء کرنے میں تاخیر ہوئی ۔ یہ تاخیر رکن کی مثال ہوئی ۔ان سے سجدہ سہوواجب ہوگا۔

وجه : [۱]قعدہ اولی ۔واجب چھوٹ جائے جس سے سجدہ سہوواجب ہوا اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ ((اذا قام الامام فی الركعتين فان ذكر قبل أن يستوی قائما فليجلس ، فان استوی قائما فلا يجلس و يسجد سجدتی السهو))** ۔(ابوداود شریف، باب من نسی أن یتشھد وھو جالس ،ص ۱۵۷،نمبر ۱۰۳۶ر ترمذی شریف ، باب ما جاء فی سجدتی السھو قبل السلام ،ص ۹۰ ،نمبر ۳۹۱)اس حدیث میں ہے کہ قاعدہ اولی بھول جائے تو سجدہ سہو کرے ،اور قاعدہ اولی واجب ہے جس سے معلوم ہوا کہ واجب کے چھوٹنے سجدہ سہوواجب ہوگا ۔[۲] پانچویں رکعت میں کھڑا ہو نے کی وجہ سے سلام پھیرنے جیسا واجب مؤخر جائے اور اسکی وجہ سے سجدہ سہولازم ہوا اسکی دلیل اس حدیث میں ہے۔ **عن عبد الله ؓ أن رسول الله ﷺ صلى الظهر خمسا ، فقيل له : أزيد فی الصلوة ؟ فقال ((و ما ذاک ؟)) قال صليت خمسا ، فسجد سجدتين بعد ما سلم** .(بخاری شریف، باب اذا صلی خمسا ،ص ۱۹۶،نمبر ۱۲۲۶ رمسلم شریف، باب السھو فی الصلوۃ والسجو دلہ ،ص ۲۳۳،نمبر ۵۷۳/ ۱۲۹۰)اس حدیث میں ہے کہ پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے جسکی وجہ سے سلام پھیرنا جو واجب تھا اس میں تاخیر ہوگئی ہو جسکی وجہ سے سجدہ سہولازم ہوا۔

اصول : اسلئے اصول یہ ہے کہ [۱] واجب کے چھوڑنے سے [۲] یاواجب کے مؤخر ہونے سے [۳] یا کسی فرض کے مؤخر ہونے سے سجدہ سہوواجب ہوگا۔

ترجمه : ۳؎ واجب کی زیادتی کی وجہ سے سجدہ واجب ہے،اسلئے کہ وہ رکن کی تاخیر یاواجب کے چھوڑنے سے خالی نہیں ہے۔

تشريح : متن کی عبارت پر ایک اشکال ہو رہا ہے اسکا یہ جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ متن میں یہ ہے کہ نماز میں واجب کی زیادتی ہوتب سجدہ

سہوواجب ہوگا۔اور صاحب ھدایہ نے اسکی تشریح میں فرمایا کہ۔واجب چھوڑ دے۔یاواجب کی تاخیر ہو۔یا فرض کی تاخیر ہوتو سجدہ سہولازم ہوگا۔اسکی تشریح میں یہ نہیں فرمایا کہ واجب کی زیادتی ہوتو سجدہ سہولازم ہوگا ؟۔ایسی تشریح کیوں کی ؟۔تو اسکا جواب دیتے ہیں کہ جب بھی واجب کی زیادتی ہوگی تو یا تو کسی فرض کی تاخیر ہوگی ، یا کوئی واجب چھوٹے گا۔یا کوئی واجب مؤخر ہوگا ، چونکہ واجب کی زیادتی سے ان باتوں میں سے ایک ہوگا اسلئے واجب کی زیادتی کی تشریح ان باتوں سے کردی۔بس فرع بول کر اصل مراد لیا۔

(۵۲۴) قال ويلزمه اذا ترك فعلا مسنونا ﴿ لے كانه اراد به فعلا واجباً الا انه اراد بتسميته سنة ان وجوبها بالسنة **(۵۲۵) قال او ترك قراءة الفاتحة** لانها واجبة **او القنوت او التشهد او تكبيرات العيدين**

واجب کی زیادتی سے فرض کی تاخیر کی مثال: کسی نے دو سجدے کے بجائے تین سجدے کر لئے ،تو تیسرے سجدے کی زیادتی سے اگلی رکعت کا قیام جو فرض ہے اس میں تاخیر ہوگی ،تو ایک واجب کی زیادتی سے رکن کی تاخیر ہوئی۔

واجب کی زیادتی سے دوسرے واجب کا چھوڑنا ہو اسکی مثال ۔۔کوئی آدمی قعدہ ثانیہ میں بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اسکا سجدہ بھی کر لیا تو حکم یہ ہے کہ اسکے ساتھ چھٹی رکعت بھی ملالے، تا کہ چار رکعتیں فرض ہو جائے ،اور دو رکعتیں نفل شمار کی جائیں ،اسکے بعد سلام پھیرے۔اس صورت میں چار رکعت کے بعد سلام جو واجب ہے وہ چھوٹ گیا ،تو ایک واجب کی زیادتی سے دوسرا واجب چھوٹ گیا

لغت : تعری :عری سے مشتق ہے ،خالی ہونا۔رکن :رکن کا معنی فرض ہے۔

ترجمہ :(۵۲۴) اگر فعل مسنون چھوڑ دے تب بھی سجدہ سہو لازم ہوگا۔

ترجمہ : لے یہاں فعل مسنون سے فعل واجب مراد ہے۔لیکن سنت بول کر وجوب مراد لیا ہے۔اسلئے کہ سارے وجوب سنت یعنی حدیث سے ثابت ہوئے ہیں۔

تشریح : ۔صاحب قدوری نے فرمایا کہ سنت کے چھوڑنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔حالانکہ سجدہ سہو تو واجب کے چھوڑنے سے لازم ہوتا ہے تو صاحب ھدایہ نے اسکی توضیح کی کہ یہاں سنت سے مراد واجب ہے،اور صاحب قدوری نے انکو سنت اسلئے کہا کہ یہ واجبات سنت یعنی حدیث سے ثابت ہے اسلئے ان اعمال کو سنت کہہ دیا ہے۔

ترجمہ: (۵۲۵) [۱] یا سورۂ فاتحہ کی قرأت چھوڑ دی [اسلئے کہ وہ واجب ہے] [۲] ، یا دعائے قنوت چھوڑ دی [۳] یا تشہد چھوڑ دی ، [۴] یا تکبیرات عیدین چھوڑ دی۔

تشریح : یہاں سے واجب چھوڑنے کی آٹھ مثالیں دے رہے ہیں جنکے چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ان میں چار کی تشریح اس متن میں ہے ۔اور تشہد کی تفصیل میں تین مثالیں اور آئیں گی۔اور قرأت جہری کے بجائے سری اور قرأت سری کے بجائے قرأت جہری کر لی جسکی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہو اسکی مثالیں اگلے متن میں آرہی ہے۔

[۱] مثلا سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے اسکو چھوڑ دیا تو اسکے چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا [۲] وتر میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے اسکو چھوڑ دیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔وتر میں دعاء قنوت چھوڑنے سے سجدہ لازم ہوگا ،اسکے لئے اثر دلیل ہے۔ **عن الحسن قال**

ل لانها واجبات فانه عليه السلام واظب عليها من غير تركها مرة وهى اَمارة الوجوب

: من نسى القنوت فى الوتر سجد سجدتى السهو ، قال سفيانؒ و به نأخذ . (سنن بیہقی، باب من نسی القنوت سجد للسھو قیاسا علی ماروینافیمن قام من اثنتین فلم یجلس ، ج ثانی، ص۴۹۳،نمبر ۳۸۷۶)اس اثر میں ہے کہ قنوت چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرے گا۔

[۳] تشہد چھوڑ دیا تو اس میں سجدہ سہو ہوگا۔تشہد کی قعدہ اولی میں بیٹھنا مراد ہے [۴] قعدہ آخیرہ میں بھی بیٹھنا مراد ہے [۵]اور ان دونوں میں تشہد پڑھنا بھی مراد ہے۔اسلئے یہاں تشہد سے تین چیزیں مراد ہیں۔اور تینوں کی دلیل یہ حدیث ہے

وجه : (۱)عن عبد الله ابن بحينة الاسدى حليف بنى المطلب : أن رسول الله ﷺ قام فى صلوة الظهر و عليه جلوس فلما أتم صلوته سجد سجدتين يكبر فى كل سجدة و هو جالس قبل أن يسلم ، و سجد هما الناس معه مكان ما نسى من الجلوس ۔(بخاری شریف، باب یکبر فی سجدتی السھو ،ص۱۹۶،نمبر۱۲۳۰؍مسلم شریف، باب السھو فی الصلوۃ والسجو دلہ،ص۲۲۹،نمبر۱۲۶۹/۵۷۰)(۲)عن عبد الله بن بحينة انه قال صلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم قام فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضى صلوته وانتظر نا التسليم كبر فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم صلى الله عليه وسلم (ابوداؤدشریف، باب من قام من ثنتین ولم یتشھد ص۱۵۵نمبر۱۰۳۴؍ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا،ص۸۳،نمبر۳۶۴؍نسائی شریف، باب ما یفعل من قام من اثنتین ناسیا ولم یتشھد ص۱۳۷نمبر۱۲۲۳)ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ قعدہ اولی کرنا چاہئے تھا لیکن بھول سے نہ کر کے کھڑے ہو گئے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوا،اور قعدہ ہو یا اس میں تشہد پڑھنا ہو یہ سب واجب ہیں جن سے سجدہ سہو لازم ہوا۔جس سے معلوم ہوا کہ واجب چھوڑنے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔اسی پر باقی واجبوں کو قیاس کیا جائے گا۔[۶] عید کی نماز میں چھ تکبیریں زائد کہتے ہیں جنکو تکبیرات زوائد کہتے ہیں۔یہ واجب ہیں اسلئے انکے چھوٹنے سے بھی سجدہ سہو واجب ہونا چاہئے ،لیکن بھیڑ کی وجہ سے مسئلہ یہ ہے کہ یہ چھوٹ جائیں تو سجدہ سہو نہ کرے۔

وجه : کبیر زوائد واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال قال نبى الله التكبير فى الفطر سبع فى الاولى و خمس فى الآخرة والقراءة بعدهما كليتهم (ابوداؤدشریف، باب التکبیر فی العیدین ص۱۷۰نمبر۱۱۵۱؍ترمذی شریف، باب ماجاء فی التکبیر فی العیدین ،ص۱۴۰،نمبر۵۳۶؍دار قطنی ،کتاب العیدین ج ثانی ص۳۶نمبر ۱۷۱۱)اس حدیث میں ہے کہ عیدین میں تکبیر زوائد کہتے تھے ،جس سے معلوم ہوا کہ تکبیرات عیدین واجب ہیں۔اور واجب چھوٹنے پر سجدہ سہو کرنے کی دلیل پہلے گزر گئی۔۔البتہ بھیڑ کی وجہ سے اسکے چھوٹنے پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

ترجمه ل یہ سب واجبات ہیں،اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے بغیر ایک مرتبہ بھی چھوڑنے کے ہمیشگی فرمائی ہے،اور یہ وجوب کی

۲ ولانها تضاف الی جمیع الصلوٰۃ فدل انها من خصائصها وذٰلک بالوجوب ۳ ثم ذکر التشهد یحتمل القعدۃ الاولیٰ والثانیة والقراءۃ فیهما وکل ذٰلک واجب وفیها سجدۃ السهو

دلیل ہے۔

تشریح : سورہ فاتحہ پڑھنا، وتر میں دعاء قنوت پڑھنا، تشہد پڑھنا، یا تشہد میں بیٹھنا، عیدین میں تکبیرات زوائد کہنا یہ سب واجبات ہیں،

اسلئے انکے چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔، اوران چیزوں کے واجب ہونے کے لئے پہلے حدیث گزر چکی ہے۔مصنف نے ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ حضورؐ نے ان چیزوں پر ہمیشگی کی ہیں، کبھی ایک مرتبہ بھی چھوڑا نہیں، اور حضورؐ کا ہمیشہ عمل فرمانا واجب ہونے کی دلیل ہے۔اسلئے سورہ فاتحہ پڑھنا، دعاء قنوت پڑھنا، تشہد پڑھنا، اور تکبیرات زوائد یہ سب واجب ہیں۔

لغت : امارۃ: دلیل۔واظب: مواظبت سے مشتق ہے، ہمیشہ کرنا۔

ترجمہ : ۲ اوراسلئے کہ یہ چیزیں پوری نماز کی طرف منسوب کی جاتیں ہیں، پس اس بات پر دلالت ہوئی کہ یہ نماز کی خصوصیت میں سے ہیں، اور یہ اختصاص واجب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

تشریح : مصنف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اوپر چاروں باتیں واجب ہیں، اسکے لئے یہ دوسری دلیل عقلی دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں پوری نماز کی طرف منسوب کی جاتیں ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز کی خصوصیت میں سے ہیں، اور جو نماز کے خصائص میں سے ہو وہ واجب ہوتا ہے، اسلئے یہ چیزیں [سورہ فاتحہ پڑھنا، وتر میں دعاء قنوت پڑھنا، تشہد پڑھنا، یا تشہد میں بیٹھنا، عیدین میں تکبیرات زوائد کہنا یہ سب] واجبات ہیں۔چنانچہ لوگ کہتے ہیں: قنوت الوتر۔تو قنوت کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا۔اسی طرح، کہتے ہیں: تشہد الصلوۃ۔تو تشہد کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا۔اسی طرح کہتے ہیں: تکبیرات صلوۃ العدین۔تو تکبیرات کو پوری نماز کی طرف منسوب کیا، اور پوری نماز کی طرف کسی چیز کو منسوب کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ چیز اسکی خصوصیت ہے، اور جو چیز خصائص میں سے ہو وہ واجب ہوتی ہے اسلئے یہ چیزیں واجب ہونگیں۔۔

نوٹ : یہ دلیل عقلی ہیں۔ان چیزوں کے واجب ہونے کی اصل دلیل احادیث ہیں جو مسئلہ نمبر ۲۵۸ میں گزر گئیں۔

ترجمہ: ۳ پھر متن میں تشہد کا ذکر ہے، یہ لفظ [۱] قعدہ اولی کا احتمال رکھتا ہے [۲] قعدہ ثانیہ کا احتمال رکھتا ہے [۳] اور دونوں میں تشہد پڑھنے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔اور یہ تینوں واجب ہیں اوران میں سجدہ سہو ہے۔

تشریح : متن میں [التشہد] کا لفظ ہے، اسکا تین مطلب ہے۔[۱] قعدہ اولی میں بیٹھنا [۲] قعدہ ثانیہ میں بیٹھنا [۳] دونوں قعدہ میں تشہد پڑھنا۔اور یہ تینوں باتیں واجب ہیں، اور تینوں کے چھوٹنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، بلکہ قعدہ ثانیہ تو اس سے بڑھ کر فرض ہے۔

ع وهو الصحيح (٥٢٦) ولو جهر الامام فيما يخافت اوخافت فيما يجهر تلزمه سجدتا السهو﴾ ل لان الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات. ع واختلف الرواية فی المقدار والاصح قدر ما تجوزبه الصلوة فی الفصلین لان الیسیر من الجهر والاخفاء لایمکن الاحتراز عنه

ترجمه: ع هو الصحيح : کہہ کراس بات کی طرف اشارہ کیا کہ صاحب قدوری نے اسی کتاب کے مسئلہ نمبر ۲۵۸ میں فرمایا ہے کہ یہ سب سنت ہیں، تو اسکی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ سب سنت نہیں واجب ہیں صحیح بات یہی ہے۔

ترجمه: (۵۲۶) جہاں سری قرأت کی جاتی ہے امام نے وہاں جہری کر دی۔ یا جہاں سری کی جاتی ہو وہاں جہری کر دی تو اسکو دو سجدے سہو لازم ہونگے۔

ترجمه : ل اسلئے کہ جہری کی جگہ میں جہری قرأت اور سری کی جگہ میں سری قرأت کرنا واجبات میں سے ہے۔

تشریح : جس نماز میں جہری قرأت کرنی ہے وہاں جہری قرأت کرنا واجب ہے۔ اور جس نماز میں سری قرأت کرنی ہے وہاں سری قرأت کرنی واجب ہے۔ اسلئے اگر سری کی جگہ پر جہری اور جہری کی جگہ پر سری قرأت کر دی تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

وجه : اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عبد الرزاق عن الثوری قال اذا قمت فیما یجلس فیه او جلست فیما یقام فیه او جهرت فیما یخافت فیه او خافت فیما یجهر فیه ناسیا سجدت سجدتی السهو (مصنف عبد الرزاق، باب اذا قام فیما یقعد فیہ او قعد فیما یقام او سلم فی ثنی ج ثانی ص ۲۰۲، نمبر ۳۵۰۵ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۷، من کان اذا جھر فیما یخافت فیہ سجد سجدتی السھو، ج اول، ص ۳۱۹، نمبر ۳۶۴۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں سری قرأت کر دی اور سری نماز میں جہری قرأت کی تو سجدۂ سہو کرے۔

فائده: بعض ائمہ کے نزدیک سری کو جہری اور جہری کو سری کرنے سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ عن قتادة قال : کان النبی ﷺ یقرأ فی الرکعتین من الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورة وسورة، و یسمعنا الآیة احیانا (بخاری شریف، باب القراءۃ فی العصر ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۲ / مسلم شریف، باب القرأۃ فی الظھر والعصر ص ۱۹۰، نمبر ۱۰۱۳/۴۵۱) اس حدیث میں ظہر اور عصر کی نماز کی سری قرأت میں جہری قرأت کی ہے اور سجدہ سہو بھی نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہری قرأت میں سری، اور سری میں جہری کر دی تو سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ (۲) اس اثر میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن الاسود : أن الاسود و علقمة کانا یجهران فی الظهر و العصر فلا یسجدان۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۳۶، من کان یجھر فی الظھر والعصر ببعض القرأۃ، ج اول، ص ۳۱۸، نمبر ۳۶۴۵) اس اثر میں ہے کہ

ترجمه: ع آیت کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے، صحیح روایت یہ ہے کہ آیت کی جتنی مقدار سے نماز جائز ہو جائے

وعن الكثير ممكن ۳؎ وما تصح به الصلوٰة كثير غير ان ذٰلک عنده اٰية واحدة وعندهما ثلث اٰيات ۴؎ وهٰذا فی حق الامام دون المنفرد لان الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة

دونوں فصلوں میں اتنے سے سجدہ سہو ہوگا۔اسلئے کہ تھوڑے جہر اور اخفاء سے بچنا ممکن نہیں ہے،اور زیادہ سے بچنا ممکن ہے۔

تشریح : آیت کے کتنے حروف، یا کتنے جملے کو جہری کی جگہ سرا اور سری کی جگہ جہر کرے گا تو اس سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔اس بارے میں اختلاف ہے۔صحیح روایت یہ ہے کہ جتنی آیت سے نماز جائز ہوتی ہے،مثلا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت پڑھنے سے نماز کا فرض اداء ہو جاتا ہے،اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنے سے فرض اداء ہوتا ہے تو اتنی دیر تک جہری قرأت کو سری، اور سری قرأت کو جہری کرے گا تو اس سے سجدہ سہو لازم ہو جائے گا۔

وجه : (۱)اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک آدھ جملے کو جہری کے بجائے سری کرنے سے بچنا ناممکن ہے۔اسی طرح تھوڑی سی سری کو جہری ہونے سے بچانا ناممکن ہے،کبھی نہ کبھی ظہر،عصر کی نماز میں جہری ہو ہی جاتی ہے ۔اسلئے اتنی مقدار سہو کے لئے رکھی جائے جس سے بچنا ممکن ہو،اور وہ فرض کی مقدار آیت ہے۔(۲)اس حدیث میں بھی اسکا اشارہ ہے کہ تھوڑا سا جہر جائز ہے(۲) ۔عن قتادة قال :كان النبی ﷺ يقرأ فی الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة وسورة ،ويسمعنا الآية احيانا (بخاری شریف، باب القراءة فی العصر ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۲ رمسلم شریف، باب القرأة فی الظهر والعصر، ص ۱۹۰، نمبر ۴۵۱/۱۰۱۳)اس حدیث میں ہے کہ ظہر اور عصر میں تھوڑی سی آیت حضورؐ جہری کر کے سنا بھی دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۳؎ جتنی آیت سے نماز صحیح ہو جاتی ہو وہ کثیر ہے، یہ الگ بات ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت،اور صاحبینؒ کے نزدیک تین آیتیں ہیں۔

تشریح :آیت کی کتنی مقدار کثیر ہے،جس کے جہر یا سر کرنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جتنی آیت سے نماز جائز ہو جاتی ہو وہ کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے۔۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت سے نماز کا فرض اداء ہو جائے گا ۔اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک لمبی آیت، یا تین چھوٹی آیتوں سے فرض اداء ہوگا۔اور اتنی مقدار کو جہری کے بجائے سری،اور سری کے بجائے جہری کرے گا تو سجدہ لازم ہوگا۔باب صفة الصلوة مسئلہ نمبر ۳۲۱ میں اسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمه: ۴؎ یہ امام کے حق میں ہے منفرد کے حق میں نہیں،اسلئے جہر اور سر جماعت کی خصوصیت میں سے ہے۔

تشریح : ظاہر روایت یہ ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والے پر جہری نماز میں جہری قرأت اور سری نماز میں سری قرأت کرنا واجب نہیں ہے،سنت ہے، بلکہ جہری نماز میں جہری اور سری دونوں قرأت کرنے کا اختیار ہے،صرف جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے

(۵۲۷) قال وسهو الامام يوجب على المؤتم السجود ﴾ ل لتقرر السبب الموجب في حق الاصل

میں جہری نماز میں جہر کرنا واجب ہے اور سری نماز میں سر کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ جماعت کی خصوصیت ہے اسلئے تنہا نماز پڑھنے والا اسکے خلاف کرے گا تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: (۵۲۷) امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ واجب ہوگا۔

تشریح : امام پر کسی بھول کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوا تو اسکی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم ہوگا، اور اگر مثلا پہلی رکعت میں امام پر سجدہ سہو لازم ہوا، اور مسبوق مقتدی دوسری رکعت میں جماعت میں شریک ہوا، پھر بھی مسبوق مقتدی پر بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو لازم ہوگا

وجہ: (۱) امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدۂ سہو لازم ہوا اور اس نے سجدۂ سہو کیا تو چاہے مقتدی پر سجدۂ سہو لازم نہ ہوا ہو پھر بھی مقتدی پر سجدہ لازم ہوگا (۲) اس کی دلیل حدیث میں ہے **عن عبد الله بن لجينة انه قال صلى لنا رسول الله ركعتين ثم قام فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضى صلوته وانتظرنا التسليم كبر فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم صلى الله عليه وسلم.** (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتين ولم يتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الامام ینهض فی الرکعتین ناسیا ص ۸۳ نمبر ۳۶۵ / مسلم شریف، باب اذا نسی الجلوس فی الرکعتین فلیسجد سجدتین قبل ای یسلم ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۰) اس حدیث میں امام پر سجدۂ سہو تھا تو مقتدیوں کو بھی اس کی اقتدا میں کرنا پڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (۳) **عن عمر عن النبی ﷺ قال ليس على من خلف الامام سهو فان سها الامام فعليه وعلى من خلفه السهو وان سها من خلف الامام فليس عليه سهو والامام كافيه** ۔ (دار قطنی، باب لیس علی المقتدی سہو وعلیہ سہو الامام ج اول ص ۳۶۵ نمبر ۱۳۹۸ / سنن بیہقی، باب من سہی خلف الامام دونہ لم یسجد للسہو، ج ثانی ص ۴۹۵، نمبر ۳۸۸۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے سہو سے امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور امام کے سہو سے مقتدی پر لازم ہوگا (۳) **عن حماد عن قال : اذا سها الامام سجد من خلفه ، و اذا سها من خلفه فليس عليهم حتى لا يضر هم سهو مع الامام** . (مصنف عبد الرزاق، باب ھل علی من خلف الامام سہو ج ثانی ص ۲۰۵ نمبر ۳۵۱۹) اس اثر میں ہے کہ امام پر سجدہ سہو ہو تو مقتدی پر بھی لازم ہوگا۔ اور اگر مقتدی پر سہو ہو تو اسکی وجہ سے امام پر لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ل سجدہ سہو کے سبب کے ثابت ہونے کی وجہ سے اصل کے حق میں۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ امام جو اصل ہے اس پر سجدہ سہو کے واجب ہونے کا سبب ثابت ہو گیا کہ وہ کچھ بھول گیا۔ اور جب اصل پر واجب ہو گیا، تو فرع پر بھی لازم ہو جائے گا۔

۲ ولهٰذا يلزمه حكم الاقامة بنية الامام (۵۲۸) فان لم يسجد الامام لم يسجد المؤتم ﴾ ا لانه يصير مخالفا وما التزم الاداء الا متابعا(۵۲۹) فان سهى المؤتم لم يلزم الامام ولا المؤتم السجودُ﴾

ترجمه: ۲ اسی لئے امام کی اقامت کی نیت سے مقتدی پر بھی اقامت لازم ہوگی۔

تشریح : یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔کہ مثلا امام مسافر تھا،اسلئے وہ ظہر کی نماز دو رکعت پڑھ رہے تھے،اسی درمیان اس نے اقامت کی نیت کر لی تو اب وہ چار رکعت نماز پڑھیں گے،اور مقتدی بھی مسافر تھا لیکن اس نے اقامت کی نیت نہیں کی پھر بھی امام کی وجہ سے مقتدی پر بھی اقامت لازم ہو جائے گی۔اسی طرح امام کے سہو کی وجہ سے مقتدی پر بھی سہو لازم ہو جائے گا۔

ترجمه: (۵۲۸) پس اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی بھی سجدہ نہیں کرے گا۔

ترجمه : ا اسلئے کہ مقتدی مخالفت کرنے والا ہو جائے گا۔حالانکہ اس نے اطاعت کے ساتھ ہی نماز اداء کرنے کا التزام کیا ہے۔

تشریح: امام پر سجدہ سہو تھا لیکن کسی وجہ سے اس نے سجدہ نہیں کیا تو اسکی مخالفت کر کے مقتدی سجدہ نہ کرے۔اسلئے کہ اس نے یہ التزام کیا ہے کہ پوری نماز امام کی متابعت کر کے اداء کرے گا۔اسلئے اسکی مخالفت نہ کرے.

وجه: عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال : ((انما جعل الامام ليؤتم به ، فلا تختلفوا عليه ، فاذا كبر فكبروا))۔(مسلم شریف،باب ائتمام الماٴ موم بالامام،ص ۱۷۶،نمبر ۹۳۰/۴۱۴)اس حدیث میں ہے کہ امام کی مخالفت نہیں کرنی چاہئے۔

ترجمه: (۵۲۹) پس اگر مقتدی بھول جائے تو امام کو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

تشریح : اگر مقتدی بھول گیا تو اسکی وجہ سے نہ امام پر سہو لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر سہو لازم ہوگا۔

وجه: (۱) مقتدی تابع ہے اس لئے امام کے خلاف ہو کر سجدۂ سہو نہیں کر سکتا اور یہ بھی قاعدے کے خلاف ہے جو اصل ہو وہ اپنے تابع کی اتباع کرے۔یہ تو اصل ہونے کے خلاف ہے۔(۲) حدیث گزر چکی۔وہ یہ ہے۔عن عمر عن النبی ﷺ قال ليس على من خلف الامام سهو فان سها الامام فعليه وعلى من خلفه السهو وان سها من خلف الامام فليس عليه سهو والامام كافيه ۔(دار قطنی،باب لیس علی المقتدی سہو وعلیہ سہو الامام ض اول ص ۳۶۵ نمبر ۱۳۹۸/سنن بیہقی،باب من سہی خلف الامام دونہ لم یسجد للسہو،ج ثانی،ص ۴۹۵،نمبر ۳۸۸۴))اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے سہو سے امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا اور امام کے سہو سے مقتدی پر لازم ہوگا۔

ل لانه لوسجد وحده كان مخالفالامامه ولوتابعه الامام ينقلب الاصل تبعًا. (۵۳۰) ومن سهى عن القعدة الاولىٰ ثم تذكروهو الىٰ حالة القعود اقرب عاد وقعد وتشهد ﴾ ل لان ما يقرب من الشئ يأخذ حكمه ٢ ثم قيل يسجد للسهو للتاخير والاصح انه لايسجد كما اذا لم يقم

ترجمه: ل اسلئے کہ اگر مقتدی نے تنہا سجدہ کیا تو اپنے امام کی مخالفت ہوگی، اور اگر امام نے مقتدی کی اتباع کی تو اصل تابع ہوکر بدل جائے گا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ اگر مقتدی کے سہو کی وجہ سے اس نے امام کے بغیر ہی سجدہ کرلیا تو اس میں امام کی مخالفت ہوگی، جو اوپر کی حدیث کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اور اگر امام نے بھی مقتدی کے ساتھ سجدہ سہو کرلیا تو اصل تابع بن جائے گا، جو خلاف قاعدہ ہے۔ اسلئے مقتدی کے سہو سے نہ امام سجدہ کرے اور نہ مقتدی سجدہ کرے، وہ معاف ہے۔

ترجمہ: (۵۳۰) جو قعدۂ اولی بھول جائے پھر یاد آئے اس حال میں کہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو لوٹ جائے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ جو قریب ہوتا ہے اسی کا حکم لیا جاتا ہے۔

تشریح: قعدۂ اولی واجب ہے لیکن اس کو بھول کر کھڑا ہو گیا تو اگر بیٹھنے کے قریب تھا کہ یاد آیا تو ابھی کھڑا نہیں ہوا ہے اس لئے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلئے کہ بیٹھنے کے قریب ہے اسلئے گویا کہ بیٹھا ہوا ہی ہے۔ جو جسکا قریب ہوتا اسکو اسکا حکم دے دیا جاتا ہے۔ اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اسلئے کہ جب بیٹھنے کے قریب ہے تو اسکو اسکا حکم دے دیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے عن مغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ اذا قام الامام فى الركعتين فان ذكر قبل ان يستوى قائما فليجلس فان استوى قائما فلا يجلس ويسجد سجدتى السهو (ابوداؤد شریف، باب من نسی ان یتشہد وھو جالس ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۶/دار قطنی، باب الرجوع الی القعود قبل استتمام القیام ج اول ص ۳۶۷ نمبر ۱۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے قریب ہو تو بیٹھ جائے۔ اور کھڑے ہونے کے قریب ہو تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔

ترجمہ: ٢ پھر یہ کہا گیا ہے کہ تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے، اور صحیح بات یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے، جیسا کہ کھڑا ہی نہ ہوا۔

تشریح: جو آدمی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو اس کو بیٹھ جانا چاہئے، اور اس پر سجدہ سہو بھی نہیں ہے صحیح روایت یہی ہے۔

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ کھڑا نہیں ہوا تو ابھی کوئی زیادہ فرق نہیں پڑا ہے، اور ایسا سمجھو کہ وہ تھوڑا سا بھی کھڑا نہیں ہوا۔ (۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن الزهرى فى الرجل يسهو فى الصلوة ان استوى قائما فعليه السجدتان، و

(۵۳۱) ولو كان الى القيام اقرب لم يعد لانه [كالقائم معنى] ويسجد للسهو ﴿ ۱ لانه ترك الواجب(۵۳۲) وان سهى عن القعدة الاخيرة حتى قام الى الخامسة رجع الى القعدة مالم يسجد ﴾

ان ذكر قبل أن يعتدل قائما فلا سهو عليه ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۴۹،من کان یقول:اذا لم یستقم قائما فلیس علیہ سہو، ج اول،ص ۳۹۰،نمبر ۴۴۹۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے قریب ہو سجدہ سہو نہ کرے اور کھڑا ہو گیا ہو تو سجدہ سہو کرے۔ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ سجدہ کرے۔اسکی دلیل یہ اثر ہے۔عن انس ابن مالک أنه تحرک للقیام فی الرکعتین من العصر فسبحو به فجلس ثم سجد سجدتی السهو و هو جالس . (سنن بیہقی،باب من سہا فقام من اثنتین ثم ذکر قبل ان یستتم قائما عاد فجلس وسجد للسہو، ج ثانی،ص ۴۸۴،نمبر ۳۸۴۵)اس اثر میں ہے کہ تھوڑا سا اٹھے تو سجدہ سہو فرمایا،اس سے ثابت کرتے ہیں کہ سجدہ سہو کرے،لیکن صحیح روایت پہلی ہے۔

ترجمہ : (۵۳۱) اور اگر کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہو گئے تو واپس لوٹ کر نہ بیٹھے۔اسلئے کہ وہ کھڑا ہونے کی طرح ہے۔ اور سجدہ سہو کرے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ واجب چھوڑا ہے۔

تشریح : اگر قعدہ اولی میں نہیں بیٹھا اور کھڑا ہونے کے قریب ہو گیا تو اب کھڑا ہی ہو جائے،اور چونکہ قعدہ اولی جو واجب ہے چھوڑ دیا اسلئے اسکے چھوڑنے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔

وجہ : (۱) قعدہ اولی واجب ہے اسکے چھوڑنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔(۲) اسکے لئے یہ حدیث گزر گئی ہے۔ عن مغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ اذا قام الامام فی الرکعتین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس فان استوی قائما فلا یجلس ویسجد سجدتی السهو (ابوداؤد شریف،باب من نسی ان یتشہد وھو جالس ص ۲۵۵ نمبر ۱۰۳۶/دار قطنی ، باب الرجوع الی القعود قبل استتمام القیام ج اول ص ۳۶۷ نمبر ۱۴۰۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے کے قریب ہو تو بیٹھ جائے۔اور کھڑے ہونے کے قریب ہو تو نہ بیٹھے اور سجدۂ سہو کرے۔

ترجمہ : (۵۳۲) اگر قعدۂ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا تو قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹے گا جب تک سجدہ نہ کیا ہو۔

تشریح : مثلا چار رکعت ظہر کا فرض پڑھ رہا تھا کہ قعدہ آخیرہ بھول گیا،اس میں بالکل بیٹھا ہی نہیں اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک کہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو تو اسکے لئے یہ ہے کہ یہ واپس آ کر بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کرے۔اسی طرح فجر کی نماز میں تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا،اور مغرب کی نماز میں چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور قعدہ آخیرہ چھوڑ دیا،تو اسکے

ل لان فيه اصلاح صلاته وامكنه ذٰلک لان مادون الركعة بمحل الرفض (۵۳۳) قال والغى الخامسة﴾ ل لانه رجع الى شئ محله قبلها فيرتفض

لئے یہ ہے کہ واپس آ کر قعدہ آخیرہ میں بیٹھ جائے۔

وجه:(۱) باب صفۃ الصلوۃ کے مسئلہ نمبر ۲۵۷ میں گزر گیا ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے اب اس کو چھوڑ کر پانچویں رکعت کی طرف گیا جو گویا کہ نفل ہوگی تو فرض کو چھوڑ کر نفل میں شامل ہوا ہے اس لئے جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور اس کو مضبوط نہ کیا ہو اس کو چھوڑ کر قعدۂ اخیرہ کی طرف لوٹ آئے اور قعدۂ اخیرہ کر کے سلام پھیرے اور سجدۂ سہو کرے (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن عبد الله قال ان رسول الله ﷺ صلى الظهر خمسافقيل له ازيد فى الصلوة؟ قال وما ذاک ؟قال صليت خمسا فسجد سجدتين بعد ما سلم (بخاری شریف، باب اذا صلی خمسا ص ۱۹۶، نمبر ۱۲۲۶ر مسلم شریف، باب من صلی خمسا او نحوہ ص ۲۱۲ نمبر ۱۲۸۳/۵۷۲) اس حدیث میں پانچ رکعت پڑھنے پر آپؐ نے سجدۂ سہو کیا ہے۔اور پانچویں رکعت بیکار گئی۔

ترجمه: ل اسلئے کہ اس میں اپنی نماز کی اصلاح ہے۔اور اصلاح کا امکان بھی ہے اسلئے کہ ایک رکعت سے کم کو چھوڑا جا سکتا ہے۔

تشريح : پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا ہو اور ابھی تک اسکا سجدہ نہ کیا ہو تو اسکو چھوڑ کر قعدہ آخیرہ میں واپس آجائے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا فرض باطل ہونے سے بچ جائے گا۔تو اس صورت میں اسکی نماز کی اصلاح ہے۔اور ابھی اسکی اصلاح کرنا ممکن بھی ہے، کیونکہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا ہو تو ایک رکعت مکمل نہیں ہوئی ، ایک رکعت مکمل کر کے اسکو چھوڑنا مشکل ہے لیکن ایک رکعت مکمل ہونے سے پہلے چھوڑنا مشکل نہیں اسلئے ابھی اسکو چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اپنی نماز کی اصلاح کرنی ہے۔ایک رکعت مکمل ہو جائے تو نماز بتیرا ہوتی ہے،اور پانچویں رکعت کے سجدہ کرنے سے پہلے ابھی نماز بتیرا نہیں ہوئی اسلئے اسکو چھوڑ سکتا ہے۔باب ادراک الفریضۃ مسئلہ نمبر ۴۹۴ میں اسکی تفصیل گزر چکی ہے۔

لغت : رفض: چھوڑنا محل الرفض: چھوڑنے کی جگہ میں۔

ترجمه: (۵۳۳) اور پانچویں رکعت بیکار جائے گی۔

ترجمه : ل اسلئے کہ وہ اس سے پہلے کے محل کی طرف لوٹ گیا، اسلئے پانچویں رکعت کو چھوڑ دے۔

تشريح : اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نمازی پانچویں رکعت سے پیچھے ہٹ کر قعدہ آخیرہ کی طرف چلا آیا تو خود بخود پانچویں رکعت چھوٹ گئی، اسلئے پانچویں رکعت خود بخود بیکار ہو جائے گی۔۔اسکی ایک مثال یہ ہے کہ، کوئی آدمی قعدہ آخیرہ میں تھا، اسکو یاد آیا کہ مجھ پر سجدہ ہے، اسلئے وہ سجدہ میں چلا گیا تو قعدہ آخیرہ خود بخود باطل ہو گیا، اب دوبارہ قعدہ آخیرہ کرے، اسی طرح

(۵۳۴) وسجد للسهو﴾ لـ لانه اخر واجبا (۵۳۵) وان قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه عندنا﴾ لـ خلافاللشافعیؒ

پانچویں رکعت سے واپس قعدہ کی طرف آ گیا تو پانچویں رکعت خود بخود باطل ہوگی، اب سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرے۔(۲)اوپر حدیث گزری جس میں حضورؐ نے پانچویں رکعت کو چھوڑ کر سجدہ فرمایا ہے(بخاری شریف، باب اذا صلی خمسا،ص ۱۹۶،نمبر ۱۲۲۶)

ترجمہ: (۵۳۴)سجدہ سہو کرے۔

ترجمہ : لـ اسلئے کہ اس نے واجب کو مؤخر کیا۔

تشریح : واجب کے مؤخر کرنے کا یہاں دو مطلب ہیں[۱] ایک تو سلام واجب ہے جو مؤخر ہوا۔[۲]اور دوسرا قعدہ آخیرہ مراد ہے، جو واجب سے بڑھ کر فرض ہے لیکن مجازا واجب کہہ سکتے ہیں، پانچویں رکعت پڑھنے کی وجہ سے یہ بھی مؤخر ہوا، یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔اس تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔

ترجمہ: (۵۳۵) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدے سے مقید کر دیا تو ہمارے نزدیک اسکا فرض باطل ہو جائے گا۔

تشریح : پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو چونکہ فرض کے ساتھ نفل ملا لیا اسلئے اب اسکا فرض باطل ہو جائے گا اور وہ نماز نفل ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب جو قعدہ کرے گا وہ نفل نماز کا قعدہ ہوگا اور فرض نماز کا قعدۂ اخیرہ چھوٹ گیا اور قاعدہ ہے کہ فرض چھوڑ دے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔اس لئے فرض فاسد ہو جائے گا اور نفل بن جائے گا۔اس لئے اس نماز کو دوبارہ پڑھے(۲)اثر میں ہے عن حماد قال اذا صلى الرجل خمسا ولم يجلس فى الرابعة فانه يزيد السادسة ثم يسلم ثم يستأنف صلوته (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یصلی الظہر اوالعصر خمسا ج ثانی ص ۱۹۷،نمبر ۳۴۷۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھٹی رکعت ملا لے تا کہ چھ رکعتیں نفل بن جائیں اور فاسد شدہ فرض دوبارہ پڑھے۔

اصول: فرض چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

فائدہ : **ترجمہ**: لـ خلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح : امام شافعیؒ، امام مالک، امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ چاہے چوتھی رکعت میں بیٹھا ہو یا نہ بیٹھا ہو، اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا ہو تو چاہے پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا ہو یا نہ کیا ہو ہر حال میں سجدہ سہو کرے گا تو چار رکعت فرض پورا ہو جائے گا، اسکی نماز باطل نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱)انکی دلیل یہ حدیث ہے(۱)عن عبد الله قال صلى بنا رسول الله ﷺ خمسا فقلنا يا رسول الله ازيد فى الصلوة؟ قال وما ذاک؟ قالوا صليت خمسا قال انما انا بشر مثلكم اذكر كما تذكرون وانسى كما

۲ لانہ استحکم شروعه فی النافلة قبل اکمال ارکان المکتوبة ومن ضرورته خروجه عن الفرض ۳ وهذا لان الرکعة بسجدة واحدة صلوٰة حقیقة حتی یحنث بها فی یمینه لایصلی

تنسون ثم سجد سجدتی السهو (مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوه فلیسجد سجدتین ص ۲۱۳ نمبر ۱۲۸۴/۵۷۲/ابوداؤد شریف، باب اذا صلی خمسا ص ۱۵۳ نمبر ۱۰۱۹) اس حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ آپ چوتھی رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے یا بغیر قعدۂ اخیرہ کئے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپ نے دو سجدۂ سہو کر کے چار رکعت فرض پوری کی ہے۔ اس لئے قعدۂ اخیرہ میں بیٹھے یا نہ بیٹھے ہر حال میں سجدۂ سہو کرے گا تو چار رکعت فرض پورا ہو جائے گا۔ (۲) اثر میں ہے۔ عن قتادہ فی رجل صلی الظهر خمسا، قال: یزید الیها رکعة، فتکون صلوة الظهر، و رکعتین بعدها، واذا صلی الصبح ثلاثا صلی الیها رابعة، فتکون رکعتان تطوعا، و سجد سجدتین و هو جالس۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یصلی الظهر أو العصر خمسا، ج ثانی، ص ۱۹۶، نمبر ۳۴۶۹) اس اثر میں ہے کہ چار رکعت فرض ہو جائے گا، اور باقی دو نفل ہو جائے گا، اور فرض باطل نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۲ اسلئے کہ فرض کو مکمل کرنے سے پہلے نفل کے شروع کرنے کو مضبوط کر لیا، اور اسکی ضرورت میں سے ہے کہ فرض سے نکل جائے۔

تشریح: یہ حنفیہ کی دلیل عقلی ہے۔ پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو ابھی قعدہ آخیرہ باقی ہے جو فرض ہے تو چار رکعت فرض پورا کرنے سے پہلے نفل شروع کر لیا، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ فرض پورا کرنے سے پہلے نفل شروع کر لے تو وہ فرض سے نکل جائے گا۔ اسلئے فرض باطل ہو گیا۔

ترجمه: ۳ یہ اسلئے کہ رکعت ایک سجدے کی وجہ سے حقیقت میں نماز بن گئی۔ یہاں تک کہ ((لایصلی)) کی قسم کھائے تو ایک رکعت پڑھنے سے حانث ہو جائے گا۔

تشریح: اس عبارت سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے فرض کیوں باطل نہیں ہوگا۔ اور خود پانچوں رکعت ہی کیوں بیکار ہو جائے گی؟ اور پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد خود فرض کیوں باطل ہو جائے گا؟ تو اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سجدہ کرنے سے پہلے رکعت مکمل نہیں تھی، اور نہ نماز بنی تھی، اسلئے سجدہ کرنے سے پہلے واپس قعدہ میں بیٹھ گیا تو پانچویں رکعت بیکار ہو جائے گی۔ اور سجدہ کرنے کے بعد اب ایک رکعت مکمل ہو گئی، اور نماز بن گئی تو گویا کہ فرض پورا کرنے سے پہلے نفل شروع کر دیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ فرض پورا کرنے سے پہلے نفل شروع کر دے اور اسکو مستحکم کر دے تو فرض باطل ہو جاتا ہے اسلئے فرض باطل ہو جائے گا۔۔ سجدہ کرنے کے بعد ایک رکعت مکمل ہوتی ہے اور نماز بنتی ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ کوئی قسم کھائے ((لایصلی))

(۵۳۶) وتحولت صلاته ﴿ ۱ نفلا عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ خلافا لمحمدؒ علٰی ما مر
(۵۳۷)فیضم الیها رکعة سادسة ولولم یضم لاشئ علیه ﴿ ۱ لانه مظنون.

کہ نماز نہیں پڑھے گا۔تو رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد حانث ہوگا،اور ابھی تک سجدہ نہیں کیا صرف قیام،قرأت،اور رکوع کیا ہے تو حانث نہیں ہوگا۔جس سے معلوم ہوا کہ سجدے کے بعد نماز بنتی ہے،اور رکعت پوری ہوتی ہے۔اس سے پہلے نہیں۔

ترجمہ: (۵۳۶)اسکی نماز نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔خلاف امام محمدؒ کے،جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

تشریح: پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد فرض نماز باطل ہو جائے گی،تاہم امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نماز نفل بن جائے گی۔اور نفل کا ثواب ملے گا،کیونکہ انکے یہاں صفت نماز باطل ہونے سے اصل نماز باطل نہیں ہوتی،جو کم سے کم نفل کے درجے میں ہے۔اور امام محمدؒ کی یہاں اصل نماز باطل ہو جائے گی،کیونکہ انکے یہاں صفت نماز کے باطل ہونے سے تحریمہ بھی باطل ہو جاتا ہے،اسلئے وہ نماز نفل بھی باقی نہیں رہے گی۔اسکی تفصیل باب قضاء الفوائت،مسئلہ نمبر ۵۱۹۔میں گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۵۳۷) پس اسکے ساتھ چھٹی رکعت ملالے،اور اگر نہ ملائے تو مصلی پر کچھ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ یہ گمان کی نماز ہے۔

تشریح: پانچویں رکعت کا سجدہ کیا تو فرض باطل ہو گیا،اور ایک رکعت بتیرا ہو گیا اسلئے نماز بتیرا سے بچانے کے لئے چھٹی رکعت ملالے تا کہ چھ رکعت نفل ہو جائے۔لیکن چونکہ ارادہ اور قصد سے پانچویں رکعت شروع نہیں کیا ہے بلکہ بھول میں ہوا ہے اسلئے اگر چھٹی رکعت نہ بھی ملائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ: اثر میں ہے کہ چھٹی رکعت ملالے۔ **عن حماد قال اذا صلی الرجل خمسا ولم یجلس فی الرابعة فانه یزید السادسة ثم یسلم ثم یستأنف صلوته** (مصنف عبد الرزاق،باب الرجل یصلی الظہر او العصر خمسا ج ثانی ص ۱۹۷ نمبر ۳۴۷۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھٹی رکعت ملالے تا کہ چھ رکعتیں نفل بن جائیں اور فاسد شدہ فرض دوبارہ پڑھے۔

اور نہ ملائے تو کوئی حرج نہیں اسکی دلیل (۱) یہ آیت ہے۔**ما علی المحسنین من سبیل و الله غفور رحیم** ۔(آیت ۹۱، سورۃ توبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ احسان کرنے والے پر کوئی زبردستی نہیں ہے،اور یہ نفل بھول میں ہے اسلئے بھی یہ لازم نہیں ہے ۔(۲)اس حدیث میں ہے۔**عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول الله** ﷺ **((ان الله تجاوز لی عن أمتی الخطأ و النسیان و ما استکرھوا علیه** . (ابن ماجۃ شریف،باب طلاق المکرہ والناسی ص ۲۹۳،نمبر ۲۰۴۳)اس حدیث میں ہے کہ اللہ بھول سے کئے ہوئے کام کو معاف فرمایا ہے اسلئے بھول میں پانچویں رکعت شروع ہوئی تو وہ لازم نہیں ہے

۲ ثم انما يبطل فرضه بوضع الجبهة عند ابی يوسفؒ لانه سجود كامل ۳ وعند محمدؒ برفعه لان تمام الشئ باٰخره وهو الرفع ولم يصح مع الحدث ۴ وثمرة الاختلاف تظهر فيما اذا سبقه الحدث فی السجود بنی عند محمدؒ خلافا لابی يوسفؒ.

لغت: مظنون: ظن سے مشتق ہے، اس کا ترجمہ ہے، گمان ، یعنی پانچویں رکعت اس گمان میں شروع ہوگئی ہے کہ ابھی چار رکعت پوری نہیں ہوئی ہے۔ اور جب تک ارادہ اور قصد سے نماز شروع نہ کرے چھٹی رکعت ملا کر نماز کی تکمیل اس پر لازم نہیں ہوگی ۔

ترجمہ: ۲ پھر اسکا فرض چہرہ کے رکھتے ہی باطل ہو جائے گا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسلئے کہ یہ سجدہ کامل ہے۔

تشریح : پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے فرض باطل ہوگا، تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زمین پر سر رکھتے ہی سجدہ مکمل ہو جائے گا اور فرض باطل ہو جائے گا۔ انکی دلیل یہ ہے کہ زمین پر سر رکھنے کا نام سجدہ ہے اسلئے سر رکھتے ہی سجدہ ہو جائے گا اور فرض باطل ہو جائے گا، چاہے ابھی سجدہ سے سر نہ اٹھایا ہو۔ اثر یہ ہے۔ **عن ابن عمر قال : اذا وضع الرجل جبهته بالارض أجزاه** . (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۹، فی ادنی ما یجزی ء من الرکوع والسجود، ج اول ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ زمین پر پیشانی رکھتے ہی سجدہ ہو جائے گا ، اسلئے زمین پر سر رکھتے ہی فرض باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۳ اور امام محمدؒ کے نزدیک زمین سے سر اٹھانے سے، اسلئے کہ کوئی چیز آخیر پر جانے سے مکمل ہوتی ہے، اور وہ سر اٹھانا ہے، یہی وجہ ہے کہ سجدہ حدث کے ساتھ مکمل نہیں ہوتا۔

تشریح : امام محمدؒ نے فرمایا کہ زمین سے سر اٹھائے گا تب سجدہ مکمل ہوگا اور اسکے بعد فرض باطل ہوگا۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی چیز اس وقت مکمل ہوتی ہے جب وہ چیز آخری حد کو پہنچ جاتی ہے۔ اور سجدہ آخری حد کو زمین سے سر اٹھانے کے بعد پہنچتا ہے۔ اسلئے سجدہ سر اٹھانے کے بعد پورا ہوگا۔ (۲) یہی وجہ ہے کہ سجدے میں سر رکھے اور ابھی اٹھایا بھی نہیں کہ حدث ہو گیا تو وہ سجدہ مکمل نہیں سمجھا جاتا ہے ۔ جس سے معلوم ہوا کہ سر اٹھانے کے بعد سجدہ مکمل ہوگا۔

ترجمہ: ۴ اختلاف کا نتیجہ ظاہر ہوگا اس صورت میں کہ نمازی کو سجدے میں حدث پیش آجائے تو امام محمدؒ کے نزدیک بناء کر سکے گا، خلاف امام ابو یوسفؒ کے۔

تشریح : پانچویں رکعت کے سجدے میں تھا کہ حدث ہو گیا تو امام محمدؒ کے یہاں ابھی سجدہ مکمل نہیں ہوا ہے، اسلئے ابھی فرض بھی باطل نہیں ہوا ہے، اسلئے وہ وضو کرے اور بناء کرے، پس اگر اسی درمیان اسکو یاد آیا کہ قعدہ اخیرہ باقی ہے تو چونکہ پانچویں رکعت مکمل نہیں ہوئی ہے اسلئے وہ قعدہ کی طرف واپس آسکتا ہے اور فرض پورا کر سکتا ہے ۔ اور بناء بھی کر سکتا ہے

لیکن امام ابو یوسفؒ کے یہاں سر رکھتے ہی سجدہ پورا ہو گیا اسلئے فرض باطل ہو گیا، اب گویا کہ اسکے بعد حدث ہوا، اسلئے یہ آدمی حدث

(۵۳۸) ولو قعد فی الرابعة ثم قام ولم یسلم عاد الی القعدة مالم یسجد للخامسة وسلم ﴾ ۱؎ لان التسلیم فی حالة القیام غیر مشروع وامکنه الاقامة علی وجهه بالقعود لان مادون الرکعة بمحل الرفض (۵۳۹) وان قید الخامسة بالسجدة ثم تذکر ضم الیها رکعة اخری وتم ﴾

کے بعد نہ واپس وضو کرسکتا ہے، اور نہ قعدہ آخیرہ کرسکتا ہے، اسلئے کہ سر رکھتے ہی سجدہ پورا ہوگیا اور پانچویں رکعت پوری ہوگئی۔

ترجمہ: (۵۳۸) اور اگر چوتھی رکعت میں بیٹھا پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں کیا تو جب تک پانچویں کا سجدہ نہیں کیا ہے تو قعدہ کی طرف واپس آجائے۔ اور سلام پھیرے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں سلام پھیرنا مشروع نہیں ہے۔ اور سلام کو بیٹھ کر مشروع طریقے پر قائم کرنا ممکن ہے۔ اسلئے کہ رکعت سے کم چھوڑنے کی جگہ پر ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس بنیاد پر ہے کہ قعدہ آخیرہ جو فرض ہے وہ کیا ہے اسلئے اس نماز کا فرض تو پورا ہوگیا، صرف سلام جو واجب ہے وہ باقی ہے، اسکے بعد پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا ہے، لیکن ابھی اسکا سجدہ نہیں کیا ہے اسلئے رکعت پوری نہیں ہوئی اسلئے اسکو چھوڑنا آسان ہے، اسلئے اسکو چھوڑ کر قعدہ میں واپس آئے اور مشروع طریقے پر سلام پھیرے، قیام میں کھڑے کھڑے سلام پھیرنا اچھا نہیں ہے، مشروع طریقہ یہی ہے کہ قعدہ میں بیٹھ کر سلام پھیرے۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے کہ پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو یاد آنے پر بیٹھ کر سلام پھیرا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال ((ان أحدکم اذا قام یصلی جاء الشیطان فلبس علیه حتی لا یدری کم صلی ، فاذا وجد ذالک أحدکم فلیسجد سجدتین و هو جالس** ۔(بخاری شریف، باب السهو فی الفرض والتطوع، ص ۱۹۷، نمبر ۱۲۳۲) اس حدیث میں ہے کہ اس قسم کی بھول ہوجائے تو سلام بیٹھ کر پھیرے۔ (۲) حضور پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے بیٹھ کر سلام پھیرا. **عن عبد الله قال صلی رسول الله ﷺ فزاد ، او نقص .....فقال انما انا بشر مثلکم أنسی کما تنسون ، فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین و هو جالس)) ثم تحول رسول الله ﷺ فسجد سجدتین .** (مسلم شریف، باب السهو فی الصلوة والسجو دله، ص ۲۳۲، نمبر ۱۲۸۵/۵۷۲ / ابوداود شریف، باب اذا صلی خمسا، ص ۱۵۵، نمبر ۱۰۲۲) اس حدیث میں ہے کہ بیٹھ کر سجدہ سہو کرے، تو ظاہر بات ہے کہ سلام بھی بیٹھ کر ہی کرے گا (۳) پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگا تو سجدہ سہو بھی کرنا ہوگا، اور سجدہ سہو بیٹھ کر ہوتا ہے، اسلئے سلام بھی بیٹھ کر ہی ہوگا۔

ترجمہ: (۵۳۹) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدے کے ساتھ مقید کردیا پھر یاد آیا تو اسکے ساتھ چھٹی رکعت ملائے اور اسکا فرض پورا ہوجائے گا۔

ل فرضه لان الباقی اصابة لفظة السلام وهی واجبة ۲ وانما یضم الیها اخریٰ لتصیر الرکعتان نفلا لان الرکعة الواحدة لاتجزیه لنهیه علیه السلام عن البتیراء ۳ ثم لاتنوبان سنة الظهر هو الصحیح لان المواظبة علیها بتحریمة مبتدأة (۵۴۰) ویسجد للسهو ﴾

ترجمہ: ل اسلئے کہ باقی صرف سلام کا لفظ ہے، اور وہ صرف واجب ہے۔

تشریح : قعدہ آخیرہ کر چکا ہے اسلئے تمام فرض پورے ہو چکے ہیں، صرف سلام پھیرنا باقی ہے جو واجب ہے، اسلئے چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گا باطل ہو کر نفل نہیں بنے گا ، البتہ سجدہ کرنے کی وجہ سے ایک رکعت مکمل ہو چکی ہے جو نماز بتیرا ہے جس سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے، اسلئے اس سے بچنے کے لئے چھٹی رکعت ملا لے تا کہ چار رکعت فرض ہو جائے اور باقی دو رکعت نفل ہو جائے، اوپر گزر چکا ہے کہ یہ چھٹی رکعت ملانا واجب نہیں ہے، بہتر ہے، کیونکہ قصد اور ارادہ سے پانچویں رکعت شروع نہیں کیا ہے۔ قصد اور ارادہ سے نفل شروع کرے تب ایک شفع پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔

وجہ : (۱) چھٹی رکعت ملانے کا اثر گزر چکا ہے عن قتادہ فی رجل صلی الظهر خمسا ، قال : یزید الیها رکعة ، فتکون صلوة الظهر ، و رکعتین بعدها ، و اذا صلی الصبح ثلاثا صلی الیها رابعة ، فتکون رکعتان تطوعا ، و سجد سجدتین و هو جالس ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصلی الظہر اَوالعصر خمسا، ج ثانی ص ۱۹۶، نمبر ۳۴۶۹) اس اثر میں ہے کہ چار رکعت فرض ہو جائے گا، اور باقی دو نفل ہو جائے گا، اور فرض باطل نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے تا کہ دو رکعت نفل ہو جائے، اسلئے کہ ایک رکعت کافی نہیں ہے، اسلئے کہ حضورؐ نے بتیرا نماز سے منع فرمایا ہے۔

تشریح : یہ حدیث تلاش کے باوجود نہیں مل پائی۔

ترجمہ: ۳ پھر یہ دو رکعتیں سنت ظہر کے بدلے میں کافی نہیں ہے، صحیح یہی ہے، اسلئے کہ حضورؐ نے اس پر ہمیشہ نئے تحریمے سے مواظبت کی ہے۔

تشریح : یہ پانچویں اور چھٹی رکعت نفل ہوگی، لیکن اس سے ظہر کے بعد کی سنت اداء نہیں ہوگی، کیونکہ حضورؐ نے ہمیشہ الگ تحریمے کے ساتھ اس سنت کو اداء فرمایا ہے ، اور یہ دو رکعتیں فرض کے ساتھ اداء ہوئی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ رکعتیں بھول سے پڑھی گئیں ہیں، اور ظہر کی سنت حضورؐ ہمیشہ قصد اور ارادہ سے پڑھتے رہے ہیں، اسلئے یہ دو رکعتیں سنت رواتب کے لئے کافی نہیں۔

ترجمہ: (۵۴۰) اور سجدہ سہو کرے۔

لے استحسانا لتمکن النقصان فی الفرض بالخروج لا علی الوجه المسنون وفی النفل بالدخول لا علی الوجه المسنون ۲ے ولو قطعها لم یلزمه القضاء لانه مظنون

ترجمہ: لے استحسانا، فرض میں نقصان کے داخل ہونے کی وجہ سے کیونکہ غیر مسنون طریقے سے فرض سے نکلا ہے اور غیر مسنون طریقے سے نفل میں داخل ہوا ہے۔

تشریح : یہ سجدہ سہو استحسانا کریں، اسلئے کہ سلام جو واجب ہے وہ فرض کا مؤخر ہوا ہے اسلئے فرض میں سجدہ سہو کرنا چاہئے، لیکن فرض کے بجائے نفل میں سجدہ کیا جارہا ہے، اسلئے یہ سجدہ استحسان کے طور پر کرنے کے لئے کہا۔ اور سجدہ سہو کرنے کی وجہ یہ ہیں

وجہ : [۱] مسنون طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت فرض سے سلام پھیر کر باہر ہونا چاہئے، لیکن سلام پھیرے بغیر نفل شروع کر دیا اسلئے سجدہ سہو لازم ہوگا۔ [۲] نفل کو قصد اور ارادے سے نئے تحریمہ کے ساتھ شروع کرنا چاہئے، اس نے فرض کے تحریمہ میں شامل کر دیا اور نئے تحریمہ کے ساتھ شروع نہیں کیا، اسلئے سجدہ سہو لازم ہونا چاہئے۔ [۳] فرض کے سلام میں تاخیر ہوئی، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ واجب میں تاخیر ہو تو سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اس لئے بھی سجدہ سہو لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۲ے اور اگر پانچویں رکعت کو توڑ دیا تو قضاء لازم نہیں ہے، اسلئے کہ یہ بھول کی نماز ہے۔

تشریح : پانچویں رکعت کے سجدے کے بعد فرمایا تھا کہ چھٹی رکعت ملا لے تاکہ یہ نفل بن جائے، لیکن اس نے نہیں ملایا اور نماز قطع کر دی تو اس پر اس دو رکعت کی قضاء لازم نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اسلئے کہ یہ دو رکعت قصد اور ارادے سے شروع نہیں کی ہے، بلکہ بھول میں شروع ہوئی ہے، اور بھول میں شروع کی ہوئی نماز کی قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث میں اسکا اشارہ موجود ہے۔ **عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول الله ﷺ ((ان الله تجاوز لی عن أمتی الخطأ و النسیان و ما استکرھوا علیه** . (ابن ماجۃ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی، ص ۲۹۳، نمبر ۲۰۴۳) اس حدیث میں ہے کہ اللہ بھول سے کئے ہوئے کام کو معاف فرمایا ہے اسلئے بھول میں پانچویں رکعت شروع ہوئی تو وہ لازم نہیں ہے (۲) اس آیت میں بھی اسکا اشارہ ہے۔ **ما علی المحسنین من سبیل و الله غفور رحیم** ۔ (آیت ۹۱، سورۃ توبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ احسان کرنے والے پر زبردستی نہیں، اور یہ رکعت تو بھول میں ہوئی ہے اسلئے بدرجہ اولی لازم نہیں ہونی چاہئے۔ (۳) حضورؐ نے بھی چھٹی رکعت نہیں ملائی ہے اسلئے چھٹی رکعت ملانا ضروری نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله قال ان رسول الله ﷺ صلی الظهر خمسافقیل له ازید فی الصلوۃ؟ قال وما ذاک ؟قال صلیت خمسا فسجد سجدتین بعد ما سلم** (بخاری شریف، باب اذا صلی خمسا، ص ۱۹۶، نمبر ۱۲۲۶ مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوہ ص ۲۱۲ نمبر ۱۲۸۳/۵۷۲) اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے چھٹی رکعت نہیں ملائی ہے، اسلئے ملانا ضروری نہیں ہے۔

۳ ولـو اقتدى به انسان فيهما يصلى ستا عند محمدؒ لانه المؤدّى بهٰذه التحريمة وعندهما ركعتين لانه استحكم خروجه عن الفرض ۴ ولو افسده المقتدى لاقضاء عليه عند محمدؒ اعتبارا بالامام ۵ وعند ابى يوسفؒ يقضى ركعتين لان السقوط بعارض يخص الامام

ترجمه: ۳ اور اگر کسی انسان نے پانچویں یا چھٹی رکعت میں اسکی اقتداء کی تو امام محمدؒ کے نزدیک چھ رکعت پڑھے اسلئے کہ اس تحریمہ سے اتنی اداء کی جارہی ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو رکعت اداء کرے، اسلئے کہ فرض سے نکلنا مضبوط ہو گیا۔

تشریح : یہ بھول کر پانچویں اور چھٹی رکعت پڑھنے والا نمازی نماز پڑھ رہا تھا کہ کسی نے اسکی اقتداء میں نیت باندھ لی، تو امام محمدؒ کے نزدیک اقتداء کرنے والا پوری چھ رکعت پڑھے۔ ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ بھولنے والا اس تحریمے سے چھ رکعت پڑھ رہا ہے اسلئے امام کی اقتداء میں اسکی اقتداء کرنے والا بھی چھ رکعت ہی پڑھے۔ تاکہ امام کی مخالفت لازم نہ آئے۔

اصول : امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ جیسا امام پر لازم ہوگا ویسا ہی مقتدی پر لازم ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فرض کی چار رکعت سے نکل چکا ہے، اور اب نفل کی دو رکعت شروع کر چکا ہے، جو مستقل الگ شفع ہے، اسلئے اس میں اقتداء کرنے والا یہی دو رکعت اداء کرے، امام کی پچھلی چار رکعت اداء کرنے کی ضرورت نہیں ،اسلئے کہ وہ نماز فرض ہے اور الگ ہے، اور یہ شفع نفل ہے اور الگ ہے۔

اصول : شیخین کا اصول یہ ہے کہ فرض الگ ہو چکا ہے، اور نفل الگ شفع ہے، اگر چہ یہاں دونوں کا تحریمہ بھول میں ایک ہے۔

ترجمه: ۴ اور اگر مقتدی نے اسکو فاسد کر دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اس پر قضاء نہیں ہے ،امام پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : بھول کر پانچویں اور چھٹی رکعت پڑھنے والے کی جس نے اقتداء کی اس مقتدی نے اس نماز کو توڑ دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک اس مقتدی پر اسکی قضاء نہیں ہے۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ ابھی اوپر گزرا کہ بھولنے والا خود پانچویں، چھٹی رکعت کو توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء نہیں ہے۔ جب امام پر قضاء نہیں ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے اسکے مقتدی پر بھی قضاء نہیں ہے۔

ترجمه: ۵ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو رکعت قضاء کرے، اسلئے کہ امام سے ساقط ہونا ایک عارض کی وجہ سے ہے جو امام کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام نے بھول کر پانچویں اور چھٹی رکعت شروع کی ہے، اس بھولنے کی وجہ سے اس پر قضاء واجب نہیں ہے، لیکن اسکا مقتدی بھول کر پانچویں اور چھٹی شروع نہیں کیا ہے بلکہ جان کر اقتداء کی ہے اسلئے اس پر دو رکعت کی

(۱ ۵۴) قال ومن صلّٰى ركعتين تطوعًا فسهى فيهما وسجد للسهو ثم ارادان يصلى اخريين لم يبن ﴾ لے لان السجود يبطل لوقوعه فى وسط الصلوٰة.

قضاءواجب ہوگی،اسلئے بھولنے کی وجہ سے جوسہولت امام کوملی جان کر کرنے کی وجہ سے وہ سہولت اسکے مقتدی کونہیں ملے گی۔۔اسلئے کہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ امام پر بھی اس دورکعت کی قضاء واجب ہو کیونکہ نفل شروع کرنے کے بعد توڑے تو عام حالات میں اسکی قضاءلازم ہوتی ہے اسلئے مقتدی پر بھی اسکی قضاءلازم ہونی چاہئے۔۔اور دوہی رکعت اسلئے قضاءلازم ہوگی کہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ دونوں رکعت فرض سے الگ ہو چکی ہیں،اور نفل ہیں،اسلئے اسکے توڑنے پر یہ دوہی رکعت قضاءلازم ہوگی۔

ترجمه : (۵۴۱) کسی نے دورکعت نفل پڑھی پس اس میں بھول گیا اور سجدہ سہو کیا، پھر دوسری دورکعت اسکے ساتھ پڑھنا چاہے تو تو بناء نہ کرے۔

ترجمه: لے اسلئے کہ سجدہ سہونماز کوختم کر دیتا ہے نماز کے بیچ میں واقع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سجدہ سہونماز کے آخیر میں واقع ہونا چاہئے ،حدیث سے یہی پتہ چلتا ہے،اور اگر درمیان میں سجدہ سہو واقع ہوگیا تو سجدہ باطل ہوجائے گا،اسلئے اسکو دوبارہ اداء کرنا ہوگا۔اسکے لئے حدیث یہ ہے. **عن عطاء بن يسار ....قال ان النبى ﷺ قال اذا شک أحدکم فى صلاته فان استيقن أن قد صلى ثلاثا فليقم فليتم ركعة بسجودها ثم يجلس فيتشهد ،فاذا فرغ فلم يبق الا ان يسلم فليسجد سجدتين و هو جالس ثم يسلم** ۔(ابو داود شریف، باب اذا شک فی الثنتین والثلاث من قال یلقی الشک ،ص۱۵۶،نمبر ۱۰۲۷)اس حدیث میں ہے کہ سلام کے علاوہ کوئی چیز باقی نہ رہے تو سجدہ سہو کرے۔جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو آخیر میں ہوتا ہے ۔

مسئلے کی تشریح یہ ہے، کہ کسی نے دورکعت نفل شروع کی ،اس میں سہو ہوا اسلئے دورکعت کے بعد سجدہ سہو کیا،اب یہ چاہتا ہے کہ اسی پر دوسری دورکعت کا بناء کروں تو نہیں کرسکتا،اور اگر بناء کرلیا تو درمیان والا سجدہ سہو بیکار جائے گا اور نماز کے آخیر میں دوبارہ سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

وجه : (۱) حدیث میں ہے کہ پہلے سلام کرے پھر سجدہ سہو کرے پھر دوبارہ سلام کرے،اسلئے پہلا سلام نماز سے آخیر کا سلام ہے جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہونماز کے آخیر میں ہونا چاہئے ،اور جب آخیر میں ہوگیا تو اب اس پر کسی نفل کی بناء صحیح نہیں ہے۔(۲) حدیث یہ ہے **عن عمران بن حصين قال سلم رسول الله ﷺ فى ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال اقصرت الصلوة يا رسول الله فخرج مغضبا فصلى الركعة التى كان ترک ثم سلم ثم سجد سجدتى السهو ثم سلم** (مسلم شریف، باب فصل من ترک الرکعتین اونحوھما فلیتم مابقی ویسجد سجدتین

۲ بخلاف المسافر اذا سجد للسهو ثم نوى الاقامة حيث يبنى لانه لو لم يبن تبطل جميع الصلوٰة.

۳ ومع هٰذا لو ادى صح لبقاء التحريمة، ويبطل سجود السهو هو الصحيح (۵۴۲) ومن سلم وعليه سجدتاالسهو فدخل رجل فى صلاته بعد التسليم فان سجد الامام كان داخلا و الافلا ﴾

بعد التسليم ،ص۲۱۴،نمبر۱۲۹۴/۵۷۴/ بخاری شریف ، باب ھل یأ خذ الامام اذا شک بقول الناس ،ص ۹۹،نمبر۷۱۴/ ترمذی شریف ، باب ماجاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا ،ص۸۳ نمبر۳۶۴/ ابوداؤد شریف ، باب السھو فی السجدتین ،ص۱۵۳،نمبر۱۰۱۸ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث میں ہے کہ سلام کیا پھر سجدہ سہو کیا پھر سلام کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ نماز کے آخیر میں ہو۔

ترجمہ : ۲ بخلاف مسافر کے جبکہ سجدہ سہو کیا پھر اقامت کی نیت کی تو وہ بناء کر سکتا ہے، اسلئے کہ بناء نہ کرے تو تو پوری نماز باطل ہو جائے گی۔

تشریح : مسافر ظہر کی نماز دو رکعت پڑھ رہا تھا کہ اس میں سہو ہوا، اسکا سجدہ سہو کیا، لیکن سلام پھیرنے سے پہلے مقیم ہونے کی نیت کر لی، تو سجدہ سہو کرنے کے باوجود ظہر کی دو رکعت اور ملا کر چار رکعت نماز پڑھ سکتا ہے

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر سجدہ سہو کے بعد دو رکعت ملانے کی اجازت نہ دی جائے تو پہلی دو رکعت باطل ہو جائے گی، کیونکہ نماز میں اقامت کی نیت کرتے ہی اسکا فرض چار رکعت ہو گیا اور اس نے دو ہی رکعت پڑھی ہے اسلئے وہ بیکار جائے گی اس لئے اس فرض کو بچانے کے لئے سجدہ سہو کے بعد مزید دو رکعت ملانا جائز ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ درمیان کا سجدہ سہو جو واجب ہے وہ باطل ہو جائے گا، اور دوبارہ سجدہ سہو کرنا ہوگا۔ لیکن فرض اعلی درجہ ہے اسکو بچانے کے لئے واجب کو بیکار کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳ اسکے باوجود نفل کی دوسری دو رکعت اداء ہی کر لیا تو صحیح ہے تحریمہ کے باقی رہنے کی وجہ سے، اور سجدہ سہو باطل ہو جائے گا، صحیح یہی ہے۔

تشریح : نفل کی دو رکعت پڑھنے کے بعد سجدہ سہو کیا، اب مزید اس پر دو رکعت نہیں پڑھنی چاہئے۔ لیکن اگر پڑھ ہی لیا تو یہ دو دسری دو رکعت بھی ہو جائے گی۔

وجہ : سجدہ سہو کرنے کے باوجود ابھی سلام نہیں پھیرا ہے اسلئے تحریمہ باقی ہے اسلئے مزید دو رکعت ملا سکتا ہے۔ البتہ اس ملانے کی وجہ سے درمیان کا سجدہ سہو باطل ہو جائے گا، اور دوبارہ سجدہ سہو کرنا ہوگا ۔ کیونکہ سجدہ سہو نماز کے آخیر میں ہوتا ہے۔

اصول : سجدہ سہو آخیر میں ہونا چاہئے۔

ترجمہ : (۵۴۲) کسی نے سلام کیا اور اس پر سجدہ سہو لازم ہے، پس ایک آدمی سلام کے بعد اسکی نماز میں داخل ہوا، تو اگر امام نے سجدہ کیا تو مقتدی اس میں داخل ہوگا، اور نہیں کیا تو داخل نہیں ہوگا۔

۱؎ وهذا عند ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ ۲؎ وقال محمدؒ هو داخل سجد الامام اولم یسجد لان عنده سلام من علیه السهو لایخرجه عن الصلوٰة اصلالانها وجبت جبرا للنقصان فلا بد ان یکون فی احرام الصلوٰة ۳؎ وعندهما یخرجه علی سبیل التوقف لانه محلل فی نفسه وانما لا یعمل لحاجته الی اداء السجدة فلا یظهر دونها ولا حاجة علیٰ اعتبار عدم العود

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سجدہ سہو سے پہلے جو سلام کیا اس سے نماز ختم ہو جائے گی، یا باقی رہے گی؟ امام محمدؒ کے یہاں ابھی سجدہ سہو جو واجب ہے وہ باقی ہے، اسلئے نماز باقی رہے گی، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں اگر آگے سجدہ سہو کیا تب تو نماز باقی سمجھی جائے گی اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو پہلے ہی سلام پر نماز ختم سمجھی جائے گی ۔۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ، ایک آدمی مثلا زید نماز پڑھ رہا ہے، اس پر سجدہ سہو لازم ہے، اب سجدہ سہو سے پہلے والا سلام پھیرا ابھی سجدہ سہو نہیں کیا ہے کہ ایک دوسرا آدمی مثلا عمر نیت کر کے اسکی اقتداء میں داخل ہوا، تو عمر کی اقتداء درست ہوگی، یا نہیں؟ تو شیخین فرماتے ہیں کہ اگر امام زید نے سجدہ سہو کیا تو مقتدی عمر اسکی اقتداء میں داخل ہوگا، اور زید نے سجدہ سہو نہیں کیا تو عمر زید کی اقتداء میں داخل نہیں ہوگا۔

وجہ : (۱) یہ سلام ایک انداز ے میں نماز کے ختم کرنے کے لئے ہے، لیکن ابھی سجدہ سہو باقی ہے، اسلئے دیکھا جائے گا کہ سجدہ سہو کرتا ہے یا نہیں۔ اگر سجدہ سہو کیا تو نماز باقی رہے گی اور عمر کا اقتداء کرنا درست ہوگا، اور سجدہ سہو نہیں کیا تو سلام کے وقت ہی نماز ختم ہو گئی اور تحریمہ منقطع ہو گیا، اسلئے عمر کا اقتداء کرنا درست نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ مقتدی نماز میں داخل ہے امام سجدہ کرے یا نہ کرے، اسلئے کہ انکے نزدیک یہ ہے کہ جس پر سہو ہو سلام پھیرنا اسکو نماز سے بالکل نہیں نکالتا، اسلئے کہ سجدہ سہو نقصان کے پورا کرنے کے لئے واجب ہوا ہے، اسلئے ضروری ہے کہ نماز کے احرام رہے۔

تشریح : امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ سجدہ سہو نماز کے نقصان کو پورا کرنے لئے واجب ہوا ہے اسلئے یہ ضروری ہے کہ سجدہ سہو کرنے تک نماز کا احرام باقی رہے، اسلئے سلام کرنے سے نماز ختم نہیں ہوگی اور نہ تحریمہ ختم ہوگا، اور جب تحریمہ ختم نہیں ہوا تو عمر مقتدی کا اقتداء کرنا بھی صحیح ہوا اور امام کی نماز میں داخل بھی ہو گیا۔

اصول : امام محمدؒ کے یہاں: سجدہ سہو ہو تو سلام نماز سے نہیں نکالتا ۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک توقف کے طور پر نمازی کو نماز سے نکالے گا، اسلئے کہ سلام فی نفسہ نماز کو ختم کرنے والی ہے صرف سجدے کی ادائیگی کی ضرورت کی وجہ سے اپنا عمل نہیں کرے گا اسلئے بغیر سجدہ کے ظاہر نہیں ہوگا، اور

ﷲ ویظهر الاختلاف فی هٰذا وفی انتقاض الطهارة بالقهقة وتغیر الفرض بنیة الاقامة فی هٰذه الحالة

عدم عود کا اعتبار کرتے ہوئے اسکی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : شیخین کی دلیل یہ ہے کہ سلام ہوتا ہی ہے نماز سے نکالنے کے لئے۔حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید قال قال رسولؐ اللہ مفتاح الصلوۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم ولاصلوۃ لمن لم یقرأ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ او غیرھا. (ترمذی شریف، باب ما جاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ /ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ سلام نماز کو حلال کر دیتا ہے، یعنی نماز کو ختم کر دیتا ہے۔اسلئے اس سلام سے بھی نماز ختم ہو جانی چاہئے، لیکن چونکہ آگے سجدہ سہو کرنا ہے اسلئے انتظار کیا جائے گا ،اگر سجدہ سہو کیا تو نماز ختم نہیں ہوگی اور اقتداء کرنا درست ہوگا ،اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو سلام کا اثر ظاہر ہوگا اور نماز ختم ہو جائے گی۔اسلئے عمر کا اقتداء کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

لغت : عبارت پیچیدہ ہے اسلئے ہر عبارت کا مطلب بیان کر رہا ہوں۔۔محلل فی نفسہ : سلام فی نفسہ حلال کرنے والا ہے، یعنی نماز کو ختم کرنے والا ہے۔انما لا یعمل لحاجتہ الی اداء السجدۃ : سلام کا اصلی عمل ہے نماز کو ختم کرنا۔لیکن سجدے کی ادائیگی کی ضرورت کی وجہ سے سلام کا یہ اپنا عمل ظاہر نہیں ہوگا ،اور نماز سجدے کے انتظار میں باقی رہے گی۔فلا یظھر دونھا : سجدہ سہو کرنے سے پہلے سلام کا عمل ظاہر نہیں ہوگا۔پس اگر سجدہ سہو کرے گا تو سلام کا عمل یہ ظاہر ہوگا کہ نماز ابھی ختم نہیں ہوگی ،اور اگر سجدہ سہو نہیں کرے گا تو سلام کا عمل یہ ظاہر ہوگا کہ نماز ختم ہو جائے گی ،اور اب کسی کا اقتداء کرنا درست نہیں ہوگا۔ ولا حاجۃ علی اعتبار عدم العود۔اگر سجدہ سہو نہیں کرتا ہے تو سلام کے بعد نماز برقرار رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔یہاں عدم العود : کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوٹ کر سجدہ سہو نہیں کرتا ہے تو سلام کا اثر [نماز کو ختم کرنا] اسکو ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ : ﷲ اور اختلاف کا نتیجہ ایک تو اس مسئلے میں ظاہر ہوگا [۲] اور قہقہہ مارنے کی وجہ سے طہارت ٹوٹنے میں ہوگا [۳] اور اس حالت میں اقامت کی نیت سے فرض کے بدلنے میں ہوگا۔

تشریح : شیخین اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف کا نتیجہ ان تین مسئلوں میں ہوگا۔[۱] ایک تو اقتداء کے مسئلے میں ہوا کہ سلام پھیرنے کے بعد اور سجدہ سہو کرنے سے پہلے کسی نے اسکی اقتداء کی تو شیخین کے نزدیک سجدہ سہو کرے گا تو اسکی اقتداء درست ہوگی ، اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ سہو کرے یا نہ کرے ہر حال میں اسکی اقتداء درست ہے، کیونکہ سجدہ نہ بھی کرے تب بھی سلام کے بعد اسکا تحریمہ باقی ہے۔[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سلام کے بعد اس امام نے قہقہہ لگایا، تو امام محمدؒ کے نزدیک اسکا وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ ابھی تحریمہ باقی ہے اسلئے نماز کے درمیان قہقہہ لگانا ہوا۔اور شیخین کے یہاں اگر سجدہ سہو کرے گا تو اسکا وضو ٹوٹے گا کیونکہ اس صورت میں نماز کے درمیان قہقہہ لگانا ہوگا ،اور اگر سجدہ سہو نہ کیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا ، اسلئے کہ گویا کہ سلام کے بعد ہی نماز ختم ہوگئی تھی۔[۳]

(۵۴۳) ومن سلم يريد به قطع الصلوٰة وعليه سهو فعليه ان يسجد لسهوه ﴾ ل لان هٰذا السلام غير قاطع ونيته تغيير للمشروع فلغت

مسافر آدمی تھا ظہر کی نماز دو رکعت پڑھ رہا تھا۔ سلام کے بعد اقامت کی نیت کی تو امام محمدؒ کے یہاں فرض بدل کر چار رکعت ہو جائے گی، کیونکہ ابھی تحریمہ باقی ہے۔ اور شیخین کے یہاں اگر سجدہ سہو کرے گا تو اسکا فرض بدل کر چار رکعت ہوگی، اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو اسکا فرض بدل کر چار رکعت نہیں ہوگی، اسلئے کہ سلام کے وقت ہی اسکی نماز ختم ہو چکی تھی، اور نماز ختم ہونے کے بعد اقامت کی نیت کرے تو فرض پڑھ چکا ہے اسلئے یہ فرض اب چار رکعت نہیں ہوگا، اگلا فرض چار رکعت ہوگا۔

اصول : امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ سہو کرے یا نہ کرے سلام کے بعد بھی تحریمہ باقی ہے۔ اور شیخین کے نزدیک سجدہ سہو کرے تو تحریمہ باقی رہے گا، اور نہ کرے تو سلام پر ہی تحریمہ ختم ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۵۴۳) نماز کو قطع کرنے لئے کسی نے سلام کیا حالانکہ اس پر سجدہ سہو ہے تو اس پر ضروری ہے کہ سہو کے لئے سجدہ کرے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ یہ سلام نماز کو توڑنے والا نہیں ہے، اور اسکی نیت مشروع چیز کو بدلنے والی ہے، اسلئے اسکی نیت بیکار جائے گی۔

تشریح : ایک آدمی پر سجدہ سہو تھا لیکن اسکو یاد نہیں رہا اور نماز کو ختم کرنے کی نیت سے سلام پھیر دیا لیکن قبلہ سے رخ پھیرنے سے پہلے یاد آ گیا تو سجدہ سہو کر لے، اور قبلہ سے رخ پھیرنے کے بعد یاد آیا تو سجدہ سہو نہ کرے۔

وجہ : (۱) سجدہ سہو سے پہلے ایک سلام تو کرنا ہی تھا، یہ اور بات ہے کہ سجدہ سہو کرنے کی نیت سے وہ سلام کرنا تھا، اور اس نے نماز قطع کرنے کی نیت سے سلام کیا، لیکن اس پر سجدہ واجب ہے اسلئے نیت بیکار جائے گی اور یہ سلام نماز ختم کرنے کا نہیں سمجھا جائے گا بلکہ سجدہ سہو سے پہلے جو سلام کرتے ہیں وہ سلام سمجھا جائے گا، اسلئے کہ اسکی نیت مشروع طریقے کے خلاف ہے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے پانچ رکعت پڑھ کر بھول کر نماز ختم کرنے کا سلام پھیرا، پھر سجدہ کیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله قال ان رسول الله ﷺ صلی الظهر خمسافقيل له ازيد فی الصلوة؟ قال وما ذاک ؟قال صليت خمسا فسجد سجدتين بعد ما سلم (بخاری شریف، باب اذا صلی خمسا ص ۱۹۶، نمبر ۱۲۲۶ / مسلم شریف، باب من صلی خمسا اونحوه ص ۲۱۲ نمبر ۱۲۸۳/۵۷۲) اس حدیث میں پانچ رکعت پڑھنے کے بعد انقطاع کا سلام کیا اور یاد آنے پر پھر سجدہ سہو کیا۔ (۳) اسا ثر میں ہے .عن الحسن فی رجل نسی سجدتی السهو ، قال اذا لم يذكر هما حتى انصرف و لم يسجدهما ، فقد مضت صلوته فان ذكر هما و هو قاعد لم يقم ،و يسجدهما ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب نسیان سجدتی السہو، ج ثانی،

(۵۴۴) ومن شک فی صلاته فلم یدرثلثا صلی ام اربعًا وذٰلک اوّل ما عرض استانف ﴾ لِ لقوله علیه السلام: اذا شک احدکم فی صلاته انه کم صلی فلیستقبل الصلوٰۃ، (۵۴۵) وان کان یعرض له کثیرا بنی علیٰ اکبر رأیہٖ ﴾ لِ لقوله علیه السلام من شک فی صلاته فلیتحر الصواب.

ص۲۱۱،نمبر۳۵۵۲)اس اثر میں ہے کہ سجدہ سہوکرنا بھول گیا تو رخ پھیرانے سے پہلے یاد آیا تو سجدہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ : (۵۴۴)جس کو شک ہو گیا نماز میں، پس نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار رکعت اور یہ پہلی مرتبہ اس کو پیش آیا ہے تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

تشریح : کسی کو نماز میں شک ہو گیا، اور یہ یاد نہیں کہ تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت پڑھی ہے تو اگر یہ صورت بار بار پیش آتی ہے تو غالب گمان پر بناء کرے، اور اگر پہلی مرتبہ پیش آئی ہے تو شروع سے نماز پڑھے، بہتر یہی ہے۔

وجہ: **ترجمہ** : لِ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہو، کہ وہ کتنی پڑھی، تو شروع سے نماز پڑھے۔

یہ اثر ہے۔ عن ابن عمر فی الذی لایدری ثلاثا صلی او اربعا قال یعید حتی یحفظ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۳۹ باب من قال اذا شک فلم یدر کم صلی اعاد، ج اول، ص ۳۸۵، نمبر ۴۴۲۲)اس اثر کو ہم اس پر حمل کرتے ہیں کہ پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تو شروع سے نماز پڑھے، اور بار بار شک ہوتا ہو تو ظن غالب پر عمل کرے اور یقین پر عمل کرے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

لغت: استأنف : شروع سے پڑھے۔

ترجمہ (۵۴۵) اور اگر اس کو بار بار شک پیش آتا ہو تو غالب گمان پر بنا کرے گا۔

تشریح: مثلا تین رکعت اور چار رکعت میں شک ہوا اور غالب گمان ہو کہ چار رکعت پڑھی ہے تو غالب گمان چار رکعت پر عمل کرے گا اور سلام پھیر دے گا۔ اور کسی طرف ظن غالب نہ ہو تو تین رکعت یقینی ہے اس لئے تین کو بنیاد بنا کر ایک رکعت ملائے گا۔ تاکہ چار رکعت ہو جائے۔ اور سجدۂ سہو بھی کرے گا۔

وجہ: **ترجمہ** : لِ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جسکو اپنی نماز میں شک ہو وہ ٹھیک بات کے لئے تحری کرے۔

صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ قال عبد الله صلی رسول الله ... واذا شک احدکم فی صلوته فلیتحر الصواب فلیتم علیه ثم یسجد سجدتین ۔دوسری حدیث میں ہے فلینظر احری ذلک للصواب (مسلم شریف ،باب من شک فی صلوته فلم یدر کم صلی فلیطرح الشک الخ ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۷۴/۵۷۲ /۱۲۷۶/ابو داود شریف، باب اذا صلی خمسا ،ص ۱۵۵، نمبر ۱۰۲۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غور کرنا چاہئے کہ کتنی رکعت پڑھی ہے تا کہ جس طرف ظن غالب ہو اس پر عمل کیا جا سکے۔

(۵۴۶) وان لم يكن له رأى بنى على اليقين ﴾ ل لقوله عليه السلام: من شک فی صلاته فلم يدرا ثلثا صلى ام اربعًا بنى على الاقل ۲ والاستقبال بالسلام اولٰى لانه عرف محلِّلا دون الکلام ومجرد النية تلغو

ترجمه: (۵۴۶) اور اگر اسکی رائے نہ ہو تو یقین پر بناء کرے۔

تشریح : کسی طرف گمان غالب نہ ہو تو مثلا تین اور چار میں سے تین رکعت یقینی ہے، تو یقینی پر بناء کرے۔

وجه : ترجمه : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، جسکو اپنی نماز میں شک ہو اور یہ نہ یاد ہو کہ تین پڑھی ہے یا چار تو کم پر بناء کرے۔

صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ اذا شک احدکم فی صلوته فلم يدر کم صلى؟ ثلاثا ام اربعا؟ فليطرح الشک وليبن على ما استيقن ثم يسجد سجدتين قبل ان يسلم (مسلم شریف، باب السھو فی الصلوۃ والسجود ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۷۲/۵۷۱/ابو داؤد شریف، باب اذا شک فی الثنتین والثلاث ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۴) اس حدیث میں ہے کہ ظن غالب نہ ہو بلکہ دونوں طرف شک ہو تو یقین پر بنا کرے۔

(۲) حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جسکو اپنی نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہیں کہ تین پڑھی یا چار تو اقل پر بناء کرے۔

صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عبد الرحمن ابن عوف قال سمعت النبی ﷺ يقول ((اذا سها أحدكم فی صلاته فلم يدرواحدة صلى أو اثنين فليبن على واحدة فان لم يدرثنتين صلى أوثلاثا فليبن على ثنتين ،فان لم يدرثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاثا ، وليسجد سجدتين قبل أن يسلم (ترمذی شریف، باب فیمن یشک فی الزیادۃ والنقصان ص ۹۱ نمبر ۳۹۸/ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فیمن شک فی صلاتہ فرجع الی الیقین ،ص ۱۶۹، نمبر ۱۲۰۹) اس حدیث میں ہے کہ اقل پر بناء کرے۔

ترجمه: ۲ اور سلام کے ساتھ استقبال کرنا زیادہ بہتر ہے اسلئے کہ سلام محلل کے طور پر پہچانا گیا ہے، نہ کہ کلام، اور محض نیت لغو ہے۔

تشریح : جسکو شک ہوا اور شروع سے نماز پڑھنا چاہتا ہے، تو پہلی نماز سلام کے ساتھ ختم کرنا بہتر ہے، بات کر کے ختم کرنا بہتر نہیں۔

وجه : (۱) سلام کے بارے میں حدیث میں شہرت ہے کہ وہ نماز کو ختم کرنے والا ہے، اسلئے سلام پھیر کر نماز کو ختم کرے۔

حدیث یہ ہے عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوۃ الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم

۳ وعنـد البنـاء عـلـى الاقل يقعد فى كل موضع يتوهم اٰخر صلاته كيلا يصير تاركافرض القعدة.. والله اعلم.

ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فى فريضة او غيرها. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ ؍ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ سلام نماز کو حلال کر دیتا ہے، یعنی نماز کو ختم کر دیتا ہے، اسلئے سلام سے نماز کو ختم کرنا بہتر ہے۔ بات کر کے نماز ختم کرنا بہتر نہیں۔۔اور اگر نہ بات کرے اور نہ سلام کرے، صرف نیت کر کے نماز ختم کرے تو یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ صرف نیت لغو ہے، جب تک نماز توڑنے کی کوئی حرکت نہ کرے صرف نیت سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ: ۳ کم پر بناء کے وقت ہر وہ جگہ جہاں آخری نماز کا وہم ہو اس میں بیٹھے گا تا کہ قعدہ کا فرض چھوڑنے والا نہ ہو۔

تشریح: کم پر بناء مثلا: ایک رکعت اور دو رکعت میں شک تھا اسلئے اقل درجہ ایک رکعت مان کر اسکو پوری کی تو اس پر بھی بیٹھے گا، کیونکہ ہوسکتا ہو کہ وہ دوسری رکعت ہو، اور دوسری رکعت پر قعدہ اولی ہے۔۔اور دوسری رکعت ملانے کے بعد بھی بیٹھے گا، کیونکہ دوسری رکعت کے بعد قعدہ اولی ہے، اور یہ دوسری رکعت مان کر چل رہا ہے۔۔اور تیسری رکعت کے بعد بھی بیٹھے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ چوتھی رکعت ہو اور چوتھی کے بعد قعدہ آخیرہ ہے۔ اور چوتھی کے بعد تو بیٹھے گا ہی، کیونکہ چوتھی پر تو قعدہ آخیرہ ہے ہی۔تو گویا کہ ہر رکعت کے بعد بیٹھے گا......واللہ اعلم

Documents\3) JPEG CLIPART\flower3.JPEG.jpg not found.

﴿باب صلوٰة المريض﴾

(۵۴۷) **اذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدا يركع ويسجد** ﴾ ١ لقوله عليه السلام لعمران بن حُصينؓ صلِّ قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلى الجنب تؤمي ايماء

﴿ باب صلوة المريض ﴾

ضروری نوٹ : مریض کو اللہ نے گنجائش دی ہے کہ جتنی طاقت ہو اتنا کام کرے۔اس سے زیادہ کا مکلّف نہیں ہے۔چنانچہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔البتہ جب تک ہوش وحواس ہے اور اشارہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے تو نماز ساقط نہیں ہوگی۔دلیل یہ آیت ہے **لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج** (آیت ۱۷ سورۃ الفتح ۴۸)اس آیت سے ثابت ہوا کہ قدرت کے مطابق آدمی کام کرتا رہے **لایکلف الله نفسا الا وسعها** (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے ثابت ہوا کہ وسعت سے زیادہ اللہ تعالی مکلّف نہیں بناتے۔

ترجمہ: (۵۴۷) اگر بیمار کھڑا ہونے سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھے،اور بیٹھ کر ہی رکوع اور سجدہ کرے۔

تشریح: جو آدمی کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔اور بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرے گا۔اور رکوع اور سجدہ بھی نہ کر سکتا ہو تو رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔اور سجدہ کے لئے سر کو زیادہ جھکائے گا

ترجمہ: ١ عمران ابن حصینؓ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو پس اگر کھڑا نہ ہو سکو تو بیٹھ کر نماز پڑھو،اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر اشارہ کر کے نماز پڑھو۔

وجہ: (۱)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے **عن عمران بن حصین قال کانت بی بواسیر فسألت رسول الله ﷺ عن الصلوة فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب** ۔(بخاری شریف،باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۷/ ترمذی شریف، باب ما جاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۲/ ابو داؤد شریف، باب فی صلوۃ القاعد ص ۱۴۴ نمبر ۹۵۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔رکوع اور سجدہ کے لئے اشارہ کرے۔(۲)اور سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ سر جھکائے اس کی دلیل یہ ہے **قال علی کل حال مستلقیا ومنحرفا فاذا استقبل القبلة وکان لایستطیع الا ذلک فیومئ ایماء ویجعل سجوده اخفض من رکوعه** (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ المریض ج ثانی ص ۳۱۴ نمبر ۴۱۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے لئے سر زیادہ جھکائے۔

۲ ولان الطاعة بحسب الطاقة (۵۴۸) قال فان لم يستطع الركوع والسجود اومى ايماء ﴾ ۱ يعنى قاعدالانه وسع مثله (۵۴۹) وجعل سجوده اخفض من ركوعه ﴾ ۱ لانه قائم مقامهما فاخذحكمهما.

ترجمه: ۲ اوراسلئے کہ عبادت طاقت کے اعتبار سے ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ جتنی طاقت ہو عبادت اتنی ہی لازم ہوتی ہے۔اب اسکو کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے تو بیٹھ کر ہی نماز لازم ہوگی۔اسی لئے اوپر کی حدیث میں ہے بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو اس آیت میں اسکی صراحت ہے۔ لایکلف الله نفسا الا وسعها (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ وسعت سے زیادہ اللہ تعالی مکلّف نہیں بناتے۔

ترجمه: (۵۴۸) پس اگر رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو تو اشارہ کرے گا۔

ترجمه : ۱ یعنی بیٹھ کر اشارہ کرے گا اسلئے کہ اس قسم کے آدمی کو گنجائش دی گئی ہے۔

تشریح :۔اگر کوئی آدمی بیٹھ کر بھی رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو تو بیٹھ کر رکوع سجدے کا اشارہ کرے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ایسا آدمی جو رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو تو اسکو بیٹھ کر رکوع اور سجدے کا اشارہ کرنے کی گنجائش دی گئی ہے۔۔اوپر کی حدیث میں تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔

وجه: (۱)اور بیٹھ کر اشارہ کرنے کے لئے حدیث یہ ہے۔عن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله ﷺ عاد مريضا فرأه يصلي على وسادة فأخذ فرمى بها فأخذ عودا ليصلي عليه فأخذه فرمى به و قال صل على الأرض ان استطعت و الا فأوم ايماء و اجعل سجودك أخفض من ركوعك (سنن للبیہقی ، باب الایماء بالرکوع والسجو داذا عجز عنھما ج ثانی ،ص ۴۳۵ ،نمبر ۳۶۶۹ ،ابواب المریض)اس حدیث میں ہے کہ باضابطہ رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو تو رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا۔(۲)اثر یہ ہے۔قال على كل حال مستلقيا ومنحرفا فاذا استقبل القبلة وكان لايستطيع الا ذلك فيومئ ايماء ويجعل سجوده اخفض من ركوعه(مصنف عبدالرزاق ،باب صلوۃ المریض ج ثانی ص ۳۱۴ نمبر ۴۱۴۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے۔اور یہ بھی ہے کہ سجدہ کے لئے سر زیادہ جھکائے۔

لغت: اومئ : اشارہ کرے۔

ترجمه: (۵۴۹)اور سجدے کو رکوع سے زیادہ جھکائے۔

ترجمه : ۱ اسلئے کہ اشارہ رکوع اور سجدے کے قائم مقام ہے اسلئے اشارہ دونوں کا حکم لیگا۔

(۵۵۰) ولا يرفع الىٰ وجهه شئ يسجد عليه لے لقوله عليه السلام ان قدرت تسجد على الارض فاسجدو الافاوم برأسک.

تشریح : رکوع کا اشارہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ رکوع کیا۔ اسی طرح سجدے کا اشارہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سجدہ کرنا۔ یعنی اشارہ رکوع اور سجدے کے حکم میں ہے۔ اور سجدے میں زیادہ جھکنا ہوتا ہے اس لئے اسکے اشارے میں بھی رکوع سے زیادہ جھکنا ہوگا۔ یہ دلیل عقلی ہے۔ اور اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی ہے جسکا ٹکڑا یہ تھا ۔اجعل سجودک أخفض من رکوعک (سنن للبیہقی ، باب الایماء بالرکوع والسجو داذا عجز عنھما ج ثانی ،ص ۴۳۵ ،نمبر ۳۶۶۹ ،ابواب المریض) اس حدیث میں ہے کہ سجدہ کو رکوع سے زیادہ جھکائے۔

ترجمہ: (۵۵۰) اور چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے۔

تشریح : کوئی آدمی سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اگر وہ کسی چیز لکڑی وغیرہ کو اٹھا کر پیشانی سے لگا دے تو یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ اسکو سجدے کا اشارہ کرنا چاہئے اسی سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

وجہ: اوپر اثر میں آیا کہ رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا اس لئے لکڑی وغیرہ کوئی چیز چہرے کی طرف نہ اٹھائے کہ اس پر سجدہ کرے۔ اس کو منع فرمایا گیا ہے۔ اثر میں ہے ان ابن عمر کان یقول اذا کان احدکم مریضا فلم یستطع سجودا على الارض فلا یرفع الى وجهه شيئا وليجعل سجوده رکوعا ولیومئ برأسه۔ (مصنف عبد الرزاق ،باب المریض ج ثانی ص ۳۱۵ نمبر ۴۱۴۸ سنن للبیہقی ، باب الایماء بالرکوع والسجو داذا عجز عنھما ج ثانی ،ص ۴۳۵ ،نمبر ۳۶۷۱ ،ابواب المریض) اس حدیث میں ہے اجعل سجودک اخفض من رکوعک ۔ اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے بلکہ سر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔ اور رکوع میں کم جھکائے اور سجدہ میں زیادہ جھکائے۔

ترجمہ: لے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ اگر تم کوز مین پر سجدہ کرنے کی قدرت ہو تو اس پر سجدہ کرو، اور اگر سجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو تو اپنے سر سے اشارہ کرو۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے۔ عن جابر بن عبد اللهؓ أن رسول الله ﷺ عاد مريضا فرأه يصلي على وسادة فأخذ فرمى بها فأخذ عودا ليصلي عليه فأخذه فرمى به و قال صل على الأرض ان استطعت و الا فأوم ايماء و اجعل سجودک أخفض من رکوعک (سنن للبیہقی ، باب الایماء بالرکوع والسجو داذا عجز عنھما ج ثانی ،ص ۴۳۵ ،نمبر ۳۶۶۹ ،ابواب المریض) اس حدیث میں ہے کہ باضابطہ رکوع سجدہ نہ کر سکتا ہو تو رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ اپنے چہرے کے لئے تکیہ اٹھایا تو آپؐ نے اسکو پھینک دیا۔ پھر لکڑی اٹھایا تو آپؐ نے اسکو بھی پھینک دیا

٢ وان فعل ذٰلک وهو يخفض رأسه اجزاه لوجود الايماء وان وضع ذٰلک علی جبهته لايجزيه لانعدامه (١٥٥) وان لم يستطع القعود استلقی علی ظهره وجعل رجليه الی القبلة واومی بالركوع والسجود ﴾ ١ لقوله عليه السلام يصلی المريض قائما فان لم يستطع فقاعدا فان لم يستطع فعلیٰ قفاه يؤمی ايماء فان لم يستطع فالله تعالیٰ احق بقبول العذر منه

اور یوں فرمایا کہ زمین پر سجدہ نہ کرسکتا ہوتو اسکا اشارہ کرو۔جس سے معلوم ہوا کہ چہرے کی طرف کسی چیز کو اٹھانا صحیح نہیں ہے۔(٢) یہ اثر بھی گزر چکا ہے کہ۔ان ابن عمر كان يقول اذا كان احدكم مريضا فلم يستطع سجودا علی الارض فلا يرفع الی وجهه شيئا وليجعل سجوده ركوعا وليومئ برأسه۔(مصنف عبد الرزاق، باب المریض ج ثانی ص ٣١٥ نمبر ٤١٤٨/ سنن للبیھقی ، باب الایماء بالرکوع والسجود اذا عجز عنھما ج ثانی، ص ٤٣٥ ،نمبر ٣٦٧١، ابواب المریض) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے۔

ترجمہ: ٢ اور اگر ایسا کیا اور سر کو بھی جھکایا تو سجدہ کافی ہوجائے گا اشارہ پائے جانے کی وجہ سے۔اور اگر اس چیز کو پیشانی پر رکھا تو کافی نہیں ہے اسلئے کہ اشارہ نہیں پایا گیا۔

تشریح : جو مریض سجدہ نہ کرسکتا ہو اسکو اشارہ کرنا چاہئے۔لیکن اس نے لکڑی وغیرہ کسی چیز کو پیشانی پر رکھ لیا،لیکن تھوڑا سا سر کو بھی جھکایا،تو چونکہ سر کا جھکانا پایا گیا جو اشارہ ہو گیا اسلئے اس اشارے کی وجہ سے سجدہ ہو گیا۔اور اگر تھوڑا سا بھی سر کو نہیں جھکایا،تو چونکہ اشارہ نہیں پایا گیا اسلئے سجدہ ادا نہیں ہوگا،دوبارہ سجدے کا اشارہ کرے یا پھر نماز کو دہرائے۔۔اسکے لئے حدیث اور اثر اوپر گزر چکے ہیں۔

ترجمہ: (١٥٥) اگر بیٹھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو گدی کے بل چت لیٹے اور دونوں پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔

ترجمہ: ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ مریض کھڑا ہو کر نماز پڑھے،پس اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر،اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ کرے، پھر اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اللہ تعالی زیادہ لائق ہیں کہ اس سے عذر قبول کریں۔

تشریح: چت لیٹ کر پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے گا تو اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ قبلہ رخ ہوگا۔جو نمازی کے لئے صحت کی حالت میں فرض ہے۔اگر چہ ایک کراہیت بھی ہے کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوئے

صاحب ھدایہ کی حدیث کا مفہوم اس حدیث میں ہے۔(١) علی بن ابی طالب عن النبی ﷺ قال يصلی المريض قائما ان استطاع فان لم يستطع صلی قاعدا فان لم يستطع ان يسجد أومأ وجعل سجوده اخفض من ركوعه

(۵۵۲) وان استلقى علىٰ جنبه ووجهه الى القبلة جاز ﴾ ل لما روينا من قبل الا ان الاولىٰ هوالاولىٰ عندنا

فان لم يستطع ان يصلى قاعدا صلى على جنبه الايمن مستقبل القبلة فان لم يستطع ان يصلى على جنبه الايمن صلى مستلقيا رجله مما يلى القبلة . (سنن للبیھقی ، باب ماروی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب اوالاستلقاء، ج ثانی ،ص ۳۰۶،نمبر ۳۶۷۸ ردارقطنی ، باب صلوۃ المریض ومن رعف فی صلوتہ الخ، ج ثانی ،ص ۳۱ نمبر ۱۶۹۰) اس حدیث میں ہے کہ پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھے۔۔لیکن بعد میں یہ بھی ہے کہ چت لیٹ کرنماز پڑھے، اور پاؤں قبلہ کی طرف ہو(۲) اس اثر میں بھی ہے کہ چت لیٹ کرنماز پڑھے۔ عن ابن عمر قال يصلى المريض مستلقيا على قفاه تلى قدماه القبلة. (سنن للبیھقی ، باب روی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب اوالاستلقاء وفیہ نظر ج ثانی ،ص ۴۳۶ ،نمبر ۳۶۷۹ ردارقطنی ، باب صلوۃ المریض ومن رعف فی صلوتہ الخ، ج ثانی ،ص ۳۱ نمبر ۱۶۹۱ رمصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ المریض، ج ثانی ،ص ۳۱۴ ،نمبر ۴۱۴۱) اس اثر میں ہے کہ چت لیٹ کرنماز پڑھے۔۔مریض کے سر کے نیچے تکیہ رکھ دے تو چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے گا۔اور بیٹھنے والے کی مشابہت ہوجائے گی۔

لغت : استلقی : لقی سے مشتق ہے، چت لیٹے۔قفا: گدی۔سر۔

ترجمہ: (۵۵۲) اوراگر پہلو کے بل لیٹا اوراس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہواوراشارہ کرے تب بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ل اس حدیث کی بنا پر جو میں نے پہلے بیان کیا۔ مگر یہ کہ پہلا ہمارے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔

تشریح : ہمارے نزدیک مریض کو چت لیٹ کرنماز پڑھنا افضل ہے۔تاہم اگر پہلو کے بل لیٹا اور چہرہ کو قبلے کی طرف کیا تب بھی جائز ہے۔کیونکہ حدیث کے اندر دونوں کی گنجائش ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ اس حدیث کی طرف اشارہ کررہے ہیں جس میں یہ گزرا کہ پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھے۔حدیث یہ ہے۔عن عمران بن حصين قال كانت بى بواسير فسألت رسول الله ﷺ عن الصلوة فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلى جنب ۔(بخاری شریف، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۷ رترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوۃ القاعد علی النصف من صلوۃ القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۲ رابو داؤد شریف ، باب فی صلوۃ القاعد ص ۱۴۴ نمبر ۹۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بیٹھ نہ سکتا ہوتو پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھے۔۔(۲) اس اثر میں ہے کہ دونوں جائز ہیں، اثر یہ ہے۔ قال على كل حال مستلقيا ومنحرفا فاذا استقبل القبلة وكان لايستطيع الا ذلك فيومئ ايماء ويجعل سجوده اخفض من ركوعه (مصنف عبدالرزاق، باب صلوۃ المریض ج ثانی ص ۳۱۴ نمبر ۴۱۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چت لیٹنا، اور پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھنا دونوں جائز ہیں۔(۳) یہ حدیث بھی گزری کہ جس میں ہے کہ پہلو کے بل لیٹ

۲ خلافا للشافعیؒ ۳ لان اشارة المستلقی تقع الیٰ هواء الکعبة واشارة المضطجع علی جنبه الیٰ جانب قدمیه وبه تتادی الصلوة (۵۵۳) فان لم یستطع الایماءَ برأسهٖ اخرت عنه ولا یومی بعینیه ولا بقلبه ولابحاجبیه ﴾

کرنماز پڑھے وہ نہ ہوسکتا ہوتب چت لیٹ کرنماز پڑھے۔حدیث یہ ہے۔علی بن ابی طالب عن النبی ﷺ قال یصلی المریض قائما ان استطاع فان لم یستطع صلی قاعدا فان لم یستطع ان یسجد أومأ وجعل سجوده اخفض من رکوعه فان لم یستطع ان یصلی قاعدا صلی علی جنبه الایمن مستقبل القبلة فان لم یستطع ان یصلی علی جنبه الایمن صلی مستلقیا رجله مما یلی القبلة . (سنن للبیھقی ،باب ماروی فی کیفیۃ الصلوۃ علی الجنب اوالاستلقاء، ج ثانی،ص ۴۰۶،نمبر ۳۶۷۸ / دارقطنی ، باب صلوۃ المریض ومن رعف فی صلوتہ الخ ، ج ثانی،ص ۳۱ نمبر ۱۶۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کرنماز پڑھے۔اگراس پرنماز نہ پڑھ سکتا ہوتب چت لیٹ کرقبلہ کی طرف پاؤں کرے۔

فائدہ : **ترجمہ** ۲ خلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح :امام شافعیؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ دائیں پہلو کے بل لیٹے اور چہرہ کوقبلہ کی طرف کرے اورنماز پڑھے۔

وجه : اسکی وجہ اوپر والی حدیث ہے جس میں ہے کہ مریض پہلو کے بل لیٹے ،اورنماز پڑھے۔

ترجمہ: ۳ اسلئے کہ چت لیٹنے والے کا اشارہ کعبہ کی فضا کی طرف پڑتا ہے۔اور پہلو کے بل لیٹنے والے کا اشارہ اپنے قدم کی طرف پڑتا ہے۔اور کعبہ کی فضا کی طرف اشارہ ہونے سے نماز ادا ہوتی ہے۔

تشریح :۔یہ دلیل عقلی ہے۔۔اسکا حاصل یہ ہے کہ چت ہوکرنماز پڑھے اوراسکے سر کے نیچے تکیہ ہوتو اسکا اشارہ قبلہ کی طرف ہو گا۔اورنمازی کا اشارہ قبلہ کی طرف ہوتو نماز ادا ہو جاتی ہے۔اسلئے یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔۔اوراگر پہلو کے بل لیٹے تو نماز کا اشارہ قبلہ کی طرف نہیں ہوگا بلکہ نمازی کے قدم کی طرف ہوگا۔اسلئے یہ صورت افضل نہیں ہے۔لیکن چونکہ حدیث میں ہے اسلئے یہ بھی جائز ہے۔

ترجمہ: (۵۵۳)پس اگرسر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہوتو نماز مؤخر ہوجائے گی ،اورنہ اشارہ کرے اپنی آنکھوں سے اورنہ دل سے اورنہ بھوؤں سے۔

تشریح : اگرسر سے بھی اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہوتو نماز مؤخر ہوگی۔چونکہ عقل دماغ موجود ہے اس لئے شریعت کا خطاب اس پرموجود ہے اس لئے نماز لازم ہوگی۔البتہ مؤخر کرکے نماز پڑھے گا۔کیونکہ جب سر سے بھی اشارہ نہیں کرسکتا ہے توکس چیز سے اشارہ کرے گا!دل سے اشارہ کرے گا تو اسکا اعتبار نہیں،اور بھوؤں سے اشارہ کرے گا تو اسکا بھی اعتبار نہیں ہے۔

۱ خلافا لزفرؒ ۲ لما روینا من قبل. ۳ ولان نصب الابدال بالرای ممتنع ۴ ولا قیاس علی الرأس لانه یتادی به رکن الصلوٰۃ دون العین و اختیها

وجه : (۱) اس اثر میں ہے کہ سر سے اشارہ کرے، جس کا مطلب یہ نکلا کہ اگر سر سے بھی اشارہ کرنے کی قدرت نہیں ہے تو اب اس سے نماز مؤخر ہو جائے گی۔۔ پھر آگے دو صورتیں ہیں۔[۱] اگر بیمار کو عقل اور ہوش ہے، صرف سر سے اشارہ نہیں کر سکتا ہے تب تو نماز فرض رہے گی، جب اشارہ کرنے پر قدرت ہو جائے اس وقت نماز ادا کرے گا۔ کیونکہ عقل اور ہوش موجود ہے۔[۲] اور اگر ایک دن ایک رات تک عقل اور ہوش بھی نہیں رہی تو اب ان بیہوشی کی نماز واجب نہیں رہے گی ساقط ہو جائے گی، کیونکہ ایک دن رات تک عقل ہی باقی نہیں رہی۔۔ سر سے اشارہ نہ کرنے پر نماز مؤخر ہو گی اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ **ان ابن عمر کان یقول اذا کان احدکم مریضا فلم یستطع سجودا علی الارض فلا یرفع الی وجهه شیئا ولیجعل سجوده رکوعا ولیومئ برأسه** ۔(مصنف عبدالرزاق، باب المریض ج ثانی ص ۳۱۵ نمبر ۴۱۴۸ سنن للبیہقی، باب الایماء بالرکوع والسجو داذا عجز عنهما ج ثانی، ص ۴۳۵، نمبر ۳۶۷۱، ابواب المریض) اس اثر میں ہے کہ سر سے اشارہ کرے، تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سر سے اشارہ نہ کر سکتا ہو تو نماز مؤخر ہو جائے گی۔

لغت : بحاجبیہ : دونوں بھوؤں سے۔

ترجمہ : ۱ خلاف ہے امام زفرؒ کے۔

تشریح : امام زفر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر سر سے اشارہ نہ کر سکتا ہو تو دل سے اور بھوؤں سے اشارہ کر کے نماز پڑھے۔

ترجمہ : ۲ اس روایت کی وجہ سے جو پہلے میں نے بیان کی۔

تشریح : یہ دلیل امام ابو حنیفہؒ کی ہے۔ جو ابھی اوپر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول گزرا۔

ترجمہ ۳ اور رائے سے بدل کو متعین کرنا ممتنع ہے۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سر کا اشارہ یہ سجدے کے بدلے میں ہے۔ اور یہ بدل ہمنے رائے سے متعین نہیں کی بلکہ حدیث کے اشارے، اور حضرت عبداللہ ابن عمر کے قول سے متعین کیا۔ اب اگر آنکھ اور دل سے اشارے کو سجدے کا بدل قرار دیں تو اسکے لئے کوئی حدیث چاہئے۔ اور اسکے لئے کوئی حدیث نہیں ہے اسلئے اپنی رائے سے آنکھ اور دل سے اشارے کو سجدے کا بدلہ قرار نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اپنی رائے سے بدل قرار دینا ممتنع ہے۔

ترجمہ : ۴ اور سر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ سر سے نماز کا ایک رکن ادا ہوتا ہے۔ آنکھ اور اسکی دو بہنیں [یعنی بھوؤں اور دل] سے رکن ادا نہیں ہوتا

۵ وقوله اخرت عنه اشارة الى انه لاتسقط الصلوٰة عنه وان كان العجزا كثر من يوم وليلة اذا كان مفيقا وهو الصحيح لانه يفهم مضمون الخطاب بخلاف المغمى عليه (۵۵۴) وان قدر على القيام ولم يقدرعلى الركوع والسجود لم يلزمه القيام ويصلى قاعدا يؤمى ايماء

تشریح : یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے۔۔اشکال یہ ہے کہ سر پر قیاس کرلیا جائے۔یعنی جس طرح سجدے کا بدلہ سر کا اشارہ ہے۔تو اسی سر پر، ہی دل، آنکھ، اور بھوں سے اشارے کو قیاس کرلیا جائے؟ اس میں کیا حرج ہے؟ تو اسکا جواب دیتے ہیں کہ سر سے نماز کا ایک اہم رکن ,,سجدہ،، ادا ہوتا ہے۔اسلئے سر کا اشارہ سجدے کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔اور دل، یا آنکھ، یا بھوں سے کوئی رکن ادا نہیں ہوتا اسلئے ان عضوؤں کا اشارہ سجدے کا قائم مقام نہیں ہوسکتا اور اسکے لئے کوئی حدیث ہے نہیں اسلئے انکے اشارے سے نماز ادا نہیں ہوگی اب نماز مؤخر ہو جائے گی

ترجمه : ۵ متن میں یہ قول ,,اخرت عنہ،، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز اس سے ساقط نہیں ہوگی [صرف مؤخر ہوگی] اگر چہ یہ عجز ایک دن ایک رات سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اسکو ہوش ہو۔صحیح روایت یہی ہے۔اس لئے کہ وہ خطاب کے مضمون کو سمجھتا ہے۔بخلاف جس پر بیہوشی طاری ہوئی ہو۔

تشریح : متن میں یہ جملہ ہے کہ ,,اخرت عنہ،، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ جو مریض سر سے اشارہ نہ کرسکتا ہو اور اس کو ہوش حواس ہے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوگی۔البتہ اس سے نماز مؤخر ہو جائے گی بعد میں قضا کرے۔چاہے اس قسم کی عاجزی ایک دن ایک رات سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہوش وحواس باقی ہے تو اللہ تعالی کے خطاب کو سمجھتا ہے کہ اس پر نماز فرض ہے اسلئے نماز فرض رہے گی۔اس کے برخلاف کوئی ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوش رہا ہو تو وہ اللہ تعالی کے خطاب کو نہیں سمجھتا ہے اسلئے اس سے نماز ساقط ہو جائے گی۔اسکو بعد میں بھی ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه : (۵۵۴) اگر کھڑے ہونے پر قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع اور سجدے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔اور اس کے لئے جائز ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

تشریح : ایک آدمی کھڑا تو ہوسکتا ہے لیکن پیٹھ میں درد کی وجہ سے رکوع سجدہ نہیں کرسکتا تو اس کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔وہ بیٹھ کر رکوع اور سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس لئے تھا تا کہ صحیح طور پر رکوع اور سجدہ کر سکے۔لیکن جب رکوع اور سجدہ ہی نہیں کر سکا تو کھڑا ہونا جو فرض تھا اس سے ساقط ہو جائے گا۔اب چاہے تو کھڑا ہو چاہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

ل لان رکنیة القیام للتوسل به الی السجدة لما فیها من نهایة التعظیم فاذا کان لایتعقبه السجود لا یکون رکنا فیتخیر ٢ والافضل هو الایماء قاعدا لانه اشبه بالسجود (۵۵۵) وان صلی الصحیح بعض صلاته قائما ثم حدث به مرض اتمها قاعدا یرکع ویسجد اویؤمی ان لم یقدر اومستلقیا ان لم یقدر ﴾ ل لانه بنی الادنیٰ علی الاعلیٰ فصار کالاقتداء

ترجمہ: ل اسلئے کہ کھڑے ہونے کا رکن سجدے کے وسیلے کے لئے ہے اسلئے کہ اس میں پوری تعظیم ہے۔ پس جب اسکے بعد سجدہ نہ کرسکتا ہو تو کھڑا ہونا رکن بھی نہیں رہا اسلئے اختیار ہوگا۔

تشریح: جو آدمی کھڑا تو ہوسکتا ہو لیکن کھڑا ہونے کے بعد رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو تو اس پر کھڑا ہونا فرض نہیں ہے بیٹھ کر رکوع سجدہ کرے۔ اس پر کھڑا ہونا فرض نہیں ہے۔ اسکی دلیل عقلی یہ ہے کہ کھڑا ہونا فرض اسلئے تھا کہ اسکے بعد رکوع سجدہ کیا جائے۔ کیونکہ اس میں بہت تعظیم ہے۔ اور اگر رکوع سجدہ نہ کرسکتا ہو تو اب کھڑا ہونے کی ضرورت نہیں رہی بیٹھ کر ہی رکوع سجدے کا اشارہ کرے۔

ترجمہ: ٢ افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ کرے، اسلئے کہ یہ سجدے کے مشابہ ہے۔

تشریح: کھڑا ہو قیام کرے، پھر بیٹھ کر رکوع سجدے کا اشارہ کرے، یہ بھی جائز ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر رکوع سجدے کا اشارہ کرے۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ کرنا سجدے کے مشابہ ہے اسلئے بیٹھ کر رکوع سجدے کا اشارہ کرے یہ بہتر ہے۔

ترجمہ (۵۵۵) اگر تندرست آدمی نے بعض نماز کھڑے ہوکر پڑھی پھر اسکو مرض پیدا ہوگیا تو بیٹھ کر پوری کرے۔ اور رکوع سجدہ کرے اور اسکی بھی قدرت نہ ہو تو اشارہ کرے، اور اگر بیٹھ کر بھی رکوع سجدے پر قدرت نہ ہو تو چت لیٹ کر اشارہ کرے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ ادنی کی بنا اعلی پر ہے تو اقتداء کی طرح ہوگیا۔

تشریح: آدمی تندرست تھا، اس نے کھڑے ہوکر نماز شروع کی درمیان نماز میں بیمار ہوگیا اور کھڑا ہونے کی ہمت نہیں رہی تو باقی نماز بیٹھ کر پوری کرے، اور بیٹھنے کی ہمت نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پوری کرے۔

وجہ: (۱) جتنے پر طاقت ہوئی اتنے پر عمل کرسکا (۲) جس طرح اقتدا کرنے والا اعلی امام کی اقتدا ادنی مقتدی کے لئے جائز ہے۔ مثلا امام کھڑا ہوکر نماز پڑھ رہا ہے تو بیٹھنے والا مقتدی اسکی اقتدا کرسکتا ہے، کیونکہ ادنی کی بنا اعلی پر ہے اسلئے جائز ہوگا۔ فصار کالاقتداء کا یہی مطلب ہے (۳) حدیث میں ہے کہ کھڑا نہ ہوسکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، حدیث یہ ہے۔ عن عمران بن حصین قال کانت بی بواسیر فسألت رسول اللہ ﷺ عن الصلوة فقال صل قائما فان لم تستطع فقاعدا فان لم تستطع فعلی جنب۔ (بخاری شریف، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۷ / ترمذی شریف، باب ما جاء ان صلوة القاعد علی

(۵۵۶) ومن صلى قاعدا يركع ويسجد لمرض ثم صح بنى علىٰ صلاته قائما عند ابى حنيفة وابى يوسفؒ ﴿ (۵۵۷) وقال محمدؒ استقبل﴾ لـ بناء علىٰ اختلافهم فى الاقتداء وقد تقدم بيانه.

النصف من صلوة القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۲/ابوداؤد شریف، باب فی صلوۃ القاعد ص ۱۴۴ نمبر ۹۵۲) اس حدیث میں ہے کہ کھڑا نہ ہوسکتا ہوتو بیٹھ کر نماز پڑھے، اور بیٹھ بھی نہ سکتا ہوتو لیٹ کر نماز پڑھے۔

ترجمہ: (۵۵۶) کوئی آدمی مرض کی وجہ سے بیٹھ کر کے رکوع سجدے کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، پھر تندرست ہوگیا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اپنی پہلی نماز پر بناء کرے۔

تشریح : ایک آدمی بیمار تھا اسلئے بیٹھ کر نماز شروع کی اور بیٹھ کر ہی رکوع سجدہ کرتا رہا، اسی درمیان وہ تندرست ہوگیا اور کھڑے ہونے پر قدرت ہوگئی تو کھڑا ہو کر اسی نماز پر بناء کرے، شروع سے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ رائے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ہے۔

وجہ: (۱) بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے اس لئے اگر بیٹھا ہوا رکوع وسجدہ کر رہا تھا اور کھڑے ہونے پر قدرت ہوگئی تو اسی پر بنا کرے اور باقی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے (۲) کھڑے ہونے والے بیٹھنے والے کی اقتدا کرسکتے ہیں لیکن لیٹنے والے کی اقتدا نہیں کرسکتے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے۔ اس لئے اسی پر بنا کرے گا۔ شروع نماز سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عائشة ان رسول الله كان يصلى جالسا فيقرأ وهو جالس فاذا بقى من قرأته قدر ما يكون ثلثين او اربعين آية قام فقرأ وهو قائم ثم ركع ثم سجد ثم يفعل فى الثانية مثل ذلك (الف) (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہے پھر آخر میں کھڑے ہو کر اس پر بنا کیا ہے۔ یہ حدیث اگرچہ نوافل کے بارے میں ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی صورت میں فرائض میں بھی بیٹھنے پر کھڑا ہونے کو بنا کرسکتا ہے۔

ترجمہ: (۵۵۷) اور امام محمدؒ نے فرمایا شروع سے نماز پڑھے۔

ترجمہ: لـ بناء کرتے ہوئے ان حضرات کے اختلاف پر اقتداء کے بارے میں۔ اور اسکا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بیٹھنے والا مریض تندرست ہوجائے تو کھڑا ہو کر بنا نہیں کرسکتا۔ شروع سے نماز پڑھے گا۔ اصل اختلاف یہ ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھا رہے ہوں تو کھڑا ہونے والا مقتدی اسکی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شیخین اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اقتداء جائز ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے امام کی اقتداء کرے تو جائز نہیں۔ اور اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کھڑا ہے اسلئے اسکی حالت اعلی ہے اور امام بیٹھا ہے اسلئے

(۵۵۸) وان صلی بعض صلاته بایماء ثم قدر علی الرکوع والسجود استانف عندهم جمیعًا﴾

لے لانه لایجوز اقتداء الراکع بالمؤمی فکذا البناء (۵۵۹) ومن افتتح التطوع قائما ثم اعیٰی لا بأس ان یتوکأ علیٰ عصا اوحائط اویقعد ﴾لے لان هٰذا عذر.

اسکی ادنی ہے، اسلئے اعلی والا ادنی کی اقتداءنہیں کرسکتا۔ باب الامامۃ مسئلہ نمبر ۳۶۴ میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔ تفصیل وہاں دیکھیں۔ یہاں بھی کھڑا ہونا اعلی ہے اسلئے بیٹھنے والا کھڑا ہونے پر بناءنہیں کرسکتا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیٹھنا کھڑا ہونے کے قریب ہے۔ اسلئے ایک دوسرے پر بناء کرسکتا ہے۔

ترجمہ: (۵۵۸) پس اگر بعض نماز اشارہ سے پڑھی پھر رکوع اور سجدہ پر قدرت ہوگئی تو سب کے نزدیک نماز شروع سے پڑھے گا۔

وجہ: اشارہ کرنا بہت ہی کمزور حالت ہے۔ اس پر اعلی کی بنا نہیں کرسکتے (۲) یہی وجہ ہے کہ لیٹنے والے یا اشارہ کرنے والے کی اقتدا بیٹھنے والے یا کھڑے ہونے والے نہیں کرسکتے ہیں۔ کیونکہ ایک بہت اعلی حالت ہے اور دوسری بہت ادنی حالت ہے۔ اس لئے اشارہ کرکے نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں رکوع اور سجدہ پر قدرت ہوگئی تو اس پر بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا (۳) اوپر کی حدیث سے ثابت ہوا کہ بیٹھنے پر کھڑے ہونے کو بنا آپؐ نے کیا ہے۔ لیکن اشارہ کرنے پر بنا کرنے کی حدیث نہیں ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اشارہ کرنے پر رکوع وسجدہ کرنے کو بنا نہ کیا جائے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء جائز نہیں۔ اسی طرح اس پر بناء کرنا بھی ہے۔

تشریح : یہ اوپر ہی کی دلیل عقلی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو آدمی بیٹھ کر رکوع سجدہ کرتا ہو اسکا اشارہ نہیں کرتا ہو وہ رکوع سجدے کے اشارے کرنے والے کی اقتداء کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اشارہ کرکے نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں رکوع سجدہ کرنے کی قدرت ہوگئی تو رکوع سجدے پر بناء نہیں کرسکتا، اسلئے کہ یہ بہت اعلی حالت ہے اور اشارہ کرنا بہت ادنی حالت ہے۔

ترجمہ: (۵۵۹) کسی نے نفل نماز کھڑے ہوکر شروع کی پھر وہ تھک گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ لکڑی یا کسی دیوار پر ٹیک لگائے، یا بیٹھ جائے۔

ترجمہ : لے اسلئے کہ یہ عذر ہے۔

تشریح : کسی نے نفل نماز کھڑے ہوکر شروع کی درمیان میں تھک گیا تو اسکے لئے گنجائش ہے کہ کسی لکڑی پر ٹیک لگالے، یا کسی دیوار پر ٹیک لگالے، یا بیٹھ جائے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تھک جانا عذر ہے، اور نفل نماز میں اتنے عذر سے بھی بیٹھ سکتا ہے، یا ٹیک لگا سکتا

٢ وان كـان الاتـكـاء بـغير عذر يكره لانه اساء ة فى الادب ٣ وقيـل لا يـكـره عند ابى حنيفةؒ لانه لو قعد عنده يجوز من غير عذر فكذا لايكره الا تكاء ٤ وعندهما يكره لانه لا يجوز القعود عندهما فيكره الاتكاء

ہے۔

وجه : (۱) حدیث میں ہے کہ حضرت زینبؓ نفل نماز میں تھک جاتی تو رسی سے سہارا لیتی تھیں۔حدیث یہ ہے. **عن انس بن مـالكؓ قـال دخـل الـنبـى ﷺ فاذا حبل ممدود بين الساريتين ، فقال : ما هذا الحبل ؟ قالو ا : هذا حبل لـزيـنـب فـاذا فتـرت تـعلقت ، فقال النبى ﷺ : لا ، حلوه ليصل أحدكم نشاطه ، فاذا فتر فليقعد** ۔(بخاری شریف، باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ ،ص۱۸۴،نمبر ۱۱۵۰)اس حدیث میں ہے کہ حضرت زینبؓ نفل نماز میں تھک جاتی تھیں تو رسی کے ساتھ سہارا لیتی تھیں۔(۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے اور بعد میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔حدیث یہ ہے۔ **عـن عـائشة قالت : كان رسول الله ﷺ يقرأ وهو قاعد ، فاذا أراد أن يركع ، قام قدر ما يقرأ انسان أربـعين آية** ۔(مسلم شریف باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا وفعل بعض الرکعۃ قائما وبعضھا قاعدا،ص ۲۹۶،نمبر ۱۷۳۱/۱۷۰۶،بخاری شریف، باب اذا صلی قاعدا ثم صح اووجد خفۃ تمم مـا بـقـى ،ص۱۵۰ نمبر ۱۱۱۹)اس حدیث میں ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے پھر آخیر میں کھڑا ہو جاتے تھے۔جس پر قیاس کرتے ہوئے یہ جائز ہوگا کہ تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

لغت : اعییٰ: تھک گیا۔ یتوکأ : ٹیک لگائے۔ عصا: لاٹھی۔

ترجمه: ٢ اور اگر ٹیک لگانا بغیر عذر کے ہو تو مکروہ ہے، کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔

تشريح : کھڑا ہو کر نفل پڑھ رہا تھا ابھی تھکا نہیں تھا کہ درمیان میں کسی چیز سے ٹیک لگایا تو یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ تاہم نماز ہو جائے گی۔اسلئے کہ نفل نماز بیٹھ کر بھی پڑھنا جائز ہے۔

ترجمه: ٣ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ بغیر عذر کے بھی ٹیک لگانا مکروہ نہیں ہے۔اسلئے کہ انکے نزدیک بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو جائز ہے۔اسی طرح بغیر عذر کے ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں۔

تشريح : بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ بغیر عذر کے بھی نفل نماز کے درمیان ٹیک لگا لیا تو مکروہ نہیں ہے۔اسلئے کہ انکے نزدیک بغیر عذر کے بیٹھنا جائز ہے،تو بغیر عذر کے ٹیک لگانا بھی مکروہ نہیں ہے۔

ترجمه: ٤ اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے اسلئے کہ انکے نزدیک نفل کے درمیان بیٹھنا جائز نہیں،تو بغیر عذر کے ٹیک لگانا بھی مکروہ ہوگا۔

(۵۶۰) وان قعد بغير عذر يكره بالاتفاق ﴿ ١﴾ وتجوز الصلوٰة عنده ولا تجوز عندهما وقد مرفی باب النوافل

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نفل کے درمیان بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں، اسی پر قیاس کر کے نفل کے درمیان بغیر عذر کے ٹیک لگانا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۵۶۰) اور اگر بغیر عذر کے بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

ترجمہ: ١ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز بھی جائز نہیں ہوگی۔

تشریح : ٹیک لگانے کا مسئلہ تھوڑا ہلکا ہے، اور بیٹھ جانے کا مسئلہ تھوڑا بھاری ہے۔ اسلئے اگر بغیر عذر کے نفل نماز میں بیٹھ گیا تو بالاتفاق مکروہ ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نفل جائز ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو آخیر میں کھڑا ہو جاتے جس سے معلوم ہوا کہ نفل نماز میں کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ حدیث میں ہے عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان يصلي جالسا فيقرأ وهو جالس فاذا بقي من قرأته نحو من ثلثين آية او اربعين آية قام فقرأها وهو قائم ثم ركع ثم سجد يفعل في الركعة الثانية مثل ذلك . (بخاری شریف، باب اذا صلی قاعدا ثم صح اووجد خفة تمم ما بقی، ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۹/ مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۱/۱۷۰۴/ ترمذی شریف، باب من تطوع جالسا ص ۸۵ نمبر ۳۷۴) اس حدیث میں آپ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر بھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر شروع کیا تو بیٹھ کر پوری کر سکتا ہے۔ اگر چہ کھڑا ہو کر ہی پوری کرنا بہتر ہے۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک شروع سے بیٹھ کر نماز پڑھی تو جائز ہے لیکن درمیان میں بیٹھ گیا تو جائز نہیں۔

وجہ : (۱) صاحبین فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نفل شروع کیا تو گویا کہ اس نے اپنے اوپر کھڑے ہونے کو لازم کیا تو گویا کہ یہ عملا نذر ہو گئی جس طرح کوئی آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اسکے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں اسی طرح کھڑا ہو کر نماز شروع کی تو بیٹھ کر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔ اس لئے بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہی۔ (۲) حدیث میں ہے۔ سألنا عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ فقالت كان رسول الله يكثر الصلوة قائما وقاعدا فاذا افتتح الصلوة قائما ركع قائما واذا افتتح الصلوة قاعدا ركع قاعدا (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۰/۱۷۰۳) اس حدیث میں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز شروع کرتے تو کھڑے ہو کر ہی رکوع سجدہ کرتے تھے۔ اسکی تفصیل، فصل فی القراۃ، مسئلہ نمبر ۴۸۵۔ میں گزر چکی ہے۔

(۵۶۱) ومن صلى فى السفينة قاعدا من غير علة اجزاه عند ابى حنيفةؒ والقيام افضلؒ (۵۶۲) وقالا لا يجزيه الا من عذر ؒ ۱؎ لان القيام مقدور عليه فلا يترک ۲؎ وله ان الغالب فيها دوران الرأس وهو كالمتحقق الا ان القيام افضل لانه ابعد عن شبهة الخلاف

ترجمه: (۵۶۱) کوئی کشتی میں بغیر کسی عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گی، البتہ کھڑا ہو کر پڑھنا افضل ہے

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر عذر پیدا ہو جائے تو فرض نماز میں کھڑا ہونا ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر عذر پیدا نہ ہو تو قیام ساقط نہیں ہوگا۔ کشتی کنارے پر بندھی ہوئی نہ ہو تو وہ پانی پر ہلتی رہتی ہے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے اسلئے کھڑا ہونے میں عذر ہو گیا اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چاہے سر کا چکر نہ ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ چونکہ فرض نماز میں قیام فرض ہے اسلئے کھڑا ہونا افضل ہے۔

وجه : (۱) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ حدثت عن أنس بن مالك أنه قصر فى سفينة ، فصلى فيها جالسا و صلى معه جلوسا ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ھل یصلی الرجل وھو یسوق دابتہ؟ وقصر الصلوۃ، ج ثانی، ص ۳۸۳، نمبر ۴۵۵۷) اس اثر میں ہے کہ حضرت انسؓ نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر عذر کے بھی کشتی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھی تو نماز ہو جائے گی۔

ترجمه: (۵۶۲) اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے مگر عذر کی وجہ سے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ کھڑے ہونے پر اسکو قدرت ہے اسلئے کھڑا ہونا چھوڑا نہیں جائے گا۔

تشریح : صاحبین کا اصول یہ ہے کہ واقعی عذر ہو جائے اور کھڑا ہونا مشکل ہو جائے تب تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اور کھڑا ہونا مشکل نہ ہو اور سر میں چکر نہ ہو تو بیٹھنا جائز نہیں۔ اسلئے جو آدمی کشتی میں ہے اور سر میں چکر نہیں ہے، اور کھڑا ہونا مشکل بھی نہیں ہے اسکے لئے کھڑا ہونا ضروری ہے۔ بغیر عذر کے کھڑا ہونا ساقط نہیں ہوگا۔

وجه : اس اثر میں ہے۔ عن عطاء قال : يصلون فى السفينة قياما الا أن يخافوا أن يغرقوا ، فيصلون جلوسا يتبعون القبلة حيث ما زالت ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الصلوۃ فی السفینۃ، ج ثانی، ص ۳۸۳، نمبر ۴۵۶۱) اس اثر میں ہے کہ ڈوبنے کا خطرہ ہو تب ہی بیٹھ کر نماز پڑھے۔ یا پھر کھڑا ہونا مشکل ہو تب ہی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غالب یہ ہے کہ کشتی میں دوران رأس [سر کا چکر] ہوتا ہے، یہ ایسا سمجھو کہ سر کا چکر ہو ہی گیا۔ مگر کھڑا ہونا افضل ہے اسلئے کہ اختلاف کے شبہ سے دور ہے۔

۳ والخروج افضل ما امكنه لانه اسكن لقلبه **۴** والخلاف فی غير المربوطة **۵** والمربوطة كالشط هو الصحيح. (۵۶۳) ومن اغمی عليه خمس صلوات اودونها قضی وان كان اكثر من ذٰلک لم يقض ﴾

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ چلتی ہوئی کشتی میں عموما سر کا چکر ہو ہی جاتا ہے۔اسلئے کسی چیز کا غالب ہونا ایسا ہے کہ وہ متحقق ہو ہی گئی، تو گویا کہ سر کا چکر ہو ہی گیا اسلئے سر میں چکر نہ ہو تب بھی بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔البتہ کھڑا ہونا افضل ہے تا کہ اس میں اختلاف کا شبہ نہ رہے، اور اطمینان قلب کے ساتھ نماز ہو جائے۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اکثر ہوتی رہتی ہو تو گویا کہ وہ ہو ہی گئی۔

اور صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ وہ چیز متحقق ہو جائے تب اسکا اعتبار ہوگا ورنہ نہیں۔

ترجمه: **۳** اور جہاں تک ہو سکے کشتی سے باہر نکل کر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں اطمینان قلب ہے۔

تشریح: کشتی کے اندر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔اسلئے جہاں تک ہو سکے کشتی سے باہر ہو کر نماز پڑھے تا کہ کسی کا اختلاف بھی نہ رہے اور اطمینان قلب ہو جائے۔

ترجمه: **۴** بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اختلاف اس کشتی میں ہے جو کنارے پر بندھی ہوئی نہ ہو۔

تشریح: جو کشتی کنارے پر بندھی ہوئی نہ ہو اسکے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ اس میں بیٹھ کر نماز پڑھے یا نہیں۔

ترجمه: **۵** اور بندھی ہوئی کشتی کنارے کی طرح ہے۔صحیح یہی ہے۔

تشریح: جو کشتی کنارے پر بندھی ہوئی ہو اسکا حکم دریا کے کنارے کی طرح ہے۔یعنی جس طرح کنارے پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے اسی طرح بندھی ہوئی کشتی پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔صحیح یہی ہے کیونکہ کنارے پر بندھی ہوئی کشتی اتنی نہیں ہلتی ہے کہ قیام مشکل ہو۔

لغت: علۃ: وجہ، بیماری۔ یہاں دوران رأس، مراد ہے۔مربوطۃ: ربط سے مشتق ہے، بندھی ہوئی۔شط: دریا کا کنارہ۔

ترجمه: (۵۶۳) جس پر پانچ نمازیں یا اس سے کم کی بیہوشی طاری ہوئی تو ان کو قضا کرے گا جب تندرست ہوگا۔اور اگر فوت ہو گئی ہے بیہوشی کی وجہ سے پانچ نمازوں سے زیادہ تو قضا نہ کرے۔

تشریح: بیہوشی کے سلسلے میں تین اقوال ہیں

[ا] ایک یہ کہ چھ نمازوں سے زیادہ بھی قضاء ہو اور چاہے جتنی نمازیں فوت ہو جائیں سب کی قضاء لازم ہو۔ یہ قول امام احمدؒ کی طرف منسوب ہے۔انکی دلیل یہ اثر ہے۔ قيل لعمران بن حصين : ان سمرة بن جندب يقول فی المغمی عليه : يقضی

مع كل صلوة مثلها فقال عمران : ليس كما يقول ، يقضيهن جميعا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب مایعید المغمی علیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ۷۱، نمبر ۶۵۸۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاہے ایک ہزار نمازیں قضاء ہوئیں ہوں سب کو ادا کرنی ہوگی۔ ۔اس قول میں حرج ہے

[۲] اور دوسرا قول یہ ہے کہ پورے ایک نماز میں بیہوش رہا ہو تو اسکی قضاء نہیں ہے۔ یہ قول امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔ انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ . عن القاسم أنه سأل عائشة عن الرجل يغمى عليه فيترك الصلوة اليوم و اليومين وأكثر من ذالك ، فقالت قال رسول الله ﷺ : ليس بشيء من ذالك قضاء الا أن يغمى عليه فى صلاته فيفيق و هو فى وقتها فيصليها ۔(سنن بیہقی، باب المغمی علیہ یفیق بعد ذھاب الوقتین فلا یکون علیہ قضوٴھما، ج اول، ص ۵۷۱، نمبر ۱۸۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جس نماز میں افاقہ ہوا اسی نماز کی قضاء کرے۔ باقی گزری ہوئی نماز چاہے ایک دن مکمل ہو یا اس سے کم ہو اسکی قضاء نہیں ہے۔ اور اسکے علاوہ اثر بھی ہے۔۔اس قول میں تسہیل زیادہ ہے۔

[۳] اور تیسرا قول یہ ہے کہ بیہوشی میں چھ نماز تک فوت ہوگئی ہو تو معاف ہے کیونکہ حرج ہے، اور اگر اس سے کم فوت ہوئی ہو تو اسکی قضاء کرے، کیونکہ اس میں حرج نہیں ۔انکی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابراهيم قال : كان يقول فى المغمى عليه : اذا أغمى عليه يوم و ليلة أعاد و اذا كان اكثر من ذالك لم يعد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب مایعید المغمی علیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ۷۱، نمبر ۶۵۹۱ مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ، ج ثانی، ص ۳۱۷، نمبر ۴۱۶۵) اس اثر میں ہے کہ ایک دن رات کے اندر ہو تو اسکو قضاء کرے اور اس سے زیادہ ہو تو قضاء نہ کرے۔۔۔اب اصل مسئلے کی تشریح اور وجہ دیکھیں۔

تشریح: بیہوشی کی وجہ سے پانچ نماز یا اس سے کم قضا ہوئی ہو تو اس کو قضا کرے گا۔اور اس سے زیادہ قضا ہوگئی ہو تو اس کو قضا نہیں کرے گا۔معاف ہے۔

وجہ: (۱) بیہوشی طاری ہوئی تو عقل گویا کہ ختم ہوگئی اس لئے شریعت کا خطاب اس سے اٹھ گیا۔لیکن ایک دن ایک رات سے کم بیہوشی رہی تو وہ نیند کے درجہ میں ہے۔اس لئے اس کی نماز قضا کرے گا۔اور ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوشی رہی تو اس سے خطاب اٹھا ہوا ہے۔اس لئے اب اس کی نماز قضا نہیں کرے گا (۲) اس طرح قضا کروائیں تو حرج لازم ہوگا تو جس طرح حائضہ سے نماز معاف ہے اسی طرح اس سے بھی نماز معاف ہوگی۔(۳) آثار میں ہے عن عبد الله بن عمر عن نافع قال اغمى على ابن عمر يوما و ليلة فلم يقض ما فاته ... وفى حديث آخر ... ان ابن عمر اغمى عليه شهرا فلم يقض ما فاته و صلى يومه الذى افاق فيه. (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ ج ثانی ص ۳۱۷ نمبر ۴۱۶۳/۴۱۶۴ مصنف ابن ابی شیبۃ، مایعید المغمی علیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ۷۱، نمبر ۶۵۸۵) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ

ل وهـذا استـحسـان والقياس ان لا قضاء عليه اذا استوعب الاغماء وقت صلوة كامل لتحقق العجز فشبـه الجنون ٢ وجـه الاستـحسـان ان الـمـدة اذا طالت كثرت الفوائت فيحرج فى الاداء و اذا قصرت قلت فلا حرج

ایک دن ایک رات کی نماز قضا ہوئی ہوتو قضا کرے گا اور زیادہ ہوئی ہوتو قضا نہیں کرے گا۔ معاف ہے ورنہ حرج لازم ہوگا۔

ترجمہ: ل یہ استحسان کا تقاضا ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ اس پر قضاء نہ ہوا گر بیہوشی ایک پوری نماز کے وقت کو گھیر لے عجز کے متحقق ہونے کی وجہ سے، اسلئے مجنون ہونے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: پانچ نمازوں سے زیادہ بیہوش رہے تو قضاء نہ کرے اور اس سے کم ہوتو قضاء کرے یہ استحسان کا تقاضا ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک نماز کا پورا وقت بھی بیہوش رہا تو اسکی قضاء واجب نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ وہ اس وقت میں نماز ادا کرنے سے عاجز ہے۔ تو جس طرح مجنون نماز کے ایک وقت بھی مجنون رہے تو اسکی قضاء اس پر واجب نہیں اسی طرح بیہوش رہنے والا بھی ایک وقت بھی بیہوش رہے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں ہونی چاہئے۔

وجہ: (ا) اس قیاس کی وجہ یہ اثر ہے۔ عن نافع أن عبد الله بن عمر أغمى عليه فذهب عقله فلم يقض الصلوة. قال: و قال مالک ذالک: أن الوقت قد ذهب، و أما من أفاق و هو فى وقت فانه يصلى۔ (سنن بیہقی، باب المغمی علیہ یفیق بعد ذهاب الوقتین فلا یکون علیہ قضوٴهما، ج اول، ص ۵۷۰، نمبر ۱۸۱۸ رمصنف عبد الرزاق باب صلوة المريض على الدابة وصلوة المغمى عليه، ج ثانى، ص ۳۱۷، نمبر ۴۱۶۳) اس اثر میں ہے کہ ایک وقت بھی مکمل طور پر بیہوش رہا تو اسکی قضاء نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث میں ہے. عن القاسم أنه سأل عائشة عن الرجل يغمى عليه فيترک الصلوة اليوم و اليومين وأكثر من ذالک، فقالت قال رسول الله ﷺ: ليس بشيء من ذالک قضاء الا أن يغمى عليه فى صلاته فيفيق و هو فى وقتها فيصليها۔ (سنن بیہقی، باب المغمی علیہ یفیق بعد ذهاب الوقتین فلا یکون علیہ قضوٴهما، ج اول، ص ۵۷۱، نمبر ۱۸۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جس نماز میں افاقہ ہوا اسی نماز کی قضاء کرے۔ باقی گزری ہوئی نماز چاہے ایک دن مکمل ہو یا اس سے کم ہو اسکی قضاء نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اگر مدت لمبی ہوگی تو فوت شدہ نمازیں زیادہ ہوں گی تو ادا کرنے میں حرج ہوگا، اور اگر مدت کم ہوگی تو نمازیں کم ہوں گی تو ادا کرنے میں حرج نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ استحسان کی دلیل عقلی ہے۔ کہ ایک دن رات سے زیادہ وقت بیہوش رہے تو مدت لمبی ہوگی اور اس میں بہت سی نمازیں قضاء ہوں گی اور تمام کا قضاء کرنا مشکل ہوگا، اسلئے اسکی قضاء لازم نہیں۔ اور مدت کم ہوتو نمازیں بھی کم قضاء ہوگی، اسلئے اس کو

۳ والکثیر ان تزید علی یوم ولیلۃ لانہ یدخل فی حد التکرار ۴ والجنون کالاغماء کذا ذکرہ ابوسلیمانؒ ۵ بخلاف النوم لان امتدادہ نادر فیلحق بالقاصر.

اداء کرنا مشکل نہیں اسلئے اسکی قضاء لازم ہوگی۔۔اصل تو وہ اثر ہے جو اوپر گزرا۔

ترجمہ: ۳ اور کثیر یہ ہے کہ ایک دن اور ایک رات پر زیادہ ہو جائے۔اسلئے کہ وہ تکرار کی حد میں داخل ہو جاتی ہے ۔

تشریح : یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ کم مدت کتنی مدت کو کہتے ہیں۔اور کثیر مدت کتنی مدت کو کہتے ہیں؟۔فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک رات کی مدت کو قلیل مدت کہتے ہیں۔اور ایک دن ایک رات سے زیادہ مدت کو کثیر مدت کہتے ہیں۔

وجہ : (۱) اسکی دلیل عقلی یہ ہے کہ ایک دن ایک رات میں پانچ نمازیں ہوتی ہیں اسلئے چھٹی نماز کا وقت گزرے گا تو یہ مدت کثیر ہوگئی، کیونکہ مثلا ظہر کی نماز سے چھوٹی ہے تو اگلے دن کی ظہر کی نماز گویا کہ مکرر ظہر ہوگئی، اور ظہر کی نماز تکرار ہونے سے کثرت کی حد میں داخل ہوگئی (۲) اور اسکے لئے اثر یہ ہے۔**عن ابراھیم قال : کان یقول فی المغمی علیہ : اذا أغمی علیہ یوم و لیلۃ أعاد و اذا کان اکثر من ذالک لم یعد** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما یعید المغمی علیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ۷۱، نمبر ۶۵۹۱ مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ المریض علی الدابۃ وصلوۃ المغمی علیہ، ج ثانی، ص ۳۱۷، نمبر ۴۱۶۵) اس اثر میں ہے کہ ایک دن رات کے اندر ہو تو اسکو قضاء کرے اور اس سے زیادہ ہو تو قضاء نہ کرے۔

ترجمہ: ۴ اور جنون بیہوشی کی طرح ہے، حضرت ابوسلیمانؒ نے ایسے ہی ذکر کیا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ بیہوشی جنون کی طرح ہے۔یعنی جنون ایک وقت میں بھی ہو جائے تو اسکی قضاء نہیں، اسی طرح بیہوشی ایک وقت میں بھی ہو جائے تو اسکی قضاء نہیں ہونی چاہئے۔اسکا جواب دے رہے ہیں، کہ حضرت ابوسلیمانؒ نے فرمایا کہ جنون بیہوشی کی طرح ہے۔یعنی بیہوشی میں پانچ نمازیں فوت ہو جائے تو اسکی قضاء نہیں ہے اسی طرح جنون میں بھی پانچ نمازیں فوت ہو جائے تو قضاء نہیں ہے۔اسلئے کہ جنون بیہوشی کی طرح ہے۔

ترجمہ: ۵ بخلاف نیند کے اسلئے کہ اسکا لمبا ہونا نادر ہے۔اسلئے نیند کو عذر قاصر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

تشریح : اگر کسی کو چھ نماز، یا اس سے زیادہ دیر تک نیند برقرار رہی تو اس پر سب نماز کی قضاء ہے۔بیہوشی کی طرح معاف نہیں ہوگی۔ اسکی وجہ (۱) یہ ہے کہ عموما نیند اتنی دیر تک نہیں رہتی، ایسا ہونا نادر ہے، اسلئے کسی کو اتنی دیر تک نیند رہی تو اسکو سب نمازیں قضاء کرنی ہوگی۔کیونکہ یہ چھوٹا سا عذر ہے۔بیہوشی کی طرح قوی عذر نہیں ہے۔(۲) اثر میں ہے۔**عن الثوری قال : یقضی النائم و السکران الصلوۃ و لا یقضی المریض .** (مصنف عبد الرزاق، باب النائم والسکران والقرأۃ علی الغناء، ج ثانی، ص ۳۱۸، نمبر ۴۱۷۲) اس اثر میں ہے کہ سونے والا چاہے دو روز تک سویا رہے نماز معاف ہوگی ۔۔اور اس اثر میں مریض سے مراد بیہوش یا مجنون ہے۔

۶ ثم الزيادة تعتبر من حيث الاوقات عند محمدؒ لان التكرار يتحقق به ۷ وعندهما من حيث الساعات ۸ هو الماثور عن عليؓ وابن عمرؓ والله اعلم بالصواب.

ترجمه: ۶ پھرزیادتی کااعتبارامام محمدؒ کےنزدیک وقت کےاعتبار سے ہے۔اسلئے کہ تکراراسی سے متحقق ہوتا ہے۔

تشریح : ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوش رہےتواس پرنماز کی قضاءنہیں ہے۔اس بارے میں اختلاف ہے کہ وقت کے اعتبارسےزیادتی ہویا گھنٹے کےاعتبار سے۔امام محمدؒ کی رائے ہے کہ وقت کےاعتبار سے زیادتی کااعتبار ہے۔یعنی اگر بیہوشی پر چھ نمازوں کا وقت گزرگیا تو اب ساری نمازیں معاف ہیں۔اسکی وجہ یہ ہے کہ چھٹے نماز کے وقت کے گزرنے سے نماز مکرر ہوگی،اسلئے چھٹی نماز کاوقت گزرجائے تب ایک دن ایک رات پرزیادتی سمجھی جائے گی۔مثلاظہر کے وقت میں ساڑھے بارہ دن کو بیہوش ہوا تو اگلے دن ظہر کی نماز گزرجانے کے بعد مثلا چار بجے تک بیہوش رہاتو سب نمازیں معاف ہوں گی،اوراگراس سے پہلے ہوش میں آگیا تو تمام نمازیں قضاءکرنی ہوگی۔

ترجمه: ۷ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کےنزدیک گھنٹے کےاعتبار سے۔

تشریح : شیخینؒ کی رائے یہ ہے کہ گھنٹے کےاعتبار سےایک دن رات سے زیادہ ہوجائےتوتمام نمازیں معاف ہوجائیں گی۔ مثلاپچیس گھنٹہ بیہوش رہ گیاتوتمام نمازیں معاف ہوجائیں گی۔

اختلاف کانتیجہ:۔اختلاف کانتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ ایک آدمی چاشت کے وقت آٹھ بجے بیہوش ہوا اور دوسرے دن نو بجے ہوش میں آیاتوشیخینؒ کےنزدیک ایک دن رات سے ایک گھنٹہ زائد ہو چکا ہےاسلئے تمام نمازیں معاف ہوں گی۔اورامام محمدؒ کے نزدیک اب تک پانچ ہی نمازیں فوت ہوئیں ہیں چھٹی نماز تو ظہر کے بعد گویا کہ چار بجے قضاء ہوگی اور نماز مکرر ہوگی اسلئے ابھی نمازیں معاف نہیں ہوں گی۔

ترجمه: ۸ یہی استحسان کا معاملہ حضرت علی،اورحضرت عبداللہ ابن عمر سےمنقول ہے۔

تشریح : یعنی چھ نمازوں سے کم ہوتو قضاء ہےاور چھ نمازوں سے زیادہ ہوں تو قضاءنہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا تو کوئی قول نہیں ملا،البتہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول کئی مرتبہ نقل کر چکا ہوں۔

Documents\3) JPEG CLIPART\Sw-olive.jpg not found.

﴿باب سجود التلاوة﴾

﴿ باب سجود التلاوة ﴾

ضروری نوٹ: قرآن کریم میں چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ان کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔سجدۂ تلاوت واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔**عن ابن عباس ان النبی ﷺ سجد بالنجم وسجد معه المسلمون والمشرکون والجن والانس** (بخاری شریف، باب سجدۃ النجم ص۱۴۶ نمبر ۱۰۷۱ مسلم شریف، باب سجود التلاوۃ ص۲۱۵ نمبر ۵۷۶/۱۲۹۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا چاہئے۔اور جو لوگ سنے ان کو بھی سجدہ کرنا چاہئے۔وہ آیتیں یہ ہیں۔

﴿باب فی سجدة التلاوة﴾

[۱] **ان الذین عند ربک لا یستکبرون عن عبادته و یسبحونه و له یسجدون .** (سورۃ اعراف ۷ آیت ۲۰۶)

[۲] **و لله یسجدمن فی السماوات و الارض طوعا و کرها و ظلالهم بالغدو و الاصال** (سورۃ رعد ۱۳ آیت ۱۵)

[۳] **و لله یسجد ما فی السموات و ما فی الارض من دآبة و الملائکة و هم لا یستکبرون** (سورۃ النحل ۱۶ آیت ۴۹)

[۴] **اذا تتلی علیهم یخرون للاذقان سجدا** (سورۃ اسراء ۱۷ آیت ۱۰۷)

[۵] **اذا تتلی علیهم آیات الرحمن خروا سجداوبکیا** (سورۃ مریم ۱۹ آیت ۵۸)

[۶] **الم ترا ان الله یسجد له من فی السمٰوات و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و الشجرو الدواب و کثیر من الناس** (سورۃ الحج ۲۲، آیت ۱۸)

[۷] **و اذا قیل لهم اسجدوا للرحمن قالوا و ما الرحمن أنسجد لما تأمرنا** (سورۃ فرقان ۲۵ آیت ۶۰)

[۸] **الا یسجد وا لله الذی یخرج الخبء فی السمٰوات و الارض و یعلم ما یخفون و ما یعلنون** (سورۃ النمل ۲۷، آیت ۲۵)

[۹] **انما یؤمن بآیاتنا الذین اذا ذکرو بها خرو سجدا و سبحوا بحمد ربهم و هم لا یستکبرون** (سورۃ سجدۃ (الم تنزیل ۳۲ آیت ۱۵)

[۱۰] **وظن داؤدانما فتناه فاستغفر ربه و خر راکعا و اناب** (سورۃ صٓ ۳۸، آیت ۲۴)

[۱۱] **فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون له بالیل و النهار و هم لا یسأمون** (سورۃ حم سجدۃ ۴۱ آیت ۳۸)

[۱۲] **فاسجدوا لله و اعبدوا** (سورۃ النجم ۵۳ آیت ۶۲)

(۵۶۴)قال سجود التلاوة فی القراٰن اربعة عشر[۱] فی اٰخر الاعراف[۲] وفی الرعد[۳] والنحل [۴]وبنی اسرائیل [۵]ومریم [۶]والاولیٰ من الحج [۷]والفرقان [۸]والنمل[۹] والٓمٓ تنزیل [۱۰]و صٓ[۱ ۱] وحٰمٓ السجدة [۱ ۲]والنجم[۱۳] واذا السمآء انشقت[۱۴] واقرأ. ۱ کذا کتب فی مصحف عثمانؓ وهو المعتمد ۲ والسجدة الثانیة فی الحج للصلوٰة.

[۱۳] و اذا قریء علیهم القرآن لا یسجدون (اذاالسماءانشقت۸۴آیت۲۱)

[۱۴] و اسجدواقترب (سورۃعلق۹۶آیت۱۹)

ترجمه: (۵۶۴) سجدہ تلاوت قرآن کریم میں چودہ جگہیں ہیں[۱]سورہ اعراف کے آخیر میں [۲]سورہ رعد میں[۳]النحل میں[۴] بنیا سرائیل میں [۵] سورہ مریم میں [۶] سورہ حج کی پہلے سجدے میں [۷] سورہ فرقان میں [۸] سورہ نمل میں [۹]الم تنزیل میں[۱۰]سورہ ص میں

[۱۱] سورہ حم سجدہ میں[۱۲] سورہ نجم میں[۱۳] سورہ اذاالسماء انشقت میں[۱۴] اورسورہ اقرأباسم میں۔

ترجمه: ۱ حضرت عثمانؓ کے مصحف میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے،اوراسی پر اعتماد ہے۔

تشریح : یہ چودہ سورتیں ہیں جن میں چودہ آیتیں ہیں جنکے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کریم میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔اوراسی پر اعتماد ہے۔

وجه : (۱)اس حدیث میں ہے کہ قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں،حدیث ہے۔ عن عمرو بن العاص أن النبی ﷺ أقرأه خمس عشرة سجدة فی القرآن ، منها ثلاث فی المفصل ، و فی سورة الحج سجدتان . (ابوداودشریف، باب تفریع ابواب السجو دوکم سجدة فی القرآن؟،ص۲۱۰،نمبر۱۴۰۱/ابن ماجۃ ،باب عدد سجود القرآن،ص۱۴۸،نمبر۱۰۵۷)اس حدیث میں ہے کہ قرآن کریم میں پندرہ سجدے ہیں،البتہ ہمارے یہاں سورہ حج میں ایک ہی سجدہ ہے اسلئے کل چودہ سجدے رہ گئے۔

ترجمه : ۲ اوردوسراسجدہ سورہ حج میں حنفیہ کے یہاں نماز کے لئے ہے۔

تشریح : سورہ حج میں دوجگہ سجدے کی آیت ہے۔اس میں سے پہلی جگہ حنفیہ کے یہاں سجدہ تلاوت کے لئے ہے یعنی اس آیت کی تلاوت کرے گا تو سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔وہ آیت یہ ہے۔ [۶] الم ترا ان الله یسجد له من فی السمٰوات و من فی الارض و الشمس و القمر و النجوم و الجبال و الشجرو الدواب و کثیر من الناس (سورۃالحج۲۲،آیت ۱۸)

وجه : (۱) اس کی وجہ یہ اثر ہے عن سعید بن المسیب والحسن قالا فی الحج سجدة واحدة الاولی منها

۳ وموضع السجدة فی حٰمٓ السجدة عند قوله لا یسأمون فی قول عمرؓ وهو الماخوذ للاحتیاط

(مصنف بن ابی شیبۃ ، باب ۲۱۵ من قال ھی واحدۃ وھی الاولی ، ج اول ،ص ۳۷۳ نمبر ۴۳۰۰ (۲) عن ابن عباس قال فی سورة الحج الاولی عزیمة والآخرة تعلیم وکان لایسجد فیها . (مصنف عبد الرزاق، باب کم فی القرآن من سجدۃ ص ۲۰۴ نمبر ۵۹۰۹) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ سورۂ حج میں پہلی آیت پر سجدہ ہے دوسری آیت تعلیم کے لئے ہے۔

فائدة : امام شافعیؒ کے یہاں سورہ حج میں دوسری آیت میں سجدہ ہے پہلی آیت میں نہیں ہے۔دوسری آیت یہ ہے۔ یآ یها الذین اٰمنوا ارکعوا و اسجدوا و اعبدوا ربکم و افعلوا الخیر لعلکم تفلحون (سورہ حج ۲۲، آیت ۷۷)،اس آیت کے پڑھنے سے امام شافعیؒ کے یہاں سجدہ واجب ہوگا۔

وجه: اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن نافع أن عمر ، و ابن عمر کانا یسجدان فی الحج سجدتین ، قال و قال ابن عمر : لو سجدت فیها واحدة کانت السجدة فی الآخرة أحب الی (مصنف عبد الرزاق، باب کم فی القرآن من سجدۃ ص ۲۰۴ نمبر ۵۹۰۷) اس اثر میں ہے کہ پہلی آیت پر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

فائده: امام مالکؒ کے نزدیک دونوں جگہ سجدے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عقبة بن عامر حدثه قال قلت لرسول الله ﷺ فی سورة الحج سجدتان قال نعم ومن لم یسجد هما فلا یقرأهما. (ابوداؤد شریف، باب کم سجدۃ فی القرآن ص ۲۰۶ نمبر ۱۴۰۲ / باب تفریع ابواب السجو د رترمذی شریف ، باب فی السجدۃ فی الحج ص ۱۲۸ نمبر ۵۷۸) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں۔اس اعتبار سے کل سجدے پندرہ ہو جائیں گے۔یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

ترجمه: ۳ اور سورہ حٰم السجدۃ میں سجدے کی جگہ اللہ تعالی کے قول : لا یسأمون پر ہے حضرت عمرؓ کے قول میں احتیاط کے طور پر اسی قول کو لیا گیا ہے۔

تشریح : سورہ حٰم سجدہ میں دو آیتیں ہیں جن میں سے پہلے میں سجدہ کرنے کا تذکرہ ہے اور دوسری آیت اسکی تکمیل ہے۔اسلئے سجدہ تو پہلی آیت ہی کے پڑھنے سے واجب ہوتا ہے۔لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دوسری آیت جو تکمیل کے لئے ہے اسکو بھی پڑھ لے تب سجدہ کرے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ احتیاط پر عمل ہو جائے۔۔دونوں آیتیں یہ ہیں۔و من آیاته اللیل و النهار و الشمس و القمر و اسجدوا لله الذی خلقهن ان کنتم ایاه تعبدون ٥ فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون له بالیل و النهار و هم لا یسأمون (سورۃ حٰم سجدۃ ۴۱ آیت ۳۸/۳۷) اس میں پہلی آیت میں سجدے کا حکم ہے، اور دوسری آیت اسکی تکمیل ہے۔

وجه : یہ قول حضرت عمرؓ کا نہیں بلکہ حضرت ابن عباس کا ہے۔وہ یہ ہے۔ عن ابن عباس أنه کان یسجد فی الآخرة

(۵۶۵) والسجدة واجبة فی هٰذه المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن اولم یقصد﴾

﴿و هم لا یسأمون ﴾ (مصنف عبدالرزاق، باب کم فی القرآن من سجدة ص۳۰۲ نمبر۵۸۹۳ر مصنف ابن ابی شیبة، من کان یقول: السجود فی الآیة الآخرة فی سورة حم، ج اول، ص۳۷۲، نمبر۴۲۷۶) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ دوسری آیت پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔

ترجمه: (۵۶۵) سجدہ واجب ہے ان جگہوں میں پڑھنے والے پر اور سننے والے پر چاہے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو۔

تشریح: ان آیتوں کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ چاہے سننے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

وجه: (۱) واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال صٓ لیس من عزائم السجود وقد رأیت النبی ﷺ یسجد فیھا (بخاری شریف، باب سجدة صٓ۔ ص۱۴۶ نمبر۱۰۶۹ر ابوداؤد شریف باب السجود فی صٓ۔ ص۳۰۷ نمبر۱۴۰۹ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی السجدة فی صٓ۔ ص۱۲۷ نمبر۵۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ صٓ میں سجدہ تاکیدی نہیں ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ دوسری آیتوں کا سجدہ تاکیدی ہے اور اسی کا نام وجوب ہے۔ اس لئے سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ (۲) ایک اور حدیث سے اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یقرأ السجدة ونحن عنده فیسجد ونسجد معه فنزدحم حتی مایجد احدنا لجبهته موضعا یسجد علیه (بخاری شریف، باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدة ص۱۴۶ نمبر۱۰۷۶ر باب ماجاء فی سجود القرآن ر مسلم شریف، باب سجود التلاوة ص۲۱۵ نمبر۵۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ واجب ہے اور سننے والوں پر بھی واجب ہے۔ اسی لئے تو سننے کے بعد تمام لوگ سجدہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سجدہ کے لئے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سجدہ سننے کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو تو بھی سننے سے سجدہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس میں بہت سے لوگ وہ بھی ہوں گے جو سننے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں گے پھر بھی انہوں نے سجدہ کیا (۳) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے عن ابن عمر قال انما السجدة علی من سمعها. نمبر ۴۲۲۵ (۴) عن ابراهیم، و نافع و سعید بن جبیر قالوا: من سمع السجدة فعلیه ان یسجد۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۲۰۷، باب من قال السجدة علی من جلس لها ومن سمعه، ج اول، ص۳۶۷، نمبر۴۲۲۲ر) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو بھی آیت سجدہ سنے گا اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا چاہے سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔

فائده: امام شافعیؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔ (۱) ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عمر بن الخطاب قرأ یوم الجمعة

۱؎ لقوله عليه السلام السجدة علىٰ من سمعها وعلىٰ من تلاها وهى كلمة ايجاب وهو غير مقيد بالقصد(٥٢٦) واذا تلا الا مام اٰية السجدة سجدها وسجدها المأموم معه

على المنبر بسورة النحل حتى اذا جاء السجدة نزل فسجد و سجد الناس حتى اذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتى اذا جاء السجدة قال ايها الناس انما نمر بالسجود فمن سجد فقد اصاب ومن لم يسجد فلا اثم عليه ولم يسجد عمر (بخاری شریف، باب من رأی ان اللہ عز وجل لم یوجب السجود ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۷۷ /ابوداؤد شریف، باب السجود فی ص ؔ، ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۰ / ترمذی شریف، باب ماجاء من لم یسجد فیہ ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے سنت ہے۔ سجدہ کرے گا تو ثواب ملے گا اور نہیں کرے گا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ سننے کے ارادے سے سنے تو سجدہ کرے گا اور اگر بغیر ارادہ کے سن لیا تو اس پر ضروری نہیں ہے۔ (۲) ان کی دلیل یہ اثر ہے قال سلمان ما لهذا غدونا وقال عثمان انما السجدة على من استمعها (بخاری شریف، باب من رأی ان اللہ عز وجل یاجب السجود ص ۱۴۶ نمبر ۱۰۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سننے کے ارادے سے سنے تو سجدہ ضروری ہے ورنہ نہیں۔ (۳) یہ حدیث بھی انکی دلیل ہے عن زيد بن ثابت قال : قرأت على النبى ﷺ ﴿و النجم﴾ فلم يسجد فيها۔ (بخاری شریف، باب من قرأ السجدۃ ولم یسجد، ص ۱۴۷، نمبر ۱۰۷۳) اس حدیث میں ہے کہ سورہ نجم میں آیت سجدہ پڑھی لیکن حضور ﷺ نے سجدہ نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ سجدہ اس پر ہے جس نے آیت سجدہ سنی، اور اس پر بھی ہے جس نے اسکی تلاوت کی۔ اور لفظ ,,علی،، وجوب کا کلمہ ہے، اور یہ ارادے کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

تشریح : یہ حضورؐ کا قول تو نہیں مل سکا البتہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا قول یہ ہے۔ عن ابن عمر قال انما السجدة على من سمعها. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۰۷، باب من قال السجدۃ علی من جلس لھا ومن سمعہ، اج اول، ص ۳۶۷، نمبر ۴۲۲۵) اس اثر میں ہے کہ جو سجدہ تلاوت کی آیت سنے اس پر سجدہ ہے۔ اور اس اثر میں ,,علی،، کا لفظ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ واجب ہے۔ اور چونکہ اس اثر میں قصد اور ارادہ کی قید نہیں ہے اسلئے بغیر ارادے کے بھی سنے گا تو سجدہ واجب ہوگا۔ (۲) اس اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ عن ابراهيم ، و نافع و سعيد بن جبير قالوا : من سمع السجدة فعليه ان يسجد۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۰۷، باب من قال السجدۃ علی من جلس لھا ومن سمعہ، اج اول، ص ۳۶۷، نمبر ۴۲۲۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو بھی آیت سجدہ سنے گا اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا چاہے سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔

ترجمہ: (۵۲۶) پس اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ کرے گا اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے گا۔

لِ الالتزامه متابعته(٥٦٧)واذا اتلاالمأموم لم يسجد الامام ولا الماموم فی الصلوٰة ولا بعد الفراغ لِ عند ابی حنفية وابی يوسف ٢ؚ وقال محمد يسجدونها اذا فرغوا لان السبب قد تقررولا مانع بخلاف حالة الصلوٰة لانه يؤدی الی خلاف وضع الامامة اوالتلاوة

ترجمه: لِ امام کی اتباع لازم ہونے کی وجہ سے

تشـــريـــح : امام نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی توامام بھی نماز میں سجدہ تلاوت کریں گے،اوراسکی اقتداء میں مقتدی بھی سجدہ تلاوت کریں۔کیونکہ مقتدی نے امام کی اتباع اپنے اوپر لازم کی ہے۔

وجه: (١) پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا تو مقتدی پر بھی واجب ہوجائے گا(٢)اس کے لئے یہ حدیث بھی دلیل۔ عن ابن عمر قال : كان النبی ﷺ يقرأ السجدة و نحن عنده فيسجد و نسجد معه، فنزدحم حتی ما يجد أحدنا لجبهته مو ضعا يسجد عليه . (بخاری شریف، باب ازدحام الناس ص١٤٦نمبر ١٠٧٦)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ سجدہ کرتے تھے اور ہم لوگ بھی ان کی اقتدا میں سجدہ کرتے تھے۔(٣)اس اثر میں ہے۔و قال ابن مسعود لتميم بن حذلم . و هو غلام . فقرأ عليه سجدة فقال : اسجد فانک امامنا فيها ۔(بخاری شریف، باب من سجدلسجود القاری،ص١٧٣،نمبر١٠٧٥)اس اثر میں بھی ہے کہ امام سجدہ کرے تو مقتدی بھی اسکی اقتداء میں سجدہ کرے۔

ترجمه: (٥٦٧) پس اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو نہ امام کو لازم ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدہ لازم ہوگا۔نہ نماز میں اور نہ نماز سے باہر۔

ترجمه: لِ امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تــرجــمــه: مقتدی امام کے تابع ہے اس لئے اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کی وجہ سے امام پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔اور مقتدی امام کے خلاف کر کے سجدہ نہیں کرسکتا ورنہ امام کی مخالفت لازم ہوگی اس لئے نہ امام پر سجدہ لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر لازم ہوگا (٢)امام ابوحنیفہ کے اعتبار سے مقتدی کو قرأت ہی نہیں کرنی چاہئے۔اس نے جو قرأت کی ہے یہی خلاف قاعدہ کی ہے،اور جو خلاف قاعدہ ہوا اسکا کوئی حکم نہیں ہوتا اسلئے نماز میں جو آیت سجدہ پڑھی ہے اسکا کوئی حکم نہیں ہوگا، یعنی نہ نماز کے اندر سجدہ لازم ہوگا اور نہ نماز سے باہر سجدہ لازم ہوگا۔نہ امام پر اور نہ مقتدی پر،اسلئے کہ خلاف قاعدہ آیت پڑھی گئی ہے ۔

ترجمه: ٢ؚ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب نماز سے فارغ ہوجائیں تو امام اور مقتدی دونوں سجدہ کریں۔اسلئے کہ سجدے کا سبب ثابت ہو چکا ہے اور سجدہ کرنے سے اب کوئی مانع بھی نہیں ہے۔بخلاف نماز کی حالت کے اسلئے کہ وہ امامت کے وضع کے خلاف یا تلاوت کے وضع کے خلاف تک پہنچائے گا۔

۳ ولهما ان المقتدی محجور عن القراء ة لنفاذ تصرف الامام عليه تصرف المحجور لاحکم له

۴ بخلاف الجنب والحائض لانهما منهيان عن القراء ة الا انه لايجب علی الحائض بتلاوتها کما لايجب بسماعها لانعدام اهلية الصلوٰة بخلاف الجنب

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی نے نماز میں تلاوت کی تو نماز میں تو کوئی سجدہ نہ کرے نہ امام اور نہ مقتدی، لیکن نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام بھی سجدہ کرے اور مقتدی بھی۔ کیونکہ آیت پڑھی ہے اسلئے سجدہ واجب ہونے کا سبب لازم ہو چکا ہے۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کوئی بات مانع نہیں ہے اسلئے نماز سے فراغت کے بعد دونوں سجدہ کرلیں۔

وضع امامت، اور وضع تلاوت کے خلاف کیسے ہوگا؟ اسکی تشریح یہ ہے کہ امام پہلے سجدہ کرے یا مقتدی؟ اگر مقتدی پہلے سجدہ کرے تو امام کو اسکے تابع ہونا پڑتا ہے، یہ وضع امامت کے خلاف ہے اور اگر امام پہلے سجدہ کرے اور آیت سجدہ پڑھنے والا مقتدی بعد میں سجدہ کرے تو یہ تلاوت کے قاعدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ تلاوت کا قاعدہ یہ ہے کہ آیت پڑھنے والا پہلے سجدہ کرے، حدیث میں ہے۔ عن زيد ابن اسلم أن غلاما قرأ عند النبی ﷺ السجدة فانتظر الغلام النبی ﷺ أن يسجدة فلما لم يسجد قال يا رسول الله أليس فی هذه السورة سجدة قال : بلی و لکنک کنت امامنا فيها فلو سجدتَ لسجدنا . (مصنف ابن ابی شیبة، السجدة یقرأها الرجل ومعہ قوم لایسجدون حتی یسجد، ج اول، ص ۳۷۹، نمبر ۴۳۶۳) اس حدیث میں ہے کہ آیت پڑھنے والا پہلے سجدہ کرے، اسلئے اگر امام نے پہلے سجدہ کیا تو یہ تلاوت کے وضع کے خلاف ہے۔

ترجمه: ۳ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قرأت سے روک دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر امام کے تصرف کا نفاذ ہے، اور جسکو روک دیا گیا ہو اسکی تلاوت کا کوئی حکم نہیں ہے۔

تشریح : شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مقتدی کو قرات کرنے سے روک دیا گیا ہے، قرأت پر تو امام کا حق ہے، اسلئے مقتدی کو قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ عن جابرؓ قال : قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقرأة الامام له قرأة ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب اذا قرأ الامام فأنصتوا، ص ۱۲۱، نمبر ۸۵۰) اس حدیث میں ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے اسلئے مقتدی کو قرأت نہیں کرنی چاہئے اس پر تو امام کا تصرف اور حق ہے اسلئے مقتدی نے تلاوت کی تو بیجا کام کیا اسلئے اس تلاوت کا کوئی حکم نہیں ہوگا، اور اس سے کسی پر سجدہ تلاوت بھی لازم نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۴ بخلاف جنبی اور حائضہ عورت کے، اسلئے کہ ان دونوں کو صرف قرأت سے روکا ہے۔ مگر حائضہ عورت پر اسکی تلاوت کی وجہ سے سجدہ واجب نہیں ہے، جیسے کہ آیت سجدہ کے سننے کی وجہ سے سجدہ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں نماز کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ بخلاف جنبی کے کہ اس پر سجدہ واجب ہے [یہ اور بات ہے کہ غسل کے بعد سجدہ کرے گا]

(۵٦۸) ولو سمعها رجل خارج الصلوٰة سجدها ﴾ ۱؎ هو الصحيح لان الحجر ثبت فی حقهم فلا يَعْدُوهم

تشريح : یہاں سے حائضہ عورت اور جنبی کا حکم بتانا چاہتے ہیں اور مقتدی کی تلاوت اور حائضہ اور جنبی کی تلاوت میں فرق بتانا چاہتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت میں حیض کی وجہ سے نماز کی اہلیت بالکل نہیں ہے اسلئے یہ آیت سجدہ کو تلاوت کرے تب بھی اس پر سجدہ واجب نہیں، اور آیت سجدہ کو کسی سے سنے تب بھی اس پر سجدہ واجب نہیں ہے، کیونکہ سجدہ نماز کا حصہ ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی اہلیت ہی نہیں ہے تو سجدہ کرنے کی اہلیت کیسے ہوگی؟ اسلئے نہ آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ واجب ہوگا اور نہ آیت سجدہ کے سننے سے سجدہ واجب ہوگا۔

وجه : اسکے ثبوت کے لئے اثر یہ ہے۔ **عن ابراهيم انه كان يقول فی الحائض تسمع السجدة قال : لا تسجد ، هی تدع أعظم من السجدة : الصلوة المكتوبة** ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب الحائض تسمع السجدة، ج اول، ص ۳۷۵، نمبر ۴۳۱۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت سجدہ نہیں کرے گی۔اس اثر میں دونوں حکم ہیں کہ پڑھنے سے بھی نہیں اور سننے سے بھی نہیں۔

اور جو شخص جنابت کی حالت میں ہے اس میں نماز کی اہلیت تو ہے اسی لئے تو اس پر وقتیہ نماز واجب ہے، لیکن ناپاک ہونے کی وجہ سے ابھی نماز نہیں پڑھ سکتا ،اسی طرح آیت سجدہ پڑھنے، یا سننے سے سجدہ واجب ہو جائے گا، کیونکہ سجدہ کا سبب پایا گیا۔البتہ ناپاک ہونے کی وجہ سے ابھی سجدہ نہیں کر سکتا غسل کے بعد سجدہ اداء کرے گا۔

وجه : اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ **عن حماد عن سعيد بن جبير أنهما قالا : اذا سمع الجنب اغتسل ثم سجد** (مصنف ابن ابی شیبة، باب الرجل الجنب یسمع السجدة ما یصنع ، ج اول، ص ۳۷۵، نمبر ۴۳۱۴)اس اثر میں ہے کہ جنبی آدمی آیت سجدہ سنے تو غسل کے بعد سجدہ کرے جس سے معلوم ہوا کہ سجدہ واجب ہے۔

ترجمه: (۵٦۸) اگر امام یا مقتدی کی تلاوت کو نماز سے باہر کے آدمی نے سنا تو وہ سجدہ کرے۔

ترجمه: ۱؎ صحیح یہی ہے،اسلئے کہ روکنا امام اور مقتدی کے حق میں ثابت ہے اسلئے انکے علاوہ کی طرف تجاوز نہیں کرے گا۔

تشريح : مثلا مقتدی نے تلاوت کی تو اسکی وجہ سے نہ امام پر سجدہ تھا اور نہ مقتدی پر،لیکن اگر اسی مقتدی کی تلاوت نماز سے باہر کے آدمی نے سنی تو اس پر بالاتفاق سجدہ واجب ہے۔صحیح روایت یہی ہے۔

وجه: اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کو مقتدی کا تابع بننا پڑتا ہے اسلئے اس پر سجدہ واجب نہیں ہے لیکن جو آدمی نماز سے باہر ہے اسکو تو کسی کے تابع ہونے کا سوال نہیں ہے،اسلئے اس پر سجدہ واجب ہو جائے گا کیونکہ آیت سجدہ کا سننا سبب پایا گیا،اور سجدہ کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہے اسلئے سجدہ واجب ہوگا۔ **هو الصحيح** ،کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب

(۵۶۹)وان سمعوا وهم فی الصلوٰة سجدة من رجل ليس معهم فی الصلوٰة لم يسجدوها فی الصلوٰة﴾ لے لانها ليست بصلاتية لان سماعهم هٰذه السجدة ليس من افعال الصلوٰة وسجدوها لتحقق سببها

مقتدی کی قرأت کو کالعدم قرار دیا تو باہر کے آدمی پر بھی سجدہ واجب نہیں ہونا چاہئے۔جس طرح امام اور مقتدی پر سجدہ واجب نہیں کیا۔لیکن صحیح روایت پہلی ہے۔

﴿لان الحجر ثبت فی حقهم فلا يعدوهم ﴾ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی آیت سجدہ پڑھے تو سجدہ کرنے سے روکنا صرف امام اور مقتدی کے حق میں ہے،اسلئے ان سے تجاوز کر کے انکے علاوہ جو خارج لوگ ہیں ان پر یہ حکم نافذ نہیں ہوگا، بلکہ ان پر سجدہ واجب ہوگا۔خارجی پر سجدہ واجب ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: (۵۶۹) اگر امام اور مقتدی نے آیت سجدہ کو ایسے آدمی سے سنی جو انکے ساتھ نماز میں نہیں ہے،تو وہ نماز میں سجدہ نہ کرے۔

تشریح: کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ایک آدمی اس نماز میں نہیں تھا اس نے آیت سجدہ پڑھی اور نمازی لوگوں نے اس کو سنی تو نمازی لوگوں کو چاہئے کہ ابھی اس کا سجدہ نہ کرے بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کا سجدہ کرے۔لیکن اگر انہوں نے نماز ہی میں سجدہ کرلیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) یہ سجدہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔اس کا سبب نماز کے باہر سے آیا ہے۔اس لئے اس کو نماز میں ادا نہیں کرنا چاہئے۔نماز سے باہر ادا کرنا چاہئے۔تاہم کر دیا تو چونکہ خلاف نماز کام نہیں ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے عن طاؤس فی الرجل سمع السجدة وهو فی الصلوة قال لا يسجد. (مصنف ابن ابی شیبة ۲۱۶ باب یسمع السجدۃ قرأت وھو فی الصلوۃ من قال لا یسجد ،ج اول،ص ۳۷۴،نمبر ۴۳۰۳ اس باب میں کئی اثر ہیں رمصنف عبد الرزاق ،باب اذا سمعت السجدۃ وانت تصلی ج ثالث ص ۲۱۲ نمبر ۵۹۶۰)اس اثر میں ہے کہ نماز میں رہتے ہوئے سجدہ نہ کرے۔

اور بعد میں سجدہ کرے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن سيرين قال : يسجد اذا انصرف ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۲۱۶ باب یسمع السجدۃ قرأت وھو فی الصلوۃ من قال لا یسجد ،ج اول،ص ۳۷۴،نمبر ۴۳۰۷ اس باب میں کئی اثر ہیں رمصنف عبد الرزاق ، باب اذا سمعت السجدۃ وانت تصلی ج ثالث ص ۲۱۲ نمبر ۵۹۶۰)اس اثر میں ہے کہ بعد میں سجدہ کرے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ یہ نماز کا سجدہ نہیں ہے،اسلئے اس آیت سجدہ کا سننا نماز کے افعال میں سے نہیں ہے۔البتہ نماز کے بعد میں اسکا سجدہ کرے اسلئے کہ سجدے کا سبب متحقق ہوگیا ہے۔

(۵۷۰) ولو سجدوها فی الصلوٰة لم يجزهم﴾ ١ لانه ناقص لمكان النهی فلا يتادی به الكامل(۵۷۱)قال واعادوها ﴾١ لتقرر سببها(۵۷۲) ولم يعيدوا الصلوٰة﴾ ١ لان مجرد السجدة لاينا فی احرام الصلوٰة

تشریح : نماز کے اندر سجدہ کیوں نہ کرے یہ اسکی دلیل عقلی ہے۔ کہ یہ سجدہ نماز والانہیں ہے،اور نہ یہ نماز کے افعال میں سے ہے، کیونکہ اس آیت کوامام سے نہیں سنی بلکہ ایک ایسے آدمی سے سنی جونماز میں نہیں ہے، بلکہ نماز سے باہر ہے اسلئے نماز میں اسکا سجدہ نہ کرے،لیکن چونکہ آیت سجدہ کا سننا سبب واقع ہو چکا ہے اسلئے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسکا سجدہ کرے گا۔

ترجمہ (۵۷۰)اوراگرنماز ہی میں سجدہ کرلیا تو یہ کافی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ نماز میں سجدہ سے روکنے کی وجہ سے یہ ناقص ہے،اسلئے اس سے کامل سجدہ اداءنہیں ہوگا۔

تشریح : امام اور مقتدی کو باہر والے آدمی کی آیت سجدہ سن کر نماز میں سجدہ نہیں کرنا چاہئے ،لیکن اگر کرہی لیا تو یہ سجدہ اداءنہیں ہو گا۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ نماز میں اس سجدہ کو کرنے سے منع کیا ہے،اسلئے یہ سجدہ ناقص ہوگیا،اور جوسجدہ واجب ہوا ہے وہ کامل ہے۔ اسلئے ناقص سے کامل سجدہ اداءنہیں ہوگا۔اسلئے دوبارہ اداء کرے۔

فائدہ : ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بھی سجدہ اداء کرے گا تو سجدہ اداء ہوجائے گا۔اثر یہ ہے۔ **عن ابراهيم انه كان يقول : اذا سمع الرجل السجدة و هو يصلى فليسجد** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب من قال اذا سمعها وهو يصلى فليسجد ،ج اول،ص ۳۷۴،نمبر ۴۳۰۹)اس اثر میں ہے کہ سجدہ کرلے۔جسکا مطلب یہ نکلا کہ نماز میں بھی سجدہ کرے گا تو سجدہ اداء ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۵۷۱)اورسجدہ کولوٹائے۔

ترجمہ: ١ سبب کے ثابت ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : چونکہ آیت سجدہ پڑھی ہے اسلئے سجدے کا سبب واقع ہوگیا۔اسلئے نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ لوٹائے۔

ترجمہ: (۵۷۲)اورنماز نہ لوٹائے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ محض سجدہ نماز کے احرام کے منافی نہیں ہے۔

تشریح : کسی نے نماز میں سجدہ کرہی لیا تو نماز فاسد نہیں ہوئی اسلئے نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ:اسکی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کرنا نماز کے منافی نہیں ہے، یہ توعمل نماز میں سے ہے،اسلئے اگر سجدہ تلاوت کرلیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی

۲؎ وفی النوادر انها تفسد لانهم زادوا فیها مالیس منها وقیل وهو قول محمد(۵۷۳) فان قرأها الامام وسمعها رجل لیس معه فی الصلوٰۃ فدخل معه بعدما سجدها الامام لم یکن علیه ان یسجدها ﴾ ۱؎ لانه صار مدرِ کالها بادراک الرکعة(۵۷۴) وان دخل معه قبل ان یسجدها ﴾ ۱؎ سجدها معه لانه لولم یسمعها سجدها معه فهنا اولی

ترجمہ : ۲؎ نوادر کی روایت میں یہ ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسلئے کہ اس نے ایسی چیز زیادہ کی جو نماز میں سے نہیں ہے۔اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح : نوادر کی روایت یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سجدے کا سبب باہر سے تھا اسلئے اسکو نماز میں نہیں کرنا چاہئے تھا باہر کرنا چاہئے تھا۔اسلئے اس نے ایسی چیز کی زیادتی کی جو نماز میں سے نہیں ہے اسلئے نماز فاسد ہو جائے گی۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔

نوٹ : ناچیز کے پاس حضرت امام محمدؒ کی کتاب نوادر نہیں ہے اسلئے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ترجمہ: (۵۷۳)اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی اور اسکو کسی ایسے آدمی نے سنا جو ابھی نماز میں نہیں تھا، پھر سجدہ کرنے کے بعد امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوا تو اس آدمی پر اسکا سجدہ کرنا لازم نہیں ہے

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ رکعت کے پانے کی وجہ سے اس سجدہ کو پانے والا ہو گیا۔

تشریح : امام نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی،ایک آدمی نماز سے باہر تھا اس نے اس آیت کو سنی،پھر امام نے سجدہ تلاوت کیا، اسکے بعد اسی رکعت میں باہر والا آدمی نماز میں شریک ہوا تو اس آدمی کو سجدہ تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں سجدے کا حکم قرأت کے حکم میں ہے،چنانچہ یہ آدمی رکوع میں امام کے ساتھ ملتا تو امام کی قرأت اسکے لئے کافی ہو جاتی،اسی طرح رکوع میں امام کے ساتھ ملا تو امام کا سجدہ اسکے لئے کافی ہو گیا۔۔یہی وجہ ہے کہ دوسری رکعت میں امام کے ساتھ ملے تو امام کا سجدہ اسکے لئے کافی نہیں ہوگا بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسکو سجدہ کرنا ہوگا۔

اصول : سجدے کا حکم قرأت کا حکم ہے۔

ترجمہ: (۵۷۴) اور اگر امام کے ساتھ سجدہ کرنے سے پہلے شامل ہوا تو امام کے ساتھ سجدہ کرے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اگر نہ سنتا پھر بھی سجدہ کرتا تو یہاں تو بدرجہ اولی ہے۔

تشریح : اگر امام کے منہ سے آیت سجدہ نہ سنتا اور سجدہ کرنے سے پہلے امام کے ساتھ شامل ہوتا تب بھی امام کے ساتھ سجدہ کرتا کیونکہ وہ امام کے تابع ہے،اور یہاں تو امام کے منہ سے آیت سجدہ سن چکا ہے اور سجدہ کرنے کا سبب واجب ہو چکا ہے اسلئے یہاں

(۵۷۵) وان لم یدخل معه سجدها ﴿ ۱ لتحقق السبب (۵۷۶)و کل صلوة وجبت فی الصلوٰۃ فلم یسجدھا فیھا لم تقض خارج الصلوٰۃ ۱ لانھا صلاتیة ولھا مزیة الصلوٰۃ فلا تتادی بالناقص .(۵۷۷) ومن تلاسجدۃً فلم یسجدھا حتی دخل فی صلوۃ فاعادھا وسجداجزأته السجدة

بدرجہ اولی امام کے ساتھ سجدہ کرنا ہوگا۔

ترجمہ: (۵۷۵) اور اگر امام کے ساتھ شامل نہ ہوسکا تو اسکا سجدہ بعد میں کرے گا۔

ترجمہ: ۱ سبب کے متحقق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اگر امام کے ساتھ سجدے میں شریک نہ ہوسکا، اور اس رکعت کو بھی نہیں پایا جس میں آیت سجدہ پڑھی گئی تو تو چونکہ اس نے سجدہ نہیں پایا، اور سجدے کا سبب واقع ہو چکا ہے اسلئے نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ اداء کرے۔

ترجمہ: (۵۷۶) ہر وہ سجدہ جو نماز میں واجب ہوا اور نماز میں سجدہ نہ کرسکا تو نماز سے باہر قضاء نہ کرے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ یہ سجدہ نماز والا ہے، اور اسکے لئے نماز کی فضیلت ہے اسلئے ناقص کے ساتھ ادا نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ ایک قاعدہ بتا رہے ہیں۔ کہ جو سجدہ نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کی وجہ سے نماز میں واجب ہوا ہو اسکو نماز سے باہر اداء کرنا چاہے تو اداء نہیں کرسکتا۔

وجہ: (۱) اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ نماز کے اندر کا سجدہ ہے، اور اسکی ایک اہمیت ہے، اسلئے یہ کامل سجدہ ہے، اور نماز کے باہر جو سجدہ ہے وہ اسکے مقابلے میں ناقص ہے اسلئے کامل سجدہ ناقص سے اداء نہیں ہوگا۔ اسلئے باہر سجدہ کرے گا تو اداء نہیں ہوگا۔ (۲) دوسری وجہ یہ اثر ہے۔ عن یونس عن الحسن فی رجل نسی سجدة من صلوته فلم یذکرھا حتی کان فی آخر رکعة من صلوته قال یسجد فیھا ثلاث سجدات فان لم یذکرھا حتی یقضی صلوته غیر انه لم یسلم بعد، قال : یسجد سجدة واحدة ما لم یتکلم فان تکلم استأنف الصلوة . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب الرجل ینسی السجدۃ من الصلوۃ فیذکرھا وھو یصلی، ج اول، ص ۳۸۳، نمبر ۴۳۹۸) اس اثر میں ہے کہ اگر نماز میں سجدہ نہیں کیا اور بات کر لی، تو شروع سے نماز پڑھے۔ جسکا مطلب یہ نکلا کہ نماز ہوئی ہی نہیں، اور اشارۃ النص سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باہر سجدہ نہیں کرسکتا ورنہ نماز دہرانے کی ضرورت کیا تھی باہر سجدہ کر لیتا۔ (۳) دوسرے اثر میں ہے۔ عن ابراھیم قال : اذا نسی الرجل سجدة من الصلوة فلیسجدھا متی ما ذکرھا فی صلوته (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب الرجل ینسی السجدۃ من الصلوۃ فیذکرھا وھو یصلی، ج اول ص ۳۸۳، نمبر ۴۳۹۹) اس اثر میں ہے کہ نماز میں جب تک ہو تو سجدہ کرسکتا ہے۔ جسکا مطلب یہ نکلا کہ نماز سے باہر سجدہ نہ کرے۔

ترجمہ: (۵۷۷) کسی نے نماز سے باہر سجدہ کی آیت پڑھی، اس کا ابھی سجدہ نہیں کیا کہ نماز شروع کر دی اور نماز میں دوبارہ

عن التلاوتین ﷺ ١ لان الثانية اقوى لكونها صلوتية فاستتبعت الاولى ٢ وفى النوادر يسجد اخرى بعد الفراغ لان للاولى قوة السبق فاستوتا ٣ قلنا للثانية قوة اتصال المقصود فترجحت بها

اسی آیت کو پڑھا اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کے لئے کافی ہے۔[بشرطیکہ کہ مجلس ایک ہو]

تشریح : کسی نے نماز سے پہلے سجدے کی آیت پڑھی، اور ابھی اس کا سجدہ نہیں کیا، پھر نماز شروع کی اور اسی آیت کو دوبارہ نماز میں پڑھی اور سجدہ کیا تو نماز کا سجدہ باہر کے سجدے کے لئے کافی ہوگا۔

ترجمہ : (۱) نماز کا سجدہ اعلی ہے اس لئے ادنی کے لئے کافی ہے۔ اور چونکہ مجلس ایک ہے اسلئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہوگا (۲) ایک ہی سجدہ کافی ہونے کے لئے یہ اثر ہے **۔عن مجاهد قال اذا قرأت السجدة اجزأك ان تسجد بها مرة ، عن ابراهيم فى الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها قالا تجزيها السجدة الاولى.** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰۴، باب الرجل یقرأ السجدۃ ثم یعید قرأتھا کیف یصنع ج اول ص ۳۶۵، نمبر ۴۲۰۰/۴۱۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھنے سے اگر مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ دوسرا سجدہ زیادہ قوی ہے، اسلئے کہ وہ نماز کا سجدہ ہے، اسلئے پہلا سجدہ اسکے تابع ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ دوسرا سجدہ نماز میں پڑھی ہوئی آیت کا سجدہ اسلئے وہ زیادہ قوی ہے، اور دوسرا سجدہ نماز سے پہلے ہے اور باہر ہے اسلئے وہ اتنا قوی نہیں ہے اسلئے پہلا سجدہ دوسرے سجدے کے تابع ہو کر ادا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ٢ نوادر کتاب میں یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسرا سجدہ کرے۔ اسلئے کہ پہلے سجدے کو پہلے ہونے کی قوت ہے اسلئے دونوں سجدے درجے میں برابر ہو گئے۔

تشریح : امام محمدؒ کی کتاب نوادر میں ہے کہ نماز سے پہلے جو آیت پڑھی ہے اسکا سجدہ الگ سے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کرے، نماز میں کیا ہوا سجدہ نماز سے پہلے پڑھی ہوئی آیت کے لئے کافی نہیں ہے۔

وجہ : اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ نماز کا سجدہ زیادہ قوی نہیں ہے، اور نماز سے پہلے جو آیت پڑھی ہے اسکا سجدہ کمزور نہیں ہے، بلکہ دونوں برابر درجے کے ہیں۔ کیونکہ نماز کا سجدہ نماز میں ہونے کی وجہ سے قوی ہے، تو نماز سے پہلے کا سجدہ پہلے ہونے کی وجہ قوی ہے کیونکہ پہلے ہونا بھی ایک قوت ہے اسلئے دونوں سجدے برابر درجے کے ہو گئے۔ اسلئے نماز سے پہلے کا سجدہ نماز کے اندر کے تابع ہو کر ادا نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٣ ہم کہتے ہیں کہ دوسرے سجدے کے لئے مقصود سے متصل ہونے کی قوت ہے، اسلئے دوسرے سجدے کو ترجیح ہو گئی۔

تشریح : یہ ہمارا جواب ہے۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ پہلے سجدے کو پہلے ہونے کی قوت ہے، لیکن اس وقت سجدہ ادا نہیں کیا گیا۔ اور دوسرے سجدے کو تلاوت کے بعد فورا ادا کیا گیا ہے، تو یہ سجدہ مقصود سے متصل ہے، اسلئے اسکو دو قوت حاصل ہو گئی [۱] ایک

(۵۷۸) وان تلاها فسجد ثم دخل فی الصلوٰة فتلاها سجدلها ﴾ ۱ لان الثانية هی المستتبعة.
۲ ولاوجه الی الحاقها بالاولیٰ لانه يؤدی الی سبق الحکم علی السبب

نماز میں ہونے کی وقت [۲] اور دوسری آیت سے متصل ہونے کی، اسلئے یہ سجدہ پہلے سے قوی ہو گیا، اسلئے پہلا سجدہ دوسرے سجدے کے تابع ہو کر اداء ہو جائے گا۔۔اصل تو اوپر کا اثر ہے۔

لغت : اعاد: عود سے مشتق ہے، لوٹایا۔ اجزأ: کافی ہو جائے گا۔صلوتیۃ: نماز کی چیز۔استتبعت: تبع سے مشتق ہے، تابع ہونا، پیچھے چلنا۔السبق: پہلے ہونا، سبقت کرنا۔استوتا: سوی سے مشتق ہے، برابر ہو گیا۔المقصود: یہاں مقصود سے مراد آیت سجدہ کو پڑھنا ہے اور اسکے ساتھ ہی سجدہ اداء کرنا ہے۔

ترجمہ: (۵۷۸) اور اگر آیت سجدہ تلاوت کی اور اسکا سجدہ بھی کر لیا، پھر نماز میں داخل ہوا اور اسی آیت کی تلاوت کی تو اس کے لئے دوبارہ سجدہ کرے۔

تشریح : نماز سے پہلے آیت سجدہ پڑھا اور اسکا سجدہ بھی کر لیا، اسکے بعد نماز شروع کی اور دوبارہ اسی آیت سجدہ کو پڑھی تو نماز میں دوبارہ سجدہ کرے گا، نماز سے پہلے والا سجدہ نماز کے اندر والے سجدے کے لئے کافی نہیں ہے۔

وجہ : (۱) نماز والا سجدہ اعلی ہے، اور نماز سے پہلے باہر والا سجدہ ادنی ہے، اسلئے ادنی سجدے سے اعلی سجدہ کیسے اداء ہوگا؟ اسلئے پہلے والا سجدہ نماز کے سجدے کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ (۲) نماز سے پہلے جو سجدہ ہے وہ نماز کے اندر کی تلاوت سے پہلے ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ تلاوت پہلے ہو اور اسکے سبب سے سجدہ اسکے بعد ہو۔ پس اگر پہلے والا سجدہ نماز والے سجدے کے لئے کافی سمجھیں تو سجدہ پہلے ہو جائے گا اور تلاوت اسکے بعد ہوگی۔حکم پہلے آجائے گا اور اسکا سبب اسکے بعد ہوگا، اسلئے پہلے والا سجدہ نماز کے اندر والے سجدے کے لئے کافی نہیں۔نماز کے اندر دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔

اصول : ادنی سے اعلی اداء نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ دوسرا سجدہ تو تابع بنانے والا ہے [وہ پہلے سجدے کے تابع کیسے ہوگا]

تشریح : نماز سے پہلے کا سجدہ ادنی ہے اور نماز کے اندر کا سجدہ اعلی ہے، اور وہ ادنی کو تابع بنانے والا ہے اسلئے وہ ادنی کے تحت میں کیسے اداء ہوگا؟۔۔مستتبعہ کا ترجمہ ہے تابع بنانے والا۔

ترجمہ: ۲ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ نماز کے سجدے کو پہلے کے ساتھ لاحق کرے، اسلئے کہ یہ اس بات کی طرف پہنچائے گا کہ حکم سبب سے بھی پہلے ہو جائے۔

تشریح : اگر نماز سے پہلے جو سجدہ اداء کیا گیا نماز کے اندر کا سجدہ اسی کے تحت اداء کر دیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ حکم یعنی سجدہ پہلے اداء ہو جائے اور اس سجدے کا سبب یعنی آیت کی تلاوت بعد میں آئے، اور یہ خلاف قاعدہ ہے اسلئے باہر کے سجدے سے

(۵۷۹) ومن کرَّر تلاوة سجدةٍ واحدةٍ فی مجلس واحد اجزأته سجدةٌ واحدة ﴾ (۵۸۰)فان قرأها فی مجلسه فسجدها ثم ذهب ورجع فقرأها سجدها ثانية وان لم یکن سجد للاولی فعلیه سجدتان﴾

نماز کا سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۵۷۹) کسی نے ایک ہی آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں مکرر تلاوت کی تو اس کو ایک ہی سجدہ کافی ہے ۔

تشریح: کسی نے سجدے کی آیت کو ایک مجلس میں بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ سب کے لئے کافی ہے، چاہے ایک مرتبہ آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کر لے، یا کئی مرتبہ آیت پڑھنے کے بعد آخیر میں سجدہ کر لے دونوں صورتوں میں ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

وجه: (۱) قیاس کے اعتبار سے ہر آیت پڑھنے کے لئے الگ الگ سجدہ واجب ہونا چاہئے۔لیکن حرج کے لئے تداخل کر دیا جائے گا۔لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مجلس ایک ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ ادنی اعلی میں داخل ہوگا لیکن اعلی ادنی میں داخل نہیں ہوگا۔اب اوپر کی صورت میں ایک ہی آیت کئی مرتبہ پڑھی ہے تو اگر مجلس ایک ہے تو تداخل ہو کر ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔اور مجلس بدل گئی تو کئی سجدے لازم ہونگے ۔(۲) اثر میں موجود ہے۔ عن ابی عبد الرحمن انه کان یقرأ السجدة فیسجد ثم یعید ها فی مجلسه ذلک مرارا لا یسجد ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۴ ۲۰، باب الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها کیف یصنع، ج اول، ص ۳۶۶، نمبر ۴۲۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھا تو تداخل ہوگا اور ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔(۳)عن مجاهد قال اذا قرأت السجدة اجزأک ان تسجد بها مرة ،(۴) عن ابراهیم فی الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها قالا تجزیها السجدة الاولی. (مصنف بن ابی شیبة ۴ ۲۰، باب الرجل یقرأ السجدة ثم یعید قرأتها کیف یصنع ج اول ص ۳۶۵، نمبر ۴۲۰۰/۴۱۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھنے سے اگر مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

ترجمه: (۵۸۰) پس اگر سجدے کی آیت مجلس میں پڑھی اور اسکا سجدہ کیا پھر وہاں سے چلا گیا اور واپس آیا اور آیت پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرے۔اور اگر پہلے کے لئے سجدہ نہ کیا ہو تو اس پر دو سجدے ہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مجلس ایک ہو تو حرج کی وجہ سے تداخل ہو جائے گا، اسلئے سب کے لئے ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ ایک آدمی نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کر لیا پھر وہاں سے کہیں چلا گیا اور مجلس بدل گئی پھر دوبارہ اسی مقام پر آیا اور آیت سجدہ پڑھی تو دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔ پہلا سجدہ کافی نہیں ہے۔

وجه: اس اثر میں ہے کہ مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ کافی ہے. عن ابی عبد الرحمن انه کان یقرأ السجدة فیسجد

ل والاصل ان مبنی السجدة علی التداخل دفعًا للحرج وهو تداخل فی السبب دون الحكم وهو الیق بالعبادات والثانی بالعقوبات ۲ وامكان التداخل عند اتحاد المجلس لكونه جامعًا للمتفرقات فاذا اختلف عاد الحكم الی الاصل

ثم یعید ها فی مجلسه ذلک مرارا لا یسجد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴، باب الرجل یقرأ السجدۃ ثم یعید قرأتھا کیف یصنع ، ج اول ،ص ۳۶۶ ،نمبر ۴۲۰۱)اس اثر میں ہے کہ مجلس ایک ہوتو ایک سجدہ کافی ہے ،جسکے اشارۃ النص سے معلوم ہوا کہ مجلس بدل جائے تو ایک سجدہ کافی نہیں ہوگا ، بلکہ الگ سجدہ لازم ہوگا ۔

ترجمہ: ل اصل قاعدہ یہ ہے کہ سجدے کا دارومدار حرج کی وجہ سے تداخل پر ہے ۔اور یہاں سبب میں تداخل ہے حکم میں تداخل نہیں ہے ،اور عبادات کے زیادہ لائق یہی ہے ،اور حکم میں تداخل یہ سزاؤں کے زیادہ لائق ہے ۔

تشریح : بار بار آیت پڑھنے کے باوجود ایک ہی سجدہ واجب ہونے کی وجہ بتا رہے ہیں کہ آیت یاد کرنے کے لئے ، یا بچوں کو پڑھانے کے لئے ایک آیت کو بار بار پڑھنا پڑتا ہے ، اب اگر ہر ہر آیت پر سجدہ کرے تو حرج لازم ہوگا ، اسلئے سبب میں تداخل کر دیا گیا تا کہ سب کے لئے ایک ہی سجدہ کافی ہو جائے ۔

سبب میں تداخل کیا ہے ؟ آیت کا پڑھنا سجدے کا سبب ہے ۔مثلا دس مرتبہ آیت پڑھی تو دس سجدے کا سبب بنی ۔اور سجدہ کرنا حکم ہوا ۔ اب دس مرتبہ آیت پڑھنے کو ایک مرتبہ پڑھنا قرار دیا جائے ، یہ سبب میں تداخل ہو گیا ، کیونکہ دس سبب کو ایک ہی قرار دیا ۔اور اسکی وجہ سے ایک ہی سجدہ لازم کیا جائے جو ایک حکم ہے ۔ ۔عبادت کے لائق یہ ہے کہ سبب میں تداخل کیا جائے ، تا کہ سبب ایک ہو تو حکم بھی ایک ہو ، تا کہ ایسا نہ ہو کہ سبب کئی ہو اور حکم ایک ہو اور سبب بغیر حکم کے باقی رہ جائے ۔

حکم میں تداخل کیا ہے ؟ سبب کئی ہوں اس میں تداخل نہ کرے ، اور سب کا حکم ایک ہی ہو تو اسکو حکم میں تداخل کہتے ہیں ۔مثلا کئی مرتبہ زنا کیا اسلئے کئی مرتبہ حد لگانے کا سبب ہوا لیکن سب کے بدلے میں ایک مرتبہ حد لگائے تو یہ سبب کئی ہونے کے باوجود حکم میں تداخل ہوا ۔ ۔سزا کے مناسب یہی ہے کہ حکم میں تداخل ہو ، کیونکہ اللہ رحیم ہے اسلئے حد کا سبب کئی ہونے کے باوجود حکم ایک ہی ہوا اور ایک ہی حد لگی ۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے حد کو ساقط کرنے کی کوشش کرو ۔

ترجمہ: ۲ تداخل کا ممکن ہونا مجلس کے متحد ہوتے وقت ہے اسلئے کہ مجلس متفرقات کو جمع کرنے والی ہے ۔پس جبکہ مجلس مختلف ہو گئی تو حکم اپنے اصل کے طرف لوٹ آیا [یعنی جتنے سبب ہوئے اتنے ہی حکم لازم ہوئے]

تشریح : آیت سجدہ جو پڑھا اس میں تداخل تو ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ مجلس ایک ہو ۔اور اگر مجلس ایک نہ ہو تو حکم اپنے اصل کی طرف لوٹ آئے گا ، یعنی جتنی مرتبہ آیت پڑھے اتنا ہی سجدہ لازم ہو ۔

۳ ولا يختلف بمجرد القيام ۴ بخلاف المخيرة لانه دليل الاعراض وهو المبطل هنالک ۵ وفی تسدية الثوب يتكرر الوجوب وفی المنتقل من غصن الی غصن كذلک فی الاصح وكذا فی الدياسة للاحتياط

وجہ :(۱) مجلس متحد ہوتو سب میں تداخل ہواسکی ایک وجہ تو اوپر کا اثر ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کر نے والی ہے۔مثلا تھوڑی تھوڑی قے کئی بار ہوئی ہو تو اگر مجلس ایک ہو تو سب کو جمع کر کے حکم لگے گا،جس سے معلوم ہوا کہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کرتی ہے،اسی طرح مجلس ایک ہو تو کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھی ہو پھر بھی ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔۔اور مجلس ایک نہ ہو تو حکم اپنے اصل کی طرف لوٹ آئے گا۔

فاذا اختلف عاد الحكم الی الاصل :کا مطلب۔اصل حکم یہ ہے کہ جتنی مرتبہ آیت پڑھے اتنا ہی مرتبہ سجدہ لازم ہو،چنانچہ جتنی مرتبہ مجلس بدلے گی،اور آیت پڑھتا جائے گا اتنا ہی مرتبہ سجدہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۳ صرف کھڑا ہونے سے مجلس نہیں بدلے گی۔

تشریح : یہاں یہ بتا رہے ہیں کہ مجلس بدلنے کا معیار کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ صرف کھڑا ہونے سے آیت کی مجلس نہیں بدلے گی بلکہ دو چار قدم چلے اور دور جائے تب مجلس کا بدلنا سمجھا جائے گا۔اور الگ سجدہ لازم ہوگا۔اور ایک دو قدم چلا تو یہ قریب ہے اس سے مجلس نہیں بدلے گی

ترجمہ: ۴ بخلاف اختیار دی ہوئی عورت کے اسلئے کہ اسکا کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے،اور یہاں اتنے ہی سے اختیار باطل ہوجاتا ہے۔

بخلاف سے مخیّرہ عورت کا حکم بیان فرماتے ہیں۔کسی عورت کو اسکے شوہر نے کہا ,, اختاری نفسک :تمکو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار ہے،،تو اس عورت کو مخیّرہ کہتے ہیں،یعنی جسکو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا ہو۔ایسی عورت کو مجلس کے اندر ہی طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے،مجلس بدل جائے تو اختیار ختم ہوجاتا ہے۔اور انکی مجلس کا حال یہ ہے کہ صرف طلاق دینے سے اعراض کرے تو مجلس بدل جاتی ہے،اسکے لئے دو چار قدم چلنے کی ضرورت نہیں ہے۔اب شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا اور وہ طلاق دینے کے بجائے کھڑی ہوگئی،تو کھڑا ہونا اعراض کی دلیل ہے،اسلئے کھڑا ہونے سے مجلس بدل جائے گی اور عورت کا اختیار ختم ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۵ [۱] اور تانا تننے میں وجوب مکرر ہوگا۔[۲] اور ایک شاخ سے دوسری شاخ پر منتقل ہونے میں صحیح روایت میں ایسے ہی ہوگا۔[۳] اور ایسے ہی کھلیان کے روندنے میں احتیاط کی وجہ سے۔

تشریح : یہاں تین مسئلے بیان فرما رہے ہیں۔[۱] پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کپڑا بننے کے لئے سوت کا تانا تنتے ہیں،وہ تانا تقریبا تیس

(۵۸۱) ولو تبدل مجلس السامع دون التالی یتکرر الوجوب علی السامع ﴾ ل لان السبب فی حقه السماع (۵۸۲) وکذا اذا تبدل مجلس التالی دون السامع علی ﴾

میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اسکو تنتے وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تو اگر چہ یہ کام ایک ہی ہے لیکن اتنی دور تک منتقل ہونے سے مجلس بدلتی جائے گی اور ہر آیت پر الگ الگ سجدہ لازم ہوگا۔ اور سجدے کا واجب ہونا مکرر ہوتا جائے گا۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شاخ سے دوسری شاخ الگ الگ مجلس ہے۔ اسلئے ایک شاخ پر آیت پڑھی، پھر دوسری شاخ پر جا کر اسی آیت کو پڑھی تو دوسرا سجدہ واجب ہوگا ایک ہی سجدہ کافی نہیں ہوگا، کیونکہ ہر شاخ گویا کہ الگ الگ مجلس ہے۔ صحیح روایت یہی ہے ۔۔دوسری روایت یہ ہے کہ ان تینوں مسئلوں میں مجلس متحد ہے اسلئے ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔

[۳] تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کھلیان میں فصلوں کو بیل سے روندواتے ہیں اور گولائی میں بیل کو گھوماتے ہیں تا کہ دانہ نکل جائے۔ یہ گول دائرہ تقریبا پندرہ میٹر ہوتا ہے، اسلئے بیل کو گھومانے میں بھی مجلس بدل جائے گی اور ہر مرتبہ کے پڑھنے سے الگ الگ سجدہ لازم ہوگا۔ احتیاط اسی میں ہے۔

لغت : تسدیۃ: سدی سے مشتق ہے سوت کا تانا بنانا۔ غصن: شاخ۔ دیاسۃ: گاہنا، فصل کو روندنا۔

ترجمه: (۵۸۱) اگر سننے والے کی مجلس بدل گئی لیکن پڑھنے والے کی مجلس نہیں بدلی تو سننے والے پر آیت سجدہ کا وجوب مکرر ہو گا۔

ترجمه: ل اسلئے کہ سبب اسکے حق میں سننا ہے۔

تشریح : پڑھنے والا ایک ہی جگہ بیٹھا ہوا ہے، لیکن آیت سننے والا بار بار جگہ بدل رہا ہے اور اسکی مجلس بدل رہی ہے تو جتنی مرتبہ سننے والے کی مجلس بدلے گی اتنی ہی مرتبہ سجدہ واجب ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سننے والے کے حق میں سجدے کا سبب سننا ہے، اور سننے کی مجلس بدل رہی ہے تو گویا کہ سبب بھی مکرر ہو رہا ہے اسلئے سجدہ بھی بار بار لازم ہوگا۔

ترجمه: (۵۸۲) ایسے ہی اگر پڑھنے والے کی مجلس بدلے اور سننے والے کی مجلس نہ بدلے [تب بھی سننے والے پر بار بار سجدہ لازم ہوگا جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے]

تشریح : سننے والا ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے، لیکن آیت پڑھنے والا جگہ بدل بدل کر پڑھ رہا ہے، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی جس طرح پڑھنے والے پر کئی سجدے لازم ہونگے اسی طرح سننے والے پر بھی کئی سجدے لازم ہونگے۔

وجه : اس قول کی وجہ یہ ہے کہ سننا سجدے کا سبب نہیں بلکہ پڑھنے والے کا پڑھنا سجدے کا سبب ہے، اور پڑھنے والے کی مجلس بدل رہی ہے اسی لئے پڑھنے والے پر کئی سجدے لازم ہو رہے ہیں، اسلئے سننے والے پر بھی کئی سجدے لازم ہونگے، ایک سجدہ سب

ل ماقيل والاصح انه لا يتكررا لوجوب على السامع لما قلنا.(۵۸۳) ومن اراد السجود كبر ولم يرفع يديه وسجد ثم كبر ورفع رأسه ﴾ ل اعتبارا بسجدة الصلوٰة وهو المروى عن ابن مسعودؓ

کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ل صحیح روایت یہ ہے کہ سننے والے پر سجدے کا وجوب مکرر نہیں ہوگا۔اس سبب کی وجہ سے جسکو میں نے کہا۔

تشریح : صحیح روایت یہ ہے کہ سننے والے کی مجلس نہ بدلے چاہے پڑھنے والے کی بدل جائے تو سننے والے پر کئی سجدے لازم نہیں ہونگے ،ایک ہی سجدہ کافی ہوگا۔اور اسکی وجہ ابھی یہ کہا گیا کہ سننے والے پر سجدے کے وجوب کا سبب آیت کا سننا ہے،اور سننے میں جگہ ایک ہے اسلئے ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔پڑھنے والے کی جگہ بدلنے کی وجہ سے کئی سجدے لازم نہیں ہونگے۔

ترجمہ : (۵۸۳) جس نے سجدۂ تلاوت کا ارادہ کیا تو تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے، پھر تکبیر کہے اور اپنے سر کو اٹھائے۔اس پر تشہد نہ پڑھے اور نہ سلام کرے۔

تشریح : جو آدمی سجدہ تلاوت کرنا چاہے اسکا وضو نہ ہو تو وضو کرے کیونکہ یہ سجدہ نماز کا ایک حصہ ہے، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے ،سجدے میں نماز کے سجدے کی طرح، سبحان ربی الاعلی، پڑھے اور تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے ۔بس اتنا ہی سے سجدہ تلاوت اداء ہو جائے گا،آگے نہ سلام پھیرنے کی ضرورت ہے اور نہ تشہد پڑھنے کی ضرورت ہے۔

وجہ: (۱)اثر میں ہے۔عن عبد الله بن مسلم قال كان ابى اذا قرأ السجدة قال الله اكبر ثم سجد.(مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۲، باب من قال اذا قرأت السجدة فكبر واسجد ج اول ص ۳۶۴،نمبر ۴۱۸۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے گا۔(۲) تشہد نہیں پڑھے گا اس کے لئے یہ اثر دلیل ہے ۔عن سعيد بن جبير انه كان يقرأ السجدة فيرفع رأسه ولا يسلم، قال كان الحسن يقرأ بنا سجود القرآن ولا يسلم . (مصنف ابن ابی شیبة ۲۰۱، باب من کان لایسلم من السجدة ج اول ص ۳۶۴،نمبر ۴۱۸۴/۴۱۸۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت میں تشہد اور سلام نہیں ہیں۔صرف تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے بس اتنا ہی کافی ہے۔

نوٹ: سجدۂ تلاوت نماز کا حصہ ہے اس لئے اس کے لئے وضو ضروری ہے۔اس کے ثبوت کے لئے یہ اثر ہے۔عن ابراهيم قال اذا سمعه وهو على غير وضوء فليتوضأ ثم ليقرأ فليسجد. (مصنف ابن ابی شیبة ۲۲۰، باب فی الرجل یسجد السجدة وھو علی غیر وضوء ج اول ص ۳۷۵،نمبر ۴۳۲۴)اس اثر میں ہے کہ وضو کرے اور اسکے بعد سجدہ تلاوت کرے۔

ترجمہ: ل قیاس کرتے ہوئے نماز کے سجدے پر اور یہی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔

تشریح : سجدہ تلاوت نماز کے سجدے کی طرح ہے،اور نماز کے سجدے میں اللہ اکبر کہتے ہوئے جاتے ہیں،اور تکبیر کہتے ہوئے

۲ ولا تشھد علیہ ولا سلام لان ذٰلک للتحلل وھو یستدعی سبق التحریمۃ وھی منعدمۃ

(۵۸۴)قال ویکرہ ان یقرأ السورۃ فی صلوٰۃ اوغیرھا ویدع اٰیۃ السجدۃ ﴾ ۱ لانہ یشبہ الاستنکاف عنھا

سر اٹھاتے ہیں اسی طرح سجدہ تلاوت میں بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں جائے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھائے۔حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے یہی منقول ہے۔۔یہ حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر کی اس طرح ہے۔عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ علینا القرآن فاذا مر بالسجدۃ کبر و سجد و سجدنا معہ . (ابوداود شریف، باب فی الرجل یسمع السجدۃ وھو راکب أو فی غیر صلوۃ ،ص ۲۱۱،نمبر ۱۴۱۳)اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سجدے کی آیت پر گزرتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جاتے۔(۲)اس اثر میں بھی اسکا تذکرہ گزر چکا ہے۔عن عبد اللہ بن مسلم قال کان ابی اذا قرأ السجدۃ قال اللہ اکبر ثم سجد. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰۲،باب من قال اذا قرأت السجدۃ فکبر واسجد ج اول ص ۳۶۴،نمبر ۴۱۸۷)اس اثر میں ہے کہ سجدہ تلاوت کرے تو تکبیر کہتے ہوئے سجدے میں جائے۔

ترجمہ : ۲ سجدہ تلاوت میں تشہد بھی نہیں ہے اور سلام بھی نہیں ہے۔اسلئے کہ تشہد اور سلام نماز سے حلال ہونے کے لئے ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تحریمہ پہلے باندھا گیا ہو اور پہلے تحریمہ ہے نہیں۔

حضورؐ سجدہ تلاوت میں یہ دعاء پڑھا کرتے تھے۔ عن عائشۃ أن رسول اللہ ﷺ کان یقول فی سجود القرآن ((سجد وجھی للذی خلقہ و صورہ و شق سمعہ و بصرہ بحولہ و قوتہ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب فی سجود القرآن و ما یقرأ فیہ، ج اول ،ص ۳۸۰،نمبر ۴۳۷۲)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ سجدہ تلاوت میں کیا پڑھا کرتے تھے۔

تشریح : سجدہ تلاوت سے سر اٹھانے کے بعد سجدہ پورا ہو گیا، اب تشہد پڑھنے اور سلام کرنے کی ضرورت نہیں۔

وجہ : (۱) اسکی دلیل عقلی یہ ہے کہ تشہد پڑھنا اور سلام کرنا تحریمے سے حلال ہونے کے لئے ہیں اور سجدہ تلاوت کے لئے کوئی تحریمہ نہیں باندھا گیا ہے اسلئے تشہد پڑھ کر اور سلام پھیر کر اس سے حلال ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(۲)اصل تو یہ اثر ہے جس میں ہے کہ سلام نہ کرے۔ عن سعید بن جبیر انہ کان یقرأ السجدۃ فیرفع رأسہ ولا یسلم، قال کان الحسن یقرأ بنا سجود القرآن ولا یسلم . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۰۱،باب من کان لا یسلم من السجدۃ ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸۴،۴۱۸۳)اس اثر میں ہے کہ سلام نہ کرے، اور اسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تشہد بھی نہ پڑھے۔

ترجمہ: (۵۸۴)اور مکروہ ہے کہ نماز یا اسکے علاوہ میں سورت پڑھے اور آیت سجدہ کو چھوڑ دے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ یہ سجدہ سے منہ موڑنے کے مشابہ ہے۔

(۵۸۵) ولا باس بان يقرأ اٰية السجدة ويدع ماسواها ﴾ ل لانه مبادرة اليها ۲ قال محمد احب الیّ ان يقرأ قبلها اٰية واٰيتين دفعًا لوهم التفضيل ۳ واستحسنوا اخفاء ها شفقة على السامعين والله اعلم.

تشریح : نماز میں یا نماز کے علاوہ میں آیت سجدہ والی سورت پڑھے،اور جب آیت سجدہ پر آئے تو اسکو چھوڑ دے یہ مکروہ ہے۔

وجہ :(۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ آیت سجدہ سے منہ موڑ رہے ہیں اور اسکو پڑھنا نہیں چاہتے ہیں،اسلئے اسکو چھوڑنا مکروہ ہے۔(۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن الشعبی قال : کانوا یکرھون اختصار السجود و کانوا یکرھون اذا اتوا علی السجدة أن یجاوزوھا حتی یسجدوا ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب فی اختصار السجود، ج اول، ص ۳۶۶، نمبر ۴۲۰۳) اس اثر میں ہے کہ آیت سجدہ کو چھوڑ دینا اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

ترجمہ: (۵۸۵) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ آیت سجدہ کو پڑھے اور اسکے علاوہ کو چھوڑ دے۔ ل اس لئے کہ اس صورت میں اسکی طرف دوڑ کر جانا ہے۔

تشریح : صرف آیت سجدہ کو پڑھے اور باقی کو چھوڑ دے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اسلئے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ کی طرف اور رغبت کر رہا ہے اسلئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ اس سے پہلے ایک یا دو آیتیں پڑھ لے تا کہ آیت سجدہ کی فضیلت کا وہم نہ ہو۔

تشریح : حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب آیت سجدہ کو پڑھنا ہو تو اس سے پہلے ایک دو آیتیں اور پڑھ لے تا کہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ آیت سجدہ کی اور آیتوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اچھا سمجھا آیت سجدہ کو آہستہ پڑھنا سننے والوں پر مہربانی کرنے لئے۔

تشریح : اگر دیکھے کہ سننے والے سجدے کے لئے اتنے تیار نہیں ہیں،اور انکو سجدہ کرنا گراں گزرے گا تو اچھا یہی سمجھا گیا ہے کہ آیت سجدہ جب آئے تو اسکو آہستہ پڑھے تا کہ انکو سجدہ نہ کرنا پڑے اور ان پر مہربانی ہو جائے۔اور اگر وہ سجدہ کے لئے رغبت کرتے ہوں تو آیت سجدہ زور سے پڑھے۔ واللہ اعلم۔

﴿ باب صلوٰة المسافر ﴾

(۵۸۶) السفر الذی یتغیر بہ الاحکام ان یقصد مسیرة ثلثة ایام ولیا لیھا بسیر الابل ومشی الاقدام﴾

﴿ باب صلوۃ المسافر ﴾

ضروری نوٹ: آدمی سفر میں چلا جائے تو اس کو مسافر کہتے ہیں۔ سفر کی حالت میں آدمی آدھی نماز پڑھے اس کی دلیل (۱) یہ آیت ہے و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوة ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا (سورۃ النساء ۴، آیت ۱۰۱) اس آیت میں ہے کہ جب سفر کرو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرو۔ (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ سمع ابن عمر یقول صحبت رسول اللہ فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر و عمر و عثمان کذلک. (بخاری شریف، باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلوات ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲ رمسلم شریف، باب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص ۲۴۲ نمبر ۱۵۷۹/۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ اور صحابہ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔ (۳) عن ابن عباس قال: ان اللہ فرض علی لسان نبیکم ﷺ علی المسافر رکعتین، و علی المقیم أربعا، و فی الخوف رکعة. (مسلم شریف، باب صلوۃ المسافرین وقصرھا، ص ۲۸۰، نمبر ۱۵۷۶/۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے اوپر دو رکعت ہی فرض ہے۔

ترجمہ: (۵۸۶) وہ سفر جس سے احکام بدلتے ہیں یہ ہے کہ تین دن اور تین راتیں چلنے کا ارادہ کرے، اونٹ کی چال سے، یا پیدل۔

تشریح: جس مقام سے جس مقام تک جانا ہے وہاں کا سفر تین دن کا راستہ ہو۔ درمیانی چال سے کہ صبح سے زوال تک چلے۔ اور اونٹ کی چال اور انسان کی پیدل چال کا اعتبار ہے۔ کیونکہ انسان عام طور پر اسی رفتار سے چلتا ہے۔ اس لئے شریعت نے اسی کی چال کا اعتبار کیا ہے۔ اس سے تیز رفتار کی چال کا اعتبار نہیں کیا۔ کیونکہ شریعت انسان کی عمومی حالت کا اعتبار کرتی ہے۔

نوٹ: آدمی عموما ایک دن میں اوسط چال سے صبح سے دوپہر تک میں سولہ (۱۶) میل چل سکتا ہے۔ اس اعتبار سے تین دن میں اڑتالیس (۴۸) میل ہوتے ہیں۔ اور حنفیوں کے یہاں اڑتالیس میل اسی حساب سے مشہور ہے۔

وجہ: (۱) تین دن کے سفر کا اعتبار اس حدیث سے ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثہ ایام فصاعدا الا و معھا ابوھا او ابنھا او زوجھا او اخوھا او ذو محرم منھا۔ (مسلم شریف، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ ص ۴۳۴ ابواب الحج نمبر ۱۳۴۰/۳۲۷۰ ربخاری شریف،

ل لقوله علیه ا لسلام یمسح المقیم کمال یوم ولیلة والمسافر ثلثة ایام ولیالیها

باب فی کم یقصر الصلوۃ ص ۱۴۷، ابواب تقصیر الصلوۃ نمبر ۱۰۸۶) اس حدیث میں جس مسافت کو سفر قرار دیا ہے وہ تین دن کی مسافت ہے۔اس لئے تین دن کی مسافت پر نماز کے قصر کا حکم لگایا جائے گا (۲) موزے پر مسح میں بھی تین دن کے سفر کو سفر قرار دینے کا اشارہ ملتا ہے۔حدیث یہ ہے ۔عن شریح ابن ھانی قال اتیت عائشة اسألها عن المسح علی الخفین ... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم، (مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶/۶۳۹/ابو داؤد شریف، باب التوقیت فی المسح ص ۲۳ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوتا کہ سفر کی مدت تین دن ہونی چاہئے۔اسی کو سفر شرعی کہیں گے (۳) اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔کان ابن عمر و ابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وهو ستة عشر فرسخا۔(بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۶) اس اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن عباس سولہ فرسخ پر قصر کرتے تھے اور سولہ فرسخ ارتالیس میل شرعی ہوتا ہے، اور عام حالات میں یہ تین دن تین رات میں طے کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تین دن کے سفر پر قصر ہے۔ (۴) اس اثر میں بھی ہے۔عن عطاء بن ابی رباح قال : قلت لابن عباس : أقصر الی عرفة فقال : لا ، قلتُ : أقصر الی مر قال: لا ، قلتُ أقصر الی الطائف و الی عسفان قال : نعم ، و ذالک ثمانیة و أربعون میلا و عقد بیده . (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ۳۴۷۔فی مسیرۃ کم یقصر الصلوۃ، ج ثانی، ص ۲۰۴، نمبر ۸۱۳۸) اس اثر میں ہے کہ ۴۸ میل ہو تو مسافر بنے گا۔

ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوئے۔اور انگریزی میل چھوٹا ہوتا ہے اس لئے وہ ساڑھے چون میل انگریزی ہوئے۔ایک دن میں وسط چال کے ساتھ عموما سولہ میل سفر طے کر پاتے ہیں۔اس لئے تین دن میں اڑتالیس میل ہوئے۔حدیث کے ساتھ اس اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ تین دن کا مسافر ہو تو سفر کے احکام بدلیں گے، اس سے پہلے نہیں۔

نوٹ: اصل تین دن کا سفر ہے۔میل کو متعین کرنا سہولت کے لئے ہے۔ اور اوپر کے اثر سے ہے۔

لغت: مقصد : جانے کی جگہ، قصد کرنے کی جگہ، مسیر : سیر سے مشتق ہے، سفر۔

ترجمہ: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ مقیم پورا ایک دن ایک رات مسح کرے، اور مسافر تین دن تین رات۔

تشریح : یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔ .عن شریح ابن ھانی قال اتیت عائشة اسألها عن المسح علی الخفین ... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ایام ولیالیهن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم، (مسلم شریف، باب التوقیت فی

۲ عمت الرخصة الجنس ومن ضرورته عمومُ التقدير ۳ وقدّرَ ابويوسفؒ بيومين واكثر اليوم الثالث ۴ والشافعي بيوم وليلة في قول.

المسح على الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶ /۶۳۹ /ابوداؤد شریف، باب التوقیت فی المسح ص ۲۳ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر کی مدت تین دن ہونی چاہئے۔ اسی کو سفر شرعی کہیں گے۔

ترجمہ: ۲ رخصت جنس مسافر کو عام ہے۔ جسکی ضرورت میں سے ہے کہ دن کا تعین بھی عام ہو۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں ,المسافر، کا جملہ ہے جو تمام کو شامل ہے، اسلئے اسکے اشارے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسافر اسکو کہا جائے گا جو تین دن کا سفر کرے۔

ترجمہ : ۳ حضرت امام ابو یوسفؒ نے دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ متعین فرمایا۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ سفر کرے تب بھی مسافر بن جائے گا، اور وہ قصر کر سکے گا۔

وجہ :(۱) انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمعت ابا سعيد الخدری قال سمعت من رسول الله ﷺ أربعا فأعجبنی و أيقننی : نهی أن تسافر المرأة مسيرة يومين الا و معها زوجها أو ذو محرم ، ۔(مسلم شریف باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ، ص ۵۶۵، نمبر ۱۳۳۸ /۳۲۶۲) اس حدیث میں ہے کہ عورت دو دن سفر کرے تو اسکے ساتھ ذی رحم محرم ہو۔ اور اوپر کی حدیث میں تین دن کا تذکرہ تھا اسلئے دونوں حدیثوں کو ملا کر دو دن سے زیادہ اور تین دن سے کم کا معیار سفر کے لئے بنایا۔

فائدہ ترجمہ: ۴ اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں ایک دن ایک رات کے سفر میں ہی مسافر بن جائے گا۔

تشریح :امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ایک دن ایک رات میں مسافر بنے گا انکی دلیل (۱) یہ حدیث ہو سکتی ہے۔ عن ابی هريرة قال قال النبی ﷺ لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تسافر يوم وليلة ليس معها حرمة . (بخاری شریف، باب فی کم تقصیر الصلوۃ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۸ /مسلم شریف، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیرہ، ص ۵۶۵، نمبر ۱۳۳۹ /۳۲۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن اور ایک رات کے سفر کو بھی سفر کہتے ہیں۔ اس لئے اس پر بھی قصر ہو سکتا ہے۔ (۲) اس اثر میں بھی ہے۔ قال ابن عباس تقصر الصلوة فی اليوم التام و لا تقصر فيما دون ذالک ۔(مصنف ابن ابی شیبہ، باب ۳۴۷۔ فی مسیرۃ کم یقصر الصلوۃ، ج ثانی ،ص ۲۰۴، نمبر ۸۱۴۷ /مصنف عبد الرزاق، باب فی کم یقصر الصلوۃ، ج ثانی ص ۳۴۶، نمبر ۴۳۰۷) اس اثر میں ہے کہ ایک دن سے کم ہو تو قصر نہ کرے اور ایک دن کا سفر ہو تو قصر کرے گا۔

امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ دو دن دو رات میں مسافر بنے گا۔ کتاب الام۔ موسوعۃ امام شافعی کی عبارت یہ ہے۔ و لم يبلغنا

۵ و کفیٰ بالسنة حجةً علیهما.

أن یقصر فیما دون یومین ، الا أن عامة من حفظنا عنه لا یختلف فی أن لا یقصر فیما دونهما ، فللمرء عندی أن یقصر فیما کان مسیرة لیلتین قاصدتین ، و ذالک ستة و أربعون میلا بالهاشمی ، و لا یقصر فیما دونهما . (موسوعة امام شافعیؒ، باب السفر الذی تقصر فی مثلہ الصلوۃ بلا خوف، ج ثانی، ص۱۹، نمبر ۱۸۹۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دو دن سے پہلے مسافر نہیں بنے گا، اور دوسری بات معلوم ہوئی کہ دو دن کی مسافت 46 [چھیالیس] میل ہوتی ہے، اور تقریبا یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ 48 [اڑتالیس] میل سفر کرے تو مسافر ہو جائے گا۔ اس لئے دونوں اماموں کا قول قریب قریب ہی ہے۔

وجه: (۱) اسکی وجہ یہ حدیث ہے۔ سمعت ابا سعید الخدری قال سمعت من رسول الله ﷺ أربعا فأعجبنی و أیقننی : نهی أن تسافر المرأة مسیرة یومین الا و معها زوجها أو ذو محرم ، ۔ (مسلم شریف باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ، ص ۵۶۵، نمبر ۱۳۳۸/۳۲۶۲) اس حدیث میں ہے کہ دو دن کی مسافت ہو تو عورت سفر نہ کرے جس کے اشارے سے پتہ چلا کہ سفر شرعی دو دن کا ہوتا ہے۔ (۲) اس اثر میں ہے۔ عن الحسن قال: تقصر الصلوة فی مسیرة اللیلتین . (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ۳۴۷۔ فی مسیرۃ کم یقصر الصلوۃ، ج ثانی، ص ۲۰۴، نمبر ۸۱۲۴) اس اثر سے بھی پتہ چلا کہ دو دن کی مسافت ہو تو قصر کرے گا۔

ترجمه: ۵ حدیث ان دونوں پر حجت کافی ہے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے خلاف وہ احادیث حجت اور دلیل ہیں جو میں نے پہلے بیان کئے۔ ۔ امام ابوحنیفہؒ دلائل کی روشنی میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔

﴿ فرسخ، میل اور کیلومیٹر کا حساب ﴾

پچھلے زمانے میں عرب میں برد، فرسخ اور غلوہ رائج تھے، بعد میں میل شرعی آیا اور ابھی دنیا میں انگریزی میل اور کیلومیٹر کا حساب رائج ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے۔ اور ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا۔ اور ایک شرعی میل چار ہزار ہاتھ یعنی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک برد بارہ شرعی میل کا ہوا۔ ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے اس کا ذکر عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر میں گزرا۔ کان ابن عمر و ابن عباس یقصران و یفطران فی اربعة برد وهو ستة عشر فرسخا (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ، ص ۱۴۷، نمبر ۱۰۸۶) اس اثر میں ہے کہ چار برد سولہ فرسخ کا ہوتا تھا۔ یعنی ایک برد چار فرسخ کا۔ اور چار برد سولہ فرسخ کا ہوا جس پر عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس سفر کا حکم لگاتے تھے۔ (۲) یہ اثر بھی گزرا جس میں ہے کہ 48 میل پر قصر کرے، اثر یہ ہے. عن

عطاء بن ابی رباح قال : قلت لابن عباس : أقصر الی عرفة فقال : لا ، قلت : أقصر الی مر قال: لا ، قلت أقصر الی الطائف و الی عسفان قال : نعم ، و ذالک ثمانية و أربعون ميلا و عقد بيده . (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ۳۴۷۔فی مسیرۃ کم یقصر الصلوۃ، ج ثانی ،ص ۲۰۴، نمبر ۸۱۳۸)اس اثر میں ہے کہ ۴۸ میل ہوتو مسافر بنے گا۔ (۳)موسوعۃ امام شافعیؒ کے حاشیہ میں ہے کہ ایک برد 22176 میٹر کا ہوتا ہے۔اور یہ بھی لکھا ہے کہ 81 کیلومیٹر کے سفر میں قصر ہوگا۔ موسوعۃ امام شافعی ، باب السفر الذی تقصر فی مثلہ الصلوہ بلاخوف، ج ثانی ،ص ۱۹، نمبر ۱۸۹۵)یہ وہی حساب ہے جو آگے پیش کیا جارہا ہے۔

اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔اور ایک میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ دو ہزار گز کا میل ہوا۔اس کی دلیل در مختار کی یہ عبارت ہے۔**الفرسخ : ثلاثة اميال و الميل : اربعة آلاف ذراع** (ردالمحتار علی درالمختار، باب صلوۃ المسافر، ج ثانی ،ص ۵۲۷)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔اور ایک میل شرعی 4000 ہاتھ کا ہوتا ہے۔اور دو ہاتھ کا ایک گز ہوتا ہے،اس حساب سے 2000 [دو ہزار گز] کا ایک شرعی میل ہوا۔اب بارہ فرسخ کو تین میل سے ضرب دیں تو 48 میل شرعی ہوئے۔

(میل شرعی ،میل انگریزی اور کیلومیٹر میں فرق)

انگریزی میل شرعی میل سے 1.13636 چھوٹا ہوتا ہے۔کیونکہ میل انگریزی 1760 گز کا ہوتا ہے.اور شرعی میل 2000 گز کا ہوتا ہے۔اور کیلومیٹر شرعی میل سے 1.828 چھوٹا ہوتا ہے۔اس لئے کہ کیلومیٹر صرف 1093.61 گز کا ہوتا ہے۔اور کیلو میٹر انگریزی میل سے 1.6092 فیصد چھوٹا ہوتا ہے۔اس حساب سے 48 میل شرعی 54.545 میل انگریزی ہوگا۔اور 87.782 کیلومیٹر ہوگا۔جس پر قصر نماز کا حکم لگایا جا سکے گا۔کلکیو لیٹر سے حساب کر لیں۔

﴿شرعی میل ،انگریزی میل ،اور کیلومیٹر کا فرق﴾

کون	کتنا	ہوتا ہے۔
ایک گز	0.914399 میٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	1.0936143 گز	کا ہوتا ہے۔

ایک انگریزی میل	3520 ہاتھ	کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل	1760 گز	کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل	1.6093422 کیلومیٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک انگریزی میل	1609.3422 میٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک کیلو میٹر	1000 میٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک کیلو میٹر	1093.61 گز	کا ہوتا ہے۔
ایک کیلو میٹر	0.62137 انگریزی میل	کا ہوتا ہے۔
ایک کیلو میٹر	2187.22 ہاتھ	کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل	4000 ہاتھ	کا ہوتا ہے۔
کون	کتنا	ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل	2000 گز	کا ہوتا ہے۔

ایک شرعی میل	1828.798 میٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل	1.828798 کیلومیٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل	1.13636 انگریزی میل	کا ہوتا ہے۔
ایک شرعی میل	انگریزی میل سے 1.13636	بڑا ہوتا ہے۔
48 شرعی میل	54.5452 انگریزی میل	کا ہوتا ہے۔
48 شرعی میل	87.782 کیلو میٹر	کا ہوتا ہے۔

﴿برد اور فرسخ کا حساب﴾

کون	کتنا	کیا چیز	ہوتا ہے۔
ایک برد	12	میل شرعی	کا ہوتا ہے۔
ایک برد	13.63632	انگریزی میل	کا ہوتا ہے۔
ایک برد	21.9455	کیلو میٹر	کا ہوتا ہے۔

(۵۸۷) والسير المذكور هو الوسط﴾

ایک برد	21945.576	میٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک برد	23999.92	گز	کا ہوتا ہے۔
ایک برد	4	فرسخ	کا ہوتا ہے۔
4 برد	48	میل شرعی	کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ	3	میل شرعی	کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ	3.40908	انگریزی میل	کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ	5.48639	کیلومیٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ	5486.39	میٹر	کا ہوتا ہے۔
ایک فرسخ	6000	گز	کا ہوتا ہے۔
16 فرسخ	48	میل شرعی	کا ہوتا ہے۔

ترجمه: (۵۸۷) اور مذکورہ چال وسط چال ہو۔

ل وعن ابی حنیفةؒ التقدیر بالمراحل وهو قریب من الاوّل ولا معتبر بالفراسخ هو الصحیح

تشریح : چلنا تیز بھی ہوتا ہے اور آہستہ بھی ہوتا، سواری سے بھی ہوتا اور پیدل بھی ہوتا ہے۔لیکن شریعت کے اندر وسط چال کا اعتبار ہے۔البتہ ان دونوں باتوں کا اعتبار ہے کہ پیدل چلے، یا اونٹ پر چلے ۔

قافلہ چلنے کا طریقہ:۔ جب تک موٹر کار اور ہوائی جہاز کا زمانہ نہیں تھا تو لوگ قافلے کی شکل میں اونٹ پر سفر کرتے تھے، یا پیدل چلتے تھے۔ ریتیلی زمین میں تیز دھوپ ہوتو قافلہ صبح روانہ ہوتا اور درمیانی چال سے دو پہر تک چلتے رہتے، دو پہر میں آرام کرتے اور جانور کو کھانا کھلاتے، پھر شام کو تھوڑی دیر سفر کرتے، پھر دوسرے دن صبح کو سفر شروع کرتے، اس طرح ایک دن میں ایک منزل طے کرتے جو تقریبا ۱۶ میل کا ہوتا تھا اور تین دن میں تین منزل تقریبا ۴۸ میل شرعی سفر طے کرتے تھے۔اسی درمیانی چال کا شریعت میں اعتبار ہے۔اس میں اعتبار تین منزل کا ہے چاہے جتنا میل ہو جائے، لیکن سہولت کے لئے ۴۸ میل کو متعین کیا ہے۔آج کل کے دور میں تیز رو گاڑیاں ہیں اسلئے پرانے منزل کا اعتبار مشکل ہے۔اسلئے ۴۸ میل پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

وجه :(۱) اس لئے کہ آدمی عمومی طور پر یا پیدل چلتا ہے، یا اونٹ پر سفر کرتا ہے۔اہل عرب کو یہی میسر تھا۔گھوڑے پر یا موٹر کار پر سفر کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔(۲) فکفٰرته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون أهلیکم أو کسوتهم . (آیت ۸۹، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں وسط کا اعتبار ہے۔

ترجمه: ل امام ابو حنیفہؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ منزلوں کے ساتھ اندازہ لگایا جائے گا، اور یہ قول پہلے قول کے قریب ہے، اور فرسخ کا اعتبار نہیں ہے، صحیح بات یہی ہے۔

تشریح : اوپر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی رائے تھی کہ تین دن میں جتنا چل سکے اس تین دن کا اعتبار ہے۔اور یہ دوسری رائے یہ ہے کہ تین منزل چلے تو مسافر قصر کرے۔صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ یہ قول پہلے قول کے قریب قریب ہے، کیونکہ تین دن میں تین منزل چلے گا، تو دونوں قول کا حاصل ایک ہی ہوا۔اس قول میں اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ کتنا فرسخ چلے، تین دن میں چاہے ۱۶ فرسخ طے کرے یا اس سے کم ہر حال میں قصر کر سکتا ہے۔

وجه: (۱) اس کی دلیل اوپر کی حدیث ہے۔(۲) عن ابن عمر أنه قصر الصلوة فی خیبر و قال : هذه ثلاث قواصد یعنی لیال ۔(سنن بیہقی، باب سفر الذی تقصر فی مثلہ الصلوۃ، ج ثالث، ص ۱۹۵، نمبر ۵۳۹۱) اس اثر میں ہے کہ تین منزل یعنی تین راتیں ہوں تو قصر کرے (۳) فرسخ حساب ہے اور شریعت غامض حساب کا مکلّف نہیں بناتی بلکہ عام طور پر جو عوام آسانی سے سمجھ لے اسی کا مکلّف بناتی ہے، اسلئے قصر کا اصل مدار تین دن، یا تین منزل پر ہوگا، اور فرسخ کا اعتبار سہولت کے لئے ہوگا۔اور اسکی

(۵۸۸) ولا یعتبر السیر فی الماء ﴿۱ معناه لایعتبربه السیر فی البرفا ما المعتبر فی البحر فما یلیق بحاله کما فی الجبل.

دلیل یہ اثر ہے.و کان ابن عمر وابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد وهو ستة عشر فرسخا۔(بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوۃ ص۱۴۷ نمبر۱۰۸۶)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمر،اور حضرت ابن عباس ۱۶فرسخ پر قصر فرماتے تھے۔

ترجمہ: (۵۸۸) جو رفتار خشکی کا ہے دریا میں اس رفتار کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اسکے معنی یہ ہیں کہ جس رفتار کا اعتبار خشکی میں ہے دریا میں اس رفتار کا اعتبار نہیں ہے۔دریا میں اس رفتار کا اعتبار ہے جو اسکے حال کے مناسب ہے۔جیسا کہ پہاڑ میں ہے۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خشکی میں مناسب چال سے چلے تو جتنی مسافت طے کرسکتا ہے اتنی مسافت کا اعتبار سمندر میں نہیں ہے۔بلکہ آسانی سے تین دن میں سمندر میں بادبانی کشتی سے جتنی مسافت طے کرسکتا ہو اسکا اعتبار ہے۔کیونکہ سمندر میں ہاتھ سے کشتی چلانے والے ملاح اونٹ پر سفر کرنے والے کی طرح کہیں رکتے نہیں تھے بلکہ باری باری کشتی چلاتے رہتے تھے ،اور دن رات چلنے میں مشغول رہتے تھے۔اب ہوا نہ مخالف ہو اور نہ موافق ایسے حالات میں ہاتھ سے کشتی چلانے کا جو پرانا طریقہ تھا اس طریقے سے چلانے میں تین دن میں جتنا میل سفر کرسکے اس میل کا اعتبار ہے،اسی پر قصر کرے گا۔خشکی کے میل پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔جس طرح پہاڑ میں سفر کرتے ہیں تو وہاں 48 میل کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ پہاڑ کا راستہ ہموار راستے سے دشوار گزار ہوتا ہے،اسلئے پہاڑ میں تین دن میں جتنا میل چل سکے اتنے میل کا اعتبار ہوگا۔اور سمندر میں بادبانی کشتی سے تین دن میں جتنا میل سفر طے کرسکے اسکا اعتبار ہے

حاصل :۔حاصل یہ ہے کہ تین دن میں جتنا سفر طے کرسکے اسکا اعتبار ہے۔اسلئے ہموار زمین میں 48 میل ہوگا۔پہاڑی زمین میں تین دن میں جتنا سفر طے کرسکے اسکا اعتبار ہوگا۔اور سمندر میں بادبانی کشتی سے تین دن میں جتنا سفر طے کرسکے اسکا اعتبار ہے۔

اصول :اصل اعتبار تین دن کے سفر کا ہے،جس پر قصر ہے۔میل کے اعتبار سے ہموار زمین کا حساب الگ ہے، پہاڑ کا الگ،اور سمندر کا الگ

نوٹ : آج کل پٹرول سے کشتی چلتی ہے لوگ ہاتھ سے کشتی کم کھیپتے ہیں۔اسلئے پٹرول والی کشتی کا اعتبار نہیں ہے۔

بادبانی کشتی اسکو کہتے ہیں کہ وہ ہوا کے ذریعے چلے، یا ملاح ہاتھ کے ذریعہ چلائے آج کل کی طرح پٹرول یا تیل سے نہ چلائے۔

﴿بحری میل کے بارے میں حضرت مفتی رشیدؒ صاحب کا قول﴾

بحری میل کے بارے میں مجھے کوئی اور قول نہیں مل سکا۔البتہ احسن الفتاوی کے مصنف حضرت مفتی رشید صاحب لدھیانویؒ کا قول ملا جسکا حاصل یہ ہے کہ بادبانی کشتی مسلسل چلتی رہتی ہے۔وہ رکتی نہیں ہے، وہ مناسب انداز میں چلے تو ایک گھنٹے میں ساڑھے پانچ [5.5] میل بحری طے کرتی ہے۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ تین دن یعنی 72 گھنٹے میں 396 بحری میل طے کرتی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ خشکی کا انگریزی میل 1760 گز کا ہوتا ہے اور سمندری میل 2026.67 گز کا ہوتا ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ سمندری میل خشکی کے میل سے 1.151517 بڑا ہوتا ہے اب 396 بحری میل کو 1.151517 سے ضرب دیں تو 456.00074 انگریزی میل ہوئے۔۔یعنی کشتی سمندر میں 456.00 انگریزی میل سفر کرے تو قصر کا حکم ہوگا۔اور کیلومیٹر کے حساب سے بحری میل کیلومیٹر سے 1.853192 کیلومیٹر بڑا ہے اسلئے 733.864 کیلومیٹر ہوتو سمندر میں قصر کا حکم ہوگا۔

احسن الفتاوی کی عبارت یہ ہے۔۔بحری سفر میں تین روز کی مسافت کی تعیین کشتی کی رفتار و اوقات کار پر موقوف ہے۔۔اسکی تحقیق کے لئے ماہرین فن کو دار الافتاء میں بلایا گیا جن کی تفصیل یہ ہے۔

بحری جہاز کے کپتان۔2

پاک بحریہ کے افسر۔ 2

بادبانی کشتیوں کے سمندر میں طویل تر اسفار کے پرانے تجربہ کار ملاح ۔9 مجموعہ 13 ماہرین فن۔

ان سب نے بالاتفاق بلاشک وشبہ یقینی وقطعی طور پر یہ جوابات دئے۔

(۱) بادبانی کشتی کسی عارض کے بغیر سمندر میں کہیں نہیں رکتی، شب و روز مسلسل چلتی رہتی ہے۔

(۲) معتدل ہوا میں بادبانی کشتی کی اوسط رفتار فی گھنٹہ 5.5 [ساڑھے پانچ] میل بحری ہے۔

لھذا۔مسافت قصر:3 دن=72 گھنٹے×5.5 =396 میل بحری ۔بحری میل=2026.67 گز ہے۔

احسن الفتاوی، باب بحری سفر، باب صلوۃ المسافر، ج ۴، ص ۹۶)۔

﴿بحری میل کا حساب ایک نظر میں﴾

کون	کتنا	کیا چیز ہوتی ہے
ایک بحری میل	2026.67	گز کا ہوتا ہے
ایک انگریزی میل	1760	گز کا ہوتا ہے
ایک کیلو میٹر	1093.61	گز کا ہوتا ہے
ایک بحری میل	انگریزی میل سے	1.151517 بڑا ہوتا ہے
کشتی ایک گھنٹہ میں	5.5	بحری میل طے کرتا ہے
72 گھنٹے میں	5.5 x 72	=396 بحری میل ہوئے
396 بحری میل	1.151517×396	456.00076 اگریزی میل ہوئے۔
396 بحری میل	1.853192×396	733.864 کیلومیٹر ہوئے

(۵۸۹) قال وفرض المسافر فی الرباعیة رکعتان لایزید علیهما﴾

ترجمہ: (۵۸۹) مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے۔اور ان دونوں پر زیادتی نہ کرے۔

تشریح : اقامت کی حالت میں جو نماز چار رکعتیں فرض ہے سفر شرعی میں وہ نماز دو رکعت ہو جاتی ہے ۔حنفیہ کے یہاں اسکو چار رکعت پڑھنا جائز نہیں۔اور اگر پڑھ لیا اور دو رکعت کے بعد بیٹھا تو سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی۔اور سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز ہو تو جائے گی لیکن ناقص رہے گی، کیونکہ اس صورت میں پہلی دو رکعت فرض ہوئی اور بعد کی دو رکعت نفل ہوئی۔اور اگر دو رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو فرض نماز نہیں ہوگی بلکہ سب رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

وجه: (۱) کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اور صحابہ نے سفر میں چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی پڑھی ہے۔اس لئے سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال ان الله فرض الصلوة علی لسان نبیکم علی المسافر رکعتین و علی المقیم اربعا**. (مسلم شریف، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرها ص ۲۴۱ نمبر ۶۸۷ / ابو داؤد شریف، باب صلوۃ المسافر ص ۱۷۶ نمبر ۱۱۹۸ / بخاری شریف نمبر ۱۱۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فرض نماز دو رکعت ہی ہے۔اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے (۳) **سمعت انسا یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة قلت اقمتم بمکة شیئا قال اقمنا بها عشرا** . (بخاری شریف، باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ سفر میں دو رکعت ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔(۴) اور نوٹ میں ایک حدیث گزری **سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر و عمر و عثمان کذلک** ۔(بخاری شریف، باب من یتطوع فی السفر دبر الصلوات ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲) (۵) مسلم شریف میں ہے **یا ابن اخی انی صحبت رسول الله ﷺ فی السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وقد قال الله تعالی﴿ لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة﴾** آیت ۲۱، سورۃ احزاب ۳۳۔(مسلم شریف، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرها ص ۲۴۲ نمبر ۱۵۷۹/۶۸۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔اس لئے سفر میں دو رکعت ہی نماز ہوگی۔اس سے زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

۱؎ وقال الشافعیؒ فرضه الاربع والقصر رخصة اعتبارا بالصوم

ترجمه: ۱؎ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مسافر کا فرض تو چار رکعت ہے البتہ قصر کرنا رخصت ہے۔ وہ قیاس کرتے ہیں روزے پر۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ کے نزدیک بھی سفر میں قصر کرنا رخصت ہے اور چار رکعت پڑھنا افضل ہے، یعنی اگر دو رکعت پڑھ لی تب بھی ٹھیک ہے کوئی کراہیت نہیں کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن اگر چار رکعت پڑھے تو افضل ہے۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ : القصر فی الخوف و السفر بالکتاب ، ثم بالسنة ، و القصر فی السفر بلا خوف سنة ، و الکتاب یدل علی ان القصر فی السفر بلا خوف رخصة من الله عز و جل ، لا أن حتما علیهم أن یقصروا کما کان ذالک فی الخوف ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب صلوۃ المسافر، ج ثانی، ص ۸، نمبر ۱۸۴۵) اس عبارت میں ہے کہ قصر کرنا واجب نہیں ہے رخصت ہے۔

وجه: (۱) انکی دلیل یہ آیت ہے۔ و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوة ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا (سورۃ النساء ۴، آیت ۱۰۱) اس آیت میں ہے کہ جب سفر کرو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرو۔ اس حرج کے جملے سے پتہ چلتا ہے کہ قصر کرے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اتمام کرے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اسلئے اتمام افضل ہوگا۔ البتہ چونکہ قصر حدیث سے ثابت ہے اسلئے اسکو مکروہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین و ابی بکر وعمر و مع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۲) اس حدیث میں حضرت عثمانؓ نے سفر میں اتمام فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کرنا بھی جائز ہے۔ (۳) عن عائشةؓ أن النبی ﷺ کان یقصر فی السفر و یتم ، و یفطر و یصوم . (دار قطنی، کتاب الصوم، باب القبلة للصائم، ج ثانی، ص ۱۶۸، نمبر ۲۲۷۵ رسنن بیہقی باب من ترک القصر فی السفر غیر رغبة عن السنة، ج ثالث، ص ۲۰۳، نمبر ۵۴۲۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ قصر بھی فرماتے تھے اور اتمام بھی، اسلئے اتمام کرنا بھی جائز ہے۔ (۴) عن عائشة قالت : خرجت مع رسول الله ﷺ فی عمرة رمضان فأفطر رسول الله ﷺ و صمتُ و قصر و أتممتُ ، فقلت یا رسول الله ﷺ بأبی انت و أمی أفطرتَ و صمتُ ، و قصرتَ و أتممتُ ، قال : ((أحسنتِ یا عائشة)) (دار قطنی، کتاب الصوم، باب القبلة للصائم، ج ثانی، ص ۱۶۷، نمبر ۲۲۷۰ رسنن بیہقی باب من ترک القصر فی السفر غیر رغبة عن السنة، ج ثالث، ص ۲۰۳، نمبر ۵۴۲۷) اس حدیث میں تو حضرت عائشہؓ کے اتمام کرنے پر آپؐ نے انکو سراہا، جس سے معلوم ہوا کہ اتمام کرنا بھی جائز ہے۔ (۵) ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سفر میں روزے نہ رکھنا رخصت ہے اسی طرح قصر کرنا بھی رخصت ہوگا۔

۲ ولنا ان الشفع الثانی لایقضی ولا یأثم علٰی ترکه وهٰذا اٰیة النافلة بخلاف الصوم لانه یقضی

(۵۹۰) وان صلی اربعًا وقعد فی الثانیة قدر التشهدا جزأته الاولیان عن الفرض والاخریان له نافلة﴾

عن یعلی ابن أمیة قال قلتُ لعمر بن الخطاب ﴿فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوة ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا (سورۃ النساء ۴، آیت ۱۰۱) فقد أمن الناس ! فقال عجبت ُمما عجبت َمنه ، فسألت ُرسول الله ﷺ عن ذالک ، فقال ((صدقة تصدق الله بها علیکم ، فاقبلوا صدقته)) ۔(مسلم شریف، کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا ص۲۴۲ نمبر ۶۸۶/۱۵۷۳)اس حدیث میں ہے کہ قصر صدقہ ہے اسکو قبول کرلو۔اسکی تاویل یہ کرتے ہیں کہ صدقہ کا قبول کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے اسلئے قصر کرنا بھی سنت رہے گا،اور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث انکے لئے ہے جو قصر کو کراہیت کی نظر سے دیکھتا ہو۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ دوسرے شفع کی قضاء نہیں کی جاتی،اور نہ اسکے چھوڑنے پر گنہگار رہتا ہے،اسلئے یہ نفل ہونے کی علامت ہے،بخلاف روزے کے،اسلئے کہ اسکی قضاء کی جاتی ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔اور امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ جس طرح روزے میں رخصت ہے کہ مسافر چاہے تو سفر میں روزہ رکھے اور چاہے تو بعد میں قضاء کرے۔اسی طرح چار رکعت نماز میں بھی رخصت ہونی چاہئے کہ چاہے تو دو رکعت پڑھے اور چاہے تو چار رکعت پڑھے۔اسکا جواب دیا جارہا ہے کہ نماز اور روزے میں فرق ہے،نماز کی دوسری دو رکعت کو مسافر چھوڑ دے تو اس پر گناہ نہیں ہے،اور نہ اسکی قضاء ہے،جبکہ روزہ چھوڑ دے تو اسکی قضاء ہے تو معلوم ہوا کہ روزے کا معاملہ اور ہے اور نماز کا معاملہ اور ہے اسلئے نماز کو روزے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔اصل تو امام شافعیؒ کی دلیل وہ احادیث ہیں جو اوپر گزریں۔

ترجمہ: (۵۹۰)پس اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھا تو اس کو دو رکعت فرض سے کافی ہوگی اور دوسری دو اس کے لئے نفل ہوگی۔

تشریح: مسافر کو دو ہی رکعت پڑھنی چاہئے تھی لیکن اس نے چار رکعت پڑھ لی تو گویا کہ دو رکعت فرض کے ساتھ دو رکعت نفل کو بھی ملالیا،پس اگر دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھا ہے تو گویا کہ تمام فرائض پورے ہوگئے اور فرائض پورے ہونے کے بعد اس نے نوافل کو ملایا۔اس لئے پہلی دو رکعتیں فرض ہوں گی اور دوسری دو رکعتیں نفل ہوں گی۔اور کراہیت کے ساتھ نماز ہوجائے گی۔کیوں کہ فرض کا سلام باقی تھا اور نفل ملالیا جسکی وجہ سے سلام کی تاخیر ہوئی

اصول: فرائض پورے ہونے کے بعد نوافل کو فرض کے ساتھ ملایا تو فرض کراہیت کے ساتھ ادا جائے گا۔

ل اعتبارا بالفجر ويصير مسيئالتا خير السلام (۵۹۱) وان لم يقعد فی الثانية قدرها بطلت﴾
ل لاختلاط النافلة بها قبل اكمال اركانها

ترجمه: ل فجر کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے۔البتہ سلام کے مؤخر کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

تشریح : فجر کی نماز دو رکعت ہے،لیکن اگر کوئی اسکو چار رکعت پڑھ لے اور دو رکعت کے بعد بیٹھ جائے تو پہلی دو رکعتیں فرض ہوں گی،اور دوسری دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اسی طرح یہاں پہلی دو رکعتیں فرض ہونگیں اور دوسری دو رکعتیں نفل ہوں گی،اور جس طرح یہاں سلام کو مؤخر کرنے کی وجہ سے اچھا نہیں کیا اسی طرح وہاں سلام کے مؤخر کرنے کی وجہ سے برا کیا۔

ترجمه: (۵۹۱)اور اگر دوسری رکعت میں نہیں بیٹھا تشہد کی مقدار تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

ترجمه: ل فرض کے ارکان کو مکمل کرنے سے پہلے نفل کو ملانے کی وجہ سے

تشریح: دو رکعت کے بعد قعدۂ اخیرہ جو مسافر پر فرض تھا کرنا چاہئے تھا اور اس نے نہیں کیا اور دوسری رکعتوں کو ملا دیا جو نفل ہیں تو پہلی دو رکعت فرض فاسد ہو کر نفل ہو جائے گی۔کیونکہ اس نے فرض کو مکمل کرنے سے درمیان میں نفل گھسا دیا۔

وجه: (۱) کیونکہ قعدۂ اخیرہ فرض تھا اس کو چھوڑ دیا اور نفل کو اس کے ساتھ ملا دیا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے ان ابن مسعود قال من صلى فی السفر اربعا اعاد الصلوة ۔(مصنف بن عبد الرزاق،باب من اتم فی السفر ج ثانی ص ۳۷۰ نمبر ۴۴۷۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسافر نے چار رکعت نماز پڑھ لی تو نماز لوٹائے گا (اگر تشہد میں نہ بیٹھا ہو)

﴿یورپ میں ائمہ حنفی کے مشکلات﴾

یورپ میں اکثر اماموں کے پاس کار رہوتی ہے،وہ وطن اصلی سے ۹۰ میل دور امامت کرتے ہیں وہاں اقامت کی نیت بھی کرتے ہیں لیکن ہر ہفتے میں کار دوڑا کر ۵۵ میل سے زیادہ سفر کر آتے ہیں،اور قاعدہ یہ ہے کہ ۱۵ دن کی اقامت کی نیت کرنے والا سفر کی مسافت ۵۵ میل سے زیادہ سفر کر لیا تو اقامت ختم ہو جاتی ہے،یہ ائمہ ۱۵ دن کی اقامت کی نیت کر بھی نہیں سکتے ہیں کیونکہ کار کی وجہ سے ہر ہفتے میں کہیں نہ کہیں جانا ہے۔اب یہ مسافر امام عشاء،ظہر،اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھائے تو مشکل ہے،اور نہ پڑھائے تو امامت جاتی ہے،اور چار رکعت پڑھائے تو اسکی نماز فاسد ہوتی ہے،اور انکے ساتھ مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوتی ہے اور بار بار سجدہ سہو کرنا بھی انتشار کا باعث ہے۔اسلئے انکو اس مسئلے کی وجہ سے مشکلات کا سامنا ہے۔اسلئے اگر امام شافعیؒ کا مسلک لیکر چار رکعت پڑھنا بھی جائز قرار دیا جائے تو ان اماموں کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔۔تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ امام محمد کی کتاب جو حنفیوں کے لئے بنیادی کتاب ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ چار رکعت پڑھنے پر نماز فاسد ہوگی،بلکہ اس میں اتنا لکھا ہوا ہے کہ دو رکعت پڑھنا بہتر ہے۔کتاب الآثار لامام محمدؒ کی عبارت یہ ہے ۔ عن عبد الله بن عمرؓ قال : اذا کنت مسافرا فوطنت نفسک علی اقامة خمسة عشرة

(۵۹۲) واذا فارق المسافر بيوت المصر صلى ركعتين ﴾

يو ما فأتم الصلوة ، و ان كنت لا تدرى فاقصر ، قال محمد و به نأخذ و هو قول ابى حنيفةؒ (نمبر۱۸۸)بہ نأ خذ۔کا مطلب ہے کہ یہ ہمارا مسلک ہے۔۔آگے نمبر۱۹۱میں عبارت یہ ہے۔ اذا كان على مسيرة أقل من ثلاثة أيام و ليالها أتم الصلوة ، فاذا كان على مسيرة ثلاثة ايام و ليالها فصاعدا ، و لم يكن له بها اهل ، و لم يوطن نفسه على أقامة خمس عشرة فليقصر الصلوة ۔(کتاب الاثار لامام محمدؒ، باب الصلوة فی السفر ،ص ۳۸،نمبر ۱۸۸،نمبر۱۹۱)ان دو نمبروں میں اتنا تو ہے قصر کرنے کو ہم لیتے ہیں لیکن یہ نہیں ہے کہ چار رکعت پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔۔

جامع صغیر میں عبارت یہ ہے۔ محمد عن يعقوب عن أبى حنيفةؒ رجل خرج من الكوفة الى المدائن قال: قصر و افطر فى مسيرة ثلاثه ايام و لياليها سير الابل و مشى الاقدام ، قوم حصروا فى الارض الحرب مدينة أو حاصروا اهل البغى فى دار الاسلام فى غير مصر ، أو حاصروا فى البحر فنووا اقامة خمسة عشر يو ما فانهم يقصرون و يفطرون . و الله اعلم ۔(جامع صغیر، باب فی صلوة السفر ،ص ۱۰۸)اس عبارت میں یہ ہے کہ قصر کرے لیکن یہ نہیں ہے کہ چار رکعت پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔نماز فاسد ہو جائے گی یہ بعد کے کتابوں میں ہے ۔اسلئے چار رکعت پڑھنے پر نماز کے فساد کا حکم نہ لگایا جائے تو مسجد کے بہت سے اماموں پر رحم وکرم ہوگا۔خصوصا جبکہ حضرت عائشہ کے اتمام کرنے سے حضورؐ نے احسنتِ فرمایا ہو ۔کہ آپ نے چار پڑھ کر اچھا کیا۔

نوٹ : یہ مسئلہ فتوی کا ہے اور ناچیز مفتی نہیں ہے اسلئے اس بارے میں صحیح فتوی تو مفتیان کرام ہی دے سکتے ہیں، میں نے تو یورپ کے اماموں کی پریشانی آپ کے سامنے رکھ دی ۔۔واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ: (۵۹۲) مسافر شہر کے گھروں سے جدا ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھے۔

تشریح سفر کی نیت سے گھر سے نکل چکا ہے لیکن جب تک شہر اور فنائے شہر میں ہے تو گویا کہ گھر میں ہے اس لئے ابھی قصر نہ کرے بلکہ جب شہر کے گھروں سے نکل کر جدا ہو جائے اور نماز پڑھنے کی ضرورت پڑے تو قصر کرے۔

وجہ: (۱)حدیث میں ہے ۔عن انس بن مالک قال صليت الظهر مع رسول الله ﷺ بالمدينة اربعا والعصر بذى الحليفة ركعتين ۔(بخاری شریف، باب یقصر اذا خرج من موضعہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۹)اس حدیث میں ہے کہ جب تک مدینہ میں رہے اس وقت تک چار رکعت نماز پڑھی اور مدینہ سے باہر مقام ذو الحلیفۃ چلے گئے تو چونکہ شہر سے نکل گئے تو دو رکعت نماز پڑھی (۲)اثر میں ہے جو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ أن عليا خرج من البصرة فصلى الظهر أربعا فقال : اما انا اذا جاوزنا هذا الخص صلينا ركعتين ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳۶۷ من کان یقصر الصلوۃ، ج ثانی ،ص ۲۰۶،نمبر ۸۱۶۹،مصنف عبد الرزاق، باب المسافر متی یقصر اذا خرج مسافرا ج ثانی ص ۳۴۹ نمبر ۴۳۳۱)خص معنی ہے جھونپڑا۔کوفہ

۱ لان الاقامة تتعلق بدخولها فيتعلق السفر بالخروج عنها ۲ وفيه الاثر عن عليؓ لوجاوزنا هٰذا الخُصَّ لقصرنا(۵۹۳) ولا يزال علىٰ حكم السفر حتى ينوى الاقامة فى بلدة اوقرية خمسة عشريومًا اواكثروان نوى اقل من ذٰلك قصر ﴾

کے باہر بانس کے جھونپڑے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان جھونپڑوں سے آگے بڑھتے تو دو رکعت نماز پڑھتے لیکن ان جھونپڑوں کے پاس ہیں اس لئے چار رکعت نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ فنائے شہر میں ابھی موجود ہیں۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ اقامت وطن میں داخل ہونے سے تعلق رکھتا ہے، تو سفر اس سے نکلنے سے تعلق رکھے گا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ وطن میں داخل ہوتو آدمی مقیم ہوجاتا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے آدمی وطن سے باہر نکلے تو مسافر بنے گا۔ اور فنائے شہر تک وطن سمجھا جاتا ہے اسلئے فنائے شہر سے باہر نکلے گا تب وطن سے باہر نکلنا شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۲ اسکے بارے میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ اگر اس جھونپڑے سے آگے بڑھتا تو قصر کرتا۔

تشریح : حضرت علیؓ کا یہ اثر اوپر گزر گیا ہے۔

ترجمہ (۵۹۳) ہمیشہ مسافرت کے حکم پر رہے گا۔ یہاں تک کہ کسی شہر میں یا گاؤں میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے یا زیادہ کی۔ پس اس کو اتمام لازم ہوگا۔ اور اگر اس سے کم اقامت کی نیت کی تو قصر کرے گا۔

تشریح : کسی ایک شہر یا گاؤں میں پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو وہ وطن اقامت ہوجائے گا اس لئے اب وہ دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز پڑھے گا اور اتمام کرے گا۔ اور اگر کسی شہر میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو وہ قصر ہی کرے گا اتمام نہیں کرے گا۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن سے کم وطن اقامت نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال اقام النبی ﷺ تسعة عشر يقصر فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وان زدنا اتممنا. (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر کم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۰ / ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں انیس روز رہے ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ روز رہے ہیں۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ روز رہے ہیں اور پھر بھی قصر کرتے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سترہ دن یا انیس دن سے کم اقامت کرے تو قصر کرے گا۔ (۲) اور بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔ سمعت انسا يقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدينة الى مكة فكان يصلى ركعتين ركعتين حتى رجعنا الى المدينة قلت اقمتم بمكة شيئا؟ قال اقمنا عشرا . (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱ / مسلم شریف، فصل الی متی یقصر اذا اقام ببلد ص ۲۴۳ نمبر

۱۵۸۶/۶۹۳ ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص۱۸۰ نمبر ۱۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس دن سے زائد کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔

لیکن حنفیہ نے دونوں کے درمیان کو لیا ہے جو اوسط ہے۔ یعنی پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (۱) **عن ابن عباس قال اقام رسول الله ﷺ بمكة عام الفتح خمس عشرة يقصر الصلوة** ۔ (ابو داؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص۱۸۰ نمبر ۱۲۳۱/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تقصر الصلوۃ ص۱۲۲ نمبر ۵۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے تو اتمام کرے گا (۲) اس کی تائید میں یہ اثر بھی ہے ۔ **قال كان ابن عمر اذا اجمع على اقامة خمس عشرة سرح ظهره و صلى اربعا** . (مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۷ باب من قال اذا اجمع علی اقامة خمسة عشرة اتم ج ثانی ص۲۱۱، نمبر ۸۲۱۷/ مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص۳۵۲ نمبر ۴۳۵۵/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تقصر الصلوۃ ص۱۲۲ نمبر ۵۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وطن اقامت بننے میں پندرہ دن کا اعتبار ہے۔ (۳) **عن سعيد بن المسيب قال : اذا أجمع رجل على اقامة خمس عشرة أتم الصلوة** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۷ باب من قال اذا اجمع علی اقامة خمسة عشرة اتم، ج ثانی ص۲۱۰، نمبر ۸۲۱۲/ مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص۳۵۲ نمبر ۴۳۶۰) اس اثر میں بھی ہے کہ پندرہ دن کے اقامت کی نیت کرے تو مقیم ہو جائے گا، اور قصر کرنا پڑے گا۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کہیں چار دن کے اقامت کی نیت کی ہو تب بھی مقیم ہو جائے گا اور اتمام کرے گا۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **اذا أزمع المسافر أن يقيم بموضع أربعة ايام و ليا ليهن ليس فيهن يوم كان فيه مسافراً فدخل بعضه ، و لا يوم خرج فى بعضه أتم الصلوة** ۔ (موسوعة امام شافعیؒ، باب المقام الذی یتم بمثله الصلوۃ، ج ثالث، ص۲۶، نمبر ۱۹۱۷) اس عبارت میں ہے کہ مکمل چار دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو اتمام کرے۔

وجه: (۱) **سمعت انسا يقول خرجنا مع النبى ﷺ من المدينة الى مكة فكان يصلى ركعتين ركعتين حتى رجعنا الى المدينة قلت اقمتم بمكة شيئا؟ قال اقمنا عشرا** . (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱/ مسلم شریف، فصل الی متی یقصر اذا اقام ببلدہ ص۲۴۳ نمبر ۶۹۳ /۱۵۸۶/ ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۳۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں دس دن ٹھہرے تھے لیکن ایک ساتھ صرف مکہ میں تین دن ٹھہرے ہیں۔ کیونکہ حضورؐ حجۃ الوداع میں ۱۰ ھجری ۴ ذی الحجہ بروز اتوار مطابق یکم مارچ ۶۳۲ء کو مکہ مکرمہ تشریف لائے اور ۱۴ ذی الحجہ کی شام کو یعنی ۱۵ ذی الحجہ کی رات مطابق ۱۱ مارچ ۶۳۲ء کو مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے اور رات مکہ سے باہر مقام محصب میں

ل لانه لابدمن اعتبار مدة لان السفر يجامعه اللبث فقدرناها بمدة الطهر لانهما مدتان موجبتان

گزاری۔آپؐ کے قیام کا نقشہ اس طرح ہے۔

﴿حجۃ الوداع میں حضورؐ کا مکہ میں قیام﴾

۴ ذی الحجہ بروز اتوار مکہ میں تشریف لائے۔	۹ بروز جمعہ عرفات میں رہے۔	۱۳ بروز منگل شام کو مکہ مکرمہ میں رہے
۵ بروز پیر مکہ میں رہے۔	۱۰ بروز سنیچر منی میں جمرات کی اور طواف زیارت کی۔	۱۴ بروز بدھ صبح میں مکہ میں طواف وداع کیا
۶ بروز منگل مکہ میں رہے۔	۱۱ بروز اتوار منی میں رہے۔	۱۴ بروز بدھ شام کو مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے اور رات محصب میں گزاری۔
۷ بروز بدھ مکہ میں رہے۔	۱۲ بروز پیر منی میں رہے۔	
۸ بروز جمعرات منی میں رہے۔		

اس نقشے کے اعتبار سے آپؐ سب ملا کر دس دن تک مکہ مکرمہ میں رہے۔اور طواف صدر یعنی جو طواف شروع میں کرتے ہیں اسکے بعد یعنی ۶/۵/۷ ذی الحجہ کو صحابہ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔اسکے بعد ۸ ذی الحجہ کو منی تشریف لے گئے۔سنن بیہقی کی عبارت یہ ہے۔ **ان الاخبار الثابتة تدل على أن رسول الله ﷺ قدم مكة فى حجته لأربع خلون من ذى الحجة فاقام بها ثلاثا يقصر** ۔(سنن بیہقی باب من اجمع اقامۃ أربع أتم ،ج ثالث ،ص ۲۱۲،نمبر ۵۴۵۷) اس عبارت میں ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں شروع میں تین دن ٹھہرے۔

طواف صدر یعنی شروع میں طواف کے بعد صحابہ مکہ مکرمہ میں تین دن ٹھہرے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **قال سمعت العلاء بن الحضرمی قال : قال رسول الله ﷺ : ثلاث للمهاجرين بعد الصدر** ۔(بخاری شریف،باب اقامۃ المھاجر بمکۃ بعد قضاء نسکہ ،ص ۶۶۴،نمبر ۳۹۳۳/مسلم شریف،باب جواز الاقامۃ بمکۃ ،ص ۵۷۰،نمبر ۱۳۵۲/ ۳۲۹۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف صدر کے بعد صحابہ تین دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرے تھے ،جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک ساتھ مکہ میں چار دن ٹھہرے تو اتمام کرے (۲)ان کی دلیل یہ اثر ہے ۔**عن ابن المسيب قال اذا اقمت بارض اربعا فصل اربعا** ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی کم تقصیر الصلوۃ ص ۱۲۲ نمبر ۵۴۸/مصنف عبد الرزاق ،باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص ۳۵۲ نمبر ۴۳۵۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو چار رکعت نماز پڑھے گا۔یعنی اتمام کرے گا۔

ترجمه: ل کچھ مدت کا اعتبار کرنا ضروری ہے،اسلئے کہ سفر میں کچھ ٹھہرنا تو ہوتا ہی ہے اسلئے ہم نے مدت طہر سے اسکا اندازہ لگا

۲ وھو ماثور عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ والاثر فی مثلہ کالخبر ۳ والتقیید بالبلدۃ والقریۃ یشیر الیٰ انہ لا

یا اسلئے کہ دونوں مدتیں واجب کرنے والی ہیں۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ السفر یجامعہ اللبث : کا ترجمہ ہے، کہ سفر میں کچھ نہ کچھ ٹھہرنا تو ہوتا ہی ہے۔۔فرماتے ہیں کہ سفر میں کچھ نہ کچھ دو چار گھنٹے تو ٹھہرنا ہوتا ہی ہے اسلئے تھوڑے سے ٹھہرنے کو اقامت نہیں کہہ سکتے، اسلئے کچھ نہ کچھ مدت ہونی چاہئے جسکو اقامت کہہ سکیں، اسلئے ہم نے طہر کی مدت کو معیار قرار دیا کہ دو حیض کے درمیان طہر کی مدت کم سے کم پندرہ دن ہے تو اقامت کی مدت بھی پندرہ ہونی چاہئے، کہ پندرہ دن کسی مقام پر ٹھہرے تو مقیم ہوگا ورنہ نہیں۔اور دونوں میں مشترک علت یہ ہے کہ حیض کی وجہ سے جو نماز ساقط ہوگئی تھی طہر کی وجہ سے وہ نماز واجب ہوگئی۔اسی طرح سفر کی وجہ سے جو آدھی نماز ساقط ہوگئی تھی تو اقامت کی وجہ سے وہ چار رکعت ہو جاتی ہے تو دونوں چیزیں عبادت کو واجب کرنے والی ہیں۔اسلئے طہر کی مدت پندرہ دن ہے تو اقامت بھی پندرہ دن میں ہوگی اس سے کم میں نہیں۔۔موجبتان : کا ترجمہ ہے عبادت کو واجب کرنے والی ہے۔

ترجمہ : ۲ یہی مدت حضرت عبداللہ عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے۔اور اس قسم تعیین میں صحابی کا قول بھی حدیث کی طرح ہے۔

تشریح : پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تب مقیم ہوگا، اور اس سے کم کی نیت ہو تو مقیم نہیں ہوگا اسکے لئے حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول یہ ہے۔ قال کان ابن عمر اذا اجمع علی اقامۃ خمس عشرۃ سرح ظھرہ وصلی اربعا. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴۱ ۷ باب من قال اذا اجمع علی اقامۃ خمسۃ عشرۃ اتم ج ثانی ص ۲۱۱، نمبر ۸۲۱۷ / مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص ۳۵۲ نمبر ۴۳۵۵ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تقتصر الصلوۃ ص ۱۲۲ نمبر ۵۴۸) اس قول میں ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو مقیم ہوگا۔اور مدت کے تعین کے لئے صحابی کا قول بھی حدیث کی طرح قابل حجت ہے۔۔یہاں اثر سے مراد قول صحابی ہے اور خبر سے مراد حدیث ہے۔

ترجمہ : ۳ متن میں شہر یا گاؤں کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنگل میں اقامت کی نیت صحیح نہیں ہے۔ظاہر روایت یہی ہے۔

تشریح : متن میں یہ قید ہے کہ [ینوی الاقامۃ فی بلدۃ او قریۃ] کہ شہر میں یا گاؤں میں اقامت کی نیت کرے، یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنگل میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو اس سے مقیم نہیں ہوگا۔ظاہر روایت یہی ہے۔لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ چرواہے پانی اور گھاس کی جگہ پر جنگل میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لے تو مقیم ہو جائیں

تصح نية الاقامة فی المفازة وهو الظاهر(۵۹۴) ولو دخل مصرا علیٰ عزم ان یخرج غدا اوبعد غدولم ینو مدة الاقامة حتی بقی علیٰ ذٰلک سنین قصر ۱؎ **لان ابن عمرؓ اقام باذربیجان ستة اشهر**

گے۔اور چار رکعت نماز پڑھیں گے۔

ترجمہ: (۵۹۴)اگر کسی شہر میں اس ارادے سے داخل ہوا کہ کل یا پرسوں نکل جائے گا،اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی یہاں تک کہ کئی سال تک ٹھہرا رہا تو قصر ہی کرتا رہے گا۔

تشریح :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے گا تو مقیم ہوگا اور پندرہ دن سے کم ارادہ کیا تو مسافر ہی رہے گا۔اسی طرح پختہ ارادہ نہیں ہے، بلکہ آج جاؤں گا یا کل چلا جاؤں گا کا ارادہ ہے تو چاہے کئی سال تک ٹھہرا رہے مسافر ہی رہے گا۔

شرح :کوئی آدمی کسی شہر میں آیا اور یوں ارادہ کیا کہ کل یہاں سے چلا جاؤں گا،یا پرسوں چلا جاؤں گا اسی طرح کئی سال تک ٹھہرا رہا تو بھی اس مدت میں مسافر ہی رہے گا،مقیم نہیں بنے گا۔اسلئے قصر ہی کرتا رہے۔

وجہ: (۱)پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ ہو تو اتمام کرے گا۔یہاں پختہ ارادہ نہیں ہے اسلئے قصر ہی کرتا رہے گا۔(۲)حضورؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے اور پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا اس لئے انیس دن تک رہے اور قصر ہی فرماتے رہے حدیث یہ ہے ۔ **عن ابن عباسؓ قال : اقام رسول الله ﷺ تسعة عشر یقصر ، فنحن اذا سافر نا تسعة عشر قصرنا و ان زدنا أتممنا** ۔(بخاری شریف،باب ما جاء فی التقصیر ،وکم یقیم حتی یقصر ،ص۱۴۷،نمبر۱۰۸۰)اس حدیث میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ۱۹دن ٹھہرے تو قصر کرتے رہے اور اس سے زیادہ ٹھہرتے تو اتمام کرتے ۔لیکن یہ ٹھہرنا پختہ ارادے کے ساتھ نہیں تھا اسلئے قصر کرتے رہے۔(۳)**عن جابر بن عبد الله قال اقام رسول الله ﷺ بتبوک عشرین یوما یقصر الصلوة**. (ابوداؤد شریف،باب اذا اقام بارض العدو یقصر ص۱۸۱نمبر۱۲۳۵) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ تبوک میں بیس دن رہے لیکن بیس دن رہنے کا پختہ ارادہ نہیں تھا، بلکہ یہ تھا کہ جلدی فتح ہو جائے تو واپس چلا جاؤنگا،اسلئے بیس دن کے باوجود قصر ہی فرماتے رہے(۴)اس کا ثبوت اس اثر میں ہے۔**قال کان ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة سرح ظهره و صلی اربعا**.(مصنف ابن ابی شیبة ۱۴۷ باب من قال اذا اجمع علی اقامة خمسة عشرة اتم ج ثانی ص۲۱۱،نمبر۸۲۱۷/مصنف بن عبد الرزاق،باب الرجل یخرج فی وقت الصلوة ج ثانی ص۳۵۲نمبر۴۳۵۵/ترمذی شریف،باب ما جاء فی کم تقصر الصلوة ص۱۲۲نمبر ۵۴۸)اس اثر میں ہے اجمع ،یعنی پختہ ارادہ کرے،جس کا مطلب یہ ہوا کہ پختہ ارادہ نہ ہو تو قصر ہی کرتا رہے گا۔

ترجمہ: ۱؎ (۵)اس لئے کہ حضرت ابن عمرؓ اذربیجان میں چھ مہینے ٹھہرے رہے پھر بھی قصر کرتے رہے۔

وکان یقصر ۲؎ وعن جماعة من الصحابة مثل ذالک(۵۹۵) واذا دخل العسکر ارض الحرب فنووا الاقامة بها قصروا وکذا اذا حاصروا فیها مدینة او حصنا﴾

تشریح : حضرت ابن عمرؓ آذربیجان میں چھ مہینے تک اس حال میں رہے کہ آج چلا جانا ہے یا کل چلا جانا ہے اسلئے قصر کرتے رہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر پختہ ارادہ نہ ہو تو قصر ہی کرتا رہے گا۔ اثر یہ ہے ۔ ان ابن عمر اقام بآذر بیجان ستة اشهر یقصر الصلوة وکان یقول اذا ازمعت اقامةفأتم. (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوۃ ج ثانی ص۳۵۲ نمبر۴۳۵۱) اس اثر سے پتہ چلا کہ جب تک پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ ہو قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ صحابہ آذربیجان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے اور ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تو قصر کرتے رہے۔(۲) عن انس أن أصحاب رسول الله ﷺ أقاموا برمهر مز تسعة أشهر یقصرون الصلوة (سنن بیہقی، باب من قال یقصر أبدا مالم یجمع مکثاً، ج ثالث، ص۲۱۸) اس اثر میں ہے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نو مہینے رہے اور قصر کرتے رہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے اسی کی مثل منقول ہے۔

تشریح : مصنف ابن شیبۃ میں کافی صحابہ سے منقول ہے کہ وہ سفر میں رہے اور چھ ماہ سے زیادہ رہے لیکن اتنے دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو ہمیشہ قصر ہی کرتے رہے۔

وجہ :(۱) اثر یہ ہے. قال لابن عباس : انا نطیل القیام بالغزو بخراسان فکیف تری فقال : صل رکعتین و ان أقمت عشر سنین ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۰۷، فی المسافر یطیل المقام فی المصر، ج ثانی ص۲۱۰، نمبر۸۲۰۲) اس اثر میں بھی ہے کہ دس سال بھی اقامت کی نیت کئے بغیر رہ جائے گا تو قصر ہی کرتا رہے گا ۔

ترجمہ: (۵۹۵) جب لشکر کے لوگ دار الحرب کی زمین میں داخل ہوں اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تب بھی قصر کریں گے۔ ایسے ہی جبکہ دار الحرب میں کسی شہر یا کسی قلعے کا محاصرہ کیا ہو۔

تشریح : لشکر دار الحرب میں داخل ہوا ہو، یا دار الحرب میں کسی شہر کا محاصرہ کیا ہو یا کسی قلعے کا محاصرہ کیا ہو، اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی پختہ نیت کی ہو تب بھی اس نیت کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ :(۱) کیونکہ یہ دار الحرب ہے اسلئے کیا معلوم کہ کس وقت شکست ہوگی اور یہاں سے جانا پڑے گا، اسلئے پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کیا ہو تب بھی اسکا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے وہ قصر ہی کرتا رہے گا (۲) عن جابر بن عبد الله قال اقام رسول الله ﷺ بتبوک عشرین یوما یقصر الصلوة. (ابوداؤد شریف، باب اذا اقام بارض العدو یقصر ص۱۸۱ نمبر۱۲۳۵) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ تبوک میں بیس دن رہے اور وہ دار الحرب تھا اسلئے بیس دن رہنے کے باوجود بھی قصر فرماتے رہے۔

۱؎ لان الداخل بين ان يهزم فيفرّوبين ان يهزم فيقرَّ فلم تكن داراقامةٍ (۵۹۶) وكذا اذا حاصروا اهل البغى فى دار الاسلام فى غير مصراوحاصروهم فى البحر ۱؎ لان حالهم مبطل عزيمتهم ۲؎ وعند زفرؒ يصح فى الوجهين اذا كانت الشوكة لهم للتمكن من القرار ظاهرا

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ جودارالحرب میں داخل ہے وہ دوباتوں کے درمیان متردد ہے، یا شکست کھائے گااور بھاگے گا، یادشمن کو شکست دے گااورٹھہرارہے گااسلئے داراقامت نہیں ہوا۔

تشریح : نیت کرنے کے باوجودوطن اقامت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پختہ ارادہ ہوہی نہیں سکتا ہے۔اسلئے کہ پختہ ارادہ وہاں ہی شمارکیا جائے جہاں پختہ طور پررہنے کاامکان ہو،اوردارالحرب میں پختہ طور پررہنے کاامکان نہیں ہے اسلئے یہاں پختہ نیت کر نے کااعتبار بھی نہیں ہے۔کیونکہ شکست ہوگی تو واپس آنا پڑے گااور جیت ہوگی تو مزید ٹھہرے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پختہ ارادہ کرنے کے حالات نہ ہوں توارادہ کرنے سے بھی پختہ ارادہ شمارنہیں کیا جائے گا،اور نہ وہ مقیم

لغت : ارض حرب:دارالحرب۔حصنا:قلعہ،یھزم:شکست کھائے گا۔یفر:بھاگے گا۔یقر:قرسے مشتق ہے،ٹھہرارہے گا۔

ترجمہ: (۵۹۶) ایسے ہی دارالاسلام میں رہتے ہوئے شہرکےعلاوہ میں باغیوں کامحاصرہ کیا ہو، یاسمندرمیں اسکا محاصرہ کیا ہو[تو پختہ ارادے کااعتبارنہیں ہے]۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ انکا حال ارادے کو باطل کرنے والا ہے۔

تشریح :یہ مسئلہ بھی اوپر کے ہی اصول پرمتفرع ہے کہ پختہ نیت کرنے کے حالات نہ ہوں تواس نیت کااعتبارنہیں ہے۔۔مسئلہ یہ ہے کہ ہے تو داراسلام ہی میں لیکن اس میں ایسی جگہ مسلمان باغیوں کامحاصرہ کئے ہوا ہے کہ جب بھی باغی ہار جائیں تو لشکر اپنے مر کز واپس ہو جائے اسلئے ممکن ہے کہ دوچارروز ہی میں کامیابی ہو جائے اور واپس جانا پڑے اسلئے پندرہ دن کے ٹھہرنے کی نیت کا اعتبارنہیں ہے۔مثلاشہرکےعلاوہ گاؤں یاجنگل میں باغیوں کامحاصرہ کیا ہو۔یاسمندرمیں باغیوں کامحاصرہ کیا ہوتو چونکہ باغیوں کے ہارنے کے بعداسلامی لشکر گاؤں، یاجنگل، یاسمندرمیں نہیں ٹھہرے گا بلکہ اسکوشہر جانا ہوگا،اور یہ طےنہیں ہے کہ باغی کس دن ہاریں گےاورلشکرکوواپس آناپڑے گا۔اسلئے اسکی نیت کااعتبارنہیں،انکی حالت ایسی ہے کہ انکے پختہ ارادے کو باطل کرنے والی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام زفرؒ کےنزدیک دونوں صورتوں میں پندرہ دن کی نیت کرنا صحیح ہے بشرطیکہ اسلامی لشکرکوشوکت ہو کیونکہ بظاہر ٹھہرنے کی قدرت ہے۔

تشریح : امام زفرؒفرماتے ہیں کہ اسلامی لشکرکو باغیوں اورحربیوں پرقوت اورغلبہ ہوتو دارالحرب میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ

٣ وعند ابی یوسفؒ یصح اذا کانوا فی بیوت المدر لانه موضع اقامة ٤ ونية الاقامة من اهل الكلاء وهم اهل الاخبية قيل لاتصح والاصح انهم مقيمون يروى ذلک عن ابی يوسفؒ لان الاقامة اصل فلا تبطل بالانتقال من مرعى الى مرعى

ارادہ کرے گا تو وہ مقیم ہو جائے گا،اور باغیوں کے خلاف دارالاسلام میں بھی پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے گا تو مقیم ہو جائے گا۔

وجه : (١)اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلامی لشکر کو قوت اور غلبہ ہے تو ظاہری حالت یہی ہے کہ اگر پندرہ دن ٹھہرنا چاہے تو ٹھہر سکتا ہے۔

ترجمه: ٣ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اقامت کی نیت صحیح ہے اگر مٹی کے گھروں میں ہو،اسلئے کہ یہ اقامت کی جگہ ہے۔

تشریح : مدر: کا ترجمہ ہے مٹی کا گھر۔حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اقامت کی جگہ گھر ہوتا ہے خیمہ نہیں ہوتا،اسلئے لشکر نے گھروں میں قیام کیا ہو تو چاہے دارالحرب ہو چاہے دارالاسلام ہو اسکی نیت کا اعتبار ہوگا اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو مقیم ہو جائے گا اور چار رکعت نماز پڑھے گا۔اس قول کا مدار یہ نہیں ہے کہ مکمل طور پر ٹھہرا جا سکتا ہے یا نہیں،بلکہ اس قول کا مدار یہ ہے کہ ٹھہرنے کی جگہ خیمہ نہ ہو بلکہ گھر ہو جس میں لوگ اقامت کرتے ہیں تو لشکر کے بھی اقامت کی نیت درست ہوگی اور لشکر مقیم ہو جائے گا۔

ترجمه: ٤ اور گھاس والوں کے لئے اقامت کی نیت کرنا اس حال میں کہ وہ خیمہ والے ہیں بعض حضرات نے فرمایا نہیں صحیح ہے ۔لیکن صحیح روایب یہ ہے کہ وہ لوگ مقیم ہیں۔حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت ہے۔اسلئے کہ اقامت اصل ہے،اسلئے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونے سے اقامت باطل نہیں ہوگی۔

تشریح : چرواہے لوگ جو گھاس اور پانی کی جگہ پر خیمہ لگا کر رہتے ہیں،اور جب گھاس پانی ختم ہو جاتا ہے تو وہاں سے منتقل ہو کر دوسرے گھاس پانی کی جگہ پر چلے جاتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں کچھ حضرات کی رائے ہے کہ پانی کی جگہ پر پندرہ دن رہنے کی نیت کرے تب بھی مقیم نہیں ہوگا۔اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ خیمہ اقامت کی جگہ نہیں ہے اسلئے وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت بھی کرے گا تب بھی مقیم نہیں ہوگا،اس طرح وہ ہمیشہ مسافر ہی رہے گا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ خیمہ بنا کر رہنے والے چرواہوں کا وطن اصلی ہی خیمہ ہے اور گھاس پانی کی جگہ ہے، یہ لوگ یہیں پیدا ہوئے ہیں اور یہیں زندگی بسر کرتے ہیں اسلئے چراگاہ اور خیمہ انکا وطن اصلی ہے،اسلئے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل ہونا وطن اصلی ہی کی طرف منتقل ہونا ہے،اسلئے جیسے ہی چراگاہ میں گئے یا اپنے خیمہ گئے تو گویا کہ وطن اصلی میں پہنچ گئے،اسلئے وہ چراگاہ اور خیمہ میں مقیم ہیں۔۔البتہ ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کے درمیان ۵۴ میل سے زیادہ کی مسافت ہو تو اس مسافت کو طے کرتے وقت وہ مسافر ہوگا،لیکن جوں ہی خیمہ میں پہنچے گا تو یہ مقیم ہو جائے گا،کیونکہ یہ اپنے وطن اصلی میں پہنچ گیا۔

وجه : اس اثر میں اسکا اشارہ ہے. عن ابن عباسؓ أنه اتاه رجل فقال اقصر من مروة؟ قال : لا، قال : اقصر من

(۵۹۷) وان اقتدى المسافر بالمقيم فى الوقت اتم اربعا﴾ ل **لانه يتغير فرضه الىٰ اربع للتبعية كما يتغير بنية الاقامة لاتصال المغير بالسبب وهو الوقت**

عرفات؟، قال : لا، قال : اقصر من جدة ؟ قال : نعم ، قال : من الطائف ؟ قال :نعم ، قال : فاذا أتيت أهلک أو ماشيتک فأتم الصلاة . (سنن بیہقی، باب المسافر ينتهي الى الموضع الذى يريد المقام به، ج ثالث،ص۲۲۲،نمبر۵۴۹۵)اس اثر میں ہے کہ اپنے اہل یعنی وطن میں پہنچ جاؤ تو اتمام کرو۔ یا اپنے جانور کے پاس پہنچ جاؤ تو اتمام کرو۔اور جانور سے مراد چراگاہ ہے۔جسکا مطلب یہ ہوا کہ چراگاہ بھی وطن اصلی کی طرح ہے،اور وہاں بھی اتمام ہوگا۔

اصول : چرواہوں کے لئے خیمہ اور چراگاہ وطن اصلی ہے۔

لغت : عزیمۃ: پختہ ارادہ۔شوکۃ:رعب، ودبدبہ۔قرار:ٹھہرنا۔المدر: کا ترجمہ ہے،مٹی کا ڈھیلا۔یہاں مٹی کا گھر ،مراد ہے۔ الکلاء: گھاس، یہاں اہل کلاء سے چرواہے مراد ہیں۔اخبیۃ :خبیۃ سے مشتق ہے محروم ہونا، یہاں مراد ہے خیمہ والے۔مرعیٰ: رعی سے مشتق ہے چراہگاہ۔

ترجمہ : (۵۹۷)مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء کی تو چار رکعت پوری پڑھے گا۔

تشریح : مسافر اپنے طور پر نماز پڑھے لیکن مقیم امام کے ساتھ پڑھے اور وقت میں پڑھے تو اسکی اقتداء میں چار رکعت پڑھے۔

وجہ: (۱)چونکہ وقت سبب ہے اور وہ باقی ہے اس لئے مسافر کی نماز مقیم امام کی وجہ سے تبدیل ہوکر چار رکعت ہو جائے گی۔کیونکہ اس کی اقتدا میں امام کی مخالفت نہیں کر سکتا اور پہلے سلام نہیں پھیر سکتا ہے۔اس لئے اگر وقت باقی ہو اور مقیم امام کی اقتدا کرلے تو چار رکعت پڑھے گا(۲)اس اثر میں اسکا ثبوت ہے. **عن ابن عمرؓ أنه كان اذا صلى مع الامام صلى اربعا و اذا صلى وحده صلى ركعتين** ۔(سنن بیہقی، باب المقيم يصلى بالمسافرين والمقيمين ،ج ثالث،ص۲۲۴،نمبر۵۵۰۲)اس اثر میں ہے کہ مقیم امام کے ساتھ پڑھے تو چار رکعت پڑھے۔(۳)اس اثر میں بھی ہے۔ **ان عبد الله بن عمر كان يصلى وراء الامام بمنى اربعا فاذا صلى لنفسه صلى ركعتين** (مؤطا امام مالک، باب صلوة المسافر اذا كان اماما اوكان وراء امام ص۱۳۳/ مصنف عبدالرزاق، باب المسافر يدخل فى صلوة المقيمين ج ثانی،ص۳۵۷،نمبر۴۳۹۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت کے اندر مقیم کی اقتدا میں مسافر کی نماز چار رکعت ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ اسکا فرض امام کے تابع ہونے کی وجہ سے چار کی طرف بدل جائے گا۔جیسے کہ اقامت کی نیت کی وجہ سے فرض بدل کر چار ہو جاتا ہے سبب کے ساتھ بدلنے والی چیز یعنی وقت کے متصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : وقت ختم ہو جانے کے بعد مسافر مقیم امام کی اقتداء کرے تو اسکی اقتداء ہی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت مسافر کی نماز دو رکعت سے تبدیل ہوکر چار رکعت نہیں بنے گی بلکہ دو رکعت ہی پڑھنا ہوگا، کیونکہ وقت ہی تبدیل کا سبب ہے،اور وقت ختم ہو گیا تو

(۵۹۸) وان دخل معه فی فائتة لم تجزه ﴾ ۱؎لانه لایتغیر بعد الوقت لانقضاء السبب کما لاتتغیر بنیة الاقامة

تبدیل ہونے کا سبب ختم ہو گیا۔اوراگر وقت کے اندر مسافر نے مقیم امام کی اقتداء کی تو مسافر امام کی اقتداء میں چار رکعت نماز پڑھے

وجه : اسکی دو وجہ ہیں (ا) ایک تو یہ کہ امام کی اقتداء کی، اسلئے کہ امام کی اقتداء نماز کو بدلنے والی چیز ہے۔جسکو مغیر، کہتے ہیں (۲) اور دوسری چیز ہے ,وقت، جو بدلنے کا سبب ہے۔یہاں اقتداءاور وقت دونوں مل گئے اسلئے نماز چار رکعت ہو جائے گی۔

جس طرح وقت میں اقامت کی نیت کرلے تو دو رکعت نماز چار رکعت ہو جائے گی۔اور وقت گزر گیا تو دو ہی لازم رہے گی۔تو یہاں بھی بدلنے والی دو چیزیں ہیں [ا] وقت، جو بدلنے کا سبب ہے، [۲] اور اقامت کی نیت، جو بدلنے والی ہے، جسکو مغیر، کہتے ہیں۔دونوں مل جائیں تو تبدیل ہوگی اور دونوں میں سے ایک ہو اور دوسرا نہ ہو تو تبدیل نہیں ہوگی۔

لغت :. **لاتصال المغير بالسبب و هو الوقت** :۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مغیر، یعنی امام کی اقتدا کرنا سبب کے ساتھ متصل ہو گیا، یعنی وقت کے ساتھ مل گیا تو دو رکعت تبدیل ہو کر چار رکعت ہو جائے گی۔۔مغیر سے مراد اقتداء ہے۔اور اقامت کی نیت ہے۔

ترجمه: (۵۹۸) اور اگر مسافر مقیم کی اقتدا میں فائتہ نماز میں داخل ہوا تو مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

تشریح :وقت ختم ہو چکا ہے اور نماز فوت ہو چکی ہے۔اس کی قضا کرتے وقت مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اقتدا ہی جائز نہیں ہے۔کیونکہ مسافر پر اب دو رکعت ہی لازم ہے۔اس کی تبدیلی ہو کر عصر، ظہر اور عشا کی نماز چار رکعت نہیں ہو سکتی۔اس لئے اب مقیم امام کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھے گا۔کیونکہ یا تو دو رکعت پر سلام پھیرے گا اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی، یا چار رکعت پڑھے گا تو فرض کے ساتھ دو رکعت مزید نفل ملائے گا جو جائز نہیں۔کیونکہ اس پر فرض دو رکعت ہی لازمی طور پر ہے۔جو چار رکعت میں تبدیل نہیں ہوگی۔

وجه : (ا) اثر میں ہے. **عن الثوری قال : من نسی صلوة فی الحضرفذکر فی السفر صلی اربعا ، و ان نسی صلوة فی السفر ذکر فی الحضر صلی رکعتین** ۔(مصنف عبدالرزاق، باب من نسی صلاۃ الحضر، ج ثانی ،ص ۳۵۸، نمبر ۴۴۰۰) اس اثر میں ہے کہ مسافر وقت کے بعد دو رکعت ہی قضاء کریں گے۔(۲) سبب یعنی وقت بھی نہیں رہا جو نماز کی رکعتوں کو تبدیل کر سکے۔

اصول: وقت گزرنے کے بعد مسافر کی نماز کی رکعتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ وقت کے بعد رکعتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی سبب [یعنی وقت] کے ختم ہو جانے کی وجہ سے، جیسا کہ وقت

۲ے فیکون اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدة اوالقراءة (۵۹۹) وان صلی المسافر بالمقیمین رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتھم ﴾

کے بعد اقامت کی نیت کی وجہ سے رکعتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

تشـــریح : وقت کے بعد مسافر مقیم امام کی اقتداء کرنا چاہے تو اقتداء نہیں کرسکتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ وقت جو سبب ہے اسکے ختم ہو جانے کے بعد رکعتوں میں تبدیلی نہیں ہوگی دو رکعت ہی پڑھنی ہوگی، اسلئے امام کے پیچھے چار رکعت نہیں پڑھ سکتا، اور دو رکعت پر سلام پھیرے گا تو امام کی مخالفت لازم آئے گا جو اقتداء کے خلاف ہے اسلئے وہ بھی نہیں کرسکتا، اسلئے وقت کے بعد مقیم امام کی اقتداء ہی درست نہیں ہے۔ کیونکہ سبب یعنی وقت نہیں رہا۔ جس طرح مثلا عصر کا وقت گزر جانے کے بعد اقامت کی نیت کرے تو عصر کی نماز دو رکعت ہی برقرار رہے گی چار رکعت نہیں ہوگی، کیونکہ سبب یعنی وقت نہیں رہا۔

ترجمہ: ۲ے اس اعتبار سے قعدہ، یا قرأت میں فرض پڑھنے والے کی اقتداء نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہو جائے گی۔

تشریح : اگر مسافر قضاء نماز مقیم امام کے پیچھے پڑھے تو قعدہ اولی میں، یا قرأت میں ایسا ہوگا کہ امام صاحب نفل پڑھ رہے ہیں اور مقتدی انکے پیچھے فرض پڑھ رہا ہے۔ اور اسکی صورت یہ ہوگی کہ اگر شروع سے مقیم امام کے ساتھ شریک ہوا تو امام کا پہلا قعدہ فرض نہیں زیادہ سے زیادہ واجب ہے، اور مقتدی کا پہلا قعدہ فرض ہے، تو قعدہ اولی میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والا ہو گیا۔ حالانکہ پہلے گزر چکا ہے کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء صحیح نہیں ہے۔

اور اگر دوسری دو رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا تو دوسری دو رکعت میں امام کی قرأت نفلی ہے، انکو قرأت کرنا فرض نہیں ہے۔ اور مقتدی کی چونکہ پہلی دو رکعت ہے اسلئے اس پر قرأت کرنا فرض ہے، تو یہاں بھی نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء ہوئی، جو صحیح نہیں ہے، اسلئے قضاء نماز میں مسافر مقیم کی اقتداء نہ کرے۔ اصل تو حضرت ثوریؒ کا یہ قول ہے جس میں ہے کہ مسافر قضاء نماز دو ہی رکعت پڑھے۔ عن الثوری قال : من نسی صلوة فی الحضر فذکر فی السفر صلی اربعا ، و ان نسی صلوة فی السفر مسافر وقت کے بعد دو رکعت ہی قضاء کریں گے۔

ترجمہ: (۵۹۹) اگر مسافر امام مقیم کو نماز پڑھائے تو سلام پھیر دے، اور مقیم اپنی نماز پوری کر لے۔

تشریح : مسافر امام نے وقت میں مقیم مقتدی کو نماز پڑھائے تو دو رکعت ہی پڑھائے، اور باقی دو رکعت مقتدی اپنے طور پر پوری کرے۔

وجـــہ : (۱) مسافر پر دو رکعت ہی نماز ہے۔ اس لئے وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں گے۔ اور مقتدی مقیم ہے اس لئے اس پر چار رکعتیں ہیں۔ اس لئے وہ باقی دو رکعت بعد میں پوری کریں گے۔ مقتدی بعض مرتبہ بھول جاتے ہیں اس لئے وہ سلام پھیر دیتے

ل لان المقتدى التزم الموافقة فى الركعتين فينفرد فى الباقى كالمسبوق ٢ الا انه لا يقرأ فى الاصح لانه مقتد تحريمة لافعلا والفرض صار مؤدّى فيتركها احتياطا

ہیں۔اس لئے امام اپنی مسافرت کا اعلان کر دیں تا کہ ان کو یاد آ جائے گا۔اس لئے مستحب ہے کہ کہے' ہم مسافر لوگ ہیں آپ اپنی اپنی نمازیں پوری کرلیں' (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے . عن عمران بن حصين قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثماني عشرة ليلة لا يصلي الا ركعتين ويقول يا اهل البلد! صلوا اربعا فانا قوم سفر (ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹ رمصنف عبدالرزاق، باب مسافر ام مقیمین ج ثانی ص ۵۴۰ نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دو رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گا اور کہے گا میں مسافر ہوں مقیم اپنی اپنی نماز پوری کرلیں۔

ترجمه: ل اسلئے کہ مقتدی نے دو رکعت میں ہی امام کے ساتھ موافقت کا التزام کیا ہے اسلئے باقی رکعتوں میں الگ ہوگا، جیسے کہ مسبوق باقی رکعتوں میں الگ ہوتا ہے۔

تشریح : مقتدی مقیم ہے اسکو چار رکعت نماز پڑھنی ہے لیکن مسافر امام کے ساتھ دو ہی رکعت میں موافقت کا التزام کیا ہے، اسلئے باقی دو رکعتوں میں مقتدی الگ ہوگا، اسلئے امام کے سلام کے بعد مقتدی اپنی نماز پوری کرے۔ جیسے کہ مسبوق یعنی جس آدمی کی نماز چھوٹ گئی ہو وہ امام کے سلام کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا۔ اسی طرح مقیم مقتدی بھی امام کے بعد اپنی اگلی نماز پوری کرے گا۔

ترجمه: ٢ مگر یہ کہ صحیح روایت یہ ہے کہ قرأت نہیں کرے گا اسلئے کہ تحریمہ کے اعتبار سے وہ مقتدی ہے اگر چہ فعل کے اعتبار سے اب وہ مقتدی نہیں ہے ، اور فرض قرأت اداء ہو چکی ہے اسلئے احتیاطا قرأت کو چھوڑ دے۔

تشریح : یہاں سے مسبوق مقتدی اور مقیم مقتدی کی قرأت میں جو فرق ہے اسکو بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مقیم مقتدی جب اپنی دو رکعت پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوگا تو بہتر یہ ہے کہ ان دو رکعتوں میں قرأت نہ کرے۔

وجه : اسکی دو وجہ ہیں [۱] اس مقیم مقتدی نے مسافر امام کے تحریمے کے ساتھ تحرمہ باندھا تھا اسلئے تحریمہ کے اعتبار سے ابھی بھی اسکا مقتدی ہے، اگر چہ اس امام نے سلام پھیر لیا ہے اسلئے فعل کے اعتبار سے اس وقت اسکا مقتدی نہیں ہے، تاہم تحریمے کے اعتبار اسکا مقتدی ہے، اور قاعدہ یہ گزرا کہ کوئی امام کے پیچھے ہو تو اس پر قرأت نہیں ہے اسلئے اس مقیم پر بھی قرأت نہیں ہے۔ [۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقیم کی فرض قرأت تو پہلی دو رکعتوں میں اداء ہو چکی ہے۔ اب دوسری دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا ہمارے نزدیک سنت ہے فرض نہیں ہے اسلئے احتیاط اسی میں ہے کہ مقیم مقتدی جب اپنی بقیہ دو رکعت اداء کرنے لگے تو ان میں قرأت نہ کرے، بلکہ جس طرح لاحق یعنی درمیان میں جسکی رکعت چھوٹ گئی ہو وہ جب اپنی رکعت اداء کرنے کے لئے کھڑے ہو تو قرأت نہ کرے اسی

٣ بخلاف المسبوق لانه ادرک قراء ة نافلة فلم يتأد الفرض فكان الاتيان اولى. (٢٠٠) قال ويستحب للامام اذا سلم ان يقول اتموا صلاتكم فانا قوم سَفْرٌ﴾ ١ لانه عليه السلام قاله حين صلى باهل مكة وهو مسافر (٢٠١) واذا دخل المسافر فى مصره اتم الصلوٰة وان لم ينو المقام فيه﴾

طرح یہ مقیم بھی قرأت نہ کرے احتیاط اسی میں ہے۔

ترجمہ : ٣ بخلاف مسبوق کے [وہ قرأت کریں] اس لئے کہ اس نے نفل قرأت پائی ہے، اور فرض قرأت اداء نہیں ہوئی ہے اسلئے اسکے لئے قرأت کرنا بہتر ہے ۔

تشریح : مسبوق کے بارے میں یہ ہے کہ انکے لئے قرأت کرنا اولی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ بعد کی رکعتوں میں امام کے ساتھ شریک ہوا ہے اسلئے فرض قرأت پہلے اداء ہو چکی ہے اور نفل قرأت میں امام کے ساتھ شریک ہوا ہے اس لئے اسکی فرض قرأت اداء نہیں ہوئی ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ مسبوق جب اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہو تو وہ اس میں قرأت کرے۔

ترجمہ: (٦٠٠) امام کے لئے مستحب ہے کہ جب وہ سلام کریں تو کہہ دیں کہ اپنی نماز پوری کرلیں اسلئے کہ میں مسافر آدمی ہوں۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا جس وقت اہل مکہ کو مسافر کی حالت میں نماز پڑھائی۔

تشریح : حضورؐ مکہ مکرمہ میں تھے اور مسافر تھے اور اہل مکہ کو نماز پڑھائی تو آپؐ نے یہی فرمایا کہ میں مسافر ہوں آپ لوگ اپنی نماز پوری فرمالیں ۔حدیث یہ ہے۔ **عن عمران بن حصين قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثمانى عشرة ليلة لا يصلى الا ركعتين ويقول يا اهل البلد! صلوا اربعا فانا قوم سفر** (ابوداؤد شریف، باب متى يتم المسافر ص ١٨٠ نمبر ١٢٢٩ رمصنف عبد الرزاق، باب مسافر ام مقيمين ج ثانی ص ٥٤٠، نمبر ٤٣٦٩) اس حدیث میں ہے کہ نماز کے بعد اعلان کرے کہ میں مسافر آدمی ہوں آپ اپنی نماز پوری کرلیں۔

ترجمہ: (٦٠١) مسافر اپنے شہر میں داخل ہو گیا تو نماز پوری پڑھے گا اگرچہ اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح: مثلا مسافر اپنے وطن اصلی میں واپس آیا اور چند دن کے بعد ہی پھر سفر پر جاتا ہے تب بھی شہر یا فنائے شہر میں داخل ہوتے ہی پوری نماز پڑھے گا۔ کیونکہ فوراً وہ مقیم ہو گیا۔

وجہ: (١) حدیث میں ہے **سمعت انسا يقول خرجنا مع النبى ﷺ من المدينة الى مكة فكان يصلى ركعتين ركعتين حتى رجعنا الى المدينة.** (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصير وكم يقيم حتى يقصر ص ١٤٧ نمبر ١٠٨١ رمسلم شریف، فصل الى متى يقصر اذا اقام ببلده ص ٢٤٣ نمبر ٦٩٣) اس حدیث میں ہے کہ مدینہ داخل ہوئے تو چار رکعت نماز پڑھی (چاہے وہاں اقامت

۱؎ لانه عليه السلام واصحابه رضوان الله عليهم كانوا يسافرون ويعودون الى اوطانهم مقيمين من غير عزم جديد(۲۰۲) ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الاوّل قصر﴾ ۱؎ لانه لم يبق وطناله الا يرى انه عليه السلام بعد الهجرة عدّ نفسه بمكة من المسافرين

کی نیت کرے یا نہ کرے)

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐ اور صحابہؓ سفر کرتے تھے پھر اپنا وطن واپس ہوتے تو بغیر نئے ارادے کے ہی مقیم ہوتے۔

تشریح: حضورؐ اور صحابہ کرام سفر فرماتے اور جب مدینہ طیبہ واپس آتے تو اقامت کی نیت نہیں بھی کرتے تب بھی مقیم ہو جاتے، نیا ارادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ وطن اصلی میں داخل ہوتے ہی آدمی مقیم ہو جائے گا چاہے وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

ترجمہ: (۲۰۲) جس کا وطن ہو اور اس سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو وطن بنایا پھر سفر کیا اور پہلے وطن میں داخل ہوا تو نماز میں قصر ہی کرے۔

تشریح: مثلا ایک آدمی کا بریڈفورڈ وطن اصلی تھا، اسکو چھوڑ کر مانچیسٹر وطن اصلی بنالیا تو اب مانچیسٹر وطن اصلی ہو گیا اور بریڈفورڈ کا وطن اصلی ختم ہو گیا، اب بریڈفورڈ جائے گا تو قصر کرے، کیونکہ وہ اب وطن باقی نہیں رہا۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے۔ عن عمران بن حصين قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثمانى عشرة ليلة لا يصلى الا ركعتين ويقول يا اهل البلد! صلوا اربعا فانا قوم سفر (ابوداؤد شریف، باب متى يتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹ / مصنف عبد الرزاق، باب مسافر ام مقیمین ج ثانی ص ۵۴۰، نمبر ۴۳۶۹) حضورؐ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما گئے تو جب مکہ مکرمہ تشریف لائے جو پہلے وطن تھا وہاں قصر فرماتے رہے، اور یہ بھی فرمایا کہ ہم مسافر لوگ ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ وطن سے ہجرت کے بعد وہ وطن باقی نہیں رہتا۔

اصول: دوسری جگہ وطن اصلی بنانے سے پہلا وطن اصلی باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اسکا پہلا وطن اب وطن باقی نہیں رہا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضورؐ اپنے آپ کو ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں مسافر شمار کرتے تھے۔

تشریح: اب پہلا وطن وطن باقی نہیں رہا۔ کیونکہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد حضورؐ نے اپنے آپ کو وہاں مسافر شمار کیا۔ اوپر حدیث گزری۔

۲ وهذا لان الاصل ان الوطن الاصلی تبطل بمثله دون السفر۳ ووطن الاقامة تبطل بمثله وبالسفر وبالاصلی

ترجمه: ۲ اسکی وجہ یہ ہے کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے سفر سے باطل نہیں ہوتا۔

تشریح: وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے، سفر کرنے سے وطن اصلی باطل نہیں ہوتا۔ اسی طرح کہیں پندرہ دن کی اقامت کر لی تو اسکو وطن اقامت کہتے ہیں اس سے بھی وطن اصلی باطل نہیں ہوتا۔

ترجمه: ۳ وطن اقامت وطن اقامت سے باطل ہوتا ہے۔ اور سفر سے باطل ہوتا ہے۔ اور وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے۔

تشریح: وطن اقامت تین چیزوں سے باطل ہوتا ہے [۱] وطن اقامت سے باطل ہوتا ہے، یعنی کہیں دوسری جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو پہلا وطن اقامت باطل ہو جائے گا، اب اگر پہلے وطن اقامت پر آئے گا تو قصر ہی کرے گا۔ [۲] دوسری صورت یہ ہے کہ سفر سے وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ یعنی وطن اقامت سے ۵۴ میل کا سفر کیا پھر وطن اقامت کی جگہ پر واپس آیا اور دوبارہ پندرہ دن وہاں ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو وہ وہاں مسافر ہی رہے گا اور قصر ہی کرتا رہے گا، کیونکہ سفر کرنے سے وطن اقامت باطل ہو گیا۔ [۳] اور تیسری صورت یہ ہے کہ وطن اصلی چلا گیا تو اس سے بھی وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے، اب دوبارہ وطن اقامت پر آیا اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی تو قصر کرتا رہے گا۔ اسلئے کہ وطن اصلی سے وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے۔

وجه: (۱) وطن اصلی سے وطن اصلی باطل ہوتا ہے اسکی وجہ وہ حدیث ہے کہ حضورؐ کا وطن مکہ مکرمہ تھا پھر ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ کو وطن اصلی بنایا تو مکہ مکرمہ کا وطن باطل ہو گیا۔ اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ ۔ عن عمران بن حصين قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثماني عشرة ليلةلا يصلى الا ركعتين ويقول يا اهل البلد! صلوا اربعا فانا قوم سفر (ابوداؤد شریف، باب متی یتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹ / مصنف عبدالرزاق، باب مسافر ام مقیمین ج ثانی ص ۵۴۰، نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث میں حضورؐ نے ہجرت کی تو مکہ جو وطن اصلی تھا وہ مدینہ کے وطن اصلی بنانے سے باطل ہو گیا۔ اسی لئے تو آپ نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں مسافر ہوں۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے مثل سے باطل ہوتی ہے، یا اپنے سے اعلی سے باطل ہوتی ہے۔ اسلئے وطن اصلی کے مثل وطن اصلی ہے اسلئے وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا۔ لیکن سفر اور وطن اقامت نیچے درجے کا ہے اسلئے ان سے وطن اصلی باطل نہیں ہوگا۔ وطن اصلی سے وطن اقامت باطل ہو جائے گا۔ اسلئے کہ وطن اصلی اعلی ہے اور وطن اقامت ادنی ہے۔ وطن اقامت سے وطن اقامت باطل ہو جائے گا، اسلئے کہ وہ مثل ہے۔ اور سفر سے وطن اقامت اسلئے باطل ہوگا کہ سفر اقامت کے ضد ہے۔ اسلئے ۵۴ میل سفر کرنے سے وطن اقامت باطل ہو جائے گا، اب دوبارہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وطن اقامت بنے گا اور اتمام کرے گا ورنہ قصر کرتا رہے گا۔

(۶۰۳) واذا نوى المسافر ان يقيم بمكة ومنىٰ خمسة عشريومًا لم يتم الصلوٰة ﴾ ١ لان اعتبار النية فى موضعين يقتضى اعتبارها فى مواضع وهو ممتنع لان السفر لايعرى عنه الا اذا نوى ان يقيم بالليل فى احدهما فيصير مقيما بدخوله لان اقامة المرء مضافة الىٰ مبيته

ترجمه: (۶۰۳) اگر مسافر نے مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی پھر بھی نماز پوری نہیں پڑھے گا۔

تشریح: مسافر نے مکہ مکرمہ اور منی دونوں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تو چونکہ ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی ہے اسلئے وہ اتمام ہی کرے گا۔ کیونکہ ٹھہرنے کا دارو مدار رات گزارنے پر ہے، اور اس نے ایک مقام پر رات گزارنا متعین نہیں کیا اسلئے ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں ہوئی اسلئے اتمام نہیں کرے گا، چنانچہ اگر ایک مقام پر مسلسل پندرہ دن تک رات گزارنے کی نیت کرے تو اب وہ اتمام کرسکتا ہے۔

وجه: (۱) ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے اور رات گزارنے کی نیت کی ہو تب اتمام کرے گا۔ یہاں دو جگہ یعنی مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے کسی ایک جگہ پر پندرہ دن مکمل نہیں ہوئے اس لئے اتمام نہیں کرے گا (۲) اثر میں موجود ہے **كان ابن عمر اذا قدم مكة فاراد ان يقيم خمس عشرة ليلة سرح ظهره فاتم الصلوة** (مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل يخرج فی وقت الصلوۃ، ج ثانی ص۳۵۲ نمبر۴۳۵۵) اس اثر میں صرف مکہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے تب اتمام کیا ہے (۳) **عن ابن عمر انه كان يقيم بمكة فاذا خرج الى منى قصر.** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷۔ باب فی اہل مکۃ یقصرون الی منی ج ثانی ص ۲۰۸، نمبر۸۱۸۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ دو جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اتمام نہیں کرے گا قصر ہی کرتا رہے گا۔ کیونکہ ایک جگہ پندرہ دن نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے (۴) **عن عبد الله بن عمر قال صليت مع النبى ﷺ بمنى ركعتين و ابى بكر و عمر و مع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها.** (بخاری شریف، باب الصلوۃ بمنی ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۲ مسلم شریف، باب قصر الصلوۃ بمنی ص ۲۸۱ نمبر ۶۹۴/۱۵۹۰) اس حدیث میں ہے کہ منی میں ٹھرتے تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے، اسکی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ منی میں رات گزارنے کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں پندرہ دن ٹھرنے کی نیت باقی نہیں رہی جسکی وجہ سے وہ مقیم شمار نہیں ہوا بلکہ مسافر ہی رہا اسلئے منی میں اتمام نہیں فرمایا بلکہ مسافرت کی نماز دو رکعت پڑھی۔ اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوا کہ دو جگہ رات گزارنے کی نیت کی ہو تو چونکہ ایک جگہ پندرہ دن تک رات گزارنے کی نیت نہیں ہوئی اسلئے وہ دو رکعت ہی نماز پڑھے گا۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ دو جگہ میں ٹھہرنے سے نیت کے اعتبار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی جگہ میں بھی ٹھہرنے کا اعتبار کیا جائے، حالانکہ وہ ممتنع ہے اسلئے کہ سفر ٹھہرنے سے خالی نہیں ہوتا۔ مگر جبکہ رات میں دونوں جگہوں میں سے کسی ایک میں ٹھہرنے کی

(۶۰۴) ومن فاتته صلوٰة فى السفر قضاها فى الحضر ركعتين ومن فاتته فى الحضر قضا ها فى السفر اربعًا ﴿لان القضاء بحسب الاداء.

نیت کرے تو وہاں داخل ہونے سے مقیم ہو جائے گا اسلئے کہ انسان کی اقامت رات گزارنے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو جگہ ملا کر پندرہ دن ٹھہرے پھر بھی اسکو مقیم شمار کیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ سفر کے درمیان بہت سی جگہ ٹھہرتا جائے اور سب کو ملا کر پندرہ دن ہو جائے تب بھی اسکو مقیم شمار کر دیا جائے ، حالانکہ ایسا نہیں ہے اسلئے دو جگہ پر ٹھہرنے کو ملا کر پندرہ دن ہو جائے تب بھی مقیم شمار نہ کیا جائے۔اسلئے کہ سفر کے دوران تھوڑا تھوڑا تو ٹھہرنا تو ہوتا ہی ہے ان سب کو ملا کر پندرہ دن ہو جائے تو کسی کے یہاں بھی اس سے مقیم نہیں ہوگا۔اسلئے دو جگہ رات گزار کر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو اس سے مقیم نہیں ہوگا البتہ اگر دونوں میں سے ایک جگہ رات گزارنے کی نیت کرلے تو اس سے مقیم ہو جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ رات گزارنا اصل ہے کیونکہ رات جہاں گزارتا ہے انسان کی اقامت کی جگہ اسی کی طرف منسوب کی جاتی ہے،اسلئے پندرہ راتیں ایک جگہ گزارنے کی نیت کرلے تو اس سے مقیم بن جائے گا۔

لغت : فیصیر مقیما بدخوله : اس عبارت سے یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ دو جگہوں میں جس میں رات گزارنے کی نیت کی ہے مثلا مکہ مکرمہ میں پندرہ راتیں گزارنے کی نیت کی ہے تو اگر پہلے منی میں داخل ہوا تو ابھی مقیم نہیں ہوگا کیونکہ دن گزارنے کا اعتبار نہیں ہے،اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا، کیونکہ وہاں رات گزارنی ہے۔المرء:انسان۔مبیتہ:بیت سے مشتق ہے، رات گزارنا۔

ترجمه: (۶۰۴) کسی کی سفر میں نماز فوت ہوگئی ہو اور اسکو حضر میں اداء کرنا چاہے تو دو رکعت ہی اداء کرے۔اور کسی کی حضر میں نماز فوت ہوئی ہو اور اسکو سفر میں اداء کرنا چاہے تو چار رکعت قضاء کرے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ قضاء اداء کے مطابق ہوتا ہے۔

تشریح : کسی آدمی کی نماز سفر میں قضاء ہوگئی ہو،مثلا ظہر کی نماز سفر میں فوت ہوگئی جو دو رکعت تھی اب اسکو گھر پر آکر اداء کرنا چاہے تو دو رکعت ہی اداء کرے، چار رکعت اداء نہ کرے ۔اسی طرح گھر پر رہتے ہوئے ظہر کی چار رکعت فوت ہوگئی اور اسکو سفر میں اداء کرنا چاہے تو چار رکعت ہی اداء کرے دو رکعت اداء نہ کرے۔

وجه : (۱) اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس وقت میں فوت ہوئی ہے اور جس انداز سے فوت ہوئی ہے اسی انداز سے نماز کی رکعت قضاء کرنا واجب ہوگا۔مثلا سفر میں ظہر کی نماز دو رکعت واجب ہوئی تو اسکو گھر پر اداء کرے تو دو رکعت ہی اداء کرے کیوں کہ سفر میں دو رکعت ہی واجب ہوئی ہے۔اسی طرح گھر پر ظہر کی نماز فوت ہوئی تو چار رکعت فوت ہوئی اسلئے اسکو سفر میں اداء کرنا چاہے تو چار رکعت ہی

ﷻ والمعتبر فی ذٰلک اٰخر الوقت لانه المعتبر فی السببية عندعدم الاداء فی الوقت

(۲۰۵) والعاصی والمطیع فی سفره فی الرخصة سواء ﴾ ل وقال الشافعیؒ سفر المعصية لایفید الرخصة لانها تثبت تخفیفا فلا تتعلق بما یوجب التغلیظ.

اداء کرے کیونکہ چار رکعت ہی واجب ہوئی ہے۔ (۲) اثر میں ہے۔عن الثوری قال : من نسی صلوة فی الحضر فذکر فی السفر صلی أربعا ، و ان نسی صلوة فی السفر ذکر فی الحضر صلی رکعتین ۔(مصنف عبدالرزاق، باب من نسی صلوة الحضر ، ج ثانی، ص ۳۵۸، نمبر ۴۴۰۰) اس اثر میں ہے کہ حضر کی نماز سفر میں اداء کرنا چاہے تو چار رکعت اداء کرے، اور سفر کی نماز حضر میں اداء کرنا چاہے تو دو رکعت اداء کرے

ترجمہ: ۲ اگر وقت میں اداء نہ کیا ہو تو سبب ہونے میں آخری وقت کا اعتبار ہے۔

تشریح : اگر وقت میں اداء نہ کیا ہو تو قضاء کا سبب اسکا آخری وقت ہے۔یعنی آخری وقت میں وہ آدمی کیا ہے اسکا اعتبار ہے، پس اگر آخری وقت میں وہ آدمی مسافر ہے تو مسافرت کی نماز واجب ہوگی، اور اگر آخری وقت میں مقیم ہے تو اس پر مقیم کی نماز واجب ہوگی۔

ترجمہ: (۲۰۵) نافرمان اور فرماں بردار سفر میں رخصت کے سلسلے میں برابر ہیں۔

تشریح جو رخصت اور سہولت فرماں بردار کو ملے گی وہی رخصت اور سہولت نافرمان کو بھی ملے گی۔

وجہ: (۱) احادیث میں سہولت کے بارے میں فرماں بردار اور نافرمان کا فرق نہیں ہے۔اس لئے دونوں کو برابر سہولت ملے گی۔ (۲) و اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوة ان خفتم أن یفتنکم الذین کفروا (سورة النساء ۴، آیت ۱۰۱) اس آیت میں قصر کرنے کا حکم ہے اور فرماں بردار اور گنہگار میں کوئی فرق نہیں ہے اسلئے دونوں کو یہ سہولت ملے گی۔(۲) عن ابن عباس قال : ان الله فرض علی لسان نبیکم ﷺ علی المسافر رکعتین ، و علی المقیم أربعا ، و فی الخوف رکعة . (مسلم شریف، باب صلوة المسافرین وقصرها، ص ۲۸۰، نمبر ۶۸۷/۱۵۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر کے اوپر دو رکعت ہی فرض ہے۔اور عاصی اور غیر عاصی میں کوئی فرق نہیں ہے اسلئے دونوں کو یہ سہولت ملے گی۔

ترجمہ: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گناہ کے سفر والے کو سہولت نہیں ملے گی، اسلئے کہ رخصت تخفیف کو واجب کرتی ہے اسلئے ایسی چیز سے متعلق نہیں ہوگی جو تغلیظ اور سختی کو واجب کرتی ہو۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں سہولت کا مطلب یہ ہے کہ مسافر پر تخفیف ہو اور گنہگار مسافر پر تخفیف کے بجائے سختی اور عذاب ہونا چاہئے اسلئے تخفیف اس سے الٹا ہے اسلئے اسکو تخفیف اور سہولت سے استفادہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہئے اسلئے گنہگار

۲ ولنا اطلاق النصوص **۳** ولان نفس السفر ليس بمعصية وانما المعصية ما يكون بعده اويجاوره فصلح متعلق الرخصة والله اعلم.

مسافرکودورکعت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اصول :ان کے یہاں معصیت نعمت کا سبب نہیں بن سکتی ہے۔اور چونکہ سفر معصیت کا ہے اس لئے سہولت کا سبب نہیں بنے گا۔

ترجمہ : **۲** اور ہماری دلیل نص کا مطلق ہونا ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ احادیث اور آیت میں یہ فرق نہیں ہے کہ فرماں بردار کو سہولت ملے گی اور نافرمان کو سہولت نہیں ملے گی اسلئے نص کے مطلق ہونے کی وجہ سے سب کو سہولت ملے گی۔

ترجمہ: **۳** نفس سفر میں معصیت نہیں ہے،معصیت تو اسکے بعد ہے،یا معصیت سفر کے ساتھ ہی ملا ہوتا ہے اسلئے رخصت کے متعلق ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ خود سفر میں کوئی گناہ نہیں ہے،گناہ تو سفر کے ختم ہونے کے بعد کرتا ہے جیسے ڈاکہ زنی سفر کرنے کے بعد کرتا ہے،اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سفر کے ساتھ ہی گناہ ہوتا رہتا ہے،جیسے کوئی غلام بھاگ رہا ہو تو سفر کے ساتھ ہی بھاگنے کا گناہ ہوتا رہتا ہے،تاہم خود سفر میں کوئی گناہ نہیں ہے گناہ کرنا سفر سے الگ چیز ہے،اور سہولت خود سفر سے ملتی ہے اسلئے گناہگار اور غیر گنہگار دونوں کو سفر کی سہولت ملے گی۔

Documents\3) JPEG CLIPART\flower9.jpg not found.

﴿باب صلوٰة الجمعة﴾

(۲۰۶) لاتصح الجمعة الا فی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولا تجوز فی القریٰ﴾

﴿ باب صلوۃ الجمعۃ ﴾

ضروری نوٹ: جمعہ اہل شہر پر واجب ہے اور پہلی مرتبہ اس کو مدینہ میں قائم کیا تھا۔اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ۔(آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) اس آیت سے جمعہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ جمعہ کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔أن عبد الله بن عمر و أبا هريرة حدثاه أنهما سمعا رسول الله ﷺ يقول : على أعواد منبره ((لينتهين أقوام عن دعهم الجمعات ، أو ليختمن الله على قلوبهم ، ثم ليكونن من الغافلين ۔(مسلم شریف،باب التغلیظ فی ترک الجمعۃ،ص ۳۴۷،نمبر ۸۶۵/۲۰۰۲)اس حدیث میں ہے کہ جمعہ پڑھنا بہت ضروری ہے۔

اس باب میں جمعہ فرض ہونے کی بارہ شرطیں بیان کی جارہی ہیں۔ان میں سے چھ شرطیں ایسی ہیں جو نمازی کے اندر پایا جانا ضروری ہے

﴿ وہ چھ شرطیں یہ ہیں ﴾

(۱)	آزاد ہو۔۔غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے	(۴)	تندرست ہو۔۔بہت بیمار پر جمعہ واجب نہیں ہے
(۲)	مرد ہو۔۔عورت پر جمعہ واجب نہیں ہے	(۵)	پاؤں سلامت ہو۔۔بہت لنگڑے پر جمعہ واجب نہیں ہے
(۳)	مقیم ہو۔۔مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے	(۶)	آنکھ سالم ہو۔۔اندھے پر جمعہ واجب نہیں ہے

﴿چھ شرطیں ایسی ہیں جو نمازی کی ذات سے نہیں ہیں، بلکہ اس سے باہر ہیں ﴾

(۱)	شہر ہو۔۔دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے	(۴)	وقت ظہر ہو۔۔بغیر وقت ظہر کے جمعہ جائز نہیں ہے
(۲)	جماعت ہو۔۔تنہا جمعہ جائز نہیں ہے	(۵)	خطبہ ہو۔۔بغیر خطبہ کے جمعہ جائز نہیں ہے۔
(۳)	سلطان ہو، یا اسکا نائب ہو۔بغیر سلطان کے جمعہ نہیں	(۶)	عام اجازت۔۔بغیر اذن عام کے جمعہ جائز نہیں ہے

ترجمہ: (۲۰۶) جمعہ صحیح نہیں ہے مگر شہر کی جامع مسجد میں یا شہر کی عیدگاہ میں۔اور نہیں جائز ہے گاؤں میں۔

تشریح: جمعہ جمعیت سے مشتق ہے اس لئے اس کے لئے شرط یہ ہے شہر کی جامع مسجد ہو یا فناء شہر ہو۔مصلی سے عیدگاہ یا فناء شہر

مراد ہے۔مصر جامع کا دوسرا ترجمہ ہے بڑے شہر میں، گاؤں میں نہیں۔اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

وجه: (۱) حضرت علی سے اثر ہے۔ **عن علی قال لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع ،وكان يعد الامصار البصرة والكوفة والمدينة والبحرين** (مصنف عبد الرزاق، باب القری الصغار ج ثالث ص ۷۰ نمبر ۵۱۹۱ر مصنف ابن ابی شیبة ۳۳۱ من قال لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع، ج اول، ص ۴۳۹، نمبر ۵۰۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑے شہر میں جمعہ جائز ہے (۲) اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مدینہ کے قرب وجوار میں بہت سے گاؤں تھے جس کو عوالی کہتے ہیں وہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ وہاں کے لوگ مدینہ آتے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے۔اور اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو عوالی میں کیوں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔کیوں دھوپ اور گرمی میں مشقت برداشت کر کے لوگ مدینہ طیبہ آتے۔حدیث میں ہے **عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالی فيأتون فی الغبار فيصبهم الغبار والعرق** (بخاری شریف، باب من این توتی الجمعة وعلی من تجب ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۲ر ابوداؤد شریف، باب من تجب علیہ الجمعة ص ۱۵۸ نمبر ۱۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عوالی کے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔صرف مدینہ جیسے شہر میں جمعہ ہوتا تھا (۳) مدینہ طیبہ کے بعد پہلی مرتبہ جواثی جیسے قلعہ میں نماز جمعہ ہوئی ہے۔حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القيس بجواثی من البحرين.** (بخاری شریف، باب الجمعة فی القری والمدن ص ۱۲۲ نمبر ۸۹۲ر ابوداؤد شریف، باب الجمعة فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ مسجد عبد القیس میں مدینہ کے بعد پہلی مرتبہ جمعہ ہوا ہے جو بحرین میں تھی۔اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو بحرین کے فتح سے پہلے کتنے گاؤں فتح ہو گئے تھے ان میں جمعہ کیوں نہیں ہوا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

نوٹ: جواثی کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک قلعہ کا نام ہے اور وہاں شہر تھا۔

فائده: پانچ قسم کی بستیاں ہوتیں ہیں [۱] خیمے والے، جو پانی کی تلاش میں صحراوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ان خیموں میں کسی امام کے یہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ اینٹ پتھر کے مکانات تو ہوں لیکن مجتمع نہ ہوں بکھرے ہوئے ہوں، ایک مکان یہاں ہے تو دوسرا مکان کافی دوری پر ہے۔ان میں بھی کسی کے یہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔[۳] تیسری صورت یہ ہے کہ اینٹ پتھر کے مکانات ہوں جسکی وجہ سے انکے رہنے والے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو سکتے ہوں اور آبادی مجتمع ہو بکھری ہوئی نہ ہو، پس اگر وہاں چالیس آدمی ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک جمع جائز ہے۔موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ : سمعت عددا من أصحابنا يقولون : تجب الجمعة على أهل دار مقام اذا كانوا أربعين رجلا ، و كانوا أهل قرية** ۔(موسوعة امام شافعیؒ، باب العدد الذین اذا کانوا فی قریة وجبت علیهم الجمعة، ج ثالث، ص ۴۱، نمبر ۱۹۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چالیس آدمی ہو تو وہ جمعہ قائم کرے۔ اور لوگوں کے مکانات مجتمع ہوں اسکی دلیل یہ اثر ہے۔

عن عمر و بن دینار قال : سمعنا ان لا جمعۃ الا فی قریۃ جامعۃ . (مصنف عبدالرزاق، باب القری الصغار، ج ثالث، ص ۱۷۰، نمبر ۵۱۹۷) یہاں قریۃ جامعۃ سے مراد یہ ہے کہ گاؤں کے گھر صحرائی لوگوں کی طرح بکھرے ہوئے نہ ہوں بلکہ دیہات کے گھروں کی طرح مجتمع ہوں۔تو اس میں جمعہ جائز ہے۔۔اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس میں جمعہ جائز نہیں ہے۔[۴] چوتھی صورت یہ ہے کہ شہر تو نہ ہو لیکن بڑی بستی ہو جسکو قصبہ کہتے ہیں حنفیہ کے یہاں اس میں جمعہ جائز نہیں ہے۔۔البتہ آج کل اس میں جمعہ قائم کر نے کا فتوی دیتے ہیں، ایک تو اگلی حدیث کی بناء پر، اور دوسری بات یہ ہے کہ دیہات کے لوگ جمعہ اور عیدین کے علاوہ کچھ پڑھتے ہی نہیں ہیں، اب اگر جمعہ بھی پڑھنے کی گنجائش نہ دی جائے تو ان میں اسلام کا کوئی شعار باقی نہیں رہے گا، پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جمعہ پڑھنے پر اصرار کرتے ہیں اسلئے قصبے میں جمعہ پڑھنے کا فتوی حنفی حضرات بھی دیتے ہیں۔۔ہمارے جھارکھنڈ کے دیہات میں اسی پر عمل ہے۔[۵] پانچویں صورت یہ ہے کہ وہ شہر ہے، تو اس میں بالاتفاق جمعہ جائز ہے۔

وجہ : امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں چالیس آدمی نماز پڑھنے والے ہوں۔(۱) ان کی دلیل ابو داؤد کی یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال ان اول جمعۃ جمعت فی الاسلام بعد جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ لجمعۃ جمعت بجواثی قریۃ من قری البحرین قال عثمان قریۃ من قری عبد القیس ۔(ابو داؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸ / بخاری شریف، باب وفد عبد القیس، ص ۱۷۴، نمبر ۴۳۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جواثی بحرین کے گاؤں کا نام ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔(۲) حدثنی عبد الرحمن بن کعب بن مالک ..... فلما سمع الاذان بالجمعۃ استغفر لہ فقلت : یا أبتاہ أرأیت استغفارک لأسعد بن زرارۃ کلما سمعت الأذان بالجمعۃ فقال : أی بنی کان اسعد أول من جمع بنا فی المدینۃ قبل مقدم رسول اللہ ﷺ فی ھزم من حرۃ بنی بیاضۃ فی نقیع یقال لہ الخضمات ، قلت و کم أنتم یومئذ قال : أربعون رجلا . (سنن بیہقی، باب العدد الذین اذا کانوا فی قریۃ وجبت علیھم الجمعۃ، ج ثالث، ص ۲۵۲، نمبر ۵۶۰۵) اس حدیث میں ہے کہ مدینے میں پہلا جمعہ ہوا تو کل چالیس آدمی تھے۔(۳) ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن ام عبد اللہ الدوسیۃ قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الجمعۃ واجبۃ علی اھل کل قریۃ وان لم یکونوا الا ثلاثۃ ورابعھم امامھم. (دار قطنی، باب الجمعۃ علی اہل القریۃ ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۷۸ / سنن بیہقی، باب العدد الذین اذا کانوا فی قریۃ وجبت علیھم الجمعۃ، ج ثالث، ص ۲۵۵، نمبر ۵۶۱۶) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں میں جمعہ واجب ہے چاہے اس گاؤں میں چار ہی آدمی کیوں نہ ہو (۴) عن ابی امامۃ ان النبی ﷺ قال علی الخمسین جمعۃ لیس فیما دون ذلک (دار قطنی، ذکر العدد فی الجمعۃ ج ثانی ص ۴ نمبر ۱۵۶۴ / ابو داؤد شریف، باب الجمعۃ فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۹) اس حدیث میں ہے کہ پچاس آدمی ہو تو جمعہ قائم کر لینا چاہئے۔(۵) حضورؐ نے

ل لقوله عليه السلام لا جمعة ولا تشريق ولافطر ولا اضحى الافى مصر جامع ٢ والمصر الجامع كل موضع له امير وقاض يُنفِّذ الاحكام ويقيم الحدود ٣ وهذا عن ابى يوسفؒ وعنده انهم اذا اجتمعوا فى اكبر مساجدهم لم يسعهم

جب مصعب ابن عمیرؓ کو مدینہ بھیجا تو اس وقت وہاں نماز پڑھنے والے کل بارہ آدمی تھے اور انہیں کو جمعہ کی نماز پڑھائی، عبارت یہ ہے۔ و یذکر عن الزهری أن مصعب ابن عمیرؓ حین بعثه النبی ﷺ الی المدینة جمع بهم و هم اثنا عشرة رجلا . (سنن بیہقی، باب العدد الذین اذا کانوا فی قریۃ وجبت علیھم الجمعۃ، ج ثالث، ص ۲۵۵، نمبر ۵۶۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خود مدینہ طیبہ میں صرف ۱۲ آدمیوں سے جمعہ قائم کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

ترجمہ: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جمعہ، اور تکبیر تشریق، اور عید الفطر، اور عید الاضحیٰ جائز نہیں ہے مگر شہر جامع میں۔

تشریح: تلاش سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ قال علیؓ : لا جمعة و لا تشریق و لا صلوة فطر و لا اضحى الا فى مصر جامع أو مدینة عظیمة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳۱ من قال لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع، ج اول، ص ۴۳۹، نمبر ۵۰۵۹/ مصنف عبد الرزاق، باب القری الصغار، ج ثالث، ص ۷۰، نمبر ۵۱۹۱) اس اثر میں ہے کہ جمعہ اور تکبیر تشریق شہر کے علاوہ میں جائز نہیں ہے۔۔اس اثر کا ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ جمعہ جائز نہیں ہے مگر شہر کی جامع مسجد میں۔

ترجمہ: ٢ مصر جامع ہر وہ شہر ہے جس میں امیر ہو اور قاضی ہو جو احکام کو نافذ کرتا ہو، اور حدود قائم کرتا ہو، یہ روایت حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے۔

تشریح: مصر جامع [بڑا شہر] کی دو تعریفیں یہاں بیان کی ہیں۔ایک یہ ہے کہ ایسے شہر کو مصر جامع کہتے ہیں جس میں امیر ہو اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرتے ہوں اور مجرم پر حدود اور قصاص جاری کرتے ہوں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک تعریف یہ مروی ہے۔اور اسی کو حضرت امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے۔

وجہ: اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ قلت لعطاء ماالقرية الجامعة قال ذات الجماعة والامير والقصاص والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جده . (مصنف عبد الرزاق ج ثالث ص ۷۱ نمبر ۵۱۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑی بستی اس کو کہتے ہیں جس میں امیر ہو، قصاص اور حدود نافذ کئے جاتے ہوں اور گھر قریب قریب ہوں، خیمہ زنوں کی طرح دور دور گھر نہ ہوں۔

ترجمہ: ٣ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے ہی دوسری روایت ہے کہ سبھی لوگ وہاں کی مسجدوں میں سے بڑی مسجد میں جمع ہو

ع والاول اختيار الكرخي وهو الظاهر والثاني اختيار الثلجي ۵ والحكم غير مقصور على المصلى بل يجوز في جميع افنية المصر لانها بمنزلته في حوائج اهله (٧٠٢) ويجوز بمنىٰ ان كان الامير امير الحجاز وكان الخليفة مسافرا عند ابي حنيفة وابي يوسف

جائیں تو سب کی گنجائش نہ رہے [تو اسکو مصر جامع یعنی بڑا شہر کہتے ہیں۔]

تشریح :حضرت امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ مصر جامع اتنے بڑے شہر کو کہیں گے کہ اس شہر میں یا گاؤں میں جتنے مساجد ہیں ان میں سے بڑی مسجد میں گاؤں کے لوگ جمع ہو جائیں تو مسجد میں سب آدمیوں کی گنجائش نہ رہے اور مسجد بھر کر کچھ آدمی زیادہ ہی ہو جائے تو اس گاؤں کو مصر جامع کہا جائے گا۔

وجه :اس تعریف کی وجہ اثر کا اشارہ ہے۔ سمعت عمر بن دينار يقول اذا كان المسجد يجمع فيه الصلوة فلتصل فيه الجمعة مصنف عبد الرزاق، باب القرى الصغار ج ثالث ص ۱۷ نمبر ۵۱۹۸) اس سے معلوم ہوا کہ اگر تمام آدمی جمع ہو کر ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوں تو اس میں جمعہ جائز ہے۔آج کل حنفیہ کے یہاں اسی تعریف کو مانتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں

ترجمه: ع شہر کی پہلی تعریف کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا، اور ظاہر مذہب یہی ہے۔اور دوسری تعریف کو حضرت ثلجیؒ نے اختیار کیا۔

تشریح : اوپر بڑے شہر کی تعریف میں حضرت امام ابو یوسفؒ کی دو روایتیں گزریں۔ان میں سے پہلی روایت کو امام کرخیؒ نے اختیار فرمایا کہ جہاں امیر اور قاضی ہو اور احکام نافذ کرتا ہو اسکو بڑا شہر کہا جائے گا۔اور دوسری روایت کو امام ثلجیؒ نے اختیار فرمایا، کہ گاؤں کی سب سے بڑی مسجد میں سب لوگ جمع ہو جائیں تو مسجد بھر جائے تو اسکو بڑا شہر کہا جائے۔یہ روایت سہولت کے لئے ہے۔

ترجمه: ۵ اور حکم عید گاہ پر منحصر نہیں ہے بلکہ شہر کے تمام فناء میں جائز ہے اسلئے کہ وہ شہر والے کی حاجت اصلیہ کے درجے میں ہے۔

تشریح : متن میں یہ قید تھی کہ شہر کی عید گاہ میں جمعہ پڑھ سکتا ہے۔اسکی تشریح فرماتے ہیں کہ عید گاہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ شہر کے اردگرد جو مقامات ہیں جن سے شہر والے فائدہ اٹھاتے ہیں، مثلاً گھوڑ دوڑ کا میدان، قبرستان، پارک، جانور چرانے کی چراگاہ وغیرہ ان سب میں جمعہ کی نماز ادا کر سکتا ہے، یہ بھی عید گاہ کے درجے میں ہے کیونکہ شہر والے ان مقامات سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، اور جمعہ بھی ایک ضرورت ہے اسلئے اسکو بھی فناء شہر میں پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه: (٧٠٢) اور منی میں جمعہ جائز ہے اگر حج کا امیر صوبہ حجاز کا امیر ہو ، یا خود خلیفہ مسافر ہو، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ

(۶۰۸) وقال محمدؒ لا جمعة بمنیٰ﴾ ۱؎ لانها من القرى حتى لايُعيَّدبها

کے نزدیک۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ اورامام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ منی کے قیام کے دوران جمعہ کا دن ہوجائے تو وہاں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ صوبہ حجاز کا امیر موسم حج کا امیر بن کر جمعہ پڑھارہا ہو۔یا خود خلیفۃ المسلمین جمعہ کی نماز پڑھارہا ہو۔

وجه : منی میں جمعہ جائز ہونے کی دو وجہ ہے[۱] ایک تو یہ کہ منی میں مکانات بنے ہوئے ہیں، عام صحراء کی طرح نہیں ہے، اورحج کے زمانے میں پورا شہر بن جاتا ہے وہاں دکانیں بھی ہوتیں ہیں اور قاضی اور امیر بھی جمع ہوجاتے ہیں۔اور شہر میں جمعہ جائز ہے اسلئے منی میں جمعہ جائز ہوگا۔[۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ منی مکہ مکرمہ کے فناء میں ہے۔کیونکہ آیت میں ہے ہدی کعبہ پہنچاؤ حالانکہ وہ ہدی منی میں ذبح کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ منی مکہ مکرمہ کے فناء میں ہے، اور فناء شہر میں جمعہ جائز ہے اسلئے منی میں بھی جمعہ جائز ہو گا۔ **يحكم به ذو اعدل منكم هديا بالغا الكعبة** (آیت ۹۵، سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ ہدی کعبہ پہنچاؤ حالانکہ وہ منی میں ذبح ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ منی کعبہ کا فناء شہر ہے اسلئے وہاں جمعہ پڑھنا جائز ہوگا۔

نوٹ :۔اس وقت تو منی میں اتنے مکانات بن گئے ہیں کہ وہ پورا شہر بن گیا ہے، اوراب تو اسکو حدود مکہ میں داخل کر دیا گیا ہے اسلئے وہاں بلا اختلاف جمعہ جائز ہے۔

اور صوبہ حجاز کے امیر ہونے یا خود خلیفۃ المسلمین ہونے کی شرط متن میں اسلئے ہے کہ آگے آرہا ہے کہ بادشاہ کو جمعہ قائم کرنے کا حق ہے، یا اسکے حکم سے جو نائب بنے اسکو جمعہ قائم کرنے کا حق ہے، دوسرے کو نہیں ۔۔خلیفہ اپنی مملکت میں جہاں بھی جائے وہ مقیم کی طرح ہے اسلئے کہ اس کے حکم سے دوسرے لوگ جمعہ قائم کرتے ہیں تو جب خلیفہ کے حکم سے دوسرے لوگ جمعہ قائم کرتے ہیں تو خود خلیفہ جہاں جائے انکو جمعہ قائم کرنے کا حق ہوگا۔اسلئے خلیفہ سفر کر کے منی آیا ہو تو بھی وہ منی میں جمعہ قائم کرسکتا ہے۔اور اگر مقیم ہو تو بدرجہ اولی جمعہ قائم کرسکتا ہے۔۔ماتن نے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ خلیفہ مسافر ہو تب بھی جمعہ قائم کرسکتا ہے۔اسلئے اگر مقیم ہو تو بدرجہ اولی جمعہ قائم کرسکتا ہے۔

ترجمه: (۶۰۸) اورامام محمدؒ نے فرمایا کہ منی میں جمعہ نہیں ہے۔

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ منی گاؤں ہے، اسی لئے وہاں عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔

تشریح:۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ منی میں جمعہ جائز نہیں ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ دیہات ہے اور دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے اسلئے منی میں بھی جمعہ جائز نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہاں عید الضحی کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔اور وہ امام محمدؒ کے نزدیک فناء مکہ اس لئے نہیں ہے کہ انکے یہاں فناء شہر سے ایک غلوہ تک فناء ہوتا ہے، اس سے زیادہ ہو تو وہ فناء نہیں ہے۔اور ایک غلوہ چارسو ہاتھ [یعنی دوسو گز] کا ہوتا ہے، اور منی دوسو گز سے زیادہ دوری پر ہے اسلئے وہ فناء مکہ بھی نہیں ہوسکتا کہ مکہ کے شہر ہونے کی وجہ سے اس میں جمعہ جائز ہو

۲ ولهما انها تتمصَّرُ فی ایام الموسم ۳ وعدم التعييد للتخفيف ۴ ولا جمعة بعرفات فی قولهم جميعا لانها فضاء. ۵ وبمنىٰ ابنيةٌ ۶ والتقييد بالخليفة وامير الحجاز لان الولاية لهما اما امير الموسم فيلى امور الحج لاغير(۲۰۹) ولا يجوز اقامتها الا للسلطان اولمن امره السلطان﴾

جائے۔ابھی تو منی پورا شہر بن گیا۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ منی حج کے زمانے میں شہر بن جاتا ہے۔

تشریح:۔منی میں جمعہ جائز ہونے کے لئے یہ شیخین کی دلیل ہے کہ حج کے زمانے میں وہاں دکانیں ہوتیں ہیں اور امیر اور قاضی ہو تے ہیں اسلئے منی شہر کی طرح ہو جاتا ہے اسلئے وہاں جمعہ جائز ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۳ اور عید نہ منانا تخفیف لئے ہے۔

تشریح:۔یہ امام محمدؒ کو جواب ہے کہ منی کے شہر بننے کی وجہ سے وہاں عید الاضحیٰ بھی پڑھنا چاہئے ،لیکن اس سے حاجیوں پر حرج ہوگا اسلئے انکی سہولت کے لئے عید الاضحیٰ نہیں پڑھتے ہیں۔ورنہ شہر بننے کی بناء پر پڑھنا چاہئے۔

ترجمہ: ۴ اور بالاتفاق عرفات میں جمعہ نہیں ہے،اسلئے کہ وہ فضاء ہے۔

تشریح : منی میں تو کچھ نہ کچھ مکانات اس زمانے میں بھی تھے،لیکن عرفات میں کچھ بھی مکان نہیں تھا، وہ بالکل چٹیل میدان تھا اور صحراء تھا اسلئے وہاں کسی امام کے یہاں بھی جمعہ جائز نہیں ہے،اور آج بھی تقریبا یہی حال ہے کہ وہ میدان ہے۔

ترجمہ ۵ اور منی میں مکانات بنے ہوئے ہیں۔

تشریح:۔منی میں جمعہ جائز ہونے کی دلیل ہے کہ وہ خالی میدان نہیں ہے بلکہ کچھ نہ کچھ مکانات بنے ہوئے ہیں۔اسلئے وہاں جمعہ جائز ہے۔

ترجمہ: ۶ خلیفہ ہونے کی قید،یا حجاز کے امیر ہونے کی اسلئے ہے کہ انکو جمعہ قائم کرنے کا حق ہے، بہر حال موسم حج کا امیر تو وہ صرف حج کے معاملے کی ولایت رکھتا ہے۔

تشریح :۔متن میں یہ تھا کہ حجاز کا امیر یا خلیفۃ المسلمین منی میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں۔اسکی وجہ یہ ہے کہ انہیں دونوں کو جمعہ قائم کرنے کا حق ہے اسلئے انہیں دونوں کے بارے میں فرمایا کہ منی میں جمعہ قائم کرے۔اور جو موسم حج میں صرف حج کرانے کے امیر ہوتے ہیں انکو صرف حج کرانے کی ولایت حاصل ہے، جمعہ قائم کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے،اسلئے وہ منی میں جمعہ قائم نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: (۲۰۹)اور نہیں جائز ہے جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہو۔

تشریح : یہاں سے جمعہ واجب ہونے کے شرائط بیان فرما رہے ہیں۔جمعہ بادشاہ یعنی امیر المؤمنین قائم کرے، یا امیر المؤمنین

جسکوحکم دے وہ قائم کرے۔آج کل کے دور میں بہت سے ملکوں میں امیر المؤمنین نہیں ہیں،اسلئے عوام جسکو امیر چن لے وہ شہر، یا قصبہ میں جمعہ قائم کرلے تو جائز ہوجائے گا۔

وجه: (۱) چونکہ جمعہ میں بہت لوگ ہوتے ہیں، ان کو سنبھالنا سب کا کام نہیں ہے اس لئے بادشاہ یا بادشاہ کا مامور جمعہ قائم کرے گا (۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے سأل عبد الله بن عمر بن خطاب عن القرى التى بين مكة و المدينة ماترى فى الجمعة قال نعم اذا كان عليهم امير فليجمع ۔(سنن للبیھقی ، باب العدد الذین اذ کانوا فی قریۃ وجبت علیھم الجمعۃ ، ج ثالث،ص ۲۵۴،نمبر ۵۶۱۳)(۳) کتب عمر بن عبد العزيز الى عدى بن عدى : أيما أهل قرية ليسوا بأهل عمود ينتقلون فأمّر عليهم أميرا يجمّع بهم ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۳۳۲ من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرھا، ج اول، ص ۴۴۰،نمبر ۵۰۶۹) اس اثر میں ہے کہ امیر ہو یا امیر بنایا گیا ہو تو وہ جمع قائم کرسکتا ہے (۴) عن عمر بن العزيز ... قال لهم حين فرغ من صلوته ان الامام يجمع حيث كان ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الامام یجمع حیث کان ج ثالث ص ۶۶ نمبر ۵۱۶۱ر مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۹۰ باب الامام یکون مسافرا فیمر بالموضع ج ثانی ص ۴۷۶،نمبر ۵۴۹۹ر) بخاری میں یہ جملہ ہے حدثنا ابو خلدة صلى بنا امير الجمعة (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ نمبر ۹۰۶) ان آثار سے معلوم ہوا کہ امیر اور بادشاہ جمعہ قائم کرے۔

نوٹ: جہاں امیر اور بادشاہ نہیں ہیں وہاں مسلمان جمع ہو کر جس کو امیر چن لے وہ جمعہ قائم کرائے گا۔آج کل بہت سے ملکوں میں اسلامی حکومت نہیں ہے اور نہ وہاں امیر اور قاضی ہیں وہاں یہی کرتے ہیں کہ لوگ مسجد کے خطیب سے جمعہ قائم کروا لیتے ہیں۔

فائدہ: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لئے امیر، یا بادشاہ، یا اسکے نائب کا ہونا ضروری نہیں ہے کوئی بھی انتظام کرنے والا ذمہ دار یا امام جمعہ قائم کرلے تو جمعہ قائم ہوجائے گا۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے. و الجمعة خلف كل امام صلاها من امير و مأمورو متغلب على بلدة و غير أمير مجزئة ، كما تجزىء الصلوة خلف كل من سلف . (موسوعۃ امام شافعیؒ ، باب من تصلی خلفہ الجمعۃ ، ج ثالث ،ص ۴۹ ،نمبر ۲۰۰۸) اس عبارت میں ہے کہ عام آدمی بھی جمعہ قائم کرلے تو جمعہ ہو جائے گا جس طرح اور نماز ہوجاتی ہے۔

وجه :(۱) وہ فرماتے ہیں کہ اثر میں جو امیر کا لفظ ہے اس سے امیر المؤمنین مراد نہیں ہے بلکہ جماعت کا امیر یا امام مراد ہے۔چنانچہ اثر میں اسکی تشریح موجود ہے۔عن عمر بن العزيز ... قال لهم حين فرغ من صلوته ان الامام يجمع حيث كان ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الامام یجمع حیث کان ج ثالث ص ۶۶ نمبر ۵۱۶۱ر مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۹۰ باب الامام یکون مسافرا فیمر بالموضع ج ثانی ص ۴۷۶،نمبر ۵۴۹۹ر) اس اثر میں ہے کہ امام جمعہ قائم کرے جس سے معلوم ہوا کہ اس سے جمعہ کا امام مراد ہے، امیر المؤمنین مراد نہیں ہے (۲) بخاری میں یہ جملہ ہے حدثنا ابو خلدة صلى بنا امير الجمعة (بخاری شریف، باب اذا اشتد

ل لانہ تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقدم والتقدیم وقد تقع فی غیرہ فلا بدمنہ تتمیما لامرھا(۶۱۰) ومن شرائطھا الوقت فتصح فی وقت الظھر ولا تصح بعدہ ﴾ ل لقولہ علیہ السلام اذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة.

الحر یوم الجمعۃ ص۱۲۴نمبر۹۰۶)اس اثر میں ہے کہ جمعہ کے امیر نے ہمیں جمعہ پڑھایا،جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کا امام جمعہ قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ جمعہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے،اور کبھی آگے بڑھنے میں یا دوسرے کو آگے کرنے میں جھگڑا پڑسکتا ہے،اور کبھی اور باتوں میں بھی جھگڑا پڑسکتا ہے اسلئے جمعہ کا کام پورا کرنے کے لئے امیر کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح :امیر یا انکا نائب ہی جمعہ کیوں قائم کرے اسکی دلیل عقلی ہے۔کہ جمعہ بڑی جماعت کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے،اسلئے خود آگے ہونے میں یا کسی دوسرے بزرگ کو آگے کرنے میں جھگڑا پڑسکتا ہے،مثلا کوئی کہے کہ فلاں بزرگ کو جمعہ کے لئے آگے کرو،اور دوسرا کہے کہ نہیں فلاں بزرگ کو آگے کرو تو اس میں جھگڑا ہوسکتا ہے،اور اس جھگڑے کو بادشاہ ہی نمٹا سکتے ہیں دوسروں سے تو اور جھگڑا بڑھ جائے گا اسلئے جمعہ قائم کرنے کے لئے بادشاہ،یا انکا نائب ہونا ضروری ہے۔تاکہ جمعہ کا معاملہ صحیح طور پر پورا ہوجائے۔

لغت : التقدم :تفعل سے ہے،خود آگے بڑھنا۔التقدیم :تفعیل سے ہے،دوسرے کو آگے بڑھانا۔تتمیم :معاملے کو پورا کرنا۔

ترجمہ : (۶۱۰)جمعہ کی شرط میں سے وقت ہونا ہے۔اس لئے صحیح ہے ظہر کے وقت میں،اور نہیں صحیح ہے وقت کے بعد۔

ترجمہ : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے،کہ جب سورج ڈھل جائے تو لوگوں کو جمعہ پڑھاؤ۔

تشریح : جمعہ ظہر کا بدل ہے اسلئے جس وقت میں ظہر کی نماز ہے اسی وقت میں جمعہ کی بھی نماز ہے البتہ جمعہ کو ہمیشہ جلدی پڑھنا بہتر ہے،اور ظہر کا وقت ختم ہوجائے تو اب جمعہ نہ پڑھے ظہر کی قضاء پڑھے ۔

وجہ : (۱)صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث میں ہے .عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی الجمعة حین تمیل الشمس (بخاری شریف،باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس ص۱۲۳نمبر۹۰۴/مسلم شریف،باب فی وقت صلوۃ الجمعۃ ص۲۸۳نمبر۱۹۹۲/۸۶۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔اور یہ وقت ظہر کا ہے اس لئے ظہر کے وقت میں پڑھا جائے گا (۲)عن أنس بن مالک قال : کنا نبکر بالجمعة و نقیل بعد الجمعة ۔(بخاری شریف،باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس ص۱۲۳نمبر۹۰۵/مسلم شریف،باب صلاۃ الجمعۃ حین تزول الشمس، ص۳۴۵نمبر۱۹۹۱/۸۵۹) اس حدیث میں ہے کہ زوال کے فورا بعد جمعہ پڑھا کرتے تھے اور جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے تھے ۔(۳)۔ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی قضا پڑھے گا۔اثر میں ہے کان الحجاج یؤخر الجمعة

(۲۱۱) ولو خرج الوقت وهو فيها استقبل الظهر ﴾ ل ولا يبنيه عليها لاختلافهما (۲۱۲) ومنها الخطبة ﴾

فكنت انا اصلي وابراهيم و سعيد بن جبير فصليا الظهر ثم نتحدث وهو يخطب ثم نصلي معهم ثم نجعلها نافلة (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۸۷ الجمعة یؤخرها الامام حتی یذھب وقتھا، ج اول، ص۴۷۴، نمبر ۵۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو اب جمعہ نہیں پڑھے بلکہ ظہر کی نماز قضا پڑھے۔

ترجمہ: (۶۱۱) اگر ظہر کا وقت نکل گیا اور نمازی جمعہ میں ہے تو شروع سے ظہر پڑھے۔

ترجمہ: ل اور جمعہ پر ظہر کی بناء نہ کرے۔

تشریح: نمازی جمعہ پڑھ رہا تھا کہ ظہر کا وقت ختم ہو گیا تو اب جمعہ کا وقت نہیں رہا اسلئے اب ظہر پڑھے گا۔ لیکن کیا شروع سے ظہر کی نیت باندھے گا یا جمعہ کی جو رکعت پڑھ چکا ہے اسی پر ظہر کی بناء کرے گا؟ ماتنؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ پر بناء نہ کرے بلکہ شروع سے ظہر کی نیت باندھے

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ جمعہ اور نماز ہے اور ظہر اور نماز ہے دونوں میں اختلاف ہے، مثلا [۱] جمعہ کی رکعتیں دو ہیں اور ظہر کی رکعتیں چار ہیں۔ [۲] ظہر میں قرأت سری ہے اور جمعہ میں جہری ہے۔ [۳] ظہر میں خطبہ نہیں ہے، اور جمعہ میں خطبہ ہے، [۴] ظہر کے لئے جماعت شرط نہیں ہے اور جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے، تو چونکہ دونوں میں اختلاف ہے اسلئے جمعہ پر ظہر کی بناء نہ کرے بلکہ شروع سے ظہر کی نیت باندھے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے یہاں جمعہ پر ظہر کی بناء کر سکتا ہے۔ انکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن سعيد بن المسيب و أنس و الحسن قالوا : اذا أدرك من الجمعة ركعة أضاف اليها أخرى فاذا أدركهم جلوسا صلى أربعا ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۳۶۷، من قال یصلی أربعا اذا أدرکھم جلوسا، ج اول، ص۴۶۲، نمبر ۵۳۴۹) اس اثر میں ہے کہ امام کو جمعہ کی نماز تشہد میں بیٹھے ہوئے پایا تو اس پر ظہر کی بناء کرے گا، جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ پر ظہر کی بناء کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۶۱۲) جمعہ کی شرائط میں سے نماز سے پہلے خطبہ ہے۔

وجہ: (۱) ظہر کی نماز چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں اس لئے دو رکعت کے بدلے میں دو خطبے ہیں۔ اس لئے خطبہ جمعہ کی شرط ہے اسکے لئے یہ اثر ہے۔ عن عطاء بن ابی رباح و غيره و عن سعيد بن جبير قال : كانت الجمعة أربعا فجعلت الخطبة مكان الركعتين ۔ (سنن للبیھقی، باب وجوب الخطبة وانہ اذا لم یخطب صلی ظہرا اربعا، ج ثالث، ص ۲۷۸، نمبر ۵۷۰۳) اس اثر میں ہے کہ ظہر کی دو رکعت کے بدلے میں جمعہ کے دو خطبے ہیں۔ (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر

ﮯ لان النبی صلی الله علیه وسلم ماصلاها بدون الخطبة فی عمره (۶۱۳) وهی قبل الصلوة بعد الزوال ﴾ﮯ به وردت السنة (۶۱۴) ویخطب خطبتین یفصل بینهما بقعدة ﴾ ﮯ به جری التوارث

قال کان النبی ﷺ یخطب قائماثم یقعد ثم یقوم کما یفعلون الآن. (بخاری شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۲۵ نمبر ۹۲۰ رمسلم شریف، فصل یخطب الخطبتین قائما ص ۲۸۳ کتاب الجمعہ نمبر ۸۶۱/۱۹۹۴ر ابوداؤد شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو خطبے دیں گے اور دونوں کے درمیان امام بیٹھیں گے۔ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی نماز پڑھے گا اس کا ثبوت اس اثر میں ہے عن مصعب بن عمیر قال و بلغنا انه لا جمعة الا بخطبة فمن لم یخطب صلی اربعا . (سنن للبیهقی، باب وجوب الخطبة وانہ اذا لم یخطب صلی ظہرا اربعا، ج ثالث، ص ۲۷۸، نمبر ۵۷۰۲ رمصنف عبد الرزاق، باب الامام لا یخطب یوم الجمعة کم صلی، ج ثالث، ص ۱۷۳، نمبر ۵۲۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

ترجمه : ﮯ اسلئے کہ حضورؐ نے اپنی پوری عمر بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہیں پڑھی۔

تشریح :صاحب ھدایہ کی عبارت اس حدیث کی طرف اشارہ ہے. عن الزهری قال : بلغنا أن أول ما جمعتبالمدينة قبل أن يقدمها رسول الله ﷺ فجمع بالمسلمين مصعب بن عمير ، قال : و بلغنا أنه لا جمعة الا بخطبة فمن لم يخطب صلى أربعا . (سنن بیہقی، باب وجوب الخطبہ وانہ اذا لم یخطب صلی ظہرا أربعا، ج ثالث، ص ۲۷۸، نمبر ۵۷۰۲) اس حدیث مرسل میں ہے کہ خطبہ نہ دے تو ظہر کی نماز پڑھے۔

ترجمه: (۶۱۳) خطبہ نماز سے پہلے پڑھے اور زوال کے بعد پڑھے۔

ترجمه : ﮯ حدیث میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔

تشریح :حدیث سے یہی ثابت ہے کہ خطبہ سورج کے ڈھلنے کے بعد دے اور نماز سے پہلے دے، عید کی طرح نماز کے بعد نہ دے۔

عن عطاء قال : الخطبة يوم الجمعة قبل الصلوة . (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الخطبة، ج ثالث، ص ۱۱۲، نمبر ۵۴۲۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ پڑھے۔

ترجمه: (۶۱۴) دو خطبہ دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرے۔

ترجمه : ﮯ توارث ایسے ہی جاری ہے۔

تشریح : جمعہ کی نماز سے پہلے دو خطبہ دے اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھے، اور بیٹھنے کے ذریعہ دونوں خطبوں کے درمیان

(۶۱۵) ویخطب قائما علی الطهارة﴾

فصل کرے۔حضورؐ کے زمانے سے آج تک یہی طریقہ چلا آرہا ہے۔

لغت :۔توارث: وراثت سے مشتق ہے،حضورؐ کے زمانے سے آج تک علماء جس طرح کررہے ہیں اسکو توارث کہتے ہیں۔

وجه :حدیث میں اسکا ثبوت ہے(۱)عن عبد الله بن عمرؓ قال : کان النبی ﷺ یخطب خطبتین یقعد بینهما ۔ (بخاری شریف، باب القعدة بین الخطبتین یوم الجمعة ،ص ۱۴۹، نمبر ۹۲۸ رمسلم شریف باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة و ما فیهما من الجلسة ،ص ۲۸۳ کتاب الجمعه نمبر ۱۹۹۴/۸۶۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھے۔(۲)عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یخطب قائماثم یقعد ثم یقوم کما یفعلون الآن .(بخاری شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۲۵ نمبر ۹۲۰ رمسلم شریف باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة و ما فیهما من الجلسة ،ص ۲۸۳ کتاب الجمعه نمبر ۱۹۹۴/۸۶۱ رابوداؤد شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو خطبے دیں گے اور دونوں کے درمیان امام بیٹھیں گے۔

ترجمه: (۶۱۵)خطبہ دے گا کھڑے ہو کر طہارت پر۔

وجه: (۱)خطبہ کھڑے ہو کر دینے کی دلیل اوپر گزر گئی ہے۔(۲)یہ حدیث بھی ہے عن جابر بن سمرة ان رسول الله کان یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائما ممن حدثک انه کان یخطب جالسا فقد کذب (ابوداؤد شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۳ رمسلم شریف باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة و ما فیهما من الجلسة ،ص ۲۸۳ کتاب الجمعه نمبر ۱۹۹۶/۸۶۲)اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے۔(۳) آیت میں بھی اسکا اشارہ ہے کہ خطبہ کھڑا ہو کر دے آیت یہ ہے۔و اذا رأوا تجارة أو لهوا أنفضوا الیها و ترکوک قائما .(آیت ۱۱،سورة الجمعة ۶۲)اس آیت میں ہے کہ حضورؐ کو جمعہ کے وقت کھڑے ہوئے چھوڑ دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑا ہو کر دے۔

خطبہ کے لئے غسل بہتر ہے۔کیونکہ حدیث میں غسل کی تاکید ہے تاہم وضو ضروری ہے۔(۱) کیونکہ خطبہ دو رکعت نماز کے بدلے میں ہے اور اس کے بعد فورا نماز پڑھنا ہے اس لئے خطبہ کے لئے وضو ضروری ہے(۲)سمع عبد الله بن عمر یقول : سمعتُ رسول الله ﷺ یقول : من جاء منکم الجمعة فلیغتسل ۔(بخاری شریف، باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم ؟ ،ص ۱۴۴، نمبر ۸۹۴ مسلم شریف، باب وجوب غسل الجمعة علی کل بالغ ،ص ۳۴۱، نمبر ۱۹۵۷/۸۴۶) اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے لئے غسل کرنا چاہئے۔ (۳)عن ابی سعید الخدریؓ أن رسول الله ﷺ قال : غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم ۔(بخاری شریف، باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم؟ ،ص ۱۴۴، نمبر ۸۹۵ مسلم شریف، باب وجوب غسل الجمعة علی کل بالغ ،ص ۳۴۱، نمبر ۱۹۵۷/۸۴۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے غسل کرنا چاہئے۔اور وضو بھی کافی ہو جائے گا اسکے لئے حدیث ہے. عن ابی هریرة قال : قال رسول الله ﷺ من

۱؎ لان القيام فيها متوارث ۲؎ ثم هی شرط الصلوٰة فيستحب فيها الطهارة كالاذان (۲۱۶) ولو خطب قاعدا اوعلیٰ غيرطهارة ﴾ ۱؎ جاز لحصول المقصود(۲۱۷) الا انه يكره ﴾ ۱؎ لمخالفة التوارث.

توضأ فأحسن الوضوء ، ثم أتى الجمعة فاستمع و أنصت غفر له ما بينه و بين الجمعة ۔(مسلم شریف،باب فضل من استمع وأنصت فی الخطبۃ ،ص ۳۴۵،نمبر ۱۹۸۸/۸۵۷)اس حدیث میں ہے کہ وضو کرے گا اور جمعہ میں جائے گا تب بھی کافی ہو جائے گا۔

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ کھڑا ہونا توارث سے آرہا ہے۔

تشریح :حضورؐ کے زمانے سے یہ توارث سے آرہا ہے کہ امام کھڑا ہوکر ہی خطبہ دیتے آرہے ہیں۔اصل تو اوپر کی حدیث ہے۔

ترجمه : ۲؎ پھر خطبہ نماز جمعہ کی شرط ہے اسلئے خطبہ میں بھی طہارت مستحب ہے جیسے اذان میں طہارت مستحب ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔خطبہ نماز جمعہ کے لئے شرط ہے کہ بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست نہیں ہے،اسلئے جس طرح نماز کے لئے طہارت شرط ہے اس طرح خطبہ کے لئے بھی طہارت شرط ہونا چاہئے ،لیکن اگر شرط نہ ہو تو کم سے کم مستحب تو ہونا چاہئے ۔جس طرح اذان عام نماز کے لئے ضروری ہے تو اسکے لئے بھی وضو بہتر ہے اور مستحب ہے اسی طرح خطبہ کے لئے بھی طہارت مستحب ہونا چاہئے۔

ترجمه(۶۱۶) اور اگر بیٹھ کر خطبہ دیا یا بغیر طہارت کے خطبہ دے دیا تب بھی نماز جائز ہو جائے گی۔

ترجمه : ۱؎ مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : خطبہ نماز کا حصہ تو ہے لیکن نماز بہر حال نہیں ہے اسلئے بغیر طہارت کے خطبہ پڑھ دیا تو نماز ہو جائے گی،اسی طرح بیٹھ کر خطبہ دے دیا تو اچھا تو نہیں کیا لیکن نماز ہو جائے گی ۔کیونکہ خطبہ کا مقصد وعظ و نصیحت ہے اور وہ بغیر طہارت کے بھی حاصل ہو جاتی ہے اسلئے خطبہ اداء ہو جائے گا۔ عن طاؤس قال : لم يكن أبو بكر و لا عمر يقعدون على المنبر يوم الجمعة و أول من قعد معاوية . (مصنف ابن ابی شیبۃ من کان یخطب قائما، ج اول ،ص ۴۴۸،نمبر ۵۱۸۰)اس اثر میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بیٹھ کر خطبہ دیا جس سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر بھی خطبہ ہو جائے گا۔

ترجمه: (۶۱۷)مگر بیٹھ کر خطبہ دینا مکروہ ہے۔

ترجمه : ۱؎ توارث کہ مخالفت کی وجہ سے۔

تشریح : بیٹھ کر خطبہ دیا تو خطبہ ہو جائے گا،لیکن یہ حدیث اور سنت کے خلاف ہے اسلئے مکروہ ہے۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔عن

۲؎ وللفصل بينها وبين الصلوة (۶۱۸) فان اقتصر علیٰ ذکر الله جاز عند ابی حنیفة ؒ

ابن عمر قال کان النبی ﷺ یخطب قائما ثم یقعد ثم یقوم کما یفعلون الآن . (بخاری شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۲۵ نمبر ۹۲۰ / مسلم شریف باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة و ما فیهما من الجلسة ، ص ۲۸۳ کتاب الجمعه نمبر ۱۹۹۴/۸۶۱ / ابوداؤد شریف، باب الخطبة قائما ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۴) اس حدیث میں ہے کہ خطبہ کھڑا ہو کر دے

ترجمہ: ۲؎ اور فصل ہو جائے گا خطبہ اور نماز کے درمیان۔

تشریح :۔ اس جملے کا تعلق طہارت سے ہے، اور بغیر وضو کے خطبہ دینا مکروہ ہے اسکی دلیل عقلی ہے۔ یعنی اگر بغیر وضو کے خطبہ دے دیا تو اسکے بعد وضو کرنے جائے گا پھر نماز پڑھائے گا، تو نماز اور خطبہ کے درمیان وضو کرنے کا فصل ہوگا اسلئے بھی بغیر وضو کے خطبہ دینا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۶۱۸) پس اگر اللہ تعالی کے ذکر پر اکتفاء کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہو جائے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ خطبہ تو اتنا لمبا ہونا چاہئے جسکو عام عرف میں خطبہ کہتے ہیں، جس میں اللہ تعالی کی تعریف، قرآن کی آیت ہو، حضورؐ پر درود شریف ہو، عام لوگوں کے لئے نصیحت ہو۔ لیکن اگر کسی نے خطبہ کی غرض سے صرف الحمد للہ، کہہ دیا، سبحان اللہ، کہہ دیا تو اس سے خطبہ اداء ہو جائے گا یا نہیں؟ تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے خطبہ اداء ہو جائے گا اور اس سے نماز جائز ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں خطبہ کو ذکر فرمایا ہے، جسکا مطلب یہ ہوا کہ صرف ذکر سے خطبہ اداء ہو جائے گا۔ آیت یہ ہے ۔ یا ایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ۔ (آیت ۹ سورة الجمعة ۶۲) اس آیت میں فاسعوا الی ذکر اللہ، کہا، اور ذکر اللہ سے یہاں خطبہ مراد ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ کا ذکر الحمد للہ سے خطبہ اداء ہو جائے گا۔ (۲) حضرت عثمانؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو جمعہ کے خطبہ کے لئے اٹھے تو الحمد للہ، کہہ پائے اور کپکپی طاری ہو گئی اور نیچے اتر گئے اور اتنا ہی جملے سے خطبہ ہو گیا، وہاں کبار صحابہ موجود تھے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس سے خطبہ نہیں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ صرف الحمد للہ، کہنے سے خطبہ ہو جائے گا۔ (۳) اس حدیث میں بھی اسکا اشارہ ہے۔ قال ابو وائل : خطبنا عمار فأوجز و أبلغ ، فلما نزل قلنا : یا أبا الیقظان ! لقد أبلغت و أوجزت فلو کنت تنفست ! فقال انی سمعت رسول الله ﷺ یقول : ان طول صلوة الرجل و قصر خطبته مئنة من فقهه فأطیلوا الصلوة و اقصروا الخطبة ، و ان من البیان سحرا ۔ (مسلم شریف، باب تخفیف الصلوة والخطبة ، ص ۳۴۹ ، نمبر ۲۰۰۹/۸۶۹) اس حدیث میں ہے کہ خطبہ مختصر ہو تو بھی وہ خطبہ ہے (۴) عن جابر بن سمرة قال کانت خطبة النبی ﷺ قصدا و صلاته قصدا .

(٦١٩) وقالا لا بدمن ذكر طويل يسمى خطبة ﴾ لا ن الخطبة هى الواجبةوالتسبيحة والتحميدة لاتسمى خطبة ٢ وقال الشافعیؒ لايجوز حتى يخطب خطبتين اعتبار اللمتعارف

(مصنف ابن ابی شیبة، باب الخطبة تطول أو تقصر، ج اول ص ۴۵۰، نمبر ۵۱۹۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ مختصر ہو۔ اسکے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ذکر سے بھی خطبہ اداء ہو جائے گا (۵) اس کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا شعیب بن رزيق الطائفى ... فقام (رسول الله ﷺ) متوكئا على عصا او قوس فحمد الله واثنى عليه كلمات خفيفات طيبات مباركات (ابوداؤد شریف، باب الرجل یخطب علی قوس ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا خطبہ بہت مختصر ہوتا تھا (۲) اثر میں ہے۔عن الشعبى قال يخطب يوم الجمعة ما قل او كثر (مصنف عبد الرزاق، باب وجوب الخطبة ج ثالث ص ۲۲۲ نمبر ۵۴۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کم خطبہ ہو تب بھی کافی ہو جائے گا۔

ترجمه: (۶۱۹) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اتنا لمبا جملہ ہو کہ جسکو خطبہ کا نام دیا جا سکے۔

تشريح: صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنا لمبا خطبہ ہو جس کو خطبہ کہہ سکیں۔اس لئے کہ حضورؐ نے عموما اتنا لمبا خطبہ دیا ہے جس کو خطبہ کہہ سکتے ہیں۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ خطبہ واجب ہے اور تسبیح، یا الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے۔

تشريح: صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ نماز جمعہ کے لئے خطبہ واجب ہے تو کم سے کم اتنا لمبا خطبہ ہو کہ اسکو عرف عام میں خطبہ کہا جا سکے، اور صرف سبحان اللہ، یا الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے اسلئے صرف اتنا کہنے سے خطبہ اداء نہیں ہوگا۔اور اوپر جو مختصر خطبے کا ذکر تھا اس سے صرف الحمد للہ مراد نہیں ہے بلکہ مختصر خطبہ مراد ہے۔

ترجمه: ٢ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ خطبہ جائز نہیں ہوگا جب تک کہ دو خطبہ نہ دے۔عام عرف کا اعتبار کرتے ہوئے۔

تشريح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو خطبے ہوں تب خطبے کی ادائیگی ہوگی۔موسوعۃ کی عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ ...و اقل ما يقع عليه اسم خطبه من الخطبتين أن يحمد الله تعالى و يصلى على النبى ﷺ و يقرأ شيئا من القرآن فى الاولى ، و يحمد الله عز ذكره و يصلى على النبى ﷺ و يوصى بتقوى الله و يدعو فى الآخرة ... فان جعلها خطبتين لم يفصل بينهما بجلوس أعاد خطبته، فان لم يفعل صلى الظهر أربعا . (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب ادب الخطبۃ، ج ثالث، ص ۸۸، نمبر ۲۱۲۰) اس میں ہے کہ دو خطبے دے۔اور ایک خطبہ دیا تو ظہر کی نماز چار رکعت پڑھے۔

وجه: (۱) اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیشہ دو خطبے دئے ہیں۔حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمرؓ قال : كان النبى ﷺ يخطب خطبتين يقعد بينهما ۔(بخاری شریف، باب القعدة بین الخطبتین یوم الجمعة، ص ۱۴۹، نمبر ۹۲۸ / مسلم

٣ ولـه قـولـه تـعالىٰ فاسعوا الى ذكر اللّٰه من غير فصل ٤ وعـن عثـمانؓ انه قال الحمدللّٰه فارتج عليه فنزل وصلّٰی.(٦٢٠) ومـن شرائطها الجماعة ﴾ ١ لان الجمعة مشتقة منها واقلهم عند ابی حنيفةؒ ثلثة سوی الاما م و قالا اثنان سواه ﴾ ١ وقالؓ والاصح ان هٰذا قول ابی يوسفؒ وحده له ان فی المثنی معنی الاجتما ع وهی منبئة عنه

شریف باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ و ما فیھما من الجلسۃ ،ص ۲۸۳ کتاب الجمعہ نمبر ۱۹۹۴/۸۶۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے دو خطبے دئے۔

ترجمه: ٣ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ،فاسعوا الی ذکر اللہ ،بغیر تفصیل کے فرمایا۔

تشريح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آیت میں خطبہ کو ذکر فرمایا ،جس سے معلوم ہوا کہ صرف الحمد للہ جیسے ذکر کرنے سے خطبہ اداء ہو جائے گا۔

ترجمه: ٤ حضرت عثمانؓ کے بارے میں منقول ہے کہ الحمد للہ ،کہا پھر زبان رک گئی تو منبر سے نیچے اترے اور نماز پڑھائی۔

تشريح : اس اثر میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے صرف الحمد للہ ،کہا تو اس سے خطبہ اداء ہو گیا۔نوٹ :۔اسکا مجھے حوالہ نہیں مل سکا۔

ترجمه: (٦٢٠) جمعہ کے شرائط میں سے جماعت ہے اور کم سے کم ابوحنیفہ کے نزدیک تین آدمی ہوں امام کے علاوہ۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ جمعہ جماعت سے مشتق ہے۔۔اور کم سے کم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمی ہوں۔

تشريح : جمع جماعت سے مشتق ہے ،اسلئے جمعہ کی شرط یہ ہے کہ جماعت ہو۔امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ تین آدمی ہو تب جماعت ہوگی اور صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ امام کے علاوہ دو آدمی ہو تب بھی جماعت ہو جائے گی اور جمعہ ہو جائے گا۔

وجه: امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ام عبـد الله الدوسية قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول الجمعة واجبة علی اهل كل قرية وان لم يكونوا الا ثلثة ورابعهم امامهم . (دار قطنی ،باب الجمعۃ علی اہل قریۃ ج ثانی ص ۷ نمبر ۱۵۷۸) اس حدیث سے معلوم ہو کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تب جمعہ ہوگا۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی ہوں۔

ترجمه: ١ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قول صرف حضرت امام ابو یوسفؒ کا ہے۔انکی دلیل یہ ہے کہ دو میں بھی اجتماع کا معنی ہے ،اور لفظ جمعہ بھی اجتماع کا خبر دیتا ہے۔

تشريح : صاحبین فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ دو آدمی ہوں تب بھی جماعت ہو جائے گی اور جمعہ ہو جائے گا۔ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ قول صاحبینؒ کا نہیں ہے بلکہ صرف حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔اور امام محمدؒ کا قول امام ابو

۲ ولهما ان الجمع الصحيح انما هو الثلث لانه جمع تسمية ومعنى ۳ والجماعة شرط على حدة وكذا الامام فلا يعتبر منهم(۶۲۱) وان نفر الناس قبل ان يركع الامام ويسجد الاالنساء والصبيان استقبل الظهر عند ابی حنيفة ؒ

حنیفہؒ کے ساتھ ہے کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تب جماعت ہوگی۔

وجـــه : امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا آدمی ہوتو پہلے کے ساتھ جمع ہو جائے گا اور جماعت کا معنی ہو جائے گا اور جمعہ جماعت سے مشتق ہے اسلئے دوسرے آدمی کے ساتھ جماعت ہوگئی۔اسلئے دو آدمی سے بھی جماعت ہو جائے گی،اور جمعہ ہو جائے گا

لغت : المثنی: دو آدمی۔منبئۃ: خبر دیتا ہے۔

ترجمه: ۲ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ صحیح جمع تین آدمی سے ہوتا ہے اسلئے کہ وہ نام کے اعتبار سے بھی جمع ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی جمع ہے۔

تشریح : طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت۔ يا ايها الذين آمنوا اذا نودی للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الی ذكر الله وذروا البيع ۔(آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) میں فاسعوا ،جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے،تین کا عدد نام کے اعتبار سے بھی جمع ہے اور معنی کے اعتبار سے بھی جمع ہے اسلئے امام کے علاوہ تین آدمی ہونا چاہئے۔عربی میں دو کو تثنیہ کہتے ہیں ،صرف وراثت اور وصیت میں مجبوری کے درجے میں دو کو جمع کا درجہ دیا گیا ہے۔

ترجمه: ۳ اور جماعت علاحدہ شرط ہے۔اور اسی طرح امام کا ہونا علاحدہ شرط ہے اسلئے امام کو مقتدیوں میں سے شمار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :آیت۔فاسعوا الی ذکر اللہ میں دو باتیں ذکر کی گئیں ہیں [۱] ایک فاسعوا میں جمع کا صیغہ جس کی وجہ سے تین مقتدی کا ہونا ضروری ہے یہ علاحدہ شرط ہے [۲] اور دوسرا ہے خود ذکر کرنے والا امام جو الگ شرط ہے اسلئے تین مقتدیوں کے علاوہ چوتھا امام کا ہونا ضروری ہے۔اسلئے ان دونوں کو ملا کر چار آدمی ہو تب جمعہ کی جماعت ہوگی۔۔اصل تو اوپر والی حدیث ہے جس میں امام کے علاوہ تین مقتدی ضروری ہے۔

ترجمه: (۶۲۱) اگر مقتدی امام کے رکوع اور اسکے سجدے سے پہلے بھاگ جائے سوائے عورتوں اور بچوں کے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شروع سے ظہر پڑھے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جمعہ میں جماعت ضروری ہے،اب کہاں تک جماعت ضروری ہے اس بارے میں اختلاف ہے۔[۱] صاحبینؒ کے یہاں تحریمہ باندھنے تک ضروری ہے۔یعنی کم سے کم تین آدمی تحریمہ باندھنے تک موجود رہے۔[۲] امام ابو

(۲۲۲) وقالا اذا نفروا عنه بعد ما افتتح الصلوٰة صلى الجمعة فان نفروا عنه بعد ما ركع وسجد سجدة بنى على الجمعة﴾

حنیفہؒ کے یہاں پہلی رکعت کا سجدہ کرنے تک جماعت ضروری ہے۔[۳] اور امام زفرؒ کے یہاں سلام پھیرنے تک جماعت کا باقی رہنا ضروری ہے۔

تشریح مسئلہ یہ ہے۔ کہ امام کے رکوع کرنے اور سجدہ کرنے سے پہلے یعنی ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے مرد بھاگ گئے صرف عورتیں یا بچے باقی رہے، یعنی مردوں کی جماعت نہ رہی تو اب امام شروع سے ظہر کی نیت باندھ کر ظہر کی نماز پڑھے گا، جمعہ کی نماز نہیں پڑھے گا۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جمعہ پڑھنے کے لئے ایک رکعت پوری ہونے تک مرد کی جماعت باقی رہنا ضروری ہے، اور یہاں رکوع سے پہلے مرد چلے گئے اور کم سے کم تین آدمی بھی باقی نہ رہے اسلئے جماعت نہ رہی اسلئے اب جمعہ نہیں پڑھے گا، ظہر پڑھے گا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ جمعہ کی نماز اور ہے اور ظہر کی نماز الگ ہے، اسلئے جمعہ پر ظہر کی نماز کا بناء نہیں کر سکتا، اسلئے الگ سے ظہر کی نیت باندھے گا۔ (۲) اس حدیث میں ہے۔ **عن ابی هريرة قال : أن النبی ﷺ قال : اذا ادرک أحدكم الركعتين من يوم الجمعة فقد أدرک الجمعة و اذا ادرک رکعة فليركع اليها أخرى ، و ان لم يدرک رکعة فليصل أربع ركعات** ۔ (دار قطنی، باب فیمن یدرک من الجمعة رکعة أولم یدرکھا، ج ثانی، ص ۹، نمبر ۱۵۸۶) اس حدیث میں ہے کہ ایک رکعت پائے تو جمعہ پڑھے اور اس سے کم پائے تو چار رکعت ظہر پڑھے۔ (۳) اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ **قال عبد الله [بن عمر] : من ادرک رکعة من الجمعة فليصل اليها أخرى و من لم يدرک الركوع فليصل أربعا** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال اذا ادرک رکعة من الجمعة صلی الیھا أخری، ج اول، ص ۴۶۱، نمبر ۵۳۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک رکعت یعنی رکوع تک ملے تو جمعہ کی نماز پڑھے، اور اس سے کم ملے تو ظہر کی نماز پڑھے۔ (۴) سجدہ سے پہلے ایک رکعت پوری نہیں ہوتی اور جب تک ایک رکعت نہ ہو تو جمعہ کا انعقاد نہیں ہوتا اسلئے ایک رکعت یعنی سجدہ تک تین آدمی رہنا ضروری ہے۔
اور عورتیں اور بچے باقی رہ جائیں تو ان سے جماعت نہیں ہوگی، کیونکہ ان سے جمعہ قائم نہیں ہوتا اسلئے انکی جماعت کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ : (۶۲۲) صاحبینؒ نے فرمایا کہ نماز شروع ہونے کے بعد مرد بھاگے تو جمعہ پڑھے اور اگر رکوع اور ایک سجدہ کے بعد بھاگے تو جمعہ کا بناء کرے

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر جمعہ کی نماز سے پہلے تین آدمیوں کی جماعت تھی اور نماز کا تحریمہ باندھنے کے بعد ایک دو مرد رہ گیا تب بھی جمعہ پڑھے۔ اور اگر پہلی رکعت کے سجدہ کرنے تک جماعت رہی تو سب کے نزدیک جمعہ پڑھے، کیونکہ ایک

۱ خلافا لزفرؒ ، هو يقول انه شرط فلا بد من دوامه كالوقت ۲ و لهما ان الجماعة شرط الانعقاد فلا يشترط دوامها كالخطبة ۳ ولابی حنفية ان الانعقاد بالشروع فی الصلوٰة ولایتم ذٰلک الابتمام الرکعة لان مادونها ليس بصلوٰة فلا بدمن دوامها اليها

رکعت مکمل ہوگئی ہے۔

وجـــه : انکی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے منعقد ہونے کے لئے جماعت شرط ہے،اورتحریمہ کے بعد جمعہ منعقد ہوگیا اسلئے اسکے بعد جماعت نہ بھی رہے تو جمعہ ہو جائے گا، کیونکہ جمعہ شروع ہو چکا ہے۔ (۲) جس طرح خطبہ جمعہ کے ختم تک رہنا ضروری نہیں بلکہ صرف پہلے پڑھ دینا کافی ہے اسی طرح جماعت جمعہ کے ختم تک رہنا ضروری نہیں صرف جمعہ کے شروع ہونے تک رہنا کافی ہے۔

ترجمه: ۱ امام زفرؒ اسکے خلاف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جماعت شرط ہے اسلئے اسکا اخیر تک رہنا ضروری ہے جیسے کہ وقت۔

تشـــریح : امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ سلام پھیرنے تک جماعت رہے تب تو جمعہ پڑھے، اوراس سے پہلے مرد بھاگ جائے تو جمعہ کے بجائے ظہر پڑھے۔انکی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے، تو جس طرح جمعہ کے لئے وقت شرط ہے تو اسکا آخیر تک رہنا شرط ہے اگر جمعہ کے سلام پھیرنے سے پہلے ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو جمعہ کے بجائے ظہر پڑھے گا، اسی طرح جماعت کا سلام پھیرنے تک رہنا ضروری ہے اگر سلام پھیرنے سے پہلے بھی جماعت نہیں رہی تو جمعہ نہیں پڑھے گا ظہر پڑھے گا۔

تـرجـمـه: ۲ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جماعت جمعہ کے منعقد ہونے کے لئے شرط ہے اسلئے خطبہ کی طرح اسکو آخیر تک رہنا ضروری نہیں۔

تشریح :یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔کہ جماعت جمعہ کے منعقد ہونے کے لئے شرط ہے، پس جب جمعہ منعقد ہوگیا، یعنی جمعہ شروع ہوگیا تو اب جماعت کی چنداں ضرورت نہیں رہی اسلئے اب جماعت نہ بھی رہی تو جمعہ ہو جائے گا۔۔جس طرح خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے، لیکن جب خطبہ پڑھ دیا گیا تو اب اسکی ضرورت نہیں رہی، اسی طرح جمعہ منعقد ہوگیا تو اب جماعت کی ضرورت نہیں رہی۔

تـرجـمـه: ۳ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کا منعقد ہونا نماز میں شروع ہونے سے ہے اور ایک رکعت پوری ہونے سے پہلے انعقاد پورا نہیں ہوتا، اسلئے کہ ایک رکعت سے پہلے نماز ہی نہیں ہے اسلئے ایک رکعت کے پورے ہونے تک جماعت کا دوام ضروری ہے۔

تشـریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جماعت جمعہ کے انعقاد کے لئے ضروری ہے لیکن جب تک ایک رکعت پوری نہ ہو نماز منعقد نہیں ہوتی اسلئے ایک رکعت پوری ہونے تک جماعت رہنی چاہئے۔اسلئے کہ ایک رکعت سے پہلے گویا کہ نماز نہیں ہے۔

۴ بخلاف الخطبة فانها تنافی الصلوٰة فلا يشترط دوامها ۵ ولا معتبر ببقاء النسوان وكذا الصبيان لانه لاتنعقدبهم الجمعة فلاتتم بهم الجماعة (۲۲۳) ولا تجب الجمعة علی مسافرولا امرأة ولا مريض ولا عبدولا اعمی﴾

ترجمه: ۴ بخلاف خطبہ کے اسلئے کہ وہ نماز کے منافی ہے اسلئے اسکا ہمیشہ رہنا شرط نہیں ہے۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے۔انہوں نے استدلال کیا تھا کہ جس طرح خطبہ کا جمعہ کے آخیر تک رہنا ضروری نہیں اسی طرح جماعت کا آخیر تک رہنا ضروری نہیں ہے،اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ خطبہ نماز کے اندر نہیں پڑھ سکتا ورنہ نماز ہی فاسد ہو جائے گی، اسلئے خطبہ اور نماز کے درمیان تنافی ہے اسلئے نماز کے آخیر تک خطبہ نہیں رہ سکتا،اسکے برخلاف جماعت کا نماز کے ساتھ تنافی نہیں ہے بلکہ وہ شرط ہے اسلئے اسکا نماز کی پہلی رکعت تک رہنا ضروری ہے ۔

ترجمه: ۵ عورتوں کے باقی رہنے کا اعتبار نہیں،اسی طرح بچوں کے باقی رہنے کا اعتبار نہیں ہے اسلئے کہ ان سے جمعہ منعقد نہیں ہوتا،اس لئے ان سے جماعت بھی مکمل نہیں ہوگی۔

تشریح : متن میں الا النساء و الصبیان : کی تشریح ہے کہ اگر سب مرد رکوع سجدے سے پہلے چلے گئے اور عورتیں اور بچے باقی رہ گئے تو ان سے جماعت نہیں ہوگی اور جمعہ بھی نہیں ہوگا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ان پر جمعہ فرض نہیں ہے،اور نہ ان سے جمعہ منعقد ہوتا ہے اسلئے انکے باقی رہنے سے جماعت نہیں ہوگی اسلئے امام کو جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنا ہوگا۔

ترجمه: (۶۲۳) جمعہ واجب نہیں ہے مسافر پر،نہ عورت پر،نہ مریض پر،نہ بچے پر،نہ غلام پر،نہ اندھے پر۔

تشریح :[۱] مسافر[۲] عورت[۳] بیمار[۴] بچے[۵] غلام[۶] اور اندھے پر جمعہ واجب نہیں ہے،البتہ اگر یہ لوگ جمعہ پڑھ لیں تو ادا ہو جائے گا اور ظہر کی نماز کے بدلے میں جمعہ ہو جائے گا۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض (ابوداؤد شریف،باب الجمعة للمملوک والمرأة ص ۱٦۰ نمبر ۱۰٦۷) دار قطنی میں اومسافر کا لفظ بھی ہے (دار قطنی ، باب من تجب علیہ الجمعة ج ثانی ص ۳ نمبر ۱۵٦۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔کیونکہ جمعہ کے لئے بعض مرتبہ دور جانا پڑتا ہے جس کے لئے مذکورہ لوگوں کو جانے میں حرج ہوتا ہے۔نابینا کو بھی جانے میں حرج ہے اس لئے اس پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے۔(۲) نابینا کے لئے یہ اثر ہے. عن الحسن قال ليس علی الخائف و لا علی العبد يخدم أهله و لا علی ولی الجنازة و لا علی الاعمی اذا لم يجد قائدا الجمعة ۔(مصنف ابن ابی شیبة ، باب من رخص فی ترک الجمعة ، ج اول ص ۴۷۹ ، نمبر ۵۵۲۹) اس اثر میں ہے کہ نابینا کو مسجد تک

لے لان المسافر یحرج فی الحضور وکذا المریض والاعمیٰ والعبد مشغول بخدمة المولیٰ والمرأة بخدمة الزوج فعذروا دفعاً للحرج والضرر(۶۲۴) فان حضروا فصلوا مع الناس اجزاهم عن فرض الوقت ﴾لے لانهم تحملوه فصاروا کالمسافر اذا صام (۶۲۵) ویجوز للمسافر والعبد والمریض ان

لیجانے والا نہ ہوتو اس پر جمعہ نہیں ہے۔

ترجمہ : لے اسلئے کہ مسافر کے حاضر ہونے میں اسکو حرج ہے، ایسے ہی بیمار، اور اندھا کو حرج ہے، اور غلام آقا کی خدمت میں مشغول ہے، اور عورت شوہر کی خدمت میں ہے اسلئے حرج اور ضرر کو دور کرنے کے لئے معذور قرار دے دئے گئے۔

تشریح :مسافر سفر کر رہا ہے پس اگر اسکو جمعہ میں حاضر ہونے کے لئے کہا جائے تو سفر میں حرج ہوگا اور نقصان ہوگا اسلئے اس حرج اور نقصان کو دور کرنے کے لئے یہ کہا گیا کہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ یہی حال بیمار کا ہے، یہی حال اندھے کا ہے کہ اسکو جامع مسجد تک جانے میں حرج ہوگا، اسلئے اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ اور غلام آقا کی خدمت میں مشغول ہے، عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہے اسلئے جامع مسجد تک جانے میں اسکو حرج ہوگا اسلئے ان پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۶۲۴) اگر یہ لوگ حاضر ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی تو ان کو وقتی فرض سے کافی ہو جائے گا۔

تشریح: ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر ان لوگوں نے جمعہ پڑھ لیا تو ظہر ان سے ساقط ہو جائے گی۔

وجہ: (۱) کیونکہ جمعہ اگر چہ واجب نہیں ہے لیکن ظہر اور جمعہ میں سے ایک ان پر واجب ہے۔ اس لئے اگر جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کے بدلے میں ادا ہو جائے گا۔ (۲) یہ اثر ان کی دلیل ہے عن الحسن قال ان جمعن مع الامام اجزأهن من صلوة الامام. (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۴۰ المرأة تشهد الجمعة اتجزیٔھا صلوة الامام، ص ۴۴۶، نمبر ۵۵۶۱) (۳) عن الزهری قال سألته عن المسافر یمر بقریة فینزل فیها یوم الجمعة قال اذا سمع الاذان فلیشهد الجمعة (مصنف عبد الرزاق، باب من تجب علیہ الجمعة ص ۱۷۴، نمبر ۵۲۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ جمعہ میں حاضر ہو جائے تو ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ انہوں نے اسکو برداشت کر لیا تو ایسا ہو گیا کہ مسافر نے روزہ رکھ لیا۔

تشریح : اگر ان معذور لوگوں نے جمعہ پڑھ لیا تو جمعہ کی ادائیگی ہو جائے گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مشقت میں نہ پڑے اسلئے ان پر جمعہ واجب نہیں رکھا، لیکن ان لوگوں نے خود ہی جمعہ کی مشقت کو برداشت کر لیا تو اسکے لئے جمعہ جائز ہو گیا، جیسے مسافر رمضان کا روزہ رکھنا فرض نہیں ہے لیکن مشقت برداشت کر کے روزہ رکھ ہی لیا تو روزہ ہو جائے گا، اسی طرح ان لوگوں نے جمعہ پڑھ لیا تو جمعہ ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۶۲۵) غلام، مسافر اور مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ جمعہ میں امامت کرے۔

يؤم فی الجمعة﴾ ۱؎ وقال زفرؒ لا یجزیه لانه لافرض علیه فاشبه الصبی والمرأة ۲؎ ولنا ان هذا رخصة فاذا حضروا یقع فرضا علی مابینا ۳؎ اما الصبی فمسلوب الاهلیة والمرأة لاتصلح لامامة الرجال ۴؎ وتنعقدبهم الجمعة لانهم صلحوا للامامة فیصلحون للاقتداء بطریق الاولی

وجه: یہ لوگ عاقل بالغ ہیں اور امامت کے قابل ہیں۔البتہ ان لوگوں کی سہولت کے لئے ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں کیا گیا ہے۔لیکن مشقت برداشت کر کے جمعہ میں آ گئے اور جمعہ کی امامت بھی کر لی تو امامت صحیح ہو جائے گی۔البتہ عورت اور بچہ عام نمازوں میں امامت کے قابل نہیں ہیں اس لئے جمعہ کی بھی امامت نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی امامت جائز نہیں اسلئے کہ ان پر فرض نہیں، اسلئے یہ لوگ بچے اور عورت کے مشابہ ہو گئے۔

تشریح : مسافر اور غلام اور مریض نے جمعہ کی امامت کرائی تو امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ انکی امامت صحیح نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں پر جمعہ واجب ہی نہیں ہے اسلئے انکی امامت کافی نہیں ہوگی۔تو یہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے بچے اور عورت کی امامت، کہ انکی امات کافی نہیں تو مریض، غلام، اور مسافر کی امامت بھی کافی نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ جمعہ میں حاضر نہ ہونا یہ انکے لئے رخصت ہے، پس جب حاضر ہو گئے تو فرض واقع ہو جائے گا ،جیسا کہ اوپر بیان کیا۔

تشریح : مسافر، مریض، اور غلام کی امامت کی دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں پر جمعہ واجب اسلئے نہیں ہے کہ انکو آنے میں حرج ہوگا، لیکن جب آ ہی گئے تو جمعہ فرض اداء ہو جائے گا، اور جب فرض اداء ہو جائے گا تو امامت بھی کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بہرحال بچہ تو اس میں امامت کی اہلیت ہی نہیں ہے۔اور عورت تو وہ مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

تشریح : بچے کی امامت اسلئے درست نہیں ہے کہ اس پر نماز ہی فرض نہیں ہے اور حکم کا مخاطب بھی نہیں ہے۔اور عورت کے بارے میں پہلے بتایا کہ یہ مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اسلئے وہ امامت نہیں کر سکتی۔

ترجمہ: ۴؎ مسافر، مریض، اور غلام کی جماعت سے جمعہ منعقد ہو جائے گا اسلئے کہ یہ لوگ جب امامت کی صلاحیت رکھتے ہیں تو بطریق اولی اقتداء کی بھی صلاحیت رکھیں گے۔

تشریح : یہ جملہ امام شافعیؒ کے مسلک کو رد کرنے لئے ہے۔ان کا مسلک یہ ہے کہ مسافر، غلام، اور بیمار امامت تو کر سکتے ہیں، لیکن اگر صرف یہی لوگ اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں کہ جمعہ کہ جماعت ہو جائے تو انکی جماعت سے جمعہ قائم نہیں ہوگا۔۔تو امام ابو حنیفہؒ انکا جواب دے رہے ہیں کہ اگر صرف یہی لوگ چار آدمی جمع ہو جائیں تب بھی جمعہ قائم ہو جائے گا۔اور اسکی دلیل یہ ہے کہ

(۶۲۶) ومن صلى الظهر فى منزله يوم الجمعة قبل صلوٰة الامام ولا عذرله كره له ذٰلک وجازت صلاته﴾ ؎ وقال زفرؒ لايجزيه لان عنده الجمعة هى الفريضة اصالة والظهر كالبدل عنها ولا مصير الى البدل مع القدرة على الاصل ؎ ولنا ان اصل الفرض هو الظهر فى حق الكافة هذا هو الظاهر الاانه مامور باسقاطه باداء الجمعة

جب ان لوگوں میں اتنی استطاعت ہے کہ جمعہ کا امام بن سکے تو یہ لوگ جمع ہو جائیں تو بدرجہ اولی جمعہ بھی قائم کر سکتے ہیں ۔اسلئے یہ لوگ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ انکی اقتداء میں جمعہ قائم ہو جائے ۔۔ یہاں اقتداء سے مراد ہے صرف انکی جماعت کر کے امام کی اقتداء کرنا۔

ترجمه: (۶۲۶) اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر نہیں تھا تو یہ اس کے لئے مکروہ ہے ۔لیکن ظہر کی نماز جائز ہو جائے گی۔

وجه: مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے **عن طارق بن شهاب عن النبى ﷺ قال الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة** (ابوداؤد شریف، باب الجمعة للمملوک والمرأة ص۱۶۰ نمبر ۱۰۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ ہر مسلمان پر بشرط مذکورہ واجب ہے ۔اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام کی نماز سے پہلے پڑھی تو مکروہ ہے (۲) دوسری حدیث ہے **عن ابى الجعد الضمرى وكانت له صحبة ان رسول الله ﷺ قال من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه** (ابوداؤد شریف، باب التشدید فی ترک الجمعة ص۱۵۸ نمبر ۱۰۵۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں ۔اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی تو مکروہ ہے (۳) **فاسعوا الى ذكر الله** میں فاسعوا امر وجوب کے لئے ہے ۔اور انہوں نے بغیر عذر کے امر کو چھوڑا اس لئے مکروہ ہے ۔البتہ چونکہ اصل مین ظہر ہی ہے اس لئے ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمه: ؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ اسکو ظہر کافی نہیں ہے اسلئے کہ انکے نزدیک اصل فرض جمعہ ہی ہے اور ظہر اسکا بدلہ ہے اور اصل پر قدرت رکھتے ہوئے بدل پر جانا جائز نہیں ہے۔

تشريح :۔امام زفرؒ کی رائے ہے کہ آدمی کو عذر نہ ہو اور امام سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لے تو اسکی ظہر کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ انکے یہاں جمعہ کی نماز اصل فرض ہے اور ظہر اس کا بدل ہے ۔اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل پر قدرت کے وقت بدل پر عمل نہیں کیا جا سکتا، اور اس نے اصل پر قدرت کے باوجود بدل پر عمل کیا ہے اسلئے بدل یعنی ظہر ادا نہیں ہوگا۔

ترجمه: ؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ تمام کے حق میں اصل فرض وہ ظہر ہے، یہی ظاہر ہے یہ اور بات ہے کہ جمعہ کے ادا کرنے کی وجہ

٣ؐ وهٰذا لانہ متمکن من اداء الظهر بنفسه دون الجمعة لتوقفها علیٰ شرائط لاتتم به وحده علی التمکن یدور التکلیف(٦٢٧) فان بداله ان یحضرها فتوجه الیها والامام فیها بطل ظهره عندابی

سے ظہر کو ساقط ہونے کا حکم دے دیا گیا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ تھا کہ جمعہ سے پہلے ظہر گھر میں پڑھ لیا تو کراہیت کے ساتھ ظہر ادا ہو جائے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد عورت، مسافر مریض ہر ایک کے حق میں ظہر اصل فرض ہے، یہ اور بات ہے کہ جمعہ پڑھ لیا تو اسکے بدلے میں ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٣ؐ اصل میں ظہر کے فرض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ظہر خود اپنے سے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے نہ کہ جمعہ، اسلئے کہ جمعہ ایسے شرطوں پر موقوف ہے کہ اکیلا پورا نہیں کر سکتا، اور اکیلے ہی پورا کرنے پر تکلیف کا مدار ہوتا ہے۔

تشریح : ظہر اصل فرض ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے۔

وجہ :(۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ ظہر مرد، عورت، مسافر، مقیم، بیمار تندرست سب پر فرض ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ظہر اصل فرض ہے [۲] آدمی اکیلا بھی ہو تو ظہر پڑھ سکتا ہے، لیکن جمعہ اکیلے میں نہیں پڑھ سکتا، اسکے لئے تو جماعت کی شرط ہے تو گویا کہ دوسرے کے بھروسے پر جمعہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالی کا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے کے بھروسے پر کسی بات کا مکلّف نہیں بناتے بلکہ جس بات کا مکلّف بناتے ہیں اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ آدمی بغیر دوسرے کی مدد کے کر سکے۔ اب ظہر کو دیکھتے ہیں کہ بغیر دوسرے کی مدد کے ادا کر سکتا ہے، اسلئے وہ اصل فرض ہونا چاہئے۔ اور جمعہ کا حال یہ ہے کہ بغیر جماعت کے اور تین آدمیوں کے جمع ہونے سے پہلے ادا نہیں کر سکتا، اسلئے اسکو فرع ہونا چاہئے [۳] حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر کا حکم سب کو ہے اور بغیر کسی فرق کے ہے اسلئے بھی ظہر کو اصل ہونا چاہئے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن عمر و عن النبی ﷺ أنه قال : وقت الظهر ما لم تحضر العصر** ۔(ابوداود شریف، باب فی المواقیت، ص ٦٩، نمبر ٣٩٦) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک عصر کا وقت نہ شروع ہو جائے۔ اور یہ سب کے لئے عام ہے، اسلئے ظہر کی نماز اصل ہے، اور جمعہ فرع ہے اسلئے جمعہ سے پہلے بغیر عذر کے ظہر پڑھ لیا تو ادا ہو جائے گا۔

لغت : یجزیہ: کافی ہونا جائز ہونا۔ اصالۃ: اصل سے مشتق ہے، اصل ہونا۔ مصیر: صار سے مشتق ہے چلنا، اختیار کرنا۔ کافۃ: سب کے لئے۔ متمکن: تمکن سے مشتق ہے، قدرت ہو۔ لاتتم بہ وحدہ: اکیلا پورا نہیں کر سکتا۔ تم، کا ترجمہ ہے پورا کرنا، یا پورا ہونا۔ وعلی التمکن یدور التکلیف: اور اپنی قدرت پر تکلیف کا مدار ہوتا ہے۔ تمکن کا ترجمہ ہے قدرت۔ تکلیف کا ترجمہ ہے مکلّف بنانا۔

ترجمہ: (٦٢٧) پس اگر اس کا خیال ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے۔ پس اسکی طرف متوجہ ہوا اور امام جمعہ کی نماز میں ابھی

حنیفۃ بالسعی وقالا لایبطل حتی یدخل مع الامام﴾ ل لان السعی دون الظھر فلا ینقضہ بعدتمامہ والجمعۃ فوقھا فینقضھا وصار کما اذا توجہ بعدفراغ الامام

ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کی طرف سعی کرتے ہی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی۔اور صاحبین نے فرمایانہیں باطل ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔

تشریح : جمعہ کی طرف چلنے کوسعی الی الجمعۃ کہتے ہیں۔۔ایک شخص نے امام کے جمعہ پڑھنے سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی، ابھی امام جمعہ کی نماز میں تھے کہ یہ آدمی مسجد کی طرف چل پڑا تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گھر سے چلتے ہی اسکی ظہر کی نماز باطل ہوکر نفل بن گئی،اب اگر جمعہ کی نماز میں شریک ہوگیا تب تو جمعہ پڑھے،اوراگر جمعہ کی نماز میں شریک نہ ہوسکا تو دوبارہ ظہر کی نماز پڑھے کیونکہ اسکی ظہر کی نماز باطل ہوچکی ہے

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ صرف گھر سے چلنے سے ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی، بلکہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوگا تو ظہر کی نماز باطل ہوگی اور اگر جمعہ کی نماز میں شریک نہ ہوسکا تو ظہر کی نماز بحال رہے گی،اسکو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔اوراگر امام جمعہ کی نماز سے فارغ ہو چکا ہے اسکے بعد گھر سے نکلا تو سب کے نزدیک ظہر باطل نہیں ہوگی،اسکو دوبارہ ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ :(۱)امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ ابتداء شیء میں شریک ہونا گویا کہ اصل شیء میں شریک ہونا ہے۔اسی اصول پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا چلنا جمعہ کی خصوصیات میں سے ہےاوراس نے گھر سے چل کر سعی کی تو گویا کہ جمعہ کا ابتدائی حصہ پالیا تو گویا کہ جمعہ میں شریک ہوگیااورابھی اوپر گزرا کہ جمعہ میں شریک ہوجائے تو ظہر باطل ہوجاتا ہےاسلئے جمعہ کی طرف سعی کرنے سے ظہر باطل ہوجائے گا۔

صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ اصل پر پورے طور پر قادر ہوگا تب ہی فرع باطل ہوگا۔۔اب جمعہ کی طرف سعی اصل نہیں ہے یہ تو اصل سے بہت پہلے کی چیز ہےاسلئے جمعہ کی طرف سعی کرنے سے ظہر باطل نہیں ہوگا،ہاں اصل جمعہ میں شریک ہوجائے تب ظہر باطل ہوگا ،کیونکہ اصل پرقدرت سے بدل باطل ہوجاتا ہے۔۔اورظہر کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن ظہر چھوڑ کر جمعہ پڑھنے کے لئے کہا تو جمعہ اعلی ہوا،اسلئے اعلی پرقدرت کی وجہ سے ادنی باطل ہوجائے گا

اصول : امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ابتداء شیء کوبعض مرتبہ اصل کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔

اصول : صاحبینؒ کے یہاں بالکل اصل پر جب تک قدرت نہ ہو بدل باطل نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ جمعہ کی طرف چلنا ظہر کی نماز سے کم درجہ ہےاسلئے ظہر کے مکمل ہونے کے بعد سعی اسکونہیں توڑے گا، اور جمعہ میں شریک ہونا ظہر سے اوپر کا درجہ ہے،اسلئے جمعہ میں شریک ہونا ظہر کو توڑ دے گا۔تو جمعہ کی طرف سعی ایسا ہوا کہ امام کے

۲ وله ان السعی الی الجمعة من خصائص الجمعة فینزّل منزلتها فی حق ارتفاض الظهر احتیاطا ۳ بخلاف ما بعد الفراغ منها لانه لیس بسعی الیها. (۶۲۸) ویکره ان یصلی المعذورون الظهر بجماعة یوم الجمعة فی المصر وکذا اهل السجن ﴾

فارغ ہونے کے بعد مسجد کی طرف چلا۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ جمعہ کی طرف چلنا ظہر سے کم درجہ ہے، اسلئے ظہر کی نماز جب مکمل ہوگئی جمعہ کی طرف چلنا اسکو نہیں توڑ سکے گا۔ اور خود جمعہ ظہر سے اعلی درجے کا ہے اسلئے جمعہ میں شرکت کے بعد جمعہ ظہر کو توڑ دے گا اور باطل کر دے گا۔ تو جس طرح امام جمعہ پڑھکر فارغ ہو جائے اور آدمی جمعہ کی طرف سعی کرے تو اس سے ظہر باطل نہیں ہوتا۔ اسی طرح جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے جمعہ کی طرف سعی کرے تو اس سے ظہر باطل نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا جمعہ کی خصوصیات میں سے ہے اسلئے ظہر کے توڑنے میں سعی کو احتیاط کے طور پر جمعہ کے درجے میں اتار دیا جائے گا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا جمعہ کی خصوصیات میں سے ہے اسلئے جمعہ کی طرف سعی کرنے کو جمعہ کے درجے میں رکھ دیا گیا اسی میں احتیاط ہے، اور جب جمعہ شروع کر دیا گیا تو ظہر ٹوٹ جائے گا۔ اسلئے ظہر باطل کر دیا گیا۔

لغت : ارتفاض: کا معنی ہے چھوڑنا۔

ترجمہ: ۳ بخلاف جبکہ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کرے تو وہ جمعہ کی طرف سعی نہیں ہے۔

تشریح : یہ امام صاحبین کو جواب ہے۔ انہوں نے استدلال فرمایا تھا کہ امام جمعہ سے فارغ ہو جائے اسکے بعد سعی کرے تو اس سے ظہر باطل نہیں ہوتا، اسی طرح جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے سعی کرے تو اس سے بھی ظہر باطل نہیں ہوگا۔ اسکو جواب دے رہے ہیں کہ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کرنا جمعہ کی طرف سعی ہے ہی نہیں وہ تو مسجد کی طرف سعی ہے ، کیونکہ جمعہ کی طرف سعی اسکو کہیں گے جب واقعی جمعہ موجود ہو اور یہاں جمعہ ختم ہو چکا ہے اسلئے اب جمعہ کی طرف سعی نہیں ہوگا بلکہ مسجد کی طرف سعی ہو جائے گا۔ اور جب جمعہ کی طرف سعی ہوا ہی نہیں تو اس سے ظہر کیسے باطل ہو جائے گا اسلئے جمعہ کے بعد سعی جمعہ میں شرکت کے درجے میں نہیں ہے۔

ترجمہ: (۶۲۸) مکروہ ہے کہ معذور آدمی ظہر کی نماز جمعہ کے دن شہر میں جماعت کے ساتھ پڑھے۔ ایسے ہی قیدی لوگ جماعت کے ساتھ پڑھے۔

تشریح : معذور مثلا مسافر، مریض، غلام وغیرہ شہر میں جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے تو یہ مکروہ ہے، اسی طرح قیدی

ل لما فيه من الاخلال بالجمعة اذهی جامعة للجماعات.۲ والمعذور قد يقتدى به غيره

لوگ شہر کے جیل خانے میں جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے تو یہ مکروہ ہے

وجه : (١)معذور آدمی جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے گا تو جمعہ کی جماعت میں کمی واقع ہوگی۔ کیونکہ غلام، مسافر، عورت، بچے، مریض اور نابینا کو بھی کوشش کر کے جمعہ میں جانا چاہئے۔ اس لئے یہ معذور لوگ شہر میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔ البتہ دیہات والوں پر جمعہ واجب نہیں ہے اور نہ وہاں کوئی جمعہ کی جماعت ہے اس لئے وہ لوگ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں (٢) اثر میں ہے عن الحسن انه كان يكره اذا لم يدرك قوم الجمعة ان يصلوا الجماعة . (مصنف عبدالرزاق، باب القوم يأتون المسجد يوم الجمعة بعد انصراف الناس، ج ثالث ص ١٢٠ نمبر ٥٤٧٣) (٣) اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے قال علی لا جماعة يوم الجمعة الا مع الامام ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ٤٧٣ فی القوم تجمعون یوم الجمعۃ اذا لم یشھدوھا، ج اول، ص ٤٦٦، نمبر ٥٣٩٨) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن معذورین کو جماعت کے ساتھ ظہر نہیں پڑھنا چاہئے۔

اور قیدی لوگ جیل خانے میں جمعہ نہ پڑھے اسکے لئے یہ اثر ہے (١) . عن ابراهيم قال : ليس على أهل السجون جمعة ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی اھل السجون، ج اول، ص ٤٨٤، نمبر ٥٥٧٨) اس اثر میں ہے کہ قیدیوں پر جمعہ نہیں ہے (٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ قید میں اذن عام نہیں ہوتی اسلئے بھی وہاں جمعہ نہیں ہے۔۔ لیکن دوسرے حضرات جمعہ کے قائل ہیں، انکی دلیل یہ اثر ہے عن ابن سیرین فی اھل السجون قال: یجمعوا الصلوۃ یوم الجمعۃ ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی اھل السجون، ج اول، ص ٤٨٤، نمبر ٥٥٧٧) اس اثر میں ہے کہ قید خانے میں جمعہ قائم کر سکتا ہے۔۔ سجن: قیدی۔

ترجمه : ل اسلئے کہ معذور کے نماز پڑھنے کی وجہ سے جمعہ کی جماعت میں خلل ہوگا اسلئے جمعہ سب جماعتوں کو جمع کرنے والا ہے۔

تشريح : معذور شہر میں جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز نہ پڑھے اسکی دلیل عقلی ہے۔ کہ جمعہ کا مطلب یہ ہے کہ تمام جماعتوں کو چھوڑ کے شہر میں ایک ہی جماعت ہو تا کہ شان وشوکت کے ساتھ ایک ہی جماعت ہو، اور معذور یعنی مسافر، غلام، اور بیمار لوگ ظہر کی جماعت کریں گے تو جمعہ کی جماعت میں کمی واقع ہو جائے گی اسلئے معذور کی جماعت مکروہ ہے۔۔ جامع للجماعات: کا ترجمہ ہے سب جماعتوں کو یہ جمع کرتا ہے۔

ترجمه: ۲ اور معذور کی اقتداء کبھی دوسرے لوگ بھی کر لیتے ہیں۔

تشريح : یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ معذورین پر جب جمعہ ہے ہی نہیں تو انکو جماعت کے ساتھ ظہر کی پڑھنے کی اجازت کیوں نہ دیا جائے ؟ اسکا جواب یہ ہے کہ معذور کو تو اجازت ہو جائے گی لیکن ایسا بھی ہوگا کہ غیر معذور بھی انکے

۳ بخلاف اهل السواد لانه لاجمعة عليهم(۶۲۹) ولو صلى قوم اجزاهم ﴾ ا لاستجماع شرائطه (۶۳۰) ومن ادرک الامام یوم الجمعة صلى معه ما ادركه وبنى عليه الجمعة ﴾ ا لقوله عليه السلام ماادركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا

ساتھ جماعت میں شریک ہوجائیں گے جسکی وجہ سے جمعہ کی جماعت میں کمی آئے گی اسلئے معذور کو بھی ظہر کی جماعت کرنا مکروہ قرار دیا جائے۔

ترجمه: ۳ بخلاف گاؤں والوں کے اسلئے کہ ان پر جمعہ ہی نہیں ہے۔

تشریح : یہ جملہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ پھر گاؤں والے جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ کیوں پڑھتے ہیں؟ تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ گاؤں میں کہیں جمعہ ہے ہی نہیں اسلئے وہ لوگ جماعت کے ساتھ ظہر پڑھیں تو کسی جماعت کی کمی نہیں ہوگی اسلئے وہ لوگ جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

ترجمه: (۶۲۹) اور اگر معذورین نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ ہی لیا تو نماز ہوجائے گی۔

ترجمه: ا اسلئے کہ نماز کی تمام شرائط جمع ہیں۔

تشریح : معذورین کو ظہر نماز شہر میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھنی چاہئے ،لیکن انہوں نے پڑھ ہی لی تو نماز ہوجائے گی ،اسلئے کہ نماز ہونے کی جتنی شرائط ہیں وہ سب موجود ہیں اسلئے نماز ہوجائے گی ،البتہ تھوڑی مکروہ ہے۔

وجه :اثر میں اسکا ثبوت ہے۔(۱) فذكر زرو التيمى فى يوم جمعة ثم صلوا الجمعة اربعا فى مكانهم وكانوا خائفين (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۷۴ فی القوم یجمعون یوم الجمعۃ اذا لم یشهد وهاج اول ،ص ۴۶۶ ،نمبر ۵۳۹۵ رمصنف عبدالرزاق، باب القوم یأتون المسجد یوم الجمعۃ بعد انصراف الناس ، ج ثالث ،ص ۱۲۰، نمبر ۵۴۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معذورین جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے تو ۱۲۲اتنی کراہیت نہیں ہے۔کیونکہ اس کے حق میں جمعہ ساقط ہے۔اس اثر میں جمعہ سے مراد چار رکعت ظہر ہے۔

ترجمه: (۶۳۰) جس نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو ان کے ساتھ نماز پڑھے گا جتنا پایا اور اس پر جمعہ کا بنا کرے گا۔

ترجمه : ا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے جتنی رکعت پاؤ اسکو پڑھ لو اور جو فوت ہوجائے اسکو قضاء کرو۔

وجه: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الى الصلوة وعليكم السكينة والوقار ولا تسرعوا فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا . (بخاری شریف، باب لا یسعی الی الصلوۃ ولیأتھا بالسکینۃ والوقار ،ص ۸۸، نمبر ۶۳۶) اس حدیث میں ہے وما فاتکم فاتموا کہ جو فوت ہوجائے تو اس کو پورا کرو یعنی پہلی نماز پر بنا کرلو۔تو جمعہ کی نماز میں بھی یہی ہوگا۔امام کے ساتھ جتنا پایا وہ ٹھیک ہے اور جتنا باقی رہا اس کو جمعہ ہی کے طور پر پورا

(۶۳۱) وان كان ادركه في التشهد اوفي سجود السهوبنى عليها الجمعة عندهما وقال محمدؒ ان ادرک معه اکثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة﴾

کرے گا(۲) حدیث میں ہے عن ابی هریرة ان رسول الله قال من ادرک من الجمعة ركعة فليضف اليها اخرى . (دار قطنی باب فیمن یدرک من الجمعة رکعۃ اولم یدرکھا ج ثانی ص ۸ نمبر ۱۵۷۹ رسنن بیہقی، باب من ادرک رکعۃ من الجمعۃ ، ج ثالث ص ۲۸۷، نمبر ۵۷۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ جتنی پائے وہ ٹھیک ہے باقی اسی پر بنا کر کے پوری کرے گا۔

ترجمه: (۶۳۱) اگر امام کو تشہد میں پایا یا سجدۂ سہو میں پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا اور اگر امام کے ساتھ اکثر سے کم پایا تو اس پر ظہر کا بنا کرے گا۔

تشريح: شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے امام کے ساتھ مل گیا تو امام کی اتباع میں جمعہ ہی پڑھے گا ظہر نہیں پڑھے گا۔ اور امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ دوسری رکعت کا اکثر حصہ امام کے ساتھ ملا ہے تب تو جمعہ پڑھے گا اور اگر اکثر نہیں ملا ہے تو چونکہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے اور اکثر حصہ میں جماعت نہیں ملی اس لئے اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

وجه: (۱) شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الى الصلوة وعليكم السكينة والوقار ولا تسرعوا فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا . (بخاری شریف، باب لا یسعی الی الصلوۃ ولیاتھا بالسکینۃ والوقار، ص ۸۸، نمبر ۶۳۶ رمسلم شریف، باب استحباب اتیان الصلوۃ بوقار وسکینۃ ، والنھی عن اتیانھا سعیا، ص ۲۴۳، نمبر ۱۳۵۹/۶۰۲) اس حدیث میں ہے کہ جتنا ملا وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جتنا فوت ہو گیا اس کو اسی پر بنا کرلو، تو امام کے ساتھ سلام سے پہلے ملا تو اتنا امام کے ساتھ پڑھے گا اور باقی کا اسی پر بنا کرے گا۔ چاہے دوسری رکعت کا اکثر ملا ہو یا اقل ملا ہو (۲) سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ ملا ہو اس کی اتباع میں وہی نماز پڑھنی چاہئے جو انہوں نے پڑھی ہے یعنی جمعہ (۳) ایک حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرک الامام جالسا قبل ان يسلم فقد ادرک الصلوة . (دار قطنی، باب فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ اولم یدرکھا ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ مل جائے تو گویا کہ اس نے جمعہ پالیا۔ اس لئے اب دو رکعت جمعہ ہی پڑھے گا۔

وجه: امام محمد کی دلیل حدیث میں ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله قال من ادرک من الجمعة ركعة فليضف اليها اخرى . (دار قطنی باب فیمن یدرک من الجمعۃ رکعۃ اولم یدرکھا ج ثانی ص ۸ نمبر ۱۵۷۹ رسنن بیہقی، باب من ادرک رکعۃ من الجمعۃ ، ج ثالث، ص ۲۸۷، نمبر ۵۷۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ جتنی پائے وہ ٹھیک ہے باقی اسی پر بنا کر کے

وان ادرک اقلها بنی علیها الظهر﴾ ل لانہ جمعة من وجه ظهر من وجه لفوات بعض الشرائط فی حقه فیصلی اربعًا اعتبارا للظهر ویقعد لامحالة علی رأس الرکعتین اعتبارا للجمعة ویقرأ فی الاخریین لاحتمال النفلية ۲ ولهما انه مدرک للجمعة فی هذه الحالة حتی یشترط نية الجمعة

پوری کرے گا۔اس حدیث میں ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پائی وہ دوسری رکعت جمعہ کی ملائے۔تو اکثر رکعت ایک رکعت کے قائم مقام ہےاس لئے اکثر رکعت پائی تو جمعہ پڑھے گاورنہ ظہر پڑھے گا(۲)۔ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے .عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من ادرک رکعة من الصلوة فقد ادرک الصلوة (ابوداؤدشریف،باب من ادرک من الجمعة رکعة،ص۱۶۶نمبر۱۱۲۱)اس حدیث میں ایک رکعت پانے کا تذکرہ ہےتب ہی جمعہ پڑھے گا۔(۳)عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : من ادرک الرکوع من الرکعة الآخرة یوم الجمعة فلیضف الیها أخری و من لم یدرک الرکوع من الرکعة الأخری فلیصل الظهر ۔ (دارقطنی باب فیمن یدرک من الجمعة رکعة اولم یدرکھاج ثانی ص۸ نمبر۱۵۸۷رسنن بیھقی،باب من ادرک رکعة من الجمعة،ج ثالث،ص۲۸۹،نمبر۵۷۳۹) اس حدیث میں ہے کہ اگر دوسری رکعت کا رکوع پایا تب تو جمعہ پڑھےاوراس سے کم پایا تو ظہر کی رکعت پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ یہ کچھ وجہ سے جمعہ ہے،اور کچھ وجہ سےظہر ہے جمعہ کےحق میں بعض شرطوں کےفوت ہونے کی وجہ سے اسلئے ظہر کا اعتبار کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے گا،اور جمعہ کا اعتبار کرتے ہوئے لامحالہ دورکعت پر بیٹھے گا،اورنفل کے احتمال کی وجہ سے دو سری دورکعتوں میں قرأت کرے۔

تشریح : امام محمدؒفرماتے ہیں کہ جن کودوسرے رکعت سےکم ملااوررکوع کے بعدشامل ہواتواسکوچار رکعت ظہر پڑھنا چاہئے۔ لیکن یہ نماز کچھ اعتبار سے ظہر ہے،اور کچھ اعتبار سے جمعہ ہے۔کیونکہ جمعہ کی نیت سےامام کےساتھ شامل ہواہےاس اعتبار سے جمعہ ہے،لیکن جب اپنی رکعت پوری کرنے کے لئے اٹھے گا تنہا نماز پڑھے گا اسکے ساتھ جماعت نہیں ہوگی جو جمعہ کے لئے شرط ہےاس اعتبار سے یہ ظہر کی نماز ہے، چنانچہ اس نماز میں جمعہ کی بھی رعایت کرے گا اورظہر کی بھی رعایت کرے گا، جمعہ کی رعایت میں دو رکعت پرضرور بیٹھے، کیونکہ جمعہ کی نماز دورکعت ہی ہے۔اور دوسرے دورکعت ہوسکتا ہے زائد ہواورنفل پڑھ رہا ہواسلئے دوسری دو رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعدسورت بھی ملائے، کیونکہ نفل کی دوسری دورکعت میں سورت ضرور ملائی جاتی ہے۔اورظہر کی رعایت کر تے ہوئے نماز چار رکعت پڑھے۔۔چار رکعت کی دلیل حدیث اوپر گزرگئی۔

ترجمہ: ۲ اورشیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس حالت میں جمعہ کو پانے والا ہے یہاں تک کہ جمعہ کی نیت کی شرط لگائی گئی ہے،اور جمعہ کی دو ہی رکعتیں ہیں۔

وهی رکعتان ۳؎ **ولا وجه لماذکر لانهما مختلفان فلایبنی احدهما علیٰ تحریمة الأخر**

(۶۳۲) واذا خرج الامام یوم الجمعة ترک الناس الصلوٰة والکلام حتی یفرغ من خطبته ۱؎ **قال وھذا عند ابی حنیفة.**

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ جو جمعہ میں سجدہ سہو، یا تشہد میں شریک ہوا وہ جمعہ ہی دو رکعت پڑھے، ظہر نہ پڑھے ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ امام کے ساتھ جمعہ کی نیت ہی سے شریک ہوا ہے اور جمعہ کو پانے والا ہے، اسلئے دو ہی رکعت نماز پڑھے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اسکی کوئی وجہ نہیں ہے جسکو امام محمدؒ نے ذکر کیا اسلئے کہ جمعہ اور ظہر دو مختلف نمازیں ہیں، اسلئے ایک کو دوسرے کے تحریمے پر بناء نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح : امام محمدؒ نے فرمایا تھا کہ جسنے رکوع کے بعد جمعہ پایا تو ظہر پڑھے گا اور اس میں جمعہ کی بھی رعایت کی جائے گی۔اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ حضرت امام محمدؒ نے جو جمعہ اور ظہر دونوں کا اعتبار کیا اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ جمعہ اور ظہر دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، اسلئے ایک کو دوسرے کے تحریمے پر بناء نہیں کر سکتے۔یعنی جمعہ کے تحریمے سے ظہر نہیں پڑھ سکتے۔ مسئلہ نمبر ۶۱۱ میں بھی یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔

ترجمہ : (۶۳۲) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے۔

ترجمہ: ۱؎ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ہے۔

تشریح : منبر پر خطبہ کے لئے امام چڑھ جائے تو اس وقت سے خطبہ ختم ہونے تک بلکہ نماز ختم ہونے تک لوگ باتیں کرنا بھی بند کر دیں اور نماز پڑھنا بھی بند کر دیں، درمیان میں چاہے امام خطبہ نہ دے رہے ہوں تب بھی مقتدی کو بات کرنا مکروہ ہے۔

وجہ : خطبہ کے وقت نماز نہ پڑھنے کی دلیل (۱) یہ آیت ہے **اذ قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون** ۔ (آیت ۲۰ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں قرآن پڑھتے وقت چپ رہنے اور کان لگا کر سننے کے لئے کہا ہے اور خطبہ میں قرآن پڑھا جائے گا، اب لوگ نماز پڑھیں گے تو وہ خود قرآن پڑھیں گے اور چپ نہیں رہیں گے اس لئے نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہوگی (۲) (۳) **عن ابن عباس وابن عمر انهما کانا یکرهان الصلوة والکلام یوم الجمعة بعد خروج الامام** (مصنف ابن ابی شیبة ،۳۶۰ فی الکلام اذا صعد الامام المنبر وخطب ج اول ص ۴۵۸ نمبر ۵۲۹۷) اس اثر میں ہے کہ امام کے نکلنے کے بعد بات اور نماز مکروہ ہے (۴) **سألت قتادة عن الرجل یأتی والامام تخطب یوم الجمعة ولم یکن صلی ا**

يصلي ؟فقال اما انا فكنت جالسا (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يجيئ والامام يخطب، ج ثالث، ص ۲۴۵، نمبر ۵۵۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

کلام کی ممانعت کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **ان ابا هريرة اخبره ان رسول الله ﷺ قال اذا قلت لصحبك يوم الجمعة انصت و الامام يخطب فقد لغوت** . (بخاری شریف، باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۴ / مسلم شریف، فصل فی عدم ثواب من تکلم والامام یخطب ص ۲۸۱ کتاب الجمعة نمبر ۸۵۱/۱۹۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا ساتھی بات کر رہا ہو تو اس کو چپ رہو کہنا بھی غلط ہے۔ اس کو اشارہ سے چپ رہنے کے لئے کہنا چاہئے۔ اور الامام یخطب کے لفظ سے صاحبین نے استدلال کیا ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت کلام کرنا مکروہ ہے اس لئے پہلے بات کرنے کی گنجائش ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک منبر پر بیٹھنا بھی خطبہ کا حصہ ہے اس لئے منبر پر بیٹھتے ہی کلام کی ممانعت ہو جائے گی۔

نوٹ : خود امام کو بولنے کی ضرورت ہو تو وہ امر و نہی وغیرہ کے لئے بول سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر قال لما استوى رسول الله ﷺ يوم الجمعة قال اجلسوا فسمع ذلك ابن مسعود فجلس على باب المسجد فرآه رسول الله ﷺ فقال تعال يا عبد الله بن مسعود** (ابوداؤد شریف، باب الامام یکلم الرجل فی خطبته ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۱) اس حدیث میں آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران عبد اللہ بن مسعود سے بات کی ہے اور آگے آنے کے لئے کہا ہے۔ اس لئے ضرورت پر امام بات کر سکتے ہیں۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کے وقت دو رکعت مختصر سی نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔ موسوعۃ کی عبارت یہ ہے . **قال الشافعيؒ و بهذا نقول و نأمر من دخل المسجد و الامام يخطب و المؤذن يؤذن و لم يصل ركعتين أن يصليهما و نأمره أن يخففهما ، فانه روى في الحديث أن النبي ﷺ أمر بتخفيفهما** ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب من دخل المسجد یوم الجمعۃ والامام علی المنبر ولم یرکع، ج ثالث، ص ۵۷، نمبر ۲۰۹۲) اس عبارت میں ہے کہ دو رکعت نہ پڑھی ہو تو خطبہ کے وقت پڑھ سکتا ہے۔ لیکن ہمیشہ عادت بنا لینا ٹھیک نہیں ہے، یہ تو ایک مجبوری کے درجے میں ہے۔

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے . **سمع جابر قال دخل رجل يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال اصليت؟ قال لا! قال فصل ركعتين** . (بخاری شریف، باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۱) (۲) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح حدیث ہے۔ **سمعت جابر بن عبد الله ان النبي ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين** ۔ (مسلم شریف، فصل من دخل المسجد والامام یخطب فلیصل رکعتین ص ۲۸۷ نمبر ۸۷۵/۲۰۲۲ / ابوداؤد شریف، باب اذا دخل والامام یخطب ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام خطبہ دے رہا ہو اور ابھی تک تحیۃ المسجد یا سنت جمعہ نہ پڑھی ہو تو دو رکعت پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔ تاہم ہمیشہ ایسی عادت نہیں

۲ وقالا لابأس بالكلام اذا خرج الامام قبل ان يخطب واذا نزل قبل ان يكبر لان الكراهة للاخلال بفرض الاستماع والااستماع هنا بخلاف الصلوٰة لانها قد تمتد ۳ ولابی حنيفةؒ قوله عليه السلام اذا

بنالینی چاہئے ۔

ترجمہ: ۲ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور جب امام منبر سے اتر جائے تو نماز کی تکبیر کہنے سے پہلے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اسلئے کہ کراہیت تو سننے کے فرض میں خلل واقع ہونے سے ہے اور اس وقت میں تو سننا ہی نہیں ہے۔بخلاف نماز کے کہ کبھی لمبی ہوسکتی ہے اسلئے وہ نہ پڑھے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی رائے تو یہ تھی کہ امام منبر پر چڑھ جائے تو اس وقت سے لیکر خطبہ ختم ہونے تک لوگ نہ باتیں کریں اور نہ نماز پڑھیں۔لیکن صاحبین کی رائے یہ ہے کہ جب خطبہ دے رہے ہوں تب تو باتیں نہ کریں لیکن منبر پر بیٹھے ہوئے ہوں اور خطبہ نہ دے رہے۔

ہوں تو اس وقت باتیں کرسکتا ہے مثلا منبر پر چڑھنے کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے بات کرسکتا ہے،اسی طرح خطبہ ختم ہونے کے بعد نماز کی تکبیر کہنے سے پہلے لوگ باتیں کرسکتے ہیں۔البتہ امام کے نکلنے کے بعد نماز نہ پڑھے،کیونکہ نماز لمبی ہوسکتی ہے اسلئے بہت ممکن ہے کہ خطبہ شروع ہوتے وقت بھی نماز پڑھتا رہے اور سلام نہ پھیر سکے،اسلئے امام چاہے خاموش ہو پھر بھی نماز شروع نہ کرے۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ بات کی کراہیت اس بنا پر ہے کہ خطبہ سننے میں خلل ہوگا اور خطبہ ہی نہیں دے رہے ہیں تو سننے میں کیا خلل ہوگا اسلئے خطبہ نہ دیتے وقت بات کرنے کی گنجائش ہے۔(۱) **ان ابا هريرة اخبره ان رسول الله ﷺ قال اذا قلت لصحبک يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت** . (بخاری شریف،باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۴ رمسلم شریف، فصل فی عدم ثواب من تکلم والامام یخطب ص ۲۸۱ کتاب الجمعۃ نمبر ۱۹۶۵/۸۵۱) اس حدیث میں ہے کہ خطبہ دیتے وقت کسی کو چپ رہو نہ کہنا چاہئے جس سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ نہ دے رہا ہو تو بات کرسکتا ہے۔(۳) **عن ميمون بن مهران أنه كره الكلام و الامام يخطب** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب ۳۶۰،فی الکلام اذا صعد الامام المنبر وخطب،ج اول، ص ۴۵۸،نمبر ۵۳۰۰) اس اثر میں ہے کہ خطبہ دیتے وقت بات کرنا مکروہ سمجھتے تھے جس کا مطلب یہ نکلا کہ جب خطبہ سے چپ ہو تو بات کرنے کی گنجائش ہے۔

لغت : اخلال: خلل ڈالنا۔ استماع: کان لگا کر سننا۔ تمتد : مد سے مشتق ہے۔لمبا ہونا۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے تو نہ نماز ہے اور نہ کلام ہے۔

خرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام من غير فصل ۳ ولان الكلام قد يمتد طبعا فاشبه الصلوٰة

(۶۳۳) واذا اذن المؤذنون الاذان الاول ترک الناس البيع والشراء وتوجهوا الى الجمعة ﴿ ۱ لقوله تعالىٰ فاسعوا الىٰ ذكر الله وذروا البيع.

اور یہ جملہ بغیر کسی فرق کے ہے ۳ اسلئے امام کے نکلنے کے بعد نماز اور کلام ممنوع ہونگے۔

تشریح : یہ حدیث تو نہیں ملی البتہ حضرت سعید بن مسیّب اور زہری کا قول ہے۔ وہ یہ ہے۔ صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ عن سعيد بن المسيب قال : خروج الامام يقطع الصلوة و كلامه يقطع الكلام (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۶۰ فی الکلام اذا صعد الامام المنبر وخطب ج اول ص ۴۵۸، نمبر ۵۲۹۹ / نمبر ۵۳۰۱ / مصنف عبد الرزاق، باب جلوس الناس حین یخرج الامام، ج ثالث، ص ۱۰۰، نمبر ۵۳۶۶) اس اثر میں ہے کہ امام کے نکلنے سے نماز اور کلام دونوں منقطع ہو جاتے ہیں، یعنی دونوں نہیں کر سکتے۔

ترجمہ: ۴ اور اسلئے بھی کہ طبعا بات بھی لمبی ہو جاتی ہے تو وہ بھی نماز کے مشابہ ہوگئی۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ نماز لمبی ہو سکتی ہے اسلئے جب امام چپ ہو تو نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں، تو اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ فطری بات یہ ہے کہ بات بھی لمبی ہو سکتی ہے اسلئے جس طرح نماز کے لمبی ہونے کے خطرے تو اسکو پڑھنے کی گنجائش نہیں اسی طرح بات کے لمبی ہونے کے خطرے سے اسکو بھی کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ: (۶۳۳) جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دے اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ترجمہ: ۱ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

تشریح : اس وقت دو اذان دی جاتی ہیں، اسلئے پہلی اذان کے وقت خرید و فروخت چھوڑ دینا چاہئے، کیونکہ آیت میں یہی حکم ہے۔

وجہ: خود آیت میں ہے (۱)۔ یا ايها الذين آمنوا اذا نودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع ‘‘ (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اذان دی جائے تو خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف چل پڑنا چاہئے۔ البتہ حضور کے زمانے میں دوسری اذان ہوتی تھی اور حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہے تو ایک اذان کا اضافہ کر دیا جس کو پہلی اذان کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے (۲)۔ عن السائب بن يزيد قال كان النداء يوم الجمعة اوله اذا جلس الامام على المنبر على عهد النبى ﷺ وابى بكر و عمر فلما كان عثمان و كثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء قال ابو عبدالله الزوراء موضع بالسوق بالمدينة . (بخاری شریف، باب الاذان یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ نمبر ۹۱۲ / ابو داؤد شریف، باب النداء یوم الجمعۃ ص ۱۶۲ نمبر ۱۰۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی اذان حضرت عثمان

(۶۳۴) واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدى المنبر ﴾ ۱؎ بذلک جرى التوارث ۲؎ ولم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الا هٰذا الاذان ولهٰذا قيل هو المعتبر فى وجوب السعى وحرمة البيع والاصح ان المعتبر هو الاول اذا كان بعد الزوال لحصول الاعلام به.

ؓ نے اضافہ کیا ہے۔اوراس وقت بھی جمعہ کے لئے اذان دی جاتی ہےاس لئے اب اسی وقت جمعہ کے لئے سعی کرنا ہوگا۔(۳)اس کی تائید میں یہ اثر ہے قال لى مسلم بن يسار اذا علمت ان النهار قد انتصفت يوم الجمعة فلا تبتاعوا شيئا . (مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۷۲،۲ الساعۃ التی یکرہ فیھا الشراء والبیع ج اول،ص ۴۶۵،نمبر ۵۳۸۳)(۴) قلت للزهرى متى يحرم البيع والشراء يوم الجمعة فقال كان الاذان عند خروج الامام فاحدث امير المؤمنين عثمان التأذينة الثالثة فاذن على الزوراء ليجتمع الناس فارى ان يترك الشراء والبيع عند التأذينة (مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۷۲،۲ الساعۃ التی یکرہ فیھا الشراء والبیع ،ج اول،ص ۵۳۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اذان اول کے پاس پاس ہی خرید وفروخت چھوڑ دینا چاہئے۔کیونکہ وہی ندا ہے۔

ترجمہ: (۶۳۴)جب امام منبر پر چڑھ جائے تو منبر پر بیٹھےاورمؤذن منبر کے سامنےاذان دے[پھرامام خطبہ دے]۔

تشریح : یہ خطبہ کے آداب ہیں کہ جب امام خطبہ کے لئے بیٹھےتو مؤذن اسکے سامنے اذان دے،حضورؐ کے زمانے سے یہی طریقہ آرہا ہے۔

وجہ: (۱)اس سب کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدى رسول الله ﷺ اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر و عمر . (ابوداؤدشریف،باب النداء یوم الجمعۃ ص ۱۶۲ نمبر ۱۰۸۸ /بخاری شریف، باب التأذین عند الخطبۃ ص ۱۲۴ نمبر ۹۱۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام منبر پر بیٹھے گا اس وقت اس کے سامنے اذان ثانی دی جائے گی۔اس کے بعد امام خطبہ دے گا۔

ترجمہ : ۱؎ حضورؐ کے زمانے سے یہی طریقہ آرہا ہے۔اسکے لئے اوپر حدیث گزرگئی۔

ترجمہ: ۲؎ اورحضورؐ کے زمانے میں یہی پہلی اذان تھی،اسی لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ جمعہ کی طرف سعی کے واجب ہونے میں اور خرید وفروخت حرام ہونے میں یہی اذان معتبر ہے،صحیح بات یہ ہے کہ پہلی اذان معتبر ہے اگر زوال کے بعد ہو اس سے اعلان کے حاصل ہونے کی وجہ سے

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں صرف وہ اذان تھی جو خطبہ کے وقت امام کے سامنے دی جاتی ہے،لیکن حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ لوگ بہت ہو گئے ہیں اور آنے میں تاخیر کرتے ہیں تو شروع کی ایک اور اذان بڑھا دی۔تو چونکہ حضورؐ کے زمانے

میں امام کے سامنے والی اذان تھی اسلئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہی امام کے سامنے والی اذان ہی وہ اذان ہے جس وقت سعی واجب ہے اور آیت کی بنا پر خرید وفروخت حرام ہوتی ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے زمانے میں دوسری اذان پر جمعہ کی طرف سعی واجب تھی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر زوال کے بعد پہلی اذان دی گئی ہو جو حضرت عثمان نے بڑھائی ہے تو اسی وقت جمعہ کی طرف سعی واجب ہو گی اور خرید وفروخت حرام ہوگی کیونکہ اس سے اعلان کا مقصد تو حاصل ہو ہی گیا

وجه: (۱) اسکی وجہ یہ اثر ہے۔ **عن الضحاک قال : اذا زالت الشمس من یوم الجمعة فقد حرم البیع و الشراء حتی تقضی الصلوة** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب الساعة التی یکرہ فیھا الشراء والبیع، ج اول، ص ۴۶۵، نمبر ۵۳۸۵) اس اثر میں ہے کہ زوال کے بعد خرید وفروخت حرام ہے، اسلئے اذان اول زوال کے بعد ہو تو اسی وقت سے سعی واجب ہے اور بیع شراء حرام ہے۔

Documents\3) JPEG CLIPART\DECOR.JPEG.jpg not found.

﴿ باب صلوة العيدين ﴾

(۶۳۵) وتجب صلوٰة العيد علىٰ كل من تجب عليه صلوٰة الجمعة﴾

﴿ باب صلوۃ العیدین ﴾

ضروری نوٹ: عید کی نماز واجب ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ عید مناتے تھے۔ بعد میں اسلام میں بھی اس کو برقرار رکھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے ولتكملوا العدة ولتكبروا الله على ما هداكم ولعلكم تشكرون ۔ (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) تفسیر طبری میں ہے کہ اس آیت میں عید الفطر میں تکبیر کہنے کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے شروع میں روزے کا تذکرہ ہے۔ جس سے عید الفطر کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور فصل لربک وانحر . (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں تذکرہ ہے کہ پہلے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھو پھر جانور کی قربانی کرو۔ اس لئے دونوں آیتوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ثبوت ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۶۳۵) عید کی نماز ہر اس آدمی پر واجب ہے جس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔

تشریح : جن لوگوں پر جمعہ کی نماز واجب ہے اور جن شرائط کے ساتھ واجب ہے انہیں لوگوں پر عیدین کی نماز واجب ہے اور انہیں شرائط کے ساتھ واجب ہے، مثلا غلام، بیمار، عورت اور بچے اور معذور پر جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے تو عید کی نماز بھی واجب نہیں ، اور گاؤں میں جمعہ کی نماز واجب نہیں ہے تو عید کی نماز بھی واجب نہیں ہے۔ یہاں پر بھی سب دلائل جمعہ کے ہی ہیں۔

وجہ : (۱) نماز عیدین کے وجوب کی دلیل یہ آیت ہے۔ فصل لربک وانحر . (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں صل امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے، جس سے بقر عید کی نماز واجب ہونے کی دلیل ہے (۲) اس حدیث کی دلالت ہے ۔ **عن ابی سعید الخدری قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شیء یبدأ به الصلوة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم** ۔ (بخاری شریف، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر ص ۱۳۱ نمبر ۹۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا کرتے تھے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے نکلا کرتے تھے، یہ استمرار اور ہمیشگی وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ آپ نے کبھی عیدین کی نماز نہیں چھوڑی یہ وجوب کی دلیل ہے۔ (۳) بخاری شریف میں ہے کہ عورتوں کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیتے تھے اور حکم دینا وجوب کی دلیل ہے اس سے بھی واجب ثابت ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ام عطیة قالت : أمرنا نبینا ﷺ أن نخرج العواتق ذوات الخدور .** (بخاری شریف، باب خروج النساء والحیض الی المصلی ، ص ۱۵۶، نمبر ۹۷۴ ر مسلم شریف، باب ذکر اباحة خروج النساء فی العیدین الی المصلی ، ص ۳۵۵ ، نمبر ۸۹۰ ر ۲۰۵۴) اس حدیث میں جب عورتوں کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عید کی نماز واجب ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ وجوب کا درجہ نہیں ہے اس لئے ان کے یہاں نماز عیدین سنت مؤکدہ ہیں ۔ (۱) ان کی

لے وفی الجامع الصغیر عید ان اجتمعا فی یوم واحد فالاوّل سنة والثانی فریضة ولایترک

دلیل یہ حدیث بھی ہے۔عن البراء بن عازب قال قال النبی ﷺ ان اول ما یبدأ فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذلک اصاب سنتنا ۔(بخاری شریف، باب الخطبة بعد العید ص۱۳۱نمبر۹۶۵)اس حدیث میں اصاب سنتنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز سنت ہے۔(۲)اثر میں ہے۔عن علیؓ قال : من السنة أن تأتی الصلاة یوم العید ، . (مصنف عبدالرزاق، باب وجوب الصلاۃ ،الفطر والاضحیٰ۔ج ثالث،ص۱۷۱،نمبر۵۷۲۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز سنت ہے

ترجمہ : لے اور جامع صغیر میں ہے کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں[جمعہ اور عید]جمع ہو جائیں تو پہلی عید سنت ہے،اور دوسری [عید]فرض ہے البتہ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑے۔مصنف نے فرمایا کہ یہ جملہ اس بات پر تصریح ہے کہ عید کی نماز سنت ہے اور پہلا[یعنی متن]کا جملہ وجوب پر تصریح ہے،اور یہی روایت امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

تشریح : قدوری کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں عیدین واجب ہیں،اور جامع صغیر کی جو عبارت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدین واجب نہیں سنت ہیں، کیونکہ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے کہ جمعہ کے دن عید کی نماز پڑ جائے تو پہلی عید سنت ہے،اور دوسری عید یعنی جمعہ فرض ہے،تو اس سے معلوم ہوا کہ عید سنت ہے۔۔ ہر ایک کی دلیل اوپر گزر گئی ہے۔جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔محمد ، عن یعقوب ، عن ابی حنیفہؓ عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنة و الآخر فریضة و لا یترک واحد منهما . (جامع صغیر، باب فی العیدین والصلوۃ بعرفات والتکبیر فی أیام التشریق،ص۱۱۳)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز سنت ہے۔

اگر جمعہ کے دن عید پڑ جائے تو ہمارے یہاں شہر کے لوگ عید اور جمعہ دونوں پڑھے۔البتہ گاؤں کے لوگوں پر نہ جمعہ واجب ہے اور نہ عید، وہ لوگ تو نفلی طور پر عید میں شریک ہونے کے لئے شہر آتے ہیں اسلئے انکے لئے گنجائش ہے کہ عید کی نماز پڑھ کر جمعہ کے لئے شہر میں ٹھہرے رہیں اور چوں کہ ان لوگوں پر جمعہ بھی واجب نہیں ہے اسلئے یہ بھی گنجائش ہے کہ عید پڑھ کر گھر چلے جائیں اور گاؤں میں جا کر ظہر کی نماز پڑھیں۔اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے. قال شهدت معاویة بن أبی سفیان و هو یسأل زید بن أرقم قال : أشهدت مع رسول الله ﷺ عیدین اجتمعا فی یوم ؟ قال : نعم قال : کیف صنع؟ قال صلی العید ثم رخص فی الجمعة فقال : من شاء ان یصلی فلیصل ۔دوسری حدیث میں ہے. عن ابی هریرة عن رسول الله ﷺ أنه قال قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان ، فمن شاء أجزأه من الجمعة و أنا مجمّعون .(ابوداود شریف، باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید،ص۱۶۲،نمبر۱۰۷۰رنمبر۱۰۷۳)ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر والے عید کے دن جمعہ بھی

واحدمنهما قال وهٰذا تنصيص على السنة والاوّل على الوجوب وهو رواية عن ابى حنيفةؒ ٢ؔ وجه الاوّل مواظبة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عليها ٣ؔ ووجه الثانى قوله صلى اللّٰه عليه وسلم فى حديث الاعرابى عقيب سواله هل على غيرهن قال لا الا ان تطوّع والاوّل اصح ٤ؔ وتسميته سنة لوجوبه بالسنة

(٦٣٦) ويستحب في يوم الفطر ان يطعم قبل الخروج الى المصلى ويغتسل ويستاك

پڑھے۔ تنصیص : کا ترجمہ ہے تصریح کرنا۔

ترجمہ: ٢ؔ پہلے قول کی وجہ حضورؐ کا عید پر ہمیشہ کرنا ہے۔

متن میں جو یہ قول اختیار کیا ہے کہ شہر والے پر عید کی نماز سنت نہیں واجب ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے عید کی نماز ہمیشہ پڑھی موت تک کبھی نہیں چھوڑی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کی نماز واجب ہے۔۔ وجوب کی دلیل اوپر حدیث گزر گئی۔

ترجمہ: ٣ؔ دوسرے قول کی وجہ دیہاتی کی حدیث میں انکے اس سوال کے بعد حضورؐ نے فرمایا، کہ کیا ان پانچ نمازوں کے بعد کچھ اور بھی فرض ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں! مگر یہ کہ نفل پڑھو۔لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح : جامع صغیر میں دوسرا قول نقل کیا ہے کہ عید کی نماز سنت ہے۔اسکی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نجد کے ایک دیہاتی کو آپؐ نے فرمایا تھا کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، تو انہوں نے پوچھا تھا کہ کیا اور بھی فرض ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ نہیں، اور فرض نہیں ہے، ہاں نفل ہے اگر پڑھو تو نفل کے طور پر پڑھ سکتے ہو۔جس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز فرض نہیں ہے نفل یا سنت کے درجے میں ہے۔حدیث یہ ہے۔ سمع طلحة بن عبيد الله يقول : جاء رجل الى رسول الله ﷺ من أهل نجد ثائر الرأس نسمع دوى صوته و لا نفقه ما يقول حتى دنا فاذا هو يسأل عن الاسلام فقال رسول الله ﷺ : خمس صلوات فى اليوم و الليلة ، فقال هل على غيرها قال : لا الا ان تطوع ۔(بخاری شریف، باب الزکاۃ من الاسلام، ص ۱۱، نمبر ۴۶/مسلم شریف، باب بیان الصلوات التی ھی أرکان الاسلام، ص ۲۶، نمبر ۱۰۰/۱۱) اس حدیث میں ہے کہ پانچ نماز کے علاوہ نفل ہے، جس سے معلوم ہوا کہ عیدین واجب نہیں ہے سنت کے درجے میں ہوسکتی ہے۔لیکن حضرت امام ابوحنیفہ کا یہ قول کہ عید کی نماز واجب ہے یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

ترجمہ: ٤ؔ اور عید کو سنت کہنا اس بنا پر ہے کہ عید کا وجوب حدیث یعنی سنت سے ثابت ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ حدیث میں جو عید کی نماز کو سنت کہا ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ عید کی نماز کا ثبوت سنت یعنی حدیث سے ہے اسلئے اسکو سنت کہا ہے، ورنہ حقیقت میں عید کی نماز واجب ہے۔

ترجمہ: (٦٣٦) عید الفطر کے دن مستحب ہے کہ انسان عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھائے، اور غسل کرے، اور مسواک

ويتطيب ﴾ ۱؎ لما روى انه صلى الله عليه وسلم كان يطعم فى يوم الفطر قبل ان يخرج الى المصلى ۲؎ وكان يغتسل فى العيدين ولانه يوم اجتماع فيسن فيه الغسل والتطيب كما فى الجمعة

کرے،اورخوشبولگائے۔

تشریح : اس عبارت میں عید کے لئے چار سنتیں بیان کی گئی ہیں۔[۱] عید الفطر میں عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھائے [۲] نماز میں جانے سے پہلے غسل کرے [۳] مسواک کرے [۴] اور خوشبو لگائے۔ یہ سب جمعہ میں بھی سنت ہیں اور عید میں بھی سنت ہیں، کیونکہ جمعہ میں بھی اور عیدین میں بھی عام آدمیوں کا اجتماع ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐ عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کھایا کرتے تھے۔

وجہ : (۱) عید الفطر میں میٹھی چیز کھانا سنت ہے اسکے لئے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن انس بن مالك قال كان رسول الله ﷺ لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات .وفي حديث آخر. حدثني أنس عن النبي ﷺ و يأكلهن وترا. (بخاری شریف، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج ،ص ۱۴۲، نمبر ۵۴۲) حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ جانے سے پہلے عید الفطر میں کچھ میٹھی چیز کھانا چاہئے۔ اور عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا مستحب ہے۔ (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال كان رسول الله لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ولا يأكل يوم النحر حتى يذبح (سنن للبیہقی ، باب یترک الاکل یوم النحر حتی یرجع ج ثالث ص ۴۰۱، نمبر ۶۱۵۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج، ص ۱۴۲، نمبر ۵۴۲) (۳) عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال كان النبي ﷺ لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ، و لا يطعم يوم الاضحى حتى يصلى (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج، ص ۱۴۲، نمبر ۵۴۲ رابن ماجۃ شریف، باب فی الاکل یوم الفطر قبل ان یخرج، ص ۲۵۰، نمبر ۱۷۵۶) اس حدیث میں ہے کہ عید الفطر میں نماز سے پہلے اور عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھایا کرتے تھے۔

ترجمہ: ۲؎ اور عیدین میں غسل کرے، اور اس لئے بھی کہ وہ اجتماع کا دن ہے تو اس میں غسل کرنا اور خوشبو لگانا مسنون ہے جیسے جمعہ میں مسنون ہے

تشریح : عیدین میں جمعہ کی طرح اجتماع ہوتا ہے اسلئے جس طرح جمعہ میں لوگوں کو اذیت سے بچانے کے لئے غسل کرنا اور خوشبو کرنا مسنون ہے اسی طرح عیدین میں بھی مسنون ہے۔

وجہ : (۱) غسل سنت ہے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال : كان رسول الله ﷺ يغتسل يوم الفطر و يوم الاضحى .(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الاغتسال فی العیدین، ص ۱۸۶، نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین میں غسل کرنا سنت ہے۔ (۲) عن ابن عمر انه كان يغتسل فى العيدين اغتسالا من الجنابة . (سنن للبیہقی، باب

٣ ويلبس احسن ثيابه لان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم كان له جبة فَنَک اوصوف يلبسها فی الاعياد (۶۳۷) ويؤدی صدقة الفطر ۱ اغناء للفقير ليتفرغ قلبه للصلوة

(۳) الاغتسال للاعیاد ج اول ص ۴۴۷، نمبر ۱۴۲۸ مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۴۲۶ فی الغسل یوم العیدین ج ثانی ص ۵۵۰، نمبر ۵۷۷۰ چونکہ عید بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہے اس لئے جو چیزیں جمعہ میں سنت ہوں گی وہی کام عیدین میں سنت ہوں گے۔ اور جمعہ میں یہ کام سنت ہیں (۴) حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری و ابی هريرة قالا قال رسول الله ﷺ من اغتسل يوم الجمعة و لبس من احسن ثيابه و مس من طيب ان كان عنده ثم اتی الجمعة. (ابوداؤد شریف، باب الغسل للجمعۃ ص ۵۶ نمبر ۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔ اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو ملے اور عیدین بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہیں اس لئے ان میں بھی یہ کام کرنا سنت ہونگے۔

ترجمہ: ٣ اور عید کے دن اپنے کپڑوں میں سے عمدہ کپڑا پہنے۔ اسلئے کہ حضورؐ کے پاس فنک یا اون کا جبہ تھا جسکو آپ عید میں پہنا کرتے تھے۔

تشریح : چونکہ لوگوں کے اجتماع کا دن ہے اسلئے اپنے پاس جتنے کپڑے ہیں ان میں سے جو عمدہ ہو اسکو پہنے تا کہ لوگوں کو بھی خوشی ہو۔ چنانچہ حضورؐ کے پاس یمنی چادر تھی جسکو آپؐ عید میں پہنا کرتے تھے۔

لغت: :فنک: لومڑی سے چھوٹا ایک جانور ہوتا ہے، اسکی کھال بہت عمدہ ہوتی ہے، لوگ اسکا جبہ بناتے ہیں۔ صوف: اون۔

وجہ : (۱) عید کے دن اچھے کپڑے پہننے کی حدیث موجود ہے۔ ان عبد الله بن عمر قال اخذ عمر جبة من استبرق تباع فی السوق فاخذها فاتی بها رسول الله فقال يا رسول الله ابتع هذه تجمل بها للعيد و الوفود. (بخاری شریف، باب ما جاء فی العیدین والتجمل فیھما ص ۱۳۰ نمبر ۹۴۸) اس حدیث میں ہے تجمل بها للعيد و الوفود جس سے معلوم ہوا کہ عید کے لئے اچھے کپڑے پہننا اور خوبصورت بننا سنت ہے۔ (۲) جبۃ فنک ، سے صاحب ھدایہ کا اشارہ غالبا اس حدیث کی طرف ہے۔ عن جابر أن رسول الله كان يلبس برده الاحمر فی العيدين و الجمعة ۔ (سنن بیہقی، باب الزینۃ للعید، ج ثالث، ص ۳۹۷، نمبر ۶۱۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے لئے آپؐ سرخ دھاری والی چادر اوڑھا کرتے تھے۔

ترجمہ: (۶۳۷) صدقۃ الفطر ادا کرے۔

ترجمہ : ۱ فقیر کو مالدار کرنے لئے تا کہ اس کا دل نماز کے لئے فارغ ہو جائے۔

تشریح : عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۃ فطر ادا کرے تو بہتر ہے، اور اگر نہ کرسکا تو واجب ساقط نہیں ہوگا بلکہ بعد میں بھی ادا کرنا ہوگا۔

(٦٣٨) ویتوجه الی المصلی ولا یکبر ﴾ ل عند ابی حنیفةؒ فی طریق المصلی وعندهما یکبر اعتبارا بالاضحی

وجه : عن ابن عمرؓ قال : فرض رسول الله ﷺ زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على العبد و الحر و الذكر و الانثى و الصغير و الكبير من المسلمين ، و أمر بها أن تؤدى قبل خروج الناس الى الصلاة . (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر، ص۲۴۴، نمبر ۱۵۰۳/ مسلم شریف، باب الامر باخراج زکاۃ الفطر قبل الصلاۃ، ص ۳۹۸، نمبر ۲۲۸۸/۹۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے تاکہ غریب کے پاس کچھ مال ہو جائے تو وہ دل کے فراغت کے ساتھ عید کی نماز پڑھے۔

ترجمه: (٦٣٨) اور عیدگاہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے گا عیدگاہ کے راستہ میں زور سے۔

ترجمه: ل بقرعید پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک عید الفطر میں راستہ میں تکبیر زور سے نہیں پڑھے گا بلکہ آہستہ پڑھے گا اور عید الاضحیٰ کے وقت راستہ میں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر ایک قسم کی دعا ہے اور دعا کو آہستہ پڑھنا چاہئے اس لئے عید الفطر میں تکبیر آہستہ پڑھے گا۔ (۲) ان کا استدلال اس اثر سے ہے۔ عن شعبة قال كنت اقود ابن عباس يوم العيد فيسمع الناس يكبرون فقال ما شأن الناس قلت يكبرون قال يكبر الامام؟ قلت لا قال امجانين الناس (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۱۳ فی التکبیر اذا خرج الی العید ج ثانی ص ۴۸۸، نمبر ۵۶۲۹) اس اثر میں حضرت ابن عباس نے زور سے تکبیر کہنے سے انکار کیا ہے۔ البتہ عید الاضحیٰ میں زور سے تکبیر بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اس لئے وہاں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

فائده: صاحبین کے نزدیک دونوں میں تکبیر زور سے پڑھے گا۔ (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان عبد الله بن عمر اخبره ان رسول الله ﷺ كان يكبر يوم الفطر من حين يخرج من بيته حتى يأتى المصلى ۔ (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۸/ مستدرک للحاکم، کتاب صلوۃ العیدین، ج اول، ص ۴۳۸، نمبر ۱۱۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ تک زور سے تکبیر پڑھے (۲) عن ابن عمر أنه اذا غدا يوم الاضحى و يوم الفطر يجهر بالتكبير حتى يأتى المصلى ، ثم يكبر حتى يأتى الامام ۔ (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۷۰۰/ مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۱۳، فی التکبیر اذا خرج الی العید، ج اول، ص ۴۸۷، نمبر ۵۶۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے راستے

۲ وله انّ الاصل فی الثناء الاخفاء والشرع وردبه فی الاضحی لانه یوم تکبیر ولاکذلک الفطر(۶۳۹) ولا یتنفل فی المصلی قبل صلوٰة العید ﴾ ا لان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یفعل ذٰلک مع حرصه علی الصلوٰة

میں تکبیر زور سے کہی جائے گی۔

ترجمه: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ثناء اور ذکر میں اصل پوشیدگی ہے، اور حدیث میں زور سے تکبیر کے بارے میں عید الاضحیٰ کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اسلئے کہ وہ تکبیر کا دن ہے، اور عید الفطر کا دن ایسا نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر ایک قسم کا ذکر ہے اور ذکر کے بارے میں آیت یہ ہے کہ اسکو آہستہ پڑھے اسلئے عید الفطر میں تکبیر آہستہ پڑھے (۱) آیت یہ ہے۔ ادعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین ، (آیت ۵۵ سورة الاعراف ۷۔(۲) أذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول بالغدو و الاصال و لا تکن من الغافلین ۔(آیت ۲۰۵، سورة الاعراف ۷)ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ ذکر آہستہ کہنا چاہئے ، اسلئے عید الفطر کی تکبیر بھی آہستہ کہے ۔(۳) اور جو تکبیر کی حدیث ہے وہ عید الاضحیٰ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور وہ بھی اوپر کی آیت کے خلاف وارد ہوئی ہے اسلئے وہ صرف عید الاضحیٰ ہی میں رہے گی (۴) دوسری بات یہ ہے کہ عید الاضحیٰ کا دن ذبح کا دن ہے جس میں تکبیر زور سے پڑھی جاتی ہے اسلئے بھی اس دن زور سے تکبیر کہنے کے مناسب ہے اور عید الفطر کا دن ذبح کا دن نہیں ہے اسلئے اس دن زور سے تکبیر کہنے کے مناسب نہیں ہے۔(۵) اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن الاعمش قال : کنت أخرج مع أصحابنا ابراهیم و خیثمة و ابی صالح یوم العید فلا یکبرون . (مصنف ابن ابی شیبة، باب فی التکبیر اذا خرج الی العید، ج اول، ص ۴۸۷، نمبر ۵۶۲۳)اس اثر میں ہے کہ یہ بڑے حضرات عید کے دن تکبیر نہیں کہتے تھے۔ تاہم تکبیر دونوں کے یہاں ہے البتہ اس بات کے استحباب میں اختلاف ہے کہ زور سے تکبیر پڑھنا مستحب ہے یا آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔

ترجمه: (۶۳۹) عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہیں پڑھی جائے گی۔

ترجمه: ا اسلئے کہ نماز کی حرص کے باوجود حضورؐ نے نفل نہیں پڑھی۔

تشریح : عید سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، اس بارے میں تفصیل ہے کہ عیدگاہ کے علاوہ بھی عید سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ، باقی دوسری جگہ پڑھنا جائز ہے۔

وجه : (۱) نفل میں مشغول ہوگا تو عید کی نماز پڑھنے میں دیر ہوگی۔ حالانکہ اس کو سب سے پہلے کرنا ہے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلها و لا بعدها و معه

۲ ثم قيل الكراهة فى المصلى خاصة وقيل فيه وفى غيره عامة لانه صلى الله عليه وسلم لم يفعله

(۶۴۰) واذا حلت الصلوٰة بارتفاع الشمس دخل وقتها الى الزوال واذا زالت الشمس خرج وقتها ۱ لان النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى العيد والشمس على قيدرمح اورمحين.

بلال . (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹ مسلم شریف، باب ترک الصلاۃ قبل العید وبعدھا فی المصلی ص ۳۵۶، نمبر ۸۸۴/۲۰۵۷/ ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ بعد صلوۃ العید ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے پہلے اور بعد میں بھی نماز نفل نہیں پڑھنی چاہئے۔ لیکن دوسری حدیث میں ہے کہ عید سے پہلے تو آپ نے نفل نہیں پڑھی لیکن عید کے بعد گھر میں آکر نفل پڑھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ عید کے بعد عیدگاہ میں تو اچھا نہیں ہے البتہ گھر میں نفل پڑھ سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال : كان رسول الله ﷺ لا يصلى قبل العيد شيئا فاذا رجع الى منزله صلى ركعتين ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل صلاۃ العید وبعدھا، ص ۱۸۳، نمبر ۱۲۹۳) اس حدیث میں ہے کہ عید کے بعد گھر میں نفل پڑھ سکتا ہے۔ (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس كره الصلوة قبل العيد. (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید و بعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید سے پہلے تو نفل مکروہ ہے بعد میں نہیں۔

ترجمہ: ۲ پھر کہا گیا ہے کہ کراہیت خاص طور پر عیدگاہ میں نفل پڑھنے میں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ عیدگاہ اور اسکے علاوہ میں عام ہے اسلئے کہ حضورؐ نے نماز نہیں پڑھی ہے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، اور اسکے علاوہ میں پڑھ سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ عیدگاہ اور غیر عیدگاہ دونوں میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اسکی دلیل اوپر کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے حرص کے باوجود نفل نہیں پڑھی۔

وجہ : (۱) اور جو حضرات فرماتے ہیں کہ عیدگاہ کے علاوہ میں نفل پڑھ سکتا ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عباس بن سهل أنه كان يرى أصحاب رسول الله ﷺ فى الاضحى و الفطر يصلون فى المسجد ركعتين و لا يرجعون اليه ۔ (سنن بیہقی، باب المأموم یتنقل قبل صلاۃ العید وبعدھا فی بیتہ والمسجد وطریقہ، ج ثالث، ص ۴۲۵، نمبر ۶۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ کے علاوہ میں نفل پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۶۴۰) پس جب نماز حلال ہو جائے سورج کے بلند ہونے سے تو نماز عید کا وقت داخل ہو جائے گا زوال تک، پس جب سورج زائل ہو گیا تو اس کا وقت نکل گیا۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ حضور عید کی نماز سورج کے ایک نیزہ یا دو نیزہ اوپر اٹھنے پر پڑھتے تھے۔

تشریح : سورج نکلتے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا حرام ہے، اسلئے جب سورج تھوڑا بلند ہو جائے یعنی ایک نیزہ یا دو نیزے کے برابر اونچا ہو جائے تب کوئی بھی نماز پڑھنا حلال ہو جاتا ہے اور اسی وقت سے عید کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے، اور سورج سر پر آنے تک یعنی ٹھیک دو پہر سے پہلے تک نماز جائز ہے اور ٹھیک دو پہر کے وقت نماز پڑھنا حرام ہو جاتا ہے، اس وقت تک عید کا بھی وقت رہتا ہے اسکے بعد عید کا وقت ختم ہو جاتا ہے، پس اگر ٹھیک دو پہر سے پہلے عید کی نماز پڑھ لی تو ٹھیک ہے اور اگر کسی وجہ سے اس وقت سے پہلے نماز نہ پڑھ سکے تو اب دوسرے دن نماز پڑھے، آج اسکا وقت ختم ہو گیا۔

لغت : رمح: نیزہ، بھالا، بھالا کے اگلے حصے میں دھار دار لوہا لگا ہوتا ہے اور اسکو پکڑ کر پھینکنے کے لئے پچھلے حصے میں تقریبا ساڑھے چار فٹ کی لاٹھی لگی ہوتی ہے اس طرح نیزے کی لمبائی پانچ فٹ ہوتی ہے، اور دو نیزے کی لمبائی دس فٹ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سورج افق سے پانچ فٹ، یا دس فٹ اونچا ہو جائے تب کوئی نماز پڑھنا حلال ہوگا اور عید کی نماز کا وقت شروع ہوگا۔ سوج نکلنے سے دس منٹ کے بعد نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ سورج کی نچلی کناری افق کو چھوڑ دے تو قاعدے کے اعتبار سے نماز حلال ہو جائے گی۔ سورج نکلنے کا جو ٹائم دیا ہوتا ہے اس سے پانچ منٹ کے بعد نماز حلال ہو جائے گی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ سورج نکلنے کے ٹائم سے دس منٹ کے بعد اشراق پڑھے۔

وجہ : (۱) آفتاب ایک نیزہ یا دو نیزہ اوپر اٹھ جائے تو عید کا وقت ہوگا اور زوال تک رہے گا اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ جو صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے۔ **عن عمرو بن عنبسة السلمی أنه قال قلت یا رسول الله ! أی اللیل اسمع ؟ .....حتی تصلی الصبح ثم اقصر حتی تطلع الشمس فترتفع قیس رمح أو رمحین فانها تطلع بین قرنی شیطان و یصلی لها الکفار ، ثم صل ما شئت فان الصلاة مشهودة مکتوبة حتی یعدل الرمح ظله ثم اقصر فان جهنم تسجر و تفتح ابوابها**۔ (ابوداود شریف، باب من رخص فیهما اذا کانت الشمس مرتفعة، ص ۱۹۱، نمبر ۱۲۷۷) اور نسائی شریف کی حدیث میں صرف قید رمح ہے یعنی ایک نیزہ سورج اوپر ہو جائے تو نماز حلال ہے،۔ **سمعت عمرو بن عبسة یقول ....فدع الصلاة حتی ترتفع قید رمح و یذهب شعاعها ثم الصلاة محضورة مشهودة حتی تعتدل الشمس اعتدال الرمح بنصف النهار** (نسائی شریف، باب النهی عن الصلوة بعد العصر، ص ۹۷، نمبر ۵۷۳) اس حدیث میں ہے کہ سورج ایک نیزہ تک بلند ہو جائے تو نماز حلال ہے اور زوال تک حلال رہے گا، یہی عید کی نماز کا وقت ہے۔ (۲) **قال خرج عبد الله بن بسر صاحب رسول الله ﷺ مع الناس فی یوم عید الفطر او اضحی فانکر ابطاء الامام فقال انا کنا قد فرغنا ساعتنا هذه و ذلک حین التسبیح**. (ابوداؤد شریف، باب وقت الخروج الی العید ص ۱۶۸ نمبر ۱۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تسبیح یعنی نماز اشراق کے وقت آپ ﷺ نماز عید سے فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے یہی وقت نماز عید کا ہوگا (۳) پہلے ضروری نوٹ میں ایک حدیث بخاری کی گزری جس میں یہ لفظ تھا .**عن البراء بن عازب قال قال سمعت النبی**

۲ ولما شهدوا بالهلال بعد الزوال امر بالخروج الی المصلی من الغد (۱ ۲۴) ویصلی الامام بالناس رکعتین یکبر فی الاولیٰ للافتتاح وثلثا بعدها ثم یقرأ الفاتحة وسورة ویکبر تکبیرة یرکع بها ثم یبتدی فی الرکعة الثانیة بالقراء ة ثم یکبر ثلثا بعدها ویکبر رابعة یرکع بها ﴾ ١ وهذا قول ابن مسعودؓ وهو قولنا.

صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال ان اول ما نبدأبه فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر (بخاری شریف، باب سنة العیدین لاہل الاسلام ص ۱۲۱ نمبر ۹۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ اس دن سورج نکلنے کے بعد پہلی چیز نماز عید پڑھنا ہے۔اس لئے سورج بلند ہونے کے بعد عید کی نماز کا وقت ہوگا۔اور زوال کے بعد وقت ختم ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور چاند دیکھنے کی گواہی زوال کے بعد دی تو عیدگاہ کی طرف دوسرے دن نکلنے کا حکم دیا جائے گا۔

تشریح: اگر کسی نے عید کے چاند دیکھنے کی گواہی ٹھیک دوپہر کے وقت دیا یا اسکے بعد دیا تو چونکہ آج عید کا وقت ختم ہو چکا ہے اسلئے اب دوسرے دن عید کی نماز پڑھے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عمومة له من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رکبا جاء وا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشهدون انهم روا الهلال بالامس فامرهم ای یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاهم. (ابوداؤد شریف ، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۷ / ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الشھادۃ علی رؤیۃ الھلال ص ۲۳۷، نمبر ۱۶۵۳) اس حدیث میں زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے تو اس دن نماز نہیں پڑھی بلکہ اگلے دن صبح کو نماز عید پڑھنے کے لئے کہا جو اس بات کی دلیل ہے کہ زوال کے بعد عید کا وقت نہیں رہتا۔

ترجمہ: (۶۴۱) امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے ، پہلی رکعت میں نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر کہے،اور تین تکبیریں اسکے بعد کہے پھر سورہ فاتحہ پڑھے اور سورت ملائے اور تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے ، پھر دوسری رکعت قرأت کے ساتھ شروع کرے پھر اسکے بعد تین تکبیر زوائد کہے اور چوتھی تکبیر کہے اور اسکے ساتھ رکوع میں جائے۔

ترجمہ: ١ یہ ابن مسعودؓ کا قول ہے اور وہی ہمارا قول ہے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عید کی نماز کیسے پڑھائے اور تکبیر زوائد کتنی کہے اور کب کہے دونوں رکعتوں میں قرأت سے پہلے یا پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔۔فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے تکبیر زوائد کہے،اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تکبیر زوائد کہے،اور پہلی رکعت میں بھی تین تکبیر زوائد کہے اور دوسری رکعت میں بھی تین ہی تکبیر زوائد کہے۔

۲؎ وقال ابن عباسؓ یکبر فی الاولیٰ للافتتاح وخمسًا بعدها وفی الثانیة یکبر خمسًا یقرأ وفی روایة یکبر اربعًا وظهر عمل العامة الیوم بقول ابن عباس لامر بنیه الخلفاء

وجه: (۱) حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدها . (بخاری شریف، باب الصلوۃ قبل العید وبعدھا ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹ رمسلم شریف، باب ترک الصلاۃ قبل العید وبعدھا فی المصلی، ص ۳۵۶، نمبر ۸۸۴ ر ۲۰۵۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عید کی نماز صرف دو رکعت پڑھائی۔ اس لئے عید کی نماز صرف دو رکعت ہوگی۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ سل هذا لعبد الله ابن مسعود ، فسأله فقال ابن مسعود : یکبر اربعا ، ثم یقرأ ، ثم یکبر فیرکع ، ثم یقوم فی الثانية فیقرأ ، ثم یکبر أربعا بعد القرأة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب التکبیر فی الصلوۃ یوم العید ج ثالث ص ۱۶۷ نمبر ۵۷۰۴ رمصنف ابن ابی شیبة، باب ۴۲۰، فی التکبیر فی العیدین واختلافهم فیه، ج اول، ص ۴۹۴، نمبر ۵۷۰۴) اس اثر میں ہے کہ پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے چار تکبیر کہے، جسکا مطلب یہ ہوا کہ ایک تکبیر تحریمہ کا اور باقی تین تکبیریں زوائد ہیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیریں کہے، یعنی تین تکبیر زاوائد اور ایک تکبیر رکوع کے لئے۔ مصنف عبد الرزاق کے اسی اثر میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت سعید بن عاصؓ نے بھی حضرت ابن مسعودؓ کے اس قول پر سکوت فرمایا جسکا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کی بھی رائے یہی ہے (۲) تین تکبیر زوائد کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سأل ابو موسى الاشعری و حذیفة بن الیمان کیف کان رسول الله یکبر فی الاضحی والفطر؟ فقال ابو موسى کان یکبر اربعا تکبیرة علی الجنائز فقال حذیفة صدق (ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۳ رسنن للبیهقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعا، ج ثالث، ص ۴۰۸، نمبر ۶۱۸۳ رمصنف عبد الرزاق، باب التکبیر فی الصلوۃ یوم العید ج ثالث ص ۱۶۷ نمبر ۵۷۰۴) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں تکبیر احرام کے بعد تین تکبیر کہی جائے گی۔ تو تکبیر احرام کے ساتھ چار تکبیریں ہوگئیں۔ اس طرح دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیر زائد کہی جائے گی تو تکبیر رکوع کے ساتھ چار تکبیریں ہو جائیں گی۔ (۲) اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی اس کی دلیل یہ اثر ہے فاسندوا امرهم الی ابن مسعود فقال تکبیر اربعا قبل القراءة ثم تقرأ فاذا فرغت کبرت فرکعت ثم تقوم فی الثانية فتقرأ فاذا فرغت کبرت اربعا (سنن للبیهقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی التکبیر اربعا ج ثالث ص ۴۰۸، نمبر ۶۱۸۳ رمصنف عبد الرزاق، باب التکبیر فی الصلوۃ یوم العید ج ثالث ص ۱۶۸ نمبر ۵۷۰۴) اس اثر میں موجود ہے کہ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی۔ تین تکبیر زوائد کی اور ایک تکبیر رکوع کی ہوگی۔

ترجمه: ۲؎ اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں تحریمہ کے لئے تکبیر کہے، اور اسکے بعد پانچ تکبیر کہے، اور

۳ فاما المذهب فالقول الاوّل لان التكبير ورفع الايدى خلاف المعهود فكان الاخذ بالاقل اولى

۴ ثم التكبيرات من اعلام الدين حتى يجهر بها فكان الاصل فيها الجمع وفى الركعة الاولىٰ يجب الحاقها بتكبيرة الافتتاح لقوتها من حيث الفرضية والسبق وفى الثانية لم يوجد الاتكبيرة الركوع فوجب الضم اليها

دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہے پھر قرأت کرے، اور ایک روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں چار تکبیر کہے۔ آج کل عام لوگوں کا عمل حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے قول پر ہے، کیونکہ بنو عباس کے خلفاء نے اس کا حکم دیا ہے۔

تشریح : حضرت ابن عباسؓ کا عام قول تو یہی ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیر کہے اور دوسری رکعت میں پانچ۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر زوائد کہے، اور ایک روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں چار تکبیر کہے، اور دونوں رکعتوں میں تکبیر قرأت سے پہلے کہے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت ابن عباس کے بیٹوں کی خلافت ہے اسلئے انہوں نے حکم دیا کہ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق تکبیر کہی جائے اسلئے انہیں کے قول پر عام لوگ عمل کر رہے ہیں۔

وجه :(۱) دوسری روایت کے مطابق اثر یہ ہے. عن عبد الله بن حارث قال : صلى بنا ابن عباس يوم عيد فكبر تسع تكبيرات : خمسا فى الاولى و أربعا فى الآخرة و آلى بين القرأتين ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۴۲۰، فی التکبیر فی العیدین واختلافھم فیہ، ج اول، ص ۴۹۵، نمبر ۵۷۰۷) اس اثر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباسؓ نے پہلی میں پانچ اور دوسری میں چار تکبیر کہی

ترجمه: ۳ بہر حال صحیح مذہب تو پہلا ہی قول ہے اسلئے کہ تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا معہود کے خلاف ہے اسلئے کم سے کم کو لینا اولی ہے۔

تشریح : صرف چھے تکبیر زوائد ہونے کی حنفیہ کی جانب سے یہ دلیل عقلی ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ تکبیر کہنا اور ہاتھ اٹھانا یہ عام نمازوں کا جو خاکہ ذہن میں ہے اسکے خلاف ہے، کیونکہ نماز میں سکون سے رہنے کے لئے کہا گیا ہے۔ آیت میں ہے۔ حافظوا على الصلوات و الصلوة الوسطى وٰ قوموا لله قٰنتين ۔(آیت ۲۳۸، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے سکون سے نماز میں کھڑا رہو، اسلئے بار بار ہاتھ اٹھانا اتنا اچھا نہیں ہے اسلئے جتنا کم ہاتھ اٹھانا پڑے وہ بہتر ہے، اور اثر سے کم سے کم تین مرتبہ ہاتھ اٹھانے کی روایت ملتی ہے اسلئے تین مرتبہ اٹھانا بہتر ہوگا۔ ۔معہود: کا ترجمہ ہے، ذہن میں کسی چیز کے بارے میں جو ایک خاکہ ہوتا ہے اسکو معہود کہتے ہیں۔

ترجمه: ۴ پھر تکبیر دین کے اعلام میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ اسکو زور سے پڑھا جاتا ہے، اسلئے اصل اس میں جمع کرنا ہوگا، اور

۵؎ والشافعیؒ اخذ بقول ابن عباس انہ حمل المروی کلہ علی الزوائد فصارت التکبیرات عندہ خمسۃ عشرا وستۃ عشر

پہلی رکعت میں اسکو تکبیر افتتاح کے ساتھ جمع کرنا واجب ہوگا فرضیت کے اعتبار سے اور پہلے ہونے کے اعتبار سے قوی ہونے کی وجہ سے، اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع کے علاوہ کوئی نہیں پائی گئی ہے اسلئے اس کے ساتھ ملانا واجب ہوگا۔

تشریح : پہلی رکعت میں تکبیر زوائد تکبیر تحریمہ کے ساتھ کیوں ہو اور قرأت سے پہلے کیوں ہو۔ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد اور رکوع کی تکبیر کے ساتھ کیوں ہو اسکی دلیل عقلی ہے۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ تکبیرات زوائد دین کے اعلام یعنی شعائر اور جھنڈوں میں سے ہیں، اسی جھنڈے کو بلند کرنے کے لئے اسکو زور سے پڑھا جاتا ہے، اور شعائر کا قاعدہ یہ ہے کہ اور تکبیر جو پڑھی جاتی ہو اسکے ساتھ ملا کر پڑھی جائے، اس اعتبار سے تکبیر تحریمہ اسکے زیادہ مناسب ہے کہ اسکے ساتھ ملا کر پڑھی جائے، کیونکہ وہ تکبیر فرض ہے اس اعتبار سے اسکی قوت ہے اور نماز کے بالکل شروع میں ہے اسلئے تکبیر افتتاح جسکو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اسکے ساتھ ملا کر تکبیر زوائد کو پڑھنا زیادہ بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ سب اماموں کے نزدیک پہلی رکعت میں تکبیر زوائد تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ہے۔ اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کے علاوہ کوئی اور تکبیر اہم نہیں ہے اسلئے دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کے ساتھ تکبیر زوائد کو ملا کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اصل تو وہ اثر ہے جو پہلے گزر گیا۔

ترجمہ: ۵؎ امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو لیا مگر جتنی تکبیروں کی روایت ہے سب کو زوائد پر محمول کیا اسلئے انکے نزدیک پندرہ تکبیریں یا سولہ تکبیریں ہوگئیں۔

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیر اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہی جائے گی اور دونوں میں قرأت کے پہلے تکبیر کہی جائے گی، کیونکہ بہت سی رویت میں اس کا ثبوت ہے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ .... ثم کبر سبعا لیس فیھا تکبیرۃ الافتتاح، ثم قرأ و رکع و سجد، فاذا قام فی الثانیۃ قام بتکبیرۃ القیام، ثم کبر خمسا سوی تکبیرۃ القیام** ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب التکبیر فی صلاۃ العیدین، ج ثالث، ص ۲۳۴، نمبر ۲۵۶۳) اس عبارت میں ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیر اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر زوائد کہے اور دونوں میں قرأت سے پہلے کہے۔

صاحب ھدایہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے تکبیر تحریمہ اور دونوں رکعتوں کے رکوع کی تکبیر کو بھی بارہ تکبیر زوائد کے ساتھ ملا دیا جسکی وجہ سے سب تکبیر ملا کر پندرہ تکبیریں ہوگئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دوسری رکعت میں چھ تکبیر زوائد ہیں، اس روایت کے اعتبار سے سولہ تکبیریں ہو جائیں گی۔

وجہ : (ا) حدیث ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال نبی اللہ التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی و خمس فی الآخرۃ والقراءۃ بعدھما کلیتھم** (ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۱ / ابن

(۶۴۲) قال يرفع يديه فى تكبيرات العيدين ﴾ ۱ يريد به ماسوى التكبير فى الركوع لقوله صلى الله عليه وسلم لا ترفع الايدى الا فى سبع مواطن وذكر من جملتها تكبيرات الاعياد

ماجۃ شریف، باب ما جاء فی کم یکبر الامام فی صلاۃ العیدین ،ص ۱۸۲،نمبر ۱۲۷۷/ دار قطنی ، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۶ نمبر ۱۷۱۱) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائے گی اور قرأت سے پہلے کہی جائے گی۔ یہ اختلاف استحباب کا ہے۔(۲) عن عمار ابن ابی عمار أن ابن عباس كبر فى عيد ثنتى عشرة تكبيرة ، سبعا فى الاولى و خمسا فى الأخرة . (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۴۲۰، فی التکبیر فی العیدین واختلافھم فیہ، ج اول، ۴۹۶،نمبر ۵۷۲۳/ مصنف عبد الرزاق ، باب التکبیر فی الصلوۃ یوم العید ، ج ثالث ،ص ۱۶۶،نمبر ۵۶۷۰) اس اثر میں ہے کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہی ،تو دونوں کو ملا کر بارہ تکبیریں زوائد ہوئیں ، اور ایک تکبیر تحریمہ کی اور دونوں رکعتوں میں دو تکبیریں رکوع کی ہوئیں ،تو مجموعہ تین ہوئیں ، اور بارہ تکبیر زوائد ملا کر پندرہ تکبیریں ہوئیں ۔صاحب ھدایہ نے اسی سب کو ملا کر پندرہ تکبیریں کہی ہیں

ستة عشرة [تكبيرة] سولہ تکبیریں بن جانے کی روایت یہ ہے۔ عن عطاء أن ابن عباس كبر فى عيد ثلاث عشرة : سبعا فى الاولى و ستا فى الأخرة . (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۴۲۰، فی التکبیر فی العیدین واختلافھم فیہ، ج اول، ۴۹۴،نمبر ۵۷۰۱) اس اثر میں ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیر، اور دوسری رکعت میں چھ تکبیریں ،تو دونوں ملا کر تیرہ تکبیریں ہوئیں ، اور ایک تکبیر تحریمہ کی اور دو تکبیریں دونوں رکوع کی ،سب ملا کر سولہ تکبیریں ہوئیں۔

ترجمہ: (۶۴۲) دونوں ہاتھ عیدین کی تکبیر میں اٹھائے گا۔

تشریح : جب جب تکبیر زوائد کہے گا تو کہتے وقت ہاتھ بھی کانوں تک اٹھائے تا کہ شعار کا اظہار زیادہ ہو۔

وجہ : (۱) عن ابن جريج قال : قلت لعطاء : يرفع الامام يديه كلما كبر هذا التكبير الزيادة فى صلوة الفطر ؟ قال : نعم و يرفع الناس أيضا . (مصنف عبد الرزاق ، باب التکبیر بالیدین ، ج ثالث ،ص ۱۶۹،نمبر ۵۷۱۶) اس اثر میں ہے کہ تکبیر زوائد کے وقت ہاتھ بھی اٹھائے (۲) ان عمر بن الخطاب كان يرفع يديه مع كل تكبيرة فى الجنازة والعيدين وهذا منقطع (سنن للبیھقی ، باب رفع الیدین فی تکبیر العید ج ثالث ص ۴۱۲،نمبر ۶۱۸۹/ مصنف عبد الرزاق ، باب التکبیر بالیدین ج ثالث ص ۱۶۹ نمبر ۵۷۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر زوائد کہتے وقت ہاتھ بھی کانوں تک اٹھائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس سے مراد رکوع میں تکبیر کے علاوہ ہے حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا مگر سات جگہوں پر اور اسکے مجموعے میں سے عید کی تکبیر کو ذکر کیا۔

۲ وعن ابی یوسفؒ انه لا یرفع والحجة علیه مارویناه (۶۴۳) قال ویخطب بعد الصلوٰة خطبتین ﴾ ۱ بذلک ورد النقل المستفیض

تشریح : متن میں جو ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ رکوع میں جاتے وقت جو تکبیر ہے اس وقت ہاتھ نہ اٹھائے، اس وقت ہاتھ اٹھانا امام شافعیؒ کے یہاں مسنون ہے، ہمارے یہاں نہیں، اسکے علاوہ تکبیر زوائد اور تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے۔صاحب ھدایہ نے جس اثر کی طرف اشارہ کیا ہے اس میں سات جگہ ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ ہے، لیکن عید کی تکبیر زوائد کے وقت ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ نہیں ہے۔تکبیر زوائد میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ اوپر کے اثر میں گزر گیا۔صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔عن ابن عباس قال : لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن : [۱]اذا قام الی الصلوة [۲] و اذا رأی البیت [۳] و علی الصفا [۴] و المروة [۵] و فی عرفات [۶]و فی جمع [۷] و عند الجمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۵من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، ج اول،ص ۲۱۴،نمبر ۲۴۵۰ سنن بیھقی ، باب رفع الیدین اذا رأی البیت، ج خامس،ص ۱۱۷،نمبر ۹۲۱۰) اس اثر میں ہے کہ سات جگہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھایا جائے گا۔جس میں عید کا تذکرہ نہیں ہے۔البتہ اوپر کے اثر میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ ہے جس سے ہاتھ اٹھانا ثابت کرتے ہیں

ترجمه: ۲ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تکبیر زوائد میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔لیکن انکے خلاف حجت وہ اثر ہے جو اوپر گزر گیا

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ تکبیر زوائد میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا، لیکن اوپر جو اثر بیان کیا وہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت کے خلاف ہے۔

ترجمه: (۶۴۳) پھر نماز کے بعد خطبہ دیں دو خطبے۔

ترجمه: ۱ اسکے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئیں ہیں۔

تشریح: جس طرح جمعہ میں دو خطبے دیئے جاتے ہیں اسی طرح عیدین میں بھی دو خطبے دیئے جائیں گے۔

وجه : (۱) نماز کے بعد خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ وابو بکر و عمر یصلون العیدین قبل الخطبة (بخاری شریف، باب الخطبۃ بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۳ مسلم شریف، باب کتاب صلاۃ العیدین، ص ۳۵۳،نمبر ۸۸۴/۲۰۴۴) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ نماز کے بعد دیا جائے گا۔(۲)۔سمعت ابن عباسؓ قال خرجت مع النبی ﷺ یوم فطر او اضحی فصلی العید ثم خطب ثم اتی النساء فوعظهن (بخاری شریف، باب خروج الصبیان الی المصلی ،ص ۱۳۲،نمبر ۹۷۵ مسلم شریف، باب کتاب صلاۃ العیدین،ص ۳۵۴،نمبر ۸۸۴/۲۰۴۵) اس حدیث میں خطبے کا تذکرہ

(۶۴۴) **يعلّم الناس فيها صدقة الفطر واحكامها** ﴾ لے **لانها شرعت لاجله. (۶۴۵) ومن فاتته صلوٰة العيد مع الامام لم يقضها** ﴾

ہے،اور یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا۔

اور دو خطبے ہوں اسکی دلیل یہ حدیث ہے(۱) **عن جابر قال : خرج رسول الله** ﷺ **يوم فطر أو أضحى فخطب قائما ثم قعد قعدة ثم قام** . (ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الخطبہ فی العیدین ،ص ۱۸۳،نمبر ۱۲۸۹)اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عید میں دو خطبہ دئے (۲) اس اثر میں اسکی تصریح ہے۔ **عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة قال السنة ان يخطب الامام في العيدين خطبتين يفصل بينهما بجلوس** . (سنن بیہقی، باب جلوس الامام حین یطلع علی المنبر الخ، ج ثالث، ص ۴۲۰،نمبر ۶۲۱۳)اس اثر میں ہے کہ عید میں دو خطبے دے۔(۳) جمعہ میں دو خطبے ہیں تو عید بھی جمعہ کی طرح ہے اسلئے عید میں بھی دو خطبے ہونے چاہئے۔

ترجمہ: (۶۴۴) خطبے میں لوگوں کو صدقۃ الفطر اور اسکے احکام سکھلائیں گے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ اسی لئے خطبہ مشروع ہوا ہے۔

تشریح : عید میں جو خطبہ دیں گے تو عید الفطر میں صدقہ فطر اور عید الفطر کے احکام لوگوں کو سکھلائیں گے، اور بقرعید کا موقع ہو تو قربانی وغیرہ کے احکام بتائیں گے تا کہ لوگوں کو اسکی معلومات ہو جائے، کیونکہ ان خطبوں کا مقصد ہی یہی ہے۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ عید الفطر کے موقع پر عورتوں کو صدقہ کی ترغیب دی۔(۱) حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس أن النبي صلى يوم الفطر ركعتين لم يصل قبلها و لا بعدها ، ثم أتى النساء و معه بلال فأمرهن بالصدقة فجعلن يلقين ، تلقى المرأة خرصها و سخابها** ۔(بخاری شریف، باب الخطبۃ بعد العید،ص ۱۵۵،نمبر ۹۶۴ر مسلم شریف، باب کتاب صلوۃ العیدین،ص ۳۵۴،نمبر ۸۸۴/۲۰۴۵)اس حدیث میں نماز کے بعد صدقہ فطر کے احکام عورتوں کو بتایا۔

ترجمہ: (۶۴۵) جس کی عید کی نماز فوت ہو جائے امام کے ساتھ اس کو قضا نہیں کرے گا۔

تشریح : اگر پورے شہر والے ہی کی نماز فوت ہو گئی ہو تو دوسرے دن سب نماز پڑھے۔لیکن کسی ایک دو آدمی کی نماز فوت ہو گئی تو وہ نماز کی قضاء نہیں کرے گا، البتہ عید کے بدلے میں گھر میں دو رکعت یا چار رکعت نفل پڑھے۔

وجہ: (۱) نماز عید اجتماعیت کے ساتھ مشروع ہے اور جس کی نماز عید امام کے ساتھ چھوٹ گئی تو اب جماعت نہیں ہو سکے گی اس لئے اب نماز عید کو قضا نہیں کرے گا۔البتہ دو رکعت نفل کے طور پر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔دلیل یہ قول ہے **قال عطاء اذا فاتته العيد صلى ركعتين** (بخاری شریف، باب اذا فاتہ العید صلی رکعتین ص ۱۳۴ نمبر ۹۸۷)(۲) **قال عبد الله من فاته العيد**

۱؎ لان الصلوٰة بهذه الصفة لم تعرف قربة الابشرائط لاتتم بالمنفرد (۶۴۶) فان غم الهلال وشهدوا عند الامام برؤية الهلال بعدالزوال صلى العيد من الغد ﴾ ۱؎ لان هٰذا تاخير بعذروقد ورد فيه الحديث(۶۴۷) فان حدث عذر يمنع من الصلوٰة فى اليوم الثانى لم يصلها بعده﴾

فليصل اربعا (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۲۹ الرجل تفوتہ الصلوۃ فی العید کم یصلی ج ثانی ص ۴، نمبر ۵۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کی نماز عید فوت ہو جائے وہ نفلی طور پر چار رکعت پڑھے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اس طرح کی نماز قربت متعارف نہیں ہے مگر کچھ ایسی شرائط کے ساتھ کہ منفرد آدمی سے پوری نہیں ہو سکتی ۔

تشریح : ۔عید کی نماز نہ پڑھنے کی دلیل عقلی ہے۔کہ عید کی نماز قائم کرنے کے لئے ایسی شرائط ہیں کہ اکیلا آدمی اسکو پوری نہیں کر سکتا اسلئے عید کی نماز چھوٹ جانے کے بعد اسکونہیں پڑھ سکتا، مثلا عید کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے، تو اکیلا آدمی جماعت نہیں کر سکتا، عید قائم کرنے کے لئے سلطان ہونا شرط ہے، اور یہاں سلطان نہیں ہے اس لئے بھی عید نہیں پڑھ سکتا۔البتہ دو رکعت نفل کے طور پر پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۶۴۶) پس اگر لوگوں کو چاند نظر نہ آئے اور امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی زوال کے بعد دی تو عید کی نماز اگلی صبح کو پڑھے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ عذر کی بناء پر تاخیر ہے، اور اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے

تشریح : انتیس کی شام کو لوگوں کو چاند دکھائی نہیں دیا، اب دوسرے دن زوال کے بعد، یا ٹھیک دوپہر کو دو آدمیوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو چونکہ عید کی نماز کا وقت ختم ہو چکا ہے اس لئے آج نماز نہیں پڑھے گا اب اگلی صبح کو نماز پڑھے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ عذر کی بنا پر یہ تاخیر ہوئی اور حدیث میں اسکی وضاحت ہے کہ صحابہ کو پہلے دن چاند نظر نہیں آیا اور زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپؐ نے فرمایا کہ کل عید کی نماز پڑھیں۔

وجہ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابى عمير بن انس عن عمومة له من اصحاب النبى ﷺ ان ركبا جاء وا الى النبى ﷺ يشهدون انهم روا الهلال بالامس فامرهم ان يفطروا واذا اصبحوا ان يغدوا الى مصلا هم (ابوداؤد شریف، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۷/ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الشھادۃ علی رؤیۃ الھلال، ص ۲۳۷، نمبر ۱۶۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی آئے تو اگلے دن نماز عید پڑھی جائے گی۔

ترجمہ: (۶۴۷) پس اگر کوئی عذر پیش آجائے کہ لوگوں کو دوسرے دن بھی نماز سے روک دے تو اس کے بعد نماز عید نہیں پڑھی

ل لان الاصل فيها ان لاتقضى كالجمعة الا انا تركناه بالحديث وقدورد بالتاخير الى اليوم الثانى عند العذر (۶۴۸) ويستحب فى يوم الاضحى ان يغتسل ويتطيب ﴾ ل لما ذكرناه.
(۶۴۹) ويؤخر الاكل حتى يفرغ من الصلوٰة ﴾ ل لما روى ان النبى صلى الله عليه وسلم كان لايطعم فى يوم النحر حتى يرجع فيأكل من اضحيته

جائے گی۔

ترجمہ: ل اصل قاعدہ اس میں یہ ہے کہ جمعہ کی طرح اسکی قضاء نہ کی جائے مگر حدیث کی وجہ سے ہمنے اس بات کو چھوڑ دیا، اور حدیث میں عذر کی وجہ سے دوسرے دن تک تاخیر کی بات وارد ہوئی ہے۔

تشریح: دوسرے دن بھی کسی عذر کی وجہ سے عید الفطر کی نماز نہیں پڑھ سکا تو اب تیسرے دن عید الفطر کی نماز نہیں پڑھی جائے گی البتہ بقرعید کی نماز پڑھ سکتا ہے۔اسکا مسئلہ آگے آرہا ہے۔

وجہ: جمعہ کی نماز کی طرح عید کی بھی قضا نہیں ہونی چاہئے لیکن حدیث مذکور کی وجہ سے خلاف قیاس دوسرے دن قضا کروایا۔لیکن تیسرے دن قضا کرنے کی حدیث نہیں ہے اس لئے تیسرے دن عید الفطر کی قضا نہیں کرے۔

ترجمہ: (۶۴۸) عید الاضحیٰ کے دن مستحب ہے کہ غسل کرے،خوشبو لگائے۔

ترجمہ ل اس حدیث کی بنا پر جو پہلے بیان کیا۔

تشریح: عید الاضحیٰ بھی عید الفطر کی طرح ہے اسلئے جو باتیں اس میں سنت ہیں وہ باتیں بقرعید میں بھی سنت ہونگی۔

وجہ: (۱) حدیث یہ ہے۔ عن ابى سعيد الخدرى و ابى هريرة قالا قال رسول الله ﷺ من اغتسل يوم الجمعة و لبس من احسن ثيابه و مس من طيب ان كان عنده ثم اتى الجمعة. (ابوداؤد شریف، باب الغسل للجمعۃ ص ۵۶ نمبر ۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو ملے اور عیدین بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہیں اس لئے ان میں بھی یہ کام کرنا سنت ہونگے۔باقی تفصیل مسئلہ نمبر ۶۳۶ میں گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۶۴۹) اور کھانا مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوجائے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ دسویں ذی الحجہ کو نہیں کھاتے یہاں کہ نماز سے واپس ہوتے، اور قربانی کے گوشت میں سے ہی کھاتے۔

تشریح: بقرعید پر سنت یہ ہے کہ کھانا نماز کے بعد کھائے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ قربانی کے گوشت سے افطار کرے۔

وجہ: (۱) عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال كان النبى ﷺ لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ، و لا يطعم يوم

(۶۵۰) ﴿ويتوجه الى المصلى وهو يكبر﴾ ل لانه صلى الله عليه وسلم كان يكبر فى الطريق.

(۶۵۱) ﴿ويصلى ركعتين كالفطر﴾ ل كذلك نقل

الاضحى حتى يصلى (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج ،ص۱۴۲،نمبر ۵۴۲/ابن ماجۃ شریف، باب فی الاکل یوم الفطر قبل ان یخرج ،ص۲۵۰،نمبر ۱۷۵۶)اس حدیث میں ہے کہ عید الفطر میں نماز سے پہلے اور عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھایا کرتے تھے۔ (۲)اور قربانی کے گوشت کو ہی کھائے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ حدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه : أن النبى ﷺ كان لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ، و كان لا يأكل يوم النحر شيئا حتى يرجع فيأكل من أضحيته (دار قطنی ،کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۹/سنن للبیھقی ، باب یترک الاکل یوم النحر حتی یرجع ج ثالث ص ۴۰۱، نمبر ۶۱۶۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے گوشت سے افطاری کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (۳)یوں بھی روزکھاتا رہا ہے تو آج تھوڑی دیر کے لئے نہ کھائے تاکہ عبادت ہو جائے۔

ترجمه: (۶۵۰) اور عیدگاہ کی طرف زور سے تکبیر کہتے ہوئے متوجہ ہو۔

ترجم: ل اس لئے کہ حضورؐ راستے میں تکبیر کہا کرتے تھے۔

تشـــريـــح: زور سے تکبیر کہتے ہوئے عیدگاہ جائے گا۔ کیونکہ حضور سے روایت ہے کہ آپ تکبیر کہتے ہوئے عیدگا تشریف لیجاتے تھے۔

وجه : (۱)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ان عبد الله بن عمر اخبره ان رسول الله ﷺ كان يكبر يوم الفطر من حين يخرج من بيته حتى يأتى المصلى ۔(دار قطنی ،کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۸/مستدرک للحاکم ، کتاب صلوۃ العیدین ، ج اول ،ص ۴۳۸ ، نمبر ۱۱۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ تک زور سے تکبیر پڑھے (۲) عن ابن عمر أنه اذا غدا يوم الاضحى و يوم الفطر يجهر بالتكبير حتى يأتى المصلى ، ثم يكبر حتى يأتى الامام ۔(دار قطنی ، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۷۰۰/مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۲۱۳، فی التکبیر اذا خرج الی العید، ج اول ،ص ۴۸۷، نمبر ۵۶۱۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے راستے میں تکبیر زور سے کہی جائے گی۔

ترجمه: (۶۵۱) عید الاضحیٰ کی نماز پڑھے گا دو رکعت عید الفطر کی نماز کی طرح۔

ترجمه : ل اسی طرح حدیث میں منقول ہے

تشريح : جس طرح عید الفطر کی نماز دو رکعت پڑھی جاتی ہے اسی طرح بقرعید کی نماز بھی دو رکعت ہی پڑھی جائے گی۔

وجه : (۱) عن ابن عباس ان النبى ﷺ خرج يوم الفطر فصلى ركعتين لم يصل قبلها و لا بعدها . (بخاری

(٦٥٢) ویخطب بعدها خطبتين ﴾ لِ لانه صلى الله عليه وسلم كذلك فعل (٦٥٣) ويعلّم الناس فيهما الاضحية وتكبير التشريق ﴾لِ لانه مشروع الوقت والخطبة ما شرعت الالتعليمه.

شریف، باب الصلوة قبل العید و بعدها ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹ رمسلم شریف، باب ترک الصلاة قبل العید و بعدها فی المصلی ،ص ۳۵۶،نمبر ۸۸۴ر ۲۰۵۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عید کی نماز صرف دو رکعت پڑھائی ۔اس لئے بقرعید کی نماز صرف دو رکعت ہوگی ۔(۲)عن معمر عن الزهری و قتادة قالا : صلاة الضحی و الفطر رکعتان رکعتان . (مصنف عبدالرزاق، باب وجوب صلاۃ الفطر والاضحیٰ ، ج ثالث ،ص ۱۷۲،نمبر ۵۷۲۷رمصنف ابن ابی شیبۃ ، باب الصلاۃ یوم العید من قال رکعتین ، ج ثانی ،ص ۸،نمبر ۵۸۵۱) اس اثر میں ہے کہ بقرعید کی نماز بھی دو رکعتیں ہی ہیں ۔۔اور پہلی حدیث سے یہ پتہ چلا کہ عیدالفطر کی نماز دو رکعت ہے اسلئے اس پر قیاس کر کے بقرعید کی نماز بھی دو رکعت ہی ہوگی ۔

ترجمہ: (٦٥٢) اوراس کے بعد خطبہ دے گا دو خطبے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ حضورؐ نے ایسا ہی کیا ہے۔

تشریح : بقرعید کی نماز کے بعد بھی دو خطبے دے، کیونکہ حضورؐ سے ایسا ہی منقول ہے۔

وجہ : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱)۔سمعت ابن عباسؓ قال خرجت مع النبی ﷺ یوم فطر او اضحی فصلی العید ثم خطب ثم اتی النساء فوعظهن (بخاری شریف، باب خروج الصبیان الی المصلی ،ص ۱۳۲،نمبر ۹۷۵رمسلم شریف ، باب کتاب صلاۃ العیدین ،ص ۳۵۴،نمبر ۸۸۴ر ۲۰۴۵) اس حدیث میں خطبے کا تذکرہ ہے،اور یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا۔

اور دو خطبے ہوں اسکی دلیل یہ حدیث ہے(۲)عن جابر قال : خرج رسول الله ﷺ یوم فطر أو أضحی فخطب قائما ثم قعد قعدة ثم قام . (ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الخطبہ فی العیدین ،ص ۱۸۳،نمبر ۱۲۸۹)اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے عید میں دو خطبہ دئے۔

ترجمہ: (٦٥٣) اس میں قربانی کے احکام اور تکبیر تشریک کے احکام بتلائے۔

ترجمہ : لِ اس لئے کہ وقت کا مشروع ہے،اور خطبہ اسی کی تعلیم کے لئے مشروع ہوا ہے۔

تشریح : بقرعید کے موقع پر جو خطبہ دے گا اس میں قربانی کے احکام بیان کرے،اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرے۔کیونکہ یہ وقت کا تقاضا ہے اور اسی وقت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے یہ خطبہ مشروع ہوا ہے۔

وجہ : حدیث میں بقرعید کے خطبے میں قربانی کے احکام کو بیان فرمایا ہے،حدیث یہ ہے ۔(۱)عن البراء قال : خطبنا النبی

(٦٥٤) فان كان عذر يمنع من الصلوٰة فی يوم الاضحیٰ صلاها من الغدوبعد الغدولايصليها بعد ﴾ ١ ذٰلک لان الصلوة موقتة بوقت الاضحية فيقيد بايامها لكنه مسئ فی التاخير من غير عذر لمخالفة المنقول(٦٥٥) والتعريف الذی يصنعه الناس ليس بشئ﴾

صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر فقال ان اول ما نبدأ به فی یومنا هذا أن نصلی ثم نرجع فننحر ، فمن فعل ذالک فقد اصاب سنتنا ۔(بخاری شریف، باب التکبیر للعید ص ۱۵۵، نمبر ۹۶۸ ر مسلم شریف، باب کتاب الاضاحی، باب وقتها ص ۸۷۵، نمبر ۱۹۶۱/۵۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ بقرعید کے موقع پر خطبہ دیا تو قربانی کے احکام بیان فرمائے ۔جس سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کے موقع پر فطرہ کے احکام اور بقرعید کے موقع پر قربانی کے احکام بیان فرمائے ۔

ترجمه: (٦٥٤) پس اگر کوئی عذر ہو جو دسویں ذی الحجہ میں نماز کو روکتا ہو تو نماز اگلے دن پڑھے، یا اسکے اگلے دن پڑھے، اور اسکے بعد نہ پڑھے۔

تشریح : اگر کسی عذر کی وجہ سے مثلا پہلے دن چاند نظر نہیں آیا اور زوال کے بعد گواہی ہوئی، بارش اور طوفان زیادہ ہے تو گیارھویں ذی الحجہ کو نماز پڑھے، اور کسی عذر کی وجہ سے گیارویں کو بھی نماز نہ پڑھ سکا تو بارھویں کو نماز پڑھے۔ اسکے بعد تیرھویں کو نماز نہیں پڑھ سکتا۔ بارھویں ذی الحجہ تک ہی پڑھ سکتا ہے۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز وقت کے ساتھ مؤقت ہے اسلئے پہلے دن ہی نماز پڑھنی چاہئے لیکن حدیث کی بناء پر ایک دن کی تاخیر کی اور اس پر قیاس کر کے یہ کہا کہ جب تک قربانی کا دن ہے یعنی بارہوں ذی الحجہ تک تو گویا کہ ضحیٰ کا وقت ہے اسلئے عذر کی بنا پر بارہویں ذی الحجہ تک نماز پڑھنے کی گنجائش دی گئی اس سے زیادہ نہیں۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ نماز قربانی کے وقت کے ساتھ متعین ہے اسلئے اسکے دن کے ساتھ مقید ہوگا، لیکن بغیر عذر کے تاخیر کرنے میں گنہگار ہوگا، حدیث کی مخالفت کی بنا پر۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ بقرعید کی نماز قربانی کے دنوں کے ساتھ متعین ہے اسلئے انہیں دنوں میں پڑھنا ضروری ہوگا ، اسکے بعد تیرھویں تاریخ کو نہیں پڑھ سکتا، لیکن اس کا بھی خیال رکھے کہ عذر کی وجہ سے گیارہویں، یا بارہویں کو پڑھ سکتا ہے، بغیر عذر کے مؤخر کرے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ حدیث میں عذر کی بنا پر ایک دن مؤخر کرنے کا ذکر ہے۔

لغت : مؤقت: وقت کے ساتھ خاص ہو۔ منقول: کا ترجمہ ہے، حدیث میں جو منقول ہے۔ مسیء: اچھا نہیں کیا، گنہگار۔

ترجمه: (٦٥٥) اور عرفہ کے ساتھ مشابہت جسکو لوگ کرتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

ل و هو ان یجمع الناس یوم عرفة فی بعض المواضع تشبیها بالواقفین بعرفة لان الوقوف عرف عبادة مختصة بمکان مخصوص فلا یکون عبادة دونه کسائر المناسک.

ترجمه: ل تعریف کا مطلب یہ ہے کہ لوگ عرفہ کے دن بعض جگہ جمع ہوں میدان عرفہ میں وقوف کرنے والوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے۔ اسلئے کہ وقوف عرفہ مخصوص میدان میں عبادت مانا گیا ہے اسلئے اس میدان کے علاوہ میں عبادت نہیں ہوگی، جیسے اور [مناسک حج]، حج کی عبادتیں اور جگہ ادا نہیں ہوسکتیں۔

تشریح : صاحب قدوری کے زمانے میں لوگ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کو کسی میدان میں جا کر روتے گڑگڑاتے اور دعاء کرتے تھے ،جس طرح عرفات میں حاجی لوگ روتے اور دعاء کرتے ہیں، ان حاجیوں کے ساتھ مشابہت کر کے سمجھتے کہ کوئی ثواب کا کام ہے۔ تو ماتن فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ عبادات میدان عرفات کے ساتھ خاص ہیں اسلئے کسی اور میدان میں جا کر دعاء کرنے سے وہ عبادت ادا نہیں ہوگی اور نہ ثواب ملے گا، جس طرح حج کی اور عبادتیں مثلا طواف کرنا رمی جمار کرنا اور جگہ ادا نہیں ہوسکتا اسی طرح وقوف عرفہ وغیرہ بھی اور جگہ ادا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ دین میں زیادتی کی وجہ سے گنہگار ہونے کا خطرہ ہے۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\rose_sketch.jpg not found.

﴿ فصل فی تکبیرات التشریق ﴾

(٦٥٦) ویبدأ بتکبیر التشریق بعد صلوة الفجر من یوم عرفة ویختم عقیب صلوٰة العصر من یوم النحر ﴾ ١ عند ابی حنیفةؒ . ٢ وقالا یختم عقیب صلوٰة العصر من اٰخر ایام التشریق والمسألة مختلفة بین الصحابة فاخذا بقول علی اخذًا بالاکثر اذ هو الاحتیاط فی العبادات

﴿فصل فی تکبیرات تشریق﴾

ترجمه: (٦٥٦)تکبیر تشریق نویں تاریخ فجر کی نماز کے بعد شروع کرے اور دسویں تاریخ عصر کی نماز کے بعد ختم کرے۔

ترجمه : ١ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: تکبیر تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر کی نماز کے بعد شروع کرے گا اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی عصر کی نماز کے بعد تک یعنی کل آٹھ نمازوں تک کہے گا۔

وجه: (١)تکبیر تشریق کا ثبوت اس آیت میں ہے. و یذکروا اسم الله فی ایام معلومات علی ما رزقهم من بهیمة الانعام۔(آیت ٢٨،سورۃ الحج ٢٢)اس آیت میں جو اللہ کا ذکر کرنے کے لئے کہا گیا ہے اس میں تکبیر تشریق بھی ہے۔(٢)اس اثر میں بھی اس کا ذکر. و کان عمرؓ یکبر فی قبة بمنی فیسمعه أهل المسجد فیکبرون و یکبر أهل الاسواق حتی ترتج منی تکبیرا و کان ابن عمر یکبر بمنی تلک الایام و خلف الصلوات ۔(بخاری شریف، باب التکبیر أیام منی و اذا غدا الی عرفة، ص ١٥٦، نمبر ٩٧٠)اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ تکبیر تشریق کہا کرتے تھے۔

دسویں ذی الحجہ کے عصر تک تکبیر کہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابی وائل عن عبد الله[ابن مسعود] انه کان یکبر من صلوة الفجر یوم عرفة الی صلوة العصر من یوم النحر ۔(مصنف ابن ابی شیبة ٢٤ التکبیر من ای یوم هو الی ای ساعة ج اول، ص ٤٨٨ نمبر ٥٦٣٣/ للبیهقی ، باب من استحب ان یبتدئ بالتکبیر خلف صلوة الصبح من یوم عرفة ج ثالث ص ٤٣٩، نمبر ٦٢٧٤)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے فجر سے یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق کہی جائے گی۔

ترجمه: ٢ اور صاحبینؒ نے فرمایا عصر کی نماز کے بعد سے ایام تشریق کے آخری دن تک۔اور مسئلہ صحابہ کے درمیان مختلف فیہ ہے۔اسلئے صاحبینؒ نے حضرت علیؓ کے قول کو اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے لیا، اس لئے کہ عبادات میں یہی احتیاط ہے۔

تشریح :صاحبینؒ نے فرمایا کہ نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا شروع کرے اور تیرھویں تاریخ کے عصر تک تکبیر تشریق پڑھے۔

وجه: (١)اسکی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ کب تکبیر ختم کرے؟ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا

۳؎ واخذ بقول ابن مسعود اخذًا بالاقل لان الجهر بالتكبير بدعة ۴؎ والتكبير ان يقول مرة واحدة ،الله اكبر الله اكبر لا الٰه الاالله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد، هذا هو الماثور عن الخليل صلوات الله عليه

مسلک یہ ہے کہ دسویں کے عصر تک پڑھے، اور حضرت علیؓ کا مسلک یہ ہے کہ تیرھویں کے عصر تک پڑھے، اسلئے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کم سے کم کو اختیار کرتے ہوئے حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے قول کو لیا، اور صاحبین نے احتیاط کو اختیار کرتے ہوئے اکثر تکبیر کو لیا اور حضرت علیؓ کے قول پر عمل کیا۔ (۲) حضرت علیؓ کا قول یہ ہے .عن علیؓ أنه كان يكبر من صلاة الفجر يوم عرفة الى صلاة العصر من آخر أيام التشريق . (مصنف بن ابی شیبة ۴۱۴ التکبیر من ای یوم ھوالی ای ساعة ج اول ص ۴۸۸ نمبر ۵۶۳۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ تیرھویں کی شام تک تکبیر پڑھتے تھے۔ (۳) یہ حدیث بھی ہے دلیل ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ يكبر فى صلوة الفجر يوم عرفة الى صلوة العصر من آخر ايام التشريق حين يسلم من المكتوبات۔ (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۷ نمبر ۱۷۱۹ رسنن للبیھقی، باب من استحب ان یبتدیٔ بالتکبیر خلف صلوة الصبح من یوم عرفة ج ثالث ص ۴۴۰، نمبر ۶۲۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد کہی جائے گی۔ آج کل اسی پر فتوی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے قول کو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے لیا ،کم کو اختیار کرتے ہوئے اسلئے کہ زور سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے قول کو لیا، اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تکبیر ایک قسم کی دعاء ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ دعاء میں اصل یہ ہے کہ آہستہ ہو اسلئے زور سے تکبیر پڑھنا ایک قسم کی بدعت ہے اسلئے کم سے کم دن پڑھنے میں احتیاط ہے، اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے کم سے کم دن کو اختیار کیا۔ ۔ اسکے لئے اثر اوپر گزر چکا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ تکبیر یہ ہے کہ فرض کے بعد ایک مرتبہ کہے:﴿ الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد.﴾ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے

تشریح : اس کلمے کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح فرما رہے تھے اور ذبح نہیں ہو رہا تھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: الله اكبر الله اكبر . تو حضرت ابراہیمؑ نے گردن اٹھائی اور فرمایا . لا اله الا الله والله اكبر. حضرت اسماعیلؑ نے ان دونوں کے کلمات سنے تو انکی زبان سے شکرانہ کلمات نکلے۔ الله اكبر ولله الحمد. تو گویا کہ یہ تین بڑے بڑے بزرگوں کے کلمات کا مجموعہ ہے جسکو تکبیر تشریق میں بلند آواز سے کہا جاتا ہے۔ (۲) اثر میں

(۶۵۷) وهو عقيب الصلوات المفروضات على المقيمين فى الامصار فى الجماعات المستحبة عند ابى حنيفةؒ وليس علىٰ جماعات النساء اذا لم يكن معهن رجل ولا علىٰ جماعة المسافرين اذا لم يكن معهم مقيم﴾

ہے۔قلت لابی اسحاق : کیف کان یکبر علی و عبد اللہ [ابن مسعود] قال : کانا یقولان : اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۱۵، کیف یکبر یوم عرفۃ، ج اول،ص ۴۹۰،نمبر ۵۶۵۲)اس اثر میں ہے کہ یہ حضرات کس طرح تکبیر تشریق کہتے تھے۔

ترجمہ: (۶۵۷) تکبیر تشریق فرض نماز کے بعد ہے شہر میں مقیم پر مستحب جماعت میں،امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔۔چنانچہ عورتوں کی جماعت پر تکبیر تشریق نہیں ہے اگر انکے ساتھ مرد نہ ہو۔اور نہ مسافرین کی جماعت پر اگر انکے ساتھ مقیم نہ ہو۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تشریق کہنے کے لئے پانچ شرطیں ہیں [۱] شہر ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گاؤں اور دیہات میں تکبیر تشریق نہ کہے [۲] مقیم ہو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسافر پر تکبیر واجب نہیں، ہاں امام مقیم ہو تو اسکی اتباع میں مسافر بھی تکبیر تشریق کہے گا۔[۳] مستحب جماعت ہو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف عورتوں کی جماعت ہو تو وہ تکبیر تشریق نہ کہے، کیوں کہ صرف عورتوں کی جماعت مستحب نہیں ہے۔ہاں مرد جماعت کرا رہا ہو اور اسکے پیچھے عورتیں ہوں تو وہ عورتیں تکبیر تشریق کہیں گیں ، کیونکہ مرد کی جماعت کرانا مستحب ہے [۴] فرض نماز کے بعد ہو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر فرض نماز نہ ہو، مثلا نفل ہو یا وتر ہو، عید کی نماز ہو یا جنازہ کی نماز ہو تو اسکے بعد تکبیر تشریق نہیں ہے [۵] جماعت کے بعد ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اسکے بعد تکبیر نہ پڑھے، کیونکہ جماعت نہیں ہے

وجہ : (۱) شہری پر تکبیر تشریق ہے گاؤں والوں پر نہیں اسکی دلیل یہ اثر ہے۔قال علیؓ : لا جمعة و لا تشريق و لا صلاة فطر و لا اضحى الا فى مصر جامع او مدينة عظيمة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳۳۱ من قال لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع، ج اول،ص ۴۳۹،نمبر ۵۰۵۹رمصنف عبد الرزاق، باب القری الصغار ج ثالث ص ۷۰ نمبر ۵۱۹۱)اس اثر میں ہے کہ تکبیر تشریق بڑے شہر میں کیا جا سکتا ہے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہر میں تکبیر تشریق کہی جائے گی گاؤں میں نہیں ۔

(۲) فرض نماز کے بعد تکبیر پڑھے دوسری نمازوں کے بعد نہیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ يكبر فى صلوة الفجر يوم عرفة الى صلوة العصر من آخر ايام التشريق حين يسلم من المكتوبات (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۷ نمبر ۱۷۱۹رسنن للبیھقی، باب من استحب ان یبتدئ بالتکبیر خلف صلوۃ الصبح من یوم عرفۃ ج ثالث ص ۴۴۰،نمبر ۶۲۷۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر تشریق ہر فرض نماز

ل وقالا هو علىٰ كل من صلى المكتوبة لانه تبع للمكتوبة ٢ وله ماروينا من قبل

کے بعد کہی جائے گی۔آج کل اسی پر فتوی ہے۔ (۳) مرد کی جماعت پر ہے صرف عورتوں کی جماعت پر نہیں، اسکے لئے یہ اثر ہے ۔عن أشعث قال : كان الحسن لا يرى التكبير على النساء أيام التشريق ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۳۷، فی النساء علیھن تکبیر أیام التشریق، ج ثانی، ص۹، نمبر ۵۸۶۴) اس اثر میں ہے کہ عورتوں پر تکبیر نہیں ہے۔(۴) جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو تکبیر تشریق کہے اسکے لئے یہ اثر ہے. عن ابراهيم قال : لا يكبر الا أن يصلى فى جماعة .(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب ۴۳۳، فی الرجل یصلی وحدہ یکبر ام لا؟، ج ثانی، ص ۶، نمبر ۵۸۳۰) اس اثر میں ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تو تکبیر پڑھے ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ل اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تکبیر تشریق ہر فرض نماز پڑھنے والے پر ہے، اسلئے کہ وہ فرض کے تابع ہے۔

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ جو کوئی بھی فرض نماز پڑھے وہ فرض کے بعد تکبیر تشریق کہے، چاہے جماعت کے ساتھ پڑھے چاہے تنہا، چاہے مقیم ہو یا مسافر، چاہے مرد ہو یا عورت سب تکبیر تشریق پڑھے۔وہ فرماتے ہیں کہ تکبیر فرض کے تابع ہے، اس لئے جو بھی فرض پڑھے گا وہ تکبیر تشریق بھی کہے گا۔

وجہ : (۱) تنہا نماز پڑھے تب بھی تکبیر کہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عمرو عن الحسن قال : اذا صلى وحده أو فى جماعة أو تطوع كبر ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۳۳، فی الرجل یصلی وحدہ یکبر ام لا؟، ج ثانی، ص ۶، نمبر ۲۸۲۹) اس اثر میں ہے کہ اکیلا نماز پڑھے تب بھی تکبیر کہے۔(۲) اور عورت اکیلی نماز پڑھے تب بھی تکبیر کہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابراهيم قال يحب للنساء أن يكبر ن دبر الصلاة أيام التشريق ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۳۷، فی النساء علیھن تکبیر أیام التشریق، ج ثانی، ص۹، نمبر ۵۸۶۳) اس اثر میں ہے کہ عورتوں پر تکبیر ہے. و كانت ميمونة تكبر يوم النحر ۔(بخاری شریف، باب التکبیر أیام منی واذا غدا الی عرفۃ، ص ۱۵۶، نمبر ۹۷۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت میمونہؓ تکبیر تشریق کہا کرتیں تھیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ تنہا عورت بھی تکبیر کہہ سکتی ہے۔

ترجمہ: ٢ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو پہلے روایت کی۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ شہر والوں پر تکبیر تشریق ہے گاؤں والوں پر نہیں اسکی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت علیؓ کا قول تھا کہ۔قال علیؓ : لا جمعة و لا تشريق و لا صلاة فطر و لا اضحى الا فى مصر جامع او مدينة عظيمة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۵۰۵۹ / مصنف عبد الرزاق، نمبر ۵۱۹۱) اس اثر میں ہے کہ شہر کے علاوہ پر تکبیر نہیں۔

۳؎ والتشريق هو الجهر بالتكبير كذا نقل عن الخليل بن احمد ۴؎ ولان الجهر بالتكبير خلاف السنة والشرع ورد به عند استجماع هذه الشرائط ۵؎ الا انه يجب على النساء اذا اقتدين بالرجل وعلى المسافرين عند اقتدائهم بالمقيم بطريق التبعية.

ترجمه: ۳؎ تکبیر تشریق کا مطلب ہے کہ تکبیر کو زور سے پڑھے، خلیل ابن احمد سے یہی منقول ہے۔

تشریح: تکبیر تشریق کے بارے میں فرماتے ہیں کہ خلیل ابن احمد لغت کے امام ہیں انہوں نے فرمایا کہ تکبیر تشریق کا مطلب ہی ہے کہ اسکو زور سے پڑھا جائے۔

وجه: (۱) تکبیر تشریق زور سے پڑھے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ و کان عمرؓ یکبر فی قبته بمنی فیسمعه أهل المسجد فیکبرون و یکبر أهل الاسواق حتی ترتج منی تکبیرا۔ (بخاری شریف، باب التکبیر أیام منی واذا غدا الی عرفة، ص۱۵۶، نمبر ۹۷۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ اتنے زور سے تکبیر کہتے کہ پورا منی گونج جاتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ زور سے کہے (۲) تکبیر اعلان اور جھنڈوں میں سے ہے اور شعار ہے اسلئے اسکو اظہار کرنا چاہئے اسلئے بھی اسکو زور سے پڑھنا چاہئے۔

ترجمه: ۴؎ تکبیر کو زور سے پڑھنا خلاف سنت ہے اور شریعت ان تمام شرطوں کے ساتھ وارد ہوئی ہے [اس لئے ان شرطوں کے پائے جانے پر ہی تکبیر کہی جائے گی ورنہ نہیں]

تشریح: اوپر امام ابو حنیفہؒ کا قول گزرا کہ پانچ شرطوں کے ساتھ تکبیر تشریق کہی جائے گی۔ (۱) یہاں اسکی وجہ فرما رہے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ زور سے تکبیر کہنا اس آیت کے خلاف ہے. أدعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین۔ (آیت ۵۵، سورة الاعراف ۷) (۲) دوسری آیت میں ہے۔ اذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفة و دون الجهر من القول بالغدو و الآصال و لا تکن من الغافلین۔ (آیت ۲۰۵، سورة الاعراف ۷) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ اللہ کو آہستہ یاد کرنا چاہئے، اس لئے زور سے تکبیر کہنا خلاف سنت ہے اسلئے جن جن شرطوں کے ساتھ تکبیر تشریق زور سے کہنے کی اجازت ہوئی ہے انہیں شرطوں کے ساتھ اجازت ہوگی انکے علاوہ کے ساتھ اجازت نہیں ہوگی، اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے تکبیر کے لئے پانچ شرطیں لگائیں۔ (۳) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کی نماز چھوٹ گئی ہے وہ لوگ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوگے تو زور سے تکبیر کہنے کی وجہ سے حرج ہوگا۔

ترجمه: ۵؎ مگر یہ کہ عورتوں پر تکبیر کہنا واجب ہے جب وہ مرد کی اقتداء کریں، اور مسافر پر جب وہ مقیم کی اقتداء کریں تابع ہو نے کے طریقے پر۔

۶ قال یعقوب صلیت بھم المغرب یوم عرفة فسھوت ان اکبر فکبر ابو حنیفةؒ دل ان الامام وان ترک التکبیر لایترکه المقتدی وھذا لانه لایؤدی فی حرمة الصلوٰة فلم یکن الامام فیه حتما وانما ھو مستحب.

تشریح : اکیلی عورت فرض پڑھ رہی ہوتو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس پر تکبیر زور سے کہنا واجب نہیں ہے، لیکن اگر مرد کی اقتداء میں فرض پڑھ رہی ہو تو مرد کے تابع ہو کر تکبیر کہے گی۔ اسی طرح صرف مسافر نماز پڑھتے ہوں تو ان پر تکبیر نہیں ہے، لیکن اگر مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوں تو امام کی اتباع میں مسافر تکبیر زور سے کہے گا۔

وجه : (ا) عورت مرد کے تابع ہو کر تکبیر کہے اسکی دلیل اثر ہے۔ و کان النساء یکبرن خلف أبان بن عثمان . (بخاری شریف، باب التکبیر أیام منی واذا غدا الی عرفة، ص ۱۵۶، نمبر ۹۷۰) اس اثر میں ہے کہ عورتیں حضرت ابان بن عثمان کے پیچھے تکبیر کہا کرتیں تھی، یعنی اسکی اتباع میں تکبیر کہتیں تھیں۔

ترجمه: ۶ حضرت امام ابو یوسف یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ عرفہ کے دن میں نے مسافروں کو نماز پڑھائی تو تکبیر کہنا بھول گیا تو امام ابوحنیفہؒ نے بعد میں تکبیر کہی۔ یہ قصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ امام اگر تکبیر چھوڑ بھی دے تو مقتدی اس کو نہ چھوڑے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ تکبیر نماز کے تحریمے میں ادا نہیں کی جاتی اس لئے امام کا ہونا اس میں واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ جنکا اصل نام یعقوب ہے، اپنے استاد مکرم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ عرفہ میں تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے انکو امام بنایا، اور انہوں نے لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی، اتفاق سے نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا بھول گئے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے پیچھے سے تکبیر کہی، اور انکے ساتھ سب نے تکبیر کہی۔ اس واقعہ سے کئی باتیں معلوم ہوئیں [۱] اگر امام تکبیر بھول جائے تو مقتدی بھی تکبیر نہ چھوڑے بلکہ وہ زور سے تکبیر کہے تا کہ اسکو سن کر اور لوگ بھی تکبیر کہہ لیں۔ اسکے برخلاف اگر امام نے سجدہ سہو چھوڑ دیا تو مقتدی اسکو نہیں کرے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ سجدہ نماز کے اندر ہوتا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ نماز کے اندر مقتدی امام کے خلاف نہیں کر سکتا اسلئے مقتدی امام کو چھوڑ کر سجدہ نہیں کر سکتا۔ اور تکبیر تشریق سلام پھیرنے کے بعد اور نماز ختم ہونے کے بعد کہی جاتی ہے اسلئے اس میں امام کی کوئی مخالفت نہیں ہے اسلئے مقتدی اسکو کہہ سکتا ہے، امام کا ہونا واجب نہیں، البتہ امام کی اقتداء میں کہنا مستحب ہے۔ [۲] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی اتنی عظمت تھی کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے انکو اپنا امام بنایا۔ حرمة الصلاة: کا ترجمہ ہے، نماز کے تحریمے میں۔

﴿باب صلوٰة الكسوف ﴾

(۶۵۸) قال اذا انكسفت الشمس صلى الامام بالناس ركعتين كهياة النافلة فى كل ركعة ركوع واحد ﴾

﴿ باب صلوۃ الکسوف ﴾

ضروری نوٹ: سورج گرہن کوکسوف کہتے ہیں، اور چاند گرہن کوخسوف کہتے ہیں۔ اس وقت نماز سنت ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی بکرة قال كنا عند النبى ﷺ فانكسفت الشمس فقام رسول الله يجر رداء ه حتى دخل المسجد فدخلنا فصلى بنا ركعتين حتى انجلت الشمس فقال النبى ﷺ ان الشمس والقمر لا ينكسفان لموت احد فاذا رأيتموها فصلوا وادعوا حتى ينكشف ما بكم. (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف الشمس ص ۱۴۱ ابواب الکسوف نمبر ۱۰۴۰ / ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵)، اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: (۶۵۸) جب سورج گرہن ہو جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے گا نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع۔

تشریح: سورج گرہن ہو جائے تو امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے۔ اور جس طرح عام نفل پڑھتے ہیں کہ ہر ایک رکعت میں ایک رکوع کرتے ہیں اور قرأت آہستہ کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز کسوف بھی پڑھائیں گے۔

وجہ: (۱) اوپر کی حدیث میں تھا کہ دو رکعت نماز پڑھائے گا۔ اور اس میں دو رکوع کا ذکر نہیں تھا اس لئے ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے (۲) عن قبيصة الهلالى قال كسفت الشمس على عهد رسول الله فخرج فزعا يجر ثوبه وانا معه يومئذ بالمدينة فصلى ركعتين فاطال فيهما القيام ثم انصرف وانجلت فقال انما هذه الآيات يخوف الله عز و جل بها فاذا رأيتموها فصلو اكاحدث صلوة صليتموها من المكتوبة . (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵ / سنن للبیہقی باب من صلی فی الخسوف رکعتین ج ثالث ص ۴۶۴، نمبر ۶۳۳۳) اس حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز میں جس طرح ایک رکوع کے ساتھ نماز پڑھی اسی طرح نماز سورج گرہن کی پڑھی جائیگی۔ احدث صلوة من المكتوبة سے فجر کی نماز مراد ہے۔ نیز اس حدیث میں دو مرتبہ رکوع کرنے کا تذکرہ نہیں ہے (۳) سمرۃ بن جندب کی لمبی حدیث ہے۔ جس کا ٹکڑا اس طرح ہے۔ قال سمرة بينما أنا غلام من الانصار نرمى غرضين لنا . ... فصلى فقام بنا كاطول ما قام بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم ركع بنا كاطول ما ركع بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم سجد بنا كاطول ما سجد بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا ثم فعل فى الركعة الاخرى مثل ذلك. (ابوداؤد

۱؎ وقال الشافعیؒ رکوعان له ماروت عائشة. ۲؎ ولنا رواية ابن عمروالحال اکشف علی الرجال لقربهم فكان الترجيح لروايته

شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے۔ بلکہ ایک رکوع ہی کیا جائے گا (۴) صرف یہی ایک نماز ہے جس میں دو رکوع کا تذکرہ ہے باقی نمازوں میں ایک رکوع ہے۔ اس لئے امام ابوحنیفہ اس طرف گئے ہیں جس میں ایک رکوع کا تذکرہ ہے۔ البتہ کوئی دو رکوع کرے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ نماز صحیح ہوگی۔

ترجمہ : ۱؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہر رکعت کے لئے دو رکوع ہوں۔ انکی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عائشہؓ نے روایت کی۔

فائدہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورج گرہن کی ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ عن عائشة عن النبی ﷺ ان الشمس كشفت فصلی رسول الله ﷺ فوصفت صلاته ركعتين ، فی كل ركعة ركعتان** ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ، کتاب صلاۃ الکسوف، ج ثالث، ص ۲۶۱، نمبر ۲۶۴۸) اس میں ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔

وجہ : (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جو صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **ان عائشة زوج النبی ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ صلی يوم خسفت الشمس فقام فكبر فقرأ قراءة طويلة ثم ركع ركوعا طويلا ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده وقام كما هو ثم قرأ قراءة طويلةوهی ادنی من القراءة الاولی ثم ركع ركوعا طويلا وهی ادنی من الركعة الاولی ثم سجد سجودا طويلا ثم فعل فی الركعة الآخرة مثل ذلک ثم سلم وقد تجلت الشمس** ۔ (بخاری شریف، باب ھل یقول کسفت الشمس او خسفت ص ۱۴۲ نمبر ۱۰۴۷ر مسلم شریف، کتاب الکسوف ص ۲۹۵ نمبر ۹۰۱/۲۰۹۶) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے، اور قریب ہونے کی وجہ سے مردوں پر حال زیادہ واضح ہوسکتا ہے، اس لئے ترجیح انکی روایت کو ہوگی۔

تشریح : ایک روایت ہے حضرت عائشہؓ کی جس میں ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع فرمایا، لیکن یہ عورت ہے اسلئے غالب گمان یہ ہے کہ یہ حضورؐ سے دور ہوگی اسلئے انکو اتنا پتہ نہیں ہوگا کہ آپؐ نے ہر رکعت میں دو رکوع کئے ہیں یا ایک، اس لئے انکی روایت کو لینا اتنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضورؐ کے قریب تھے اور انکی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ہی رکوع فرمایا ہے اسلئے انکی روایت کو لینا زیادہ بہتر ہے۔ حدیث یہ ہے. **عن عبد الله بن عَمرو قال : انكشفت الشمس علی عهد رسول الله ﷺ فقام رسول الله ﷺ لم يكد يركع ، ثم ركع فلم يكد يرفع ، ثم رفع فلم يكد يسجد ، ثم**

(۲۵۹) ويطول القراء ة فيهما ﴾ ۱ ويخفى عند ابى حنيفة ۲ وقالا يجهر وعن محمد مثل قول ابى حنيفة

سجد فلم يكد يرفع ثم رفع فلم يكد يسجد ثم سجد فلم يكد يرفع ثم رفع و فعل فى الركعة الآخرى مثل ذالك . (ابوداود شریف، باب من قال یرکع رکعتین ،ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۹۴ رنسائی شریف، باب نوع آخر من صلاۃ الکسوف ،ص ۲۱۰، نمبر ۱۴۸۳) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک ہی رکوع کیا ۔۔ حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے۔

ترجمہ: (۲۵۹) دونوں رکعتوں میں قرأت لمبی کی جائے گی۔

ترجمہ: ۱ اور آہستہ کی جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ آپ نے گرہن کی نماز میں لمبی قرأت کی اور یہ بھی ہے کہ آواز سنائی نہیں دیتی تھی، حدیث یہ ہے۔ قال سمرة بينما أنا غلام من الانصار نرمى غرضين لنا . ... فصلى فقام بنا كاطول ما قام بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم ركع بنا كاطول ما ركع بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم سجد بنا كاطول ما سجد بنا فى صلوة قط لا نسمع له صوتا ثم فعل فى الركعة الاخرى مثل ذلك. (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴ رترمذی شریف، باب کیف القرأۃ فی الکسوف ،ص ۱۴۷، نمبر ۵۶۲) اس حدیث میں لا نسمع له صوتا سے پتہ چلتا ہے کہ قرأت آہستہ کرے۔ (۲) اس ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث ہے عن عائشة قالت كسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فخرج رسول الله فصلى بالناس فقام فحزرت قرأته فرأيت انه قرأ سورةالبقرة (ابوداؤد شریف، باب القراءۃ فی صلوۃ الکسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کی قرأت سورۂ بقرہ اتنی لمبی تھی۔ اندازہ لگانے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے قرأت زور سے نہیں کی۔ ورنہ تو صاف کہتے کہ آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ کسوف میں قرأت سری تھی۔ (۳) عن ابن عباس قال : صليت مع رسول الله ﷺ صلاة الكسوف فلم اسمع منه فيها حرفا من القرآن . (مسند احمد، باب مسند عبداللہ ابن عباس، ج اول، ص ۴۸۳، نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث میں ہے کہ قرآن کا ایک حرف بھی نہیں سنا، جسکا مطلب یہ ہے کہ سورج گرہن میں قرأت آہستہ پڑھی۔

ترجمہ: ۲ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قرأت زور سے پڑھے۔ اور امام محمد کی ایک روایت امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہے۔

تشریح : صاحبین کی رائے یہ ہے کہ سورج گرہن میں قرأت زور سے پڑھی جائے۔ امام محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ قرأت آہستہ کہی جائے، اس صورت میں انکا قول امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہوگا۔

۳؎ اما التطويل فی القراء ة فبيان الافضل ويخفِّف ان شاء لان المسنون استيعاب الوقت بالصلوٰة والدعاء فاذا خفف احدهما طول الأخر. ۴؎ واما الاخفاء والجهر فلهما رواية عائشةؓ انه صلى الله عليه وسلم جهر فيها ۵؎ ولابی حنيفةؒ رواية ابن عباس وسمرة بن جندب والترجيح قدمر من قبل

وجه : (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة قالت جهر النبی ﷺ فی صلو ة الخسوف بقراء ته (بخاری شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الکسوف ص۱۴۵ نمبر ۱۰۶۵/ابوداؤد شریف، باب القراءۃ فی صلوۃ الکسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۸/نسائی شریف، باب الجھر بالقرأۃ فی صلاۃ الکسوف، ص۲۱۲، نمبر ۱۴۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے قرأت جہری کی تھی۔اس لئے سورج گرہن کی نماز میں جہری قرأت سنت ہے۔

ترجمہ: ۳؎ پھر قرأت لمبی کرنا تو یہ افضلیت کا بیان ہے۔اور اگر چاہے تو قرأت مختصر بھی کرے،اسلئے کہ مسنون تو نماز اور دعاء سے وقت کو گھیرنا ہے، پس جبکہ ایک کو مختصر کیا تو دوسرے کو طول دے۔

تشریح : سورج گرہن کی نماز میں لمبی قرأت کرنا واجب نہیں ہے بلکہ افضل ہے۔اور اصل بات یہ ہے کہ جب تک گرہن رہے اس وقت تک نماز اور دعاء دونوں میں سے کسی ایک میں مشغول رہنا چاہئے اور گرہن ختم تک ایسا کرنا چاہئے ، پس اگر لمبی قرأت کرے گا تو دعا کم کرنی ہوگی اور قرأت کم کرے گا تو دعا لمبی کرنی ہوگی اور اس وقت تک دعا کرتے رہنا پڑے گا جب تک گرہن مکمل ختم نہ ہو جائے۔اس لئے دونوں میں سے ایک کرنا ہوگا تا کہ گرہن کا پورا وقت گھر جائے۔

وجه : (۱)اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابی هريرة...... فقال ان الشمس والقمر آيتان من آيت الله وانهما لايخسفان لموت احد فاذا كان ذلک فصلوا وادعوا حتی يكشف ما بكم. (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳/مسلم شریف، باب ذکر النداء بصلاۃ الکسوف، الصلاۃ جامعۃ ،ص ۳۶۹، نمبر ۲۱۲۲/۹۱۵) اس حدیث میں ہے کہ نماز پڑھو اور اس وقت تک دعا کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے۔۔استیعاب: کا ترجمہ ہے وقت کو گھیرنا۔ خفف: ہلکا کرنا۔

ترجمہ: ۴؎ بہرحال قرأت پوشیدہ کرنا یا زور سے پڑھنا،تو صاحبینؒ کے لئے حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے اس میں زور سے قرأت کی۔

تشریح : صاحبینؒ کی یہ روایت ابھی اوپر گزری ہے ۔ عن عائشة قالت جهر النبی ﷺ فی صلو ة الخسوف بقراء ته (بخاری شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الکسوف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۵) اس حدیث میں ہے کہ زور سے قرأت کی۔

ترجمہ: ۵؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضرت ابن عباس اور سمرۃ ابن جندب کی روایت ہے۔اور ترجیح پہلے گزر چکی ہے۔

۷ کیف وانھا صلوٰۃ النھار وھی عجماء (۲۶۰) ویدعو بعدھا حتی تنجلی الشمس ﴾ ا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم من ھٰذہ الافزاع شیئا فارغبوا الی اللہ بالدعاء ۲ والسنۃ فی الادعیۃ تاخیرھا عن الصلوٰۃ

تشریح : یہ دونوں حدیثیں اوپر گزر گئیں۔حدیث کا نمبر یہ ہے (ابوداؤد شریف نمبر ۱۱۸۴ ر ترمذی شریف ، نمبر ۵۶۲) مسند احمد، نمبر ۲۶۶۸)

ترجمہ : ۷ کیسے زور سے قرأت کی جائے گی حالانکہ وہ دن کی نماز ہے اور گونگے کی نماز ہے۔

تشریح : ۔امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ سورج گرہن میں آہستہ قرأت کی جائے گی اسکی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ سورج گرہن کی نماز دن میں پڑھی جائے گی ،اور دن کی نماز گونگے کی نماز ہے اسلئے یوں بھی قرأت آہستہ ہی کرنی چاہئے۔

ترجمہ: (۲۶۰) پھر دعا کریں گے یہاں تک کہ سورج کھل جائے۔

ترجمہ : ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جب ان گھبراہٹ کی چیزوں کو دیکھو تو دعا کے ساتھ اللہ کی طرف رغبت کرو۔

تشریح: سورج گرہن کی نماز لمبی پڑھی جائے گی۔لیکن لمبی نماز پڑھنے کے بعد بھی گرہن ختم نہ ہو تو دعا کرتے رہیں گے۔یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب کبھی گھبراہٹ کی باتوں کو دیکھو تو نماز اور دعا کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔اور اس وقت تک نماز اور دعا کرتے رہو جب تک کہ وہ معاملہ ختم نہ ہو جائے۔

وجہ : (۱)صاحب ھدایہ کی حدیث تقریبا یہ ہے .عن ابی موسی قال خسفت الشمس فی زمن النبی ﷺ ....قال ان ھذہ الآیات التی یرسل اللہ لا تکون لموت احد و لا لحیاتہ و لکن اللہ یرسلھا یخوف بھا عبادہ فاذا رأیتم منھا شیئا فافزعوا الی ذکرہ و دعائہ و استغفارہ ۔(مسلم شریف ،باب ذکر النداء بصلاۃ الکسوف،الصلاۃ جامعۃ ،ص ۳۶۹،نمبر ۹۱۲ / ۲۱۱۷)اس حدیث میں ہے کہ اس قسم کی خوف کی چیز ہو تو دعا اور استغفار میں مشغول ہونا چاہئے (۲)عن ابی ھریرۃ...... فقال ان الشمس والقمر آیتان من آیت اللہ وانھما لایخسفان لموت احد فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف ما بکم ۔(بخاری شریف ،باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳ رمسلم شریف ،باب ذکر النداء بصلاۃ الکسوف ،الصلاۃ جامعۃ ،ص ۳۶۹،نمبر ۹۱۵ / ۲۱۲۲))اس حدیث میں ہے کہ نماز پڑھو اور اس وقت تک دعا کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے۔

ترجمہ: ۲ اور دعا کے بارے میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کرے۔

تشریح : گھبراہٹ کے وقت نماز اور دعا دونوں کرنا ہے،لیکن سنت یہ ہے کہ نماز پہلے پڑھے اور دعا بعد میں کرے۔

(۶۶۱) ويصلى بهم الامام الذى يصلى بهم الجمعة وان لم يحضر صلى الناس فرادى ﴾ لے تحرزا عن الفتنة (۶۶۲) وليس فى خسوف القمر جماعة﴾

وجه : (۱) حدیث یہ ہے۔عن ابی بکرة قال کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس فقام رسول الله ﷺ یجر ردائه حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس ، فقال النبی ﷺ ان الشمس و القمر لا ینکسفان لموت أحد فاذا رأیتموها فصلو و ادعوا حتی ینکشف ما بکم۔(بخاری شریف، باب الصلاۃ فی کسوف الشمس،ص ۱۶۷،نمبر ۱۰۴۰)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے پہلے نماز پڑھی اور بعد میں دعا کی ،اور یہ بھی فرما یا۔ فصلو و ادعوا حتی ینکشف ما بکم ۔نماز پڑھواور پھر دعا کرو۔ (۲) یوں بھی عام طور پر نماز کے بعد ہی دعا کرتے ہیں ۔اسلئے بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد دعا کرے۔

ترجمه: (۶۶۱) لوگوں کو وہ امام نماز پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتے ہیں،اور اگر امام حاضر نہ ہو تو لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں۔

ترجمه : لے فتنہ سے بچنے کے لئے۔

تشریح : جو امام جمعہ کی نماز پڑھاتے ہیں وہی امام سورج گرہن کی بھی نماز پڑھائے۔کیونکہ اگر امام نہ ہو تو کوئی کہے گا وہ نماز پڑھائے گا اور دوسرا کہے گا دوسرا آدمی نماز پڑھائے گا۔اس بارے میں اختلاف ہوگا اسلئے اس فتنے سے بچنے کے لئے جمعہ کا امام نماز پڑھائے۔

وجه: (۱) امام نہیں ہونگے تو لوگ انتشار پھیلائیں گے اور شور کریں گے اس لئے امام ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے اور امام نہ ہو تو پھر الگ الگ نماز پڑھے (۲) سورج گرہن کے وقت حضورؐ نے نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز پڑھائیں گے۔

ترجمه: (۶۶۲) اور چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے۔

وجه: (۱) چاند گرہن رات میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے اور زیادہ اندھیرا ہو جائے گا۔اس لئے اگر چاند گرہن میں جماعت کا التزام کرے تو لوگوں کو پریشانی ہوگی۔اور انتشار ہوگا۔اس لئے چاند گرہن کے موقع پر لوگ تنہا تنہا نماز پڑھیں گے (۲) عن ابی بکرة قال کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس فقام رسول الله یجر رداء ہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس فقال النبی ﷺ ان الشمس والقمر لا ینکسفان لمو ت احد فاذا رأیتموها فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم. (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف الشمس ص ۱۴۱ ابواب الکسوف نمبر ۱۰۴۰ /ابو داؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵) اس میں یہ ترغیب دی کہ اس قسم کی اللہ کی آیتیں ظاہر ہوں

ل لتعذر الاجتماع فی اللیل اولخوف الفتنة ۲ وانما یصلی کل واحد بنفسہٖ لقوله صلی الله علیه وسلم اذا رأیتم شیئًا من هٰذه الاهوال فافزعوا الی الصلوٰة(٦٦٣) ولیس فی الکسوف خطبة﴾

تو خود بخود نماز پڑھو اور دعا کرو۔اس لئے چاند گرہن میں لوگ الگ الگ نماز پڑھیں گے۔

ترجمه: ل رات میں اجتماع متعذر ہونے کی وجہ سے، یا فتنہ کے خوف کی وجہ سے۔

تشریح: چاند گرہن میں تنہا تنہا نماز ہے، جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہے اسکی دلیل عقلی ہے، [۱] کہ رات میں لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہے اسلئے جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہے [۲] دوسری وجہ ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے فتنہ کا بھی خوف ہے اسلئے جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے

ترجمه: ۲ ہر آدمی اپنے اپنے طور پر حضورؐ کے اس قول کی وجہ سے نماز پڑھے کہ جب تم ان خوف کی باتوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو گھبرا کر نماز کی طرف جاؤ

تشریح: یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے (بخاری شریف ص۱۴۵ نمبر۱۰۴۰)

لغت: اھوال: ہولناک مصیبت۔افزعوا: فزع سے مشتق ہے، گھبرانا

ترجمه: (٦٦٣) اور نماز کسوف میں خطبہ نہیں ہے۔

تشریح: حضورؐ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ دیا ہے لیکن وہ ایک رسم کو دور کرنے کے لئے تھا کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی کے مرنے یا زندہ ہونے پر سورج گرہن ہوتا ہے اور اس دن آپ کا صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔اس لئے آپؐ نے اس کی نفی کے لئے خطبہ دیا لیکن نماز عید اور نماز جمعہ کی طرح باضابطہ خطبہ دینا ضروری نہیں ہے۔خطبہ کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ایسے آیۃ من آیات اللہ کے وقت نماز پڑھنا دعا کرنا اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنا اصل ہے۔اس کی طرف خود راوی اشارہ فرما رہے ہیں۔عن ابی بکرة ... فقال (ﷺ) ان الشمس والقمر آیتان من آیات الله وانهما لا یخسفان لموت احد واذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم وذلک ان ابنا للنبی ﷺ مات یقال له ابراهیم فقال الناس فی ذلک (بخاری شریف، باب الصلوۃ فی کسوف القمر ص۱۴۵ نمبر۱۰۶۳) اس حدیث میں نماز کے بعد فقال: سے اخیر تک خطبہ دیا ہے۔لیکن راوی خود فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اس بنا پر تھا کہ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کا اس دن انتقال ہوا تھا۔اس لئے لوگوں کے اعتقادات کو ختم کرنے کے لئے خطبہ دیا تھا۔ورنہ اصل تو فصلوا وادعوا ہے۔اور دوسری حدیث میں ہے۔ فاذا رأیتم شیئا من ذلک فافزعوا الی ذکر الله ودعائه واستغفاره (بخاری شریف، باب الذکر فی الکسوف ص۱۴۵ نمبر۱۰۵۹) کہ ان آیات کے وقت گھبرا کر اللہ کے ذکر اور استغفار کی طرف جاؤ۔کبھی لوگوں کو یہ سب مسائل سمجھانے کی ضرورت پڑے تو سمجھا دیں۔باضابطہ

ل لانه لم ينقل

خطبہ ضروری نہیں کہ اس کے بغیر نماز کسوف نہیں ہوگی۔

ترجمه: ل اسلئے کہ یہ منقول نہیں ہے۔

تشریح : حدیث میں خطبے کا ذکر تو ہے لیکن اس اعتبار سے نہیں ہے کہ خطبہ کے بغیر نماز ہی نہ ہو۔ خطبہ کا ثبوت یہ ہے. عن اسماء قالت فانصرف رسول الله ﷺ و قد تجلت الشمس فخطب فحمد الله بما هو أهله ثم قال أما بعد ۔(بخاری شریف، باب قول الامام فی خطبۃ الکسوف أما بعد، ص ۱۷۱، نمبر ۱۰۶۱) اس حدیث میں کسوف میں خطبے کا ذکر ہے۔

﴿ باب صلوة الاستسقاء ﴾

(۶۶۴) قال ابوحنيفة ليس في الاستسقاء صلوٰة مسنونة في جماعة فان صلى الناس وحدانا جاز وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار﴾ لـ لقوله تعالىٰ :فقلتُ استغفروا ربكم انه كان غفارا :الأية

﴿ باب صلوة الاستسقاء ﴾

ضروری نوٹ : استسقاء کے معنی ہیں بارش طلب کرنا، یہ سقی سے مشتق ہے، ملک میں قحط سالی ہو جائے اور بارش نہ ہو تو استسقاء کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ صرف دعا سے بھی استسقاء ہو سکتا ہے اور نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء مسنون ہے۔ دونوں کی دلیلیں نیچے آرہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے **فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا o يرسل السماء عليكم مدرارا o** (آیت ۱۰/۱۱ سورۂ نوح ۷۱) اس آیت میں ہے کہ اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کرو تا کہ اللہ تعالی تم پر خوب بارش برسائے۔ اور چونکہ نماز استسقاء میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ہے اس لئے اس آیت سے استسقاء ثابت ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۶۶۴) امام ابو حنیفہ نے فرمایا استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ پس اگر تنہا تنہا نماز پڑھے تو جائز ہے، استسقاء صرف دعا اور استغفار کا نام ہے۔

تشریح: آپؐ نے کبھی نماز استسقاء پڑھی ہے اور کبھی صرف جمعہ کے خطبہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ اس لئے استسقاء دونوں طرح جائز ہے۔ صرف نماز ہی پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

ترجمہ: لے اللہ تعالی کا قول کہ اپنے رب سے استغفار کرو وہ بہت معاف کرنے والا ہے

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی آیت یہ ہے۔ **فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا o يرسل السماء عليكم مدرارا o** (آیت ۱۰/۱۱ سورۂ نوح ۷۱) جس میں یہ حکم ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرو تو بارش خوب ہوگی۔ جس سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ کر کے بارش مانگنا استسقاء ہے (۲) صاحب ھدایہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ استسقاء کے لئے جمعہ کے خطبہ کے وقت آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ اسی سے بارش ہوگئی ۔ **عن انس بن مالک ان رجلا دخل المسجد يوم الجمعة ورسول الله ﷺ قائما يخطب ... فرفع رسول الله يديه قال اللهم اغثنا** . (بخاری شریف، باب الاستسقاء فی خطبۃ الجمعۃ غیر مستقبل القبلۃ ص ۱۳۸ نمبر ۱۰۱۴ر مسلم شریف، کتاب الاستسقاء ص ۱۹۳ نمبر ۸۹۷ر ۲۰۷۸ر ابو داؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص ۱۷۳ نمبر ۱۱۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اس کے لئے مستقل نماز نہیں پڑھی صرف دعا پر اکتفا کیا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز ضروری نہیں، صرف دعا اور استغفار سے بھی

۲ورسول الله صلى الله عليه وسلم استسقىٰ ولم تروعنه الصلوة(۶۶۵) وقالا يصلي الامام ركعتين﴾ ۱ لما روى ان النبي صلى الله عليه وسلم صلى فيه ركعتين كصلوٰة العيد رواه ابن عباسؓ ۲ قلنا فعله مرة وتركه اخرى فلم يكن سنة ۳ وقد ذكر في الاصل قول محمد وحده.

استسقاء ہو جائے گا۔اور نماز پڑھ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

ترجمہ: ۲ حضورؐ نے پانی کے لئے دعا مانگی اور اس وقت نماز منقول نہیں ہے۔

تشریح: اوپر کی عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپؐ نے استسقاء کے لئے کبھی نماز پڑھی ہی نہیں، بلکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی ہوا ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں پانی کے لئے دعا مانگی اور بارش ہوگئی،اور اس وقت استسقاء کی نماز نہیں پڑھی۔ یہ حدیث ابھی اوپر گزری۔البتہ دوسرے موقع پر استسقاء کی نماز پڑھی ہے۔اسکے لئے حدیث آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۶۶۵)امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔

وجہ:(۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عباد بن تميم عن عمه قال خرج النبي ﷺ يستسقي فتوجه الى القبلة يدعو وحول رداءه ثم صلى ركعتين يجهر فيهما بالقراءة ۔(بخاری شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الاستسقاء ص ۱۳۹ نمبر ۱۰۲۴ر مسلم شریف، کتاب صلوۃ الاستسقاء ص ۲۹۳ نمبر ۸۹۴؍ ۲۰۷۱ر ابو داؤد شریف، ابواب صلوۃ الاستسقاء ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۶۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔اور قرأت جہری کریں گے اور چادر کو بھی نیک فالی کے لئے پلٹیں گے کہ یا اللہ جس طرح چادر پلٹ رہا ہوں اس طرح میری حالت کو بھی پلٹ دے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف استقبال کرے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضورؐ سے روایت کی ہے کہ نماز استسقاء میں دو رکعت عید کی نماز کی طرح پڑھی۔اسکو حضرت ابن عباسؓ نے روایت کی ہے۔

تشریح: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ارسلني الى ابن عباس أسأله عن صلاة رسول الله ﷺ في الاستسقاء ....فكم يخطب خطبكم هذه و لكن لم يزل في الدعاء و التضرع و التكبير ، ثم صلى ركعتين كما يصلي في العيد ۔(ابوداود شریف، باب جماع ابواب صلاۃ الاستسقاء وتفریعھا ص ۱۷۴، نمبر ۱۱۶۵ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی صلاۃ الاستسقاء، ص ۱۴۶، نمبر ۵۵۸)اس حدیث میں ہے کہ نماز عید کی طرح دو رکعت نماز پڑھے۔

ترجمہ: ۲ ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ کبھی نماز پڑھی ہے اور کبھی چھوڑ دی ہے، اسلئے نماز پڑھنا سنت نہیں ہوئی۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے کہ آپؐ نے کبھی استسقاء کی نماز پڑھی ہے اور کبھی نہیں بھی پڑھی ہے اسلئے نماز پڑھنا ہی سنت

(۲۶۶) ويجهر فيهما بالقراءة ﴿ ا اعتبارا بصلوٰة العيد(۲۶۷) ثم يخطب ﴿ ا لما روى النبى صلى الله عليه وسلم خطب

نہیں ہوئی، بلکہ اصل سنت تو دعا ہے اور کسی نے نماز پڑھ لی تب بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔

ترجمه : ۳ مصنف فرماتے ہیں کہ اصل یعنی مبسوط میں صرف امام محمدؒ کا قول ہے کہ استسقاء کی نماز پڑھی جائے۔

تشریح : صاحب هدایہ فرماتے ہیں کہ اصل جسکو مبسوط کہتے ہیں یہ امام محمدؒ کی کتاب ہے اس میں ہے کہ استسقاء کے لئے نماز پڑھنا صرف امام محمدؒ کا قول ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ استسقاء کے لئے صرف دعا کافی ہے۔

ترجمه: (۲۶۶) دونوں رکعتوں میں قرأت جہری کرے۔

ترجمه: ا عید کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : اوپر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی حدیث گزری کہ استسقاء کی نماز عید کی نماز کی طرح پڑھی جائے گی۔ اور عید میں قرأت زور سے کی جاتی ہے تو اس میں بھی زور سے ہی قرأت کی جائے گی۔ اسلئے استسقاء کی نماز میں زور سے قرأت کی جائے گی۔

وجه : (۱) اس حدیث میں ہے کہ استسقاء کی نماز میں زور سے قرأت کی ۔ عن عباد بن تميم عن عمه قال خرج النبى ﷺ يستسقى فتوجه الى القبلة يدعو وحول رداءه ثم صلى ركعتين يجهر فيهما بالقراءة ۔(بخاری شریف، باب الجهر بالقراءة فی الاستسقاء ص ۱۳۹ نمبر ۱۰۲۴ / مسلم شریف، کتاب صلوة الاستقاء ص ۲۹۳ نمبر ۸۹۴ / ۲۰۷۱ / ابو داؤد شریف، ابواب صلوة الاستسقاء ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۶۱) اس حدیث میں ہے کہ زور سے قرأت کی۔

ترجمه: (۲۶۷) پھر امام خطبہ دے۔

ترجمه: ا سلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ نے خطبہ دیا ہے۔

وجه: (۱) خطبہ دینے کے لئے صاحب هدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشة قالت شكا الناس الى رسول الله ﷺ قحوط المطر فامر بمنبر فوضع له فى المصلى ... فقعد على المنبر فكبر وحمد الله عزوجل الخ (ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص ۱۷۲ نمبر ۱۱۷۳) اس حدیث میں اس کا تذکرہ ہے کہ آپؐ کے لئے منبر رکھا گیا اور اس پر آپؐ بیٹھ گئے اور تکبیر وتحمید کی جس میں خطبہ کا اشارہ ہے۔ البتہ ایسا خطبہ نہیں دیا جو عیدین اور جمعہ میں دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض حدیث میں ہے کہ اس طرح کا خطبہ نہیں دیا کرتے تھے (۲) عن أبى هريرة قال : خرج رسول الله ﷺ يوما يستسقى فصلى بنا ركعتين بلا اذان و لا أقامة ثم خطبنا و دعا الله و حول وجهه نحو القبلة رافعا يديه ثم قلب ردائه

۲ ثم هی کخطبة العيد عند محمدؒ. ۳ وعند ابی یوسفؒ خطبة واحدة (۲٦۸) ولا خطبة عند ابی حنیفةؒ ﴾ ۱ لانها تبع للجماعة ولا جماعة عنده (۲٦۹) ویستقبل القبلة بالدعاء ﴾ ۱ لما روی انه صلی الله علیه وسلم استقبل القبلة وَحَوَّل رداء ہ

فجعل الأیمن علی الایسر و الأیسر علی الایمن ۔(ابن ماجۃ ، باب ماجاء فی صلاۃ الاستسقاء،ص۱۸۰،نمبر۱۲٦۸ردار قطنی ،کتاب الاستسقاء ج ثانی ص۵۴ نمبر۱۷۸٦))اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خطبہ دیا۔

ترجمہ: ۲ پھر امام محمدؒ کے نزدیک عید کے خطبے کی طرح دو خطبے ہونگے۔

تشریح : امام محمدؒ کے نزدیک جس طرح عید میں دو خطبے ہوتے ہیں اور دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے ہیں اسی طرح یہاں بھی ایک خطبے کے بعد امام بیٹھیں گے۔

وجہ : دو خطبہ کے لئے یہ حدیث ہے۔ارسلنی الی ابن عباس أسأله عن صلاة رسول الله ﷺ فی الاستسقاء ....فکم یخطب خطبکم هذه و لکن لم یزل فی الدعاء و التضرع و التکبیر ، ثم صلی رکعتین کما یصلی فی العید ۔(ابوداود شریف، باب جماع ابواب صلاۃ الاستسقاء وتفریعھا،ص۱۷۴،نمبر۱۱٦۵)اس حدیث میں ہے کہ استسقاء کی نماز عید کی طرح پڑھی جائے گی اور عید میں دو خطبے ہیں اس لئے یہاں بھی دو خطبے ہوں۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں ایک خطبہ ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہے کہ استسقاء میں ایک خطبہ دے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے آپؐ نے استسقاء میں ایک خطبہ دیا ہے۔

ترجمہ: (۲٦۸)امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ نہیں ہے ۱ اس لئے کہ وہ جماعت کے تابع ہے اور انکے نزدیک استسقاء کی نماز ہی نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء میں خطبہ نہیں ہے،اور اسکی وجہ یہ ہے کہ خطبہ تو اس وقت دے گا جب کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی ہو۔اور اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استسقاء کی نماز ہی نہیں ہے، بلکہ اصل دعاء اور گڑگڑانا استسقاء ہے اسلئے خطبہ دینے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی،اسلئے خطبہ بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲٦۹) دعا کرتے وقت قبلہ کا رخ کرے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ حضورؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے دعا کے وقت قبلے کا استقبال فرمایا اور چادر کو پلٹا

وجہ : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے،جس میں ہے کہ دعا کرتے وقت قبلہ رخ کرے اور چادر کو بھی پلٹے۔ عن عباد بن تمیم

(٦٧٠) ويقلبُ رداء ہ ﴾ ل لما روينا ۲ قالؒ هٰذا قول محمدؒ اما عند ابی حنيفةؒ فلا يقلّب رداء ہ لانـه دعاء فيعتبر بسائر الادعية وما رواه كان تفاؤل (٦٧١) ولا يقلب القوم ارديتهم ﴾ ل لانه لم ينقل انه امرهم بذلک (٦٧٢) ولا يحضراهل الذمة الاستسقاء﴾

عن عـمه قال خرج النبی ﷺ يستسقی فتوجه الی القبلة يدعو وحول رداء ہ ثم صلی رکعتين يجهر فيهما بـالـقـراءة۔ (بخاری شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الاستسقاء ص ۱۳۹ نمبر ۱۰۲۴ رمسلم شریف، کتاب صلوۃ الاستقاء ص ۲۹۳ نمبر ۸۹۴ ر۲۰۷۱ رابوداؤد شریف، ابواب صلوۃ الاستسقاء ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۶۱) اس حدیث میں ہے کہ قبلہ رخ ہوکر دعا کرے۔۔حول کا معنی ہے پلٹے۔رداء: چادر

ترجمہ: (٦٧٠) اپنی چادر کو پلٹے۔

ترجمہ: ل اس حدیث کی بنا پر جو میں نے روایت کی۔۔یہ روایت اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۲ فرمایا کہ یہ امام محمد کا قول ہے، بہرحال امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اپنی چادر کو نہ پلٹے اسلئے کہ یہ دعا ہے، تو اور دعاؤں پر قیاس کیا جائے گا، اور جو روایت کی ہے وہ نیک فال کے طور پر تھا۔

تشریح: استسقاء میں چادر کا پلٹنا فرماتے ہیں کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے۔امام ابوحنیفہؒ کی رائے تو یہی ہے کہ چادر کو نہ پلٹے۔اسکی دلیل یہ ہے کہ اور دوسری دعا میں چادر نہیں پلٹتے ہیں تو اس میں چادر پلٹنا ضروری نہیں ہے۔۔اور اوپر جو رویت گزری جس میں ہے کہ حضورؐ نے چادر پلٹی تھی وہ نیک فالی کے طور پر کی تھی کوئی ضروری نہیں تھا، اسلئے نیک فالی کے طور پر چادر پلٹے تو جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے۔۔تفاؤلا: نیک فالی

ترجمہ: (٦٧١) اور قوم اپنی چادر کو نہ پلٹے۔ ل اس لئے کہ یہ منقول نہیں ہے کہ حضورؐ نے لوگوں کو چادر پلٹنے کا حکم دیا ہو۔

تشریح: امام تو اپنی چادر پلٹے لیکن قوم کو پلٹنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر انہوں نے بھی پلٹ لیا تو کوئی حرج نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ صحابہ نے اپنی چادریں پلٹیں۔حدیث یہ ہے۔كان عبد الله بن زيد من أصحاب رسول الله ﷺ قـد شهـد معه احدا قال : قد رأيت رسول الله ﷺ استسقى لنا أطال الدعاء و أكثر المسألة ، قال ثم تـحـول الـى الـقبلة و حول ردائه فقلبه ظهرا لبطن و تحول الناس معه ۔(مسند احمد، مسند عبداللہ بن زید بن عاصم، ج رابع، ص ۶۳۰، نمبر ۱۶۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے ساتھ لوگوں نے بھی اپنی اپنی چادریں پلٹیں۔

ترجمہ: (٦٧٢) استسقاء میں ذمی حاضر نہ ہوں۔

ل لانه لاستنزال الرحمة وانما تنزل عليهما اللعنة.

ترجمه: ل اس لئے کہ استسقاء رحمت کو اتارنے کے لئے ہے اور ان کافروں پر لعنت اترتی ہے [اسلئے اسکو استسقاء میں نہ لائے]

تشریح: ذمی یعنی جو کافر ٹیکس دے کر اسلامی حکومت میں رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں، وہ استسقاء میں حاضر نہ ہوں۔

وجه: ذمی کافر ہیں۔ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اس لئے پانی مانگنے کے موقع پر مغضوب آدمیوں کو حاضر نہیں کرنا چاہئے۔

﴿باب صلوة الخوف﴾

(۶۷۳) اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة على وجه العدو طائفة خلفه فيصلى بهٰذه الطائفة ركعة وسجدتين فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية مضت هٰذه الطائفة الى وجه العدو وجاء ت تلك الطائفة فيصلى بهم الامام ركعة وسجدتين وتشهد وسلم ولم يسلموا وذهبوا الى وجه

﴿ باب صلوۃ الخوف ﴾

ضروری نوٹ: نماز خوف کی صورت یہ ہے کہ تمام آدمی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو امام دو جماعتیں بنا دیں گے۔اور ہر ایک جماعت کو آدھی آدھی نماز پڑھائیں گے۔لیکن اگر دو امام ہوں تو ہر ایک جماعت الگ الگ امام کے پیچھے پوری پوری نماز پڑھیں گے۔ پھر آدھی آدھی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔بعض ائمہ [جس میں حضرت امام ابو یوسفؒ بھی ہیں] فرماتے ہیں کہ جب تک حضورؐ حیات رہے تو ہر ایک آدمی اپنی آخری نماز آپؐ کے پیچھے پڑھنا چاہتا تھا اس لئے آپ کی حیات میں نماز خوف تھی۔لیکن آپؐ کے بعد اب اس طرح نماز پڑھنا منسوخ ہے۔اب دو الگ الگ امام ہوں گے اور دونوں جماعتیں الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھے گی۔ان کا استدلال اس آیت سے ہے جو صلوۃ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واذا كنت فيهم فاقمت لهم الصلوة فلتقم طائفة منهم معك وليأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم ولتأت طائفة اخرى لم يصلوا فليصلوا معك وليأخذوا حذرهم واسلحتهم۔(آیت ۱۰۲ سورۃ النساء۴)اس آیت میں حضور کو خطاب ہے کہ آپؐ موجود ہوں تو لوگوں کو نماز خوف پڑھائیں۔جس کا مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ آپ کے بعد نماز خوف اس طرح نہیں پڑھی جائے گی۔

فائدہ: جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسی اشعری نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں بھی صلوۃ خوف جائز ہے، اثر یہ ہے۔عن ابى العالية قال صلى بنا ابو موسى الاشعرى باصبهان صلوة الخوف.(سنن للبیھقی ، باب الدلیل علی ثبوت صلوۃ الخوف وانھا لم تنسخ ج ثالث ص ۳۵۸،نمبر ۶۰۰۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد میں بھی نماز خوف پڑھائی جا سکتی ہے۔

نوٹ: اوپر کی آیت اور یہ حدیث صلوۃ خوف کے جواز کی دلیل ہیں۔

ترجمہ: (۶۷۳) جب خوف سخت ہو جائے تو امام لوگوں کو دو جماعت بنائے۔ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور دوسری جماعت امام کے پیچھے۔پس امام پہلی جماعت کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے، پس جب کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے پہلی جماعت چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر، اور دوسری جماعت آئے گی تو اس کو امام نماز پڑھائے گا ایک رکعت اور دو سجدے۔اور امام

العدووجاء ت الطائفةالاولی فصلوا رکعة وسجدتین وحدانا بغیر قرأة لانهم لا حقون و تشهدوا و سلموا و مضوا الی وجه العدو و جائت الطائفة الاخریٰ وصلوا رکعة وسجدتین بقراءة لانهم مسبوقون وتشهد واو سلموا ﴾

تشہد پڑھے گا اور سلام پھیرے لیکن دوسری جماعت سلام نہیں پھیرے گی بلکہ چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔اور پہلی جماعت آئے گی اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے اکیلے نماز پڑھے گی بغیر قرأت کے (کیونکہ وہ لاحق ہے اور لاحق پر قرأت نہیں ہے اس لئے وہ قرأت نہیں کرے گی) اور تشہد پڑھے گی اور سلام پھیرے گی اور چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔اور دوسری جماعت آئے اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھیں قرأت کے ساتھ (اس لئے کہ یہ مسبوق ہیں اور مسبوق اپنی نماز پوری کرتے وقت قرأت کریں گے) اور تشہد پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔

تشریح : داود شریف میں خوف کی نماز پڑھانے کا چار طریقہ بتایا گیا، ان میں سے کسی طریقے سے نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی، اور درمیان نماز میں پیچھے جانے کا اور آگے آنے کا جو عمل ہوگا اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی اسلئے کہ مجبوری کی وجہ سے معاف ہے۔البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ طریقہ بہتر ہے جو متن میں گزرا۔اسکی تشریح یہ ہے۔کہ امام دو جماعت بنائے۔مثلا ایک خالد کی جماعت، اور دوسری شریف کی جماعت۔اب شریف کی جماعت دشمن کے مقابلے پر رہے، اور خالد کی جماعت کو امام ایک رکعت پڑھائے، اسکے بعد خالد کی جماعت دوسری رکعت بغیر پڑھے ہوئے دشمن کے مقابلے پر چلی جائے اور شریف کی جماعت امام کے پیچھے آکر ایک رکعت پڑھے۔یہ رکعت امام کے لئے دوسری رکعت ہے اسلئے امام تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔اب شریف کی جماعت کی ابھی ایک رکعت ہوئی ہے، اب بغیر دوسری رکعت ملائے دشمن کے مقابلے پر پیچھے چلی جائے۔اور خالد کی جماعت آگے آئے اور اپنی دوسری رکعت پوری کرے اور سلام پھیرے، یہ لوگ دوسری رکعت میں لاحق ہیں، اس لئے کہ امام کے ساتھ پہلی رکعت ملی ہے اسلئے دوسری رکعت بغیر قرأت کئے ہوئے پڑھے، کیونکہ لاحق پر قرأت نہیں ہے۔پھر خالد کی جماعت دشمن کے مقابلے پر پیچھے جائے اور شریف کی جماعت آگے آکر اپنی دوسری رکعت پوری کرے اور سلام پھیرے۔شریف کی جماعت اپنی دوسری رکعت میں مسبوق ہیں، کیونکہ وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت میں ملے تھے اور پہلی رکعت چلی گئی تھی، اور جو مسبوق ہوتا ہے وہ قرأت کے ساتھ اپنی نماز پوری کرتا ہے، اسلئے شریف کی جماعت قرأت کے ساتھ اپنی نماز پوری کرے

وجه : (۱) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**ان عبد الله بن عمر قال غزوت مع رسول الله ﷺ قبل نجد فوازينا العدو فصاففنا لهم فقام رسول الله يصلى لنا فقامت طائفة معه و اقبلت طائفة على العدو وفركع رسول الله ﷺ بمن معه و سجد سجدتين ثم انصرفوا مكان الطائفة التى لم تصل فجاء وا فركع رسول**

لـ والاصل فيه رواية ابن مسعود ان النبی عليه السلام صلی صلوٰة الخوف علی الصفة التی قلنا

الـلـه بهـم ركعة و سجد سجدتين ثم سلم فقام كل واحد منهم فركع لنفسه ركعة وسجد سجدتين ۔(بخاری شریف، ابواب صلوۃ الخوف ص ۱۲۸ نمبر ۹۴۲ رابوداؤدشریف، باب من قال یصلی بکل طائفة رکعة ثم یسلم ص ۱۸۴، ابواب صلوۃ الخوف نمبر ۱۲۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز خوف میں دو جماعتیں بنائے گا اور امام ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا۔اور باقی ایک رکعت خود اپنے اپنے طور پر پڑھیں گے۔(۲) امام ابوحنیفہ کی نظر آیت کے اس جملہ کی طرف گئی ہے فـــــاذا سـجـدوا فيـلـيـكونوا من ورائكم ولتأت طائفة اخرى لم يصلوا. (آیت ۱۰۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ پہلی جماعت ایک رکعت کا سجدہ کرلے تو اس کو پیچھے چلے جانا چاہئے جس میں اشارہ ہے کہ دوسری رکعت اس کو فوراً نہیں پڑھنی چاہئے وہ بعد میں پوری کرے گی (۳) قاعدہ کے اعتبار سے حنفیہ کی بتائی ہوئی صورت میں پہلی جماعت نماز سے پہلے فارغ ہوگی اور دوسری جماعت بعد میں فارغ ہوگی اور قاعدہ کا تقاضا بھی یہی ہے (۴) اس صورت میں امام کو مقتدیوں کا انتظار نہیں کرنا پڑتا ہے۔اور اگر پہلی جماعت دوسری رکعت فوراً پوری کرے تو امام کو اتنی دیر تک دوسری جماعت کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔اور یہ امامت کے عہدے کے خلاف ہے۔اس لئے پہلی جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے پھر دوسری جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے اور پہلی جماعت آکر دوسری رکعت پوری کرے۔اس کے پورا کرنے کے بعد وہ دشمن کے سامنے جائے اور دوسری جماعت بعد میں اپنی پہلی رکعت پوری کرے (۵) کتاب الآثار میں عبارت یہ ہے . محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عـن ابـراهيم فی صلوة الخوف قال اذا صلى الامام باصحابه فلتقم طائفة منهم مع الامام وطائفة بازاء العدو فيـصـلـی الامـام بالطائفة الذين معه ركعة ثم تنصرف الطائفة الذين صلوا مع الامام من غير ان يتكلموا حتى يـقـومـوا مـقـام اصحابهم وتأتی الطائفة الاخرى فيصلون مع الامام الركعة الاخرى ثم ينصرفون من غير ان يتـكـلـمـوا حتـى يـقـومـوافـی مـقام اصحابهم و تأتی الطائفة الاولى حتى يصلوا ركعة وحدانا ثم ينصرفون فيـقومون مقام اصحابهم و تأتی الطائفة الاخرى حتى يقضوا الركعة التی بقيت عليهم وحدانا. (کتاب الآثار لامام محمد، باب صلوۃ الخوف ص ۳۹، نمبر ۱۹۴) اس اثر سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

فائدہ: امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ابوداؤد شریف کی حدیث کی وجہ سے یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت اسی وقت پوری کرلے اور سلام پھیر دے۔پھر دشمن کے سامنے جائے اور امام اتنی دیر دوسری جماعت کا انتظار کریں گے۔پھر دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر امام سلام پھیریں گے اور دوسری جماعت دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گی (ابوداؤد، باب من قال اذا صلی رکعة، ص ۱۸۵ نمبر ۱۲۳۹ میں یہ حدیث موجود ہے)

ترجمہ: لـ اصل اس میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے خوف کی نماز اس طریقے پر پڑھی جو

۲؎ وابویوسف وان انکرشرعیتها فی زماننا فهو محجوج علیه بماروینا (۶۷۴) فان کان الامام مقیما صلی بالطائفة الاولیٰ رکعتین وبالطائفة الثانیة رکعتین ﴾ ۱؎ لماروی انه صلی الله علیه وسلم صلی الظهر بالطائفتین رکعتین رکعتین

میں نے کہا۔

تشریح : حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن مسعودؓ قال صلی بنا رسول الله ﷺ صلاة الخوف فقاموا صفا خلف رسول الله ﷺ و صف مستقبل العدو ، فصلی بهم رسول الله ﷺ رکعة ، ثم جاء الآخرون فقاموا مقامهم و استقبل هؤلاء العدو فصلی بهم النبی ﷺ رکعة ثم سلم فقام هؤلاء فصلوا لأنفسهم رکعة ثم سلموا ثم ذهبوا فقاموا مقام أولئک مستقبلی العدو و رجع أولئک الی مقامهم فصلوا لأنفسهم رکعة ثم سلموا ۔(ابوداود شریف، باب من قال یصلی بکل طائفة رکعة ثم یسلم ،ص ۱۸۶، نمبر ۱۲۴۴) اس حدیث میں صلوۃ الخوف کی وہ ترتیب بتائی گئی ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بیان کی۔ اور ایک حدیث اوپر بھی گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے ہمارے زمانے میں صلوۃ خوف کی مشروعیت کا انکار فرمایا۔ لیکن ان پر وہ روایت حجت ہے جو ہمنے بیان کی۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ حضورؐ کے بعد نماز خوف نہیں ہے، بلکہ اب دو امام ہوں اور دونوں امام اپنی اپنی جماعت کو الگ الگ پوری پوری نماز پڑھا دے، یہ تو حضورؐ کی بات تھی کہ ہر آدمی اپنی آخری نماز آپؐ کے پیچھے پڑھنا چاہتا تھا اسلئے ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھاتے تھے، جسکو نماز خوف کہتے ہیں۔۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوموسی اشعریؓ نے اپنے زمانے میں خوف کی نماز پڑھائی۔ اثر یہ ہے۔ عن ابی العالیة قال صلی بنا ابو موسی الاشعری باصبهان صلوة الخوف. (سنن للبیہقی ، باب الدلیل علی ثبوت صلوۃ الخوف وانہا لم تنسخ ج ثالث ص ۳۵۸، نمبر ۶۰۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد میں بھی نماز خوف پڑھائی جا سکتی ہے۔

ترجمہ: (۶۷۴) اگر امام مقیم ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائے، اور دوسری جماعت کو دو رکعت۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐ نے ظہر کی نماز دو جماعتوں کو دو دو رکعتیں پڑھائیں۔

تشریح : اگر امام مقیم ہو اور نماز چار رکعت والی ہو، مثلا ظہر، عصر، یا عشاء کی نماز ہو تو امام چار رکعت نماز پڑھے گا، اور دونوں جماعتوں کو دو دو رکعتیں نماز پڑھائے گا، اور مقتدی اپنی دو دو رکعتیں اس ترتیب سے پوری کرے گا جو پہلے گزر چکی۔

(۶۷۵) ويصلى بالطائفة الاولىٰ من المغرب ركعتين وبالثانية ركعة واحدة﴾ ل لان تنصيف الركعة الواحدة غير ممكن فجعلها في الاولىٰ اولى بحكم السبق (۶۷۶) ولا يقاتلون في حال الصلوٰة فان فعلوا بطلت صلاتهم ﴾

وجه : (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن جابر قال اقبلنا مع رسول الله ﷺ حتى اذا كنا بذات الرقاع .... قال فنودى با لصلاة فصلى بطائفة ركعتين ثم تأخروا فصلى بالطائفة الاخرى ركعتين ، قال فكانت لرسول الله ﷺ أربع ركعات و للقوم ركعتان** . (مسلم شریف، باب صلاۃ الخوف، ص ۳۴۰، نمبر ۱۹۴۹/۸۴۳/ابوداود شریف، باب من قال یصلی بکل طائفۃ رکعتین ، ص ۱۸۷، نمبر ۱۲۴۸) اس حدیث میں ہے کہ ظہر عصر کی نماز ہو اور امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعت نماز پڑھائے۔

ترجمه: (۶۷۵) اور نماز پڑھائے گا پہلی جماعت کو مغرب کی دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت۔

وجه : تین رکعت کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے پہلی جماعت کو امام صاحب دو رکعتیں نماز پڑھائیں گے۔ اور دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائیں گے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ ایک رکعت کا آدھا تو ممکن نہیں ہے اس لئے اس کو پہلے گروہ میں کرنا زیادہ بہتر ہے مقدم ہونے کی وجہ سے۔

تشريح : مغرب میں تین رکعتیں ہیں تو دونوں جماعتوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ رکعت کرنا ممکن نہیں ہے اسلئے جو جماعت پہلی ہے اسکے سابق ہونے کی وجہ سے یہ رکعت دے دینا زیادہ بہتر ہے

ترجمه: (۶۷۶) اور نماز کی حالت میں قتال نہیں کریں گے۔ پس اگر قتال کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔

تشريح : نماز کی حالت میں قتال نہ کریں اور اگر قتال کیا تو نماز باطل ہو جائے گی، اسلئے دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

وجه: (۱) قتال کرنا عمل کثیر ہے اس لئے قتال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور دوبارہ نماز پڑھنا ہوگی (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ **قال جاء عمر يوم الخندق فجعل يسب كفار قريش ويقول يا رسول الله ما صليت العصر حتى كادت الشمس ان تغيب فقال النبي ﷺ وانا والله ما صليتها بعد قال فنزل الى بطحان فتوضأ وصلى العصر بعد ما غابت الشمس ثم صلى المغرب بعده** (بخاری شریف، باب الصلوۃ عند مناھضۃ الحصون ولقاء العدو ص ۱۲۹ نمبر ۹۴۵/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص ۴۳، نمبر ۱۷۹/نسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ، ص ۸۵، نمبر ۶۲۳)) اس حدیث میں ہے کہ قتال چل رہا تھا اس

لـ لانہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم شغل عن اربع صلوات یوم الخندق ولو جازالاداء مع القتال لما ترکہا (۶۷۷) فان اشتدالخوف صلوا رکبانا فرادی یؤمون بالرکوع والسجود الی ایّ جہة شاء وا اذا لم یقدروا علی التوجہ الی القبلة ﴿ لـ لقولہ تعالیٰ فان خفتم فرجالا او رکبانا وسقط التوجہ للضرورة

لئے نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح نماز پڑھ رہا ہو اور قتال شروع ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (۳) قال انس بن مالک حضرت عند منا ھضة حصن تستر عند اضائة الفجر واشتد اشتغال القتال فلم یقدروا علی الصلوة فلم نصل الا بعد ارتفاع النہار . (بخاری شریف، باب الصلوة عند مناھضة الحصون ولقاء العدوص ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اور قتال کے وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ بلکہ نماز مؤخر کر دی جائے گی۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ حضورؐ غزوہ خندق کے دن چار نمازیں نہیں پڑھ سکے تو اگر قتال کے ساتھ پڑھنا جائز ہوتا تو ان نمازوں کو نہ چھوڑتے۔

تشریح: حضورؐ غزوہ خندق کے وقت چار نماز نہیں پڑھ سکے تھے پس اگر قتال کرتے ہوئے نماز پڑھنا جائز ہوتا تو آپؐ نماز نہ چھوڑتے۔ بلکہ قتال کرتے ہوئے ہی نماز پڑھ لیتے، لیکن نماز چھوڑ دی اور بعد میں قضا کی یہ اس بات پر دلیل ہے کہ قتال کرتے ہوئے نماز پڑھنا جائز نہیں

ترجمہ: (۶۷۷) اگر خوف زیادہ سخت ہو تو نماز پڑھو سوار ہو کر اکیلا اکیلا، اشارہ کرے گا رکوع کا اور سجدے کا جس جانب چاہے اگر قبلہ کی جانب توجہ کرنے کی قدرت نہ ہو۔

ترجمہ: لـ اللہ تعالی کے قول کہ اگر تمکو خوف ہو تو پیدل نماز پڑھو یا سواری پر نماز پڑھ لو۔

تشریح: اگر خوف زیادہ ہو اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو سواری ہی پر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ جس طرح نوافل نماز سواری پر پڑھ رہا ہو تو رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور قبلہ کی جانب توجہ نہ کر سکتا ہو تو جس جانب ممکن ہو اسی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھ لے۔

وجہ: (۱) نفل نماز میں قیام ساقط ہو جاتا ہے اور رکوع اور سجدوں کا اشارہ کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی خوف کی مجبوری کی وجہ سے قیام ساقط ہو گا اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مریض اور معذور لوگوں سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ بھی معذور ہے اس لئے ان سے بھی خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جائے گا (۲) اس کی دلیل یہ آیت ہے جسکو صاحب ھدایہ نے نقل کیا ہے۔ ا فان خفتم فرجالا او رکبانا۔ (آیت ۲۳۹ سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ خوف ہو

۲ وعن محمدؒ انهم يصلون بجماعة وليس بصحيح لانعدام الاتحاد فى المكان.

تو سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔اوراس کے مطابق تمام رعایتیں مل جائیں گی (۳) عن ابن سيرين انه كان يقول فى صلوة المسايفة يومى ايماء حيث كان وجهه ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۶ فی الصلاۃ عند المسایفۃ ، ج ثانی، ص ۲۱۵، نمبر ۸۲۶۷) اس اثر میں موجود ہے کہ جس جانب چہرہ متوجہ ہو اسی جانب اشارہ کر کے نماز پڑھے گا۔قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے۔اور باضابطہ رکوع اور سجدہ کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔کیونکہ وہ شدت خوف کی وجہ سے مجبور ہے۔مسایفۃ : کا معنی کحالت جنگ۔ رکبانا: سوار ہوکر، یومون : اشارہ کرتے ہوئے۔

ترجمہ: ۲ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے اسلئے کہ مکان میں اتحاد ممکن نہیں ہے

تشریح : حضرت امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جنگ کی حالت میں جو لوگ سواری پر نماز پڑھیں وہ گھوڑوں کو ایک لائن میں کر کے جماعت بنالیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ سب گھوڑوں کا کئی منٹ تک ایک لائن میں کھڑا رہنا ممکن نہیں، اور اسکو ایک لائن میں رکھنے کی کوشش کرے گا تو عمل کثیر ہوگا جو نماز کو فاسد کر دے گا، اس لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دینا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿ باب الجنائز ﴾

(٦٧٨) اذا احتضر الرجل وُجِّه الى القبلة على شقه الايمن ﴾ ١ اعتبارا بحال الوضع فى القبر لانه اشرف عليه

﴿ باب الجنائز ﴾

ضروری نوٹ: جنائز جمع ہے جنازۃ کی۔جیم کے فتحہ کے ساتھ۔میت کو جنازہ کہتے ہیں۔نماز جنازہ کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے لا تصل علی احد منهم مات ابدا و لا تقم علی قبره (آیت ۸۴ سورۃ التوبۃ) اس آیت میں منافق کی نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مومن کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے۔چنانچہ نماز جنازہ پڑھنی فرض کفایہ ہے۔

ترجمہ: (٦٧٨) جب آدمی پر موت کا وقت آجائے تو اس کو دائیں جانب قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

تشریح: احتضر: حضر سے مشتق ہے، اسکا ترجمہ ہے جب موت کا وقت حاضر ہو جائے۔جب آدمی پر موت کا وقت قریب ہو جائے تو اس آدمی کو دائیں جانب کر کے قبلہ رخ کر کے لٹا دیا جائے، سنت یہی ہے۔

وجہ: (۱) قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سونا مستحب اور سنت ہے اس لئے موت کے وقت بھی قبلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ عن البراء بن عازب قال: قال لی النبی ﷺ اذا أتيت مضجعک فتوضأ وضوئک للصلاة ثم اضطجع على شقک الأيمن ثم قل۔(بخاری شریف، باب فضل من بات علی الوضوء، ص ۴۵، نمبر ۲۴۷ رمسلم شریف، باب الدعاء عند النوم، ص ۱۱۷۷، نمبر ۲۷۱۰/۶۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ دائیں پہلو پر سوئے، چونکہ زندگی میں یہ بہتر ہے اسلئے مرنے کے بعد بھی یہی بہتر ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔عن ابی قتادة عن ابيه ... فقالوا توفى و اوصى بثلثه لک يا رسول الله و اوصى ان يوجهه الى القبلة لما احتضر فقال رسول الله اصاب الفطرة (سنن للبیہقی، باب مایستحب من توجیہ نحو القبلۃ ج ثالث ص ۵۳۹، نمبر ۶۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دینا چاہئے۔(۳) اثر یہ ہے۔ عن ابراهيم قال كانوا يستحبون أن يوجه الميت القبلة اذا حضر . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۸، ما قالوا فی توجیہ المیت، ج ثانی، ص ۴۴۷، نمبر ۱۰۸۷۱ رمصنف عبد الرزاق، باب غسل المیت اذا احضرہ الموت وحروف المیت الی القبلۃ، ج ثالث، ص ۲۴۲، نمبر ۶۰۸۲) اس اثر میں ہے کہ موت کے وقت میت کو قبلہ کی طرف کر دینا چاہئے۔

ترجمہ: ١ قبر میں رکھنے کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے۔اسلئے کہ قبر میں جانے کے قریب ہے۔

تشریح: میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو مستحب یہ ہے کہ اسکے چہرے کو قبلے کا رخ کر دے، تو چونکہ قبر میں قبلے کا رخ لٹانا ہے، اور اب یہ قبر میں جانے کے قریب ہے اسلئے اسکو بھی موت کے وقت قبلے کے رخ لٹا دیا جائے۔قبر میں قبلے کے رخ لٹانے کی

۲ والمختار فی بلادنا الاستلقاء لانه ایسر لخروج الروح والاوّل هو السنة (۶۷۹) ولقن الشهادتین ۱ لقوله صلی اللہ علیه وسلم لقنوا موتاکم شهادة ان لاالٰه الااللہ والمراد الذی قرب من الموت.(۶۸۰) فاذا مات شد لحیاہ وغمض عیناہ

حدیث یہ ہے۔ان رجلا سأله فقال یا رسول اللہ ﷺ ما الکبائر ؟ قال ھن تسع فذکر معناه وزاد وعقوق الوالدین المسلمین واستحلال البیت الحرام قبلتکم احیاء و امواتا (الف)(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۵ رسنن للبیھقی ، باب ماجاء فی استقبال القبلة بالموتی ج ثالث ص ۵۷۳، نمبر ۶۷۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو بھی قبلہ کی طرف لٹایا جائے۔تو موت سے جو قریب ہے اسکو بھی قبلے کی طرف لٹا دیا جائے۔

ترجمہ: ۲ ہمارے دیار میں مختار چت لٹانا ہے۔اس لئے کہ روح نکلنے کے لئے یہ زیادہ آسان ہے۔لیکن پہلی صورت سنت ہے۔

تشریح: مصنف فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر یعنی ماوراء النہر میں علماء یہی پسند کرتے ہیں کہ مرنے والے کو چت لٹا دیا جائے، کیونکہ اس صورت میں روح آسانی سے نکلتی ہے۔لیکن قبلہ رخ کرنے کی چونکہ حدیث موجود ہے اسلئے وہ طریقہ سنت ہے

ترجمہ: (۶۷۹) شہادتین کی تلقین کرے۔

ترجمہ: ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اپنے مرنے والے کو لا الہ الا اللہ ، کی تلقین کیا کرو۔اور حدیث میں موتی ، سے مراد وہ ہے جو مرنے کے قریب ہو۔

تشریح: حدیث میں موتی سے مراد بالکل مرا ہوا نہیں ہے، بلکہ وہ آدمی مراد ہے جو مرنے کے قریب ہو، چونکہ مرنے کے قریب ہے اسلئے اسکو موتی کہہ دیا ہے۔موت کے وقت حاضرین مجلس کو چاہئے کہ دھیمی آواز میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے۔تا کہ میت کو بھی پڑھنے کی توفیق ہو جائے اور ایمان پر خاتمہ ہو، اسی کو میت کو تلقین کرنا کہتے ہیں

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے جس میں تلقین کی ترغیب دی گئی ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ. (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر لا الہ الا اللہ ص ۳۰۰ نمبر ۲۱۲۵/۹۱۷ ابوداؤد شریف، باب فی التلقین ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۳۱۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو تلقین کرنا چاہئے۔البتہ اس کو پڑھنے کے لئے نہیں کہنا چاہئے کیونکہ انکار کر دیا تو کفر پر خاتمہ ہوگا۔

ترجمہ: (۶۸۰) اگر انتقال ہو جائے تو اس کی ڈاڑھی باندھ دی جائے اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

تشریح: غمض کا معنی ہے آنکھ کو بند کرنا۔اور شد :کا معنی ہے باندھنا۔جب آدمی مر جاتا ہے تو عموما اسکا منہ کھلا رہ جاتا ہے، اور

لے بذلک جری التوارث ثم فیه تحسینه فیستحسن.

دیکھنے والے کو ڈر لگتا ہے اسلئے کسی کپڑے سے جبڑے کو سر کے ساتھ باندھ دیا جائے تا کہ میت کا منہ بند ہو جائے، اور ہو سکے تو سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا جائے تا کہ منہ بند ہی رہے۔۔اور انتقال کے وقت آنکھیں کھلی رہتی ہیں جس سے آدمی کو ڈر لگتا ہے۔حدیث میں ہے کہ روح جب نکلتی ہے تو آنکھیں اسکو دیکھتی رہتی ہیں اور اسی حال میں آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں، اس لئے آنکھ کو بھی بند کر دیا جائے۔

وجه: (۱) انتقال کے وقت منہ کھلا رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والوں کو کراہیت ہوتی ہے اس لئے ڈاڑھی کو سر کے ساتھ لگا کر باندھ دیا جائے گا تو منہ کھلا ہوا نہیں رہے گا اور بدنما معلوم نہیں ہوگا اس لئے ڈاڑھی باندھ دی جائے گی۔اسی طرح موت کے وقت آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں جو بدنما معلوم ہوتی ہیں اس لئے آنکھیں بھی فورا بند کر دی جائیں (۲)۔حدیث میں ہے۔ **عن ام سلمة قالت دخل رسول الله علی ابی سلمة وقد شق بصره فاغمضه ثم قال ان الروح اذا قبض تبعه البصر** ۔(مسلم شریف، فصل فی القول الخیر عند المحتضر ص ۳۰۰ کتاب الجنائز نمبر ۹۲۰،۲۱۳۰/ابو داود شریف، باب تغمیض المیت، ص ۴۵۸، نمبر ۳۱۱۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کی آنکھیں بند کر دینی چاہئے۔

ترجمه: لے حضورؐ کے زمانے سے وراثت کے طور پر ایسا ہی آ رہا ہے۔پھر یہ کہ اس صورت میں میت کی تزئین ہے، اس لئے ایسا کرنا مندوب ہوگا۔

تشریح: حضورؐ کے زمانے سے ایسا ہی آ رہا ہے، اور توارث ایسا ہی چل رہا ہے، کہ موت کے بعد میت کی داڑھی باندھ دی جاتی ہے، اور اسکی آنکھیں بند کر دی جاتی ہیں۔اور اس صورت میں مردے کی زینت ہے اور تحسین ہے اسلئے بھی ایسا کرنا بہتر ہوگا۔حدیث اوپر گزری۔

﴿فصل فی الغسل﴾

(٦٨١) فاذا ارادواغسله وضعوه علیٰ سرير [لينصب الماء عنه] وجعلوا علیٰ عورته خرقة ﴿ لـ اقامة لواجب الستر ويكتفى بستر العورة الغليظة هو الصحيح تيسيرا

﴿فصل فی الغسل﴾

ترجمه: (۶۸۱) جب میت کے غسل کا ارادہ کرے تو اس کو تخت پر رکھے [تا کہ پانی اس سے نیچے گر جائے] اور اس کے ستر عورت پر چھوٹا سا کپڑا رکھ دے۔

وجه: (۱) غسل کے وقت تخت پر اس لئے رکھے گا تا کہ پانی نیچے گر جائے اور استعمال شدہ پانی کسی کو نہ لگے اور غسل دینے میں آسانی ہو۔

۔اور اس کے ستر پر چھوٹا سا کپڑا اس لئے رکھے گا تا کہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔البتہ غسل دینے میں پریشانی ہوگی اور کپڑا بھیگ جائے گا اس لئے دیگر تمام کپڑے کھول دیئے جائیں گے (۲) اس حدیث میں ہے کہ مردوں کا ستر غلیظہ نہیں دیکھنا چاہئے۔عن علی ان النبی ﷺ قال لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حیّ ولا میت. (ابوداؤد شریف، باب فی ستر المیت عند غسلہ ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۰) جس سے معلوم ہوا کہ غسل دیتے وقت میت کا ستر نہیں دیکھنا چاہئے (۳) سمعت عائشة تقول لما ارادوا غسل النبی ﷺ ....أن اغسلوا النبی ﷺ و عليه ثيابه ، فقاموا الی رسول الله و فغسلوه و عليه قميصه (ابوداؤد شریف، باب فی ستر المیت عند غسلہ ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۱) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو قمیص میں غسل دیا گیا تا کہ ستر نہ کھلے۔(۴) اثر میں ہے عن ایوب قال رأیته یغسل میتا فالقی علی فرجه خرقة و علی وجهه خرقة اخری ووضأه وضوء الصلوة ثم بدأ بمیامنه (مصنف عبد الرزاق، باب غسل المیت ج ثالث ص ۲۴۷ نمبر ۶۱۰۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰، فی المیت یغسل من قال یستر ولا یجرد، ج ۲، ص ۴۴۸، نمبر ۱۰۸۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے ستر پر چھوٹا کپڑا رکھنا چاہئے تا کہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔

لغت: سریر: تخت۔ینصب: نیچے گرے۔خرقۃ: چھوٹا سا کپڑا، چیتھڑا۔عورۃ غلیظہ: پیشاب اور پیخانے کی جگہ کو عورت غلیظہ کہتے ہیں۔

ترجمه: لـ ستر کے واجب کو قائم رکھنے کے لئے۔اور ستر غلیظہ پر کپڑا رکھنا کافی ہے آسانی کے لئے یہی صحیح ہے۔

تشريح: غسل دیتے وقت جسم پر خاص طور پر پیشاب اور پیخانہ کے مقام پر کپڑا رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ ستر ہے اور اس کو ڈھانکنا واجب ہے اس واجب کو قائم کرنے کے لئے ستر پر کپڑا رکھنا چاہئے۔اور بہت زیادہ کپڑا رکھنے سے غسل دینے میں مشکل ہوگا ،اس لئے غسل دینے میں آسانی کے لئے صرف ستر غلیظہ یعنی پیشاب اور پیخانے کے مقام پر اور گھٹنے تک کپڑا رکھنا کافی ہے۔مرد کے

(٦٨٢) ونزعوا ثيابه ﴿ ۱ ليمكنهم التنظيف (٦٨٣) ووضوءه من غير مضمضة واستنشاق ﴾

لئے یہی ستر ہے۔اوپر اثر میں بھی خرقہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ چھوٹا سا کپڑا جس سے ستر غلیظہ چھپ جائے اتنا ہی کافی ہے۔

ترجمه: (٦٨٢) اور میت کا کپڑا نکال لے۔

ترجمه: ۱ تا کہ اس کو صاف کرنا ممکن ہو۔

تشریح: چھوٹے سے کپڑے کے علاوہ میت کا باقی کپڑا نکال دے تا کہ اس پر پانی ڈالنا اور اسکی صفائی کرنا آسان ہو۔

وجہ:۔اس اثر میں۔ قال معمر و کان قتادة يقول يبدأ بميامنه قال فاذا أراد أن يوضئه نزع التی علی وجهه فأما التی علی فرجه فلا يحركها .(مصنف عبد الرزاق، باب غسل المیت، ج ثالث، ۲۴۷، نمبر ۶۱۰۴)اس اثر میں ہے کہ کپڑا نکال دے۔

ترجمه: (٦٨٣) اور میت کو وضو کرائے لیکن کلی نہ کرائے اور نہ ناک میں پانی ڈالے۔

تشریح: زندگی میں غسل کرتے وقت وضو کرنا سنت ہے اسلئے مرنے کے بعد بھی یہ سنت رہے گی، اس لئے میت کو غسل کراتے وقت وضو کرایا جائے گا۔البتہ اس وضو میں کلی نہیں کرایا جائے گا اور استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈال کر چھڑکا یا نہیں جائے گا، کیونکہ میت کے منہ سے اور ناک سے پانی نکالنا مشکل کام ہے، ایسا کرنے کے لئے میت کو اوندھا کرنا ہوگا، جو مشکل ہے۔

وجه: (۱) کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے لیکن میت کے منہ اور ناک سے پانی نکالنا مشکل ہوگا اس لئے روئی کو پانی سے بھگو کر منہ اور ناک میں ڈال دیا جائے تا کہ ایک طرح کی کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ہو جائے۔حیات کی طرح باضابطہ پانی نہ ڈالا جائے۔زندگی میں بھی ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا سنت تھا، موت کے وقت اس کا طریقہ تھوڑا بدل جائے گا (۲) اثر میں ہے۔عن سعيد بن جبير قال يوضأ الميت وضوئه للصلوة الا انه لا يمضمض و لا يستنشق (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲، ما اول مایبدأ به من غسل المیت، ج ثانی، ص ۴۴۹، نمبر ۱۰۸۹۷) اس اثر میں ہے کہ نماز کی طرح میت کو غسل کرایا جائے، البتہ کلی نہ کرایا جائے اور ناک میں پانی نہ ڈالا جائے (۳) اس حدیث میں وضو کا ثبوت ہے۔ عن أم عطيةؓ قالت : قال رسول الله ﷺ فی غسل ابنته : ابدأن بميامنها و مواضع الوضوء منها ۔(بخاری شریف، باب یبدأ بمیامن المیت، ص ۲۰۱، نمبر ۱۲۵۵/ مسلم شریف، باب فی غسل المیت، ص ۳۷۸، نمبر ۹۳۹/ ۲۱۷۵)اس حدیث میں میت کے وضوء کا تذکرہ ہے۔(۴) روئی سے منہ اور ناک بھگو دیا جائے اسکے لئے یہ اثر ہے. عن ابراهيم قال لا يمضمض و لا يستنشق و لكن يؤخذ خرقة نظيفة فيمسح بها فمه و منخراه ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۳، ما قالوا فی المیت کم یغسل مرة، ج ثانی، ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۹۰۷)اس اثر میں ہے کہ کسی کپڑے کو بھگو کر اس سے منہ اور ناک کے اندر کا حصہ پونچھ دیا جائے۔

ل لان الوضوء سنة الاغتسال غير ان اخراج الماء منه متعذر فيترکان (۶۸۴) ثم يفيضون الماء عليه ل اعتبارا بحال الحيوٰة. (۶۸۵) ويجمّر سريره وترالما فيه

لغت: مضمضة: کامعنی ہے کلی کرنا۔ اوراستنشاق: کامعنی ہے ناک میں پانی ڈال کراسکو واپس پھینکنا۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ وضوء کرنا غسل کی سنت ہے یہ اور بات ہے کہ منہ اور ناک سے پانی نکالنا متعذر رہے اس لئے یہ دونوں چھوڑ دئے جائیں گے۔

تشریح: یہ وضو سنت ہونے کی دلیل ہے، کہ وضو غسل کی سنت ہے اسلئے جب میت کو غسل کرایا جارہا ہے تو وضو بھی سنت ہوگی، یہ اور بات ہے کہ منہ اور ناک سے پانی نکالنا مشکل ہے اسلئے مضمضہ اور استنشاق نہیں کرایا جائے گا۔

ترجمہ: (۶۸۴) پھر میت پر پانی بہائے۔

ترجمہ: ل زندگی کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: غسل دینے کے لئے میت پر طاق مرتبہ پانی بہائے تاکہ ہر عضو دھل جائے۔ کیونکہ زندگی میں بھی طاق مرتبہ پانی بہانا سنت تھا۔

لغت: یفیض: افاض کامعنی ہے خوب پانی بہانا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ عن ام عطية قالت دخل علينا رسول الله ﷺ حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذلک ان رأيتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شيئا من کافور (نمبر۱۲۵۳) و فی حديث اخری قال ابدأن بميامنها و مواضع الوضوء منها. (بخاری شریف، باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۴ مسلم شریف، باب غسل المیت، ص ۳۷۸، نمبر ۲۱۶۸/۹۳۹) اس حدیث سے یہ باتیں معلوم ہوئیں غسل طاق مرتبہ دے، غسل میں بیری کے پتے استعمال کرے، اخیر میں میت پر کافور ڈالے تاکہ خوشبو مہکتی رہے اور جلدی کیڑے نہ لگے، غسل دائیں جانب سے شروع کرے۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت پر پورا پانی بہائے جس سے ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

ترجمہ: (۶۸۵) تخت کو دھونی دے طاق مرتبہ۔

تشریح: جمر کا ترجمہ ہے لوبان وغیرہ کو جلا کر دھونی دینا۔ جس تخت پر غسل دینا ہے اس کو طاق مرتبہ دھونی دے تاکہ تخت میں بھی خشبو آجائے ۔میت کے غسل کے وقت چھ مرتبہ خوشبو لگائی جاتی ہے [۱] پہلے اس تخت کو دھونی دی جاتی ہے جس پر میت کو غسل دینا ہے۔[۲] اس کپڑے کو دھونی دی جاتی ہے جس میں کفن دینا ہے۔[۳] اس پانی میں بیری یا اشنان کی پتی ڈالی جاتی ہے جس سے

ل من تعظيم الميت ۲و انما يوتر لقوله صلى الله عليه وسلم ان الله وتر يحب الوتر. (٦٨٦) ويغلى الماء بالسدر او بالحرض ﴾

میت کوغسل دینا ہے[۴] میت کے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے دھوتے ہیں۔[۵] میت کے سر پر حنوط ملا جاتا ہے جوخوشبو کا مجموعہ ہے[۶] اورآخیر میں میت کے سجدے کی جگہوں پر کافور ڈالا جاتا ہے، جس سے تیز خوشبو ہوتی ہے۔۔میت سے بدبو نہ آجائے اس لئے چھ مرتبہ شریعت نے خوشبو کا انتظام کیا

وجه :(۱) تخت کو دھونی دینے سے تخت پر خوشبو ہوگی تا کہ میت کی بدبو محسوس نہ ہو۔اسی طرح کپڑے پر بھی طاق مرتبہ دھونی دے تا کہ خوشبو رہے(۲) اثر میں موجود ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت لاهلها اجمرو ثيابى اذا انا مت ثم كفنونى ثم حنطونى ولا تذروا على كفنى حناطا ۔(مصنف عبدالرزاق، باب المیت لا یتبع بالمجمرۃ ج ثالث ص۲۶۲ نمبر ۶۱۷۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،نمبر ۱۱۰۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے کپڑے کو لوبان کی دھونی دینی چاہئے ۔اوراس کے تخت کو بھی دھونی دینی چاہئے ۔البتہ دھونی لیکر میت کے پیچھے نہیں جانا چاہئے ۔کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہےاورلوگ اس کو بت پرستی کے مشابہ سمجھیں گے۔(۳) اس حدیث میں طاق مرتبہ دھونی دینے کا حکم ہےاسلئے طاق مرتبہ دھونی دینا سنت ہے ۔ عن جابر قال : قال رسول الله ﷺ اذا أجمرتم الميت فأوتروا ۔(سنن بیہقی، باب الحنوط للمیت، ج ثالث، ص ۵۶۸، نمبر ۶۷۰۲) اس حدیث میں ہے کہ طاق مرتبہ دھونی دے۔(۴) اوپر کی حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ، یا پانچ مرتبہ غسل دے،جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طاق مرتبہ اللہ تعالی کو پسند ہے اسلئے تخت کو طاق مرتبہ دھونی دینا مستحب ہے۔(۵) طاق مرتبہ اللہ کو پسندیدہ ہونے کی ایک حدیث نیچے بھی آرہی ہے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ دھونی دینے میں میت کی تعظیم ہے۔

تشريح : تخت کو دھونی دینے کی دلیل عقلی ہے، کہ اس میں خوشبو تو ہے ہی،لیکن میت کی تعظیم بھی ہے،اس لئے دھونی دینی چاہئے

ترجمه: ۲ اور طاق مرتبہ دھونی دینے کی وجہ حضورؐ کا قول ہے، کہ اللہ طاق ہےاور طاق کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

تشريح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابى هريرة رواية قال : لله تسعة و تسعون اسما مائة الا واحدا ، من حفظها دخل الجنة و هو وتر يحب الوتر ۔(بخاری شریف، باب للہ مائۃ اسم غیر واحد، ص ۱۱۱۳، نمبر ۶۴۱۰ رمسلم شریف، باب فی أسماء اللہ تعالی وفضل من أحصاھا، ص ۱۱۷۷، نمبر ۲۶۷۷/۶۸۰۹) اس حدیث میں ہے کہ اللہ طاق ہےاور طاق کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے طاق مرتبہ غسل دینااور دھونی دینا مستحب ہے۔

ترجمه:(۶۸۶) پانی کو جوش دیا جائے بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے۔

ل مبالغة فی التنظیف (۶۸۷) فان لم یکن فالماء القراح﴾ ل لحصول اصل المقصود (۶۸۸) یغسل راسه ولحیته بالخطمی ﴾ ل لیکون انظف له.

ترجمہ: ل اس لئے کہ صفائی کرنے میں مبالغہ ہوتا ہے۔

تشریح : بیری کی پتی یا اشنان گھاس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اسکو پانی میں ملا کر جوش دیا جائے اور غسل دیا جائے۔

وجہ: (۱) بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے ان دونوں میں سے ایک کو ڈال کر پانی کو جوش دیا جائے اور اس پانی سے میت کو غسل دیا جائے۔(۲). عن ام عطیة قالت دخل علینا رسول الله ﷺ حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شیئا من کافور (بخاری شریف، باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۳ مسلم شریف، باب غسل المیت، ص ۳۷۸، نمبر ۹۳۹/۲۱۶۸) اس حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی میں جوش دئے ہوئے پانی سے میت کو غسل دے۔اور اشنان گھاس کا تذکرہ اس اثر میں ہے۔عن الحسن أنه قال فی ا لمیت : اغسله بسدر فان لم یوجد سدر فخطمی فان لم یکن خطمی فبأشنان۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۴، فی المیت اذا لم یوجد له سدر یغسل بغیرہ، خطمی او اشنان، ج ثانی، ص ۴۵۱، نمبر ۱۰۹۲۰) اس حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی نہ ہو تو اشنان گھاس سے غسل دو۔یغلی: کا معنی ہے جوش دینا۔سدر: بیری کی پتی۔حرض ؛ کا معنی ہے اشنان گھاس۔

ترجمہ: (۶۸۷) اور اگر بیری کی پتی نہ ہو تو خالص پانی کافی ہے۔

ترجمہ : ل مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے۔

وجہ : (۱) اگر بیری کی پتی نہ ہو یا اشنان گھاس میسر نہ ہو تو پھر خالص پانی سے غسل دینا کافی ہو جائے گا، کیونکہ اصل مقصود تو غسل دینا ہے اور وہ تو خالص پانی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے(۲)۔اسکے لئے اثر یہ ہے۔ عن ابراهیم قال : ان لم یکن سدر فلا یضرک ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۴، فی المیت اذا لم یوجد له سدر یغسل بغیرہ، خطمی او اشنان، ج ثانی، ص ۴۵۱، نمبر ۱۰۹۱۸) اس اثر میں ہے کہ بیری کی پتی نہ ہو تو پھر خالص پانی سے غسل دینا کافی ہو جائے گا۔قراح: خالص پانی

ترجمہ: (۶۸۸) میت کا سر اور اس کی ڈاڑھی خطمی سے دھوئی جائے۔

ترجمہ: ل تا کہ نظافت اور صفائی زیادہ ہو۔

تشریح : خطمی ایک قسم کی گھاس ہے، جس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے، اس سے میت کا سر اور داڑھی دھویا جائے تا کہ صفائی زیادہ ہو۔

(۶۸۹) ثم يضجع على شقه الا يسر فيغسل بالماء والسدر حتى يرى ان الماء قدوصل الىٰ ما يلى التحت منه ثم يضجع علىٰ شقه الايمن فيغسل حتى يرى ان الماء قدوصل الى مايلى التحت منه ﴾ لـ لان السنة هو البداية بالميا من (۶۹۰) ثم يجلسه ويسنده اليه ويمسح بطنه مسحا [رفيقاتحرزا عن تلويث الكفن فان خرج منه شئ غسله ولا يعيد غسله ولاوضوء ہ ﴾

وجه: (ا)اثر میں ہے عن الاسود قال قلت لعائشة يغسل رأس الميت بخطمى فقالت لا تعنتوا ميتكم. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴، فی المیت اذالم یوجدلہ سدر یغسل بغیرہ خطمی اواشنان، ج ثانی ص ۴۵۱، نمبر۱۰۹۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سر کو خطمی سے دھونا مستحب ہے اور بہتر ہے تا کہ صفائی ہو اور خوشبو بھی ہو۔ اور اگر ان چیزوں سے نہیں دھویا تو بھی غسل ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۶۸۹) پھر بائیں پہلو پر لٹایا جائے گا اور پانی اور بیری کے پتے سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک، پھر لٹایا جائے گا دائیں پہلو پر، پس پانی سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی میت کے نیچے تک پہنچ چکا ہے۔

وجہ: (ا) میت کو پہلے بائیں پہلو پر اس لئے لٹایا جائے کہ دایاں پہلو اوپر ہو جائے گا۔ اور دائیں پہلو کو پہلے غسل دیا جائے گا۔ اور مستحب یہی ہے کہ دائیں جانب سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے۔ عن ام عطيية قالت قال رسول الله و فى غسل ابنته ابدأن بميامنها و مواضع الوضوء منها (بخاری شریف، باب یبدأ بمیامن المیت ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۵ رمسلم شریف، باب فی غسل المیت، ص ۳۷۸، نمبر ۲۱۷۵/۹۳۹ رابوداؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح جب بعد میں دائیں پہلو پر لٹایا جائے گا تو بائیں پہلو بعد میں غسل دیا جائے گا۔ اور نیچے تک پانی پہنچنے کی شرط اس لئے ہے کہ مکمل غسل ہو جائے، کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

ترجمہ: لـ اس لئے کہ سنت یہی ہے کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے۔ یہ حدیث ابھی اوپر گزر گئی۔۔ بدایۃ: معنی شروع۔ میامن: معنی دائیں

لغت: یضجع : پہلو کے بل لٹایا جائے۔ یلی: متصل ہو جائے، پہنچ جائے۔

ترجمہ: (۶۹۰) پھر میت کو بٹھائے اور اپنی طرف سہارا دے اور اس کے پیٹ کو تھوڑا سا پونچھے [تا کہ کفن نجاست سے ملوث نہ ہو]، پس اگر اس سے کوئی چیز نکلے تو اس کو دھوئے اور اس کے غسل کو اور وضو کو نہیں لوٹائے۔

تشریح: جسم پر پانی بہانے کے بعد یعنی غسل دینے اور وضو کرانے کے بعد میت کو بیٹھا دے اور اپنی طرف سہارا دے، اس سے

ہوگا یہ کہ پیٹ سے کچھ نکلنا ہوگا تو نکل جائے گا، پھر پیٹ کو ہلکا سا ملے اگر اس سے کچھ نکلے تو اس نجاست کو دھودے اور اس جگہ کو بھی دھودے، البتہ غسل اور وضو ایک مرتبہ کراچکا ہے اس لئے اسکو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ دہرالے تو اچھا ہے۔

وجہ: (۱) میت کو اپنی طرف سہارا دے کر اس لئے بٹھائے گا تا کہ اگر پیٹ سے کچھ نکلنا ہو تو نکل جائے، پھر ہلکے انداز میں پیٹ کو پونچھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ پیشاب پاخانہ کچھ نکلنا ہو تو ابھی نکل جائے بعد میں کپڑے گندے نہ کریں (۲) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن علی بن أبی طالب قال : لما غسل النبی ﷺ ذهب یلتمس منه ما یلتمس من ا لمیت فلم یجده ، فقال : بأبی ، الطیب ، طبت حیا و طبت میتا** ۔ (ابن ماجہ، باب ماجاء فی غسل النبی ﷺ ص ۲۱۰، نمبر ۱۴۶۷) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضورؐ کے پیشاب پیخانہ کے مقام پر ہاتھ پھیرا کہ شاید کوئی نجاست نہ نکلی ہو تو دیکھا کہ وہاں کوئی نجاست نہیں تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب اور پیخانے کے مقام پر ہاتھ پھیرا جائے گا۔ (۲) بہتر یہ ہے کہ کپڑے کی تھیلی بنالی جائے اور اس میں ہاتھ ڈال کر پیشاب اور پیخانے کے مقام پر پونچھا جائے۔ اس کے لئے اثر یہ ہے۔ **عن سلیمان بن موسی قال : غسل المتوفی ثلاث مرات ، فمن غسل میتا فلیلق علی وجهه ثوبا ثم لیبدأ فلیضّئه ، و لیغسل رأسه ، فاذا أراد أن یغسل مذاکیره فلا یفض الیها ، و لکن لیأخذ خرقة فلیلفها علی یده ، ثم لیدخل یده من تحت الثوب و لیمسح بطنه حتی یخرج منه الأذی .** (مصنف عبد الرزاق، باب غسل المیت، ج ثالث، ص ۲۴۷، نمبر ۶۱۰۲) اس اثر میں ہے کہ ہاتھ پر چھوٹا سا کپڑا باندھ لینا چاہئے اور اسکے بعد پیشاب اور پیخانہ کے مقام پر ڈالنا چاہئے۔ (۳) اثر میں ہے۔ **عن ابراهیم قال یعصر بطن المیت عصرا رقیقا فی الاولی والثانیة.** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۷، فی عصر بطن المیت، ج ثانی ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے پیٹ کو تھوڑا سا ملا جائے گا۔ اور غسل دینے کے بعد کوئی نجاست نکلے تو دوبارہ غسل کو لوٹایا نہ جائے۔ کیونکہ غاسل کو مشقت ہوگی اور مردہ خراب ہونے کا ڈر ہے (۴) اس کے لئے اثر ہے **قلت لحماد المیت اذا خرج منه الشیء بعد ما یفرغ منه قال یغسل ذلک المکان** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶، فی المیت یخرج منہ الشیء بعد غسلہ ج ثانی، ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غسل کے بعد کچھ نجاست نکلے تو صرف اس جگہ کو دھوئے۔ غسل کو لوٹانا ضروری نہیں۔ (۵) وضو نہ لوٹائے اسکے لئے یہ اثر ہے. **عن الحسن قال اذا خرج منه شیء أجری علیه الماء و لم یعد وضوءه** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶، فی المیت یخرج منہ الشیء بعد غسلہ ج ثانی، ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۳۱) اس اثر میں ہے کہ وضو کو دوبارہ نہ لوٹائے۔

نوٹ: غسل کے درمیان نجاست نکلے تو بہتر یہ ہے کہ غسل دوبارہ دیدے. **و کان ابن سیرین یقول : یعاد علیه الغسل .** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶، فی المیت یخرج منہ الشیء بعد غسلہ ج ثانی، ص ۴۵۲، نمبر ۱۰۹۲۷) اس اثر میں ہے کہ غسل کو دوبارہ لوٹائے۔

لِ لان الغسل عرفناه بالنص وقد حصل مرة(۶۹۱) ثم ينشفه بثوب ﴿لِ كيلا تبتل اكفانه.

(۶۹۲) ويجعله اى الميت فى اكفانه (۶۹۳) ويجعل الحنوط علىٰ رأسهٖ ولحيتهٖ والكافور على مساجده﴾

ترجمہ: لِ اس لئے کہ غسل حدیث سے پہچان لیا اور وہ ایک مرتبہ ہو گیا [تو دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے]

تشریح: غسل دوبارہ نہ دینے کی دلیل عقلی ہے۔ کہ حدیث میں یہی ہے کہ میت کو غسل دے دو اور ایک مرتبہ اس کام کو پورا کر دیا گیا اسلئے نجاست نکلنے کے بعد دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ میت کو نماز تو پڑھنی نہیں ہے کہ پوری طہارت کا ملہ رہے، بس ایک سنت ہے جسکی ایک مرتبہ ادائیگی کر دی گئی اتنی ہی کافی ہے۔

ترجمہ: (۶۹۱) پھر کپڑے سے میت کا پانی خشک کیا جائے گا۔

ترجمہ: لِ تا کہ کفن بھیگ نہ جائے۔

وجہ: (۱) کپڑے سے غسل کا پانی اس لئے خشک کیا جائے تا کہ کفن گیلا نہ ہو جائے۔ اسکے لئے اثر یہ ہے. عن عبد الله بن عمرو أن اباه أوصاه فقال : يا بنى اذا مت فاغسلنى غسلة بالماء ثم جففنى بثوب ثم اغسلنى الثانية بماء قراح ثم جففنى بثوب فاذا ألبستنى الثياب فأرونى . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی المیت کم یغسل مرۃ، ج ثانی، ص ۴۵۰، نمبر ۱۰۹۰۹) اس اثر میں ہے کہ غسل کے بعد کپڑے سے خشک کیا جائے۔ نشف کا معنی خشک کرنا، اور ابتل : کا ترجمہ ہے بھیگ جانا۔

ترجمہ: (۶۹۲) اور میت کو کفن پہنایا جائے۔

وجہ: (۱) اس حدیث میں ہے کہ کفن پہنایا جائے۔ عن عائشة ان رسول الله ﷺ كفن فى ثلثة اثواب يمانية بيض سحولية من كرسف ليس فيهن قميص ولا عمامة (بخاری شریف، باب الثیاب البیض للکفن ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۴ / ابوداؤد شریف، باب فی الکفن ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۳۱۵۱ / مسلم شریف، باب الجنائز ص ۳۰۵ نمبر ۹۴۱ / ۲۱۷۹) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا، جس سے کفن پہنانے کا ثبوت ہوتا ہے۔ باقی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ترجمہ: (۶۹۳) حنوط لگایا جائے گا میت کے سر پر، اور اس کی ڈاڑھی پر اور کافور لگایا جائے گا اس کے سجدے کی جگہ پر۔

تشریح: کئی چیزوں کو ملا کر حنوط ایک قسم کی خوشبو بناتے ہیں۔ جس کو مردوں پر ملتے ہیں۔ غسل کے بعد اس کو ڈاڑھی اور سر پر ملنا مستحب ہے، اور سجدے کی جگہ مثلا چہرہ، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں جو سجدے کے وقت زمین پر ٹکتے ہیں ان پر کافور ملا جائے تا کہ یہ جگہیں چکنی رہیں اور خوشبودار بھی رہیں۔ کافور کو بھی حنوط کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی خوشبودار چیز ہے اور میت کو ملا جاتا ہے

لے لان التطیب سنة والمساجد اولیٰ بزیادة الکرامة. (۶۹۴) ولا یسرح شعر المیت ولالحیته ولا یقصّ ظفره ولا شعره﴿ لے لقول عائشة علام تنصون میتکم

وجہ:۔کافور لگانے کا تذکرہ اس حدیث میں ہے (۱)۔ **عن ام عطیة قالت دخل علینا رسول الله ﷺ حین توفیت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او اکثر من ذلک ان رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شیئا من کافور** (بخاری شریف، باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ص ۱۶۷ نمبر ۱۲۵۳ رمسلم شریف، باب غسل المیت، ص ۳۷۸، نمبر ۹۳۹/۲۱۶۸) اس حدیث میں ہے کہ آخیر میں کافور لگاؤ (۲)۔اثر میں ہے ۔**عن ابن مسعود قال یوضع الکافور علی موضع سجود المیت** ،نمبر ۱۱۰۲۳، **عن ابراهیم فی حنوط المیت قال یبدأ بمساجده** (مصنف ابن ابی شیبة ۳۳، فی الحنوط کیف یضع بہ واین یجعل ج ثانی ص ۴۶۰، نمبر ۱۱۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کافور اور حنوط میت کے سجدے کی جگہ پر ملا جائے گا۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ خوشبو لگانا سنت ہے اور سجدے کی جگہ عزت کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: جب سجدہ میں آدمی جاتا ہے تو پیشانی، چہرہ، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں یہ اعضاء زمین پر ٹکتے ہیں ۔اس لئے انکو مساجد یعنی سجدے کی جگہ کہتے ہیں۔ان اعضاء پر کافور لگانا اور حنوط لگانا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ اس میں ان اعضاء کی تعظیم ہے۔اوراوپر بھی اثر میں تھا کہ مساجد یعنی سجدے کی جگہ پر حنوط لگاؤ۔

ترجمہ: (۶۹۴) میت کے بالوں میں کنگھی نہ کی جائے، اور نہ اسکے ناخن کاٹے جائیں، اور نہ اسکے بال کاٹے جائیں۔

ترجمہ: لے حضرت عائشہؓ کے قول کی وجہ سے کہ اپنے میت کی پیشانی کو خوبصورت کیوں بناتے ہو؟

تشریح: بالوں میں کنگھی کرنا اور ڈاڑھی میں کنگھی کرنا زینت کے لئے ہے اور میت کو زینت کی ضرورت نہیں ہے اب تو وہ پھولنے اور پھٹنے کے لئے تیار ہے اسلئے اب اس کو زینت کی ضرورت نہیں ہے اسلئے نہ بالوں میں کنگھی کی جائے اور نہ ڈاڑھی میں کنگھی کی جائے اور نہ بال ناخن کاٹے جائیں۔اس لئے جس طرح میت کا ختنہ نہیں کیا جائے گا اسی طرح بال ناخن بھی نہیں کاٹے جائیں گے۔

لغت: سرح: بالوں میں کنگھی کرنا۔قص: بال کاٹنا۔ظفر: ناخن۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا اثر یہ ہے۔ **عن ابراهیم أن عائشة رأت أمراة یکدون رأسها بمشط ، فقالت علام تنصون میتکم** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب شعر المیت وأظفارہ، ج ثالث ص ۲۷۵، نمبر ۶۲۵۸) اس اثر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کنگھی کر کے میت کی پیشانی کو خوبصورت کیوں بناتے ہو! .تنصون : ناصیة سے مشتق ہے، پیشانی کو خوبصورت

۲ ولان هٰذه الاشياء للزينة وقد استغنى الميت عنها وفى الحى كان تنظيفا لاجتماع الوسخ تحته وصار كالختان.

بنانا۔اور بال اور ناخن کاٹے نہ جائیں اسکے لئے یہ اثر ہے۔(۲)عن ابن سيرين قال : لا يؤخذ من شعر ا لميت و لا من اظفاره . ۔(مصنف عبد الرزاق، باب شعر المیت وأظفارہ، ج ثالث، ص ۲۷۵، نمبر ۶۲۳۴) اس اثر میں ہے کہ میت کے بال اورناخن نہ کاٹے جائیں۔(۳)لیکن تھوڑی بہت زینت کردی جائے اورعورت کے بالوں کا تین جوڑا بنادیا جائے یہ جائز ہے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔حدثنا أم عطيةؓ أنهن جعلن رأس بنت رسول الله ﷺ ثلاثة قرون نقضنه ثم غسلنه ثم جعلنه ثلاثة قرون ۔(بخاری شریف، باب نقض شعر المرأۃ، ص ۲۰۲، نمبر ۱۲۶۰ مسلم شریف، باب فی غسل المیت، ص ۳۷۸، نمبر ۹۳۹/۲۱۷۴)اس حدیث میں ہے کہ بالوں کا تین حصہ کیا اور پیچھے کی طرف ڈال دیا۔(۴) تھوڑا بہت کنگھی کرنا بھی جائز ہے، اس کے لئے یہ حدیث ہے. و كان فيه أن أم عطية قالت و مشطنا ها ثلاثة قرون ۔(بخاری شریف، باب ما یستحب أن یغسل وترا، ص ۲۰۱، نمبر ۱۲۵۴/ابوداود شریف، باب کیف غسل المیت، ص ۴۶۰، نمبر ۳۱۴۳)اس حدیث میں ہے کہ کنگھی کر کے تین جوڑے بنائے۔

ترجمہ: ۲ اوراس لئے کہ یہ چیزیں زینت کے لئے ہیں اور میت کواس کی ضرورت نہیں ہے۔اور زندگی میں صفائی کے لئے تھی اس لئے اسکے نیچے میل جمع ہو جاتا تھا۔تو یہ ختنے کی طرح ہو گیا۔

تشریح : بال ڈاڑھی نہ کاٹنے کی اور کنگھی نہ کرنے کی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ یہ باتیں زینت کے لئے ہیں اور میت تواب پھولنے پھٹنے کے لئے تیار ہے اسلئے اس کوان بناو سنگار کی ضرورت نہیں ہے۔اور بال ناخن اس لئے کاٹتے تھے کہ ناخن کے نیچے میل جمع ہو جایا کرتا تھا اوراب اسکی ضرورت نہیں ہے اس لئے یہ نہ کئے جائیں۔جس طرح اگر میت کا ختنہ کیا ہوا نہ ہو تو اب ختنہ نہیں کیا جائے گا اسی طرح اب بناو سنگار بھی نہیں کیا جائے گا۔۔تنظیف : صفائی کرنا۔وسخ : میل کچیل۔

﴿فصل فی التکفین﴾

(۶۹۵) السنة ان يكفن الرجل فی ثلثة اثواب ازاروقميص ولفافة ﴾ ل لماروی انه صلی الله عليه وسلم كفن فی ثلثة اثواب بيض سحولية ٢ ولانه اكثر ما يلبسه عادة فی حياته فكذا بعد مماته

﴿کفن کا بیان﴾

ترجمه: (۶۹۵) سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا(۱) ازار(۲) قمیص (۳) اور چادر۔

ترجمه: ل اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضور کو سحولیہ کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے ۔

تشریح : مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔یمن میں ایک گاؤں کا نام ہے سحولیہ وہاں کے سفید کپڑے تھے جن میں حضورؐ کو کفن دیا گیا تھا ۔

وجه: (۱) مرد عموما زندگی میں تین کپڑے پہنتا ہے اس لئے تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے(۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشة ان رسول الله ﷺ كفن فی ثلثة اثواب يمانية بيض سحولية من كرسف ليس فيهن قميص ولا عمامة ۔(بخاری شریف، باب الثیاب البیض للکفن ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۴/ابوداؤد شریف، باب فی الکفن ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۳۱۵۱/مسلم شریف ، باب الجنائز ص ۳۰۵ نمبر ۲۱۷۹/۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔(۲) قمیص کے لئے یہ حدیث ہے۔ ان عبد الله بن ابی لما توفی جاء ابنه الی النبی ﷺ فقال اعطنی قميصك اكفنه فيه ۔(بخاری شریف، باب الکفن فی قمیص الذی یکف ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ایسا کپڑا بھی کفن میں دیا جائے گا جس کو قمیص کہتے ہیں۔لیکن اس میں آستین نہیں ہوگی اور نہ دامن اور کلی ہوگی۔ بلکہ درمیان میں پھاڑ کر سر گھسانے کا بنا دیا جائے گا۔اور اس کو سیا بھی نہیں جائے گا۔اس طرح تین کپڑے پورے کر دیئے جائیں گے(۳) عن ابن عباسؓ قال : كفن رسول الله ﷺ فی ثلاثة اثواب نجرانية : الحلة ثوبان و قميصه الذی مات فيه ۔(ابوداود شریف، باب فی الکفن ،ص ۴۶۱ ،نمبر ۳۱۵۳) اس حدیث میں ہے کہ آپ کو وہ قمیص دی گئی جس میں آپ کا انتقال ہو ا.(۴) عن عبد الله بن عمر و قال : يكفن الميت فی ثلاثة اثواب قميص و ازار و لفافة . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب ۳۸،ما قالوا فی کم یکفن المیت، ج ثانی ،ص ۴۶۳ ،نمبر ۱۱۰۵۸) اس اثر میں ہے کہ تین کپڑے: قمیص اور لنگی اور چادر ہونی چاہئے۔

ترجمه : ٢ اس لئے کہ اپنی زندگی میں عادۃ اتنا ہی کپڑا پہنا کرتے تھے تو ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اتنے ہی کپڑوں میں کفن دے۔

تشریح : اپنی زندگی میں آدمی قمیص، لنگی اور چادر پہنا کرتا ہے اسلئے مرنے کے بعد بھی اتنے ہی کپڑوں میں کفن دینا بہتر ہے۔

(۲۹۶) فـان اقتـصروا علیٰ ثوبین جازو الثوبان ازارولفافة ﴾ ۱؎ وهـذا کفن الکفایة لقول ابی بکر اغسلوا ثوبی هٰذین و کفنونی فیهما ۲؎ ولانه ادنی لباس الاحیاء

ترجمه: (۲۹۶) پس اگر دو کپڑوں پر اکتفاء کیا تب بھی جائز ہے۔اور وہ لنگی اور چادر ہیں۔

تین کپڑے سنت ہیں،لیکن اگر دو کپڑوں میں مرد کو کفن دے دیا تب بھی جائز ہے۔اور وہ دو کپڑے لنگی اور چادر ہونی چاہئے۔

وجه: (۱) کپڑے میسر نہ ہوں تو دو کپڑوں میں کفن دے۔اور اگر وہ بھی میسر نہ ہو تو جتنا کپڑا ہوا تنے میں ہی کفن دیدے۔دو کپڑوں میں کفن دینے کی حدیث یہ ہے . عـن ابن عباس قال بینما رجل واقف بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قـال فـاو قـصتـه قـال الـنبـی ﷺ اغسلوه بماء و سدر و کفنوه فی ثوبین ولا تحنطوه ولا تخمروا رأسه فانه یبـعث یوم القیامة ملبیا (بخاری شریف،باب الکفن فی ثوبین ص۱۶۹نمبر ۱۲۶۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم آدمی کو صرف دو کپڑے دیئے گئے۔اس لئے کفن میں دو کپڑے بھی کافی ہیں۔

ترجمه: ۱؎ کافی کفن یہی ہے حضرت ابو بکرؓ کے قول کی وجہ سے میرے ان دونوں کپڑوں کو دھوؤ اور ان دونوں میں مجھے کفن دو۔

تشریح: (۱)صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ عـن عـائشة قـالـت : قال ابو بکر لثوبیه اللذین کان یمرض فیهما : اغسلوهما ، و کفنونی فیهما فقالت عائشة : ألا نشتری لک جدیدا ؟ قال لا ؛ ان الحی أحوج الی الجدید من المیت ۔(مصنف عبد الرزاق،باب الکفن،ج ثالث،ص۲۶۶،نمبر ۶۲۰۴رمصنف ابن ابی شیبة،باب ۳۸،ما قالوا فی کم یکفن المیت،ج ثانی،ص۴۶۴،نمبر ۱۱۰۷۸)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے لئے دو ہی کپڑا پسند فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ دو کپڑے بھی کافی ہیں۔(۲) مجبوری ہو تو ایک چادر بھی کافی ہے،حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو مجبوری کے وقت ایک چھوٹی چادر میں کفن دیا گیا۔حدیث یہ ہے .عـن خباب بن الأرت قال هاجرنا مع رسول الله ﷺ فی سبیل الله نبتغی وجه الله .....مـنهـم مـصعب بن عمیر قتل یوم احد فلم یوجد له شیء کفن فیه الا نمرة فکنا اذا وضعناها علی رأسه خـرجت رجلاه و اذاوضعناها علی رجلیه خرج رأسه فقال رسول الله ﷺ ضعوها مما یلی رأسه و اجعلوا عـلـی رجلیه من الاذخر ۔(مسلم شریف،باب فی کفن المیت،ص۳۷۹،نمبر ۹۴۰ر ۲۱۷۷رابوداود شریف،باب کراھیة المغالاة فی الکفن،ص۴۶۱،نمبر ۳۱۵۵)اس حدیث میں ہے کہ مجبوری کے موقع پر حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو صرف ایک چادر میں کفن دیا گیا۔

ترجمه: ۲؎ اور اس لئے بھی کہ دو کپڑے زندہ لوگوں کا ادنی کپڑے ہیں۔

تشریح: زندگی میں بھی عام طور پر لوگ دو کپڑوں پر گزر کر لیتے ہیں،اس لئے کفن میں بھی دو کپڑے چل جائیں گے۔

۳؎ والازار من القرن الیٰ القدم واللفافة کذلک والقمیص من اصل العنق (۶۹۷) واذا ارادوا لف الکفن ابتدأوا بجانبه الایسر فلفوه علیه ثم بالایمن ۱؎ کما فی حال الحیوة

ترجمه: ۳؎ ازار: سر سے قدم تک ہوتا ہے، اور چادر بھی ایسے ہی ہوتی ہے، اور قمیص گردن سے قدم تک ہوتا ہے۔

تشریح: ازار : لنگی (یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے) قمیص : یہ کپڑا آدمی کے قد سے دوگنا ہوتا ہے اور درمیان میں پھاڑ کر اس میں سر گھسا دیتے ہیں اور گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے۔ اللفافة : یہ کپڑا لمبی چادر کی طرح ہوتا ہے اور تمام کفن سے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔

لغت: قمیص: کرتا۔ ازار: لنگی۔ لفافة: چادر جو پورے جسم کو ڈھانک دے۔ قرن: سینگ، یہاں مراد ہے سر، اس لئے کہ سر میں سینگ ہوتی ہے۔ اصل العنق: گردن کی جڑ۔

ترجمه: (۶۹۷) جب میت پر کفن لپیٹنے کا ارادہ کرے تو بائیں جانب سے شروع کرے، پس میت پر بائیں جانب سے لپیٹے پھر دائیں جانب سے۔

ترجمه: ۱؎ جیسے کہ زندگی میں کرتے تھے۔

تشریح: کفن دیتے وقت پہلے تخت پر چادر لفافہ پھیلائے گا۔ اس کے اوپر ازار، اور ازار کے اوپر قمیص پھیلائے گا۔ پھر میت کو قمیص پر رکھ کر سر کو قمیص کی چیر میں گھسا دے۔ اور قمیص کا اوپر کا حصہ میت پر ڈال دے، اور پھر قمیص پر ازار لپیٹے اور پھر لفافہ لپیٹے۔ پہلے بائیں طرف کو لپیٹے اور پھر دائیں طرف کو لپیٹے تا کہ دایاں کنارہ اوپر ہو جائے اور اخیر میں لپیٹا جائے۔ دائیں طرف سے کرنے کی اہمیت پہلے گزر چکی ہے۔۔ کیونکہ زندگی میں چادر اوڑھتے ہیں تو بائیں سرے کو پہلے دائیں کندھے پر ڈالتے ہیں، اور دائیں سرے کو بعد میں بائیں کندھے پر ڈالتے ہیں۔ کفن میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے

وجه : کفن میں کون سا کپڑا پہلے دے اس کے بارے یہ حدیث ہے۔ (۱) ان لیلی بنت قانف الثقفیة قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم ابنة رسول الله ﷺ عند وفاتها فکان اول ما أعطانا رسول الله ﷺ: الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ، ثم ادرجت بعد فی الثوب الآخر ، قالت و رسول الله ﷺ جالس عند الباب معه کفنها یناولنها ثوبا ثوبا . (ابوداود شریف، باب فی کفن المرأة، ص ۴۶۲، نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے پہلے الحقاء دیا یعنی ازار دیا، [حقو کا معنی ہے کمر کے ساتھ چپکا ہوا کپڑا]، پھر قمیص دی، پھر اوڑھنی دی پھر چادر دی اور آخیر میں چادر میں لپیٹا۔ آپؐ نے پہلے اپنا ازار اس لئے دیا تا کہ برکت کے طور یہ کپڑا بیٹی کے جسم کے ساتھ چپکا رہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کرتا پہلے ہو اور ازار اسکے بعد ہو۔ اسکے لئے یہ اثر ہے۔ عن قتاده تکون خرقة الحقو فوق درعها ۔ (مصنف عبد الرزاق

۲ وبسطه ان تبسط اللفافة اولا ثم يبسط عليها الازار ثم يقمص الميت ويوضع على الازار ثم يعطف الازار من قبل اليسار ثم من قبل الميمن ثم اللفافة كذلك

، باب کفن المرأة، ج ثالث، ص ۴۲۷، نمبر ۶۲۴۵) اس اثر میں ہے کہ حقو یعنی ازار کرتے کے اوپر ہو۔

﴿کفن بچھانے اور لپیٹنے کا طریقہ﴾

ترجمہ : ۲ کفن بچھانے کا طریقہ یہ ہے کہ زمین پر پہلے چادر بچھائے، پھر اس پر لنگی بچھائے، پھر میت کو کرتے میں لپٹے اور لنگی پر رکھ دے، پھر پہلے بائیں جانب سے لنگی کو لپٹے پھر دائیں جانب سے لنگی کو لپٹے، پھر چادر کو بھی ایسے ہی [پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں جانب سے لپیٹے۔

تشریح : اس عبارت میں کفن بچھانے کا اور کفن لپیٹنے کا طریقہ بتا رہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ زمین پر پہلے چادر بچھائے، پھر اسکے اوپر لنگی بچھائے، پھر لنگی کے اوپر کرتا بچھائے۔اور کرتا میں جو سر کی جانب پھٹا ہوا ہے اس سے میت کے سر کو گھسائے، تا کہ نیچے اور اوپر سے کرتا آجائے، پھر کرتے کے اوپر لنگی کے بائیں سرے کو پہلے لپیٹے اور دائیں سرے کو بعد میں لپیٹے، تا کہ بایاں سرا نیچے ہو جا ئے اور دایاں سرا اوپر ہو جائے، پھر لنگی کے اوپر چادر کے بائیں سرے کو پہلے لپیٹے اور دائیں سرے کو بعد میں لپیٹے، تا کہ بایاں سرا نیچے ہو جائے اور دایاں سرا اوپر ہو جائے۔۔حاصل یہ ہوا کہ میت کے جسم کے ساتھ پہلے کرتا چپکے گا، اسکے اوپر لنگی ہوگی، اور اسکے اوپر چادر ہوگی۔۔اور حضورؐ نے اپنی بیٹی کے لئے لنگی پہلے دی ہے وہ اس لئے کہ حضورؐ کی لنگی بیٹی کے جسم کے ساتھ چپک جائے اور اس سے برکت ہو جائے، ورنہ لنگی کو کرتے کے بعد ہونا چاہئے۔عطف معنی لپیٹنا۔بسط معنی پھیلانا۔یسار معنی بائیں، یمین کا معنی دائیں۔

﴿مرد کو کفن پہنانے کا طریقہ﴾

نوٹ:۔سب کپڑوں کو پہلے بائیں سے لپیٹیں پھر دائیں سے لپیٹیں تا کہ دایاں حصہ اوپر ہو جائے

(۱)	پہلے کرتا پہنائیں	یہ کپڑا گردن سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے
(۲)	پھر۔میت پر لنگی یعنی ازار لپیٹیں	یہ کپڑا سر کے پاس سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے
(۳)	پھر۔اسکے اوپر لفافہ یعنی لمبی چادر لپیٹیں	یہ سر سے اور پاؤں سے بھی لمبا ہوتا ہے اور سب کپڑوں سے اوپر ڈھانپ لیتا ہے

(۶۹۸) وان خافوا ان ینتشر الکفن عنه عقدوه بخرقة صیانة عن الکشف ﴾ (۶۹۹) وتکفن المرأة فی خمسة اثواب درع ،وازار ،وخمار ،ولفافة، وخرقة تربط فوق ثدیها ﴾

﴿عورت کوکفن پہنانے کا طریقہ﴾

(۱)	پہلے کرتا پہنائیں	یہ کپڑا گردن سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے
(۰)	پھر بال کے دو حصے کریں۔اور کرتے کے اوپر دائیں بائیں سینے پر ڈال دیں	
(۲)	پھر۔کرتی اور بالوں پر اوڑھنی لپیٹیں	اس سے سر،اور بال اور پستان کو ڈھانکے
(۳)	پھر۔میت پر لنگی یعنی ازار لپیٹیں	یہ کپڑا سر کے پاس سے لیکر پاؤں تک ہوتا ہے
(۴)	پھر۔ازار کے اوپر پستان بند لپیٹیں	اس سے پستان،اور پیٹ اور ران کو ڈھانکے
(۵)	پھر۔اسکے اوپر لفافہ یعنی لمبی چادر لپیٹیں	یہ سر سے اور پاؤں سے بھی لمبا ہوتا ہے اور سب کپڑوں کو اوپر سے ڈھانپ لیتا ہے

ترجمه: (۶۹۸)اور اگر کفن کے کھلنے کا خوف ہو تو کپڑے کے ٹکڑے سے اس کو باندھ دے کھلنے سے بچنے کے لئے۔

تشریح : کفن کے کھلنے کا خوف ہو تو سر کے اوپر اور کمر کے پاس،اور پاؤں کے پاس کپڑے کے ٹکڑوں سے کفن باندھ دے تا کہ کفن کھلے نہیں،اور جب قبر میں لٹا دے تو باندھے ہوئے کو کھول دے،کیونکہ اب باندھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

وجه :(۱) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔حدثنا مولاہ معقل بن یسار لما وضع رسول الله ﷺ نعیم بن مسعود فی القبر نزع الأخلة بفیه ۔(نمبر ۶۷۱۴)مات ابن لسمرة و ذکر الحدیث قال : فقال : انطلق به الی حفرته فاذا وضعته فی لحده فقل بسم الله و علی سنة رسول الله ﷺ ثم أطلق عقد رأسه و عقد رجلیه ۔(سنن بیہقی، باب عقد الاکفان عند خوف الانتشار وحلھا اذا أدخلوہ القبر ، ج ثالث،ص ۵۷۱،نمبر ۶۷۱۵)اس حدیث میں ہے کہ منہ سے گرہ کھولا،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کفن کھلنے کا خوف ہو تو گرہ باندھنا بھی مستحب ہے۔اور قبر میں لٹانے کے بعد اس کو کھول دے۔۔
عقد کا معنی باندھنا،اور کشف: کا معنی کھل جانا۔

ترجمه: (۶۹۹)عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا(۱) قمیص(۲)ازار(۳)اوڑھنی(۴) چادر(۵) کپڑے کا ٹکڑا جس سے اس کے پستان پر باندھا جائے۔

تشریح : زندگی میں عورت عام طور پر پانچ کپڑے پہنا کرتی ہے اسلئے موت کے بعد بھی اسکو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔

ل لحديث ام عطية ان النبى صلى الله عليه وآله وسلم اعطى اللواتى غسلن ابنته خمسة اثواب
۲ ولانها تخرج فيها حالة الحيواة فكذا بعد الممات

تین کپڑے تو وہی ہیں جو مرد کے کفن کی تفصیل میں گزری، عورت میں اوڑھنی اور پستان بند زیادہ دیا جائے گا۔ اوڑھنی کرتے سے اوپر باندھی جائے گی اور اتنی لمبی ہو کہ اس سے سر، اور پستان ڈھک جائے ۔ پستان بند ازار کے اوپر لپیٹتے ہیں اور اتنا بڑا ہو کہ اس سے پستان، اور پیٹ اور ران ڈھک جائے۔

وجہ: (۱) عورت زندگی میں انہیں کپڑوں کو استعمال کرتی ہے کہ ازار قمیص اور چادر کے ساتھ اوڑھنی اور پستان بند استعمال کرتی ہے۔ اس لئے کفن میں بھی اتنے ہی کپڑے دیئے جائیں (۲) صاحب ھدایہ نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن رجل من بنى عروة بن مسعود ... فكان اول ما اعطانا رسول الله ﷺ الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد فى الثوب الآخر قالت ورسول الله جالس عند الباب معه كفنها يناولناها ثوبا ثوبا .** (ابوداؤد شریف، باب فی کفن المرأة ج ثانی ص ۹۴ نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے پانچ کپڑے ہیں (۳) اثر میں ہے ۔ **عن عمر قال تكفن المرأة فى خمسة اثواب فى المنطق و فى الدرع و فى الخمار وفى اللفافة والخرقة التى تشد عليها** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۹، ما قالوا فی کم تکفن المرأة، ج ثانی، ص ۴۶۵، نمبر ۱۱۰۸۸) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے کفن کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔ (۴) پستان بند سے پستان، پیٹ اور ران تینوں کو ڈھانپا جائے گا۔ اور قمیص کے اوپر لپیٹا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے **عن ابن سيرين قال توضع الخرقة على بطنها و تعصب بها فخذيها.** (مصنف بن ابی شیبۃ ۴۰، فی الخرقۃ این توضع فی المرأة ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۱۱۰۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پستان بند پیٹ اور دونوں رانوں پر باندھا جائے گا۔

لغت: درع: کرتا قمیص۔ ازار: لنگی۔ خمار: اوڑھنی، یہ خمر سے ہے، ڈھانکنا۔ لفافہ: لف سے مشتق ہے، پورے طور پر لپیٹنا، مراد ہے چادر۔ خرقۃ: چھوٹا سا کپڑا، چیتھڑا۔ تربط: ربط سے مشتق ہے، باندھنا۔ ثدی: پستان۔

ترجمہ: ۱ حضرت ام عطیہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ نبی ﷺ نے ان عورتوں کو پانچ کپڑے دئے جنہوں نے آپ کی بیٹی کو غسل دیا۔

تشریح: اوپر کی حدیث جس میں پانچ کپڑوں کا تذکرہ ہے وہ ام عطیہؓ کی نہیں ہے بلکہ لیلی بنت قانف ثقفیہؓ کی ہے جو (ابوداود شریف، نمبر ۳۱۵۷) میں ہے۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ عورت زندگی کی حالت میں اتنے ہی کپڑے میں نکلا کرتی تھی تو مرنے کے بعد بھی اتنے ہی کپڑے میں کفن دی جائے گی۔

۳؎ ثم ھٰذا بیان کفن السنة وان اقتصروا علی ثلثة اثواب جازوھی ثوبان وخمار وھو کفن الکفایة (۷۰۰) ویکرہ اقل من ذٰلک وفی الرجل یکرہ الاقتصار علیٰ ثوب واحد الافی حالة الضرورة ﴾ ١؎ لان مصعب بن عمیر حین استشھد کفن فی ثوب واحد وھٰذا کفن الضرورة

تشریح :عورت زندگی میں عموماً وہ پانچ کپڑے پہنتی ہے جنکا تذکرہ اوپر گزرا اسلئے مرنے کے بعد بھی انہیں پانچ کپڑوں میں کفن دینا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۳؎ پھر یہ سنت کفن کا بیان ہے اور اگر تین کپڑوں پر اکتفاء کیا تو بھی جائز ہے۔اور وہ دو کپڑے [ازار اور چادر ہیں] اور اوڑھنی ہے،اور یہ کفایہ کفن ہے۔

تشریح : عورت کو پانچ کپڑے میں کفن دینا سنت ہے،لیکن اگر تین کپڑوں میں ہی کفن دے دیا تو بھی کافی ہے۔اس کو کفایہ کفن کہتے ہیں،یعنی یہ کفن کافی ہے اور تین سے کم عورت کو کفن دینا مکروہ ہے۔البتہ مجبوری کے درجے میں یہ بھی جائز ہے۔اور وہ تین کپڑے [۱] ازار [۲] اور اوڑھنی [۳] اور چادر ہیں،ان میں سے کرتا اور پستان بند کم ہو گئے۔

وجہ : تین کپڑے پر اکتفا کرنے کی دلیل یہ اثر ہے ۔عن محمد انه کان یقول کفن المرأة التی حاضت فی خمسة اثواب او ثلاثة (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۹، ما قالوا فی کم تکفن المرأۃ، ج ثانی، ص ۴۶۵، نمبر ۱۱۰۸۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے

ترجمہ: (۷۰۰)اور اتنے کپڑوں سے کم مکروہ ہے۔اور مرد میں ایک کپڑے پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے مگر ضرورت کی حالت میں۔

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ مصعب ابن عمیرؓ جب جنگ احد میں شہید ہوئے تو ایک ہی کپڑے میں کفن دئے گئے۔اور یہ مجبوری کا کفن تھا۔

تشریح : عورت میں تین کپڑوں سے کم کفن دینا مکروہ ہے،اور مرد میں دو کپڑوں سے کم میں کفن دینا مکروہ ہے۔البتہ مجبوری ہو جائے تو ایک کپڑا بھی دے دینا جائز ہے۔اسلئے کہ مجبوری ہے تو اب کیا کر سکتے ہیں۔

وجہ : (۱) حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو مجبوری کے وقت ایک چھوٹی چادر میں کفن دیا گیا۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے .عن خباب بن الأرت قال هاجرنا مع رسول الله ﷺ فی سبیل الله نبتغی وجه الله .....منهم مصعب بن عمیر قتل یوم احد فلم یوجد له شیء کفن فیه الا نمرة فکنا اذا وضعناها علی رأسه خرجت رجلاه و اذا وضعناها علی رجلیه خرج رأسه فقال رسول الله ﷺ ضعوها مما یلی رأسه و اجعلوا علی رجلیه من الاذخر ۔(مسلم شریف، باب فی کفن المیت، ص ۳۷۹، نمبر ۲۱۷۷/۹۴۰ ابو داود شریف، باب کراھیۃ المغالاۃ فی الکفن، ص ۴۶۱، نمبر ۳۱۵۵)

(۷۰۱) وتلبس المرأة الدرع اولا ثم يجعل شعرها ضفيرتين على صدرها فوق الدرع ثم الخمار فوق ذلک ثم الازار تحت اللفافة﴾(۷۰۲) قال وتجمر الاكفان قبل ان يُدرج فيها الميت وترا ﴾

اس حدیث میں ہے کہ مجبوری کے موقع پر حضرت مصعب ابن عمیرؓ کوصرف ایک چادر میں کفن دیا گیا۔

ترجمه: (۷۰۱)عورت کو پہلے کرتی پہنائی جائے پھر اسکے بالوں کو دومینڈھیاں کر کے کرتی کے اوپر اور سینہ پر رکھ دئے جائیں، پھر اسکے اوپر اوڑھنی، پھر چادر کے نیچے ازار پہنایا جائے۔

تشریح: عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ پہلے بیان کیا ہوں۔ مصنف یہاں سے عورت کو کفن پہنانے کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں۔ کہ عورت کو پہلے کرتی پہنائے پھر اسکے بالوں کی دو مینڈھیاں بنائے یعنی جوڑے بنائے اور ایک کو کرتی کے اوپر دائیں سینے پر رکھ دے اور دوسرے جوڑے کو کرتی کے اوپر بائیں سینے پر رکھ دے۔ پھر اسکے اوپر اوڑھنی لپٹے تا کہ بال اور کرتی کے اوپر اوڑھنی ہو جائے جس طرح زندگی ہیں بال اور کرتی کے اوپر اوڑھنی اوڑھتی ہے۔ پھر ازار لپٹے جو سر سے پاؤں تک ہوگا۔ اسکے اوپر پستان بند گلے سے لیکر ران تک لپیٹے۔ اور ان سب کے اوپر لفافہ یعنی چادر لپیٹے تا کہ سب ڈھک جائے۔ اور سب کپڑوں کو بائیں سرا پہلے لپیٹے اور دائیں سرا بعد میں لپیٹے تا کہ دائیں سرا اوپر آجائے۔ کیونکہ زندگی میں چادر اوڑھتے ہیں تو بائیں سرے کو پہلے دائیں کندھے پر ڈالتے ہیں، اور دائیں سرے کو بعد میں بائیں کندھے پر ڈالتے ہیں۔ کفن میں اسی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ضفیرۃ: جوڑا، مینڈھیاں۔

وجه: (۱) زندگی میں جب اوڑھنی سر پر ڈالا کرتی تھی تو قمیص کے اوپر لٹکتی تھی۔ اور چادر کے اندر ہوا کرتی تھی۔ موت کے بعد بھی اسی کیفیت سے کفن دیا جائے گا۔ اس کے لئے یہ اثر ہے۔ سألت ام الحميد ابنة سيرين هل رأيت حفصة اذا غسلت كيف تصنع بخمار المرأة؟ قالت نعم كانت تخمر ها كما تخمر الحية ثم يفضل من الخمار قدر ذراع فتفرشه فى مؤخرها ثم تعطف تلك الفضلة فتغطى بها وجهها . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳، فی المرأۃ کیف تخمر ج ثانی، ص ۴۶۶، نمبر ۱۱۱۰۷) اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی طرح اوڑھنی سر پر ڈالی جائے گی۔ (۲) عن ام عطیۃ قالت: وضفرنا رأسها ثلاثة قرون ثم ألقيناها خلفها مقدم رأسها وقرنيها۔ (ابو داؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۴ / بخاری شریف، باب یلقی شعر المرأۃ خلفها، ص ۱۶۸، نمبر ۱۲۶۳) اس حدیث میں ہے کہ بال کے تین حصے کئے اور ایک حصہ پیچھے ڈالا، اور دو حصے دونوں طرف ڈال دئے۔

اصول: میت کو بہت زیادہ زینت نہیں کرائی جائے گی۔

ترجمه: (۷۰۲) کفن میں لپیٹنے سے پہلے طاق مرتبہ دھونی دی جائے گی۔

ترجمه: ‍ ۱ اس لئے کہ حضورؐ نے اپنی بیٹی کے کفن کو طاق مرتبہ دھونی دینے کا حکم دیا، اور اجمار کا مطلب ہے خوشبودار کرنا

۱ لانـه صـلـی اللہ علیه وسلم امر باجمار اکفان ابنته وترا ۲ والاجمار هو التطییب ۳ فاذا فرغوا منه صلوا علیه لانها فریضة.

تشــریح: جن کپڑوں میں کفن دینا ہے میت کو اس میں لپیٹنے سے پہلے اس کو لوبان سے تین مرتبہ دھونی دے تا کہ کپڑا خوشبودار رہے۔اور جلدی کیڑے نہ لگے۔۔چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ دھونی دو تو طاق مرتبہ دو۔

ترجمه: ۲ الاجمار هو التطییب : اجمار: جمر سے مشتق ہے جسکا معنی ہے چنگاری،اور دھونی دینے میں چنگاری اڑتی ہے اسلئے اس کو جمر کہتے ہیں۔لیکن مصنف الاجمـار هـو التطیـب : کہہ کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دھونی کے علاوہ کسی طرح بھی کفن کے کپڑے کو خوشبودار کر دیا جائے تو اس سے دھونی کی سنت ادا ہو جائے گی مثلا عطر کفن پر لگا دیا تب بھی دھونی کی سنت ادا ہو جائے گی

وجه: (۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ اذا اجمـر تـم الـمیـت فـاوتـروا وروی اجمروا کفن المیت ثلاثا . (سنن للبیھقی،باب الحنوط للمیت ج ثالث ص ۵۶۸،نمبر ۶۷۰۲ ر مصنف ابن ابی شیبۃ،باب ۴۶،من کان یقول تجمر ثیابہ وترا،ج ثانی،ص ۴۶۷،نمبر ۱۱۱۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ کفن کو دھونی دینا چاہئے۔البتہ آگ کی چیز لیکر جنازے کے ساتھ چلنا اچھا نہیں ہے،کیونکہ آگ عذاب کی قسموں میں سے ہے(۲) عـن ابـی هـریـرة عن النبی ﷺ قال تتبعن الجنازة بصوت و لا بنار . (ابوداود شریف،باب فی اتباع المیت بالنار،ص ۴۶۳،نمبر ۳۱۷۱ رسنن بیہقی،باب لا یتبع المیت بنار،ج ثالث،ص ۵۵۴،نمبر ۶۶۵۳)اس اثر میں ہے کہ آگ کی چیز لیکر جنازے کے پیچھے چلنا اچھا نہیں ہے۔

ترجمه: ۳ پس جب کفن سے فارغ ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھے،اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

﴿فصل فی الصلوۃ علی ا لمیت﴾

(۷۰۳) واولى الناس بالصلوٰة على الميت السلطان ان حضر﴾ ١ لان فی التقدم عليه ازدراء به

(۷۰۴) فان لم يحضر فالقاضى﴾ ١ لانه صاحب ولاية

﴿فصل فی الصلوۃ علی المیت﴾

ترجمه: (۷۰۳) میت پرنماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار بادشاہ ہے،اگر وہ حاضر ہو۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ دوسرے کو آگے کرنے میں اسکی توہین ہے

تشریح : بادشاہ موجود ہو پھر بھی دوسرا آدمی نماز پڑھائے تو اس میں بادشاہ کی توہین ہے۔اس لئے بادشاہ کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق ہے۔وہ نہ ہو تو قاضی،اور وہ بھی نہ ہو تو گاؤں کا امام، کیونکہ کہ زندگی میں اس کو اپنی نماز کا امام مانا ہے تو موت کے بعد بھی اپنی نماز کے لئے اسی پر راضی ہوگا۔اور وہ بھی نہ ہو تو اس کا ولی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔اور ولی میں بھی وراثت میں ولی عصبہ کی ترتیب ہوگی۔البتہ ولی اگر کسی اور کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو دے سکتا ہے۔۔ازدراء: کا معنی ہے توہین۔

وجه : (۱)عن عمران بن حصين قال قال لنا رسول الله ﷺ ان اخاكم النجاشى قد مات فقوموا فصلوا عليه فقمنا فصففنا كما يصف على الميت و صلينا عليه كما يصلى على الميت ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی صلوۃ النبی ﷺ علی النجاشی ص ۲۰۱ نمبر ۱۰۳۹ ر بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۱۷۷ نمبر ۱۳۲۷)اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ سب کے امیر تھے اس لئے آپ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی۔اس لئے کہ آپؐ سب سے زیادہ حقدار تھے۔اور دوسری بات یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔کیونکہ اس میں امر کا صیغہ فقوموا فصلوا عليه کا لفظ ہے۔

ترجمه: (۷۰۴)اور اگر امیر یا بادشاہ موجود نہ ہو تو قاضی امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ وہ ولایت والا ہے۔

تشریح : ۔اگر سلطان موجود نہ ہو تو اب زیادہ حقدار اس علاقے کا قاضی ہے ۔کیونکہ ان کو سب پر ولایت عامہ حاصل ہے۔

(۲) والی اور امیر نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے سمعت ابا حازم يقول انى لشاهد يوم مات الحسن بن على فرأيت الحسين ابن على يقول لسعيد بن العاص ويطعن فى عنقه تقدم فلو لا انها سنة ما قدمت وكان بينهم شىء (سنن للبیہقی ،باب من قال الوالی احق بالصلوۃ علی المیت من الولی ج رابع ص ۴۶ ،نمبر ۶۸۹۴ رمصنف عبد الرزاق ، باب من اُحق بالصلوۃ علی ا لمیت ، ج ثالث ،ص ۳۰۲،نمبر ۶۳۹۶))اس اثر میں حضرت حسینؓ حضرت حسنؓ کے ولی تھے۔لیکن سعید بن عاص کو نماز جنازہ کے لئے آگے بڑھایا۔کیونکہ وہ اس وقت والی اور امیر تھے۔اور حضرت حسینؓ نے فرمایا یہ سنت

(۷۰۵) فان لم یحضر فیستحب تقدیم امام الحی ﴾ لے لانه رضیه فی حال حیاته. (۷۰۶) قال ثم الولی والاولیاء علی الترتیب المذکور فی النکاح﴾

ہے اس لئے والی اور امیر نماز پڑھانے کا ولی سے زیادہ حقدار ہیں۔

ترجمہ: (۷۰۵) اور اگر قاضی بھی وہاں موجود نہ ہوتو مستحب ہے کہ گاؤں کے امام کو آگے کرے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ میت اپنی زندگی میں اسکی امامت سے راضی تھا۔

تشریح: سلطان اور قاضی بھی وہاں موجود نہیں ہیں تو اب امامت کے زیادہ حقدار اس محلے کے امام ہیں، کیونکہ میت اپنی زندگی میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھتا رہا ہے اور اسکی امامت سے راضی ہے اسلئے موت کے بعد بھی اسی کی امامت سے راضی ہوگا، اس لئے وہ زیادہ حقدار ہیں، اور میت کے ولی سے ان کو زیادہ حق ہے۔

وجہ: (۱)۔اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن علی قال الامام احق من صلی جنازة، ذهبت مع ابراهيم الی جنازة وهو وليها فارسل الی امام الحی فصلی علیها (مصنف ابن ابی شیبۃ ۷۳، ما قالوا فی تقدم الامام علی الجنازة، ج ثانی، ص ۴۸۳، نمبر ۱۱۳۰۵/۱۱۳۰۶ رمصنف عبد الرزاق، باب من أحق بالصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۰۲، نمبر ۶۳۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسجد کا امام نماز کا حقدار ہے۔

ترجمہ: (۷۰۶) پھر میت کا ولی زیادہ حقدار ہے۔ اور اولیاء اس ترتیب پر ہونگے جو کتاب النکاح میں مذکور ہیں۔

تشریح: محلے کا امام موجود نہ ہو تو اب میت کا جو ولی ہے وہ نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ کیونکہ وہ ولی ہے۔ اور میت کے ولی تو بہت سے ہونگے لیکن ولیوں میں ترتیب وہی ہے جو کتاب النکاح میں آئیں گے۔۔ کتاب النکاح میں ولیوں کی ترتیب بیان نہیں کی ہے۔۔ البتہ سراجی میں عصبات کی ترتیب یہ ہے جو ولی بنیں گے [۱] بیٹا۔ پھر [۲] پوتا۔ پھر [۳] پر پوتا۔ پھر [۴] باپ۔ پھر [۵] دادا۔ پھر [۶] بھائی۔ پھر [۷] بھتیجا۔ پھر [۸] چچا۔ پھر [۹] چچازاد بھائی۔ (سراجی، باب العصبات، ص ۱۴) لیکن یہاں جنازے کی نماز پڑھانے میں باپ اور دادا بیٹے اور پوتے سے پہلے ہونگے۔ کیونکہ یہ بزرگ آدمی ہیں۔

وجہ: (۱) اس کے بعد ولی نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے عن عمر انه قال الولی احق بالصلوة علیها (مصنف عبد الرزاق، باب من احق بالصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۰۲ نمبر ۶۴۰۰) اس اثر میں ہے کہ ولی زیادہ حقدار ہے۔ (۲) اور ولیوں کی ترتیب میں باپ بیٹے سے مقدم ہے اسکے لئے یہ اثر ہے۔ عن الحسن قال اولی الناس بالصلوة علی المرأة الاب ثم الزوج ثم الابن ثم الاخ. (مصنف عبد الرزاق، باب من احق بالصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۰۲، نمبر ۶۳۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولی میں ترتیب یہ ہے کہ باپ پھر شوہر پھر بیٹا پھر بھائی نماز پڑھانے کا حقدار ہے۔ (۳) عن

(٧٠٧) **فان صلی غیر الولی اوالسلطان اعادالولی** ﴿ ١ یعنی ان شاء لما ذکرنا ان الحق للاولیاء

(٧٠٨) **وان صلی الولی لم یجز لاحدان یصلی بعده** ﴿ ١ لان الفرض یتادی بالاول والنفل بها غیر مشروع

الزهری قال الأب و الابن و الأخ أحق بالصلاة علی المرأة من الزوج . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ١٦٥، فی الزوج والأخ أیھما أحق بالصلاۃ، ج ثالث، ص ٤٦، نمبر ١١٩٦٢) اس اثر میں ہے کہ شوہر کو نماز پڑھانے کا حق نہیں ہے، بلکہ باپ کو پھر بیٹے کو پھر بھائی کو نماز جنازہ پڑھانے کا حق ہے۔

ترجمہ: (٧٠٧) اگر میت پر ولی اور بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی دوبارہ نماز لوٹا سکتا ہے۔

تشریح : امام اور ولی نماز پڑھانے کے حقدار تھے اس لئے اگر انہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی اور دوسروں نے پڑھ لی تو اگر ولی دوبارہ نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ پڑھنا کوئی ضروری نہیں۔ اور اگر ولی نے پڑھ لی تو اب کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اب نماز پڑھے۔

وجہ: (١) امیر اور ولی نے نماز نہ پڑھی ہوں تو نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرۃ ان اسود رجلا او امرأۃ کان یقیم المسجد فمات ولم یعلم النبی ﷺ بموته فذکرہ ذات یوم فقال ما فعل ذلک الانسان قالوا مات یا رسول الله قال افلا اذنتمونی فقالوا انه کان کذا کذا قصته قال وفحقروا شانه قال فدلونی علی قبرہ قال فاتی قبرہ فصلی علیه** ۔ (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن ص ١٧٨ نمبر ١٣٣٧ / ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی القبر ج ثانی ص ١٠١ نمبر ٣٢٠٣) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور سب کے امیر تھے اور اس کالی عورت پر نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے نماز کو دوبارہ پڑھی۔ (٢) **عن جابر بن عبد الله أن النبی ﷺ صلی علی أصحمة النجاشی فکبر أربعا** . (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنازۃ أربعا، ص ٢١٣، نمبر ١٣٣٤) اس حدیث میں بھی آپ سب کے امیر تھے اور آپ نے اسکی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی تو آپ نے پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ امیر یا ولی ابھی نماز نہ پڑھی ہو اور دوسروں نے پڑھ لی ہو تو اگر ولی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: (٧٠٨) اور اگر ولی نے نماز پڑھ لی تو اسکے بعد کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ نماز پڑھے۔

تشریح : اگر ولی نے نماز پڑھ لی تو اب کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ نماز پڑھے۔ اس طرح اگر نماز جنازہ پڑھتا رہے تو کتنے لوگ مرے ہیں سب کی نماز ہمیشہ پڑھی جاتی رہے، حالانکہ کوئی بھی پرانے لوگوں کی نماز نہیں پڑھتے۔

ترجمہ : ١ اسلئے کہ فرض ایک مرتبہ ادا ہو چکا ہے، اور اس میں نفل مشروع نہیں ہے۔

۲؎ ولهذا راينا الناس تركوا عن اٰخرهم الصلوة علیٰ قبر النبی صلی الله علیه وسلم وهو الیوم كما وضع. (۴۰۹) وان دفن المیت ولم یصل علیه صلی علی قبره ﴾ ۱؎ لان النبی صلی الله علیه وسلم صلی علیٰ قبر امرأة من الانصار

تشریح : ولی کے پڑھنے کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھنے کی دلیل عقلی ہے۔ کہ ولی نے نماز پڑھ لی ہے اس سے فرض کفایہ ادا ہو چکا ہے، اور بعد میں نفل کے طور پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے، اس لئے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اسی لئے ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کے قبر اطہر پر کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا حالانکہ حضورؐ آج بھی ویسے ہی صحیح سلامت رکھے ہوئے ہیں جیسے پہلے دن آپ کا جسم مبارک رکھا گیا تھا۔

تشریح :حضورؐ کا جسم مبارک آج بھی ایسے ہی صحیح سالم قبر مبارک میں رکھا ہوا ہے جیسے پہلے تھا اسکے باوجود کوئی بھی آپؐ پر نماز جنازہ نہیں پڑھتا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ولی کے نماز پڑھنے کے بعد اب نماز جنازہ جائز نہیں ہے، اس لئے لوگ حضورؐ پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے ہیں۔

وجه : حضورؐ قبر میں زندہ ہیں اسکے لئے یہ حدیث دلیل ہے۔(۱) عن شداد بن اوس قال : قال رسول الله ﷺ ان من افضل ایامكم یوم الجمعة ، فیه خلق آدم و فیه النفخة و فیه الصعقة فأكثروا علی من الصلوة فیه فان صلاتكم معروضه علی فقال رجل یا رسول الله كیف تعرض صلاتنا علیک و قد أرمت یعنی بلیت ؟ فقال : ان الله حرم علی الارض أن تأكل أجساد الانبیاء . (ابن ماجۃ شریف، باب فی فضل الجمعۃ، ص ۱۵۳، نمبر ۱۰۸۵/ نسائی شریف، باب اکثار الصلاۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ، ص ۱۹۴، نمبر ۱۳۷۵) اس حدیث میں ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی اسلئے حضور کا جسم مبارک آج بھی قبر اطہر میں موجود ہے۔ (۲) آیت میں ہے۔ و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله أموات بل أحیاء و لكن لا تشعرون ۔(آیت ۱۵۴، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو نبی تو ان سے زیادہ درجے کے ہوتے ہیں اسلئے وہ بھی قبر میں زندہ ہونگے (۳)عن انس بن مالک أن رسول الله ﷺ قال أتیت ۔ و فی روية هداب: مررت ۔ علی موسی لیلة أسری بی عند الكثیب الأحمر ، و هو قائم یصلی فی قبره ۔(مسلم شریف، باب من فضائل موسیؑ، ص ۱۰۴۴، نمبر ۲۳۷۵/ ۶۱۵۷) اس حدیث میں ہے کہ حضرت موسیؑ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے قبر شریف میں زندہ ہیں، تو حضور بھی اپنے قبر میں زندہ ہیں۔

ترجمه: (۴۰۹) پس اگر دفن کر دیا اور اس پر نماز نہیں پڑھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐ نے ایک انصاری عورت کی قبر پر نماز پڑھی۔

(۷۱۰) ويصلى عليه قبل ان يتفسخ ﴾ لـ والمعتبر في معرفة ذلك اكبر الرأى هو الصحيح لاختلاف الحال والزمان والمكان.

تشریح: اگر دفن کر دیا اور کسی نے بھی نماز نہیں پڑھی تو جب تک میت پھول پھٹ نہ گئی ہو اس وقت تک اس پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

وجه: ۔(۱) قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صاحب ھدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن ابی هريرة ان اسود رجلا او امرأة كان يقيم المسجد فمات ولم يعلم النبی ﷺ بموته فذكره ذات يوم فقال ما فعل ذلك الانسان قالوا مات يا رسول الله قال افلا اذنتمونی فقالوا انه كان كذا كذا قصته قال فحقروا شانه قال فدلونی على قبره قال فاتی قبره فصلى عليه ۔(بخاری شریف، باب الصلوة علی القبر بعد ما یدفن ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۷/ابوداؤد شریف، باب الصلوة علی القبر ج ثانی ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک عورت کی قبر پر نماز پڑھی ہے۔

ترجمه: (۷۱۰) اور میت پر پھولنے پھٹنے سے پہلے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه: لـ اور اسکی پہچان میں اعتبار غالب رائے ہے صحیح بات یہی ہے حالات اور زمانے اور مکان کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: صاحب قدوری نے تو فرمایا کہ تین دن تک نماز پڑھ سکتا ہے اسکے بعد نہیں، لیکن صاحب ھدایہ فرماتے ہیں اس بارے میں تین دن کو متعین کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ غالب گمان ہو جائے کہ لاش پھول پھٹ گئی ہوگی تو اب نماز نہ پڑھے اس سے پہلے تک نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس بارے میں زمانہ اور مکان اور حالات کا اعتبار ہے، کیونکہ گرم ملک میں جلدی لاش پھٹتی ہے اور سرد ملک میں دیر سے، اسی طرح گرمی کے زمانے میں جلدی پھٹتی ہے اور سردی کے زمانے میں دیر سے، اس لئے غالب گمان ہو جائے کہ لاش پھول پھٹ چکی ہوگی تو اب نماز نہ پڑھے۔

وجه: (۱) تین دن کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ صلى على ميت بعد موته بثلاث ۔(سنن للبیھقی، باب الصلوة علی القبر بعد ما یدفن المیت ج رابع ص ۷۵، نمبر ۷۰۰۳) اس حدیث میں ہے کہ تین دن کے بعد حضورؐ نے نماز ہ پڑھی۔ (۲) اس اثر میں بھی ہے۔ (۲) توفى عاصم بن عمر وابن عمر غائب فقدم بعد ذلك قال ايوب احسبه قال بثلاث قال فقال ارونی قبر اخی فاروه فصلى عليه . (مصنف ابن ابی شیبة ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۴، نمبر ۱۱۹۳۹/ سنن للبیھقی، باب الصلوة علی القبر بعد ما یدفن المیت ج رابع ص ۸۱، نمبر ۷۰۲۵) اس اثر میں تین دن کا اشارہ ہے۔ اسی سے ہمارا استدلال ہے۔ کہ تین دن تک پڑھ سکتا ہے۔

۲؎ والصلوٰۃ ان یکبر تکبیرۃ یحمداللّٰہ عقیبھا،ثم یکبر تکبیرۃ ویصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ثم یکبر تکبیرۃ یدعو فیھا لنفسہ و للمیت و للمسلمین ، ثم یکبر الرابعۃ و یسلم لانہ صلی اللہ علیہ وسلم

فائدہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ان البراء بن معرور توفی فی صفر قبل قدوم رسول اللہ ﷺ المدینۃ بشھر فلما قدم صلی علیہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد ما دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۳،نمبر ۱۱۹۳۲ رسنن للبیھقی ، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن المیت ج رابع ص ۸۰،نمبر ۷۰۲۱)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک ماہ بعد نماز جنازہ قبر پر پڑھی۔اور اس کے بعد اس لئے نہیں پڑھی جائے کہ کتنے رسول اور صحابہ اب تک گزرے، کسی پر بھی ابھی نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔اگر بعد میں بھی پڑھنا جائز ہوتا تو لوگ ضرور پڑھتے۔ چنانچہ اس کی ممانعت کے لئے اثر موجود ہے۔عن ابراھیم قال لا یصلی علی المیت مرتین.(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۶۳ ،من کان لا یری الصلوۃ علیھا اذا دفنت وقد صلی علیھا ج ثالث ص ۴۵ ،نمبر ۱۱۹۴۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نماز پڑھی گئی ہو اور ولی پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔اسی پر امام ابو حنیفہ کا عمل ہے۔

﴿ نماز جنازہ کا طریقہ ﴾

ترجمہ: ۲؎ اور نماز کا طریقہ یہ ہے کہ [۱] پہلی تکبیر کہے اس کے بعد اللہ کی حمد بیان کرے (یعنی ثنا پڑھے) [۲] پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، [۳] تیسری تکبیر کہے اور اس میں اپنے لئے اور میت کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا پڑھے، [۴] پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

تشریح: نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں۔پہلی کے بعد ثنا پڑھے، دوسری کے بعد نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری کے بعد دعائے جنازہ پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

وجہ: (۱) چار تکبیر کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم الی المصلی فصف بھم و کبر علیہ اربع تکبیرات. (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۳ رمسلم شریف، باب فی التکبیر علی الجنازۃ ،ص ۳۸۳ ،نمبر ۲۲۰۴/۹۵۱ رابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی المسلم یموت فی بلاد المشرک ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی جائے گی۔

وجہ: ہر تکبیر کے بعد کیا پڑھے گا اس کی تفصیل اس اثر میں ہے (۱) سأل ابا ھریرۃ کیف تصلی علی الجنازۃ فقال ابو ھریرۃ انا لعمر اللہ اخبرک اتبعھا مع اھلھا فاذا وضعوھا کبرت وحمدت اللہ و صلیت علی نبیہ ثم اقول

اللهم عبدک و ابن عبدک الخ. (مصنف عبدالرزاق، باب القراءۃ والدعاء فی الصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۱۴ نمبر ۶۴۵۳ رموطا امام مالک، باب مایقول المصلی علی الجنازۃ ص ۲۰۹) اس اثر میں ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثنا، دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھے۔ اگر سورۂ فاتحہ ثنا کے طور پر پڑھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ البتہ قرأت کے طور پر پڑھے تو حنفیہ کے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔ (۲) عن الشعبی قال : التکبیر ۃ الاولی علی المیت ثناء علی الله ، و الثانیة صلاۃ علی النبی ﷺ ، و الثالثة دعاء للمیت ، و الرابعة تسلیم ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب القراءۃ والدعاء فی الصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۱۶ نمبر ۶۴۶۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۸۴، مایبدأ بہ بالتکبیر الاولی فی الصلاۃ علیہ و الثانیۃ والثالثۃ والرابعۃ، ج ثانی، ص ۴۹۰، نمبر ۱۱۳۷۵) اس اثر میں بھی ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثناء ہو، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف ہو اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعاء ہو اور چوتھی کے بعد سلام پھیرے۔ اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی

وجہ : (۱) نماز جنازہ ایک قسم کی دعا ہے۔ اس لئے اس میں قرأت نہیں ہوگی۔ اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قال سفیان : و بلغنا أن ابراھیم قال : علیه الدعاء و الاستغفار (مصنف عبدالرزاق، باب القراءۃ والدعاء فی الصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۱۷ نمبر ۶۴۶۳) اس اثر میں ہے کہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعا کے لئے ہے واقعی یہ نماز نہیں ورنہ تو اس میں رکوع سجدہ ہوتا ۔ (۲) اثر میں فاتحہ کی ممانعت موجود ہے۔ ان عبد الله بن عمر کان لا یقرأ فی الصلوۃ علی الجنازۃ (موطا امام مالک، باب مایقول المصلی علی الجنازۃ ص ۲۰۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۸۸، من قال لیس علی الجنازۃ قرأۃ، ج ثانی، ص ۴۹۲، نمبر ۱۱۴۰۴ رمصنف عبدالرزاق، باب القراءۃ والدعاء فی الصلوۃ علی المیت، ج ثالث، ص ۳۱۶ نمبر ۶۴۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (۳) سألت أبا العالیة عن القرأۃ فی الصلاۃ علی الجنازۃ بفاتحة الکتاب فقال ما کنت أحسب أن فاتحة الکتاب تقرأ الا فی صلاۃ فیها رکوع و سجود . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۸۸، من قال لیس علی الجنازۃ قرأۃ، ج ثانی، ص ۴۹۲، نمبر ۱۱۴۰۵) اس اثر میں ہے کہ جس نماز میں رکوع سجدہ ہو اسی میں سورہ فاتحہ پڑھے اور نماز جنازہ میں رکوع سجدہ نہیں ہے اس لئے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے یہاں بھی نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، لیکن انکے یہاں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ فلذالک نقول : یکبر أربعا علی الجنائز ، یقرأ فی الاولی بأم القرآن ، ثم یصلی علی النبی ﷺ و یدعو للمیت . (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب الصلاۃ علی الجنازۃ والتکبیر فیها، ج ثالث، ص ۳۸۱، نمبر ۳۱۰۲) اس عبارت میں ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے،

وجہ: ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ (۱) عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ

۳؎ کبر اربعا فی اٰخر صلوٰۃ صلاھا فنسخت ماقبلھا

بفاتحۃ الکتاب و قال لتعلموا انھا سنۃ (بخاری شریف، باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ ص ۲۱۸ نمبر ۱۳۳۵ ر ابوداؤد شریف، باب مایقرأ علی الجنازۃ ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۱۹۸ ر مستدرک حاکم، کتاب الجنائز، ج اول ص ۵۱۰، نمبر ۱۳۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (۲) حدثتنی أم شریک الأنصاریۃ قالت : أمرنا رسول اللہ ﷺ أن نقرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب . (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی القرأۃ علی الجنازۃ ص ۲۱۳، نمبر ۱۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے سورہ فاتحہ پڑھنے کا انکو حکم فرمایا تھا جسکی بنا پر وہ سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک تیسری تکبیر کے بعد عموما بڑوں کے لئے یہ دعا پڑھتے ہیں۔ عن ابی ھریرۃ قال صلی رسول اللہ ﷺ علی جنازۃ فقال اللھم اغفر لحینا ومیتنا و صغیرنا و کبیرنا ، و ذکرنا وأنثانا ، و شاھدنا و غائبنا ، اللھم ! من أحییتہ منا فأحیہ علی الاسلام ، و من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان ، اللھم ! لا تحرمنا أجرہ و لا تضلنا بعدہ ۔ (ابوداؤد شریف، باب الدعاء للمیت ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۲۰۱ ر ترمذی شریف، باب مایقول فی الصلوۃ علی المیت، ص ۱۹۸ نمبر ۱۰۲۴) اس حدیث میں وہ دعاء کی عبارت ہے جو نماز جنازہ کی تیسری تکبیر کے بعد پڑھتے ہیں۔۔ اس کے علاوہ بھی دعاء پڑھے گا تو دعا ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳؎ اس لئے کہ حضورؐ نے جو آخری نماز پڑھی ہے اس میں چار تکبیریں کہی ہیں، اس لئے اس سے قبل کی تکبیریں منسوخ ہوگئیں۔

تشریح : یوں تو عموما جتنی نماز جنازہ پڑھی ہیں ان میں چار تکبیریں ہی کہیں ہیں، لیکن اگر کسی میں پانچ تکبیر کا تذکرہ ہے تو وہ منسوخ ہے، کیوں کہ آپؐ نے جو آخیر عمر میں نماز جنازہ پڑھی ہے اس میں چار تکبیریں ہی کہی ہیں اسلئے باقی تکبیریں منسوخ سمجھی جا ئیں گیں اور چار تکبیر کی یہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بھم الی المصلی فصف بھم وکبر علیہ اربع تکبیرات. (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنازۃ اربعا ص ۲۱۸ نمبر ۱۳۳۳ ر مسلم شریف، باب فی التکبیر علی الجنازۃ ص ۳۸۳، نمبر ۲۲۰۴/۹۵۱ ر ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی المسلم یموت فی بلاد المشرک ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی جائے گی۔ اور باقی تکبیریں منسوخ ہیں اسکی دلیل یہ اثر ہے . عن ابی وائل قال : جمع عمرؓ الناس فاستشار ھم فی التکبیر علی الجنازۃ فقال بعضھم کبر رسول اللہ ﷺ خمسا و قال : بعضھم کبر سبعا و قال بعضھم أربعا قال : فجمعھم علی أربع تکبیرات کأطول الصلوۃ . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۸۹، ما قالوا فی التکبیر علی الجنازۃ من کبر أربعا، ج ثانی ص ۴۹۵، نمبر ۱۱۴۴۵) اس اثر میں ہے کہ صحابہ کرام نے چار تکبیروں پر اجماع فرمالیا ہے۔

(۱۱۷) ولو کبر الامام خمساً لم یتابعه المؤتم ۱؎ خلافا لزفرؒ ۲؎ لانه منسوخ لما روینا ۳؎ وینتظر تسلیمة الامام فی روایة وهو المختار ۴؎ والاتیان بالدعوات استغفار للمیت والبدایة بالثناء ثم بالصلوۃ سنة الدعاء

ترجمہ: (۱۱۷)اور اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کرے۔

تشریح : ہمارے یہاں چار تکبیریں ہی ہیں،لیکن اگر کوئی نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر کہہ دے تو حنفی مقتدی کو چاہئے کہ اسکی اتباع نہ کرے بلکہ چپ چاپ کھڑا رہے اور امام کے سلام پھیرنے کا انتظار کرے جب وہ سلام پھیرے تو امام کے ساتھ سلام پھیر لے۔یہی مختار مذہب ہے۔اگر چہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ امام کی اتباع میں پانچویں بھی کہے۔کیونکہ پانچویں تکبیر جائز ہے اور امام کی اتباع ضروری ہے اسلئے امام کی اتباع میں پانچویں تکبیر میں شریک ہو جانا چاہئے۔

وجہ :اس حدیث میں پانچویں تکبیر کا ثبوت ہے۔ کان زید یعنی ابن ارقم یکبر علی جنائزنا أربعا ، و انه کبر علی جنازة خمسا ، فسألته ، فقال کان رسول الله ﷺ یکبرها . (ابوداود شریف،باب التکبیر علی الجنازۃ،ص ۴۶۷،نمبر ۳۱۹۷ رترمذی شریف،باب ما جاء فی التکبیر علی الجنازۃ،ص ۲۴۷،نمبر ۱۰۲۳)اس حدیث میں ہے کہ حضرت زید ابن ارقمؓ نے پانچویں تکبیر کہی اور یہ بھی کہا کہ یہ سنت ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس کا ثبوت ہے اسلئے کسی نے اسکی اتباع کر لی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ امام زفرؒ اسکے خلاف ہیں۔

تشریح : امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی کو اسکی اتباع کرنی چاہئے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں پانچویں تکبیر کا ثبوت ہے،اور امام کی اتباع ضروری ہے ،اسلئے انکی اتباع کرنی چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ پانچویں تکبیر منسوخ ہے،اس حدیث کی بنا پر جو میں نے پہلے روایت کی

تشریح : یہ عبارت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ میں نے پہلے روایت کی کہ پانچ تکبیر کی روایت منسوخ ہے،اس لئے منسوخ کی اتباع نہیں کرنی چاہئے،چاہے امام کر رہا ہو۔

ترجمہ: ۳؎ ایک روایت میں یہ ہے کہ امام کے سلام کا انتظار کرے،مختار روایت یہی ہے۔

تشریح : ایک روایت یہ ہے کہ حنفی مقتدی سلام پھیر دے تاکہ انکی پوری مخالفت ہو جائے۔دوسری روایت یہ ہے کہ امام کی اتباع کر لے۔اور تیسری روایت یہ ہے کہ چپ چاپ کھڑا رہے اور امام کے سلام کا انتظار کرے وہ سلام پھیرے تو یہ بھی سلام پھیر لے ،صاحب ھدایہ کہتے ہیں کہ یہی مذہب مختار ہے۔

ترجمہ: ۴؎ دعا پڑھنا حقیقت میں میت کے لئے استغفار کرنا ہے اور ثناء سے شروع کرنا پھر درود شریف پڑھنا دعا کی سنت ہے۔

۵؎ ولا يستغفر للصبی ولكن يقول اللهم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرا و ذخرا وجعله لنا شافعًا ومشفعًا (۷۱۲) ولو كبر الامام تكبيرة اوتكبيرتين لايكبر الآتی حتی يكبر اخریٰ بعد حضوره ﴾ ۱؎ عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ

تشریح : اوپر جو آیا کہ میت کے لئے دعا کرے، اسکی تفصیل بتلا رہے ہیں کہ یہ دعا میت کے لئے استغفار ہے، اور دعا کی سنت میں سے یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالی کی حمد ثناء کرے، پھر حضورؐ پر درود شریف بھیجے تا کہ دعا زیادہ قبول ہو، اسی لئے نمازوں میں اپنے لئے دعا سے پہلے ثناء کی جاتی ہے اور اسکے بعد درود بھیجا جاتا ہے، اس لئے یہاں بھی ایسا ہی کرے۔ اس کیلئے اثر اوپر گزر گیا ہے۔

ترجمہ : ۵؎ بچے کے لئے استغفار نہ کرے، لیکن یوں کہے، اللهم اجعله لنا فرطا و اجعله لنا اجرا و ذخرا و اجعله لنا شافعا و مشفعا

تشریح : بچہ یا بچی نابالغ ہے وہ شریعت کا مکلّف نہیں ہے اس لئے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اسلئے اسکے لئے استغفار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے بالغ آدمی کے لئے جو دعا پڑھی جاتی ہے اسکے بجائے یہ دعا پڑھے۔ اللھم اجعلہ لنا فرطا۔ الخ۔

وجه : اس اثر میں اس کا کچھ حصہ ہے۔ (۱) عن الحسن أنه كان اذا صلى على الطفل قال اللهم اجعله لنا فرطا، اللهم اجعله لنا اجرا ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الدعاء علی الطفل، ج ثالث، ص ۳۴۶، نمبر ۶۶۱۵) اس اثر میں بچے پر دعا پڑھنے کا ثبوت ہے۔ (۲) بخاری شریف میں اثر اس طرح ہے ۔ و قال الحسن : يقرأ على الطفل بفاتحة الكتاب و يقول اللهم اجعله لنا سلفا و فرطا و اجرا ۔ (بخاری شریف، باب قرأة فاتحة الكتاب علی الجنازة، ص ۲۱۳، نمبر ۱۳۳۵) اس اثر میں ہے کہ بچے پر دعا کس طرح پڑھے۔ لیکن اگر کوئی اور دعا پڑھ دی تب بھی نماز ہو جائے گی، اس لئے کہ ضروری طور پر یہی دعا متعین نہیں ہے۔ اثر میں ہے ۔ عن ابراهيم قال ليس فی الصلوة على الميت دعاء مؤقت فی الصلوة فادع بما شئت (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۸۳، من قال لیس علی المیت دعاء مؤقت فی الصلوۃ علیہ وادع بمابدا لک، ج ثانی، ص ۴۸۹، نمبر ۱۱۳۶۹) اس اثر میں ہے کہ جنازہ میں کوئی متعین دعا نہیں ہے۔

ترجمہ (۷۱۲) اگر امام نے ایک تکبیر یا دو تکبیر کہہ دی اسکے بعد کوئی جنازے میں شامل ہوا تو آنے والا حاضر ہونے کے بعد تکبیر نہ کہے جب تک کہ امام اگلی تکبیر نہ کہے۔

ترجمہ ۱؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح : نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں، اب مثلا امام دو تکبیر کہہ چکے ہیں اور درود شریف پڑھ رہے ہیں کہ زید آیا تو امام ابو حنیفہؒ

۲؎ وقال ابویوسفؒ یکبر حین یحضر لان الاولیٰ للافتتاح والمسبوق یاتی به ۳؎ ولهما ان کل تکبیر قائمة مقام رکعة والمسبوق لایبتدی بما فاته اذهو منسوخ

اورامام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ زید ابھی کھڑا رہے تکبیر افتتاح شروع نہ کرے، جب امام تیسری تکبیر کہیں گے تو زید بھی تیسری تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ میت کی دعا پڑھنا شروع کرے۔۔نماز شروع کرنے کی تکبیر کو، تکبیر افتتاح، کہتے ہیں۔

وجه : (۱)اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جنازے کی چار تکبیریں گویا کہ چار رکعتیں ہیں، اور دو تکبیریں چھوٹ گئیں تو گویا کہ دو رکعتیں چھوٹ گئیں، اور یہ آدمی مسبوق ہو گیا، اور مسبوق کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ پہلی رکعت شروع نہیں کرتا بلکہ امام جس رکعت میں ہوتا ہے اسی رکعت میں شامل ہوتا ہے ، اس مثال میں امام دوسری تکبیر، یعنی دوسری رکعت میں ہے اسلئے تیسری رکعت شروع کرنے کا انتظار کرے تا کہ زید تیسری رکعت میں شامل ہو سکے، اور پہلی اور دوسری تکبیر امام کے فارغ ہونے کے بعد ادا کرے، کیونکہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی رکعتیں ادا کرتا ہے، ایسے ہی زید امام کے فارغ ہونے کے بعد باقی تکبیر ادا کرے گا۔تکبیر افتتاح بھی ایک رکعت کے درجے میں ہے اسلئے تکبیر افتتاح بھی پہلے نہیں کرے گا بعد میں ادا کرے گا۔(۲) اثر میں ہے ۔ **عن الحارث أنه كان يقول اذا انتهى الرجل الى الجنازة و قد سبق ببعض التكبير لم يكبر حتى يكبر الامام** . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ٩٦، فی الرجل ینتھی الی الامام وقد کبر أیدخل معہ أو ینتظر حتی یبتدأ بالتکبیر ، ج ثانی، ص ٤٩٩، نمبر ١١٤٨٨)اس اثر میں ہے کہ آنے والا آدمی تکبیر نہیں کہے گا جب تک کہ امام اگلی تکبیر نہ کہے۔

ترجمه: ۲؎ اورامام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جیسے ہی آدمی آیا وہ تکبیر کہے، اس لئے کہ یہ پہلی تکبیر افتتاح کے لئے ہے اور مسبوق پہلی تکبیر کہتا ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آنے والا آدمی جیسے ہی آئے وہ تکبیر افتتاح کہے اور امام جہاں تک پہنچا ہے اس میں شامل ہو جائے۔

وجه : (۱) وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کئی تکبیریں چھوٹی ہیں اسلئے یہ مسبوق ہے، لیکن مسبوق تکبیر افتتاح کہتا ہے، اور امام کے ساتھ شامل ہوتا ہے، اس لئے یہ بھی تکبیر کہے گا اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے گا، یہ تکبیر کہنا افتتاح کے لئے ہے رکعت پوری کرنے کے درجے میں نہیں ہے(۲) اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الحسن فی الرجل ینتھی الی الجنازة و هم یصلون علیها قال : یدخل معهم** بتکبیرۃ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ٩٦، فی الرجل ینتھی الی الامام وقد کبر أیدخل معہ أو ینتظر حتی یبتدأ بالتکبیر، ج ثانی، ص ٤٩٩، نمبر ١١٤٨٩) اس اثر میں ہے کہ ایک تکبیر افتتاح کہے اور امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔

ترجمه: ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہر تکبیر ایک ایک رکعت کے قائم مقام ہے اور مسبوق اس رکعت کو شروع

ع ولو كان حاضرا فلم يكبر مع الامام لا ينتظر الثانية بالاتفاق لانه بمنزلة المدرك (۷۱۳)ويقوم الذى يصلى على الرجل والمرأة بحذاء الصدر ﴾ ل لانه موضع القلب وفيه نورالايمان فيكون القيام عنده اشارة الى الشفاعة لايمانه.

نہیں کرتا جو اس سے فوت ہوگئی ہے، کیونکہ ایسا کرنا منسوخ ہو چکا ہے۔

تشریح : یہ طرفین کی دلیل ہے۔ مسبوق پہلی رکعت کو شروع نہیں کرتا بلکہ امام کے ساتھ مل جاتا ہے ۔اسی طرح یہ آدمی پہلی تکبیر شروع نہیں کرے گا کیونکہ وہ پہلی رکعت کے درجے میں ہے، اور مسبوق پہلی رکعت شروع نہیں کر سکتا، اس لئے یہ پہلی تکبیر بھی نہیں کہے گا، بلکہ امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کرے گا، اور جب وہ تکبیر کہے گا تو اسکے ساتھ شامل ہوگا ۔۔شروع اسلام میں ایسا تھا کہ مسبوق پہلے اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرتا تھا اسکو پوری کرنے کے بعد پھر امام کے ساتھ ملتا تھا، اب ایسا کرنا منسوخ ہو گیا۔

ترجمہ: ع اور اگر امام کے پاس ہی موجود تھا اور امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی تو بالاتفاق اگلی تکبیر کا انتظار نہ کرے اسلئے کہ یہ مدرک کے درجے میں ہے

تشریح : مدرک: کا معنی ہے شروع سے امام کو پانے والا ۔ ایک آدمی امام کے پاس موجود تھا اور امام نے دوسری تکبیر کہہ دی اور اس آدمی نے ابھی تک تکبیر نہیں کہی ہے تو فوراً تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے، امام کی اگلی تکبیر کا انتظار نہ کرے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس آدمی نے شروع سے امام کو پایا ہے اور مدرک ہے، یہ اس کی غفلت ہے کہ اس نے امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہی اسلئے اب فوراً تکبیر کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔

ترجمہ: (۷۱۳) جو نماز جنازہ پڑھائے وہ مرد اور عورت کے سینے کے پاس کھڑا ہو۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ سینہ دل کی جگہ ہے، اور اس میں ایمان کا نور ہے، اسلئے سینے کے پاس کھڑا ہونا گویا کہ اسکے ایمان کی شفاعت کرنا ہے۔

تشریح : ۔نماز جنازہ پڑھائے تو میت مرد ہو یا عورت اسکے سینے کے سامنے کھڑا ہو، اسکی وجہ یہ ہے کہ سینہ کے اندر ایمان کا نور ہے تو امام اسکے سامنے کھڑا ہو کر گویا کہ اسکے ایمان کی گواہی دے رہا ہے۔ ۔حذاء: کا معنی ہے سامنے۔

وجه: (۱) سینہ کے پاس کھڑے ہونے کی دلیل یہ اثر ہے .عن عطاء قال اذا صلى الرجل على الجنازة قام عند الصدر . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۲، فی المرأۃ این یقام منھا فی الصلوۃ والرجل علی الجنازۃ این یقام منہ ج ثالث ص ۶، نمبر ۱۱۵۵۱/ مصنف عبد الرزاق، باب این یقوم الامام من الجنازۃ ج ثالث ص ۳۳۰ نمبر ۶۳۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سینہ کے پاس کھڑا ہونا چاہئے (۲) اس لئے بھی کہ سینہ میں نور ایمان ہے تو وہاں کھڑے ہو کر گویا کہ نور ایمان کی گواہی دینا ہے۔ اور اسکی شفارس

۲؎ وعن ابی حنیفةؒ انه یقوم من الرجل بحذاء رأسه ومن المرأة بحذاء وسطها لان انساً فعل کذلک وقال هو السنة ۳؎ قلنا تاویله ان جنازتها لم تکن منعوشة محال بینها وبینهم

کررہا ہے۔

ترجمه: ۲؎ اورامام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مرد کے سر کے سامنے۔اورعورت کے درمیان کے سامنے کھڑا ہو، کیونکہ حضرت انسؓ نے ایسا کیا ہے،اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سنت ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے مرد کے سر کے سامنےامام کھڑا ہواورعورت کے درمیان میں کھڑا ہو۔اس لئے کہ حضرت انسؓ اسی طرح کھڑے ہوئے اوران سے پوچھا کہ کیا حضورؐ ایسے ہی کھڑے ہوتے تھے؟ تو فرمایاہاں!

وجه :(ا) حضرت انسؓ والی حدیث یہ ہے۔ قالوا هذا انس بن مالک ، فلما وضعت الجنازة قام انس فصلی علیها و أنا خلفه لا یحول بینی و بینه شیء فقام عند رأسه فکبر أربع تکبیرات لم یطل و لم یسرع ثم ذهب یقعد فقالوا یا ابا حمزة ! المرأة الانصاریة فقربوها و علیها نعش أخضر فقام عند عجیزتها فصلی علیها نحو صلاته علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا ابا حمزة ! هکذا کان رسول الله ﷺ یصلی علی الجنازة کصلاتک یکبر علیها أربعا و یقوم عند رأس الرجل و عجیزة المرأة قال نعم ۔(ابوداودشریف،باب أین یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ،ص ۴۶۶،نمبر ۳۱۹۴/ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی أین یقوم الامام اذا صلی علی الجنازۃ،ص ۲۱۳،نمبر ۱۴۹۴) اس حدیث میں ہے کہ مرد کے سر کے پاس اورعورت کے سرین کے پاس،یعنی درمیان میں کھڑے ہوئے ۔(۲) اورعورت کے درمیان امام کھڑا ہو۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا سمرة بن جندب قال صلیت وراء النبی ﷺ علی امرأة ماتت فی نفاسها فقام علیها وسطها (بخاری شریف، باب این یقوم من المرأۃ والرجل ص ۱۷۷ نمبر ۱۳۳۲/مسلم شریف، باب این یقوم الامام من المیت للصلاۃ علیہ،ص ۳۸۸،نمبر ۲۲۳۵/۹۶۴/ابوداودشریف، باب أین یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ،ص ۴۶۷،نمبر ۳۱۹۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے درمیان کھڑا ہو تا کہ عورت کے لئے امام سترہ بن جائے۔اس روایت کی دلیل مضبوط ہے۔

ترجمه: ۳؎ ہم نے کہا کہ حضرت انسؓ کے عمل کی تاویل یہ ہے کہ عورت کا جنازہ نعش والا نہیں تھا اس لئے قوم اورعورت کے درمیان حضرت انسؓ حائل ہو گئے۔

تشریح : صندوق نما تابوت ہوتا ہے جس پر کپڑا ڈال دیتے ہیں اور میت کو ڈھانپ دیتے ہیں جس سے عورت کا پردہ ہو جاتا، اس کو نعش کہتے ہیں،عورت کی میت پر یہ نعش ڈالنا بہتر ہے تا کہ عورت کا پردہ ہو جائے،مصنف تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(٧١٤) فان صلوا علیٰ جنازة رکبانا اجزاهم فی القیاس ﴾ ﴿ لانها دعاء ٢ وفی الاستحسان لاتجزیهم لانها صلوٰة من وجه لوجود التحریمة فلایجوز ترکه من غیر عذر احتیاطا (٧١٥) ولابأس بالاذن فی صلوٰة الجنازة ﴾ ﴿ لان التقدم حق الولی فیملک ابطاله بتقدیم غیره

حضرت انسؓ کو سینے کے پاس ہی کھڑا ہونا چاہئے لیکن چونکہ عورت پر نعش نہیں تھی اسلئے عورت کے درمیان میں کھڑے ہو گئے تا کہ کچھ نہ کچھ قوم سے پردہ ہو جائے، یہی پردہ کرنے کے لئے درمیان میں کھڑے ہوئے۔ لیکن یہ تاویل صحیح نہیں ہے، کیونکہ اوپر کی ابو داود شریف والی حدیث میں صراحت ہے کہ اس عورت پر سبز نعش تھی۔ حدیث میں یہ عبارت موجود ہے [و علیها نعش أخضر] اس لئے یہ تاویل صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (٧١٤) اگر جنازے کی نماز سوار کی حالت میں پڑھ لی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کافی ہو جائے گی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ یہ دعا ہے

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ نماز جنازہ ایک اعتبار سے صرف دعاء ہے اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سواری کی حالت میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اور ایک اعتبار سے نماز ہے کیونکہ اس میں تحریمہ ہے، قیام ہے اس لئے سواری پر نہیں ہونی چاہئے۔ استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے سواری پر نماز نہ پڑھے کیونکہ وہ نماز ہے۔

وجہ: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ سواری پر نماز جنازہ جائز ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ قال رأیت الحسن یصلی علی جنازة أبی رجاء العطاردی علی حمار . (مصنف ابن ابی شیبة، باب ٧٧، فی الرجل والمرأۃ یصلی علی الجنازۃ وھو راکب، ج ثانی، ص ٤٨٥، نمبر ١١٣٣٦) اس اثر میں ہے کہ گدھے پر سوار ہو کر جنازے کی نماز پڑھی۔

ترجمہ: ٢ اور استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ سواری پر نماز کافی نہ ہو اسلئے کہ یہ ایک اعتبار سے نماز ہے تحریمہ کے پائے جانے کی وجہ سے، اسلئے احتیاطا بغیر عذر کے قیام کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: نماز جنازہ ایک اعتبار سے نماز ہے کیونکہ اس میں تحریمہ ہے اور قیام ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر عذر کے قیام کو نہ چھوڑا جائے، اور سواری پر نماز پڑھنے میں قیام کو چھوڑنا پڑے گا، اس لئے سواری پر نماز جنازہ پڑھنا اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: (٧١٥) دوسروں کو نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھانا ولی کا حق ہے تو دوسرے کو آگے بڑھا کر اپنے حق کو باطل کرنے کا مالک ہے۔

تشریح: اس عبارت کا دو مطلب ہے۔ [١] ایک تو اس لفظ کو اذن، سے مشتق مانیں جسکا ترجمہ ہے اجازت دینا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ میت کے ولی کو حق ہے کہ خود آگے بڑھ کر نماز پڑھائے، لیکن کسی بزرگ کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو ایسا کر سکتا ہے اس

۲ وفـي بعض النسخ لاباس بالاذان ای الاعلام وهو ان يعلم بعضهم بعضًا ليقضوا حقه (۷۱۶) ولا يصلی علیٰ میّت فی مسجد جماعة ﴿ ۱لقول النبی صلی الله علیه واٰله وسلم من صلی علی جنازة

میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ ولی کا ذاتی حق ہے اس کو باطل کرنے کا اسے اختیار ہے ۔

وجه : اثر میں ہے کہ حضرت انسؓ کو ولی نے انصاریہ عورت کی نماز پڑھانے کے لئے کہا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے .قالوا هذا انس بن مالك....ثم ذهب يقعد فقالوا يا ابا حمزة ! المرأة الانصارية فقربوها و عليها نعش أخضر فقام عند عجيزتها فصلى عليها ۔(ابوداود شریف، باب أین یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ، ص ۴۶۶، نمبر ۳۱۹۴/ ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی أین یقوم الامام اذا صلی علی الجنازۃ، ص ۲۱۳، نمبر ۱۴۹۴) اس حدیث میں حضرت انسؓ کو ولی نے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا۔اس لئے ولی اپنا حق ساقط کر کے دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے۔

ترجمه: ۲ اور بعض نسخے میں ہے [لا بأس بالآذان] یعنی اعلان کرنا، اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض بعض کو نماز جنازہ کی اطلاع دے تو وہ اپنا حق ادا کر لیں۔

تشریح : بعض نسخے میں اذن: اذن اور اجازت سے مشتق نہیں ہے، بلکہ اذان، سے مشتق ہے، جس کا ترجمہ ہے اطلاع دینا اور اعلان کرنا، اور عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگوں کو اطلاع دینے میں اور نماز جنازہ کے اعلان کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، تا کہ لوگ نماز میں حاضر ہوں اور نماز پڑھ کر میت کا بھی حق ادا کریں اور اپنا حق بھی پورا کر لیں ۔ یعلم : کا معنی ہے بتلانا ۔ قضا کا ترجمہ ہے حق ادا کرنا۔

وجه : حضورؐ نے فرمایا تھا کہ کسی کا انتقال ہو جائے تو مجھے اسکی اطلاع دیا کرو، حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة ان اسود رجلا او امرأة كان يقيم المسجد فمات ولم يعلم النبی ﷺ بموته فذكره ذات يوم فقال ما فعل ذلك الانسان قالوا مات يا رسول الله قال افلا اذنتمونی فقالوا انه كان كذا كذا قصته قال وفحقروا شانه قال فدلونی علی قبره قال فاتی قبره فصلى عليه ۔(بخاری شریف، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن ص ۱۷۸ نمبر ۱۳۳۷/ ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی القبر ج ثانی ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے اسکی اطلاع کیوں نہ دی، جس سے معلوم ہوا کہ اطلاع دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه: (۷۱۶) اور نہ نماز پڑھے میت پر جماعت والی مسجد میں۔

ترجمه: ۱ نبی ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جس نے مسجد میں جنازے کی نماز پڑھی تو اسکے لئے کوئی اجر نہیں ہے۔

تشریح : جس مسجد میں جماعت کی نماز ہوتی ہو اس میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے مسجد

فی المسجد فلا اجر له

میں نماز جنازہ پڑھی اسکے لئے کچھ نہیں ہے۔

وجــــه: (۱) میت مسجد میں رکھی جائے تو ممکن ہے کہ مسجد کے تلویث ہونے کا خطرہ ہو۔ اس لئے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ پڑھ لیا تو ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له ۔ (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۱ / ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلاۃ علی الجنائز فی المسجد، ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۱۷ / سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد رابع ص ۸۶، نمبر ۷۰۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے ثواب نہیں ملے گا (۳) خود مدینہ طیبہ میں نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ تھی اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ أن رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه و خرج بهم الی المصلی فصف بهم و کبر علیه أربع تکبیرات. (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنازۃ أربعا، ص ۲۱۳، نمبر ۱۳۳۳) اس حدیث میں ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مسجد سے باہر عیدگاہ گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا اچھا نہیں ہے (۴) اثر میں ہے۔ عن کثیر بن عباس قال : لأعرفن ما صلیت علی جنازة فی المسجد . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۶۷، من کرہ الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد، ج ثالث، ص ۴۷، نمبر ۱۱۹۷۲ / مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد، ج ثالث، ص ۳۴۴، نمبر ۶۶۰۷) اس اثر میں ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ کبھی میں نے مسجد میں جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے اچھا نہیں ہے۔

فـائده: امام شافعیؒ کے یہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ ترمذی شریف میں یہ عبارت ہے۔ و قال الشافعیؒ یصلی علی المیت فی المسجد ، و احتج بهذا الحدیث ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الصلاۃ علی المیت فی المسجد، ص ۲۵۰، نمبر ۱۰۳۳) اس عبارت میں ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

وجه: ان کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) عن عائشة لما توفی سعد بن ابی وقاص ... فبلغهن ان الناس عابوا ذلک و قالوا ما کانت الجنائز یدخل بها المسجد فبلغ عائشة فقالت ما اسرع الناس الی ان یعیبوا مالا علم لهم به ، عابوا علینا ان یمر بجنازة فی المسجد وما صلی رسول الله علی سهیل بن بیضاء الا فی جوف المسجد (مسلم شریف، ابواب الجنائز، فصل فی جواز الصلوۃ علی المیت فی المسجد ص ۳۱۳ نمبر ۹۷۳ / ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔ (۲) عن هشام بن عروة قال رأی أبی الناس یخرجون من المسجد لیصلوا علی الجنازة فقال : ما یصنع هؤلاء ؟ ما صلی علی ابی بکر الا فی المسجد ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الجنازۃ فی المسجد، ج ثالث، ص ۳۴۴، نمبر ۶۶۰۳ / مصنف ابن ابی

۲؎ ولانه بنی لاداء المکتوبات ۳؎ ولانه يحتمل تلويث المسجد. ۴؎ وفيما اذا كان الميت خارج المسجد اختلف المشائخ

شیبۃ، باب ١٦٦، فی الصلاۃ علی المیت فی المسجد من لم یر بہ بأ سا، ج ثالث، ص ٤٧، نمبر ١١٩٦٦) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔

نوٹ: لیکن حدیث کے انداز ہی سے پتہ چلتا ہے کہ عام صحابہ نے مسجد میں میت لانے سے کراہیت کا اظہار فرمایا تھا۔ اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ مسجد فرض نمازوں کے لئے بنائی گئی ہے۔

تشریح: ۔ یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ مسجد فرض نمازوں کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے نماز جنازہ صحیح نہیں۔۔ لیکن اس دلیل پر دوسروں کا اعتراض یہ ہے کہ پھر سورج گرہن اور تراویح کی نماز کیوں مسجد میں پڑھتے ہیں؟ جبکہ نماز جنازہ تو فرض کفایہ ہے!

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ مسجد کے خراب ہونے کا احتمال ہے۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ میت کو مسجد میں لیجانے سے ہوسکتا ہے کہ میت کی نجاست نیچے گر جائے اور مسجد خراب ہو جائے اسلئے میت کو مسجد میں لیجانا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔۔ اس دلیل پر دوسروں کا اعتراض یہ ہے کہ اگر میت تابوت میں ہو اور میت سے نجاست گرنے کا کوئی احتمال نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ اعتراض ہے، واللہ اعلم۔۔ تلویث کا معنی ہے ملوث ہونا، خراب ہونا۔

ترجمہ: ۴؎ اور اس صورت میں کہ میت مسجد سے باہر ہو تو مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح: میت مسجد سے باہر ہو اسکی دو صورتیں ہیں [۱] ایک یہ کہ جنازہ باہر ہو اور امام صاحب اور کچھ مقتدی بھی باہر ہوں، اور کچھ مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سبھی کے یہاں مکروہ نہیں ہے۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ جنازہ باہر ہے اسلئے مسجد کے تلویث کا احتمال نہیں ہے، اور نماز کا اصل مدار امام صاحب پر ہے اور وہ چونکہ باہر ہیں اسلئے گویا کہ نماز مسجد سے باہر ہی ہوئی۔ اب کچھ لوگ مسجد کے اندر ہیں تو انکا اعتبار نہیں ہے، اسلئے اس صورت میں مکروہ نہیں ہے۔۔ برطانیہ کی بہت سی مسجدوں میں یہی صورت حال ہے۔

[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ صرف میت مسجد سے باہر ہو، اور امام اور تمام مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے۔

وجہ: جو حضرات فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے انکی دلیل یہ ہے کہ نماز کا مدار امام پر ہے، اور اس صورت میں امام مسجد کے اندر ہے، اس

(۷۱۷) ومن استهلّ بعد الولادة سمّی وغسل صلی علیه ﴾ ۱؎ لقوله صلی الله علیه وسلم اذا استهل المولود صلی علیه وان لم یستهل لم یصل علیه ۲؎ ولان الاستهلال دلالة الحیوة فتحقق فی حقه سنة الموتی (۷۱۸) ومن لم یستهل ادرج فی خرقة کرامة لبنی اٰدم ولم یصل علیه ﴾ ۱؎ لما روینا

لئے گویا کہ نماز جنازہ مسجد کے اندر ہوئی، اور مسجد کے اندر نماز مکروہ ہے، جسکی دلیل اوپر گزری، اس لئے چاہے جنازہ باہر ہو لیکن نماز جنازہ اندر ہوئی اس لئے مکروہ ہے۔

۔اور جو حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صورت مکروہ نہیں ہے، انکی دلیل یہ ہے کہ مکروہ ہونے کا اصل مدار مسجد کا خراب ہونا ہے، اور چونکہ میت مسجد کے باہر ہے اس لئے مسجد کے خراب ہونے کا خطرہ نہیں اسلئے مکروہ بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۷۱۷) بچہ پیدا ہونے کے بعد جو رویا تو اس کا نام رکھا جائے گا، اور غسل دیا جائے گا، اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب بچہ روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے، اور اگر نہ روئے تو نہ پڑھی جائے۔

تشریح: استهل : هلال سے مشتق ہے، نیا چاند نکلنا، یہاں مراد ہے بچے کا رونا۔ بچہ روئے یا کوئی ایسی حرکت کرے جس سے معلوم ہو کہ بچہ گوشت کا لوتھڑا نہیں ہے بلکہ زندہ پیدا ہوا ہے تو چونکہ وہ انسان پیدا ہوا ہے اس لئے اسکا نام بھی رکھا جائے گا، کیونکہ اسی نام سے قیامت کے دن پکارا جائے گا، اور غسل بھی دیا جائے گا، اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال : الطفل لا یصلی علیه و لا یرث و لا یورث حتی یستهل . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک الصلوۃ علی الطفل حتی یستهل، ص ۲۴۹، نمبر ۱۰۳۲/ابن ماجۃ، باب ما جاء فی الصلاۃ علی الطفل، ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک روئے نہیں نماز نہیں پڑھی جائے گی، یعنی جب تک زندگی کی علامت نہ ہو نہ نماز پڑھی جائے گی اور نہ وراثت میں کوئی حصہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ اس لئے کہ رونا زندگی کی علامت ہے اس لئے اس کے حق میں میت کی سنت متحقق ہوئی۔

تشریح: رونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ ہے اس لئے اسکے حق میں میت کی ساری سنتیں متحقق ہونگیں۔

ترجمہ: (۷۱۸) اور جو نہ روئے تو کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا [ابن آدم کی کرامت کی وجہ سے] اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی بنا جو میں نے روایت کی۔

تشریح: اگر بچہ رویا نہیں اور کوئی حرکت بھی نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مردہ پیدا ہوا ہے، اس لئے انسانی کرامت کی وجہ سے اسکو کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ انسان نہیں ہے اس لئے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

۲ ويغسل في غيرظاهر من الرواية لانه نفس من وجه وهو المختار (۷۱۹) واذا سبى صبى مع احد ابويه ومات لم يصل عليه ۱ لانه تبع لهما.

وجه : (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن سيرين قال : اذا لم يتم خلقه دفن و لم يصل عليه . (مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الصغیر والسقط ومیراثہ، ج ثالث، ص ۳۴۸، نمبر ۶۶۳۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۱۰، من قال لا یصلی علیہ حتی یستھل صارخا، ج ثالث، ص ۱۱، نمبر ۱۱۵۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زندگی کے بغیر پیدا ہوا ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی، البتہ انسانی کرامت کی وجہ سے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔ (۲) و أخبرني من رأى ابن مجاهد مات له سقط فلفه في خرقة و وضعه في كمه و ذهب به وحده و دفنه و صلى عليه ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الصغیر و السقط ومیراثہ، ج ثالث، ص ۳۴۷، نمبر ۶۶۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور غیر ظاہر روایت میں یہ ہے کہ غسل دیا جائے گا ، اس لئے کہ من وجہ نفس ہے۔ مختار مذہب یہی ہے۔

تشریح: غیر ظاہر روایت میں یہ ہے کہ جو بچہ مردہ پیدا ہوا ہے اس کو بھی غسل دیا جائے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ کم از کم انسان تو ہے اسلئے غسل دیا جائے اور کپڑے میں لپیٹ کر دفن کیا جائے چاہے اس پر نماز نہ پڑھے، مختار مذہب یہی ہے۔

ترجمہ: (۷۱۹) اگر بچہ ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہو کر آیا اور انتقال کر گیا تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ وہ والدین کے تابع ہے۔

تشریح : قاعدہ یہ ہے [۱] کہ بچہ ماں باپ کے تابع ہوتا ہے اور اسی پر اسکے دین کا فیصلہ ہوتا ہے۔ [۲] ہاں اگر ماں اور باپ الگ الگ مذہب کے ہیں تو ان میں سے جس کا مذہب اچھا ہوگا بچہ اسکے تابع ہوگا، مثلا باپ بت پرست ہے اور ماں عیسائی ہے تو بچہ عیسائی شمار کیا جائے گا، کیونکہ عیسائی مذہب بت پرست سے اچھا ہے کیونکہ وہ دین فطرت سے زیادہ قریب ہے یا ماں مسلمان ہے اور باپ عیسائی ہے تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا کیونکہ اسلام عیسایت سے اچھا ہے، اس لئے قاعدہ یہ ہے کہ بچہ خیر الابوین کے تحت ہوگا۔ [۳] تیسری شکل یہ ہے کہ خود بچہ سمجھدار ہو اور وہ اسلام قبول کر لے تو اب بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا چاہے ماں باپ کافر ہوں۔ بچہ ماں باپ میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہو کر آیا ہے یا دونوں کے ساتھ قید ہو کر آیا ہے، اور ماں باپ کافر ہیں تو چونکہ بچہ بھی اسکے تابع ہو کر کافر شمار کیا جائے گا اسلئے بچے پر نماز نہیں پڑھی جائے گی

وجہ : (۱) کافر پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی ممانعت اس آیت میں ہے۔ و لا تصل علىٰ أحد منهم مات أبدا و لا تقم على قبره انهم كفروا بالله و رسوله و ما توا و هم فاسقون ۔ (آیت ۸۴، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ کافر پر کبھی بھی نماز نہیں پڑھنی چاہئے (۲) اور بچہ ماں باپ کے تابع ہوتا ہے بلکہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے۔ كان ابن

(۲۰۷) الا ان یقر بالاسلام وھو یعقل ﴾ ۱؎ لانه صح اسلامه استحسانا

عباسؓ مع أمه من المستضعفين و لم يكن مع ابيه على دين قومه ، و قال : الاسلام يعلو و لا يعلى ۔(بخاری شریف، باب اذا أسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ؟ ،ص ۲۱۶،نمبر ۱۳۵۴) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس کے والد حضرت عباسؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ کافر تھے بعد میں مسلمان ہوئے ، اور اسکی والدہ مسلمان ہو چکی تھیں، تو حدیث میں حضرت ابن عباسؓ کو ماں کے تابع کر کے مستضعفین کہا، کہ یہ لوگ مکہ مکرمہ میں کمزور لوگوں میں سے تھے اور باپ کے تابع قرار نہیں دیا ،جس سے معلوم ہوا کہ بچہ ماں باپ کے تابع ہوتا ہے، اور اگر دونوں الگ الگ مذہب کے ہوں تو جسکا دین توحید کے اعتبار سے زیادہ قریب ہو اسکے تابع ہوگا ۔ (۳) اور قیدی کا بچہ ماں باپ کا تابع ہوگا اور دونوں کافر ہوں تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن حماد قال : اذا كان الصبى من السبى أو غيرهم بين أبويه ، و هما مشركان فانه لا يصلى عليه ، و ان لم يكن بين أبويه فانه مسلم اذا مات و هو صبى يصلى عليه ، قال : و قال حماد : اذا ملكت الصبى فهو مسلم . (مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الصبی ، ج ثالث ،ص ۳۵۴،نمبر ۶۶۶۱) اس اثر میں ہے کہ ماں باپ کافر ہوں اور قید ہو کر آئے ہوں تو بچے کو اسکے تابع کر کے نماز نہیں پڑھی جائے گی ۔ اور اگر قیدی مسلمان ہو چکا ہو تو اسکے بچے نماز پڑھی جائے گی، اسلئے کہ وہ بھی ماں باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہے (۴) اسکے لئے اثر یہ ہے۔قال معمر و اذا صلى على السبى صلى على ولده ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الصبی ، ج ثالث ،ص ۳۵۴،نمبر ۶۶۶۱۰) اس اثر میں ہے کہ اگر ماں یا باپ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے نماز پڑھی جائے تو اس کے بچے پر بھی پڑھی جائے گی ۔(۵) قال سمعت البهي قال : لما مات ابراهيم ابن النبى ﷺ صلى عليه رسول الله ﷺ فى المقاعد ۔(ابو داود شریف، باب فی الصلاۃ علی الطفل ،ص ۴۶۵،نمبر ۳۱۸۸) اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے بیٹے ابراہیم پر اسی وجہ سے نماز پڑھی کہ وہ باپ کی وجہ سے مسلمان تھے ۔ معلوم ہوا کہ بچے اسلام اور کفر میں والدین کے تابع ہیں ۔

ترجمہ: (۲۰۷) مگر یہ کہ بچہ خود اسلام کا اقرار کرے اس حال میں کہ وہ اسلام کو سمجھتا ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ اس کا اسلام استحسانا صحیح ہے۔

تشریح :بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ وہ اسلام کو نہیں سمجھتا ہو تو اسکے اقرار کا اعتبار نہیں ہے، لیکن اگر مثلا گیارہ بارہ سال کا نابالغ لڑکا ہو اور اسلام کو اور دنیاوی امور کو سمجھتا ہو تو اور باتوں میں اسکے اقرار کا اعتبار نہیں ہے لیکن اسلام لانا اسکی زندگی اور آخرت کے لئے بہت مفید ہے اسلئے اسکے اسلام لانے کا اعتبار ہے اور اسکو مسلمان سمجھا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی ۔۔ مصنف نے استحسانا، اس

(۷۲۱) اویسلم احد ابویه ﴾ ۱؎ لانه یتبع خیرا لابوین دینا (۷۲۲) وان لم یسب معه احدا بویه صلی علیه ﴾

لئے کہا کہ اور معاملے میں بچے کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے لیکن اسلام کو ماننے میں بچے کا بہت فائدہ ہے اسلئے آگے والی حدیث کی بنا پر اسکے اسلام کو استحسانا مان لیا گیا ہے۔

وجه : (۱) اس حدیث میں ہے کہ باپ ماں یہودی تھے لیکن بچے نے اسلام لایا تو حضورؐ نے اسکو قبول فرمایا اور بچے کو مسلمان قرار دیا، حدیث یہ ہے۔ **عن أنس** ؓ **قال کان غلام یهودی یخدم النبی** ﷺ **فمرض فأتاه النبی** ﷺ **یعوده فقعد عند رأسه فقال له : أسلم ، فنظر الی أبیه و هو عنده فقال له أطع أبا القاسم** ﷺ **فأسلم فخرج النبی** ﷺ **و هو یقول : الحمد لله الذی أنقذه من النار .** (بخاری شریف، باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ؟ ص۲۱۶، نمبر ۱۳۵۶)

اس حدیث میں یہودی کے بچے نے اسلام لایا تو حضورؐ نے اس کو قبول فرمایا۔

ترجمه: (۷۲۱) یا ماں باپ میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے [تو نماز پڑھی جائے گی]

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ بچہ ماں باپ میں سے جو دین کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے اسکے تابع ہوتا ہے۔

تشریح : ماں باپ قید ہو کر آئے اور دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا تو جو مسلمان ہوا وہ دین کے اعتبار سے بہتر ہے اسلئے بچہ اسکے تابع کر کے مسلمان شمار کیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے۔

ترجمه: (۷۲۲) اور اگر بچے کے ساتھ ماں باپ میں سے کوئی قید نہیں ہوا تو بچے پر نماز پڑھی جائے گی۔

تشریح: اگر بچہ اکیلا قید ہوا ہے، ماں باپ اسکے ساتھ نہیں ہے تو بچے کو مسلمان شمار کیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

وجه : یہاں یہ اصول چلے گا کہ بچے کا نگراں کون ہے اسکے تابع کیا جائے گا، اب بچے کا نگراں مسلمان آدمی ہے اسکے تابع کر کے بچے کو مسلمان شمار کیا جائے گا۔ چنانچہ اثر میں ہے کہ مسلمان آدمی بچے کا مالک ہوا تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔ اثر یہ ہے۔ **قال : و قال حماد : اذا ملکت الصبی فهو مسلم .** (مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الصبی، ج ثالث، ص۳۵۴، نمبر ۶۶۲۱)

اس اثر میں ہے کہ مسلمان آدمی بچے کا مالک ہوا تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔ (۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر بعد میں والدین اسکو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں، اب اس بچے کے ماں باپ ساتھ نہیں ہیں کہ اسکو یہودی یا نصرانی بنائے اسلئے یہ اپنی فطرت کے اعتبار سے مسلمان ہے اور ہے بھی دار الاسلام میں اس لئے اس کو مسلمان شمار کیا جائے اور نماز جنازہ پڑھی جائے۔ ہر بچہ اپنی فطرت کے اعتبار سے مسلمان پیدا ہوتا ہے اسکی دلیل یہ حدیث اور آیت ہیں۔ **عن ابا هریرة** ؓ **کان**

ل لانہ ظهرت تبعية الدار فحكم بالاسلام كما في اللقيط (۷۲۳) واذا مات الكافرو له ولی مسلم فانه يغسله ويكفنه ويدفنه ﴾ ل بذلک امر علیؓ فی حق ابيه ابی طالب

يحدث قال النبی ﷺ ما من مولود الا يولد على الفطرة ،فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه ....ثم يقول ابو هريرة ﴿فطرت الله التي فطر الناس عليها ﴾.(آیت ۳۰، سورة الروم۳۰) ۔ (بخاری شریف، باب اذا أسلم الصبی فمات هل يصلی عليه؟ ص ۲۱۷، نمبر ۱۳۵۸) اس حدیث میں ہے کہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اور آیت میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ آیت میں فطرت اللہ سے مراد اسلام کی فطرت ہے۔ اور فطر الناس کا ترجمہ ہے اس پر پیدا کیا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ دار الاسلام کا تابع ہونا ظاہر ہوا، اس لئے مسلمان کا حکم لگایا گیا، جیسا کہ دار الاسلام میں پائے ہوئے بچے کا حکم ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ اس بچے کا نگراں دار الاسلام ہے، کیونکہ یہ بچہ دار الاسلام میں ہے اسلئے یہ مسلمان شمار کیا جائے گا، جیسا کہ کوئی لاوارث بچہ [لقیط] دار الاسلام میں مل جائے تو دار الاسلام میں ہونے کی وجہ سے اس بچے کو مسلمان شمار کیا جاتا ہے، بشرطیکہ اسپر کفر کی کوئی علامت واضح نہ ہو، اسی طرح یہاں بھی مسلمان شمار کیا جائے گا۔ ۔ اللقیط: لقطہ سے مشتق ہے اس کا ترجمہ ہے پایا ہوا بچہ۔

ترجمه: (۷۲۳) اگر کافر مر جائے اور اس کا ولی مسلمان ہو تو مسلمان ولی اس کو غسل دے گا، اور اس کو کفن دے گا، اور اس کو دفن کر دے گا۔

ترجمه: ل حضورؐ نے حضرت علیؓ کو انکے باپ ابو طالب کے حق میں اسی طرح کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

تشریح: اگر کافر مر جائے اور اس کا ولی مسلمان ہو تو ابھی بھی رشتہ داری کا حق ادا کرے، البتہ سنت کے طریقے پر دفن نہ کرے کیونکہ وہ سنتوں کو مان کر نہیں مرا ہے اور نہ اس پر یقین رکھتا ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں اس طرح اس کو غسل دے یعنی صرف جسم پر پانی بہا دے، کفن بھی سنت کے طریقے پر نہ دے بلکہ صرف کپڑے میں لپیٹ دے اور لاش کو مٹی میں چھپا دے۔ کیونکہ جب حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کا انتقال ہوا تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو فرمایا کہ اپنے باپ کو جا کر مٹی میں چھپا دو۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ قال قلت للنبی ﷺ ان عمک الشيخ الضال قد مات ، قال : اذهب فوار أباک ثم لا تحدثن شيئا حتى تأتيني . فذهبت فواريته و جئته فأمرني فاغتسلت و دعا لی . (ابو داود شریف، باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک، ص ۴۶۹، نمبر ۳۲۱۴ رنسائی شریف، باب مواراۃ المشرک، ص ۲۸۲، نمبر ۲۰۰۸) اس حدیث میں چار باتیں ہیں [۱] حضرت علیؓ نے اپنے کافر باپ کو دفن کیا جس سے معلوم ہوا کہ کافر رشتہ دار کو دفن کر سکتا

۲ لكن يغسل غسل الثوب النجس ويلف في خرقة وتحفر حفيرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد ولا يوضع فيه بل يلقى.

ہے۔[۲] حدیث میں فرمایا وارا باک، اپنے باپ کو چھپا دو، جس سے معلوم ہوا کہ اسلامی طریقے پر سنتوں کے ساتھ دفن نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف لاش کو مٹی میں چھپا دیا جائے گا۔[۳] آپؐ نے حضرت علیؓ کو غسل کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ میت کو نجس کپڑے کی طرح دھو کر خود غسل کر لے[۴] آپ نے نماز نہیں پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ کافر پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ اس کے لئے آیت یہ ہے ۔و لا تصل علیٰ أحد منهم مات أبدا و لا تقم على قبره انهم كفروا بالله و رسوله و ما توا و هم فاسقون۔(آیت ۸۴، سورۃ التوبۃ ۹)اس آیت میں ہے کہ کافر کی نماز نہ پڑھی جائے۔

ترجمه: ۲ لیکن ناپاک کپڑے کی طرح غسل دیا جائے گا،[۲] اور کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ دیا جائے گا[۳] اور گڑھا کھودا جائے گا کفن اور لحد کی رعایت کئے بغیر[۴] اور گڑھے میں رکھا نہیں جائے گا بلکہ ڈال دیا جائے گا۔

تشریح : مسلمان ولی کافر مردے کو سنت کے طریقے پر غسل نہیں دے گا، نہ سنت طریقے پر کفن دے گا بلکہ کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹ دے گا، قبر کھودنے میں بھی سنت کی رعایت نہیں کرے گا بلکہ گڑھا کھود کر اس میں سنت کے طریقے پر رکھا بھی نہیں جائے گا بلکہ یوں ڈال دیا جائے گا جس طرح مردار کو چھپا دیتے ہیں۔

لغت: یلف : لپیٹ دینا۔ خرقۃ : کپڑے کا ٹکڑا۔ تحفر : گڑھا کھودنا۔ وضع : تعظیم کے ساتھ رکھنا۔ یلقی : بغیر تعظیم کے ڈال دینا۔

﴿فصل فی حمل الجنازة﴾

(٧٢٤) واذا حملوا الميت علىٰ سريره اخذ وابقوائمه الاربع﴾ ل بذلک وردت السنة
٢ وفيه تكثير الجماعة وزيادة الاكرام والصيانة

﴿فصل فی حمل الجنازة﴾

ترجمه: (٧٢٤) جب میت کو چار پائی پر اٹھائے تو اس کے چاروں پایوں کو پکڑے۔

ترجمه: ل حدیث اسی طرح وارد ہوئی ہے۔

تشریح: میت کو کفن دیکر چار پائی پر لٹائے اور چار پائی کے چاروں پایوں کو پکڑ کر قبرستان کی طرف چلے۔لیکن اس انداز سے کہ تیزی کے ساتھ قبرستان کی طرف جائے لیکن دوڑے نہیں۔کیونکہ یہ میت کی شان کے خلاف ہے۔اور میت کے گرنے کا خطرہ ہے۔ چار پائی کو چار پائی اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں چاروں کناروں پر ایک ایک پایہ ہوتا ہے جسکو عربی میں عمود کی لکڑی کہتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک اسی پایہ کو پکڑنا سنت ہے۔۔ان دو پایوں کے درمیان لمبی لکڑی گھسی ہوتی ہے اسکو چار پائی کی پٹی کہتے ہیں، یہ پٹی بھی چار ہوتی ہیں ایک آگے ایک پیچھے، اور دو دونوں کنارے پر۔امام شافعیؒ کے نزدیک اگلی پٹی اور پچھلی پٹی کو پکڑ کر جنازہ لے جانا سنت ہے

وجه : (١) چاروں پائے پکڑنے کے لئے یہ حدیث ہے، جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ فرمایا۔قال عبد الله بن مسعود من اتبع جنازة فليحمل بجوانب السرير كلها فانه من السنة ثم ان شاء فليتطوع و ان شاء فليدع (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی شھود الجنائز ص ٢١١، نمبر ١٤٧٨) اس حدیث میں ہے کہ چاروں پایوں کو پکڑنا چاہئے اس لئے کہ وہ سنت ہے ۔(٢) اور اثر میں ہے رأيت ابن عمر فى جنازة فحملوا بجوانب السرير الاربع فبدأ بالميامن ثم تنحى عنها (مصنف ابن ابی شیبة ٦٨، بای جوانب السریر یبدأ فی الحمل، ج ثانی، ص ٤٨٠، نمبر ١١١٢٧ر مصنف عبد الرزاق، باب صفة حمل النعش، ج ثالث، ص ٣٣٣، نمبر ٦٥٤٢) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاروں پایوں کو پکڑنا چاہئے۔اور میت کی دائیں جانب سے پکڑنا شروع کرنا چاہئے۔(٣) چاروں پاؤں کو پکڑنے کا طریقہ اس اثر میں ہے۔ انه كان مع سعيد بن جبير فى جنازة ، فحمل سعيد فبدأبمقدم العود الذى يلى الرأس فجعله على عاتقه الأيمن ثم رجع الى طرفه الذى يلى الرجل فحمله على عاتقه الأيسر ، ثم جاء طرفه الذى يلى الرأس فجعله على عاتقه الأيسر ، ثم انصرف على يمينه و قال هكذا حمل الجنائز ۔(عبد الرزاق، باب صفة حمل النعش، ج ثالث، ص ٣٣٢، نمبر ٦٥٤١) اس اثر میں چاروں پایوں کے پکڑنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

ترجمه: ٢ چار آدمی کے پکڑنے میں [١] جماعت بڑی ہوگی [٢] اکرام بھی زیادہ ہوگا [٣] اور گرنے سے حفاظت ہے۔

۳؎ وقال الشافعي السنة ان يحملها رجلان يضعها السابق على اصل عنقه والثاني على صدره لان جنازة سعد بن معاذ هكذا حملت

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو آدمی چار پائی پکڑے تو اس صورت میں یہ تین فائدے نہیں ہیں اور چار آدمی چاروں پایوں کو پکڑ کر اٹھائے [۱] تو تین آدمی میں جماعت ہو جاتی ہے، اور یہاں چار آدمی ہیں اسلئے جماعت بڑی ہو گئی، [۲] چار آدمی پکڑے تو دو آدمی کے مقابلے پر میت کا اکرام بھی زیادہ ہوگا [۳] اور میت کے گرنے کا خطرہ بھی کم ہے، کیونکہ اگر دو آدمی پکڑے اور ایک آدمی کے ہاتھ سے میت چھوٹ جائے تو میت زمین پر گر جائے گی، اور اگر چار آدمی پکڑے اور ایک آدمی کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو ابھی تین آدمیوں کے ہاتھ میں میت ہے اسلئے زمین پر نہیں گرے گی، اسلئے چار آدمی کے پکڑنے سے میت کے گرنے کا خطرہ کم ہے، اور دو کے پکڑنے سے میت کے گرنے کا خطرہ زیادہ ہے اسلئے یہ بہتر ہے۔ صیانۃ کا ترجمہ ہے حفاظت، یعنی زمین پر گرنے سے حفاظت۔

ترجمہ: ۳؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جنازے کو دو آدمی اٹھائے اور اگلا شخص اسکو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے، پچھلا شخص اپنے سینے پر، اس لئے کہ حضرت سعد ابن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں چار آدمی اٹھائے تو یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن انکے یہاں سنت طریقہ یہ ہے کہ دو آدمی اٹھائیں، اگلا آدمی چار پائی کی لکڑی کو اپنی گردن کی جڑ پر رکھے، اور پچھلا آدمی چار پائی کی لکڑی کو اپنے سینے پر رکھے، اور اس طرح لیکر قبرستان تک جائے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے .قال الشافعيؒ و يستحب للذى يحمل الجنازة أن يضع السرير على كاهله بين العمودين المقدمين و يحمل بالجوانب الأربع ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب حمل الجنازۃ، ج ثالث، ص ۳۷۶، نمبر ۳۰۸۳) اس عبارت میں ہے کہ دونوں پایوں کے درمیان کی لکڑی اپنے کندھے پر رکھے۔

وجه : (۱) انکی دلیل یہ اثر ہے۔ انبأ ابراهيم بن سعد عن ابيه عن جده قال رأيت سعد بن أبي وقاص في جنازة عبد الرحمن بن عوف قائما بين العمودين المقدمين واضعا السرير على كاهله ۔(سنن بیہقی، باب من حمل الجنازۃ فوضع السریر علی کاھلہ بین العمودین المقدمین، ج رابع، ص ۳۰، نمبر ۶۸۳۵) اس اثر میں ہے کہ حضرت سعد ابن وقاص اگلے دونوں پایوں کے درمیان کھڑے تھے اور چار پائی کی لکڑی اپنے کندھے پر رکھے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ طریقہ سنت ہے۔ (۲) صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ رأيت ابا هريرة يحمل بين عمودي سرير سعد بن وقاص ۔(سنن بیہقی، باب من حمل الجنازۃ فوضع السریر علی کاھلہ بین العمودین المقدمین، ج رابع، ص ۳۰، نمبر ۶۸۳۸) اثر میں ہے کہ حضرت ابوھریرہ سعد ابن وقاص کے جنازے کی لکڑی اٹھائے ہوئے تھے

ك قلنا كان ذلك لازدحام الملائكة عليه (٤٢٥) ويمشون به مسرعين دون الخبب ﴾ ل لانه صلى الله عليه وسلم حين سئل عنه قال مادون الخبب (٤٢٦) واذا بلغوا الى قبره يكره ان يجلسوا قبل ان يوضع عن اعناق الرجال ﴾

ترجمه: ك ہم جواب دیتے ہیں کہ فرشتے کی بھیڑ کی وجہ سے ایسا کیا۔

تشریح : ہم جواب دیتے ہیں کہ حضرت سعد ابن معاذ کے جنازے میں فرشتے کی بھیڑ تھی اسلئے چار کے بجائے دو آدمیوں نے انکے جنازے کو اٹھایا ورنہ چار آدمیوں کو اٹھانا چاہئے تھا۔۔اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے. عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال : هذا الذی تحرک له العرش و فتحت له أبواب السماء و شهده سبعون ألف ملک من الملائکة لقد ضم ضمة ثم فرج عنه . (طبرانی کبیر، باب اهتز العرش لموت سعد بن معاذ، ج سادس، ص ۱۰، نمبر ۵۳۳۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے تشریف لائے تھے۔۔ازدحام: کا معنی ہے بھیڑ۔

ترجمه: (۴۲۵) جنازے کو لیکر تیز چلے لیکن دوڑے نہیں۔

ترجمه: ل اس لئے کہ حضورؐ کو اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ دوڑنے سے کم

تشریح: خبب کا ترجمہ ہے دوڑنا، اور دون الخبب: کا ترجمہ ہوگا کہ تیز تو چلے لیکن دوڑے نہیں۔ جنازہ لیجانے کا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا تیز چلے لیکن اتنا بھی تیز نہ چلے کہ دوڑنے لگے، حضورؐ نے یہی فرمایا۔

وجه :(۱) جلدی کرنے کے لئے یہ حدیث ہے ۔عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال اسرعوا بالجنازة فان تک صالحة فخیر تقدمونها وان تک سوی ذلک فشر تضعونه عن رقابکم ۔(بخاری شریف، باب السرعة بالجنازة ص ۱۷۶ نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث میں ہے کہ جنازے کو تیز لیکر چلے (۲) ابوداود شریف میں ہے۔ عن ابن مسعود قال سألنا نبینا ﷺ عن المشی مع الجنازة فقال مادون الخبب (ابوداود شریف، باب الاسراع بالجنازة ج ثانی ص ۹۷ نمبر ۳۱۸۴ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی المشی خلف الجنازة، ص ۲۴۴، نمبر ۱۰۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو تیزی سے قبرستان کی طرف لے جانا چاہئے ۔لیکن دوڑنا نہیں چاہئے۔

ترجمه: (۴۲۶) پس جب قبر تک پہنچ جائے تو لوگوں کے لئے مکروہ ہے کہ بیٹھے مردوں کے گردنوں سے رکھنے سے پہلے۔

تشریح: ابھی میت کو اٹھانے والوں نے اپنے کندھے سے زمین پر رکھا نہیں ہے اس سے پہلے عام لوگ بیٹھ جائیں یہ مکروہ ہے۔

وجه: (۱) عن ابی سعید الخدری عن أبیه قال : قال رسول الله ﷺ اذا تبعتم الجنازة فلا تجلسوا حتی

۱؎ لانه قد تقع الحاجة الى التعاون والقيام امكن منه ۲؎ وكيفية الحمل ان تضع مقدم الجنازة على يمينك، ثم مؤخرها على يمينك، ثم مقدمها على يسارك ،ثم مؤخرها على يسارك ايثارا للتيا من وهذا في حالة التناوب.

توضع دوسری روایت میں ہے۔ حتی توضع بالارض ۔(ابوداود شریف، باب القیام للجنازة ص ۴۶۴، نمبر ۳۱۷۳ ربخاری شریف، باب من تبع جنازة فلا یقعد حتی توضع عن مناکب الرجال، فان قعد أمر بالقیام، ص ۲۱۰، نمبر ۱۳۱۰) اس حدیث میں ہے کہ زمین پر رکھنے سے پہلے نہ بیٹھے۔(۲) اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی هريرة انه لم يكن يقعد حتى يوضع السرير ،و عن ابی سعید قال اذا كنتم في جنازة فلا تجلسوا حتى يوضع السرير. (مصنف ابن ابی شیبة ۹۹، فی الرجل یکون مع الجنازة من قال لا تجلس حتی یوضع ج ثالث، ص ۳، نمبر ۱۱۵۱۰/۱۱۵۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے رکھنے سے پہلے نہیں بیٹھنا چاہئے۔(۳) یہ میت کی شان کے خلاف ہے۔

ترجمه: ۱؎ اور اس لئے کہ مدد کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور کھڑے رہنے میں اسکی زیادہ قدرت ہوتی ہے [اس لئے کھڑا رہے]

تشریح: اٹھانے والوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے کہ چار پائی کو پکڑے، اور کھڑا رہے گا تو جلدی سے مدد کر سکتا ہے اس لئے میت کو رکھنے سے پہلے عام لوگوں کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔ البتہ مجبوری ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔

ترجمه: ۲؎ جنازہ اٹھانے کی کیفیت یہ ہے کہ جنازے کا اگلا سرا اپنے دائیں کندھے پر رکھے [۲] پھر اس کا پچھلا سرا اپنے دائیں کندھے پر رکھے [۳] پھر جنازے کا اگلا سرا اپنے بائیں کندھے پر رکھے [۴] پھر اس کا پچھلا سرا اپنے بائی کندھے پر رکھے۔ دائیں جانب کو ترجیح دینے کے لئے۔ اور یہ باری باری کی صورت میں ہے۔

تشریح: حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ دائیں جانب سے شروع کرنا چاہئے، اس لئے آدمی اپنے دائیں کندھے سے شروع کرے، اور میت کا اگلے سرے سے شروع کرے۔ اور کیفیت یہ ہوگی۔[۱] پہلی مرتبہ آدمی کا دایاں کندھا ہو اور میت کا بایاں ہو اور اگلا سرا ہو [۲] دوسری مرتبہ آدمی کا دایاں کندھا ہو اور میت کا بایاں ہو اور اسکا پاؤں کا حصہ ہو [۳] تیسری مرتبہ آدمی کا بایاں کندھا ہو اور میت کا دایاں ہو اور اگلا حصہ ہو [۴] اور چوتھی مرتبہ آدمی کا بایاں کندھا ہو اور میت کا دایاں ہو اور پاؤں والا حصہ ہو۔

وجه: اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔(۱) أن أبا سعيد الخدرى قال لعلیؓ ....فان بدالک أن تحمل فانظر الى مقدم السرير ، و انظر الى جانب الأيسر ، و اجعله على منكبک الايمن ۔(مصنف عبد الرزاق، باب صفة حمل النعش ،ج ثالث ،ص ۳۳۳، نمبر ۶۵۴۶) اس اثر میں ہے کہ جنازہ میں کندھا لگانا شروع کرے تو اپنے دائیں کندھے سے شروع کرے، اور چار پائی کا اگلا حصہ ہو(۲) اس اثر میں بھی دائیں جانب کا ثبوت ہے۔ رأيت ابن عمر في جنازة فحملوا

بجوانب السرير الاربع فبدأ بالميامن ثم تنحی عنها (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۸، بای جوانب السریر یبدأ فی الحمل، ج ثانی، ص ۴۸۰، نمبر ۱۱۲۷۷ رمصنف عبدالرزاق، باب صفۃ حمل النعش، ج ثالث، ص ۳۳۳، نمبر ۶۵۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاروں پایوں کو پکڑنا چاہے تو آدمی اپنے دائیں جانب سے پکڑنا شروع کرے۔

لغت: تناوب: باری باری کندھا لگانا۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایک پائے کو پکڑنا ہو تب تو دائیں جانب کے پائے کو پکڑ لے، اور اگر سب پایوں کو پکڑنا ہو تو اوپر والی ترتیب ہے۔ اور اگر ترتیب سے پکڑنے کا موقع نہ ہو تو کسی بھی پائے کو پکڑ لے تو میت کا حق ادا ہو جائے گا۔ اثر یہ ہے۔ عن الحسن قال : لا تبالی بأی جوانب السریر بدأت۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۶۸، بای جوانب السریر یبدأ فی الحمل، ج ثانی، ص ۴۸۱، نمبر ۱۱۲۷۸) اس اثر میں ہے کہ اچانک کے موقع پر جس پائے سے بھی شروع کرے کوئی بات نہیں ہے۔

﴿ فصل فى الدفن ﴾

(۷۲۷) ويحفر القبر ويلحد ﴾ ١ لقوله صلى الله عليه وسلم: اللحد لنا والشق لغيرنا (۷۲۸) ويدخل الميت مما يلى القبلة ﴾

﴿ فصل فى الدفن ﴾

ترجمه: (۷۲۷) قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے علاوہ کے لئے ہے۔

تشریح: قبر دو طرح سے کھودی جاتی ہے۔ ایک لحد یعنی سیدھی کھود کر پھر دائیں جانب کنارہ کھود کر میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جائے اور اس میں میت کو رکھ کر کنارہ پر کچی اینٹ رکھ دی جائے۔ اور دوسری شکل شق کی ہے یعنی سیدھی کھودی جائے اور گہرا کر کے اس میں میت کو رکھا جائے اور اوپر سے لکڑی ڈال کر پاٹ دی جائے۔ دونوں قسم جائز ہے۔ اور مٹی کی حالت دیکھ کر قبر کھودی جاتی ہے۔ البتہ لحد زیادہ بہتر ہے اور اس میں خرچ بھی کم ہے۔ البتہ شق بھی جائز ہے۔۔ ہمارے جھارکھنڈ میں شق قبر بنائی جاتی ہے۔

وجه: لحد مسنون ہونے کی وجہ (۱) صاحب ھدایہ کی یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال النبی ﷺ اللحد لنا والشق لغيرنا۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قول النبی اللحد لنا والشق لغیرنا، ص ۳۰۳، نمبر ۱۰۴۵ رابوداؤد شریف، باب فی اللحد ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۰۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لحد مسنون ہے۔ (۲) دوسری میں حدیث ہے۔ ان سعد بن وقاص قال فی مرضه الذی هلک فيه الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا كما صنع برسول الله ﷺ۔ (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶ / ۲۲۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد زیادہ بہتر ہے اور سنت ہے۔

شق قبر بھی جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن أنس بن مالک ؓ قال: لما توفی النبی ﷺ كان بالمدينة رجل يلحد و آخر يضرح فقالوا نستخير ربنا و نبعث اليهما فأيهما سبق تركناه فأرسل اليهما فسبق صاحب اللحد فلحدوا للنبی ﷺ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الشق، ص ۲۲۲، نمبر ۱۵۵۷) اس حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں شق کا طریقہ بھی رائج تھا، جس سے معلوم ہوا کہ شق بھی جائز ہے، البتہ بہتر لحد ہے۔

ترجمه: (۷۲۸) میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے۔

تشریح: میت کو قبر میں داخل کرنے کی دو شکلیں ہیں (۱) ایک یہ کہ میت کو قبر کے قبلہ کی جانب رکھی جائے اور وہاں سے قبر میں داخل کرے۔ یہی حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔ (۲) اور دوسری شکل یہ ہے کہ میت کو قبر کی پائتانے کی طرف رکھی جائے اور وہاں سے سرکا کر قبر میں داخل کیا جائے۔

ل خلافا للشافعیؒ فان عنده يُسَلُّ سَلًّا لما روی انه صلی الله عليه وسلم سُلَّ سَلّا ٢ ولنا ان جانب القبلة معظم فيستحب الادخال منه

وجه: (١)عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا ليلا فاسرج لی سراج فاخذه من قبل القبلة. (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الدفن باللیل ص۲۰۴ نمبر۱۰۵۷/ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی ادخال المیت القبر ،ص۲۲۱،نمبر۱۵۵۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں داخل کیا جائے۔

ترجمہ: ل خلاف امام شافعیؒ کے،اس لئے کہ انکے یہاں پائنتی کی جانب سے کھینچا جائے گا۔ اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ کو سل کر کے داخل کیا گیا تھا۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کے یہاں میت کو قبر میں داخل کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کے پیتانے کی جانب رکھا جائے اس طرح کہ میت کا سر قبر کی جانب ہو،اور قبر میں جو آدمی داخل ہوا ہے وہ میت کے سر کو پکڑ کر قبر کی طرف کھینچے اور قبر میں رکھے۔ کیونکہ بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو اسی طریقے سے قبر میں داخل کیا گیا تھا۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ و ســل الـميت من قبل رأسه و ذالک أن يوضع رأس سريره عند رجل القبر ، ثم يسل سلا ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ،باب الدفن،ج ثالث،ص۴۰۶،نمبر۳۲۴۵)اس عبارت میں ہے کہ میت کو پائنتی کی جانب رکھا جائے اور اس کو سر کا کر قبر میں داخل کیا جائے

وجه : (١)ان کی دلیل حدیث ہے ۔عن ابی اسحاق قال اوصی الحارث ان يصلی عليه عبد الله بن يزيد فصلی عليه ثم ادخله القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة. (ابوداؤد شریف،باب کیف یدخل المیت قبرہ ص۱۰۲ نمبر۳۲۱۱/ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی ادخال المیت القبر ،ص۲۲۱،نمبر۱۵۵۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کی پائنتی کی جانب سے داخل کیا جائے۔(٢)اس حدیث میں ہے۔جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا . عن ابن عباسؓ قال : سل رسول الله ﷺ من قبل رأسه ۔(سنن بیہقی،باب من قال یسل المیت من قبل رجل القبر ،ج رابع ،ص۹۰،نمبر۷۰۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو سر کی طرف سے سر کا کر قبر میں داخل کیا گیا،اس لئے یہ سنت ہے۔۔سل : کا معنی ہے سرکانا، کھینچنا۔

ترجمہ: ٢ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قبلہ کی جانب معظم ہے اسلئے اس جانب سے قبر میں داخل کرنا مستحب ہے۔

تشریح : حدیث کے علاوہ یہ دلیل عقلی ہے کہ،قبلہ کی جانب عظمت اور احترام کی چیز ہے اسلئے اس جانب سے میت کو قبر میں داخل کرنا مستحب ہوگا۔باقی رہی احادیث تو اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ کو قبلے کی جانب سے قبر میں داخل کیا گیا تھا اسلئے احادیث دونوں جانب ہیں اسلئے قبلے کی جانب کو ترجیح دینا زیادہ بہتر ہے۔۔اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

۳؎ واضطربت الروايات فى ادخال النبى صلى الله عليه وسلم (۷۲۹) فاذا وضع فى لحده يقول واضعه بسم الله وعلىٰ ملة رسول الله ﴾ ا؎ كذا قاله رسول الله حين وضع ابا دجانة فى القبر (۷۳۰) ويوجه الى القبلة ﴾ ا؎ بذلك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم .

ترجمه: ۳؎ حضورؐ کوقبر میں داخل کرنے کے روایات مختلف ہیں [اسلئے قبلے کی جانب والی حدیث کو لینا بہتر ہے]

تشریح: حضورؐ کوقبر میں کس طرح اتارا گیا اسکے لئے دونوں طرح کی روایتیں اوپر گزریں اس لئے روایتیں مضطرب ہو گئیں، اسلئے قبلے کی جانب والی حدیث پر عمل کرنا بہتر ہے۔حنفیہ اسی پر عمل کرتے ہیں، اوراس میں آسانی بھی ہے۔

ترجمه: (۷۲۹) پس جب قبر میں رکھے تو رکھنے والا کہے۔ بسم الله و على ملة رسول الله.

وجه: (۱) عن ابن عمر ان النبى ﷺ اذا ادخل الميت القبر.... قال مرة بسم الله وبالله و على ملة رسول الله وقال مرة وباسم الله و بالله وعلى سنه رسول الله ﷺ ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء مایقول اذا ادخل المیت قبر، ص۲۰۲ نمبر ۱۰۴۶/ابوداؤد شریف، باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ ج ثانی ص۱۰۲ نمبر ۳۲۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر میں رکھنے والا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ پڑھے۔

ترجمه: ا؎ حضورؐ نے ایسے ہی کہا جب حضرت ابو دجانہؓ کو قبر میں رکھ رہے تھے۔

تشریح: اس عبارت میں اوپر والی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔۔اور حضرت ابو دجانہ تو حضورؐ کے بعد یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے ہیں۔اس لئے ابو دجانہؓ کے دفن کرتے وقت یہ پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمه: (۷۳۰) اورمیت کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیردے۔

ترجمه: ا؎ حضورؐ نے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

وجه: (۱)زندگی میں قبلہ کی طرف نماز پڑھتا رہا اب موت کے بعد بھی قبلہ ہی کی طرف چہرہ ہو(۲)صاحب ھدایہ اس حدیث کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔ان رجلا سأله فقال يا رسول الله ﷺ ما الكبائر ؟ قال هن تسع فذكر معناه وزاد وعقوق الوالدين المسلمين واستحلال البيت الحرام قبلتكم احياء و امواتا. (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷۵/سنن للبیھقی ، باب ماجاء فی استقبال القبلۃ بالموتی ج ثالث ص ۵۷۳،نمبر ۶۷۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو بھی قبلہ کی طرف لٹایا جائے۔(۳)زندگی میں سوتے وقت یہ مستحب تھا کہ دائیں کروٹ ہوکر قبلہ کی طرف منہ کرکے سوئے اب موت کے بعد ہمیشہ کے لئے سونا ہے تو اس میں بھی قبلہ ہی کی طرف منہ کرکے سوئے،حدیث یہ ہے۔. عن البراء بن عازب قال : قال لى النبى ﷺ اذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوئك

(۷۳۱) **یحل العقدة** ﴾ ۱ لوقوع الامن من الانتشار (۷۳۲) **ویُسوّی اللبن علی اللحد** ﴾ ۱ لانه صلی الله علیه وسلم جعل علی قبره اللبن

للصلاة ثم اضطجع علی شقک الأیمن ثم قل ۔(بخاری شریف، باب فضل من بات علی الوضوء، ص ۴۵، نمبر ۲۴۷ رمسلم شریف، باب الدعاء عند النوم، ص ۱۱۷۷، نمبر ۲۷۱۰ / ۶۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ دائیں پہلو پر سوئے، چونکہ زندگی میں یہ بہتر ہے اسلئے مرنے کے بعد بھی یہی بہتر ہوگا ۔(۴) اس اثر میں ہے کہ. سألت الشعبی ....لکن اجعل القبر الی القبلة، قبر رسول الله ﷺ و قبر بکر و قبر عمر الی القبلة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب غسل المرء اذا حضره الموت وحروف المیت الی القبلة، ج ثالث، ص ۲۴۲، نمبر ۶۰۸۳) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ کی قبر اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی قبر قبلے کی طرف ہیں۔

ترجمہ: (۷۳۱) گرہ کھول دے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اب کفن کھلنے کا خطرہ نہیں رہا۔

تشریح: کفن دیتے وقت کھلنے کا خطرہ ہوتو گرہ لگانے کے لئے کہا تھا۔ اب قبر میں میت کو لٹانے کے بعد کفن کے گرہ کھول دے

وجہ: (۱) کیونکہ اب کفن کھلنے کا خطرہ نہیں ہے (۲) اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔حدثنا مولاہ معقل بن یسار لما وضع رسول الله ﷺ نعیم بن مسعود فی القبر نزع الأخلة بفیه ۔(نمبر ۶۷۱۴) مات ابن لسمرة و ذکر الحدیث قال : فقال : انطلق به الی حفرته فاذا وضعته فی لحده فقل بسم الله و علی سنة رسول الله ﷺ ثم أطلق عقد رأسه و عقد رجلیه ۔(سنن بیہقی، باب عقد الاکفان عند خوف الانتشار وحلها اذا أدخلوه القبر، ج ثالث، ص ۵۷۱، نمبر ۶۷۱۵) اس حدیث میں ہے کہ منہ سے گرہ کھولا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کفن کھلنے کا خوف ہوتو گرہ باندھنا بھی مستحب ہے ۔(۳) اس اثر میں ہے۔عن ابراھیم قال اذا ادخل المیت القبر حل عنه العقد کلھا (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۰، ما قالوا فی حل العقد عن المیت ج ثالث ص ۱۷، نمبر ۱۱۶۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفن کی گرہ کھول دی جائے۔

ترجمہ: (۷۳۲) اور لحد میں کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ حضورؐ کی قبر پر کچی اینٹیں لگائی گئیں تھیں۔

تشریح: لحد کے دائیں کنارے میں میت کو رکھ دی جاتی ہے اس لئے لحد کے منہ پر کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے جس سے لحد کا منہ بند ہو جائے۔ اس لئے کہ حضورؐ کی قبر پر کچی اینٹیں ڈالی گئیں تھیں۔

وجہ: اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۱)۔ ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضه الذی ھلک فیه الحدوا لی لحدا

(۷۳۳) ويُسَجّى قبر المرأة بثوب حتى يجعل اللبن على اللحد ولا يسجىّ قبرالرجل ﴾ ۱؎ لان مبنى حالهن على الستر ومبنى حال الرجال على الانكشاف (۷۳۴) ويكره الأجر والخشب ﴾

وانصبوا على اللبن نصبا كما صنع برسول الله ﷺ (مسلم شریف، کتاب الجنائز، باب فی اللحد ونصب اللبن علی المیت ص۳۸۹نمبر۹۶۶/۲۲۴۰) (۲) قال علی بن ابی طالب ؓ غسلت رسول الله ﷺ .....و لحد رسول الله ﷺ لحدا و نصب علیه اللبن نصبا ۔(متدرک للحاکم، کتاب الجنائز، ج اول، ص۵۱۵،نمبر۱۳۳۹)ان حدیثوں میں ہے کہ حضورؐ کی قبر پر کچی اینٹ ڈالی گئی (۳) عن علی ابن حسین انهم علی قبر رسول الله ﷺ نصبوا اللبن نصبا (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۹، فی اللبن ینتصب علی القبر اویبنی بناء ج ثالث ص۲۳،نمبر۱۱۷۲۹)اس اثر سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد میں کچی اینٹ ڈالی جائے۔

ترجمه: (۷۳۳) عورت کی قبر کو کپڑے سے پردہ کرلیا جائے، یہاں تک کہ کچی اینٹیں لحد پر لگائی جائیں، اور مرد کی قبر پر پردہ نہ کیا جائے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ عورتوں کا حال پردہ پر مبنی ہے اور مردوں کا حال کشف اور کھلنے پر مبنی ہے۔

تشریح : جب عورت کو قبر میں رکھے تو اسکی قبر کو بہتر یہ ہے کہ کسی کپڑے سے پردہ کرلیا جائے اور جب تک لحد میں اسکی لاش کو کچی اینٹ سے چھپا نہ دیا جائے اس وقت تک پردہ کئے رکھے، تا کہ اسکی لاش کو کوئی نہ دیکھے، کیونکہ وہ زندگی میں مردوں سے پردہ کرتی رہی تو مرنے کے بعد بھی اسکی لاش کو اجنبی مردوں سے پردے میں رکھی جائے۔لیکن مرد زندگی میں پردہ نہیں کرتا تھا اسلئے مرنے کے بعد بھی اسکی قبر کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس کا معاملہ کھلے رہنے پر ہے اور کشف پر ہے۔۔سجی: کا معنی ہے کپڑے سے پردہ کرنا۔کشف: کا معنی کھلنا۔

وجه : (۱)اس اثر میں اس کا ثبوت ہے ۔عن ابی اسحاق قال شهدت جنازة الحارث فمدوا علی قبره ثوبا فکشفه عبد الله بن یزید قال : انما هو رجل . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب۱۱۹، ما قالوا فی مد الثوب علی القبر ،ج ثالث،ص ۱۷،نمبر۱۱۶۶۳رمصنف عبد الرزاق، باب ستر الثوب علی القبر ،ج ثالث،ص۳۲۳،نمبر۶۵۰۳)اس اثر میں ہے کہ مرد کی قبر کو پردہ نہیں کیا جائے گا۔اور اس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ عورت کی قبر کو پردہ کیا جائے گا۔

ترجمه: (۷۳۴) مکروہ ہے پکی اینٹ اور لکڑی۔

تشریح: قبر بوسیدہ ہونے اور ویران ہونے کے لئے ہے۔اس لئے اس پر ایسی چیزیں بنانا جو دیرپا ہو اور آگ سے پکی ہو وہ مکروہ ہے۔اس لئے پکی اینٹیں دینا مکروہ ہے۔کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور دیرپا ہوتی ہے۔اسی طرح مضبوط قسم کا تختہ دینا یا

ل لانهما لاحكام البناء والقبر موضع البلى ثم بالأجر اثر النار فيكره تفاؤل (۷۳۵) ولا باس بالقصب ﴾ ل وفى الجامع الصغير ويستحب اللبن والقصب لانه صلى الله عليه وسلم جُعل على قبره طُنٌّ من قصب

لکڑی مکروہ ہے کیونکہ وہ دیر پار ہتا ہے۔ البتہ بانس چونکہ دیر پانہیں ہے اس لئے وہ جائز ہے۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے .عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبر وان يقعد عليه وان يبنى عليه (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی النہی عن تجصیص القبور ص۳۱۲ نمبر ۹۷۰/ابوداؤد شریف، باب فی البناء علی القبر ج ثانی ص۱۰۴ نمبر ۳۲۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر پر پکی اینٹ اور تختہ نہ دیا جائے، اس پر کوئی بنیاد نہ بنائی جائے، اور نہ چونے گچ سے مضبوط کی جائے (۲)۔عن ابراهيم قال كانوا يستحبون اللبن و يكرهون الآجر ويستحبون القصب ويكرهون الخشب ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷، فی تجصیص القبر والآجر یجعل لہ ج ثالث ص ۲۷، نمبر ۱۱۷۶۹) اس اثر سے بھی مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

لغت: الآجر : پکی اینٹ، خشب : لکڑی، القصب : بانس۔البلی :بوسیدہ ہونا،گلنا۔ تفاول:بدفالی لینا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ پکی اینٹ اور لکڑی بنیاد کو مضبوط کرنے کے لئے ہے اور قبر گلنے کی جگہ ہے۔پھر پکی اینٹ میں آگ کا اثر ہے،اس لئے بدفالی کے طور پر مکروہ ہے۔

تشريح : پکی اینٹ اور لکڑی کے مکروہ ہونے کی دلیل عقلی ہے۔کہ لکڑی اور پکی اینٹ بنیاد کی مضبوطی کے لئے ہے اور قبر مضبوطی کی جگہ نہیں ہے بلکہ وہ گلنے اور سڑنے کی جگہ ہے اسلئے مضبوط لکڑی اور پکی اینٹ نہیں دینی چاہئے، پھر دوسری بات یہ ہے کہ پکی اینٹ آگ سے پکی ہے اسلئے اس میں آگ کا اثر ہے اس لئے اس میں بدشگونی ہے کہ صاحب قبر کے ساتھ عذاب والی چیز رکھی جا ئے،اس لئے یہ مکروہ ہے۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے. عن سويد بن غفلة قال : اذا أنا مت فلا تؤذنوا بى أحدا و لا تقربونى جصا و لا آجرا و لا عودا و لا تصحبنا امرأة . ـ(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷، فی تجصیص القبر والآجر یجعل لہ ج ثالث ص ۲۷، نمبر ۱۱۷۶۶) اس اثر میں ہے کہ لکڑی اور پکی اینٹ قبر کے قریب نہ کی جائے۔

ترجمه: (۷۳۵) اور بانس کے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه: ل اور جامع صغیر میں ہے کہ کچی اینٹ اور بانس دینا مستحب ہے،اس لئے کہ حضورؐ کی قبر پر بانس کا گٹھا استعمال کیا ہے۔

تشريح : بانس اتنا مضبوط نہیں ہوتا اس لئے قبر پر اس کو رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔حدیث مرسل میں ہے کہ حضورؐ کی قبر میں

(۷۳۶) ثم يهال التراب ويسَنّم القبر ولا يُسطّح ﴾ ل اى لا يُربّع لانه صلى الله عليه وسلم نهى عن تربيع القبور

بانس استعمال ہوا ہے۔۔حدیث مرسل یہ ہے. عن الشعبی أن النبی علیہ جعل على لحده طن قصب۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۲۸، ما قالوا فی القصب یوضع عن اللحد، ج ثالث، ص ۲۲، نمبر ۱۱۷۲۲) اس حدیث مرسل میں ہے کہ حضورؐ کی قبر میں بانس استعمال ہوا ہے اسلئے اسکے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲) عن ابی وائل عن عمرو بن شرحبيل أنه قال اطرحوا على طنا من قصب فاني رأيت المهاجرين يستحبون على ما سواه ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۲۸، ما قالوا فی القصب یوضع عن اللحد، ج ثالث، ص ۲۲، نمبر ۱۱۷۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مہاجرین بھی بانس کو ہی پسند فرماتے تھے۔۔طن: بانس کا گٹھا

جامع صغیر کی عبارت یہ ہے. و يكره الآجر على القبر، و يستحب اللبن و القصب ۔(جامع صغیر، باب فی حمل الجنازۃ و الصلوۃ علیہا، ص ۱۱۸) اس عبارت میں ہے کہ بانس اور کچی اینٹ دینا مستحب ہے۔

ترجمه: (۷۳۶) پھر قبر میں مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو ہان نما بنائی جائے۔ اور مسطح نہ ہو یعنی چوکور نہ ہو

تشریح: جس طرح اونٹ کی کوہان ہوتی ہے اسی انداز کی قبر کی شکل بنائی جائے۔لیکن قبر بہت اونچی نہ کی جائے۔البتہ چوکور بنا کر زمین کی سطح کے قریب کی جائے تا کہ کوہان نما اونچی رہے۔

وجه: (۱) عن سفيان التمار قال دخلت البيت الذى فيه قبر النبى علیہ فرأيت قبر النبى علیہ وقبر ابى بكر و عمر مسنمة. (رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۰، ما قالوا فی القبر یسنم ج ثالث، ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۳۴ر بخاری شریف، باب ما جاء فی قبر النبی علیہ وابوبکر وعمر ص ۱۸۶ نمبر ۱۳۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قبر کو ہان نما بنائی جائے۔(۲) قبر اونچی نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے ۔قال لى على الا ابعثک على ما بعثنى عليه رسول الله علیہ ان لا تد ع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا اسويته . (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی طمس التمثال وتسویۃ القبر المشرف ص ۳۱۲ نمبر ۹۶۹ر۲۲۴۳ر ابو داود شریف، باب فی تسویۃ القبر، ص ۴۷۰، نمبر ۳۲۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت ابھری ہوئی قبر کو نیچی کی جائے۔

لغت: یہال: مٹی ڈالی جائے، یسنم: کوہان نما بنائی جائے۔ یسطح: چوکور، زمین کی سطح سے ملی ہوئی۔

ترجمه: ل اس لئے کہ حضورؐ نے قبر کو چوکور بنانے سے منع فرمایا۔

تشریح: چونکہ حضورؐ نے قبر کو چوکور بنانے سے منع فرمایا ہے اس لئے یہ اچھا نہیں ہے۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث مرسل یہ ہے۔ اخبرنا أبو حنيفة قال: حدثنا شيخ لنا يرفعه الى النبى علیہ انه نهى عن تربيع القبور و تجصيصها قال محمد و به نأخذ . (کتاب الآثار امام محمدؒ، باب تسنیم القبور و تجصیصها، ص ۵۲،

۲ ومن شاهد قبره اخبر انه مسنّم.

نمبر۲۵۷)اس اثر میں ہے کہ تربیع کرنے یعنی قبر کو چوکور بنانے سے منع فرمایا۔

۲ اور جس نے آپؐ کے قبر مبارک کو دیکھا تو اس نے یہ دیکھا کہ آپکی قبر کوہان نما ہے

تشریح : آپؐ کی قبر کو دیکھا کہ کوہان نما ہے اسکے لئے پہلے بھی اثر گزرا اور یہ اثر بھی ہے . عن سفیان التمار ، أنه حدثه أنه رأی قبر النبی ﷺ مسنما. (بخاری شریف، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابوبکر وعمر ص ۱۸۶ نمبر ۱۳۹۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۰، ما قالوا فی القبر یسنم ج ثالث، ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۳۳)اس اثر میں ہے کہ آپؐ کی قبر مبارک کوہان نما ہے۔

﴿ باب الشهيد ﴾

(۷۳۷)الشهيد من قتله المشركون اووجد فى المعركة وبه اثر وقتله المسلمون ظلما ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولايغسل ﴾ ۱ لانه فى معنى شهداء احد.

﴿ باب الشہید ﴾

ضروری نوٹ: شہید کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ و لا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله اموات بل أحياء و لكن لا تشعرون (آیت ۱۵۴، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں شہید کا تذکرہ ہے۔ اس شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا جو شہدائے احد کی طرح ہو۔ یعنی کافروں نے ظلماً قتل کیا ہو یا کافروں سے جنگ میں زخم لگنے کے بعد دنیا سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو اور انتقال ہو گیا ہو۔ یا کسی مسلمان نے ہی قتل کیا ہو لیکن اس کے قتل کی وجہ سے دیت، یا عوض مالی یا کوئی معاوضہ بھی نہ لیا جا سکا ہو تا کہ مکمل مظلوم ہو کر مرے۔ ایسا شہید کامل شہید ہے۔ اس کے یہ احکام ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

ترجمہ: (۷۳۷) شہید (کامل) وہ ہے (۱) جس کو مشرکین نے قتل کیا ہو (۲) یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو (۳) یا مسلمان نے ظلماً قتل کیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی دیت لازم نہ ہوئی ہو۔ تو اس کو کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی اور غسل نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ وہ شہداء احد کے معنی میں ہے۔

تشریح: یہاں شہید کی تین تعریفیں ہیں یا تین قسمیں ہیں جو کامل شہید شمار کئے جاتے ہیں۔ [۱] پہلا یہ ہے کہ مشرک نے اس کو قتل کیا ہو۔ [۲] دوسری شکل یہ ہے کہ مشرک نے مکمل قتل تو نہ کیا ہو لیکن میدان جنگ میں زخمی پایا گیا ہو پھر دنیا سے فائدہ اٹھائے بغیر انتقال ہو گیا ہو۔ میدان جنگ میں پایا جانا دلیل ہے کہ اس کو کفار نے قتل کیا ہے۔ [۳] تیسری شکل یہ ہے کہ قتل تو مسلمان نے ہی کیا ہے لیکن قتل اس انداز سے کیا ہے کہ اس کی وجہ سے دیت اور مال لازم نہیں آتا ہے بلکہ قصاص لازم آتا ہے۔ اگر دیت اور مال لازم آتا تو دیت لینے کی وجہ سے ظلم میں کمی واقع ہو گئی اس لئے مکمل مظلوم نہیں رہا اور نہ مکمل شہید ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔ لیکن اگر دیت لازم نہیں ہوئی ہو تو مال نہ لینے کی وجہ سے مکمل مظلوم ہوا۔ اس لئے اب وہ شہدائے احد کے درجہ میں ہوا اس لئے اس کو غسل نہیں جائیگا۔

وجہ: کفن دیا جائے گا اور غسل نہیں دیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے ۔(۱) عن جابر قال النبى ﷺ ادفنوهم فى دمائهم يعنى يوم احد ولم يغسلهم. (بخاری شریف، باب من لم یر غسل الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۶ / ابو داؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اسی کے کپڑے کے ساتھ کفن دیکر

٢ وقال صلی اللہ علیه وسلم فیهم زمّلوهم بکلومهم ودمائهم ولا تغسلوهم

دفن کیا جائے۔اور جو زیادہ ہو اس کو نکال لیا جائے۔اور جو کم ہو اس کا اضافہ کیا جائے۔(٢) اس کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلی احد ان ینزع عنهم الحدید والجلود وان یدفنوا بدمائهم و ثیابهم (ابو داؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن کے لائق جو کپڑے یا چیزیں نہ ہوں ان کو نکال دیئے جائیں اور جو کپڑے کفن کے لائق ہوں وہ ان کے ساتھ ہی رکھے جائیں۔اور کفن میں جو کمی رہ جائے اس کو پوری کی جائے۔

(١) شہید پر نماز پڑھی جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال اتی بهم رسول الله ﷺ یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة و حمزة هو کما هو یرفعون وهو کما هو موضوع. (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوة علی الشهداء و دفنهم ص ٢١٦، نمبر ١٥١٣ / سنن للبیہقی ، باب من زعم ان النبی ﷺ صلی علی شهداء احد، ج رابع ص ١٨، نمبر ٦٨٠٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء احد پر آپؐ نے نماز پڑھی (٢) نماز ترقی درجات کے لئے اور استغفار کے لئے ہے۔اور یہ بچوں اور نبی کے لئے بھی جائز ہے۔اس لئے شہید کے لئے بھی کیا جائے (٣) خود بخاری میں اس حدیث میں موجود ہے۔ عن عقبة بن عامر ان النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی اهل احد صلواته علی المیت ثم انصرف الی المنبر (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشہید ص ٩٧١ نمبر ١٣٤٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔مصنف عبد الرزاق، باب الصلوۃ علی الشہید وغسلہ ج ثالث ص ٦٥٣ نمبر ٦٦٦٧ / ٦٦٦٦ میں شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں تفصیل موجود ہے. فلیراجع ! (٤) عن عقبة بن عامر الجهنی : أن النبی ﷺ صلی علی قتلی أحد صلاته علی المیت . (مستدرک حاکم، کتاب الجنائز، ج اول، ص ٥٢٠، نمبر ١٣٥٢) اس حدیث میں ہے کہ میت پر جس طرح نماز پڑھتے ہیں اسی طرح شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔

اصول : مکمل مظلوم مقتول شہید کامل ہے۔

ترجمہ: ٢ آپؐ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا کہ انکو انکے خون اور انکے زخموں کے ساتھ لپیٹ دو اور انکو غسل مت دو۔

تشریح : کامل شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا اور انکے خون اور زخموں کے ساتھ لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔اس بارے میں اوپر کئی حدیثیں گزر گئیں۔البتہ صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے۔ عن ابی صعیر أن النبی ﷺ أشرف علی قتلی أحد فقال : انی قد شهدت علی هؤلاء فزملوهم بدمائهم و کلومهم ۔(سنن بیہقی باب المسلمون یقتلهم المشرکون فی المعرکة ۔الخ، ج رابع، ص ١٧، نمبر ٦٨٠٠) اس حدیث میں ہے کہ انکے زخموں اور خون کے ساتھ لپیٹ دو۔۔زملوا: معنی لپیٹ دو۔ کلوم: کلم سے مشتق ہے، زخم۔

٣ فكل من قتل بالحديد ظلما وهو طاهر بالغ ولم يجب به عوض مالي فهو في معناهم فيلحق بهم.

ترجمہ: ٣ اسلئے ہر وہ شخص جوظلما قتل کیا گیا ہو اور وہ پاک بھی ہو اور بالغ بھی ہو اور اسکے بدلے میں کوئی مالی عوض واجب نہ ہوا ہو تو وہ بھی شہداء احد کے معنی میں ہے تو انہیں کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

تشریح : کامل مظلوم کون ہے اور کون شہداء احد کے معنی میں ہے جسکو غسل نہ دیا جائے اس سلسلے میں اس عبارت میں چار باتیں بیان فرما رہے ہیں ۔

[۱] مشرکین نے میدان جنگ میں قتل کیا ہو تو چاہے کسی چیز سے قتل کیا ہو وہ شہداء احد کے درجے میں ہے اسکو غسل نہ دیا جائے۔

[۲] لیکن اگر شہید جنبی یا حائضہ ہو تو اگر چہ وہ شہداء احد کے درجے میں ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل دیا جائے گا اسلئے کہ حضرت حنظلہؓ جنبی ہو کر میدان احد میں شہید ہوئے تھے تو فرشتوں نے انکو غسل دیا تھا اسلئے غسل نہ دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پاک ہو

[۳] دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بالغ اور عاقل ہو۔ کیونکہ شہادت گناہ کو پاک کرتی ہے اسلئے غسل نہیں دیا جاتا ہے، اور بچے اور مجنون پر کوئی گناہ ہی نہیں ہے اسلئے پاک کس چیز کو کرے گی ! اسلئے اسکو غسل دیا جائے گا، اس لئے بالغ ہو تو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس بارے میں صاحبین کا اختلاف ہے جو آگے آ رہا ہے۔

[۴] **و لم يجب به عوض مالي :** اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس قتل کے بدلے میں مالی عوض لازم نہ ہوا ہو۔ قتل کی چار صورتیں ہیں

(۱) قتل عمد: دھار دار چیز سے جان بوجھ کر قتل کرنا۔ اس میں قاتل کو قصاص اور بدلے میں قتل کیا جاتا ہے، یہ قتل کیا جانا مقتول کے ورثہ کا نہیں بلکہ شریعت کا حق ہے اس میں قتل کیا جا رہا ہے اس لئے مقتول کے ورثہ کو کچھ مال نہیں ملا اس لئے وہ مکمل مظلوم ہوا اور مقتول شہداء احد کے درجے میں ہوا اس لئے اس کو غسل نہیں دیا جائے گا بشرطیکہ پاک ہو۔ (۲) دوسرا ہے قتل شبہ عمد: مارا تو جان بوجھ کر لیکن ایسے ہتھیار سے نہیں مارا جس سے عام طور پر آدمی مر ہی جاتا ہو بلکہ ایسے ہتھیار سے مارا جس سے عام طور پر آدمی مرتا نہ ہو لیکن مر گیا تو یہ قتل شبہ عمد ہے۔ اس صورت میں قاتل پر قصاص نہیں ہے، بلکہ اس پر دیت ہے اور عوض مالی سو اونٹ ہے۔ چونکہ اس صورت میں مقتول کے ورثہ نے مال لیا اس لئے ظلم کم ہو گیا اور کامل شہید نہیں رہا، اس لئے اس صورت میں مقتول کو غسل دیا جائے گا۔ (۳) تیسری صورت قتل خطاء کی ہے: یعنی ہتھیار سے مار رہا تھا کسی اور کو لیکن غلطی سے اس کو لگ گیا اور مر گیا تو یہ قتل خطاء ہے، اس میں دیت یعنی سو اونٹ لازم ہوتا ہے، اس لئے اس میں بھی ظلم کم ہو گیا، اس لئے غسل نہیں دیا جائے گا۔ (۴) چوتھی صورت قتل شبہ خطاء کی ہے: اسکی صورت یہ ہے کہ مثلا ماں بچے کو لیکر سو رہی تھی اور سوئے ہوئے میں بچے کو داب دیا جس سے بچہ مر گیا، یہ قتل شبہ خطاء ہے، اس صورت میں بھی دیت لازم ہوتی ہے، اور مال وصول کرنے کی وجہ سے ظلم کم ہو گیا اس لئے مقتول کو غسل دیا جائے گا

۴ والمراد بالاثر الجراحة لانه دلالة القتل وكذا خروج الدم من موضع غير معتاد كالعين ونحوه
۵ والشافعي يخالفنا في الصلوٰة ويقول السيف مَحَّاء للذنوب فاغنى عن الشفاعة

۔۔مصنفؒ نے یہ جوفرمایا کہ عوض مالی لازم نہ آتا ہواس سے یہ آخری تین صورتیں مراد ہیں جن میں قتل کرنے کی وجہ سے دیت یعنی مالی عوض لازم ہوتا ہے جس سے ظلم کم ہوگیا اور شہداء احد کے درجے میں نہیں رہا جس کی وجہ سے مقتول کو غسل دیا جائے گا۔اور قتل کی پہلی صورت یعنی قتل عمد کی شکل میں دیت لازم نہیں ہوتی ہے اس میں ظلم مکمل ہے اسلئے شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا چاہے اس کو قتل کر نے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔

ترجمہ: ۴ اور متن میں اثر سے مراد زخم ہے،اس لئے کہ وہ قتل کی علامت ہے۔ایسے ہی ایسی جگہ سے خون نکلنا جہاں سے خون نکلنے کی عام طور پر عادت نہیں ہے۔جیسے آنکھ یا اس طرح کی کوئی اور جگہ۔

تشریح : متن میں ایک لفظ تھا[اثر]اس سے زخم کا پتہ نہیں چلتا تھا اسلئے مصنفؒ نے تشریح کی کہ اثر سے مراد ایسا زخم ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ آدمی اپنی موت نہیں مرا ہے بلکہ مشرکین کے ساتھ جنگ میں زخم لگنے سے مرا ہے۔یا ایسی جگہ سے خون نکلا جہاں سے عام طور پر خون نہیں نکلتا ہے جیسے آنکھ ہے کہ وہاں سے عام طور پر خون نہیں نکلتا ہے اب آنکھ سے خون نکلا اور مر گیا تو یہ علامت ہے کہ مشرکین کی مار سے مرا ہے۔لیکن اگر ناک سے خون نکلا اور مار کی کوئی علامت نہیں ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ اپنی موت سے مرا ہے مشرکین کی مار سے نہیں مرا، کیونکہ ناک سے بغیر مار کے بھی خون نکلتا ہے، یا منہ سے کسی بیماری سے بھی خون نکلتا ہے اسلئے یہ مار کی علامت نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مشرکین کی مار کی علامت ہو تو شہید شمار کیا جائے گا اور علامت نہ ہو تو شہید شمار نہیں کیا جائے گا۔

لغت : جراحۃ :زخم۔موضع غیر معتاد: ایسی جگہ جہاں سے عادۃ خون نہ نکلتا ہو۔عین: آنکھ۔

ترجمہ: ۵ اور امام شافعیؒ نماز کے بارے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے اس لئے سفارش کرنے سے بے نیاز کر دیا۔

تشریح : شہید کامل کو کفن دے اور غسل نہ دے اس بارے میں سب متفق ہیں،البتہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ نماز پڑھی جائے۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے. قال الشافعیؒ : اذا قتل المشركون المسلمين فى المعترك لم تغسل القتلى ، و لم يصل عليهم ، و دفنوا بكلومهم و دمائهم . (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب مایفعل بالشہید، ج ثالث،ص ۳۶۸،نمبر ۳۰۴۹)اس عبارت میں ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے۔

وجہ :(۱)انکی دلیل عقلی جو مصنفؒ نے بیان کی ہے یہ ہے کہ نماز جنازہ میت کے گناہوں کی شفاعت کے لئے ہے اور تلوار کی مار

٦ ونحن نقول الصلوٰة على الميت لاظهار كرامته والشهيد اولى بها ٧ الطاهر عن الذنوب لايستغني عن الدعاء كالنبي والصبي (۴۳۸) ومن قتله اهل الحرب او اهل البغي او قطاع الطريق فباي شئ قتلوه لم يغسل ﴾

نے اسکے گناہ کو مٹا دیا اس لئے اب اسکی سفارش کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اسکی نماز جنازہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں رہی ۔ موسوعہ میں اتنی سی عبارت ہے۔و استغنوا بكرامة الله جل و عز لهم عن الصلاة لهم ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب مایفعل بالشھید، ج ثالث،ص ۳۶۹،نمبر ۳۰۵۶)اس عبارت میں ہے کہ اللہ تعالی نے انکو نماز سے بے نیاز کر دیا۔(۲)۔لیکن اصل دلیل یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ شہید کی نماز نہ پڑھی جائے ۔ عن جابر بن عبد الله ... وامر بدفنهم في دمائهم ولم يغسل ولم يصل عليهم . (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشھید ص ۱۷۹نمبر ۱۳۴۳/ابوداؤد شریف، باب فی الشید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ ۔محاء: کا معنی ہے مٹا دینے والا،اور ذنوب کا معنی ہے، گناہ۔

نوٹ: ہمارا عمل پہلی احادیث پر ہے۔

ترجمہ: ٦ ہم جواب دیتے ہیں کہ میت پر نماز اسکی کرامت اور عزت کے اظہار کے لئے ہے،اور شہید اس کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: یہ امام شافعی کے استدلال کا ایک جواب ہے، کہ نماز جنازہ میت کے اکرام وعزت کے لئے ہے اور شہید اس اکرام و عزت کا زیادہ مستحق ہے اسلئے شہید پر نماز پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: ٧ اور جو گناہ سے پاک ہے وہ دعا سے مستغنی نہیں ہے جیسے نبی اور بچہ۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو دوسرا جواب ہے۔ کہ نماز جنازہ دعا کے لئے ہے،اور شہید اگر چہ گناہ سے پاک ہو گیا لیکن دعا سے مستغنی تو نہیں ہوا جیسے نبی اور بچہ گناہ سے پاک ہیں لیکن دعاء سے مستغنی نہیں ہیں،اسی لئے ان دونوں پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اسی طرح شہید پر بھی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے

ترجمہ: (۴۳۸) [۱]جسکو حربیوں نے قتل کیا ہو[۲]یا باغیوں نے قتل کیا ہو[۳]یا ڈاکوؤں نے قتل کیا ہو تو جس طریقے سے بھی قتل کیا ہو غسل نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: پہلے یہ تھا کہ کافروں نے میدان جنگ میں قتل کیا ہو تو وہ شہید کامل ہے،اب اور تین قسم کے آدمی قتل کرے تو اس کا حکم بیان کیا جا رہا ہے۔[۱] حربیوں کا مطلب ہے جو مشرک دار الحرب میں رہتا ہو،اور حربیوں کے قتل کا مطلب یہ ہے کہ حربیوں نے

ل لان شهداء احد ما کان کلهم قتیل السیف والسلاح

میدان جنگ میں قتل نہ کیا ہو بلکہ انفرادی طور پر کہیں مسلمان کو پایا اور قتل کر دیا تو وہ بھی شہید کامل ہے اور غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اسکے بدلے مالی معاوضہ نہیں ہے اسلئے ظلم کامل ہوا اسلئے غسل نہیں دیا جائے گا۔ (۲) اسکے لئے اثر یہ ہے۔ عن ابی اسحاق أن رجلا من اصحاب عبد الله قتله العدو و قد دفناه فی ثیابه ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۷، نمبر ۱۰۹۹۵) اس اثر میں ہے کہ دشمن نے قتل کیا تو غسل نہیں دیا گیا تو کافر اور دار الحرب کے رہنے والے نے قتل کیا تو بدرجہ اولی غسل نہیں دیا جائے گا۔

[۲] اھل بغی کا ترجمہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی حکومت ہو اور اسکے خلاف کچھ مسلمان ہی بغاوت کرے اور جنگ کرے اور اس جنگ میں حکومت کے لوگ جو حق پر ہیں وہ قتل ہو جائیں تو انکو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔

وجه : (۱) یہاں بھی اس سے مالی عوض نہیں لیا جا سکے گا، اس لئے کامل ظلم ہوا اسلئے غسل نہیں دیا جائے گا (۲) یہ اثر اس کا ثبوت ہے ۔ قال زید بن صوحان یوم الجمل : ارمسونی فی الارض رمسا و لا تغسلوا عنی دما و لا تنزعوا عنی ثوبا الا الخفین فانی محاج احاج . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۷، نمبر ۱۰۹۹۷ / سنن بیہقی، باب ما ورد فی المقتول بسیف اھل البغی، ج رابع، ص ۲۶، نمبر ۶۸۲۴) جنگ جمل میں دونوں طرف صحابہ تھے اسکے باوجود زید ابن صوحان نے کہا کہ مجھے غسل مت دو جس سے معلوم ہوا کہ باغی بھی قتل کرے تو غسل نہیں دیا جائے گا ۔ (۳) عن یحی بن عابس و عن عمار قال ادفنونی فی ثیابی فانی مخاصم ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۶، نمبر ۱۱۰۰۱ / سنن بیہقی، باب ما ورد فی المقتول بسیف اھل البغی، ج رابع، ص ۲۶، نمبر ۶۸۲۳) یہ حضرت عمارؓ بھی جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے جنہوں نے فرمایا کہ میرے کپڑے میں مجھے دفن کر دو اور مجھے غسل مت دو، حالانکہ دونوں طرف جنگ جمل میں صحابہ تھے۔

[۳] قطاع الطریق : کا ترجمہ ہے، راستے کاٹنے والا، یہاں مراد ہے ڈاکو، کیونکہ وہ بھی راستہ کاٹنے والا ہے۔ اگر ڈاکو نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اس سے بھی مالی عوض نہیں لیا جا سکے گا اس لئے ظلم کامل ہوا اسلئے غسل نہیں دیا جائے گا۔

وجه : (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے. عن عامر فی رجل قتلته اللصوص قال : یدفن فی ثیابه و لا یغسل . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۸، نمبر ۱۱۰۰۴ / مصنف عبد الرزاق، باب الصلاۃ علی الشھید وغسلہ، ج ثالث، ص ۳۵۷، نمبر ۶۶۷۷) اس اثر میں ہے کہ چور نے قتل کیا ہو تو غسل نہیں دیا جائے گا، اس لئے ڈاکوؤں نے قتل کیا ہو تو غسل نہیں دیا جائے گا۔

ترجمه: ل اسلئے کہ احد کے سبھی شہداء تلوار اور ہتھیار سے قتل نہیں کئے گئے تھے۔

(۴۳۹) واذا استشهد الجنب غسل عند ابی حنیفة ﷺ ۱؎ وقالا: لا يغسل لان ماوجب بالجنابة سقط بالموت والثانی لم یجب للشهادة

تشریح : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حربی لوگ، مسلمان باغی، اورڈاکو کسی چیز سے بھی قتل کرے چاہے دھاردار ہتھیار ہو یا اینٹ پتھر ہو مقتول کو غسل دیا جائے گا، کیونکہ یہ شہداء احد کے درجے میں ہے، اور شہداء احد کو صرف دھاردار ہتھیار سے قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اینٹ پتھر وغیرہ سے بھی مار کر ہلاک کیا تھا پھر بھی غسل نہیں دیا گیا، اس لئے ان لوگوں کو بھی غسل نہیں دیا جائے گا۔ سلاح :ہتھیار۔

ترجمه: (۴۳۹) جنبی اگر شہید ہو جائے تو غسل دیا جائے گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

وجه: (۱) امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس لئے غسل دیا جائے گا کہ اگر چہ وہ شہید ہے لیکن غسل جنابت واجب ہے اس لئے غسل جنابت دیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت حظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ جنبی تھے۔ حدیث میں ہے **حدثنی یحیی بن عباد بن عبدالله ... حنظلة بن ابی عامر قال فقال رسول الله ان صاحبكم تغسله الملائكة فاسئلوا صاحبته فقالت خرج وهو جنب لما سمع الهائعة فقال رسول الله ﷺ لذلک غسلته الملائكة** (سنن للبیہقی ، باب الجنب یستشهد فی المعرکة ج رابع ص ۲۲، نمبر ۶۸۱۴، کتاب الجنائز/مستدرک حاکم، ذکر مناقب حظلة بن عبداللہ، ج ثالث ص ۲۲۵، نمبر ۴۹۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت حظلہ جنبی تھے اور فرشتوں نے ان کو غسل دیا اسلئے حنفیہ کے نزدیک جنبی شہید کو غسل دیا جائے گا۔

ترجمه: ۱؎ اور صاحبین نے فرمایا کہ غسل نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے کہ جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا تھا وہ موت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ اور شہادت کی وجہ سے موت کا غسل واجب نہیں ہوا۔

تشریح : صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ جنابت، یا حیض، یا نفاس کی حالت میں جو آدمی شہید ہوا ہو اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ موت کے بعد آدمی جنابت کے غسل کرنے کا مکلّف نہیں رہا اسلئے موت کی وجہ سے جنابت یا حیض کا غسل اس سے ساقط ہو گیا، اور موت کی وجہ سے جو غسل واجب ہونا تھا وہ شہادت کی وجہ سے واجب ہی نہیں ہوا، اسلئے اسکو غسل نہ دیا جائے (۲) اصل میں تو وہ احادیث ہیں جن میں ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے. **عن جابر بن عبد الله ... وامر بدفنهم فی دمائهم ولم يغسل ولم يصل عليهم** . (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۳ / ابو داؤد شریف، باب فی الشید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث میں جنبی اور غیر جنبی سب عام ہیں کہ کسی شہید کامل کو غسل نہ دیا جائے، اس لئے جنبی، حائضہ اور نفساء شہید کو بھی غسل نہ دیا جائے۔ (۳) یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے انسان کو حکم نہیں دیا کہ حضرت حظلہؓ کو غسل دے، صرف فرشتوں نے دیا جو انسانی تکلیفات میں نہیں آتا۔

۲ ولابی حنیفۃؒ ان الشهادة عرفت مانعة غير رافعة فلا ترفع الجنابة. ۳ وقد صح ان حنظلة لما استشهد جنبا غسلته الملائكة ۴ وعلیٰ هٰذا الخلاف الحائض والنفساء اذا طهرتا ۵ وكذا قبل الانقطاع في الصحيح من الرواية

ترجمه: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت روکنے والی چیز تو ہے، اٹھانے والی چیز نہیں ہے، اسلئے جنابت کو اٹھائے گی نہیں۔

تشریح: جنبی شہید کو غسل دینے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ ایک ہے موت کی وجہ سے آنے والے غسل کو آنے سے روکنا، اسکو کہتے ہیں، مانع۔ شہادت کا یہ کام ہے کہ موت کی وجہ سے جو غسل آنے والا تھا اس کو روک دے اور وہ غسل لازم نہ ہو۔ لیکن جو غسل جنابت کی وجہ سے پہلے سے لازم ہو چکا ہے اسکو اٹھانا شہادت کا کام نہیں ہے۔ جسکو، رافع۔ کہتے ہیں، اس لئے جنابت کا غسل اٹھے گا نہیں وہ دینا ہوگا۔ جیسے شہید کے کپڑے پر نجاست لگ گئی ہو تو اسکو دھونا پڑے گا۔ اسی طرح جنابت کا غسل بھی دینا ہوگا۔

وجه: اس اثر میں دو غسل واجب ہونے کا تذکرہ ہے۔ عن الحسن قال : اذا مات الجنب قال : يغسل غسلا لجنابته و يغسل غسل الميت و كذالک قوله في الحائض اذا طهرت ثم ما تت قبل أن تغسل. (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳۲، فی الجنب والحائض یموتان مایصنع بھما، ج ثانی، ص ۴۵۹، نمبر ۱۱۰۱۷) اس اثر میں ہے کہ جنبی اور حائضہ اور نفساء پر دو غسل ہیں، ایک جنابت کی وجہ سے اور دوسری موت کی وجہ سے۔

ترجمه: ۳ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت حنظلہؓ جب جنبی شہید ہوئے تو فرشتوں نے انکو غسل دیا۔

تشریح: یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمه: ۴ اسی اختلاف پر ہے حیض والی اور نفاس والی عورتیں ہیں جبکہ وہ پاک ہو چکی ہوں۔

تشریح: حیض والی عورت پاک ہوگئی یا نفاس والی عورت پاک ہوگئی جس کی وجہ سے غسل واجب ہوا، لیکن ابھی غسل بھی نہ کر پائی تھی کہ شہید ہوگئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں عورتوں کو غسل دی جائے گی، کیونکہ اس پر جنابت کی طرح پہلے سے غسل واجب ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان پر غسل واجب نہیں کیونکہ شہید پر غسل واجب نہیں ہے۔ باقی دلائل اوپر گزر گئے۔

ترجمه: ۵ ایسے ہی اختلاف ہے خون کے منقطع ہونے سے پہلے، صحیح روایت میں۔

تشریح: حیض والی عورت حیض میں ہو ابھی خون ختم نہ ہوا ہو، اسی طرح نفاس والی عورت کا خون ختم نہیں ہوا ہو اور اسی حالت میں شہید ہوگئی ہو تو اس پر غسل واجب ہے۔۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مرنے کی وجہ سے خون بند ہو گیا تو گویا کہ خون منقطع ہو گیا اور خون منقطع ہونے کی وجہ سے غسل واجب ہوتا ہے اس لئے اس شہید پر غسل واجب ہوگا۔ حضرت کی صحیح روایت یہی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ

۶ وعلیٰ هذا الخلاف الصبی لهما ان الصبی احق بهذه الکرامة ۷ وله ان السیف کفیٰ عن الغسل فی حق شهداء احد بوصف کونه طهرة ولاذنب علی الصبی فلم یکن فی معناهم (۷۴۰) ولا یغسل عن الشهید دمه ولا ینزع عنه ثیابه ﴾

موت کے وقت خون منقطع نہیں ہوا ہے اس لئے موت کے وقت غسل واجب نہیں ہوا، اور جب موت کے وقت غسل واجب نہیں ہوا تو شہادت کے بعد بھی غسل واجب نہیں ہوگا۔ ۔صاحبینؒ کے یہاں ان صورتوں میں بھی شہید عورت پر غسل واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ اسی اختلاف پر بچہ ہے۔صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچہ اس کرامت کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح : بچہ شہید ہو جائے تو اسکو غسل دیا جائے یا نہیں!، اس بارے میں بھی اختلاف ہے۔صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ غسل نہیں دیا جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بچہ شہید ہو جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا۔

وجہ : صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ بالغ شہید کو جو غسل نہیں دیا جاتا ہے یہ اسکی عزت اور کرامت کی وجہ سے ہے، اور بچہ بیگناہ ہو نے کی وجہ سے اس عزت اور کرامت کا زیادہ مستحق ہے اس لئے اس کو بھی غسل نہ دیا جائے۔

ترجمہ: ۷ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تلوار شہداء احد کے حق میں غسل سے کافی ہوگئی اس وصف کے ساتھ کہ تلوار گناہوں سے پاک کرنے والی ہے اور بچے پر کوئی گناہ نہیں ہے، اس لئے شہداء احد کے درجے میں نہیں ہوا

تشریح : شہید بچے کو غسل دیا جائے اسکی دلیل عقلی ہے، کہ تلوار نے شہداء احد کے گناہوں کو معاف کر دیا اور انکو پاک کر دیا اور گناہوں سے پاک کرنے کی وجہ سے غسل بھی لازم نہیں ہوا، اور بچہ پر کوئی گناہ ہی نہیں ہے تو تلوار معاف کس چیز کو کرے گی! اس لئے شہداء احد کے درجے میں نہیں ہوا، اس لئے غسل لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۷۴۰) شہید سے اس کا خون نہیں دھویا جائے گا۔

تشریح : شہید کا خون پونچھا نہیں جائے گا۔

وجہ: (۱)عن جابر قال النبی ﷺ ادفنوهم فی دمائهم یعنی یوم احد ولم یغسلهم. (بخاری شریف، باب من لم یر غسل الشہید ص ۱۷۹ نمبر ۱۳۴۶/ابو داؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵) ادفنوا فی دمائھم سے معلوم ہوا کہ اس کے خون کو پونچھا نہیں جائے گا (۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ اس کے خون میں شہید کو دفن کر دو۔عن ابی صعیر أن النبی ﷺ أشرف علی قتلی أحد فقال : انی قد شهدت علی هؤلاء فزملوهم بدمائهم و کلومهم ۔(سنن بیہقی باب المسلمون یقتلہم المشرکون فی المعرکۃ۔الخ، ج رابع ص ۱۷، نمبر ۶۸۰۰) اس حدیث میں ہے کہ خون اور زخموں کے ساتھ شہیدوں کو دفن کر دو۔اور اسکے خون کو صاف نہ کرو۔

لے لما روينا (۷۴۱) وينزع عنه الفرو والحشو والسلاح والخف ﴾ لے لانها ليست من جنس الكفن.
(۷۴۲) ويزيدون وينقصون ماشاؤا اتماما للكفن ﴾

ترجمه: لے اور اس سے اس کے کپڑے نہیں نکالے جائیں گے [اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی]

ترجمه: (۷۴۱) اور پوستین اور زائد کپڑے اور ہتھیار اور موزے نکال دیئے جائیں گے۔

ترجمه: لے اس لئے کہ یہ چیزیں کفن کی جنس میں سے نہیں ہیں

تشریح: شہید کے ساتھ جو کپڑے ہیں اس کو ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ جو چیزیں کفن کے لائق نہیں ہیں جیسے چمڑے کا پوستین، صدری اور کوٹ، چمڑے کے موزے اور ہتھیار ان کو الگ کر دیا جائے گا۔ اور اگر کفن میں کمی رہ جائے تو تین کپڑے کفن کے پورے کئے جائیں گے۔

وجه: (۱) عن ابن عباس قال امر رسول الله ﷺ بقتلى احد ان ينزع عنهم الحديد والجلود وان يدفنوا بدمائهم و ثيابهم (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴ / ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی الصلاۃ علی الشہداء ودفنھم، ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۱۵) اس حدیث میں ہے کہ ہتھیار، چمڑے کا موزہ، اور ایسی چیزیں جو کفن میں سے نہ ہوں انکو نکال دئے جائیں، اور شہید کو انکے کپڑے اور خون میں دفن کر دئے جائیں۔

لغت: ینزع: نزع سے مشتق ہے، نکال لیا جائے، کھینچ لیا جائے۔ الفرو: چمڑے کا لباس، الحشو: ایسا لباس جس میں روئی بھری ہو، کوٹ وغیرہ، السلاح: ہتھیار۔ الخف: موزہ۔

ترجمه: (۷۴۲) کفن پورا کرنے کے لئے زیادہ بھی کیا جا سکتا ہے اور کم بھی کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: مثلا تین کپڑوں سے زیادہ ہیں تو کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور تین کپڑوں سے کم ہیں تو کفن کے تین کپڑے پورے کرنے کے لئے مزید دیا بھی جا سکتا ہے۔

وجه: (۱) کم کرنے کی دلیل اوپر حدیث گزر چکی۔ (۲) اور کفن کم ہو تو زیادہ کیا جا سکتا ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن خباب بن الأرت قال هاجرنا مع رسول الله ﷺ فی سبیل الله نبتغی وجه الله ..... منهم مصعب بن عمیر قتل يوم احد فلم يوجد له شيء كفن فيه الا نمرة فكنا اذا وضعناها على رأسه خرجت رجلاه و اذا وضعناها على رجليه خرج رأسه فقال رسول الله ﷺ ضعوها مما يلي رأسه و اجعلوا على رجليه من الاذخر ۔(مسلم شریف، باب فی کفن المیت، ص ۳۷۹، نمبر ۹۴۰ / ۲۱۷۷ / ابوداود شریف، باب کراھیۃ المغالاۃ فی الکفن، ص ۴۶۱، نمبر ۳۱۵۵) اس حدیث میں کفن کم تھا بلکہ تھا ہی نہیں تو حضرت مصعب ابن عمیر کو الگ سے چادر کفن کے لئے دی گئی، جس سے معلوم ہوا کہ کفن کم

(۷۴۳) ومن ارتُث غسل ﴾ ۱؎ وهو من صار خلقا فی حکم الشهادة لنيل مرافق الحيوة لان بذلک يخف اثر الظلم فلم يکن فی معنی شهداء احد

ہوتو الگ سے دیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۷۴۳) جس نے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا۔

تشریح: اصل قاعدہ یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد کچھ دیر تک ہوش کی حالت میں زندہ رہا ہو اور دنیا سے فائدہ اٹھایا تو وہ شہید کامل نہیں رہا اس کے ظلم میں کمی آگئی اسلئے اس کو غسل دیا جائے گا چاہے اخروی اعتبار سے وہ شہید شمار ہو۔ اب ہوش کے عالم میں تھا اور زخم لگنے کے بعد اس پر نماز کا ایک وقت گزر گیا تو گویا کہ وہ نماز اس کے ذمہ قرض ہوگئی اس لئے یہ بھی دنیا سے فائدہ اٹھانا ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔ ارتثاث والے کو غسل دیا جائے گا۔۔ ارتثاث: رث سے مشتق ہے، زخمی کو میدان جنگ سے لانا۔ خلق کپڑے کا پرانا ہونا۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ اثر ہے ۔عن عمر بن ميمون فی قصة قتل عمر حين طعنه قال فطار العلج بالسكين ذات طرفين لا يمر علی احد يمينا ولا شمالا الا طعنه وفی ذلک دلالة علی انه قتل بمحدد ثم غسل وكفن وصلی عليه (سنن للبیہقی، باب الرتث الخ ج رابع ص ۲۵، نمبر ۶۸۲۰) اس اثر میں حضرت عمر کو زخم لگنے کے بعد انہوں نے کھایا پیا ہے، اس لئے ان کو غسل دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زخم لگنے کے بعد جس نے دنیا سے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا۔ (۲) عن ابراهيم قال: اذا رفع القتيل دفن فی ثيابه وان رفع به رمق صنع به ما صنع بغيره (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۸، نمبر ۱۱۰۰۳) (۳). عن الحسن وحماد والحكم عن ابراهيم قال: اذا مات فی المعركة دفن ونزع ما كان عليه من خف أو نعل، واذا رفع به رمق ثم مات يصنع به ما يصنع با لميت. (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۸، نمبر ۱۱۰۰۷) ان دونوں اثروں میں ہے کہ میدان جنگ سے زندہ اٹھا لیا گیا ہو، [اور فائدہ اٹھایا ہو] تو اور میت کی طرح غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اور یہ وہ ہے جو حکم شہادت میں پرانا ہو گیا زندگی کے منافع حاصل کرنے کی وجہ سے، اس لئے کہ اس سے ظلم کا اثر ہلکا ہو گیا، اسلئے شہداء احد کے درجے میں نہیں رہا۔

تشریح: جو کھائے، یا پئے، یا سوئے، یا دوا کرائے، یا ہوش کی حالت میں میدان جنگ سے زندہ اٹھا کر لائے گئے تو اس نے ہوش کی حالت میں زندگی کا فائدہ اٹھایا، تو گویا کہ وہ ہو شہادت کے معاملے میں پرانا ہو گیا اس لئے اس درجے میں نہیں رہا جو احد کے

(۷۴۴) والارتثاث ان ياكل اويشرب اوينام اويداوى اوينقل من المعركة ﴿ ﴾ ل لانه نال بعض مرافق الحيوة وشهداء احدما تواعطا شاوالكاس تدار عليهم فلم يقبلوا خوفا من نقصان الشهادة.

۲ الااذا حمل من مصرعه كيلا تطأه الخيول لانه مانال شيئا من الراحة

شہداء تھے، یہی کمی نہ ہواسلئے احد کے شہداء کے سامنے پانی لایا جاتا تھا اسکے باوجود وہ پانی نہیں پیتے تھے تاکہ دنیا سے فائدہ اٹھانا نہ ہواور شہادت میں کمی نہ آجائے۔

لغت : خلقا: کا ترجمہ ہے پرانا ہونا، کپڑے کا پھٹ جانا۔ نیل: کا معنی ہے پانا، حاصل کرنا۔

ترجمہ: (۷۴۴) اور ارتثاث یہ ہے کہ کھائے، یا پئے، یا سوئے، یا دوا کی جائے، یا میدان جنگ سے منتقل کیا جائے۔

تشریح :۔ ارتثاث کی یہ چند صورتیں بیان کی جارہی ہیں۔ ورنہ اصل یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد دنیا سے کوئی بھی فائدہ اٹھائے تو یہ ارتثاث ہے، اور اس صورت میں میت اگر چہ اخروی اعتبار سے شہید ہو لیکن دنیا میں اس کو غسل دیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے زخم لگنے کے بعد دنیا سے فائدہ اٹھایا تو انکو غسل دیا گیا۔ اثر پہلے گزر گیا ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ اس نے زندگی کے بعض فائدے حاصل کئے، اور شہداء احد پیاسے مر گئے حالانکہ پانی کا پیالہ ان پر پھرایا جاتا تھا لیکن شہادت کے نقصان کے ڈر سے وہ قبول نہیں کرتے تھے۔

تشریح : کھا پی کر اس نے زندگی کا کچھ فائدہ اٹھایا اس لئے شہادت میں کمی آگئی اسلئے شہداء احد کے درجے میں نہیں رہے، اس لئے غسل دیا جائے گا، کیونکہ شہداء احد کے سامنے پانی لایا جاتا لیکن اس خوف سے کہ شہادت میں کمی نہ آجائے انہوں نے پانی نہیں پیا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی ۔

وجہ : بغیر پانی پئے ہوئے جان دینے کا اثر یہ ہے۔ (۱) حدثنی حبيب بن ابی ثابت ان الحارث بن هشام و عكرمة بن ابی جهل و عياش بن ابی ربيعة يوم اليرموک فدعا الحارث بماء يشربه فنظر اليه عكرمة فقال الحارث : ادفعوا به الى عكرمة فنظر اليه عياش بن ابی ربيعة فقال عكرمة ادفعوه الى عياش فما وصل الى عياش و لا الى أحد منهم حتى ما توا و ما ذاقوه . (بیہقی فی شعب الایمان، باب فی الزکوۃ، فصل فیما جاء فی الایثار، ج ثالث، ص ۲۶۰، نمبر ۳۴۸۴) اس اثر میں ہے کہ شہادت میں کمی نہ آجائے اس لئے تینوں میں سے کسی نے پانی نہیں پیا۔ عطاش: پیاسے، کأس: پیالہ۔ تدار: دار سے مشتق ہے، گھومانا

ترجمہ: ۲ مگر یہ کہ مقتل سے اس لئے اٹھا لائے کہ انکو گھوڑے نہ روند ڈالیں، اس لئے کہ انہوں نے کچھ راحت حاصل نہیں کی۔

۳؎ ولو اٰواہ فسطاطا او خیمۃ کان مرتثا لما بینا (۷۴۵) ولو بقی حیاحتی مضی وقت صلوٰۃ وھو یعقل فھو مرتث ﴾ ۱؎ لان تلک الصلوۃ صارت دینا فی ذمتہ وھو من احکام الاحیاء قال وھذا مروی عن ابی یوسفؒ ۲؎ولو اوصی بشیٔ من امور الاٰخرۃ کان ارتثاثا عند ابی یوسفؒ لانہ ارتفاق

تشریح : شہید جہاں زخم کھا کر گرے تھے وہاں سے اس لئے اٹھالائے کہ گھوڑا انکو کچل نہ دیں تو اس صورت میں چونکہ دنیا کا کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا اسلئے یہ شہید کامل ہے اور غسل نہیں دیا جائے گا۔ مصرع:صرع سے مشتق ہے، مقتل، زخم کھا کر گرنے کی جگہ

لغت : خطأ: وطی سے مشتق ہے، کچل دے۔ خیول: خیل کی جمع ہے، گھوڑا۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر اسکو چھوٹے یا بڑے خیمے میں جگہ دی تو اس نے ارتثاث پالیا۔

تشریح: اگر زخمی آدمی کو چھوٹے خیمے میں یا بڑے خیمے میں لاکر رکھا تو یہ بھی ارتثاث ہے اور اس سے بھی غسل دیا جائے گا۔

وجہ : اس سب کی دلیل یہ اثر ہے۔ . عن الحسن و حماد و الحکم عن ابراھیم قال : اذا مات فی المعرکۃ دفن و نزع ما کان علیہ من خف أو نعل ، و اذا رفع بہ رمق ثم مات یصنع بہ ما یصنع با لمیت . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۹، فی الرجل یقتل أو یستشھد یدفن کما ھو أو یغسل، ج ثانی، ص ۴۵۸، نمبر ۱۱۰۰۷) اس اثر میں ہے کہ میدان جنگ سے اٹھایا گیا ہو تو اس کے ساتھ وہی کیا جائے گا جو اور میت کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی غسل دیا جائے گا۔

لغت : آوی: پناہ دینا۔ فسطاط: بڑا خیمہ، اور خیمہ کا ترجمہ ہے چھوٹا خیمہ۔

ترجمہ : (۷۴۵) اور اگر زخمی آدمی زندہ باقی رہا یہاں تک کہ اس پر نماز کا ایک وقت گزر گیا اس حال میں اس کو عقل ہو تو وہ ارتثاث پانے والا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ نماز اسکے ذمے قرض ہوگئی اور یہ زندوں کے احکام میں سے ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ یہ حضرت امام یوسفؒ کی روایت ہے

تشریح : دنیا کے احکام سمجھتا تھا اور اس کو عقل تھی اس حال میں اس زخمی پر نماز کا ایک وقت گزر گیا تو اس صورت میں بھی ارتثاث ہے اور فائدہ اٹھانا ہے اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا، کیونکہ یہ نماز ادا کرنا اسکے ذمے قرض ہو گیا، اور نماز کا قضا ہونا یہ دنیاوی احکام میں سے ہے تو جب اس پر دنیاوی احکام جاری ہوئے تو وہ ارتثاث پانے والا ہوا اس لئے اسکو غسل دیا جائے گا۔۔ مصنف ھدایہ فرماتے ہیں کہ یہ رویت امام ابو یوسفؒ کی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر آخرت کے معاملے میں سے کسی بات کی وصیت کی تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی ارتثاث ہے، اس لئے کہ یہ بھی فائدہ اٹھانا ہے۔

۳؎ وعند محمدؒ لايكون لانه من احكام الاموات (۴۶۷) ومن وجد قتيلا فى المصر غسل ﴾ ۱؎ لان الواجب فيه القسامة والدية فخفف اثر الظلم(۴۶۷) الا اذا علم انه قتل بحديدة ظلما ﴾ ۱؎ لان الواجب فيه القصاص وهو عقوبة والقاتل لايتخلص عنها ظاهرا اما فى الدنيا واما فى العقبى

تشريح : مثلا اپنے بچے کو نماز پڑھنے کی وصیت کی تو یہ آخرت کے معاملے کی وصیت ہوئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی ارتثاث ہے اور دنیا سے فائدہ اٹھانا ہے، اس لئے کہ اس وصیت سے اس کو ثواب ملے گا تو ثواب حاصل کرنے کا فائدہ اٹھانا ہوا تو یہ بھی ارتثاث ہے اور اس وصیت کرنے سے بھی غسل نہیں دیا جائے گا، چاہے میدان جنگ ہی میں وصیت کرے ۔۔ ارتفاق: کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا۔

ترجمه: ۳؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ارتثاث نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ مردوں کے احکام میں سے ہے۔

تشريح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا کے امور کی وصیت تو ہے نہیں بلکہ آخرت کے معاملے کی وصیت ہے اسلئے یہ مردوں کے احکام ہوئے اور ارتثاث نہیں ہوا اسلئے ایسے شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

ترجمه: (۴۶۷) کوئی آدمی شہر میں قتل کیا ہوا پایا جائے تو وہ غسل دیا جائے گا۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ اس میں قسامت اور دیت واجب ہے تو ظلم کا اثر کم ہو گیا۔

تشريح : شہر میں کوئی آدمی قتل کیا ہوا پایا گیا اور وہ دھار دار ہتھیار سے قتل عمد کیا ہوا نہیں ہے تو اس میں محلے کے پچاس آدمیوں پر قسم واجب ہوتی ہے، پھر ان لوگوں پر دیت واجب ہوتی ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ جس قتل میں دیت واجب ہوتی ہے اس شہید کو غسل دیا جائے گا۔

وجه : جب دیت واجب ہوئی تو ظلم کا اثر کم ہو گیا، کیونکہ اس دیت سے خود مقتول کا بھی فائدہ ہوگا کہ اس کا قرض ادا کیا جائے گا، اور مقتول کی وصیت ادا کی جائے گی، تو چونکہ اس دیت سے مقتول کا بھی فائدہ ہے اسلئے ظلم کا اثر کم ہو گیا اور شہداء احد کے درجے میں نہیں رہا اسلئے غسل دیا جائے گا۔۔ قسامة: قسم واجب کرنا۔ شہر میں مقتول پایا جائے اور قاتل معلوم نہ ہو تو محلے کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جاتی ہے۔ اس کو قسامت کہتے ہیں۔

ترجمه: (۴۶۷) البتہ یہ معلوم ہو کہ وہ ہتھیار سے ظلم کے طور پر قتل کیا گیا ہو۔ [تو غسل نہیں دیا جائے گا]

ترجمه: ۱؎ کیونکہ اس میں قصاص واجب ہے، اور یہ سزا ہے، اور قاتل اس سے چھوٹ نہیں سکتا، یا دنیا میں ظاہری طور پر یا آخرت میں۔

تشريح : قتل سے یہ اندازہ ہوتا ہو کہ اس کو دھار دار ہتھیار سے جان بوجھ کر قتل کیا ہے اور قتل عمد ہے تو چونکہ قتل عمد عوض مالی نہیں

۲ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ مالايلبث كالسيف ويعرف فی الجنايات ان شاء الله تعالى (۴۴۸) ومن قتل فی حداو قصاص غسل و صلی عليه﴾

ہے، بلکہ قصاص ہے اس لئے ظلم کا اثر کم نہیں ہوا تو اس صورت میں اس شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ قاتل کا پتہ نہیں چل رہا ہے اس لئے دنیا میں قصاص کے طور پر قتل نہیں کیا جا سکا تو آخرت میں اسکی سزا بھگتے گا۔

وجه : قصاص میں مقتول کو کوئی فائدہ نہیں ہے، یہ تو شریعت کے قانون کی بناء پر قاتل قتل کیا جاتا ہے، اس لئے اس پر ظلم کا اثر پورا رہا۔

ترجمه: ۲ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز جس سے آدمی بچ نہیں سکتا ہو وہ حکم میں تلوار کی طرح ہے۔ ان شاء اللہ کتاب الجنایات میں یہ بحث آئے گی۔

تشریح : مالا یلبث : کا ترجمہ ہے جو ٹھہرتا ہی نہ ہو مر ہی جاتا ہو۔ کتاب الجنایات میں یہ بحث آئے گی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف تلوار یا دھار دار لوہے سے مارا ہو تب ہی قتل عمد ثابت ہوگا اور قاتل پر قصاص لازم ہوگا، اور دھار دار کے علاوہ کسی بھی چیز مثلا لاٹھی یا بھاری پتھر سے مارا ہو جس سے آدمی عام طور پر مر ہی جاتا ہو پھر بھی قتل عمد ثابت نہیں ہوگا اور قصاص لازم نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ تلوار اور دھار دار کے علاوہ کسی ایسی چیز سے مارا جس سے عام طور پر آدمی ٹھہرتا نہ ہو مر ہی جاتا ہو تو اس سے بھی قتل عمد ثابت ہو جائے گا، اور قاتل پر قصاص لازم ہوگا۔ تلوار ہونا کوئی ضروری نہیں۔

ترجمه: (۴۴۸) جو حد یا قصاص میں قتل کیا گیا اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

وجه: (۱) غسل تو اس لئے دیا جائے گا کہ وہ شہید نہیں ہے بلکہ عام میت کی طرح ہے۔ اور نماز اس لئے پڑھی جائے گی کہ یہ مؤمن ہے (۲) جہینہ کی عورت زنا کی حد میں رجم کی گئی تو آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی، حدیث یہ ہے۔ **عن عمران بن حصين أن امراة من جهينة أتت نبی الله ﷺ و هی حبلی من الزنی ....ثم أمر بها فرجمت ، ثم صلی عليها ، فقال له عمر : تصلی عليها يا نبی الله ! و قد زنت ؟ قال : لقد تاب توبة لو قسمت بين سبعين من اهل المدينة لوسعتهم ، و هل وجدت توبة أفضل من ان جادت نفسها لله تعالى ؟** ۔ (مسلم شریف، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، ص ۷۵۳، نمبر ۱۶۹۶ / ۴۴۳۳ / سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی من قتلتہ الحدود ج رابع ص ۲۸، نمبر ۶۸۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد میں قتل ہونے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (۳)۔ **عن ابی برزة الاسلمی : أن رسول الله ﷺ لم يصل علی ماعز بن مالک و لم ينه عن الصلاة عليه** . (ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی من قتلتہ الحدود ص ۴۶۵ نمبر ۳۱۸۶) اس حدیث میں آپؐ نے نماز نہیں پڑھی لیکن پڑھنے سے منع بھی نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ پڑھنا ممنوع نہیں ہے۔

ل لانـه بـاذل نـفسـه لايفاء حقّ مستحق عليه وشهداء احد بذلوا انفسهم لابتغاء مرضات الله تعالىٰ فلا يلحق بهم. (۷۴۹) ومـن قتـل مـن البغاة اوقطاع الطريق لم يصل عليه ﴾ ل لان عـليا لم يصل على البغاة.

ترجمه: ل اس لئے کہ اس کے اوپر مستحق کا جو حق ہے اسکو پورا کرنے کے لئے اپنی جان خرچ کردی۔ اور شہداء احد نے اللہ کی رضامندی تلاش کرنے کے لئے اپنی جانیں دیں اس لئے یہ انکے درجے میں نہیں ہونگے۔

تشریح: حد والے میت کو غسل دینے اور نماز پڑھنے کی دلیل ہے۔ نماز تو اس لئے پڑھی جائے گی کہ یہ کتنا اچھا ہے کہ جنکا حق تھا اس کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان دے دی، اس لئے اس پر نماز پڑھنی چاہئے، جیسے حضرت غامدیہ پر نماز پڑھی۔ اور شہداء احد کی طرح بغیر غسل کے دفن اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ اس نے انسانی حق ادا کرنے کے لئے اپنی جان دی، اور شہداء احد نے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان دی، اس لئے حد اور قصاص والے شہداء احد کے درجے میں نہیں ہونگے اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔

لغت: بذل: کا معنی ہے خرچ کرنا، جان دے دینا۔ ایفاء: پورا کرنا۔ ابتغاء: تلاش کرنا، چاہنا۔

ترجمه: (۷۴۹) اگر باغیوں میں سے قتل کیا گیا ہو یا ڈاکوؤں میں سے قتل کیا گیا ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

وجه: (۱) تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ ایسا کرنے سے نماز جنازہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں (۲) حدیث میں ہے. حدثنی جابر بن سمـرة قال مرض رجل فصيح عليه.... قال رأيته ينحر نفسه بمشاقص معه ، قال أنت رأيته ؟ قال نعم قال : اذا لا اصـلی عليه ۔(ابوداود شریف، باب الامام لایصلی علی من قتل نفسہ، ص ۴۶۵، نمبر ۳۱۸۵ سنن للبیھقی، باب الصلوۃ علی من قتل نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۳) اس حدیث میں اپنے کو قتل کرنے والے پر حضورؐ نے نماز نہیں پڑھی تو اسی طرح ڈاکوؤں اور باغیوں پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

ترجمه: ل اس لئے کہ حضرت علیؓ نے اہل نہروان کے باغیوں پر نماز نہیں پڑھی۔

تشریح: حضرت علیؓ سے نہروان کے خوارج نے جنگ کی تھی تو باغیوں کے جو لوگ مرے تھے حضرت علیؓ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

نوٹ: چونکہ میت مومن ہے اس لئے اور لوگ نماز پڑھ لیں۔

﴿باب الصلوٰة فی الکعبة﴾

(۷۵۰) الصلوة فی الکعبة جائزة فرضها ونفلها ﴾ ۱ خلافا للشافعیؒ فیهما ولمالک فی الفرض

﴿ باب الصلوۃ فی الکعبۃ ﴾

ضروری نوٹ: بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کا کچھ نہ کچھ حصہ سامنے ہوگا جو قبلہ ہو جائے گا۔اور قبلہ بننے کے لئے اتنا کافی ہے۔باقی دلائل آگے آرہے ہیں۔

ترجمه: (۷۵۰) کعبہ میں نماز جائز ہے،فرض بھی اور نفل بھی۔

تشریح : ایک بیت اللہ جسکو کعبہ کہتے ہیں،اسکے اندر نماز جائز ہے۔اور اگر بیت اللہ سے باہر مسجد حرام میں بیت اللہ کے اردگرد نماز پڑھی تو اس کا مسئلہ آگے آرہا ہے۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے ۔عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت واسامة بن زید و عثمان بن طلحه و بلال فاطال ثم خرج وکنت اول الناس دخل علی اثره فسألت بلالا این صلی فقال بین العمودین المقدمین. (بخاری شریف، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، کتاب الصلوۃ ص۷۲ نمبر ۵۰۴ر مسلم شریف، باب استحباب دخول الکعبۃ للحجاج وغیرہ، ص۱۳۲۹ر۳۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔

ترجمه: ۱ خلاف امام شافعیؒ کے فرض اور نفل دونوں کے بارے میں۔اور امام مالکؒ کا فرض کے بارے میں۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کا اختلاف بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ بیت اللہ کے اندر اس طرح نماز پڑھے کہ بیت اللہ کا دروازہ کھلا ہوا ہو اور آدمی دروازے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور بیت اللہ کے دروازے یا دیوار کا کوئی حصہ نمازی کے سامنے نہ ہو تو امام شافعیؒ کے یہاں اس نمازی کی نہ فرض نماز ہوگی اور نہ نفل نماز ہوگی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ فرض نماز بیت اللہ کے اندر جائز نہیں ہے،اس لئے کہ حضورؐ نے بیت اللہ میں نفل نماز پڑھی ہے،فرض نہیں۔

وجه: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ نمازی کے سامنے بیت اللہ کا کوئی حصہ قبلے کے لئے ضرور ہو تب نماز ہوگی، اور یہاں قبلے کے لئے نمازی کے سامنے بیت اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے اسلئے نہ فرض ہوگی نہ نفل۔موسوعہ میں یہ عبارت ہے . قال الشافعیؒ : و یصلی فی الکعبة النافلة و الفریضة ، و أی الکعبة استقبل الذی یصلی فی جوفها فهو قبلة۔نمبر ۱۲۵۰۔اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے یہاں بھی بیت اللہ کے اندر فرض اور نفل نماز پڑھنا جائز ہے۔اور سامنے دروازہ کا حصہ بھی نہ ہو تو نماز جائز نہیں ہوگی اسکے لئے یہ عبارت ہے. و لو استقبل بابها فلم یکن بین یدیه شیء من بنیانها یستره ، لم یجز . (موسوعۃ امام شافعیؒ، باب الصلاۃ فی الکعبۃ، ج ثانی، ص۱۱۹، نمبر ۱۲۵۰) اس عبارت میں ہے کہ دروازہ کھلا ہوا

۲ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی جوف الکعبۃ یوم الفتح ۳ ولانہا صلوٰۃ استجمعت شرائطہا لوجود استقبال القبلۃ لان استیعابہا لیس بشرط (۷۵۱) فان صلی الامام بجماعۃ فیہا فجعل بعضہم ظہرہ الی ظہر الامام جاز﴾

ہواور دروازہ کا حصہ بھی سامنے قبلے کے لئے نہ ہو

تو نماز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲ اسلئے کہ حضورؐ نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ اوران ائمہ کی دلیل ہے جو بیت اللہ کے اندر فرض اور نفل نماز پڑھنا جائز کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔حدیث یہ ہے ۔عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت و اسامۃ بن زید و عثمان بن طلحہ و بلال فاطال ثم خرج و کنت اول الناس دخل علی اثرہ فسألت بلالا این صلی فقال بین العمودین المقدمین. (بخاری شریف، باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، کتاب الصلوۃ،ص ۷۲نمبر ۵۰۴رمسلم شریف، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ،ص ۱۳۲۹/۳۲۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳ اوراس لئے بھی نماز جائز ہوگی کہ نماز کی تمام شرائط موجود ہیں،استقبال قبلہ کے پائے جانے کی وجہ سے،اس لئے کہ تمام قبلہ کا استقبال شرط نہیں ہے۔

تشریح : بیت اللہ کے اندر نماز جائز ہونے کی دلیل عقلی ہے کہ،اس نماز میں تمام شرطیں پائیں گئیں، یہاں تک کہ بیت اللہ کی دیوار کا کچھ حصہ بھی سامنے ہے اسلئے استقبال قبلہ بھی ہو گیا۔اور جب سب شرطیں پائی گئیں تو نماز جائز کیوں نہ ہوگی! باقی رہی یہ بات کہ جب اندر نماز پڑھے گا تو قبلے کی پوری دیوار سامنے نہیں ہوگی ۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ باہر نماز پڑھے تب بھی قبلے کی پوری دیوار سامنے ہونا شرط نہیں ہے،اس لئے اندر پڑھے تب بھی پوری دیوار کا سامنے ہونا ضروری نہیں اس لئے نماز ہو جائے گی ۔۔

استیعاب: کا معنی پورا گھیرنا۔

ترجمہ: (۷۵۱)اگر امام نے بیت اللہ کے اندر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور بعض نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کی تو نماز جائز ہو جائے گی۔

تشریح : بیت اللہ کے اندر نماز پڑھتے وقت نمازی کا منہ جدھر بھی ہو جائز ہے کیونکہ ہر طرف قبلہ کا حصہ ہے

اصول :اپنے امام کے سامنے مقتدی کی پیٹھ ہو جائے تو اب جائز نہیں ہوگی، کیونکہ امام کے آگے ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۱؎ لانه متوجه الى القبلة ولا يعتقد امامه على الخطأ ۲؎ بخلاف مسألة التحرى

بیت اللہ کے اندر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی چار صورتیں ہیں۔
[۱] امام کی پیٹھ کی طرف مقتدی کا چہرہ ہو۔ یہ صورت جائز ہے۔ کیونکہ امام مقتدی کے بالکل آگے ہوا۔
[۲] امام کے منہ کی طرف مقتدی کا منہ ہو۔ یہ صورت بھی جائز ہے، مگر مکروہ ہے۔ اس لئے کہ امام سے آگے تو ہے لیکن مقتدی کی پیٹھ امام کی طرف نہیں ہے اس لئے اس کو آگے رہنا نہیں کہیں گے، اور امام کی اتباع کی وجہ سے نماز ہو جائے گی۔ البتہ امام کے سامنے ہونے کی وجہ سے ایسا ہو گیا کہ بت کی طرح امام کو سامنے رکھ کر نماز پڑھ رہا ہے اسلئے مکروہ ہے۔
[۳] امام کے منہ کی طرف مقتدی اپنی پیٹھ کر دے۔ تو اس صورت میں مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ کیونکہ امام سے بالکل آگے ہو گیا۔
[۴] امام کی پیٹھ کی طرف اپنی پیٹھ کر دے۔ یہ صورت جائز ہے۔ کیونکہ امام کے آگے نہیں ہے، امام کے پیچھے ہی ہے، البتہ امام کی طرف چہرہ کرنا چاہئے تو اس نے پیٹھ کر دی، تاہم جائز ہے، اور متن میں اسی صورت کو بیان کیا ہے
وجه: (۱) مقتدی نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کر لی تو مقتدی امام کے آگے نہیں ہوا بلکہ امام کے پیچھے ہی رہا، اور مقتدی کے سامنے بھی قبلہ موجود ہے اس لئے نماز ہو جائے گی۔
ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ نمازی قبلہ کی طرف متوجہ ہے، اور اپنے امام کو غلطی پر ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ بخلاف تحری کے مسئلے کے۔
تشریح: امام کی پیٹھ کی طرف اپنی پیٹھ کر دے تو اسکی نماز جائز ہے اسکی یہ دو دلیلیں ہیں [۱] ایک دلیل یہ ہے کہ اس مقتدی کا چہرہ قبلے کی طرف ہے اس لئے نماز جائز ہو جائے گی۔ [۲] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بیت اللہ کے اندر کا نمازی یہ سمجھ رہا ہے کہ میرا امام دوسری جانب متوجہ ہے پھر بھی اس کا چہرہ قبلے کی طرف ہے اس لئے انکی نماز بھی صحیح ہے۔ اسکے اعتقاد میں امام غلطی پر نہیں ہے۔
ترجمه: ۲؎ بخلاف مسئلة التحرى: اس عبارت میں ایک اور مسئلے کی وضاحت ہے، وہ یہ ہے کہ کچھ آدمی اندھیرے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہوں، ہر ایک نے تحری کر کے اپنا اپنا قبلہ متعین کیا اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کیا اور صورت یہ بنی کہ کچھ مقتدی کی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف ہوگئی، اور مقتدی نے بھی یہ جان لیا کہ امام کا چہرہ دوسری طرف ہے، اور یہ بھی یقین کر لیا کہ اس کا قبلہ غلط ہے اور میرا قبلہ صحیح ہے، اس صورت میں مقتدی کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ مقتدی اپنے امام کو غلطی پر سمجھ رہا ہے تو نیت اور اعتقاد کے اعتبار سے امام کی اقتداء ہی نہیں ہوئی، اس لئے مقتدی کی نماز بھی نہیں ہوگی۔ لیکن یہاں امام کی پیٹھ کی طرف پیٹھ ہونے کے باوجود نماز اس لئے ہو جائے گی کہ مقتدی امام کے قبلے کو غلط نہیں سمجھ رہا ہے، اور نہ غلط ہے، کیونکہ اس طرف بھی قبلہ ہے۔ اس لئے مقتدی کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

(۷۵۲) ومن جعل منهم ظهره الى وجه الامام لم تجز صلاته ﴾ لِ لتقدمه على امامه (۷۵۳) واذا صلى الامام فى المسجد الحرام فتحلق الناس حول الكعبة وصلوا بصلوٰة الامام فمن كان منهم اقرب الى الكعبة من الامام جازت صلاته اذا لم يكن فى جانب الامام ﴾ لِ لان التقدم والتأخر انما

ترجمہ: (۷۵۲) مقتدی میں سے جس نے اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کی اس کی نماز جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: لِ امام سے آگے ہونے کی وجہ سے۔

وجہ: امام کے چہرہ کی طرف مقتدی کی پیٹھ ہوگئی تو مقتدی امام کے بالکل آگے ہوگیا اور پہلے قاعدہ گزر گیا ہے کہ مقتدی امام کے آگے ہو جائے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ قاعدہ پر مستنبط ہے۔

ترجمہ: (۷۵۳) اگر مسجد حرام میں نماز پڑھائے اور سب لوگ کعبہ کے ارد گرد حلقہ بنائے اور امام کے ساتھ نماز پڑھے تو جو ان میں سے کعبہ سے [زیادہ قریب ہو امام سے بھی تو اس کی نماز جائز ہے جب کہ امام کی جانب نہ ہو۔

تشریح: امام کی جانب جو لوگ ہو اور امام سے بھی زیادہ بیت اللہ کے قریب ہو جائے تو امام کی جانب امام سے بھی آگے ہو جائیں گے اس لئے اس آدمی کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ اور جو لوگ امام کی جانب نہیں ہیں دوسری جانب ہیں وہ لوگ اگر کعبہ کے زیادہ قریب ہو گئے تو چونکہ وہ امام کی جانب نہیں ہیں اس لئے امام سے آگے نہیں ہوئے اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی۔

اصول: امام سے آگے مقتدی ہو جائے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔ نقشہ اس طرح ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ آگے اور پیچھے ہونا جانب کے متحد ہوتے وقت ظاہر ہوگا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ امام کی جانب ہی یہ پتہ چلے گا کہ کون امام سے آگے بڑھا اور کون امام کے برابر ہے اور کون امام کے پیچھے ہے، پس جو امام سے آگے ہوگا اسکی نماز نہیں ہوگی اور جو پیچھے ہوگا اسکی نماز ہوگی۔ اور دوسری جانب میں آگے پیچھے کا پتہ نہیں چلے گا اس لئے اس جانب بیت اللہ سے زیادہ قریب بھی ہو جائے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

﴿بیت اللہ کے ارد گرد نماز پڑھنے کا نقشہ﴾
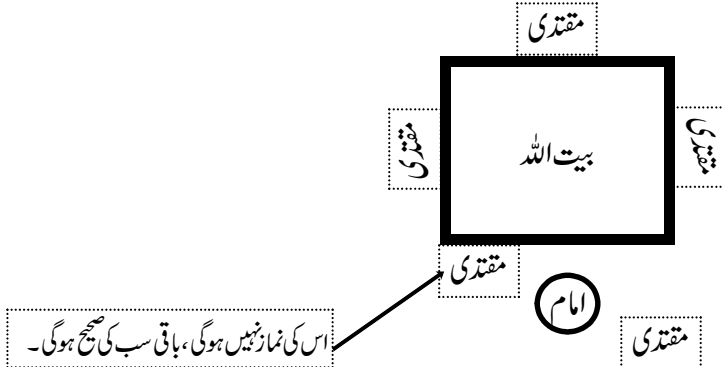
یظهر عند اتحاد الجانب. (۷۵۴) ومن صلی علی ظهر الکعبة جازت صلاته ﴿ ۱؎ خلافا للشافعیؒ
۲؎ لان الکعبة هی العرصة والهواء الی عنان السماء عندنا دون البناء لانه ینقل الاتری انه لو صلی
علیٰ جبل ابی قیس جازولا بناء بین یدیه

ترجمه: (۷۵۴) جس نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔

وجه: (۱) بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اس کی شان اور عظمت کے خلاف ہے۔لیکن اگر پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔کیونکہ بیت اللہ کی محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی جو قبلہ ہو جائے گی۔قبلہ ہونے کے لئے بیت اللہ کی دیوار سامنے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی فضا سامنے ہونا ضروری ہے۔جیسے کوئی ہوائی جہاز میں نماز پڑھے تو جہاز کی بلندی کی وجہ سے بیت اللہ کی دیوار اس کے سامنے نہیں ہوگی۔صرف بیت اللہ کے محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی اور نماز ہو جائے گی۔ البتہ اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے(۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهی ان یصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطریق وفی الحمام ومعاطن الابل و فوق ظهر بیت الله. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ، کتاب الصلوۃ ص ۸۱ نمبر ۳۴۶/ ابن ماجہ شریف، باب المواضع التی تکرۃ فیھا الصلوۃ ص ۱۰۶،نمبر ۷۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاہم نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

ترجمه: ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں نماز جائز ہونے کے لئے بیت اللہ کی دیوار کا کچھ حصہ سامنے ہو تب نماز ہوگی، کم سے کم اتنی دیوار ہو کہ نمازی کا سترہ بن سکے تب نماز ہوگی۔اور یہاں چھت کے اوپر نماز پڑھ رہا ہے اس لئے دیورا کا کوئی بھی حصہ سامنے نہیں ہوگا اس لئے نماز نہیں ہوگی۔نوٹ: ابھی جو بیت اللہ بنا ہوا ہے اسکی چاروں طرف کی دیوار اسکی چھت سے دوفٹ اونچی ہے [ناچیز نے مسجد حرام کی چھت پر جا کر دیکھا ہے] اس لئے حضرت امام شافعیؒ کے یہاں بھی ابھی بیت اللہ کی چھت پر نماز ہو جا ئے گی۔کیونکہ یہ دوفٹ اونچی نمازی کے لئے سترے کی طرح ہوگئی۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے. وان بنی فوقها ما یستره المصلی فصلی فوقها أجزأته صلاته ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب الصلاۃ فی الکعبۃ، ج ثانی، ص ۱۲۰،نمبر ۱۲۵۱) اس عبارت میں ہے کہ بیت اللہ کے اوپر اتنی دیوار بنائی جائے کہ نمازی کا سترہ بن سکے تو نماز جائز ہو جائے گی، ابھی نمازی کے سامنے دیوار کا کچھ حصہ سامنے ہو گیا اسکئے انکے یہاں بھی ہو جائے گی

ترجمه: ۲؎ اس لئے کہ کعبہ ہمارے نزدیک میدان اور آسمان تک کی فضاء کا نام ہے، عمارت کا نام نہیں ہے ۔اس لئے کہ وہ منتقل ہو سکتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اگر ابو قبیس پہاڑ پر نماز پڑھے تو جائز ہے حالانکہ اس کے سامنے بیت اللہ کی کوئی عمارت

٣ِ الا انه يكره لما فيه من ترک التعظيم وقدورد النهى عنه عن النبى صلى الله عليه و سلم.

نہیں ہے۔

تشریح : یہ حضرت امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ، ہمارے نزدیک کعبہ اور قبلہ عمارت اور دیوار کا نام نہیں ہے، بلکہ جس جگہ پر بیت اللہ ہے اس جگہ سے لیکر آسمان تک کی جو فضاء ہے اس سب کا نام کعبہ ہے، چاہے دیوار ہو یا نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ کوئی آدمی ابوقبیس پہاڑ پر نماز پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی، حالانکہ اس کے سامنے کعبہ کی دیوار نہیں ہے کیونکہ دیوار تو پہاڑ سے بہت نیچے رہ گئی، لیکن چونکہ کعبہ کی فضاء اسکے سامنے ہے جو قبلہ بن رہی ہے اس لئے نماز ہو جائے گی ۔ باقی رہی کعبہ کی عمارت، وہ تو وہاں سے منتقل بھی ہو سکتی ہے، اس لئے اس کا اصل اعتبار نہیں ہونا چاہئے، اصل اعتبار فضاء کا ہونا چاہئے۔

لغت: عرصة: میدان۔ عنان السماء: آسمان کی بلندی، فضاء۔ بناء: عمارت ۔ جبل ابی قبیس: یہ بیت اللہ کے سامنے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

ترجمہ: ٣ِ مگر یہ کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں اسکی تعظیم کا چھوڑنا ہے، چنانچہ حضورؐ سے اس کے بارے میں نہی وارد ہے۔

تشریح : بیت اللہ کی چھت پر نماز جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے، کیونکہ اس صورت میں بیت اللہ کی تعظیم وتکریم نہیں ہوگی اسلئے مکروہ ہے ۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اس میں سے ایک جگہ بیت اللہ کی چھت بھی ہے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ نهى ان يصلى فى سبعة مواطن فى المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفى الحمام ومعاطن الابل و فوق ظهر بيت الله. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ، کتاب الصلوۃ ص ٨١ نمبر ٣٤٦ / ابن ماجہ شریف، باب المواضع التی تکرہ فیھا الصلوۃ ص ١٠٦، نمبر ٧٤٦) اس حدیث میں ہے کہ بیت اللہ کی چھت پر نماز نہ پڑھے، کیونکہ اسکی تعظیم کے خلاف ہے۔

﴿كتاب الزكوٰة﴾

(۷۵۵) **الزكوٰة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول﴾**

﴿ کتاب الزکوۃ ﴾

ضروری نوٹ: زکوۃ کونماز کے بعد لائے کیوں کہ تقریبا اسی[۸۰] آیتوں میں نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر ہے۔اس لئے نماز کے ابحاث ختم ہونے کے بعد زکوۃ کا تذکرہ لائے۔زکوۃ کے معنی پاکی ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔یا زکوۃ کے معنی بڑھنا ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔اس کا ثبوت بہت سی آیتوں میں ہے۔مثلا **یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ و یطیعون اللہ ورسولہ** (آیت ۷۱ سورۃ توبہ ۹) اسی آیت سے زکوۃ دینا فرض ثابت ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۷۵۵) زکوۃ واجب ہے ہر وہ آزاد پر جو عاقل ہو، بالغ ہو، مسلمان ہو جب کہ نصاب کا پورا مالک ہو، اور اس پر سال گزر گیا ہو۔

تشریح: زکوۃ عبادت مالیہ ہے۔اس لئے کافر پر زکوۃ واجب نہیں اس سے جو کچھ لیا جائے گا وہ ٹیکس لیا جائے گا۔چنانچہ متن میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے سات[۷] شرطیں بیان فرمارہے ہیں۔[۱] آزاد ہو۔[۲] عاقل ہو۔[۳] بالغ ہو۔[۴] مسلمان ہو [۵] نصاب کا مالک ہو۔[۶] نصاب پر ملک مکمل ہو [۷] نصاب پر سال گزر چکا ہو۔۔ہر ایک کی تفصیل اور دلائل یہ ہیں۔

[۱] آزاد ہو، اس لئے غلام اور مکاتب پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔کیونکہ یہ مال اس کے مولی کا ہے۔غلام کا نہیں ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے(۱) **عن جابر قال قال رسول اللہ لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق** (دار قطنی ۱۰، باب لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۱۹۴۱ رسنن للبیھقی، باب من قال لیس فی مال العبد زکوۃ، ج رابع، ص ۱۸۲، نمبر ۷۳۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے۔کیونکہ وہ آزاد نہیں ہے، (۲) دوسری بات یہ ہے کہ مال کا پورا مالک بننا ضروری ہے اور غلام کا مال نہیں ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس کے مولی کا مال ہے۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بالغ ہو چکا ہے لیکن مجنون ہے اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ بچے اور مجنون پر زکوۃ نہ ہونے کی دلیل ایک ہی ہے کہ دونوں کو عقل نہیں ہے اس لئے دونوں کے دلائل بچے پر زکوۃ واجب نہ ہونے کے تحت میں آرہے ہیں۔

[۳] تیسری شرط بالغ ہونا ہے۔چنانچہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے(۱)۔**عن علی عن النبی**

ﷺ قال رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل . (ابو داؤد شریف ، باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا ج ثانی ص ۲۵۶ کتاب الحدود ،نمبر ۴۴۰۳/ابن ماجہ شریف ، باب طلاق المعتوہ والصغیر والنائم ، کتاب الطلاق ص ۲۹۲ ،نمبر ۲۰۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے ، اور مجنون کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو زکوۃ بھی اس کے مال میں واجب نہیں ہوگی ۔(۲) اثر میں ہے ۔عن ابن عباس قال : لا یجب علی مال الصغیر زکاۃ حتی تجب علیه الصلاۃ ۔(دار قطنی ، باب استقراض الوصی من مال الیتیم ، ج ثانی ،ص ۹۷ ،نمبر ۱۹۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے کے مال پر زکاۃ نہیں ہے ۔(۳) اثر میں ہے عن ابراهیم قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یحتلم. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳ من قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یبلغ ج ثانی ،ص ۳۷۹ ،نمبر ۱۰۱۲۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے ۔(۴) عن ابن مسعودؓ أنه کان یقول أحص ما یجب فی مال الیتیم من الزکوۃ ، فاذا بلغ و أؤنس منه رشدا فادفعه الیه ، فان شاء زکاہ و ان شاء ترکه (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳ من قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یبلغ ج ثانی ،ص ۳۷۹ ،نمبر ۱۰۱۲۵/) اس اثر میں ہے کہ یتیم چاہے تو بالغ ہونے کے بعد بچپنے کی زکوہ ادا کرے اور چاہے تو ادا نہ کرے ، جس سے معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے ۔

[۴] چوتھی شرط مسلمان ہونا ہے ۔(۱) زکوۃ عبادت مالیہ ہے اور فرض ہے ، اور فرض مسلمان پر ہی ہوتا ہے ، ورنہ کافر سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ عبادت کے طور پر نہیں بلکہ ٹیکس کے طور پر ، اس میں کافر کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہے ، کیونکہ اس پر تو اسکو یقین ہی نہیں ہے ۔ (۲) اس آیت میں زکوۃ دینے کے لئے مسلمان کی شرط ہے ۔ الذین یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ و هم بالآخرۃ هم یوقنون ۔(آیت ۳ ،سورۃ النمل ۲۷) اس آیت میں ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتا ہو یعنی مسلمان ہو تب زکوۃ فرض ہوگی (۳) و المؤمنون و المؤمنات بعضهم أولیاء بعض یأمرون بالمعروف و ینهون عن المنکر و یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ و یطیعون الله ورسوله أولئک سیرحمهم الله ان الله عزیز حکیم (آیت ۷۱ سورۃ توبہ ۹) اس آیت میں بھی زکوۃ دینے کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ہے ۔

[۵] پانچویں شرط ہے کہ نصاب کا مکمل مالک ہو ۔(۱) کیونکہ تھوڑے سے مال کا مالک ہوگا اور اس میں زکوۃ دے گا تو آج زکوۃ دے گا اور کل لوگوں سے زکوۃ مانگے گا ۔اس لئے شرط لگائی کہ نصاب کا مالک ہو ۔اور نصاب یہ ہے کہ سال بھر کھا پی کر دو سو درہم بچے ، یا بیس مثقال سونا بچے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے یعنی چالیس درہم میں ایک درہم لازم ہوگا ۔اور اونٹ ، گائے ، بکری اور کاشتکاروں کا نصاب الگ الگ ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے ۔(۲) دلیل اس حدیث میں ہے ۔سمعت ابا سعید الخدری قال: قال رسول الله ﷺ لیس فیما دون خمس ذود صدقة من الابل ، ولیس فیما دون خمس اواق صدقة، ولیس فیما دون خمسة اوسق صدقة (بخاری شریف ، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ کتاب الزکوۃ نمبر ۱۴۴۷/مسلم شریف ، باب لیس فیما

لے اما الوجوب فلقوله تعالٰی واٰتوا الزکوٰة

دون خمسة أوسق صدقة ،ص ۳۹۳ ،نمبر ۹۷۹ /۲۲۶۳ /ابوداؤد شریف ، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم ہوئے ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ واجب ہے ہی نہیں ۔اسی طرح پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہے ۔اس حدیث میں بہت سی چیزوں کا نصاب بیان کیا گیا ہے ۔اور یہ بھی فرمایا کہ اس نصاب سے کم کا مالک ہوتو اس پر زکوۃ فرض ہی نہیں ۔اوراس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم غلہ پیدا ہوتو زکوۃ یعنی عشر نہیں ہے ۔البتہ دوسری حدیث کی وجہ سے حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی ۔

[۶] ۔ملک تام کی قید اس لئے لگائی کہ مکاتب چیز کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کی ملکیت اس پر تام نہیں ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے ۔حدیث یہ ہے ۔عن جابر قال قال رسول الله ليس في مال المكاتب زكوة حتى يعتق (دار قطنی ۱۰، باب ليس في مال المكاتب زكوة حتى يعتق ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۱۹۴۱ /سنن للبیهقی ، باب من قال ليس في مال العبد زكوة ، ج رابع ص ۱۸۲ ،نمبر ۷۳۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے ۔کیونکہ وہ مال کا پورا مالک نہیں ہے ، آج ہی غلامیت کی طرف لوٹ جائے گا تو اس مال کا مالک اس کا مولی ہو جائے گا ۔

[۷] ساتویں شرط یہ ہے کہ اس مال پر سال گزرے ۔(۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن علی عن النبی ﷺ ببعض اول الحديث قال فاذا كانت لك مائتا درهم و حال عليه الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى يكون لك عشرون دينارا فاذا كانت لك عشرون دينارا و حال عليه الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلك (ابوداؤد شریف ، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳ ،نمبر ۱۵۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نصاب پر سال گزر جائے تب زکوۃ واجب ہوگی ، اس سے پہلے نہیں ، لیکن کوئی ادا کردے تو ادا ہو جائے گی ۔[۲] عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا زكوة في مال امرئ حتى يحول عليه الحول (دار قطنی ، باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۶ نمبر ۱۸۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ مال نصاب پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے ۔یہ اجمالی دلائل ہوئے ، اب ھدایہ کی تفصیل دیکھیں ۔

ترجمہ : لے زکوۃ کا وجوب اس آیت سے ہے ۔ و اقيموا الصلوة وأتوا الزكوة و اركعوا مع الراكعين ۔ (آیت ۴۳ ،سورۃ البقرۃ ۲) اور یہ آیت بھی ہے ۔و المؤمنون و المؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يقيمون الصلوة و يؤتون الزكوة و يطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله ان الله عزيز حكيم (آیت ۷۱ سورۂ توبہ ۹) ۔

ترجمہ: ۲ے اور حضورؐ کا قول کہ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو ، اور وجوب پر امت کا اجماع ہے ۔حدیث یہ ہے ۔ سمعت ابا

۲ ولقوله صلى الله عليه وسلم ادُّوا زكوٰة اموالكم وعليه الامة ۳ والمراد بالواجب الفرض لانه لا شبهة فيه. ۴ واشتراط الحرية لان كمال الملك بها ۵ والعقل والبلوغ لما نذكره ۶ والاسلام لان الزكوٰة عبادة ولا تتحقق العبادة من الكافر

أمامة يقول : سمعت رسول الله ﷺ يخطب فى حجة الوداع فقال : اتقوا الله ربكم و صلوا خمسكم ، و صوموا شهركم ، و أدوا زكاة اموالكم و أطيعوا ذا أمركم ، تدخلوا جنة ربكم . (ترمذی شریف،باب ماذکر فی فضل الصلاۃ۔باب منہ،ص ۱۵۸،نمبر ۶۱۶ رمستدرک حاکم ،کتاب الایمان، ج اول،ص ۵۲،نمبر ۱۹)اس حدیث میں ہے کہ اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو۔ اوراس بات پر اجماع ہے کہ زکوۃ فرض ہے۔

ترجمه: ۳ اورمتن میں واجب سے مرادفرض ہے،اس لئے کہ زکوۃ واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

تشريح : متن میں فرمایا کہ زکوۃ واجب ہے،تو صاحب ھدایہ اسکی تشریح فرماتے ہیں کہ اس واجب سے فرض مراد ہے، کیونکہ زکوۃ کی فرضیت اوپر کی آیت اور حدیث سے ثابت ہے اس لئے اس کے فرض ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے واجب سے یہاں فرض مراد ہے۔اوراس کومجاز کے طور پر واجب لکھ دیا ہے۔

ترجمه: ۴ اورآزادہونے کی شرط اس لئے کہ اس سے پوری ملکیت ہوتی ہے۔

تشریح:۔ابھی اوپر گزرا کہ مکاتب اپنے مال کا مالک تو ہوتا ہے لیکن اسکی ملکیت کامل نہیں ہوتی کیونکہ اگرآقا سے کہہ دے کہ میں مال کتابت ادانہیں کرسکتا تو مکاتب دوبارہ غلام بن جائے گا،اور مکاتب کی ملکیت میں جتنی چیزیں ہیں سب آقا کی ملکیت ہوجائے گی تو معلوم ہوا کہ مکاتب،یا غلام کی ملکیت ناقص ہے،اس لئے آزادکی قید لگائی تا کہ ملکیت کامل ہوتب زکوۃ واجب ہوگی۔

ترجمه: ۵ اورعقل ہواور بالغ ہو[زکوۃ واجب ہوگی]اسکی دلیل آگے ذکر کریں گے۔

تشريح : متن میں یہ ہے کہ آدمی عاقل ہو یعنی مجنون نہ ہوتب زکوۃ واجب ہوگی۔متن یہ بھی ہے کہ آدمی بالغ ہوتب زکوۃ واجب ہوگی،یعنی بچہ ہوتو اس پر حنفیہ کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔اسکی دلیل عقلی مسئلہ نمبر ۵۶۷ میں آرہی ہے۔اور اسکے لئے حدیث گزرچکی۔

ترجمه : ۶ مسلمان ہوتب زکوۃ واجب ہوگی۔اسلئے کہ زکوۃ عبادت ہے،اور عبادت کافر سے متحقق نہیں ہوتی۔

تشريح : متن میں یہ قید بھی ہے کہ آدمی مسلمان ہوتب زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ زکوۃ عبادت مالی ہے اور عبادت کافر سے متحقق نہیں ہوتی،اس لئے مسلمان ہوتب ہی زکوۃ واجب ہوگی۔۔اس کے لئے آیت پہلے گزرگئی۔

ے ولا بد من ملک مقدار النصاب لانه صلى الله عليه وسلم قدر السبب به ۸ ولا بد من الحول لانه لا بد من مدة يتحقق فيهاالنماء وقدّرها الشرع بالحول لقولهٖ صلى الله عليه وسلم لا زكوٰة فى مال حتى يحول عليه الحول

ترجمه: ے اورضروری ہے مقدار نصاب کا مالک ہونا،اس لئے کہ حضورؐ نے سبب زکوۃ کومقدار نصاب کے ساتھ متعین فرمایا۔

تشریح: ہر چیز میں اسکے نصاب کی مقدار کا مالک ہوگا تب زکوۃ فرض ہوگی ،اس سے کم کا مالک ہوگا تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی ،مثلا دوسودرہم کا مالک ہوگا تو زکوۃ فرض ہوگی اوراس سے کم کا مالک ہوگا تو زکوۃ فرض نہیں ہوگی ، کیونکہ حضورؐ نے اسی نصاب کے مالک ہو نے پرزکوۃ فرض کی ہے۔اس کے لئے یہ حدیث گزرچکی ہے۔سمعت ابا سعيدالخدرى قال: قال رسول الله ﷺ ليس فيما دون خمس ذود صدقة من الابل، وليس فيمادون خمس اواق صدقة ،وليس فيما دون خمسة اوسق صدقة (بخاری شریف، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ کتاب الزکوۃ نمبر ۱۴۴۷)اس حدیث میں اونٹ،اوردرہم، دینار،اورکھیتی میں زکوۃ کانصاب بیان فرمایا ہے،اور یہ بھی فرمایا کہ اس نصاب سے کم کا مالک ہوتو زکوۃ فرض نہیں ہے۔

ترجمه: ۸ اورسال گزرنا بھی ضروری ہے،اس لئے کہ ایک مدت ہونا ضروری ہے جس میں بڑھوتری متحقق ہو،اورشریعت نے اس کوسال کے ساتھ متعین کیا ہے،حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔

تشریح: متن میں بتایا کہ نصاب پرسال گزرے تب زکوۃ فرض ہوگی ،اسکی دلیل عقلی یہ دیتے ہیں کہ اصل زکوۃ بڑھوتری پر ہے کہ مال جتنا ہے اس سے بڑھے تب زکوۃ فرض ہوگی ، اوراس بڑھوتری کے لئے ایک مدت ہونی چاہئے جس میں مال بڑھ سکے، اور شریعت نے وہ مدت ایک سال متعین کی ہے اس لئے ایک سال گزرنے پرزکوۃ فرض ہوگی۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ مال پر جب تک سال نہ گزرے زکوۃ فرض نہیں۔وہ حدیث یہ ہے۔عن على عن النبى ﷺ ببعض اول الحديث قال فاذا كانت لک مائتا درهم و حال عليه الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليک شيء يعنى فى الذهب حتى يكون لک عشرون دينارا فاذا كانت لک عشرون دينارا و حال عليه الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلک (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳ ،نمبر ۱۵۷۳) ۔[۲] دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا زكو ة فى مال امرئ حتى يحول عليه الحول (دارقطنی ،باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۶ نمبر ۱۸۷۰)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ مال نصاب پرسال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔ حول کا معنی ہے سال، اورحال: کا ترجمہ ہے گزرنا۔

۹ ولانه الممكن به من الاستنماء لاشتماله على الفصول المختلفة والغالب تفاوت الاسعار فيها فادير الحكم عليه ۱۰ ثم قيل هي واجبة على الفور لانه مقتضى مطلق الامر ۱۱ وقيل على التراخی لان جميع العمر وقت الاداء ولهذا لا يضمن بهلاك النصاب بعد التفريط

ترجمه: ۹ اس لئے کہ سال میں بڑھنا ممکن ہے اس لئے کہ مختلف فصلوں پر مشتمل ہے، اور غالب یہ ہے کہ اس میں بھاؤ تفاوت ہوتا ہے اس لئے حکم سال پر ہی رکھا گیا۔

تشریح: نصاب پر سال گزرنے کے لئے یہ دلیل عقلی ہے، کہ سال بھر میں تین موسم ہوتے ہیں [۱] سردی [۲] گرمی [۳] بارش، اور ان موسموں میں غلوں اور چیزوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی ہے جس کی وجہ سے بڑھوتری ممکن ہے، اب قیمت کم بیش ہو یا نہ ہو شریعت نے اسی سال پر زکوۃ فرض ہونے کا مدار رکھا ہے اسلئے سال گزرنے پر زکوۃ فرض ہوگی۔

لغت: استنماء: نماء سے مشتق ہے بڑھنا۔ فصول: فصل کی جمع ہے، موسم۔ اسعار: سعر کی جمع ہے، بھاؤ، نرخ۔ ادار: گھمانا، دارو مدار رکھنا۔

ترجمه: ۱۰ پھر کہا گیا کہ زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر واجب ہے، اس لئے کہ مطلق امر کا یہ مقتضی ہے۔

تشریح: نصاب پر سال گزرتے ہی زکوۃ فرض ہو جاتی ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور اس بارے میں بھی سب متفق ہیں کہ عمر بھر میں جب بھی ادا کرے گا تو وہ ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی کیونکہ نماز کی طرح زکوۃ ادا کرنے کا وقت متعین نہیں ہے۔ البتہ تاخیر کرنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ سال گزرتے ہی فوری ادا کرنا ضروری ہے، اگر ادا کرنے کی سہولت تھی پھر بھی تاخیر کی تو اس سے گنہگار ہوگا۔ اور مجبوری کی بنا پر تاخیر کی تو گنہگار نہیں ہوگا۔

وجه: (۱) اسکی دلیل عقلی یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں آتو الزکوۃ: امر کا صیغہ ہے اور مطلق امر کا تقاضا ہے کہ فوری طور پر واجب ہو، اس لئے فوری طور پر واجب ہوگی۔ (۲) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ و آتو حقه يوم حصاده و لا تسرفوا انه لا يحب المسرفين۔ (آیت ۱۴۱، سورة الانعام ۶) اس آیت میں ہے کہ جس دن کھیتی کاٹو اسی دن اس کا حق دو جس سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے کے بعد فوراً زکوۃ واجب ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے کہ صحابہ جلدی زکوۃ دیا کرتے تھے۔ عن الزهری قال : كان الناس لا يؤخرون صدقتهم فی جدب ، و لا خصب و لا عجف ، و لا سمن حتى كان معاوية فأخرها عليهم و ضمنها اياهم . (مصنف عبد الرزاق، باب تتابع صدقتين، ج رابع، ص ۳۷، نمبر ۶۹۴۲) اس اثر میں ہے کہ صحابہ جلدی زکوۃ دیا کرتے تھے اور حضرت امیر معاویہ تاخیر کرنے کی گنجائش دیا کرتے تھے لیکن اس کا ضمان بھی لازم کیا کرتے تھے۔

ترجمه: ۱۱ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ تاخیر کے ساتھ ہے، اس لئے کہ تمام عمر ادا کا وقت ہے، یہی وجہ ہے کہ تفریط کے بعد

(۷۵۶) ولیس علی الصبی والمجنون زکوٰۃ ﴿۱ خلا فاللشافعی فانه یقول هی غرامة مالیة فتعتبر بسائر المؤن کنفقة الزوجات وصار کالعشروالخراج

نصاب ہلاک ہونے سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی فوری نہیں ہے اسلئے سہولت کے باوجود ادا کرنے میں تاخیر کی تو گنہگار نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ تمام عمر میں جب بھی ادا کرے گا وہ ادا ہی شمار کیا جائے گا جس سے اشارہ ملتا ہے کہ تاخیر کے ساتھ واجب ہے۔(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سہولت کے باوجود ادا نہیں کیا اور بعد میں پورا مال ہی ہلاک ہو گیا تو وہ زکوۃ مقدار کا ضامن نہیں ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کی ادائیگی فوری طور پر واجب نہیں ہے۔ـتفریط: زیادتی کرنا،

ترجمہ: (۷۵۶) بچے پر اور مجنون پر زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح: پہلے متن میں گزر چکا ہے کہ زکوۃ فرض ہونے کے لئے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے، اس پر یہ تفریع ہے کہ بچہ بالغ نہیں ہوتا اسلئے اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے، اسی طرح مجنون کو عقل نہیں ہوتی اس لئے اس پر بھی زکوۃ فرض نہیں ہے۔ اسکے لئے یہ حدیث گزر چکی ہے (۱)۔**عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل** . (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یصیب حداج ثانی ص ۲۵۶ کتاب الحدود ،نمبر ۴۴۰۳ / ابن ماجہ شریف، باب طلاق المعتوہ والصغیر والنائم، کتاب الطلاق ص ۲۹۲، نمبر ۲۰۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے، اور مجنون کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو زکوۃ بھی اس کے مال میں واجب نہیں ہوگی۔(۲) اثر میں ہے۔**عن ابن عباس قال : لا یجب علی مال الصغیر زکاة حتی تجب علیه الصلاة** ۔(دار قطنی، باب استقراض الوصی من مال الیتیم، ج ثانی، ص ۹۷، نمبر ۱۹۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بچے کے مال پر زکوۃ نہیں ہے۔(۳) اثر میں ہے۔**عن ابراھیم قال لیس فی مال الیتیم زکوة حتی یحتلم**. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳ من قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یبلغ ج ثانی، ص ۳۷۹، نمبر ۱۰۱۲۶ / مصنف عبد الرزاق، باب صدقۃ مال الیتیم، ج رابع، ص ۵۸، نمبر ۷۰۲۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ خلاف امام شافعیؒ کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ مال پر لازمی حق ہے اسلئے باقی حقوق مالیہ پر قیاس کیا جائے گا، جیسے بیوی کا نفقہ، اس لئے زکوۃ عشر اور خراج کی طرح ہوگئی۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بچے اور مجنون پر بھی نصاب کے مالک ہونے پر زکوۃ فرض ہے، اسکی وجہ یہ فرماتے

۲؎ ولنا انها عبادة فلا تتادى الا بالاختيار تحقيقا لمعنى الابتلاء ولا اختيار لهما لعدم العقل.

ہیں کہ زکوۃ مالی حق ہے تو جس طرح اور مالی حق بچے سے وصول کیا جاتا ہے اور فرض ہے اسی طرح یہ حق بھی فرض ہوگا۔ جیسے بچے کی بیوی ہو تو اس کا نفقہ لازم ہوتا ہے، اسی طرح زکوۃ بھی لازم ہوگی۔ یا بچے کی زمین کی پیداوار میں عشر اور خراج لازم ہوتا ہے اسی طرح زکوۃ بھی لازم ہوگی۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ : و تجب الصدقة علی کل مالک تام الملک من الاحرار و ان کان صبیا أو معتوها أو أمراة ، لا فتراق فی ذالک بینهم ، کما یجب فی مال کل واحد ما لزم ماله بوجه من الوجوه جنایة أو میراث منه ، أو نفقة علی والدیه أو ولد زمن محتاج ، سواء کان فی الماشیة و الزرع و الناض و التجارة وزکاة الفطر لا یختلف ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ ، باب من تجب علیہ الصدقۃ ، ج رابع ،ص ۹۵، نمبر ۳۹۵۵) اس عبارت میں ہے کہ بچے اور مجنون پر زکوۃ فرض ہے، اس لئے کہ یہ حقوق مالیہ میں سے ہے۔

وجه :(۱) اس لئے کہ یہ وجوب مالیہ ہے اور مال میں جس طرح ٹیکس اور عشر وجب ہوتا ہے اسی طرح زکوۃ بھی واجب ہوگی (۲) خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزکیهم بها (آیت ۱۰۳، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ سب سے زکوۃ لو اور اس میں بڑے چھوٹے کا فرق نہیں ہے اس لئے بچے سے بھی زکوۃ لی جائے گی۔ (۳) حدیث میں ہے عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی یتیما له مال فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تاکله الصدقة (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ مال الیتیم ص ۱۳۹ نمبر ۶۴۱ / دار قطنی ، باب وجوب الزکوۃ فی مال الصبی والیتیم ، ج ثانی ،ص ۹۵، نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال میں زکوۃ ہے اور یتیم اس کو کہتے ہیں جو نا بالغ ہو اس لئے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے مال میں زکوۃ ہے (۴) عن عمر بن شعیب عن ابیه عن جده قال : قال رسول الله ﷺ : فی مال الیتیم زکوة . (دار قطنی ، باب وجوب الزکوۃ فی مال الصبی والیتیم ، ج ثانی ،ص ۹۵، نمبر ۱۹۵۳ / سنن بیہقی ، باب من تجب علیہ الصدقۃ ، ج رابع ،ص ۱۷۹، نمبر ۷۳۳۹) اس حدیث میں ہے کہ یتیم کے مال میں زکوۃ ہے، اس لئے بچے کے مال میں زکوۃ ہے۔ اور عقل نہ ہونے میں اسی درجے میں مجنون ہے اس لئے اسکے مال میں بھی زکوۃ ہے۔

لغت: غرامۃ : تاوان، ایسا حق جسکا ادا کرنا ضروری ہو۔ مؤن: حقوق مالیہ، اخراجات۔ عشر: زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ خراج، کافر کی زمین پر سالانہ ٹیکس لازم کرتے ہیں، اس کو خراج کہتے ہیں۔ مؤنۃ: کسی چیز کو باقی رکھنے کا جو خرچ ہے اس کو مؤنت کہتے ہیں۔ اسی کو حقوق مالیہ بھی کہتے ہیں۔

ترجمه: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ عبادت ہے اسلئے بغیر اختیار کے ادا نہیں ہوگی ابتلاء کے معنی کو متحقق کرنے کے لئے، اور عقل نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو اختیار نہیں ہے [اس لئے ان دونوں پر زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی]۔

تشریح: بچے اور مجنون کے مال میں زکوۃ فرض نہیں ہے اسکی یہ دلیل عقلی ہے، کہ زکوۃ نماز کی طرح عبادت ہے، اور عبادت اختیار

۳؎ بخلاف الخراج لانه مؤنة الارض و کذٰلک الغالب فی العشر معنی المؤنة ومعنی العبادة تابع ۴؎ ولو افاق فی بعض السنة فهو بمنزلة افاقته فی بعض الشهر فی الصوم ۵؎ وعن ابی یوسفؒ انه یعتبر اکثر الحول

سے ادا ہوتی ہے، کیونکہ عبادت ادا کروانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو آزمائش ہو، کہ وہ اپنے اختیار سے کرتا بھی ہے یا نہیں! اور مشقت اور ابتلاء بھی ہو، اور بچے اور مجنون میں عقل ہی نہیں ہے اس لئے ان کو اختیار کہاں سے ہوگا!، اور اسکی آزمائش کیا کریں گے، اور انکو مشقت اور ابتلاء میں ڈالنے سے کیا فائدہ ہوگا! اس لئے ان پر زکوۃ فرض نہیں۔۔ ابتلاء: بلاء سے مشتق ہے، آزمائش، مشقت میں ڈالنا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف خراج کے اسلئے کہ وہ زمین کا حقوق مالیہ ہے۔ اسی طرح عشر میں غالب معنی حقوق مالیہ ہے اور عبادت کا معنی تابع ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ جس طرح خراج اور عشر بچے اور مجنون پر واجب ہیں اسی طرح زکوۃ بھی واجب ہونی چاہئے۔ اس کا جوب یہ دے رہے ہیں کہ خراج عبادت نہیں ہے بلکہ وہ زمین کا حق ہے اس لئے اس میں اختیار اور آزمائش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح عشر میں زمین کا حق غالب ہے اور عبادت کا معنی اس کے تابع ہے، اس لئے اس میں بھی اختیار کی ضرورت نہیں اس لئے یہ دونوں پر لازم ہو سکتے ہیں، اور زکوۃ میں خالص عبادت ہے جسکے لئے اختیار کی ضرورت ہے اس لئے وہ بچے اور مجنون پر فرض نہیں ہو سکتی۔۔ یہ دلیل عقلی ہے۔ اصل تو اوپر کی حدیث اور اثر ہیں۔

ترجمہ: ۴؎ اگر سال کے بعض حصے میں افاقہ ہو گیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ روزے میں مہینے کے بعض حصے میں افاقہ ہو گیا ہو۔ [تو پورے سال کی زکوۃ واجب ہوگی]

تشریح : رمضان کے مہینے میں مجنون کو پورا مہینہ جنون رہا تو کسی دن کا بھی روزہ لازم نہیں ہوگا۔ لیکن کسی وقت بھی افاقہ ہو گیا تو پورے مہینے کا روزہ لازم ہو جائے، اور جب جنونیت ختم ہوگی اس وقت قضا کرنا ہوگا۔ کیونکہ رمضان کے مہینے کا ایک جز بھی پورے مہینے کے روزے کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح نصاب کے مالک ہونے کے بعد سال کے کسی حصے میں مجنون کو افاقہ ہو گیا تو پورے سال کی زکوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ سال کے کسی حصے میں افاقہ ہونا پورے سال کی زکوۃ فرض ہونے کا سبب ہے۔

ترجمہ: ۵؎ حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ وہ سال کے اکثر حصے کا اعتبار کرتے ہیں۔

تشریح : ایک روایت تو وہ گزری کہ سال میں تھوڑی دیر کے لئے بھی باہوش رہا تو پورے سال کی زکوۃ واجب ہوگی۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ سال کے اکثر حصے کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اگر مجنون آدھے سال سے زائد باہوش رہا تو پورے

٦ ولا فرق بین الاصلی والعارضی. ٧ وعن ابی حنیفۃؒ انہ اذا ابلغ مجنونا یعتبر الحول من وقت الافاقۃ بمنزلۃ الصبی اذا بلغ (۷۵۷) ولیس علی المکاتب زکوٰۃ ﴾

سال کی زکوۃ واجب ہوگی، اور اگر آدھے سال سے کم ہوش میں رہا تو کچھ بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس روایت میں وجوب زکوۃ کے لئے اکثر کو سبب زکوۃ قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے (للاکثر حکم الکل)

ترجمہ: ٦ اس روایت میں اصلی جنون اور عارضی جنون میں فرق نہیں ہے۔

تشریح: جنون اصلی اس کو کہتے ہیں کہ جب بالغ ہو رہا ہو تو اس وقت بھی وہ مجنون تھا۔ اور جنون عارضی اس کو کہتے ہیں کہ جب بالغ ہو رہا تھا تو وہ عقلمند تھا بعد میں جنون طاری ہو گیا۔ جنون اصلی اور عارضی میں فرق نہ ہونے کا مطلب پہلی روایت کے اعتبار سے یہ ہوگا، کہ جنون اصلی ہو یا عارضی تھوڑی دیر کے لئے بھی افاقہ ہو گیا تو پورے سال کی زکوۃ واجب ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ سال کے اکثر حصے میں افاقہ ہوگا تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ٧ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مجنون ہو کر بالغ ہوا تو ہوش ہونے کے وقت سے سال گنا جائے گا، جیسے کہ بچہ جب سے بالغ ہوتا ہے اس وقت سے سال گنا جاتا ہے۔

تشریح: حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت میں جنون اصلی اور جنون عارضی میں فرق فرمایا ہے، کہ اگر جنون اصلی یعنی بالغ ہوتے وقت جنون تھا تو جس وقت سے افاقہ ہوا اور ہوش میں آیا اس وقت سے سال شروع ہوگا، اور جب سال پورا ہوگا اس وقت زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی، ابھی نہیں۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ہوش ہونے سے پہلے وہ مخاطب ہی نہیں تھا، ہوش ہونے کے بعد مخاطب ہوا تو اس وقت سے حولان حول گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔ جیسے کہ بچہ جس وقت بالغ ہوتا ہے اس وقت سے مخاطب شروع ہوتا ہے اور نصاب پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

اور اگر جنون عارضی ہو یعنی بالغ ہوتے وقت عقل والا تھا تو بلوغ کے وقت سے مخاطب شروع ہو گیا اب درمیان میں مجنون ہو گیا، تو سال کے درمیان کبھی بھی افاقہ ہو گیا اور ہوش آ گیا تو تھوڑے سے افاقے سے بھی پورے سال کی زکوۃ واجب ہو جائے گی، اور سال گزرنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ بالغ ہونے کے وقت سے مکلّف تھا اور مخاطب تھا صرف جنونیت کی وجہ سے خطاب روک لیا گیا تھا۔

ترجمہ: (۷۵۷) مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ: (۱) وہ غلام ہے اور غلامیت ملک تام کے منافی ہے، اس لئے مکاتب اپنے مال کا مکمل مالک نہیں ہے اسلئے اسکے مال میں زکوۃ نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق (دار قطنی ۱۰، باب لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعتق ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۱۹۴۱ سنن للبیھقی، باب من قال لیس فی مال العبد زکوۃ، ج رابع

ل وليس بمالک من کل وجه لوجود المنافی وهو الرق ولهذا لم يکن من اهل ان يعتق عبده (۷۵۸) ومن کان عليه دين يحيط بماله فلا زکوٰة عليه ﴾ ل وقال الشافعیؒ يجب لتحقق السبب وهو ملک نصاب نام

ص۱۸۲، نمبر ۷۳۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ آزاد نہیں ہے، (۳) دوسری بات یہ ہے کہ مال کا پورا مالک بننا ضروری ہے اور غلام کا مال نہیں ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس کے مولی کا مال ہے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ مکاتب پورے طور پر مال کا مالک نہیں ہے، ملک کے منافی یعنی غلامیت کے پائے جانے کی وجہ سے، اسی لئے مکاتب اس کا اہل نہیں ہے کہ اپنے غلام کو آزاد کرے۔

تشریح : مکاتب کے مال پر زکوۃ واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پورے طور پر اپنے مال کا مالک نہیں ہے، کیونکہ اس میں ابھی غلامیت ہے جو ملکیت کے منافی ہے، کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مکاتب اپنے خریدے ہوئے غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر آزاد کرنا چاہے تو آزاد نہیں کر سکتا، وہ آزاد کرنے کا اہل نہیں ہے۔

ترجمه: (۷۵۸) جس پر ایسا قرض ہو کہ اس کے مال کو گھیرے ہوئے ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح: مثلا ایک آدمی کے پاس پانچ سو درہم موجود ہیں لیکن اس پر پانچ سو قرض بھی ہے تو اگر قرض ادا کرے گا تو کچھ نہیں بچے گا اس لئے گویا کہ اس کے پاس مال نصاب ہی نہیں ہے اس لئے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

وجه: اثر میں ہے. سمعت عثمان يخطب و هو يقول : ان هذا شهر زکوتکم ، فمن کان عليه دين فليؤده ، ثم ليؤد زکاة ما فضل . (مصنف عبد الرزاق، باب لا زکاۃ الا فی فضل، ج رابع ،ص ۴۷، نمبر ۷۱۱۶ رموطا امام مالک، الزکوۃ فی الدین ص ۲۸۴ رسنن للبیہقی ، باب الدین مع الصدقۃ ج رابع ،ص ۲۴۹، نمبر ۷۶۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرض ادا کر کے جو باقی بچے اگر وہ نصاب تک پہنچے اور اس پر سال گزر جائے تو اس باقی ماندہ مال میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں۔

ترجمه: ل امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زکوۃ فرض ہے، سبب کے متحقق ہونے کی وجہ سے، اور وہ بڑھنے والے نصاب کا مالک ہونا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مثلا کسی پر دو سو درہم قرض ہو اور اس کے پاس دو سو درھم موجود ہو تو سب پر زکوۃ لازم ہوگی، قرض کو کم نہیں کیا جائے گا۔ موسوعۃ میں ہے۔ قال [الشافعیؒ] و ان لم يقض عليه بالمئتين الا بعد حولها ، فعليه أن يخرج منها خمسة دراهم ثم يقضی عليه السلطان بما بقی منها . (موسوعۃ امام شافعی، باب الدین مع الصدقۃ، ج رابع ،ص ۱۸۰، نمبر ۴۲۸۳) اس عبارت میں ہے کہ دو سو درہم قرض ہو اور دو سو درہم اس کے پاس موجود ہو تو سب کی زکوۃ پانچ درہم لا

۲ ولنـا انه مشغول بحاجته الاصلية فاعتبر معدوما كالماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة (۷۵۹)وان كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا﴾ ا بالفراغة عن الحاجة

زم ہوگا۔

وجه: (ا)اس اثر میں ہے. عن حماد بن ابی سلیمان أنه قال : یزکی الرجل ماله و ان کان علیه من الدین مثله لأنه یأکل منه و ینکح فیه ۔(سنن للبیہقی ، باب الدین مع الصدقۃ ج رابع ص ۲۵۱،نمبر ۷۶۱۸)اس اثر میں ہے کہ چاہے قرض ہوزکوۃ واجب ہوگی ۔(۲) دوسری وجہ صاحب ھدایہ نے بیان کی ہے کہ وہ آدمی زکوۃ کے سبب کا مالک ہے یعنی نصاب کا مالک ہے اسلئے سبب کے متحقق ہونے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوگی ۔

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وہ مال اسکی حاجت اصلیہ میں مشغول ہے اسلئے یہ مال معدوم شمار ہوا، جیسے وہ پانی جو پیاس بجھانے کے لئے متحقق ہوگیا ہو،اور جیسے روزمرہ کے استعمال کے اور کام کے کپڑے ۔

تشریح : کہ اسکے پاس نصاب کا مال تو ہے،لیکن قرض میں مشغول ہے،اس کو قرض دینا ہے تو گویا کہ اس کے پاس نصاب کا مال ہے ہی نہیں ۔اسکی تین مثالیں پیش کر رہے ہیں[۱] جیسے کسی کے پاس تھوڑا سا پانی ہو لیکن ایسے صحرا میں ہو کہ وہاں دور دور تک پانی نہ ہو اب اس پانی سے وضو کر لے تو پیاسا مر جائے گا،اس لئے یہ پانی پینے کے لئے مستحق ہوگیا،تو گویا کہ اس کے پاس پانی ہے ہی نہیں اس لئے وہ تیمّم کر کے نماز پڑھے گا ۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ روزانہ پہننے کے کپڑے ہوں تو اگر چہ اسکے پاس نصاب کے برابر کپڑا ہے،لیکن اسکی اصلی ضرورت کے لئے کپڑا ہے اس لئے اس کپڑے میں زکوۃ واجب نہیں ہے ۔[۳] یا خدمت کرتے وقت پہننے کا کپڑا نصاب کے برابر ہے لیکن یہ اسکی اصلی ضرورت کا کپڑا ہے اسلئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے ۔حاصل یہ نکلا کہ جو چیز اصلی ضرورت کے لئے ہو اس میں زکوۃ نہیں ہے اور قرض بھی اصلی ضرورت ہے اس لئے اسکے لئے جو مال ہوگا اس میں زکوۃ نہیں ہوگی ۔ اسکے لئے اثر اوپر گزر گیا۔

لغت : نام: بڑھنے والا مال ۔معدوم: جو موجود ہو لیکن اس کا کوئی اعتبار نہ ہو، یا ختم ہو چکا ہو۔حاجت اصلی: جسکے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہو اس کو حاجت اصلیہ کہتے کہتے ہیں ۔عطش : پیاسا ہونا۔ ثیاب البذلۃ : بذل معنی خرچ کرنا، ثیاب البذلۃ : روزانہ استعمال کا کپڑا ۔مھنۃ : خدمت کرنا، ثیاب المھنۃ : خدمت کے وقت پہننے کا کپڑا ۔

ترجمه:(۷۵۹) اور اگر اس کا مال قرض سے زیادہ ہو تو زیادہ مال کی زکوۃ واجب ہوگی اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے ۔

ترجمه : ا بشرطیکہ ضرورت اصلیہ سے بھی فارغ ہو۔

تشریح : مثلا کسی کے پاس چار سو درہم ہے اور اس کے اوپر دوسو درہم قرض ہے تو دوسو درہم قرض سے زیادہ ہے اور یہ چاندی کا

۲ والمراد به دين له مطالب من جهة العباد حتى لا يمنع دين النذر والكفارة.

نصاب بھی ہے اس لئے اگر دوسری اصلی ضرورت پوری کرنے کے بعد دوسو درہم بچے تو اس پر دوسو درہم کی زکوۃ فرض ہوگی۔اور باقی دوسو درہم قرض میں چلا گیا۔

وجه: (ا) اثر میں ہے عن ابن عباس و ابن عمر فی الرجل یستقرض فینفق علی ثمرته و علی اهله قال قال ابن عمر یبدأ بما استقرض فیقضیه و یزکی ما بقی،قال:و قال ابن عباس یقضی ما انفق علی الثمرة ثم یزکی ما بقی (سنن للبیهقی ،باب الدین مع الصدقة ج رابع ص ۲۴۹ ،نمبر ۷۶۰۸ ،کتاب الزکوۃ) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے قرض ادا کرے گا پھر جو بچے گا اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔اور اگر وہ نصاب تک نہ پہنچ سکا مثلا قرض ادا کرنے کے بعد ایک سو نوے درہم ہی رہتا ہے اور ایک سو نوے درہم نصاب سے کم ہے اس لئے اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۲ دین سے مراد وہ قرض ہے جسکا مطالبہ بندے کی جانب سے ہو یہی وجہ ہے کہ نذر اور کفارہ کا دین زکوۃ کو نہیں روکے گا۔

تشریح : یہاں سے یہ تفصیل ہے کہ کون کون سے قرضوں کو نصاب کے مال میں سے کم کیا جائے گا،اور کم کرنے کے بعد جو مال بچے وہ نصاب کے برابر ہو تو زکوۃ واجب ہوگی اور نصاب سے کم رہ جائے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی

قرض تین قسم کے ہیں [۱] ایک تو وہ قرض ہے جسکا وصول کرنے والا اور مطالبہ کرنے والا بندہ ہو۔جیسے عمر نے زید کو قرض دیا تو عمر اس کا مطالبہ کرنے والا ہے۔ یہ قرض مال نصاب سے کم کیا جائے گا [۲] دوسرا قرض وہ ہے جسکا مطالبہ کرنے والا بندہ نہیں ہے بلکہ شریعت ہے۔جیسے کسی نے نذر مانی کہ فلاں کام ہوگا تو پانچ درہم صدقہ کرونگا اور وہ کام ہو گیا تو اس پانچ درہم کا مطالبہ کرنے والا بندہ نہیں ہے شریعت ہے،اسی طرح کسی پر قسم کھانے کا کفارہ ہے تو اس کفارے کا مطالبہ کرنے والا شریعت ہے بندہ نہیں ہے،تو ایسا قرض جسکا مطالبہ کرنے والا شریعت ہو بندہ نہ ہو تو یہ زکوۃ کے وجوب کو نہیں روکتا۔اور اس کو مال نصاب سے کم نہیں کیا جائے گا [۳] تیسرا ہے زکوۃ کا قرض،یعنی کسی پر زکوۃ واجب ہوئی تھی وہ ادا نہیں کیا تو اس کو مال نصاب سے کم کیا جائے گا یا نہیں،اس بارے میں اختلاف ہے۔امام زفرؒ کے یہاں کم نہیں کیا جائے گا،وہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بھی بندہ نہیں ہے شریعت ہے اس لئے اس سے زکوۃ نہیں رکے گی کیونکہ زکوۃ بھی نذر اور کفارے کے قرض کی طرح ہوگئی۔

اور حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ ہے۔[۱] چرنے والے جانوروں میں مسلمانوں کا امام زکوۃ کا مطالبہ کرتا ہے اور فقراء کو دیتا ہے۔ [۲] مال تجارت میں عاشر زکوۃ وصول کرتا ہے اور فقراء میں تقسیم کرتا ہے [۳] اور جو مال گھر کے اندر ہے جیسے سونا چاندی اسکے بارے میں سونے چاندی کے مالکوں کو حکم ہے کہ خود فقراء میں تقسیم کرو تو گویا کہ مالک خود زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا ہوا اور امام وقت کا نائب ہوا۔ ہر صورت میں زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ ہے،اس لئے اگر زکوۃ کا قرض موجود ہے تو قرض کے مطابق مال

۳ ودين الزكوٰة مانع حال بقاء النصاب لانه ينتقص به النصاب و كذا بعد الاستهلاک.

کم کر دیا جائے گا، اور کم کرنے بعد بھی نصاب تک مال بچے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی، اور کم کرنے کے بعد نصاب تک مال نہ بچے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ مثلا ایک آدمی کے پاس چار سو درہم ہے اور اس پر سال گزر چکا ہے، لیکن اس نے پچھلے سال کا دوسو درہم زکوۃ کی ادا نہیں کی ہے اس لئے یہ دوسو درہم زکوۃ کا اس پر قرض ہے، اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ دوسو درہم کم ہو جائے گا اور صرف دوسو درہم کی زکوۃ پانچ درہم واجب ہوگا۔ اور امام زفرؒ کے یہاں زکوۃ کا قرض کم نہیں ہوگا، اس لئے پورے چار سو درہم کی زکوۃ دس درہم واجب ہوگا۔

ترجمه: ۳ زکوۃ کا قرض نصاب کے باقی رہنے کی حالت میں زکوۃ کو روکنے والی ہے، اس لئے کہ اس سے نصاب کم ہو جائے گا۔ اور ایسے ہی ہلاک کرنے کے بعد۔

تشریح: یہاں سے زکوۃ کے قرض کی تین صورتیں بیان فرما رہے ہیں، اور ہر ایک کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔

[۱] **حال بقاء النصاب** : ایک ہے پچھلے نصاب کا باقی رہنا، جسکو مصنف حال بقاء النصاب سے بیان فرما رہے ہیں۔ مثلا پچھلے سال ۲۰۰۵ء میں زید کے پاس دوسو درہم تھا، جس پر پانچ درہم زکوۃ واجب ہوتی تھی، اس نے اس زکوۃ کو ادا نہیں کیا جو اس پر زکوۃ کا قرض رہا، اس سال ۲۰۰۶ء میں دوسو درہم ہی باقی رہا نہ بڑھا اور نہ گھٹا، اور اس پر سال گزر گیا۔ تو اس سال کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہوگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پچھلے سال کی زکوۃ کا قرض کم کر دیا جائے تو اب اسکے پاس ایک سو پنچانوے [۱۹۵] درہم باقی رہتا ہے جو چاندی کے نصاب دوسو درہم سے کم ہے اس لئے اس سال اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

وجه : زکوۃ عام قرض کی طرح ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ **سألت حماد عن رجل بعث بزكاته مع رجل يدفعها الى السلطان فهلكت في الطريق أتجزىء عنه ؟ قال ....لا تجزىء عنه و ان بلغت أيضا ، هى بمنزلة الدين .**
(مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الزکوۃ، ج رابع، ص ۴۳، نمبر ۶۹۲۶) اس اثر میں ہے کہ زکوۃ عام قرض کی طرح ہے۔ اور امام زفرؒ کے نزدیک چونکہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ نہیں ہے اس لئے زکوۃ کا قرض کم نہیں کیا جائے گا، اس لئے ۲۰۰۶ء میں بھی دوسو درہم رہے اس لئے ۲۰۰۶ء میں بھی دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی۔

[۲] **كذا بعد الاستهلاک** : دوسرا ہے نصاب کو ہلاک کرنے کی صورت۔ مثلا ایک آدمی کے پاس ۲۰۰۵ء میں دوسو درہم ہے، سال گزرنے کے بعد اس پر پانچ درہم زکوۃ واجب ہوئی، اس نے اسکو ادا نہیں کیا جو اس پر زکوۃ کا قرض رہا، بعد میں اس نے اس دوسو درہم کو جان کر ہلاک کر دیا۔ ۲۰۰۶ء میں دوبارہ دوسو درہم کا مالک بنا اور اس پر سال گزر گیا، اب چونکہ اس نے ہلاک کیا ہے اسلئے زکوۃ معاف نہیں ہوئی، اور بندے کی جانب سے زکوۃ وصول کرنے کا مطالبہ باقی رہا، اس لئے ۲۰۰۶ء میں جب دوسو درہم کا مالک بنا

۴ خلافا لزفرؒ فيهما. ۵ ولا بى يوسفؒ فى الثانى على ما روى عنه

توزکوۃ کے قرض کا پانچ درہم کم ہوگیا،اوراسکے پاس صرف[۱۹۵]ایک سو پنچانوے درہم باقی رہے جو چاندی کے نصاب سے کم ہے اس لئے اس پر ۲۰۰۶ء زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ينتقض به النصاب : کا مطلب یہ ہے کہ زکوۃ کا قرض کم کیا جائے گا،اس لئے اگلے سال میں نصاب پورا نہیں ہوگا،اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

۔اس صورت[كذا بعد الاستهلاک] کے بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مال ہلاک کر دینے کے بعد گویا کہ زکوۃ معاف ہوگئی،اور جب زکوۃ معاف ہوگئی تو اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی بندہ بھی نہیں رہا،اس لئے پچھلے سال کی پانچ درہم زکوۃ کم نہیں کی جائے گی اسلئے اسکے پاس پورے دوسو درہم رہے جو نصاب ہے،اس لئے اس پر اس سال[۲۰۰۶ء میں]بھی زکوۃ واجب ہوگی۔اس صورت میں حضرت امام زفر بھی امام یوسفؒ کے ساتھ ہیں کہ اگلے سال کی زکوۃ واجب ہوگی۔اور انکی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ نہیں ہے شریعت ہے،اس لئے پچھلے سال کے قرض زکوۃ کو کم نہیں کیا جائے گا،اور جب کم نہیں کیا گیا تو پورے دوسو درہم کے مالک بنے اسلئے زکوۃ واجب ہوگی۔

[۳] یہ صورت مصنف نے ذکر نہیں کی:۔تیسری صورت یہ ہے کہ نصاب پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ ادا نہیں کی ٹال مٹول کرتا رہا کہ خود بخود مال ہلاک ہوگیا ،اس صورت میں زکوۃ معاف ہوگئی،اور اس آدمی پر زکوۃ کا قرض نہیں رہا،اس لئے اگلے سال نصاب کا مالک بنا تو یہ قرض کم نہیں کیا جائے گا،اس لئے وہ پورے دوسو درہم کا مالک رہا اسلئے اگلے سال اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔یہ مسئلہ: مسئلہ نمبر ۷۵۵،حاشیہ ۱۱ میں گزر چکا ہے۔

ترجمہ: ۴ ان دونوں صورتوں میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح: یہ تفصیل گزر چکی ہے:۔اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ چاہے پچھلے سال کا نصاب ابھی بھی باقی ہو یا اسکو ہلاک کر دیا،اور دوبارہ دوسو درہم کا مالک ہوا ہو دونوں صورتوں میں انکے یہاں زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ نہیں ہے بلکہ شریعت ہے،اس لئے اس قرض کو اگلے سال کے نصاب میں کم نہیں کیا جائے گا،اس لئے مالک اگلے سال پورے دوسو درہم کا مالک بنا اسلئے اس پر اس کی بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

ترجمہ : ۵ حضرت امام ابو یوسفؒ کا اختلاف دوسرے مسئلے میں ہے جیسا کہ اس سے روایت ہے۔

تشریح : دوسرے مسئلے سے مراد یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہونے کے بعد مالک نے خود مال ہلاک کر دیا ہو،تو امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ مال ہلاک کرنے کے بعد اسکی زکوۃ معاف ہوگئی اس لئے وہ قرض اگلے سال میں کم نہیں کیا جائے گا،اس لئے کہ نصاب ہلاک کرنے کے بعد بندے کی جانب سے مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں رہا۔

ے لان لـه مـطالبا وهو الامام فی السوائم ونائبه فی اموال التجارة فان الملّاک نوّابه. (۷۶۰) ولیس فـی دور السـکـنـی وثیاب البدن واثاث المنازل ودوابّ الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ ﴿

ترجمہ : ے اس لئے کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والاموجود ہے۔ چرنے والے جانوروں میں امام ہے۔اور تجارت کے مالوں میں امام کے نائب ہیں،اس لئے کہ مال کے مالک بھی امام کے نائب ہیں۔

تشریح : یہاں سے امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ ہے۔[۱] باہر چرنے والے جانوروں میں خلیفۃ المسلمین کو حق ہے کہ وہ اسکی زکوۃ وصول کرے۔اس آیت میں حضورؐ کو حکم دیا ہے کہ مالکوں سے اسکی زکوۃ وصول کرے آیت یہ ہے۔خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكهم بها و صل عليهم ان صلوتک سکن لهم ۔(آیت۱۰۳،سورۃ التوبۃ۹)اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بادشاہ ہے جو بندہ ہے۔عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل حين بعثه الى اليمن .....أن الله قد فرض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم ۔(بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا،ص۲۴۳،نمبر۱۴۹۶)اس حدیث میں ہے کہ مالداروں سے صدقہ لیا جائے اور غریبوں میں تقسیم کیا جائے۔اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ زکوۃ کا مطالبہ کرنے والا بندہ ہے۔

[۲]اور تجارت کا مال جب شہر کے چنگی کے پاس سے گزرے گا تو عاشر اسکی زکوۃ کا مطالبہ کرے گا۔[۳]اور جو مال گھر کے اندر ہے جیسے سونا اور چاندی،اسکے بارے میں تو خود مالکوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے ہی سے مطالبہ کر کے فقراء میں تقسیم کردے۔اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فاما من أعطى و أتقى و صدق بالحسنى فسنيسره لليسرى ۔(آیت۵سورۃ اللیل۹۲)اس آیت میں ہے کہ مالک خود زکوۃ دے جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مطالبہ کرنے والا خود مالک مال بھی ہے۔(۲)اس اثر میں ہے کہ مالک خود زکوۃ تقسیم کرے۔عن الحسن قال ان دفعها اليهم أجزى عنه و ان قسمها أجزى عنه .(مصنف ابن ابی شیبۃ،باب من رخص فی أن لا تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی،ص۳۸۶،نمبر۱۰۲۱۱)اس اثر میں ہے کہ بادشاہ کو زکوۃ دے تب بھی کافی ہے اور خود تقسیم کرے تب بھی کافی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مالک خود بھی اپنی زکوۃ کا مطالبہ کرتا ہے۔

لغت : مطالبا: مطالبہ کرنے والا۔امام سے مراد خلیفہ وقت ہے،جنکو زکوۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے۔سوائم: سائمۃ کی جمع ہے، چرنے والے جانور۔ملاک: مالک کی جمع ہے۔نواب: نائب کی جمع ہے۔گویا کہ مال کا مالک زکوۃ وصول کرنے میں خلیفۃ المسلمین کے نائب ہیں۔

ترجمہ: (۷۶۰) زکوۃ واجب نہیں ہے رہنے کے گھر میں، بدن کے کپڑے میں، گھر کے سامان میں،سواری کے جانور میں

،خدمت کے غلام میں اور استعمال کے ہتھیار میں۔

تشریح: وہ چیزیں جو انسانی زندگی میں ضرورت کے لئے ہیں اور روزمرہ کے استعمال میں آتی ہیں ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، رہنے کا ایک گھر، یا پہننے کا کپڑا یا گھر کا سامان، یا سواری کا گھوڑا، یا خدمت کا غلام یا مجاہدین کے لئے استعمال کا ہتھیار یہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں اس لئے انکی قیمت نصاب تک بھی پہنچ جائے تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ ہاں اگر یہ چیزیں خرید و فروخت کے لئے ہوتو پھر اسکی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ حاجت اصلیہ سے خارج ہوئی۔

وجه:(۱) حاجت اصلیہ کی چیزوں میں شریعت زکوۃ واجب نہیں کرتی ہے (۲) حدیث میں ہے۔ سمع ابا هريرة عن النبی ﷺ قال خير الصدقة ماكان عن ظهر غنى وابدأ بمن تعول (بخاری شریف، باب لا صدقۃ الا عن ظہر غنی ص ۱۹۲ نمبر ۱۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ ہونے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔ (۳) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال ليس على المسلم صدقة فی عبده ولا فی فرسه (بخاری شریف، باب لیس علی المسلم فی عبدہ صدقۃ، ص ۲۳۷، نمبر ۱۴۶۴ رمسلم شریف، باب لا زکوۃ علی المسلم فی عبدہ وفرسہ صدقۃ، کتاب الزکوۃ، ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۲ ر ۲۲۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدمت کے غلام اور سواری کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ انہیں پر اوپر کی تمام ضروریات کی چیزوں کو قیاس کرلیں (۴) حدیث میں ہے عن على قال زهيرا حسبه عن النبی ﷺ ... وفى البقر فى كل ثلاثين تبيع والاربعين مسنّة وليس على العوامل شيء (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲) اس حدیث میں ہے کہ جو جانور کھیتی کے کام آتا ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے (۵) عن عمر ابن شعيب عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ قال ليس فى الابل العوامل صدقة (دار قطنی ۶ باب لیس فی العوامل صدقۃ ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ جانور جو روزمرہ کے کام آتے ہیں اور ضرورت کی چیز ہے مثلا ہل جوتنا اور سواری کرنا اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ (۶) گھر اور غلام اور گھوڑا حاجت اصلیہ میں ہیں اسکی دلیل یہ اثر ہے . عن سعيد بن جبير قال : يعطى الزكوة من له الدار و الخادم و الفرس . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۷۷، من لہ دار و خادم یعطی من الزکوۃ، ج ثانی، ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۵) اس اثر میں ہے کہ جسکے پاس رہنے کا گھر ہو اور خادم ہو اور گھوڑا ہو تو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ یہ سب ضرورت اصلی میں داخل ہے۔

اصول: حاجت اصلیہ کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

لغت: دور السکنی : وہ گھر جس میں آدمی بسیرا کرتا ہو، اثاث : گھر کا سامان، فرنیچر۔ دواب: دابۃ کی جمع ہے، جانور۔ سلاح: ہتھیار۔

۱ لانها مشغولة بالحاجة الاصلية وليست بنا مية ايضا ۲ وعلى هٰذا كتب العلم لاهلها وآلات المحترفين لما قلنا (۷۶۱) ومن له علىٰ آخر دين فجحده سنين ثم قامت به بينة لم يزكه لما مضى﴾

ترجمه : ۱ اس لئے کہ یہ چیزیں حاجت اصلیہ میں مشغول ہیں اور بڑھنے والی بھی نہیں ہیں ۔

تشریح : یہ چیزیں حاجت اصلیہ میں سے ہیں۔اور بڑھنے والی بھی نہیں ہیں،۔شریعت تین طرح کی چیزوں کو بڑھنے والی کہتی ہے[۱] سونا اور چاندی، ان کو پیدائشی طور پر بڑھنے والا مانتی ہے، انکی تجارت نہ بھی ہو تب بھی یہ بڑھنے والی چیز ہے [۲] تجارت کی چیز۔[۳] سال کا اکثر حصہ چر کر زندگی گزارنے والے جانور۔ یہ بڑھنے والی چیزیں ہیں ان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، اور اوپر کی چیزیں ان میں سے نہیں ہیں اس لئے یہ بڑھنے والی یعنی نامی نہیں ہیں اور ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۲ اسی قاعدے پر عالموں کے لئے علم کی کتابیں، اور حرفت کرنے والے کے لئے اسکے آلات [میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

تشریح : جو عالم ہیں پڑھنے کی کتابیں انکے لئے حاجت اصلیہ میں ہیں اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی، اسی طرح جو لوگ حرفت کرتے ہیں تو حرفت کے آلات انکے لئے حاجت اصلیہ میں سے ہیں، مثلا حلوائی کے لئے دیگیں، یا بڑھئی اور گھڑی ساز کے لئے انکے آلات حاجت اصلیہ میں ہیں اس لئے ان میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ترجمه : (۷۶۱) کسی آدمی کا دوسرے پر قرض ہو اور وہ کئی سال تک انکار کرتا رہے پھر اس پر گواہ قائم کیا تو پچھلے سالوں کی زکوۃ نہ دے۔

تشریح : یہ مسئلہ مال ضمار کا ہے جسکے تحت آٹھ جزئیہ ذکر کر رہے ہیں۔ضمار کا مطلب یہ ہے کہ مالک کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے جس سے ملنے کی امید نہیں ہے اور نہ کوئی گواہ ہے یا کوئی قرینہ ہے کہ اس سے مال وصول کیا جا سکے، اسی حال میں کئی سال گزر گئے، پھر اچانک گواہ مل گیا یا کوئی سبب ہاتھ آ گیا جسکی وجہ سے وہ مال مالک کو مل گیا تو پچھلے سالوں کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا، جب سے مال ملا ہے اس وقت سے زکوۃ شروع ہوگی۔

وجه : (۱) یہ مال اگر چہ مالک کا ہے لیکن اس پر مالک کا تصرف نہیں ہے بلکہ اسکے ذہن میں تو یہ ہے کہ یہ مال اس کو مل ہی نہیں پائے گا یہ مال ختم ہو گیا، یہ تو اچانک کیسے مل گیا! اور تصرف نہیں رہا تو مال کو بڑھانے کی شکل نہیں رہی، اور پہلے گزر چکا ہے کہ زکوۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے کہ اس کو تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھایا جا سکتا ہو، مال نامی ہو، اور یہ مال نامی نہیں ہے اسلئے پچھلے سال کی زکوۃ اس پر واجب نہیں ہوگی (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے. عن ابن عمر قال زكوا ما كان في ايدكم و ما كان من دين في ثقة فهو بمنزلة ما في ايديكم ، و ما كان من دين ظنون فلا زكوة فيه حتى يقبضه۔(سنن بیہقی، باب زکاۃ

ﻟ معناه صارت له بينة بان اقر عند الناس ﻟ٢ وهي مسألة المال الضمار

الدين اذا كان علی معسر أوجاحد، ج رابع ،ص ۲۵۲،نمبر ۷۶۲۴رمصنف ابن ابی شیبۃ ،باب و ما کان لا یستقر یعطیہ الیوم ویأ خذ الی یومین فلیزکہ، ج ثانی ،ص ۳۸۹،نمبر ۱۰۲۵۱)اس اثر میں ہے کہ جو مال قابل اعتماد کے پاس ہو اسکی زکوۃ دو،اور جو مال ظنون یعنی جسکے پاس سے قرض وصول ہونے میں پورا شک ہو اس قرض کے وصول ہونے کے بعد زکوۃ شروع ہوگی ۔(۳)أن عمر بن عبد العزیزؒ کتب فی مال قبضه بعض الولاة ظلما یأمر برده الی أهله و تؤخذ زكاته لما مضى من السنين ثم اعقب بعد ذالک بکتاب أن لا تؤخذ منه الا زكاة واحدة فانه كان ضمار ا ثم قال أبو عبيد : يعني الغائب الذى لا يرجى .(سنن بیہقی، باب زکاۃ الدین اذا کان علی معسر أوجاحد، ج رابع ،ص ۲۵۳،نمبر ۷۶۲۶)اس اثر میں ہے کہ حضرت عمرابن عبدالعزیز صرف اس سال کی زکوۃ دلواتے تھے جس سال ظلم سے لیا ہوا مال واپس آیا ہو، پچھلے سالوں کا نہیں ۔ کیونکہ یہ مال ضمار کی طرح ہے۔(۴)صاحب ھدایہ کا پیش کردہ حضرت علیؓ کا قول یہ ہے۔ قال ابو عبيد في حديث عليؓ في الرجل يكون له الدين الظنون قال يزكيه لما مضى اذا قبضه ان كان صادقا ۔(سنن بیہقی، باب زکاۃ الدین اذا کان علی معسر أوجاحد، ج رابع ،ص ۲۵۲،نمبر ۷۶۲۳رمصنف ابن ابی شیبۃ ،باب و ما کان لا یستقر یعطیہ الیوم ویأ خذ الی یومین فلیزکہ، ج ثانی ،ص ۳۹۰،نمبر ۱۰۲۵۶) اس اثر میں ہے کہ شک والے قرض کا آدمی سچا ہو تو پچھلے سالوں کی زکوۃ ادا کرو،اور سچا نہ ہو تو ادا نہ کرو۔

اصول : مال ضمار میں پچھلے سالوں کی زکوۃ نہیں ہے۔مال ہاتھ آنے کے بعد زکوۃ شروع ہوگی۔

شرح :۔کسی آدمی کا دوسرے پر قرض تھا وہ کئی سال تک قرض کا انکار کرتا رہا،اور مالک کے پاس اسکا گواہ بھی نہیں تھا کہ گواہی دلوا کر قاضی سے قرض کا فیصلہ کروائے اسی حال میں مثلا پانچ سال گزر گئے ، پانچ سال کے بعد مقروض نے کسی کے پاس قرض کا اقرار کیا اور وہ گواہ بن گیا اور قاضی کے پاس فیصلہ کروا کر دوسو درہم وصول کیا تو اس پانچ سال کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی ، جب سے درہم وصول ہوا ہے اس وقت سے زکوۃ واجب ہوگی ۔ کیونکہ اس مال سے مایوس ہوگیا تھا اور اب اس کو مال حاصل ہوا ہے، اس لئے اب سے زکوۃ شروع ہوگی۔

ترجمہ: ﻟ قامت بہ بینۃ کا معنی یہ ہے کہ اسکے لئے گواہ حاصل ہوگیا اس طرح کہ مقروض نے لوگوں کے پاس قرض کا اقرار کرلیا۔

تشریح : یہ ایک سوال کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ جب مالک کے پاس گواہ پہلے تھا ہی نہیں تو اب گواہ کیسے ہوگیا؟ تو اس کا جواب دیا کہ اب مقروض نے کسی کے پاس اقرار کیا کہ فلاں کا مجھ پر قرض ہے، جسکی وجہ سے وہ آدمی اب گواہ بن گیا۔

ترجمہ: ﻟ٢ یہ مال ضمار کا مسئلہ ہے۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ متن میں جو مسئلہ بیان کیا جارہا ہے وہ مال ضمار کا مسئلہ ہے۔ضمار کا ترجمہ ہے وہ مال جو غائب ہو اور

۳؎ وفيه خلاف زفر والشافعي. ۴؎ ومن جملته المال المفقود والأبق والضال والمغصوب اذا لم يكن عليه بينة والمال الساقط في البحر والمدفون في المفازة اذا نسى مكانه والذى اخذه السلطان

اسکے ملنے کی امید نہ ہو۔ضمار کی تشریح،اور دلائل اوپر ذکر کر چکا ہوں،اس کو دیکھ لیں۔

ترجمہ: ۳؎ اس بارے میں امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح :حضرت امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال ضمار میں پچھلے سالوں کی بھی زکوۃ ہے۔یعنی جو مال کسی کے ہاتھ میں ہو یا ایسی جگہ ہو کہ اسکے ملنے کی امید نہ ہو تب بھی جب وہ مال حاصل ہو گیا تو پچھلے سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔موسوعۃ میں لمبی عبارت کا ٹکڑا یہ ہے۔قال الربيع القول الآخر اصح القولين عندى ، لان من غصب ماله أو غرق لم يزل ملكه عنه .و هو قول الشافعيؒ ۔(موسوعۃ امام شافعی:باب زکاۃ الدین،ج رابع،ص۱۸۵،نمبر۴۳۱۴) اس عبارت میں ہے کہ مال غصب کر لیا ہو یا ڈوب گیا ہو اور ملنے کی امید نہ ہو پھر بھی چونکہ ملکیت مالک کی ہی برقرار رہی اس لئے پچھلے سالوں کی بھی زکوۃ واجب ہوگی ۔اس عبارت میں بھی ہے۔قال الشافعيؒ و هكذا لو كان على رجل مال أصله مضمون ، أو أمانة فجحده أياه و لا بينة له عليه ، أو له بينة غائبة لم يقدر على أخذه منه بأى وجه ما كان الأخذ . قال الربيع : فاذا أخذه زكاه لما مضى عليه من السنين ، وهو معنى قول الشافعيؒ (موسوعۃ امام شافعی:باب زکاۃ الدین،ج رابع،ص۱۸۵،نمبر ۴۳۱۶) اس عبارت میں بھی ہے کہ مال کا انکار کر دیا ہو پھر بھی ملکیت چونکہ اسکی برقرار ہے اسلئے پچھلے سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ : (۱)اس دوران مال کی ملکیت مالک ہی کی برقرار ہے اس لئے زکوۃ واجب ہوگی ،یہ اور بات ہے کہ اس مال پر اس کا تصرف نہیں ہے،تو جیسے مسافر گھر سے دور رہتا ہے اور مال پر اس کا تصرف نہیں رہتا ہے پھر بھی ملکیت کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح یہاں چاہے تصرف نہیں کر سکتا ہے؛لیکن ملکیت ہے اس لئے زکوۃ واجب ہوگی۔(۲)اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ قلت للقاسم بن محمد ان لنا قرضا و دينا فنزكيه قال : نعم ، كانت عائشةؓ تأمرنا أن نزكى ما فى البحر و سألت سالما فقال مثل ذالک ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب وما کان لایستقر یعطیہ الیوم ویأ خذ الی یومین فلیزکہ،ج ثانی،ص۳۹۰،نمبر۱۰۲۵۷)اس اثر میں ہے کہ مال سمندر میں بھی ہو تب بھی زکوۃ واجب ہوگی۔(۳)اس اثر میں بھی ہے .ان عمرؓ قال لرجل : اذا حلت الصدقة فاحسب دينک و ما عندک فاجمع ذالک جميعا ثم زكه ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب وما کان لایستقر یعطیہ الیوم ویأ خذ الی یومین فلیزکہ،ج ثانی،ص۳۸۹،نمبر۱۰۲۵۳) اس اثر میں ہے کہ سارے دین کا حساب کر کے زکوۃ دے دے۔

ترجمہ: ۴؎ مال ضمار میں سے [۲] گم شدہ مال ہے [۳] بھاگا ہوا غلام ہے [۴] اور وہ جانور جو بہک کر گم ہو گیا ہو [۵] وہ مال

مصادرة ﴿۵﴾ ووجوب صدقة الفطر بسبب الأبق والضال والمغصوب علىٰ هٰذا الخلاف

جس کوکسی نے غصب کرلیا ہو بشرطیکہ غاصب پر گواہ نہ ہو[٦]اور وہ مال جو سمندر میں گر پڑا ہو[٧]اور وہ مال جس کو جنگل میں دفن کیا ہو جبکہ اس کی جگہ بھول گیا ہو[٨]اور وہ مال جسکو بادشاہ نے مالک سے جدا کرلیا ہو۔

تشریح : متن کے ساتھ یہ آٹھ قسم کے مال ہیں اور سب اسی اصول پر ہیں کہ مالک کے ہاتھ سے نکل چکے ہیں اور اسکے واپس آنے کی امید نہیں ہے پھر چند سال کے بعد اچانک وہ مال مالک کو مل گیا تو پچھلے سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔۔وہ مال یہ ہیں

[۱]مقروض نے قرض لیا اور انکار دیا اور اسکے خلاف گواہ نہیں ہے،اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک مال مل گیا۔

[۲]المال المفقود: مال گم ہو گیا،اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک مال مل گیا۔۔مفقود کا معنی ہے گم ہو گیا۔

[۳]آبق: غلام بھاگ گیا،اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک غلام مل گیا۔۔آبق کا معنی ہے بھاگ گیا۔

[۴]الضال: غلام بہک کر گم ہو گیا،اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک غلام مل گیا۔۔ضال: گمراہ ہو جانا، بہک جانا۔

[۵]المغصوب: کسی نے مال غصب کرلیا،اور اس پر بینہ بھی نہیں ہے،اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک مال مل گیا۔

[٦]المال الساقط فی البحر: مال سمندر میں گر گیا،اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک مال مل گیا۔

[٧]المدفون فی المفازۃ: مال جنگل میں دفن کر دیا اور اسکی جگہ بھول گیا، اور اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک مال مل گیا

[٨]اخذہ السلطان مصادرۃ: مصادرۃ کا ترجمہ ہے اصرار کر کے لینا،یعنی بادشاہ کا کوئی حق نہیں تھا ویسے ہی اصرار کر کے،یا زبردستی کر کے لے لیا اب اسکے پانے کی امید نہیں ہے۔کئی سال کے بعد اچانک مال مل گیا۔

ان آٹھوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک پچھلے سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہے ملنے کے بعد سے زکوۃ شروع ہوگی۔اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک پچھلے تمام سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔۔امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ پچھلے سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ﴿۵﴾ صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کے بارے میں غلام کے بھاگنے کے سبب سے،اور بہک کر گم ہونے کے سبب سے،اور جس غلام کو غصب کیا ہو اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح : [۱]غلام بھاگ گیا،[۲] یا غلام بہک کر گم ہو گیا،[۳] یا غلام کو کسی نے غصب کرلیا ان غلاموں کو واپس لانے کی کوئی صورت نہیں ہے،اس حال میں چند سال گزر گئے، پھر اچانک یہ تینوں قسم کے غلام مل گئے تو غلام کے ان چند سالوں کا صدقۃ الفطر

۶؎ لهما ان السبب قد تحقق وفوات اليد غير مخل بالوجوب كمال ابن السبيل ۷؎ ولنا قول علی لا زكوٰة فی مال الضمار ۸؎ ولان السبب هو المال النامی ولانماء الابالقدرة علی التصرف ولا قدرة عليه ۹؎ وابن السبيل يقدر بنائبه

مالک پر واجب ہوگا یا نہیں اس بارے میں پچھلے مسئلے کی طرح اختلاف ہے۔حنفیہ کے یہاں یہ غلام بالکل مفقود ہیں اس لئے پچھلے سالوں کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا۔اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے یہاں چونکہ مالک کی ملکیت رہی ہے اس لئے پچھلے سالوں کا بھی صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔

ترجمه: ۶؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ،زکوۃ کا سبب [ملکیت] متحقق ہے اور قبضے کا فوت ہونا واجب ہونے میں مخل نہیں ہے،جیسے کہ مسافر کا مال۔

تشریح : ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ کا سبب ملکیت ہے اور وہ موجود ہے اس لئے زکوۃ واجب ہوگی،باقی رہا کہ اس مال پر قبضہ نہیں ہے تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے،جیسے کہ مسافر کا مال گھر پر ہوتا ہے اور اسکا مال پر قبضہ نہیں ہوتا ہے پھر بھی اس کے مال پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی زکوۃ واجب ہوگی۔

لغت : سبب سے ملکیت مراد ہے۔ید: کا معنی ہے،قبضہ،تصرف کا حق۔ابن السبیل: راستے کا بیٹا،مراد ہے مسافر۔

ترجمه: ۷؎ ہماری دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مال ضمار میں زکوۃ نہیں ہے۔حضرت علیؓ کا قول یہ ہے۔ **قال ابو عبيد فی حديث علیؓ فی الرجل يكون له الدين الظنون قال يزكيه لما مضى اذا قبضه ان كان صادقا** ۔(سنن بیہقی،باب زكاة الدين اذا كان علی معسر أو جاحد،ج رابع،ص۲۵۲،نمبر۷۶۲۳رمصنف ابن ابی شیبۃ،باب و ما كان لايستقر يعطيه اليوم ويأ خذ الی يومين فليزكه،ج ثانی،ص۳۹۰،نمبر۱۰۲۵۶)اس اثر میں ظنون کا ترجمہ ہے کہ جس قرض کے بارے میں شک ہو کہ وہ نہیں ملے گا اس میں گزشتہ سالوں کی زکوۃ نہیں ہے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے،یعنی قبضہ کے بعد زکوۃ شروع ہوگی۔

ترجمه: ۸؎ اور اس لئے بھی کہ زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور تصرف پر قدرت کے بغیر بڑھنا نہیں ہوگا،اور تصرف پر اس کو قدرت ہے نہیں۔

تشریح :زکوۃ واجب نہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے،کہ زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے،اور مال اس وقت بڑھے گا جب اس پر تصرف کرنے اور بیچنے خریدنے کی قدرت ہو،اور مال ضمار پر تو تصرف کرنے کی قدرت ہی نہیں ہے اس لئے وہ مال بڑھے گا کیسے! اس لئے اس پر زکوۃ بھی واجب نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمه: ۹؎ اور مسافر اپنے نائب کے ذریعہ سے اپنے مال پر تصرف کی قدرت رکھتا ہے۔

۱۰ والمدفون فی البیت نصاب لتیسیر الوصول الیہ ۱۱ وفی المدفون فی الارض اوالکرم اختلاف المشائخ ۱۲ ولو کان الدین علیٰ مقرٍّ ملیٔ اومعسر تجب الزکوٰۃ لا مکان الوصول الیہ ابتداء او بواسطۃالتحصیل

تشریح : یہ امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے کہ مسافر گھر سے باہر ہے اسلئے اسکو اپنے مال پر خود تصرف کرنے کا اختیار تو نہیں ہے لیکن اپنے نائب کے ذریعہ سے اس پر تصرف کرسکتا ہے، اس لئے گویا کہ اس پر تصرف کرنے کا اختیار ہے اس لئے اس کے مال میں زکوۃ واجب ہوگی، اور مال ضمار میں مالک کو بالکل تصرف کرنے کا اختیار نہیں ہے اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱۰ اور جو مال گھر میں مدفون ہو وہ نصاب ہے کیونکہ اس مال تک پہونچنا آسان ہے۔

تشریح : اتنے بڑے جنگل میں تو کہاں تلاش کرے گا! لیکن گھر میں مال دفن ہو تو پورے گھر کو کھود کر نکالنا آسان ہے اس لئے یہ مال ضمار نہیں ہے اس لئے یہ نصاب کا مال ہے اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وصول : کا ترجمہ ہے مال کا حاصل کرنا ممکن ہو۔

ترجمہ: ۱۱ اور اپنی زمین میں یا اپنے باغ میں مدفون ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح : اپنی زمین میں یا اپنے باغ میں مال دفن کیا ہو اور جگہ بھول گیا تو یہ مال ضمار ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ جن حضرات نے فرمایا کہ یہ مال ضمار ہے انکی دلیل یہ ہے کہ زمین اگر چہ اس کے قبضے میں ہے لیکن اتنی بڑی زمین کو کھودنا اور تلاش کرنا آسان نہیں ہے اس میں حرج ضرور ہے، اس لئے یہ جنگل میں دفن کرنے کی طرح ہے اور یہ مال ضمار ہے۔۔ اور جن حضرات نے کہا کہ یہ مال ضمار نہیں ہے، انکی دلیل یہ ہے کہ زمین اور باغ اس کے قبضے کی ہے اس لئے اس کو کھود کر نکال سکتا ہے، چاہے دیر لگے اس لئے یہ مال ضمار نہیں ہے، اور زکوۃ واجب ہوگی۔۔ کرم: کا معنی ہے انگور کا باغ۔

ترجمہ: ۱۲ اور اگر قرض ایسے آدمی پر ہو جو اقرار کرنے والا ہو مالدار ہو یا تنگدست تو زکوۃ واجب ہے اس لئے کہ مال کا وصول کرنا ممکن ہے شروع میں یا حاصل کرنے کے واسطے سے۔

تشریح : یہاں سے پانچ قسم کے مقروض کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ اس میں سے پہلا یہ ہے کہ ایسے آدمی پر قرض ہے کہ وہ قرض کا اقرار کرتا ہے اب اگر وہ مالدار ہے تو فوری طور پر قرض وصول کرسکتا ہے، اور اگر مقروض تنگدست ہے تو ابھی تو وصول نہیں کرسکتا لیکن مقروض کو کمانے کہے گا اور اسکی کمائی میں سے وصول کرسکتا ہے۔ اس لئے اس میں زکوۃ واجب ہے۔۔ ملیء: مالدار۔ معسر: تنگدست۔ تحصیل: کمائی کرنا۔

وجہ: (۱) عن ابن عمر قال زکوا ما کان فی ایدکم و ما کان من دین فی ثقۃ فھو بمنزلۃ ما فی ایدیکم ، و

۱۳؎ وكـذا لو كان علىٰ جاحدو عليه بينة اوعلم به القاضى لما قلنا ۱۴؎ ولو كان على مقر مفلّس فهو نصاب عند ابى حنيفةؒ لان تفليس القاضى لا يصح عنده ۱۵؎ و عند محمد لا يجب لتحقق الافلاس

ما كان من دين ظنون فلا زكوة فيه حتى يقبضه ۔(سنن بیہقی، باب زکاۃ الدین اذا کان علی معسر أو جاحد، ج رابع، ص ۲۵۲، نمبر۷۶۲۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب وما کان لا یستقر یعطیہ الیوم ویأ خذا الی یومین فلیزکہ، ج ثانی، ص ۳۸۹، نمبر ۱۰۲۵۱) اس اثر میں ہے کہ قابل اعتماد آدمی پر قرض ہوتو گویا کہ وہ مال آپکے ہاتھ میں ہے اس لئے اس میں زکوۃ دو. (۲) عن الحسن قال : سئل علیؓ عن الرجل يكون له الدين على الرجل قال : يزكيه صاحب المال فان توى ما عليه و خشى أن لا يقضى قال : يمهل فاذا خرج أدى زكاة ماله. (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب وما کان لا یستقر یعطیہ الیوم ویأ خذا الی یومین فلیزکہ، ج ثانی، ص ۳۸۹، نمبر ۱۰۲۵۰) اس اثر میں ہے کہ قرض ملنے کی امید ہوتو وصول کے بعد سب کی زکوۃ ادا کرے۔

اصول : جس قرض کے وصول ہونے کی امید قوی ہوتو اس میں پچھلے سال کی زکوۃ واجب ہے۔ البتہ قرض وصول ہونے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوۃ ادا کرے۔

ترجمہ: ۱۳؎ ایسے ہی اگر انکار کرنے والے پر قرض ہو اور اس کے خلاف گواہ ہو، یا قاضی جانتا ہو [تو زکوۃ واجب ہے] اس دلیل کی بنا جو ہم نے کہا۔

تشریح : قرض ایسے آدمی پر ہے جو قرض کا انکار کرتا ہے، لیکن مالک کے پاس اس کے خلاف گواہ موجود ہے، یا قاضی جانتا ہے کہ اس مقروض پر فلاں کا قرض ہے تو دونوں صورتوں میں قاضی سے فیصلہ کروا کر مال وصول ہونے کی قوی امید ہے، اس لئے یہ مال ضمار نہیں ہے اسلئے اس میں پچھلے سالوں کی بھی زکوۃ واجب ہوگی ۔۔ جاحد: انکار کرنے والا۔ بینۃ: گواہ۔

ترجمہ: ۱۴؎ اور اگر ایسے آدمی پر قرض ہے کہ وہ اقرار کرتا ہے لیکن مفلس ہے تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نصاب ہے، اس لئے کہ قاضی کا مفلس قرار دینا انکے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

تشریح: قاضی کسی کو مفلس قرار دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ہمیشہ کے لئے مفلس نہیں ہو جاتا، کیونکہ مال آتا ہے اور جاتا ہے اس لئے جب بھی اس کے ہاتھ میں مال آئے گا تو قرض دینے والا اپنا قرض وصول کر سکتا ہے۔ اس لئے کسی آدمی کے اوپر قرض ہو جو اس کا اقرار تو کرتا ہے لیکن قاضی نے اس کو مفلس اور غریب قرار دیا ہے تب بھی مالک پر اس زمانے کی زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ اس کا مال ضمار نہیں ہوا کیونکہ جب یہ مفلس کمائے گا تو مالک اپنا مال اس سے وصول کر سکتا ہے۔ اثر گزرا کہ امید کے مال میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۱۵؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہوگی انکے نزدیک قاضی کے مفلس قرار دینے سے مفلس متحقق ہونے کی

عنده بالتفليس ۱۶ وابو يوسفؒ مع محمد فی تحقق الافلاس ومع ابی حنيفة فی حكم الزكوٰة رعاية لجانب الفقراء (۷۶۲)ومن اشترى جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكوٰة﴾ ۱ لا تصال النية بالعمل وهو ترک التجارة

وجہ سے۔

تشریح: حضرت امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ قاضی نے کسی کو مفلس ہونے کا فیصلہ کر دیا تو وہ زندگی بھر مفلس ہی رہے گا، اس سے قرض کا وصول ہونا ناممکن ہے، اس لئے مالک کا مال مال ضمار کی طرح ہو گیا، اس لئے اس قرض پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

لغت: مفلس: قاضی کا مفلس بنانا، غریب قرار دینا۔ اسی سے ہے تفلیس، اور اسی سے ہے افلاس۔

ترجمہ: ۱۶ حضرت امام ابو یوسفؒ افلاس کے متحقق ہونے میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور زکوۃ کے حکم میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں فقراء کی جانب کی رعایت کرتے ہوئے۔

تشریح:۔ قاضی کسی کو مفلس قرار دے دے تو وہ ہمیشہ کے لئے مفلس شمار کیا جائے اس بارے میں تو امام ابو یوسفؒ بھی امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ انکے یہاں بھی قاضی کے مفلس قرار دینے سے ہمیشہ کے لئے مفلس شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسے مفلس پر قرض ہو تو مالک پر پچھلے سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی کیونکہ اس میں فقراء کا فائدہ ہے، اس زکوۃ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

ترجمہ: (۷۶۲) کسی نے تجارت کے لئے باندی خریدی پھر اسکے لئے خدمت کروانے کی نیت کر لی تو اس کی زکوۃ ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱ کیونکہ عمل کے ساتھ نیت بھی متصل ہوگئی، اور وہ ہے تجارت کو چھوڑنا۔

تشریح: باندی اس نیت سے خریدی تھی کہ اس سے تجارت کروں گا، لیکن خریدنے کے بعد نیت بدل گئی اور اب اس کو اپنی خدمت میں رکھنے کا ارادہ کر لیا تو اب زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ خدمت کی باندی میں زکوۃ نہیں ہے، اور یہ باندی اب خدمت کی ہوگئی اس لئے اب زکوۃ نہیں ہوگی۔ (۲) خدمت کی نیت کے ساتھ عمل بھی ہو گیا کہ اس نے تجارت کرنا چھوڑ دیا، اس لئے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (۳) تجارت کے لئے ہو تب ہی زکوۃ واجب ہے اس کے لئے یہ آیت ہے۔ یـآيها الذين ء امنوا أنفقوا من طيبٰت ما كسبتم و مما أخرجنا لكم من الأرض ۔(آیت ۲۶۷، سورۃ البقرۃ ۲)۔(بخاری شریف، باب صدقۃ الکسب والتجارۃ، ص ۲۳۳، نمبر ۱۴۴۵) اس

(٧٦٣) وان نواها للتجارة بعد ذلك لم تكن للتجارة حتى يبيعها فيكون فى ثمنها زكوٰة ﴾ ل لان النية لم تتصل بالعمل اذ هو لم يتجر فلم تعتبر ولهذا يصير المسافر مقيما بمجرد النية ولا يصير المقيم مسافرا بالنية الا بالسفر

آیت میں کسبتم سے مراد تجارت کر کے کمانا ہے (۴) اس حدیث میں ہے۔ عن سمرة بن جندب قال : أما بعد فان رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع ۔ (ابوداود شریف، باب العروض اذا کانت للتجارة ھل فیھا زکاة ؟ ص ۲۳۰، نمبر ۱۵۶۲) اس حدیث میں ہے کہ تجارت کے لئے مال ہو تو زکوۃ ہے۔ (۵) اس اثر میں بھی ہے کہ تجارت کے لئے ہو تب ہی زکوۃ واجب ہے۔ عن نافع عن ابن عمرؓ قال : ليس فى العروض زكاة الا ما كان للتجارة . (سنن بیہقی، باب زکاة التجارة، ج رابع، ص ۲۴۹، نمبر ۷۶۰۵ / مصنف عبد الرزاق، باب الزکاة من العروض، ج رابع، ص ۷۷، نمبر ۷۱۳۳) یہ باندی تجارت کے لئے نہیں رہی اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں

ترجمہ: (۷۶۳) اور اگر اس کے بعد باندی کی تجارت کی نیت کی تو جب تک اس کو بیچے نہیں تجارت کے لئے نہیں ہوگی، پھر اسکی قیمت میں زکوۃ ہوگی

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جب تک عمل نہ کرے تنہا نیت پر حکم نہیں لگے گا۔۔ باندی کو خدمت کے لئے رکھ لیا اب باندی خدمت کی ہوگئی تجارت کی نہیں رہی اسلئے صرف تجارت کی نیت سے تجارت کے لئے نہیں ہوگی، جب تک کہ عملی طور پر اس کو بیچ نہ دے، پھر بیچنے کے بعد باندی کی جو قیمت ہوگی اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ :(۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء فى الرجل يشترى المتاع فيمكث السنين يزكيه قال : لا ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ما قالوا فی المتاع یکون عند الرجل یحول علیہ الحول، ج الثانی، ص ۴۰۶، نمبر ۱۰۴۶۱) اس اثر میں ہے کہ تجارت کا مال رکھ لے اور کئی سال تک تجارت نہ کرے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ (۲) اس اثر میں بھی ہے۔ سألت الجعفى عن رجل له طعام من أرضه يريد بيعه ، قد زكى أصله ؟ قال : فقال الشعبى : ليس فيه زكاة حتى يباع . (مصنف عبد الرزاق، باب الشکاة من العروض، ج رابع، ص ۷۶، نمبر ۷۱۲۷) اس اثر میں ہے کہ گھر کے سامان میں صرف بیچنے کی نیت کرنے سے زکوۃ نہیں ہوگی جب تک اس کو بیچ نہ دے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ نیت عمل کے ساتھ متصل نہیں ہوئی اس لئے کہ ابھی تجارت تو واقعی نہیں کر رہا ہے، اس لئے اس نیت کا اعتبار نہیں۔ اسی لئے مسافر صرف نیت سے مقیم ہو جائے گا۔ اور مقیم صرف سفر کی نیت سے مسافر نہیں ہوگا جب تک کہ واقعی سفر نہ شروع کرے۔

(۷۶۴) وان اشترى شيئاً ونواه للتجارة كان للتجارة﴾ لِ لا تصال النية بالعمل.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ، نیت کے ساتھ عمل بھی ہوتو اس نیت کا اعتبار ہے اور نیت کے ساتھ عمل نہ ہو بلکہ عمل نیت کے خلاف ہوتو اس نیت کا اعتبار نہیں ہے۔اب یہ باندی خدمت کر رہی ہے اس زمانے میں تجارت کی نیت کی تو نیت عمل کے خلاف ہے اس لئے باندی تجارت کے لئے شمار نہیں کی جائے گی، جب تک کہ فروخت نہ کر دے، فروخت کرے گا تو اب نیت اور عمل ساتھ ہو گئے اب اسکی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی۔اسکی مثال یہ ہے کہ، ایک آدمی سفر کر رہا ہے، اب اس نے پڑاو ڈالا اور اقامت کی بھی نیت کی تو مقیم ہو جائے گا، اب مقیم کی نماز پڑھے گا، کیونکہ عمل نیت کے مطابق ہو گیا۔لیکن اگر ریل میں جا رہا ہے یا جہاز میں اڑ رہا ہے اور اقامت کی نیت کی تو مقیم نہیں ہوگا اور نہ مقیم کی نماز پڑھے گا، کیونکہ عمل نیت کے مطابق نہیں ہوا۔اسی طرح مقیم صرف سفر کی نیت کرنے سے مسافر نہیں ہوگا اور نہ مسافرت کی نماز پڑھے گا، کیونکہ نیت سفر کی ہے اور عملا مقیم ہے۔ہاں سفر شروع کر دے گا تو اب مسافر ہو جائے گا کیونکہ نیت اور عمل ایک طرح کے ہو گئے۔

اصول : عمل نیت کے مطابق ہوتو اس نیت کا اعتبار ہے ورنہ نہیں۔

ترجمہ: (۷۶۴) اگر کسی چیز کو خریدا اور تجارت کی نیت کی تو وہ چیز تجارت کے لئے ہو جائے گی۔

ترجمہ : لِ نیت عمل کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: یہاں سے یہ بیان کیا جارہا ہے کہ [۱] کون سی حرکت اور کون سا عمل تجارت کی طرح ہے اور [۲] کون سا عمل تجارت کی طرح نہیں ہے۔جو عمل تجارت کی طرح ہے اسکے ساتھ تجارت کی نیت ہوتو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور مال تجارت کا ہوگا اور اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اور جو عمل تجارت کی طرح نہیں ہے، [۳] یا کوئی عمل ہی نہیں ہے اس وقت تجارت کی نیت کرے گا تو چونکہ عمل نیت کے موافق نہیں ہوا اس لئے اس نیت کا اعتبار نہیں ہوگا اور زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔۔ان عبارتوں میں تجارت کا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ : اس اثر میں ہے کہ نیت کے ساتھ بیچنے کا عمل ہوتب ہی اس نیت کا اعتبار ہے اور بیچنے کا عمل یا بیچنے کی حرکت نہ ہوتو اس نیت کا اعتبار نہیں ہے۔اثر یہ ہے۔سألت الجعفي عن رجل له طعام من أرضه يريد بيعه ، قد زكى أصله ؟ قال : فقال الشعبي : ليس فيه زكاة حتى يباع . (مصنف عبد الرزاق، باب الشکاۃ من العروض، ج رابع، ص ۷۶، نمبر ۷۱۲۷) اس اثر میں ہے کہ گھر کے سامان میں صرف بیچنے کی نیت کرنے سے زکوۃ نہیں ہوگی جب تک اس کو بیچ نہ دے۔

۔صاحب ھدایہ یہاں سات مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ ہر ایک کی تفصیل دیکھیں۔

[۱] کسی نے کسی چیز کو خریدا اور تجارت کی نیت کی تو وہ چیز تجارت کی ہو جائے گی اور زکوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ خریدنا خود تجارت کا عمل ہے اور نیت بھی تجارت کی ہے اسلئے نیت اور عمل ہوا فق ہو گئے اس لئے چیز تجارت کی ہو جائے گی۔ یہ مثال باضابطہ تجارت کی ہے۔

۲ بخلاف ما اذاورث ونوی للتجارۃ لانہ لا عمل منہ ۳ ولو ملکہ بالھبۃ او بالوصیۃ او النکاح او الخلع او الصلح عن القود ونواہ للتجارۃ کان للتجارۃ عند ابی یوسف لاقترانھا بالعمل

ترجمہ: ۲ [۲] بخلاف جبکہ کسی مال کا وارث ہوا اور تجارت کی نیت کی اسلئے کہ یہاں تو وارث کا کوئی عمل ہی نہیں ہے۔

تشریح: مثلا زید باندی کا وارث ہوا اور اس میں تجارت کی نیت کی تو باندی تجارت کی نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو چیز وراثت کی ہوتی ہے وہ خود بخود وارث کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے وارث کو اس کے لئے کچھ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ قبول بھی نہیں کرنا پڑتا، بس مورث مرا اور وراثت کی چیز وارث کی ملکیت میں آ گئی، چونکہ یہاں تجارت کا عمل، یا تجارت کی کوئی حرکت نہیں پائی گئی اسلئے تجارت کی محض نیت سے چیز تجارت کی نہیں بنے گی۔۔ یہ مثال اس بات کی ہے کہ کوئی عمل ہی نہیں کیا۔

ترجمہ: ۳ اور اگر چیز کا مالک [۳] ہبہ کے ذریعہ بنا، [۴] یا وصیت کے ذریعہ، [۵] یا نکاح کے ذریعہ، [۶] یا خلع کے ذریعہ، [۷] یا قصاص کے بدلے صلح کے ذریعہ اور تجارت کی نیت کی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تجارت کے لئے ہو جائے گی اسلئے کہ نیت عمل کے ساتھ متصل ہوگئی۔

تشریح: یہاں مصنف نے پانچ مثالیں دی ہیں۔ اور پانچوں میں باضابطہ خرید وفروخت نہیں ہے، لیکن پانچوں میں یہ بات ہے کہ مالک ہونے والا مال کو قبول کرے گا تو چیز کا مالک بنے گا اور قبول نہیں کرے گا تو چیز کا مالک نہیں بنے گا، اس لئے قبول کرنا ایک عمل تو ہوا، وراثت کی طرح بغیر قبول کے مالک نہیں ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نکاح، اور خلع، اور قصاص کے بدلے میں درہم پر صلح کرنے میں کچھ چیز مالک بننے والے کی جانب سے جاتی ہے تب کچھ چیز آتی ہے اس لئے اس میں ایک قسم کی خرید وفروخت تو ہوی، اس لئے امام ابو یوسفؒ نے اس عمل کو بیع شمار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں بیع بھی ہے اور تجارت کی نیت بھی ہے اسلئے مال تجارت کی ہو جائے گی۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ یہ باضابطہ خرید وفروخت نہیں ہے اسلئے بیع نہیں ہے اسلئے تجارت کی نیت صحیح نہیں ہے اسلئے مال تجارت کی نہیں ہوگی، اب ہر ایک کی تفصیل یہ ہے۔

[۳] ہبہ: کسی کو کوئی چیز دے دی اس کو ہبہ کہتے ہیں۔ اسکی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ مال کے بدلے میں ہبہ کیا، اس صورت میں خرید و فروخت ہے، اسلئے تجارت کی نیت کرے گا تو مال تجارت کی ہو جائے گی۔۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ بغیر کسے مال کے ہبہ کرے اس صورت میں خرید وفروخت نہیں ہے۔ لیکن شبہ ہے کہ بعد میں بدلہ مانگ لے اور تجارت ہو جائے، امام ابو یوسفؒ نے اس شبہ کی بنا پر ہبہ کو تجارت میں شمار کر دیا اور تجارت کی نیت سے مال تجارت کی بن گئی۔ اور حضرت امام محمدؒ نے اس شبہ کا اعتبار نہیں کیا اس لئے انہوں نے اسکو تجارت میں شمار نہیں کی، اور تجارت کی نیت کرنے پر مال تجارت کی نہیں بنی۔

[۴] وصیت: کوئی مرنے والا آدمی کسی کے لئے مال کی وصیت کرتا ہے تو بغیر بدلے کے وصیت کرتا ہے، لیکن شبہ ہے کہ جس کے لئے

ﷸ وعند محمد لا يصير للتجارة لانها لم تقارن عمل التجارة ﷹ وقيل الاختلاف علىٰ عكسه
(٦٥٧) ولا يجوزاداء الزكوٰة الابنية مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب﴾

وصیت کرر ہاہےاس سے کوئی خدمت وغیرہ مانگ لے،تواس میں تجارت کا صرف شبہ ہے۔امام ابو یوسفؒ نے اس کوتجارت میں شمار کیا۔

یہ دومثالیں بیع کے کمزورشبہ کی ہے۔

[۵] نکاح:اس میں عورت جسم دیتی ہےاورمہرلیتی ہےاس لئے اس میں خرید وفروخت تونہیں ہےلیکن بیع کا شبہ قوی ہے۔

[٦] خلع :اس میں مردصحبت کا حق چھوڑتا ہےاوراس کے بدلے خلع کا بدل لیتا ہے۔اس میں خرید وفروخت تونہیں ہےلیکن بیع کا شبہ قوی ہے۔

[۷] صلح عن القود : قصاص میں قتل کرنا تھا اسکے بدل صلح کر کے مال لے لیا۔اس میں خرید وفروخت تونہیں ہے لیکن بیع کا شبہ قوی ہے۔

ان تین صورتوں کوبھی امام ابو یوسفؒ نے بیع شمار کی اوران میں تجارت کی نیت کی وجہ سے اس کو مال تجارت شمار کیااور زکوۃ واجب کی۔

قود کا معنی ہےقصاص۔ یہ تین مثالیں بیع کےقوی شبہ کا ہے۔

ترجمہ: ﷸ امام محمدؒ کےنزدیک ان سب صورتوں میں تجارت کے لئےنہیں ہوگا،اس لئے کہ تجارت کا عمل نیت کے ساتھ متصل نہیں ہوا۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہبہ،وصیت،نکاح،خلع ،اورقصاص کے بدلے مال ان صورتوں میں باضابطہ بیع نہیں ہے،اس لئے تجارت کی نیت کے ساتھ تجارت کا عمل نہیں ہوااسلئے یہ مال تجارت کانہیں ہوگااورزکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ترجمہ :ﷹ بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف اسکے الٹے پر ہے۔

تشریح : یعنی ان پانچوں صورتوں میں امام ابو یوسفؒ نیت کے باوجود تجارت نہیں مانتے ہیں اورزکوۃ واجب نہیں کرتے ہیں۔ اورامام محمدؒ ان پانچوں صورتوں میں تجارت مانتے ہیں،اورزکوۃ واجب کرتے ہیں۔دلائل اوپر کےہی ہیں۔

ترجمہ: (٦٥٧) زکوۃ کی ادائیگی جائزنہیں ہےمگرایسی نیت کے ساتھ جوادائیگی کے ساتھ ملی ہوئی ہو یامقدارواجب کوالگ کرتے وقت ملی ہوئی ہو۔

تشریح: جس وقت زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دے رہاہواس وقت زکوۃ دینے کی نیت ہونی چاہئے تب زکوۃ اداہوگی۔اگراس وقت مثلاقرض دینے کی نیت ہےاور بعد میں زکوۃ کی نیت کر لی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔یااس وقت کچھ نیت نہیں تھی روپیہ دینے کے

لے لان الزكوٰة عبادة فكان من شرطها النية ۲ والاصل فيها الاقتران الا ان الدفع يتفرق فاكتفى بوجودها حالة العزل تيسيرا كتقديم النية فى الصوم

بعد زکوۃ دینے کی نیت کی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا جس وقت حساب کر کے جتنا روپیہ زکوۃ دینی ہے اس کو اپنے مال سے الگ کیا اس وقت زکوۃ کی نیت ہو تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اس صورت میں چاہے زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دیتے وقت زکوۃ کی نیت نہیں کی ہو۔ کیونکہ جس وقت اس مال کو اپنے مال سے الگ کر رہا تھا اس وقت زکوۃ کی نیت کر چکا تھا اور وہی مال اس وقت فقیر کو دے رہا ہے اس لئے پہلی نیت ہی کافی ہو جائے گی۔۔ مقارنۃ: کا معنی ہے ملی ہوئی۔ عزل: الگ کرنا۔

وجہ: (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ عبادات اصلیہ اس وقت ادا ہوگی جب عبادات کی نیت کی ہو۔ اور زکوۃ عبادت ہے اس لئے اس کی ادائیگی کے وقت بھی نیت ہونی چاہئے (۲) حدیث میں ہے. سمعت عمر بن الخطاب علی المنبر قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات الخ (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲ نمبر ۱) اس حدیث کی وجہ سے تمام عبادات اصلیہ کی ادائیگی کے لئے عبادت کے ساتھ ہی نیت کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ زکوۃ ایک عبادت ہے اس لئے اسکی شرط میں سے نیت ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ زکوۃ عبادت ہے اور عبادت اس وقت نہیں بنے گی جب تک کہ عبادت کی نیت نہ ہو اس لئے نیت ضروری ہے۔

ترجمہ: ۲ اور اصل اس میں نیت عبادت کے ساتھ ملا ہوا ہونا ہے۔ مگر یہ کہ دینا متفرق ہوتا ہے اسلئے الگ کرنے کی حالت میں اس کے پائے جانے پر اکتفاء کیا گیا آسانی کے لئے۔ جیسے روزے میں نیت پہلے ہو جائے تو کافی ہے۔

تشریح: نیت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ عبادت کے ساتھ ہی ہو تب عبادت بنے گی، اس لئے زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دیتے وقت نیت ہونی چاہئے۔ لیکن چونکہ الگ الگ فقیر کو بار بار زکوۃ دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے اس لئے آسانی کے لئے یہ بھی گنجائش دے دی گئی کہ اپنے مال سے زکوۃ کا مال الگ کرتے وقت نیت کر لی تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی، چاہے فقیر کے ہاتھ میں دیتے وقت نیت نہ کی ہو۔ اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ صبح صادق کے وقت سے روزہ شروع ہوتا ہے اس لئے صبح صادق کے وقت سے نیت ہو، اور روزہ شروع کرنے کے ساتھ ہی نیت ہونی چاہئے لیکن اس میں حرج ہے کیونکہ آدمی اس وقت سویا ہوتا ہے اس لئے اسکی گنجائش دے دی گئی کہ صبح صادق سے بہت پہلے رات ہی میں روزے کی نیت کر لی تب بھی روزہ ہو جائے گا۔ اسی طرح زکوۃ میں مال الگ کر تے وقت نیت کر لی تب بھی کافی ہے۔

(٧٦٦) و من تصدق بجميع ماله لا ينوى الزكوٰة سقط فرضها عنه ﴾ ل استحسانا. ٢ لان الواجب جزء منه فكان متعينا فيه فلا حاجة الى التعيين (٧٦٧) ولو ادّى بعض النصاب سقط زكوٰة المؤدى ﴾ ل عند محمد لان الواجب شائع فى الكل ٢ وعند ابى يوسف لا يسقط لان البعض غير متعين لكون الباقى محلا للواجب بخلاف الاول والله اعلم بالصّواب.

ترجمه: (٧٦٦) جس نے اپنے تمام مال کوصدقہ کردیااورزکوۃ کی نیت نہیں کی تو اس کا فرض ساقط ہوجائے گا۔

ترجمه: ل استحسانا۔

تشریح: تمام مال کوصدقہ کی نیت سے دیدیالیکن اس میں زکوۃ کی نیت نہیں کی تو جتنا مال زکوۃ میں دینا تھااس کی ادائیگی ہوگئی اور فرض ساقط ہوگیا۔قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ زکوۃ کی نیت نہیں کی ہے اس لئے زکوۃ ادانہیں ہونی چاہئے لیکن تمام مال صدقہ کرنے کی وجہ سے اسکے تحت میں زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی۔

وجه :تمام مال کے صدقۂ نافلہ میں فرض داخل ہوگیااس لئے الگ سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

ترجمه: ٢ اس لئے کہ واجب اس کا ایک حصہ ہے اس لئے پورے صدقہ میں وہ متعین ہے اس لئے تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ تمام مال میں زکوۃ کا حصہ بھی متعین ہے،اس لئے بغیر متعین کئے ہوئے بھی سب مال صدقہ کردیا تو اسکے تحت میں زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

ترجمه: (٧٦٧) اگر بعض نصاب کوادا کیا تو ادا کئے ہوئے کی زکوۃ ساقط ہوجائے گی۔

ترجمه : ل امام محمدؒ کے نزدیک،اس لئے کہ واجب پورے میں شائع ہے

تشریح : مثلاکسی کے پاس دوسودرہم تھے جس پر پانچ درہم زکوۃ واجب تھی،اس نے ایک سودرہم فقیر کوصدقہ کی نیت سے دے دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک ایک سودرہم کی زکوۃ ڈھائی درہم ادا ہوگئی اب اس پر صرف ایک سودرہم کی زکوۃ ڈھائی درہم واجب ہے۔

وجه: اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پانچ درہم جو زکوۃ ہے وہ پورے دوسودرہم میں مشترک ہے اس لئے ایک سودرہم صدقہ کیا تو ڈھائی درہم اس میں متعین ہوگیا اور ادا بھی ہوگیا، کیونکہ پہلے گزر گیا ہے کہ صدقہ نافلہ کردے تو اس کے تحت میں اتنے کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

ترجمه: ٢ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوۃ ساقط نہیں ہوگی اس لئے کہ بعض غیر متعین ہے اس لئے کہ جو مال باقی ہے وہ

بھی زکوۃ کا محل ہے۔ بخلاف پہلے مسئلے کے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ جو ایک سو درہم فقیر کو صدقہ دیا اس میں اس ایک سو کی زکوۃ ڈھائی درہم ادا نہیں ہوگی، بلکہ بعد میں یہ ڈھائی درہم دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ صدقہ کرتے وقت زکوۃ کی نیت نہیں کی اور یہ ڈھائی درہم اس میں متعین بھی نہیں تھا، کیونکہ اس کے پاس جو ایک سو درہم باقی ہے اس سے بھی زکوۃ ادا ہو سکتی ہے، اس لئے صدقہ نافلہ میں سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔ اور اس صورت میں جبکہ تمام مال صدقہ کیا تو پورا ہی مال چلا گیا اس لئے زکوۃ کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہا اس لئے پورے مال صدقہ کرنے کی صورت میں زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ بخلاف اول: سے مراد اوپر کا مسئلہ ہے جبکہ تمام مال صدقہ کر دیا ہو، اور زکوۃ ادا ہو جاتی ہو۔

﴿باب صدقة السوائم﴾

﴿فصل فی الابل﴾

(۷۶۸)قال لیس فی اقل من خمس ذود صدقة فاذا بلغت خمسا سائمة وحال علیها الحول ففیهاشاة الیٰ تسع فاذا کانت عشرا ففیها شاتان الیٰ اربع عشرة فاذا کانت خمس عشرة ففیها ثلٰث شیاه الی تسع عشرة فاذا کانت عشرین ففیها اربع شیاه الیٰ اربع وعشرین فاذا بلغت خمسًا

﴿ باب زکوۃ الابل ﴾

ضروری نوٹ عرب میں چونکہ اونٹ زیادہ تھے اس لئے مصنف اونٹ کی زکوۃ کے احکام پہلے لا رہے ہیں۔اور سونا چاندی کم تھے اس لئے ان کے احکام بعد میں لا رہے ہیں۔

نوٹ: جانوروں میں زکوۃ اس وقت ہوگی جب کہ وہ سال کا اکثر حصہ چر کر زندگی گزارتے ہوں اور گھر پر کم کھاتے ہوں۔لیکن اگر جانور کو گھر پر کھلا کر پالا جاتا ہو اور تجارت کے بھی نہ ہوں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔(۱) حدیث میں ہے۔بهز بن حكيم يحدث عن ابيه عن جده قال سمعت رسول الله ﷺ يقول فی کل ابل سائمة من کل اربعين ابنة لبون (نسائی شریف، باب سقوط الزکوۃ عن الابل اذا کانت رسلا لاھلھا ولحمولتھم ص ۳۳۸ نمبر ۲۴۵۱ رابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہے۔کام کا ہو یا علوفہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ (۲) أن ابا بكرؓ كتب له هذا الكتاب لما وجهه الى البحرين . بسم الله الرحمن الرحيم ، هذه فريضه الصدقة التی فرضها رسول الله ﷺ على المسلمين ....فاذا كانت سائمة الرجل ناقصة من اربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة الا ان يشاء ربها۔(بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ،ص ۲۳۵،نمبر ۱۴۵۴)رابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۶۷ر)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے علوفہ میں نہیں۔

لغت: العلوفہ : وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ گھر پر کھا کر پلتا ہو۔

ترجمہ: (۷۶۸) پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔پس جب کہ چرنے والے پانچ اونٹ تک پہنچ جائے اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بکری ہے نو اونٹ تک۔پس جب دس اونٹ ہو جائے تو اس میں دو بکریاں ہیں چودہ اونٹ تک۔پس جبکہ پندرہ اونٹ ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس اونٹ تک۔پس جبکہ بیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں چوبیس اونٹ تک۔پس جب کہ پچیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس اونٹ تک۔پس جب کہ پہنچ جائے چھتیس تک تو

وعشرين وفيها بنت مخاض وهى التيطعنت فى الثانية الى خمس وثلثين فاذا كانت ستا وثلٰثين ففيها بنت لبون وهى التى طعنت فى الثالثة الى خمس واربعين فاذا كانت ستا واربعين ففيها حقة وهى التى طعنت فى الرابعة الىٰ ستين فاذا كانت احدىٰ وستين ففيها جذعة وهى التى طعنت فى الخامسة الىٰ خمس وسبعين فاذا كانت ستا وسبعين ففيها بنتا لبون الىٰ تسعين فاذا كانت احدى وتسعين ففيها حقتان الىٰ مائة وعشرين

ان میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک۔پس جب کہ چھیالیس پہنچ جائیں تو ان میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک۔پس جب کہ اکسٹھ ہو جائیں تو اس میں ایک جزعہ ہے پچھتر تک پس جب کہ چھہتر اونٹ ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے اونٹ تک۔پس جب کہ اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس تک۔پھر فرض شروع سے شروع ہوگا۔

تشریح: یہ حساب واضح ہے اس لئے اسکی تفصیل نہیں کر رہا ہوں۔۔درمیان کے لغت کا ترجمہ آگے دیکھیں۔

وجه: اس حساب کا ثبوت اس حدیث میں موجود ہے۔**عن سالم عن ابيه ان رسول الله ﷺ كتب كتاب الصدقة فلم يخرجه الى عماله حتى قبض فقرنه بسيفه فلما قبض عمل به ابو بكر حتى قبض و عمر حتى قبض وكان فيه فى خمس من الابل شاة وفى عشر شاتان و فى خمس عشرة ثلث شياه و فى عشرين اربع شياه و فى خمس وعشرين بنت مخاض الى خمس و ثلثين فاذا زادت ففيها بنت لبون الى خمس و اربعين فاذا زادت ففيها حقة الى ستين فاذا زادت ففيها جذعة الى خمس و سبعين فاذا زادت ففيها بنتا لبون الى تسعين فاذا زادت ففيها حقتان الى عشرين و مائة فاذا زادت على عشرين و مائة ففى كل خمسين حقة وفى كل اربعين ابنة لبون** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الابل والغنم ص ۱۳۵ نمبر ۶۲۱ ر ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۷۰ ر بخاری شریف، باب شکوۃ الغنم ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۴) اس حدیث سے اوپر کا پورا حساب ثابت ہوتا ہے کہ کتنے اونٹ میں کتنے جانور دیئے جائیں گے۔اور کب بکری دیجائے گی اور کب اونٹ کا بچہ دیا جائے گا۔

لغت: سائمۃ : چر کر زندگی گزارنے والا جانور۔ بنت مخاض : مخاض کہتے ہیں اس اونٹنی کو جو حاملہ ہو، تو بنت مخاض کے معنی ہوئے حاملہ اونٹنی کی بچی، یہ اس بچے کو کہتے ہیں جس پر ایک سال گزر کر دوسرا سال چڑھ چکا ہو۔ بنت لبون : دودھ دینے والی اونٹنی کا بچہ، یعنی وہ بچہ جس پر دو سال گزر کر تیسرا سال چڑھ چکا ہو۔ حقۃ : وہ بچہ جس پر سوار ہونے کا حق ہو گیا ہو، یعنی تین سال گزر کر چوتھے سال میں قدم رکھا ہو۔ جذعۃ : جس کے اگلے دونوں دانت نکل گئے ہوں، یعنی چار سال گزر کر پانچویں سال میں قدم رکھا ہو۔ایسے بچے کا دانت نکل کر دوسرا نیا دانت نکل آتا ہے اور بالغ ہو جاتا ہے۔

۱؎ بهٰذااشتهرت کتب الصدقات من رسول الله صلی الله علیه وسلم (۷۶۹) ثم اذا زادت علیٰ مائة وعشرین تستانف الفریضة فیکون فی الخمس شاة مع الحقتین وفی العشر شاتان وفی خمس عشرة ثلٰث شیاه وفی العشرین اربع شیاه وفی خمس وعشرین بنت مخاض الی مائة وخمسین فیکون فیها ثلٰث حقاق﴿

ترجمه : ۱؎ حضورؐ کی جانب سے زکوۃ کے جوخطوط ہیں ان میں یہی حساب مشہور ہے۔

ترجمه: (۷۶۹) پس جبکہ ایک سوبیس اونٹ سے زیادہ ہو جائے تو فرض پھر سے شروع ہوگا۔ پس ہوگا پانچ اونٹ میں ایک بکری دوحقہ کے ساتھ اوردس اونٹ میں دوبکریاں اور پندرہ اونٹ میں تین بکریاں اوربیس اونٹ میں چار بکریاں اورپچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض ایک سوپچیس تک، پس ایک سو پچاس اونٹ میں تین حقے ہوں گے۔ پھرفرض شروع سے کیا جائے گا۔

تشریح: ایک سوبیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری لازم ہوگی۔اورپچیس اونٹ میں اونٹنی کا بچہ لازم ہوگا جس کو بنت مخاض کہتے ہیں یعنی ایک سال گزر کر دوسرے سال میں قدم رکھا ہو۔ اب اوپر کا ایک سوبیس اورپچیس مل کرایک سو پینتالیس ہوئے ۔لیکن جوں ہی دونوں ملاکر ڈیڑھ سوہوں گےتو تین حقے لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ شروع میں چھیالیس پرایک حقہ لازم ہوا تھا۔اور اکانوے میں دو حقے تھےتو گویا کہ ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا۔اس اعتبار سے ایک سو پچاس تین مرتبہ پچاس ہوئے تو تین حقے لازم ہوں گے۔

وجه: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے جواوپر گزری۔اس کا آخری جملہ ہے ففی کل خمسین حقة و فی کل اربعین ابنة لبون (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الابل والغنم ص ۱۳۵ نمبر ۶۲۱ /ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۷۰/بخاری شریف، باب شکوۃ الغنم ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۴) اورابوداؤد شریف میں ہے فاذا کانت خمسین ومائة ففیها ثلاث حقاق ... فاذا کانت مائتین ففیها اربع حقاق او خمس بنت لبون. (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۰)، حدیث حدثنا محمد بن العلاء انا ابن المبارک کا ٹکڑا ہے) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ لازم ہوگا اورایک سو پچاس میں تین حقے اوردوسواونٹ میں چار حقے لازم ہوں گے۔اورایک سوبیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اورپچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔اس کی دلیل یہ اثر ہے عن علی قال اذا زادت علی عشرین و مائة یستقبل بها الفریضة (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۱، من قال اذا زادت علی عشرین ومائۃ استقبل بھا الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۱، نمبر ۹۹۱۱) اس استقبل بها الفریضة سے معلوم ہوا کہ ایک سوبیس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اورپچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔

(۴۷۰) ثم تستانف الفريضة فيكون فی الخمس شاة وفی العشر شاتان وفی خمس عشرة ثلٰث شياه وفی عشرين اربع شياه وفی خمس وعشرين بنت مخاض وفی ست وثلثين بنت لبون فاذا بلغت مائة وستا وتسعين ففيها اربع حقاق الیٰ مائتين ﴾ (۴۷۱) ثم تستانف الفريضة ابدا كما تستانف فی الخمسين التی بعد المئة و الخمسين ﴾ ل وهذا عندهما ٢ وقال الشافعیؒ اذا زادت علیٰ مائة وعشرين واحدة ففيها ثلٰث بنات لبون فاذا صارت مائة و ثلٰثين ففيها حقة وبنتا لبون

ترجمه: (۴۷۰) پھر فرض شروع سے کیا جائے گا، پس پانچ اونٹ میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون پس جبکہ پہنچ جائے ایک سو چھیانوے تو اس میں چار حقے ہیں دو سو اونٹ تک۔

تشریح: ایک سو پچاس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون۔ پس ایک سو پچاس اور چھتیس مل کر ایک سو چھاسی ہوئے، تو گویا کہ ایک سو چھیاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون لازم ہوتے ہیں اور ایک سو چھیانوے میں چار حقے لازم ہوئے۔ اور دو سو تک چار حقے ہی لازم ہوتے رہیں گے۔

وجه: دلیل اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمه: (۴۷۱) پھر فرض شروع کیا جائے گا جیسا کہ ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں شروع کیا گیا تھا۔

ترجمه: ل یہ ہمارے نزدیک ہے۔

تشریح: جس طرح ایک سو پچاس کے بعد جو پچاس تھا اس میں ہر پانچ میں ایک بکری لازم ہوئی تھی اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون اور پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا تھا اسی طرح دو سو اونٹ کے بعد جو پچاس ہے اس میں کیا جائے گا۔

ترجمه: ٢ اور امام شافعیؒ نے فرمایا اگر ایک سو بیس پر ایک اونٹ زیادہ ہو جائے تو اس میں تین بنت لبون ہے۔ پس جبکہ ایک سو تیس اونٹ ہو جائے تو اس میں ایک حقہ ہے، اور دو بنت لبون ہے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے یہاں ایک سو بیس اونٹ کے بعد ہو تو ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری، اور ہر پچیس اونٹ پر ایک بنت مخاض، اور ہر چھتیس پر ایک بنت لبون، اور ہر پچاس پر ایک حقہ نہیں ہے۔ بلکہ انکے یہاں مسئلہ یہ ہے کہ ایک سو بیس کے بعد پانچ اور دس اونٹ میں کچھ نہیں، بلکہ چالیس ہو جائے تو ہر چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون۔ اور ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ لازم ہوتا ہے،

۳؎ ثم یدار الحساب علیٰ الاربعینات والخمسینات فیجب فی کل اربعین بنت لبون وفی کل خمسین حقۃ لما روی انہ علیہ السلام کتب اذازادت الابل علیٰ مائۃ وعشرین ففی کل خمسین حقۃ وففی کل اربعین بنت لبون من غیر شرط عود ما دونھا ۴؎ ولنا انہ علیہ السلام کتب فی اٰخر ذٰلک فی کتاب عمرو بن حزم فما کان اقل من ذٰلک ففی کل خمس ذود شاۃ فتعمل بالزیادۃ

اوراسی طرح آگے تمام اونٹوں کا حساب کرتے چلے جائیں۔اب حساب سے ایک سو اکیس[۱۲۱] تین مرتبہ چالیس ہوئے اس لئے اس میں تین بنت لبون لازم ہوں گے۔اور ایک سوتیس[۱۳۰] دو مرتبہ چالیس ہوئے اسلئے دو بنت لبون لازم ہونگے اور ایک مرتبہ پچاس ہوا،اس لئے ایک حقہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ پھر حساب گھمایا جائے گا چالیس اور پچاس پر۔پس ہر چالیس پر ایک بنت لبون،اور ہر پچاس پر ایک حقہ لازم ہوگا۔ کیونکہ حضورؐ نے خط لکھوایا کہ جب ایک سو بیس پر اونٹ زیادہ ہو جائے تو ہر پچاس میں ایک حقہ،اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہے۔اس سے کم میں حساب کو لوٹائے بغیر۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے یہاں ایک سو بیس اونٹ کے بعد اس طرح حساب کیا جائے گا کہ ہر چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون،اور ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ۔چالیس سے کم میں کچھ بھی نہیں،کیونکہ حضورؐ نے زکوۃ کے جو خطوط لکھوائے اس میں اسی طرح حساب تھا۔حدیث یہ ہے۔ حدثنا حماد قال : أخذت من ثمامۃ بن عبد اللہ بن أنس کتابا زعم أن ابا بکر کتبہ لأنس و علیہ خاتم رسول اللہ ﷺ حین بعثہ مصدقا .... فاذا زادت علی عشرین و مائۃ ففی کل اربعین بنت لبون و فی کل خمسین حقۃ (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷ ؍ بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ،ص ۲۳۵،نمبر ۱۴۵۴ ؍ ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوۃ الابل والغنم ،ص۱۶۰،نمبر ۶۲۱) اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوگا۔اور چونکہ درمیان میں جو پانچ یا دس یا پندرہ یا بیس اونٹ ہیں اس کی زکوۃ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام نے حضرت عمرو ابن حزم کے خط کے آخیر میں یہ لکھوایا کہ جو اس سے کم ہو تو ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری لازم ہوگی۔اس لئے خط کے اس زیادتی پر عمل کیا جائے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر ابن حزم کو جو زکوۃ کے حساب کے لئے خط لکھوایا اسکے بعض خط میں یہ تذکرہ ہے کہ ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ہونی چاہئے۔اور چونکہ یہ اور خطوط سے علاوہ ہے اس لئے اس زیادتی کو قبول کرنا چاہئے اور اس پر عمل ہونا چاہئے۔عمر بن حزم کے لئے خط کا حصہ یہ ہے۔ من ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم أن النبی

(۷۷۲) والبخت والعراب سواء ﴾ ۱؎ لان مطلق الاسم يتناولهما والله اعلم بالصواب.

ﷺ كتبه لجده فقرأته ، فكان فيه ذكر ما يخرج من فرائض الابل فقص الحديث الى ان تبلغ عشرين و مائة فاذا كانت أكثر من ذالک فعد فی کل خمسین حقة و ما فضل فانه يعاد الى أول فريضة الابل ، و ما كان اقل من خمس و عشرين ففيه الغنم فی کل خمس ذود شاة ۔(سنن بیہقی، باب ذکر روایۃ عاصم بن ضمرۃ...وفیما زاد علی مائۃ وعشرین الخ، ج رابع، ص ۱۵۸، نمبر ۷۲۶۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۱ من قال اذا زادت علی عشرین ومائۃ استقبل بھا الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۱، نمبر ۹۹۱۱)اس حدیث میں ہے کہ ایک سوبیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری سے شروع کرے۔

ترجمہ: (۷۷۲) بختی اورعربی اونٹ برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ اونٹ کا مطلق نام دونوں کو شامل ہے۔

تشریح: عرب میں دو قسم کے اونٹ پائے جاتے تھے ایک چھوٹا ہوتا تھا اور الگ نسل کا ہوتا تھا، جسکو بختی اونٹ کہتے ہیں۔اور دوسرا اونٹ بڑا ہوتا ہے جو عام طور پر لوگ رکھتے ہیں اس کو عربی اونٹ کہتے ہیں، چونکہ اونٹ کا نام دونوں کو شامل ہے اس لئے دونوں کے احکام ایک ہے۔

﴿ اونٹ کی زکوۃ کا نصاب ایک نظر میں ﴾

							اب مجموعہ اس طرح ہوگا
اونٹ	زکوۃ		اونٹ	زکوۃ		اونٹ	زکوۃ
۵	ایک بکری		۵	ایک بکری		۱۲۵	۲ حقہ اور ایک بکری
۱۰	۲ بکریاں		۱۰	۲ بکریاں		۱۳۰	۲ حقہ اور ۲ بکریاں
۱۵	۳ بکریاں		۱۵	۳ بکریاں		۱۳۵	۲ حقہ اور ۳ بکریاں
۲۰	۴ بکریاں		۲۰	۴ بکریاں		۱۴۰	۲ حقہ اور ۴ بکریاں
۲۵	ایک بنت مخاض		۲۵	ایک بنت مخاض		۱۴۵	۲ حقہ اور ایک بنت مخاض
۳۶	ایک بنت لبون		۳۰	ایک حقہ		۱۵۰	۳ حقہ
۴۶	ایک حقہ		شروع سے				
۶۱	ایک جذعہ		۵	ایک بکری		۱۵۵	۳ حقہ اور ایک بکری
۷۶	۲ بنت لبون		۱۰	۲ بکریاں		۱۶۰	۳ حقہ اور ۲ بکریاں
۹۱	۲ حقہ		۱۵	۳ بکریاں		۱۶۵	۳ حقہ اور ۳ بکریاں
۱۲۰	۲ حقہ		۲۰	۴ بکریاں		۱۷۰	۳ حقہ اور ۴ بکریاں
شروع سے			۲۵	ایک بنت مخاض		۱۷۵	۳ حقہ اور ایک بنت مخاض
			۳۶	ایک بنت لبون		۱۸۶	۳ حقہ اور ایک بنت لبون
			۴۶	ایک حقہ		۱۹۶	۴ حقہ
			۵۰	ایک حقہ		۲۰۰	۴ حقہ

﴿فصل فی البقر﴾

(۷۷۳) ولیس فی اقل من ثلثین من البقر صدقة فاذا کانت ثلثین سائمة وحال علیها الحول ففیها تبیع او تبیعة ﴾ ۱ وهی التی طعنت فی الثانیة وفی اربعین مسن او مسنة ﴾ ۱ وهی التی طعنت فی الثالثة ۲ بهذا امر رسول الله علیه السّلام معاذ رضی الله عنه (۷۷۴) فاذا زادت علی اربعین وجب فی الزیادة بقدر ذلک الیٰ ستین﴾

﴿فصل فی البقر﴾

ضروری نوٹ: اونٹ کے احکام کے بعد گائے کے احکام لائے۔ کیونکہ جسامت کے اعتبار سے اونٹ کے بعد اس کا درجہ ہے۔ اس کا ثبوت احادیث سے ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

ترجمہ: (۷۷۳) تیس گایوں سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ تیس چرنے والی گائیں ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے۔ اور چالیس گایوں میں ایک مسن یا مسنہ ہے۔

تشریح: کسی کے پاس تیس چرنے والی گائے سے کم ہو تو اس میں کوئی زکوۃ نہیں ہے لیکن اگر تیس ہو جائے اور سال گزر جائے تو اس پر ایک سال کا بچھڑا، یا بچھڑی زکوۃ ہے۔ اور چالیس ہو جائے تو اس پر دو سال کا بچھڑا، یا بچھڑی زکوۃ ہے۔

وجہ: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔(۱) عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال فی ثلثین من البقر تبیع او تبیعة وفی کل اربعین مسنة (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ البقر ص ۱۳۶ نمبر ۶۲۲)(۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی وائل عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجه الی الیمن امره ان یاخذ من البقر من کل ثلثین تبیعا او تبیعة ومن کل اربعین مسنة (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۶/ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ البقر ص ۱۳۶ نمبر ۶۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیس گایوں میں ایک بچھڑا ہے یا بچھڑی ہے۔ جو ایک سال کا ہوتا ہے۔ اور چالیس گایوں میں ایک مسنہ ہے جو دو سال کا ہوتا ہے۔ باقی دلائل پہلے گزر گئے۔

ترجمہ: ۱ مسن وہ بچھڑا، اور مسنۃ وہ بچھڑی ہے جس نے تیسرے سال میں قدم رکھا ہو۔

لغت: تبیع : ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں قدم رکھا ہو ایسے بچھڑا: کو تبیع۔ اور بچھڑی: کو تبیعۃ، کہتے ہیں ، مسنۃ : دو سال پورے ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھا ہو ایسے بچھڑا: کو مسن۔ اور بچھڑی: کو مسنۃ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو یہی حکم دیا تھا۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۷۷۴) پس جب کہ زیادہ ہو جائے چالیس پر تو واجب ہے زیادتی میں اس کے حساب سے ساٹھ تک۔

ل عند ابی حنیفةؒ ففی الواحدة الزائدة ربع عشر مسنة وفی الاثنین نصف فعشر مسنة وفی الثلثة ثلثة اربا ع عشر مسنة وهذا رواية الاصل لان العفو ثبت نصبًا بخلاف القياس ولا نص هنا ۲ وروی الحسن عنه انه لا یجب فی الزیادة شئ حتی تبلغ خمسین ثم فیها مسنة وربع مسنة او ثلث تبیع لان مبنی هٰذا النصاب علی ان یکون بین کل عقدین وقص وفی کل عقد واجب

ترجمه: ل ابوحنیفہ کے نزدیک پس ایک گائے میں مسنہ کا ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں مسنہ کا دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ۔ یہ مبسوط کی روایت ہے، اس لئے معاف ہونا نص سے خلاف قیاس ثابت ہوا ہے اور یہاں کوئی نص نہیں ہے۔

تشریح: چالیس سے اوپر ساٹھ تک نہ دوسری تیس گائے بنتی ہے اور نہ چالیس گائے بنتی ہے، ساٹھ میں جا کر دو تیس بنتی ہے اس لئے چالیس سے لیکر ساٹھ تک میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر گائے میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اب جتنی گائے ہوتی جائے ہر گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا جائے گا۔ چنانچہ ایک گائے میں ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ لازم ہونگے۔

وجه: (۱) اسکی ایک وجہ یہ فرماتے ہیں کہ مال ہونا زکوۃ کا سبب ہے اور جہاں مال ہے پھر بھی شریعت نے زکوۃ کو معاف کیا ہے تو یہ قیاس کے خلاف معاف کیا ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مال ہو تو زکوۃ ضرور واجب ہونی چاہئے، اور چالیس سے ساٹھ تک گائے میں شریعت نے معافی کے بارے میں کچھ کہا نہیں ہے، اس لئے قیاس اور رائے سے اس کو معاف نہیں کر سکتے بلکہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس میں بھی زکوۃ واجب ہو، اس لئے چالیس سے اوپر ہر گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ (۲) چنانچہ اثر میں ہے عن مکحول قال مازاد فبالحساب (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چالیس گائے سے جو زیادہ ہو اس کو اس کے حساب سے کیا جائے گا۔

لغت: ربع عشر مسنۃ: دسویں حصہ کی چوتھائی یعنی چالیسواں حصہ، نصف عشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ، جس کو میں نے دو چالیسواں حصہ کہا، دو چالیسواں حصہ ملا کر بیسواں حصہ بن جاتا ہے۔ ثلثۃ ارباع : تین چالیسواں حصہ۔

ترجمه: ۲ اور حضرت حسن بن زیاد نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ زیادتی میں کچھ واجب نہیں ہوگا یہاں تک کہ پچاس کو پہنچ جائے، پھر پچاس میں ایک مسنہ اور مسنہ کا چوتھائی حصہ۔ یا ایک مسنہ اور تبیعہ کی تہائی ہے۔ اس لئے کہ اس نصاب کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر دو عقد [یعنی دسویں] کے درمیان وقص ہے، اور ہر دسویں میں زکوۃ واجب ہے۔

تشریح: اس عبارت میں عقد کا مطلب ہے دہائی، جیسے تیس، چالیس، پچاس، ساٹھ، ستر، یہ دہائی ہیں۔ اور انکے درمیان جو نو کا

۳؎ وقال ابو يوسف ومحمدؒ لا شئ فی الزيادة حتى تبلغ ستين وهو رواية عن ابی حنيفةؒ لقوله عليه السلام لمعاذؓ لا تاخذ من اوقاص البقر شيئا وفسروه بما بين اربعين الىٰ ستين

عدد ہے وہ وقص ہے، مثلا تیس اور چالیس عقد ہیں [دہائی ہے] اور اس میں زکوۃ ہے۔ اور انکے درمیان اکتیس سے لیکر انتالیس تک وقص کا عدد ہے جس میں زکوۃ نہیں ہے۔ اسی طرح ساٹھ اور ستر دہائی ہیں [عقد ہیں] جن میں زکوۃ واجب ہے اور انکے درمیان اکسٹھ سے لیکر انہتر تک نو کا عدد وقص ہے جس میں زکوۃ نہیں ہے۔ تو جس طرح تیس، چالیس، ساٹھ، ستر کی دہائی میں زکوۃ ہے اسی طرح پچاس کی دہائی میں بھی زکوۃ ہونی چاہئے۔ اور اس سے پہلے اکتالیس سے انچاس تک جو نو عدد ہے وہ وقص ہے اس میں زکوۃ نہیں ہو نی چاہئے۔۔ اور چالیس میں ایک مسنہ ہے تو دس میں مسنہ کی چوتھائی لازم ہونی چاہئے۔ اس حساب سے پچاس میں ایک مسنہ اور مسنہ کی چوتھائی لازم ہوگی۔۔ یا تیس میں تبیعہ ہے تو دس میں تبیعہ کی تہائی لازم ہوگی۔ اس حساب سے پچاس میں ایک مسنہ اور ایک تبیعہ کی تہائی لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ زیادتی میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ ساٹھ کو پہنچ جائے۔ یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ کی ہے حضرت معاذ کو حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ گائے کے وقص میں کچھ مت لو۔ اسکی تفسیر یہ ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک میں کچھ مت لو۔

تشریح: صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ چالیس سے لیکر انسٹھ تک میں کوئی مزید زکوۃ نہیں ہے یہ عفو ہے اور معاف ہے، صرف ایک مسنہ ہی لازم ہوگا۔ ساٹھ میں جا کر دو مرتبہ تیس ہو جاتا ہے اسلئے اس میں دو تبیعہ واجب ہونگی۔

وجہ: (۱) حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے وقت آپؐ نے فرمایا تھا کہ وقص میں کچھ مت لینا۔ اور چالیس سے لیکر ساٹھ تک وقص ہے اس لئے اس میں کچھ لازم نہیں ہوگا۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال لما بعث رسول الله معاذا الى اليمن قيل له بما امرت قال امرت ان اخذ من البقر من كل ثلاثين تبيعا او تبيعة ومن كل اربعين مسنة قيل له امرت فی الاوقاص بشیء ؟ قال لا وسأسال النبی ﷺ فساله فقال لا وهو مابين السنين يعنى لا تأخذ من ذلک شيئا** (دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسرشیء ج ثانی ص ۸۰، نمبر ۱۸۸۷ر مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۱ر سنن بیہقی، باب کیف فرض صدقۃ البقر، ج رابع، ص ۱۶۶، نمبر ۷۲۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقص میں کوئی زکوۃ نہیں ہے اور چالیس سے لیکر ساٹھ تک وقص ہے اس لئے اس میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا۔

لغت: وقص : دو عمروں کے درمیان یا دو عددوں کے درمیان جو عدد ہو اس کو اوقاص کہتے ہیں۔

۴؎ قلنا قد قیل ان المراد منها ھٰھنا الصغار (۵۷۷) ثم فی الستین تبیعان او تبیعتان وفی سبعین مسنة وتبیع وفی ثمانین مسنتان وفی تسعین ثلثة اتبعة وفی المائة تبیعان ومسنة وعلیٰ ھٰذا فیتغیر الفرض فی کل عشرة من تبیع الیٰ مسنة ومن مسنة الیٰ تبیعة ﴿۱؎ لقولهٖ علیه السلام فی کل ثلٰثین من البقر تبیع او تبیع وفی کل اربعین مسنّ او مسنة (۶۷۷) والجوامیس والبقر سواء ﴾

ترجمہ: ۴؎ ہم جواب دیتے ہیں کہ وقص سے مراد یہاں چھوٹے بچے ہیں۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کے حدیث کا جواب ہے۔انہوں حضرت معاذؓ کی حدیث پیش کی تھی کہ چالیس سے ساٹھ گائے میں کچھ نہیں ہے،اس کا جواب دے رہے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گائے کے چھوٹے بچے ہوں تو اس میں کچھ نہیں ہے۔۔ بہت سی احادیث میں ہے کہ چالیس سے ساٹھ تک وقص ہےاوراس میں کچھ نہیں ہےاس لئے صاحب ھدایہ کا یہ جوب اتنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۵۷۷) اورساٹھ گائے میں دو بچھڑے یا دو بچھڑیاں[ایک سال کے]۔اورستر میں ایک مسنہ اور ایک تبیع۔اوراسی میں دو مسنہ۔اورنوے میں تین تبیعہ۔اورسو میں دو تبیعہ اور ایک مسنہ۔اوراسی طرح حساب کرتے جائیں،پس فرض ہر دس میں تبیع سے مسنہ اورمسنہ سے تبیع کی طرف بدلتا جائے گا۔ ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہر تیس گائے میں ایک تبیع یا تبیعہ ہے،اور ہر چالیس میں ایک مسن، یا ایک مسنہ ہے۔

تشریح : حضورؐ کا قول گزرا کہ ہر تیس گائے میں ایک سال کا بچھڑا،اور ہر چالیس گائے میں دو سال کا بچھڑا زکوۃ ہے،اس فارمولے پر حساب کرتے جائیں تو ساٹھ گائے میں ایک سال کے دو بچھڑے ہونگے،کیونکہ دو مرتبہ تیس ہوئے۔اورستر گائے میں ایک مسنہ ہوگا اور ایک تبیع ہوگا کیونکہ ستر میں ایک چالیس بنے گا اور ایک تیس بنے گا۔اوراسی میں دو مسنہ ہونگے،کیونکہ دو مرتبہ چالیس ہوگا۔اورنوے میں تین تبیع واجب ہونگے،کیونکہ تین مرتبہ تیس بنے گا۔اورسو میں ایک مسنہ ہوگا اور دو تبیع زکوۃ ہوگی،کیونکہ ایک مرتبہ چالیس ہوگا اور دو مرتبہ تیس ہوگا۔آگے اسی طرح حساب کرتے جائیں،تو ہر دس گائے بڑھنے میں تبیع سے مسنہ کی طرف تبدیل ہوگی پھر مسنہ سے تبیع کی طرف تبدیل ہوگی۔

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ گزری ہے۔۔عن ابی وائل عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجه الی الیمن امره ان یاخذ من البقر من کل ثلثین تبیعا او تبیعة ومن کل اربعین مسنة (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۶ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ البقر ص ۱۳۶ نمبر ۶۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیس گایوں میں ایک بچھڑا ہے یا بچھڑی ہے۔جو ایک سال کا ہوتا ہے۔اور چالیس گایوں میں ایک مسنہ ہے جو دو سال کا ہوتا ہے

ترجمہ: (۶۷۷) مسئلہ میں بھینس اور گائے برابر ہیں۔

۱؎ لان اسم البقر یتناولهما اذا هو نوع منه ۲؎ الا ان اوهام الناس لا تسبق الیه فی دیار نا لقلته فلذٰلک لا یحنث به فی یمینه لا یا کل لحم بقر واللہ اعلم.

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ لفظ بقر، گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے، اس لئے کہ بھینس بھی گائے ہی کی قسم ہے۔

تشریح: جو حساب گائے کی زکوۃ کے بارے میں پیش کیا وہی حساب بھینس کی زکوۃ کے سلسلے میں ہے۔ کیونکہ دونوں کی جنس قریب قریب ہی ہے۔ یعنی ہے تو الگ الگ جنس، لیکن زکوۃ کے باب میں دونوں کا حکم اور حساب ایک ہی ہے۔ ۔ جاموس: کا معنی بھینس۔

ترجمه: ۲؎ لیکن ہمارے ملک مرغینان میں بقر سے لوگوں کا خیال بھینس کی طرف نہیں جاتا، کیونکہ بھینس بہت کم ہے، اسی وجہ سے کوئی قسم کھائے کہ بقر [گائے] کا گوشت نہیں کھاؤں گا، تو بھینس کے گوشت کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: صاحب ھدایہ کا ملک مرغینان ہے جو فرغانہ ضلع کا ایک قصبہ ہے، فرغانہ اس وقت روس میں ہے۔ وہاں اس وقت بھینس کم ہوا کرتی تھی اور گائے بول کر بھینس مراد نہیں لیتے تھے، اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ بقر [گائے] کا گوشت نہیں کھاؤں گا، اور بھینس کا گوشت کھالیا تو بھینس کے گوشت کھانے سے قسم میں حانث نہیں ہوگا۔ ۔ یہی حال ہمارے ملک جھارکھنڈ میں ہے۔

﴿ گائے اور بھینس کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

گائے	کتنی زکوۃ	مسنہ یا تبیعہ		گائے	کتنی زکوۃ	مسنہ	یا تبیعہ
30	1	تبیعہ		60	2	تبیعہ	
40	1	مسنہ		70	1	مسنہ	ایک تبیعہ
41	1.025	مسنہ		80	2	مسنہ	
42	1.050	مسنہ		90	3	تبیعہ	
43	1.075	مسنہ		100	2	تبیعہ	ایک مسنہ
44	1.1	مسنہ		110	2	مسنہ	ایک تبیعہ
45	1.125	مسنہ		120	3	مسنہ	
46	1.15	مسنہ		130	3	تبیعہ	ایک مسنہ

اسی پر قیاس کرتے جائیں۔

نوٹ: ایک گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا ہے اس لئے 40 کو ایک میں تقسیم دیں تو 0.025 نکلے گا۔ اسی 0.025 کو ایک گائے، دو گائے جو چالیس سے زیادہ ہو ضرب دیتے جائیں تو حساب نکلتا جائے گا جو اوپر درج ہے۔ یہ حساب کلکیو لیٹر سے کیا ہے۔

﴿فصل فی الغنم﴾

(۷۷۷) لیس فی اقل من اربعین من الغنم السائمة صدقة فاذا کانت اربعین سائمة وحال علیها الحول ففیها شاة الیٰ مائة وعشرین فاذا زادت واحدة ففیهاشاتان الیٰ مائتین فاذا زادت واحدة ففیها ثلث شیاه فاذا بلغت اربع مائة ففیها اربع شیاه ثم فی کل مائة شاة﴾

﴿فصل فی الغنم﴾

ضروری نوٹ: بکری کی زکوۃ کے سلسلہ میں یہ باب ہے۔اس لئے حدیث آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۷۷۷) چالیس بکری سے کم میں کوئی زکوۃ نہیں ہے۔پس جب کہ چالیس چرنے والی بکری ہوجائے اوراس پر سال گزرجائے تواس میں ایک بکری ہے ایک سوبیس بکری تک۔پس جب کہ اس میں ایک زیادہ ہوجائے (یعنی ایک سوایکیس ہوجائے) تواس میں دوبکریاں ہیں دوسوتک۔پس جب کہ زیادہ ہوجائے اس میں ایک بکری (یعنی دوسوایک ہوجائے) تواس میں تین بکریاں ہیں۔پس جب کہ پہنچ جائے چارسوتواس میں چاربکریاں ہیں۔پھر ہرایک سومیں ایک بکری زکوۃ ہے۔

تشریح: چالیس سے ایک سوبیس کے درمیان بکریوں میں ایک بکری زکوۃ کی ہے پھرایک سوایکیس سے دوسوتک میں دوبکریاں ہیں۔اوردوسوایک سے تین سوناوے تک تین بکریاں ہیں۔اورچارسوبکریوں میں چاربکریاں زکوۃ ہیں۔پھر ہراک سومیں ایک بکری زکوۃ لازم ہوگی۔

وجہ: (۱)حدیث میں ہے۔ ان انسا حدثه ان ابا بکر کتب له هذا الکتاب لما وجهه الی البحرین بسم الله الرحمن الرحیم هذه فریضة الصدقة التی فرض رسول الله علی المسلمین والتی امر الله بها رسوله ... وفی صدقة الغنم فی سائمتها اذا کانت اربعین الی عشرین و مائة: شاةٌ، فاذا زادت علی عشرین و مائة الی مائتین شاتان، فاذا زادت علی مائتین الی ثلث ماة ففیها ثلاث، فاذا زادت علی ثلث مائة ففی کل مائةٍ شأةٌ،فاذا کانت سائمة الرجل ناقصة من اربعین شاة واحدة فلیس فیها صدقة الا ان یشاء ربها (بخاری شریف ،باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵/۱۹۶ نمبر ۱۴۵۴/ابوداؤدشریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷)اس حدیث سے اوپر کے حساب کی تائید ہوتی ہے۔البتہ حدیث میں ہے کہ دوسوایک سے تین سوتک تین بکریاں ہوں گی اورتین سو کے بعد ہرسومیں ایک بکری لازم ہوگی۔اورمتن میں تھا کہ چارسو کے بعد ہرسومیں ایک بکری لازم ہوگی۔اس تھوڑے سے اختلاف کے بعد مسئلہ ایک جیسا ہی ہوجاتا ہے۔

ل ھٰکذا ورد البیان فی کتاب رسول ا للہ علیہ السلام وفی کتاب ابی بکر وعلیہ انعقد الاجماع.

(۷۷۸) والضّان والمَعْزُ سواء ﴾ ل لان لفظة الغنم شاملة للکل والنص ورد به ۲ ویو خذ الثنی فی زکاتھا ولا یوخذ الجذع من الضأن الا فی روایة الحسن عن ابی حنیفة.

ترجمہ: ل حضورؐ کے خط میں اور حضرت ابوبکرؓ کے خط میں اسی طرح بیان وارد ہوا ہے۔ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہوا ہے۔

تشریح: حضورؐ کی تصدیق کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کا خط ابھی اوپر گزرا۔ اور اس حساب پر تمام ائمہ کا اجماع بھی منعقد ہوا ہے۔

ترجمہ: (۷۷۸) بھیڑ اور بکری کا مسئلہ برابر ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ لفظ غنم کل کو شامل ہے اور حدیث میں غنم پر زکوۃ کا تذکرہ ہے

تشریح: بھیڑ اور بکری دونوں زکوۃ میں ایک ہی جنس شمار ہوتے ہیں، چنانچہ اگر بیس بھیڑ اور بیس بکری ہو تو دونوں کو ملا کر چالیس پر ایک بکری زکوۃ ہوگی، کیونکہ دونوں ایک ہی جنس شمار ہوتے ہیں۔

وجہ: (۱) بھیڑ اور بکری تقریبا ایک جنس شمار کئے جاتے ہیں اس لئے دونوں کی زکوۃ کا حساب ایک ہی جیسا ہے۔ (۲) اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ چالیس غنم میں ایک بکری ہے اور غنم کا لفظ بکری پر بھی بولا جاتا ہے اور بھیڑ پر بھی بولا جاتا ہے، اس لئے دونوں ایک جنس کے ہونگے ۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے ان انسا حدثه ان ابا بکر کتب له هذا الکتاب ... وفی صدقة الغنم فی سائمتھا اذا کانت اربعین الی عشرین و مائة: شاةٌ، (بخاری شریف، نمبر ۱۴۵۴ / ابوداؤد شریف نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں غنم پر صدقہ ہے جو بھیڑ اور بکری دونوں کو شامل ہے اسلئے دونوں کی زکوۃ ایک ہوگی۔

لغت الضأن: بھیڑ، المعز : بکری۔ الغنم : بکری، اور کبھی بھیڑ کو بھی غنم کہہ دیتے ہیں۔

﴿ بکریوں کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

بکریاں	زکوۃ
40	ایک بکری
121	دو بکریاں
201	تین بکریاں
400	چار بکریاں
500	پانچ بکریاں

ترجمہ: ۲ اور بکری کی زکوۃ میں ثنی لیا جائے گا، اور بھیڑ کا جذع نہیں لیا جائے گا، مگر امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت

۳؎ والثنی منها ماتمت له سنة والجذع ما اتی علیه اکثرها ۴؎ وعن ابی حنیفةؒ وهو قولهما انه یوخذ الجذع لقوله علیه السلام انما حقنا الجذعة والثنی ولانه یتادی به الاضحیة فکذا الزکوٰة

میں۔

تشریح: بکری اور بھیڑ میں ایک سال مکمل ہو جائے تو اس وقت پرانا دانت ٹوٹ کر نیا دانت آجاتا ہے اسکو ثنی، کہتے ہیں۔ اور ایک سال سے کم ہو تو اس وقت دانت ٹوٹ کر نیا دانت نہیں آتا اسکو جذع، کہتے ہیں۔ یہاں امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں ہیں [۱] پہلی روایت یہ ہے کہ نہ بکری کی زکوۃ میں جذع لیا جائے گا اور نہ بھیڑ کی زکوۃ میں۔ [۲] اور دوسری روایت حضرت حسن بن زیاد سے یہ ہے کہ جذع بھی زکوۃ میں لیا جا سکتا ہے، اور یہی مسلک صاحبین کا ہے کہ جذع بھی بکری کی زکوۃ میں لیا جا سکتا ہے۔ اسکی تفصیل آگے آرہی ہے

ترجمہ: ۳؎ اور بکری کی ثنی اس کو کہتے ہیں جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو، اور جذع اس کو کہتے ہیں جس پر سال کا اکثر حصہ گزرا ہو۔

ترجمہ: ۴؎ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے جذع لیا جائے گا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ ہمارا حق جذع اور ثنی میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جذع سے قربانی ادا ہوتی ہے تو ایسے ہی زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی۔

تشریح: حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ بکری کی زکوۃ میں جذع بھی جائز ہے، اور یہی مسلک صاحبینؒ کا ہے۔

وجہ: اس روایت کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ھدایہ نے نقل کیا ہے (۱) قال ابن أخی فانی أحدثک أنی کنت فی شعب من هذه الشعاب علی عهد رسول الله ﷺ فی غنم لی ....و قد نهانا رسول الله ﷺ أن نأخذ شافعا قلت فأی شیء تأخذان ؟ قالا عناقا جذعة أو ثنية ۔ (ابو داود شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ، ص ۲۳۴، نمبر ۱۵۸۱) اس حدیث میں ہے کہ بکری میں جذعہ اور ثنی دونوں میں سے ایک کا حق ہے۔ (۲) کنا مع رجل من أصحاب النبی ﷺ یقال له مجاشع من بنی سلیم ، فعزت الغنم فأمر منادیا فنادی أن رسول الله ﷺ کان یقول ان الجذع یوفی مما یوفی منه الثنی . (ابو داود شریف، باب ما یجوز فی الضحایۃ من السن، ص ۴۰۸، نمبر ۲۷۹۹ / ابن ماجۃ شریف، باب ما یجزی من الاضاحی، ص ۴۵۷، نمبر ۳۱۴۰) اس حدیث میں ہے کہ قربانی میں جذع بھی اسی طرح کام آئے گا جس طرح ثنی کام آتا ہے، اور جب قربانی میں کام آئے گا تو زکوۃ میں بھی کام آئے گا۔ (۳) عن جابر قال : قال رسول الله ﷺ لا تذبحوا الا مسنة الا أن یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضأن. (مسلم شریف، باب سن الأضحیۃ، ص ۸۷۶، نمبر ۱۹۶۳ / ۵۰۸۲ / ابو داود شریف، باب ما یجوز فی الضحایۃ من السن، ص ۴۰۷، نمبر ۲۷۹۷) اس حدیث میں ہے کہ بھیڑ کے جذع کی قربانی جائز ہے۔ اس حدیث سے بعض ائمہ اس بات کے قائل ہوئے کہ بھیڑ میں تو جذع کی زکوۃ جائز ہے، لیکن بکری میں چونکہ جذع کی قربانی جائز

۵ وجه الظاهر حديث علىٰ موقوفا ومرفوعا لا يؤخذ فى الزكوٰة الا الثنى فصاعدا ۶ ولان الواجب هو الوسط وهٰذا من الصغار ولهٰذا لا يجوز فيها الجذع من المعز ۷ وجواز التضحية به عرف نصا ۸ والمراد بماروى الجذعة من الابل

نہیں ہے اسلئے بکری میں جذع کی زکوۃ جائز نہیں ہے اس میں ثنی ہی دینی ہوگی۔(۴) یہ اثر بھی ہے۔فقال عمر بن خطاب : نعم نعد عليهم بالسخلة يحملها الراعى و لا نأخذ ها و لا نأخذ الأكولة و لا الربى و لا الماخض و لا فحل الغنم و نأخذ الجذعة و الثنية و ذالک عدل بين غذاء المال و خياره . (سنن بیہقی، باب السن التی تؤخذ فی الغنم، ج رابع، ص۱۶۹، نمبر۷۳۰۲) اس اثر میں ہے کہ بکری کی زکوۃ میں جذع اور ثنی لے سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۵ ظاہر روایت کی دلیل حضرت علیؓ کی حدیث ہے موقوفا بھی اور مرفوعا بھی، کہ زکوۃ میں نہیں لی جائے گی مگر ثنی یا اس سے زیادہ۔

تشریح: حضرت علیؓ کی حدیث موقوفا: کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرت علیؓ کا اپنا قول ہو حضورؐ سے حدیث کے طور پر بیان نہ کر رہے ہوں۔اور مرفوعا: کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ سے حدیث بیان کر رہے ہوں، ان کا اپنا قول نہ ہو۔حضرت علیؓ کا یہ قول، یا حدیث کہ زکوۃ میں ثنی سے کم نہیں لی جائے گی۔مجھے نہیں ملی، اور نصب الرایۃ والے بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حدیث یا قول نہیں ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ: ۶ اور اس لئے کہ واجب وسط ہے اور جذع چھوٹے میں سے ہے اسی لئے بکری کا جذع قربانی میں جائز نہیں۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ، زکوۃ میں وسط مال لینے کا حکم ہے، بہت اعلی بھی نہیں اور بہت ادنی بھی نہیں، اور جذع تو گویا کہ بکری کا بچہ ہو گیا، یہ ادنی ہو گیا اسلئے زکوۃ میں یہ جائز نہیں۔جذع کا شمار بچے میں ہے اسی وجہ سے بکری کا جذع قربانی میں بھی جائز نہیں ہے، حدیث کی بنا پر صرف بھیڑ کی جذع قربانی میں جائز ہے، اگر چہ بھیڑ میں بھی قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ اسکی قربانی جائز نہ ہو۔معز: بکری۔

ترجمہ: ۷ اور بھیڑ کے جذع کی قربانی حدیث سے پہچانی گئی ہے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کے استدلال کا جواب ہے۔انہوں نے استدلال کیا تھا کہ بھیڑ کے جذع کی قربانی جائز ہے تو جذع کی زکوۃ بھی جائز ہونی چاہئے، اس کا جواب ہے کہ، یہ بچہ ہے اس لئے اسکی قربانی بھی جائز نہیں ہونی چاہئے لیکن خلاف قیاس حدیث میں اسکی قربانی جائز قرار دی ہے اسلئے صرف قربانی میں یہ کافی ہوگا زکوۃ میں نہیں۔

ترجمہ: ۸ اور صاحبین نے جو حدیث روایت کی ہے اس کا مطلب یہ کہ اونٹ کے جذع میں ہمارا حق ہے۔

(۴۷۷) ویؤخذ فی زکوٰۃ الغنم الذکور والاناث﴾ ۱؎ لان اسم الشاۃ ینتظمھما وقد قال علیہ السلام فی اربعین شاۃ شاۃ واللہ اعلم.

تشریح : بکری کا جذع زکوۃ میں جائز ہے اس سلسلے میں اوپر ابوداود شریف کی حدیث گزری جس میں تھا۔ قالا عناقا جذعۃ أو ثنیۃ ۔(ابوداود شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ،ص ۲۳۴،نمبر ۱۵۸۱) اس جذع کا مطلب بتاتے ہیں کہ وہ اونٹ کے جذع کے بارے میں ہے کہ اس کو زکوۃ میں لینا جائز ہے۔اونٹ کا جذع اس وقت ہوتا ہے جب چار سال پورا کرکے پانچویں سال میں قدم رکھے۔۔حدیث میں [عناق] بکری کا لفظ موجود ہے اسلئے صاحب ھدایہ کی یہ تاویل مشکل ہے۔

ترجمہ: (۴۷۷)اور بکری کی زکوۃ میں مذکر اور مؤنث دونوں لئے جاسکتے ہیں۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ شاۃ کا لفظ دونوں کو شامل ہے اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ چالیس بکری میں ایک بکری ہے۔

تشریح : بکری یا بھیڑ کی زکوۃ میں مذکر اور مؤنث دونوں لینا جائز ہے بشرطیکہ درمیانہ ہو بہت اعلی یا بہت ادنی نہ ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ چالیس شاۃ میں ایک شاۃ ہے اور شاۃ کا لفظ مذکر پر بھی بولا جاتا ہے اور مؤنث پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے دونوں کو لینا جائز ہے۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن سالم عن ابیہ قال کتب رسول اللہ ﷺ کتاب الصدقۃ .....و فی الغنم فی کل أربعین شاۃ شاۃ الی عشرین و مائۃ۔(ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکاۃ الابل والغنم ،ص ۱۶۰،نمبر ۶۲۱)اس حدیث میں شاۃ کا لفظ ہے جو مذکر اور مؤنث دونوں کو شامل ہے۔

﴿فصل فی الخیل﴾

(۷۸۰) اذا كانت الخيل سائمة ذكور او اناثا فصاحبها بالخيار ان شاء اعطى من كل فرس دينار اوان شاء قَوَّمها واعطىٰ عن كل مائتين خمسة دراهم وهذاعند ابى حنيفة﴾ ١ وهو قول زفرؒ ٢ وقالا لا زكوٰة فى الخيل لقوله عليه السلام ليس على المسلم فى عبده ولا فى فرسه صدقة

﴿ باب زکوۃ الخیل ﴾

ضروری نوٹ: گھوڑے کے سلسلہ میں کئی قسم کی احادیث ہیں۔اس لئے علماء میں اختلاف ہے کہ گھوڑے میں زکوۃ واجب ہے یا نہیں۔یہ بات طے ہے کہ جہاد کے گھوڑے میں اور خدمت کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔اور تجارت کے گھوڑے میں اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم لازم ہے۔البتہ جو گھوڑے نسل بڑھانے کے لئے ہیں ان ہی میں اختلاف ہے کہ زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟اور ہر ایک امام کا مسئلہ اور اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۷۸۰) جب کہ گھوڑے چرنے والے ہوں اور نر اور مادہ دونوں ہوں اور ان پر سال گزر چکا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے[۱] چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلہ میں ایک دینار دے[۲] اور چاہے تو اس کی قیمت لگائے اور ہر دوسو درہم کے بدلے پانچ درہم دے۔

ترجمہ: ١ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے،اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے۔

تشریح: چونکہ یہ گھوڑے جہاد کے نہیں ہیں اور روزمرہ کام آنے والے بھی نہیں ہیں بلکہ چرنے والے ہیں اور نسل بڑھانے کے لئے ہیں اس لئے اس کی زکوۃ دینے کی دو شکلیں ہیں۔ایک یہ ہے کہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دیدے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ گھوڑے کی قیمت لگائے اور جتنی اس کی قیمت ہو اس کے ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ دیدے۔

وجہ: (۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول الله ﷺ فى الخيل السائمة فى كل فرس دينار تؤديه . (دار قطنی ۱۸، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطھا عن الخیل والرقیق ج ثانی ص۱۰۹ نمبر۲۰۰۰ رسنن للبیھقی، باب من رأی فی الخیل صدقۃ ج رابع، کتاب الزکوۃ ص۲۰۲،نمبر۷۴۱۹ رمصنف عبد الرزاق، باب الخیل، ج رابع، ص۳۳،نمبر۶۹۱۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چرنے والے گھوڑے کے ہر گھوڑے کے بدلے میں ایک دینار زکوۃ دے۔اور چونکہ دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ لازم ہے اس لئے مالک کو اختیار ہے کہ قیمت لگا کر ہر دوسو درہم میں پانچ درہم دیدیا کرے۔

ترجمہ: ٢ صاحبین فرماتے ہیں کہ گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مسلمان پر اسکے غلام میں اور اس کے گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے۔

۳؎ ولـه قوله عليه السلام فی كل فرس سائمة دينارا و عشرة دراهم ۴؎ وتاويل ما رواه فرس الغازی وهو المنقول عن زيد بن ثابتؓ ۵؎ والتخيير بين الدينار والتقويم ماثور عن عمرؓ

تشریح: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نسل بڑھانے والے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔البتہ اگر تجارت کے لئے گھوڑے ہوں تو اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم لازم ہوں گے۔کیونکہ اب یہ تجارت کا مال ہو گیا اور تجارت کے مال میں زکوۃ ہے

وجہ: ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو صاحب ھدایہ نے پیش کی ہے۔ عن ابی هرير ة قال قال رسول الله ﷺ ليس على المسلم فی فرسه و غلامه صدقة . (بخاری شریف، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ ص ۱۹۷ نمبر ۱۴۶۳/ابوداؤد شریف، باب صدقۃ الرقیق ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے کہ مسلمان کے گھوڑے میں صدقہ یعنی زکوۃ نہیں ہے اس لئے تجارت کے علاوہ کسی گھوڑے پر زکوۃ نہیں ہوگی (۲) اس حدیث میں بھی ہے. عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ قد عفوت عن الخيل و الرقيق فهاتوا صدقة الرقة من كل اربعين درهما درهم ۔(ابوداود شریف، باب زکاۃ السائمۃ ص ۲۳۳، نمبر ۱۵۷۴) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑے کی زکوۃ معاف ہے۔(۳) اس اثر میں ہے .عن ابراهيم قال : ليس فی الخيل السائمة زكاة . (مصنف عبد الرزاق، باب الخیل، ج رابع ص ۳۱، نمبر ۶۹۱۴) اس اثر میں ہے کہ چرنے والے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار ہے، یا دس درہم ہے۔

تشریح: یہ حدیث اوپر گزر گئی۔عن جابر قال قال رسول الله ﷺ فی الخيل السائمة فی كل فرس دينار تؤديه . (دار قطنی ۱۸، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطھا عن الخیل والرقیق ج ثانی ص ۱۰۹ نمبر ۲۰۰۰) اس حدیث میں ہے کہ ہر چرنے والے گھوڑے میں ایک دینار ہے۔

۴؎ اور جو صاحبین نے حدیث روایت کی اس کی تاویل یہ ہے کہ جہاد کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے حضرت زید ابن ثابت سے یہی منقول ہے۔

تشریح: صاحبین نے جو حدیث پیش کی ہے اس کی تاویل ہے، کہ حضورؐ نے جو فرمایا کہ مسلمان کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد کا گھوڑا ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ نسل بڑھانے کا گھوڑا ہو تو اس میں زکوۃ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کے قول میں اس کا اشارہ ہے۔اثر یہ ہے۔ عن ابن عباس قال : ليس فی فرس الغازی فی سبيل الله صدقة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی زکاۃ الخیل، ج ثانی ص ۳۸۱، نمبر ۱۰۱۴۴) اس اثر میں ہے کہ جہاد کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ ہر گھوڑے میں ایک دینار دے یا اسکی قیمت لگا کر زکوۃ دے اس کا اختیار حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔

(۷۸۱) ولیس فی ذکورها منفردة زکوٰة ﴿ ۱؎ لانها لا تتناسل (۷۸۲) وکذا فی الاناث المنفردات﴾ ۱؎ فی روایة ۲؎ وعنه الوجوب فیها لانها تتناسل بالفحل المستعار بخلاف الذکور ۳؎ وعنه انها تجب فی الذکور المنفردة ایضا

تشریح: متن میں دو باتیں کہیں [۱] ایک تو یہ کہ ہر گھوڑے پر ایک دینار زکوۃ دے۔ [۲] اور دوسری بات کہی کہ مالک کو اس بات کا بھی اختیار ہے کہ گھوڑے کی قیمت لگا کر ہر دو سو درہم میں پانچ درہم زکوۃ دے۔ فرماتے ہیں کہ یہ اختیار دینا حضرت عمرؓ سے ثابت ہے۔ حضرت عمر کا اثر یہ ہے۔ عن حارثة بن مضرب أن قوما من أهل مصر أتوا عمر بن الخطاب .....وأخذ من الفرس عشرة دراهم . (دار قطنی، باب زکاۃ مال التجارۃ وسقوطها عن الخیل والرقیق، ج ثانی، ص ۱۰۱، نمبر ۲۰۰۱ مصنف عبد الرزاق، باب الخیل، ج رابع، ص ۳۲، نمبر ۶۹۱۷) اس اثر میں ہے کہ ہر گھوڑے پر حضرت عمرؓ نے دس دس درہم لگایا۔ گھوڑے کی قیمت لگا کر دو سو درہم میں پانچ درہم دے اس کا اثر مجھے نہیں مل سکا۔ ثمیر۔

ترجمہ: (۷۸۱) امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف مذکر گھوڑے میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ ۱؎ اس لئے کہ توالد تناسل نہیں ہو سکتا۔

تشریح: صرف مذکر گھوڑے ہوں تو توالد اور تناسل نہیں ہوگا اور نسل نہیں بڑھے گی اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ اور مذکر اور مؤنث دونوں ہوں تو نسل بڑھے گی تب زکوۃ واجب ہوگی۔

ترجمہ: (۷۸۲) اور صرف مؤنث میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ ایک روایت میں ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف گھوڑی ہو اور اس کے ساتھ ایک بھی گھوڑا نہ ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے، کیونکہ جب گھوڑا نہیں ہے تو توالد تناسل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ تعداد بڑھ سکتی ہے اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ انہیں سے ایک روایت یہ ہے کہ صرف گھوڑی میں بھی زکوۃ ہے، اس لئے کہ مانگے ہوئے گھوڑے سے تناسل ممکن ہے۔ بخلاف صرف مذکر کے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ صرف گھوڑی ہو تو اس میں زکوۃ ہے۔ اس لئے اگر چہ اس کے پاس گھوڑا نہیں ہے لیکن دوسرے کے گھوڑے سے تناسل کروا سکتا ہے اس لئے نسل بڑھنا ممکن ہے اس لئے زکوۃ واجب ہوگی۔ اور صرف گھوڑا ہو تو اس سے نسل بڑھنے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو حنیفہؒ سے ہی ایک روایت یہ ہے کہ صرف مذکر گھوڑے میں بھی زکوۃ واجب ہے۔

(٧٨٣) ولا شیئ فی البغال والحمیر ﴾ ١ لقولہٖ علیه السلام لم ینزل علی فیهما سنئ والمقادیر تثبت سماعا ٢ الا ان یکون للتجارةلان الزکوٰة حینئذ تتعلق بالمالیة کسائر اموال التجارة.

ترجمه: (٧٨٣) خچر میں اور گدھے میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمه: ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ مجھ پر گھوڑے اور خچر کے بارے میں کچھ نازل نہیں ہوا۔ اور زکوۃ کی مقدار تو حدیث ہی سے ثابت کر سکتے ہیں۔

تشریح: گدھے اور خچر تجارت کے لئے ہوں تب تو وہ مال تجارت ہو گئے اس لئے مال تجارت کے اعتبار سے ان کی قیمت میں ہر دو سو درہم میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ نسل بڑھانے کے لئے ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ گدھے اور خچر کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے۔ اور کسی جانور پر زکوۃ حدیث اور قرآن ہی سے ثابت کر سکتے ہیں، عقل اور قیاس سے نہیں، اور یہاں اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے اس لئے اس پر زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی۔۔ مقادیر: زکوۃ کی مقدار۔

وجه: اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جو صاحب ھدایہ نے پیش کی۔ **عن ابی هریرۃ یقول قال رسول الله ﷺ ... قیل یا رسول الله ﷺ فالحمر؟ قال: ما انزل علی فی الحمر شیء الا هذه الآیة الفاذة الجامعة ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره﴾** (آیت ٧، سورۃ الزلزلۃ ٩٩)۔ (مسلم شریف، باب اثم مانع الزکوۃ ص ٣١٩ نمبر ٢٢٩٠/٩٨٧ بخاری شریف، باب الخیل لثلاثۃ، کتاب الجہاد ص ٤٧٣، نمبر ٢٨٦٠ مصنف بن عبد الرزاق، باب الحمر ج رابع ص ٢٩ نمبر ٦٩٠١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھے میں زکوۃ نہیں ہے اور خچر بھی گدھے کی ایک قسم ہے اس لئے اس میں بھی زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمه: ٢ مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہو اس لئے کہ زکوۃ اس وقت مال زکوۃ کے ساتھ متعلق ہوگی، جس طرح اور مال ہے۔

تشریح: گدھے یا خچر اگر نسل بڑھانے کے لئے ہوں تو ان میں زکوۃ نہیں ہے، لیکن اگر تجارت کے لئے ہوں تو اب یہ تجارت کا مال ہے اس لئے جس طرح تجارت کے اور مال میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح اس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، اور اسکی قیمت کے ہر دو سو درہم میں پانچ درہم زکوۃ واجب ہوگی۔

وجه: اس اثر میں ہے۔ **قال سفیان و نحن نقول: الا ان تکون لتجارة** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الحمر، ج رابع، ص ٢٩، نمبر ٦٩٠١) اس اثر میں ہے کہ تجارت کے لئے ہو تو اس گدھے کی قیمت میں زکوۃ ہے۔

﴿ فصل ﴾

(۸۴۷) **وليس فى الفصلان والعجاجيل والحملان صدقة** ﴾ ل عند ابى حنيفة الا ان يكون معها كبارو هذا اخر اقواله وهو قول محمدؒ

﴿جانور کے بچوں کا فصل ﴾

ضروری نوٹ : جانور کے بچے مثلا اونٹنی کے بچے، گائے کے بچے، بکری کے بچے اپنے بڑوں کے ساتھ ہوں تو ان بچوں کو شمار کر کے جانور کی تعداد پوری ہوتو اس پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ یا ان بچوں کو بڑوں کے ساتھ شمار ہی نہ کیا جائے۔ یا صرف بچے کسی کے پاس ہوا اور اس جانور کی زکوۃ کی تعداد پوری ہوتی ہو، مثلا اونٹ کے صرف پانچ چھوٹے بچے کسی کے پاس ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے تین قول ہیں [۱] بچوں کے ساتھ بڑے بھی ہوں تو بچوں کو شمار کر کے زکوۃ ہوگی۔ [۲] صرف چھوٹے بچے کسی کے پاس ہوں اور اس سے تعداد زکوۃ پوری ہوتی ہو تو اس کا حکم بڑے جانور کی طرح ہے، اس میں بڑے کی طرح زکوۃ واجب ہوگی۔ [۳] صرف چھوٹے بچے ہوں تو تعداد میں چاہئے کتنے ہی ہوں صرف ایک بچہ زکوۃ میں لازم ہوگا۔۔ دلیل اور تفصیل آگے دیکھیں۔

ترجمه: (۸۴۷) اونٹنی کے بچے، بکری کے بچے اور گائے کے بچے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ ان کے ساتھ بڑے ہوں۔

ترجمه: ل یہ آخری قول ہے، اور یہی قول امام محمدؒ کا ہے۔

تشریح : ان بچوں کے ساتھ بڑے ہوں تو بچوں کو بڑوں کے تابع کر کے زکوۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر بڑے نہ ہوں تو نسل بڑھنے کا امکان نہیں ہے بلکہ بچے بڑے ہوں گے لیکن تعداد کی زیادتی نہیں ہوگی اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الحسن قالا لايعتد بالسخلة ولا توخذ فى الصدقة (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ السخلة تحسب على صاحب الغنم ج ثانی ص ۳۶۷، نمبر ۹۹۸۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے چھوٹے بچے زکوۃ میں شمار نہیں ہوں گے۔ اور اسی پر قیاس کر کے اونٹنی کے بچے اور گائے کے بچے پر بھی زکوۃ نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ بڑے نہ ہوں۔ (۲) اور بڑے ہوں تو اسکے تابع کر کے بچے کی بھی زکوۃ لی جائے اس کے لئے یہ اثر ہے .عن عمر استعمل اباه على طائف .....حتى لقى عمرؓ بالذى قالوا فقال [عمرؓ] اعتد عليهم بالغذاء وان جاء بها الراعى يحملها على يده، و أخبرهم أنك تدع لهم الشاة الماخض و الأكيلة و فحل الغنم ، و خذ العناق الجذعة و الثنية فذالك عدل بين خيار المال و الغذاء ۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۲۴ السخلة تحسب على صاحب الغنم ۔ ج ثانی ص ۳۶۸، نمبر ۹۹۸۵ / سنن

۲ وكان يقول اوّلاً يجب فيها ما يجب في المسانّ وهو قول زفر ومالك. ۳ ثم رجع وقال فيها واحد منها وهو قول ابي يوسف والشافعيؒ ۴ وجه قوله الاول ان الاسم المذكور في الخطاب ينتظم الصغار والكبار

للبیھقی، باب یعد علیھم بالسخال التی تجت ج رابع ص ۱۷۳، نمبر ۷۳۱۴) اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ زکوۃ کے لئے بڑے کے ساتھ بکری کے بچے کو بھی شمار کیا جائے گا، البتہ اس کو زکوۃ میں لیا نہیں جائے گا۔ الغذاء: چھوٹے بچے

لغت : الفصلان: فصیل کی جمع ہے اونٹنی کے بچے۔ الحملان: حمل کی جمع ہے بکری کے بچے۔ العجاجیل: عجول کی جمع ہے گائے کے بچے۔

ترجمہ : ۲ اور پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ چھوٹے بچوں میں بھی اتنی ہی زکوۃ واجب ہوگی جتنی مسنہ میں [یعنی بڑے میں] یہی قول امام زفرؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔

تشریح: پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح بڑے جانور میں تعداد پوری ہونے کے بعد زکوۃ لی جاتی ہے اور اس کا ایک حساب ہے جو اوپر گزرا، اسی طرح صرف چھوٹے بچے ہوں تب بھی بڑے کی طرح اس کی زکوۃ لی جائے گی، اور بڑے کا ہی حساب اس میں ہوگا۔

وجہ:(۱) عن عطاء قال قلت له يعتد بالصغار اولاد الشاة؟ قال نعم (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۴ السخلۃ تحسب علی صاحب الغنم۔ ج ثانی، ص ۳۶۸، نمبر ۹۹۸۳) اس اثر میں ہے کہ چھوٹے بچے کو بھی شمار کیا (۲) اسکی دلیل عقلی یہ ہے کہ حدیث میں غنم [بکری] پر زکوۃ ہے اور غنم چھوٹے بچے پر بھی بولا جاتا ہے اس لئے صرف بچہ ہو تب بھی اس پر بڑے کی زکوۃ ہوگی۔

ترجمہ: ۳ پھر اس سے رجوع کر گئے اور فرمایا کہ اس میں سے ایک ہے، یہی قول امام ابو یوسفؒ اور شافعیؒ کا ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف بچے جتنے بھی ہوں سب میں ایک بچہ زکوۃ میں دے دیا جائے۔ یہی قول امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اس میں زکوۃ واجب کیا جس سے غریبوں کا فائدہ ہوا، اور بڑے جانور کی طرح نہیں کیا بلکہ صرف ایک بچہ لازم کیا اس سے مالک کا فائدہ ہے تو اس قول میں دونوں جانب کا فائدہ ملحوظ ہے۔

ترجمہ: ۴ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ خطاب میں جو نام ذکر کیا ہے وہ چھوٹے اور بڑے سب کو شامل ہے۔

تشریح: پہلا قول یہ تھا کہ چھوٹے کا حساب بھی وہی ہے جو بڑے کا ہے، یعنی جس عدد میں بڑے جانور میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی تعداد میں چھوٹے بچے میں بھی زکوۃ واجب ہوگی اور بڑے جانور جتنی ہی زکوۃ ہوگی۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں اونٹ،

۵ ووجه الثانی تحقیق النظر من الجانبین کما یجب فی المهازیل واحد منها ۶ ووجه الاخیران المقادیر لا یدخلها القیاس فاذا امتنع ایجاب ما وردبه الشرع امتنع اصلا

گائے، اور بکری پر زکوۃ ہے، اور [ابل] اونٹ بڑے اونٹ کو بھی کہتے ہیں اور بچے کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح [بقر] گائے پر زکوۃ ہے اور بقر بڑی گائے کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹے بچے کو بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح [غنم] بکری پر زکوۃ ہے، اور غنم بڑی بکری کو بھی کہتے ہیں اور بچے کو بھی کہتے ہیں اس لئے جس طرح بڑے پر زکوۃ لازم ہوتی ہے اسی حساب سے بچے پر بھی زکوۃ لازم ہوگی۔ یہ دلیل پہلے قول کی ہے۔۔ خطاب سے مراد حدیث زکوۃ ہے۔

ترجمہ: ۵ دوسرے قول کی وجہ دونوں جانب کا لحاظ ہے، جیسے کہ دبلے پتلے جانور میں ایک لازم کر دیا جاتا ہے۔

تشریح: دوسرا قول یہ تھا کہ جتنا بھی بچہ ہو اس میں سے صرف ایک بچہ لازم کر دیا جائے، جس طرح بہت سے دبلے پتلے جانور ہوں تو ان میں سے ایک جانور زکوۃ لازم کرتے ہیں، اسی طرح تمام بچوں میں ایک لازم کر دیا جائے۔ اس قول میں غریب کا فائدہ یہ ہے کہ کچھ زکوۃ ملی، اور مالک کا فائدہ یہ ہے کہ بڑے جانور کی طرح بہت زکوۃ لازم نہیں ہوئی بلکہ صرف ایک بچہ لازم ہوا جو بہت کم ہے۔ اس لئے اس قول میں دونوں کا فائدہ ملحوظ ہے۔۔ مھازیل: ہزال کی جمع ہے، دبلا پتلا جانور۔

ترجمہ: ۶ اور قول آخیر کی وجہ یہ ہے زکوۃ کی مقدار متعین کرنے میں قیاس کو دخل نہیں ہے، پس شریعت نے جس عمر کی زکوۃ واجب کی ہے وہ ہے ہی نہیں تو اس میں بالکل واجب ہی نہ کرو۔

تشریح: اس عبارت میں ,ایجاب ما ورد به الشرع ، کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے زکوۃ میں جس عمر کے جانور کو واجب کیا ہے اس عمر کے جانور کو ,ایجاب ماورد بہ الشرع، کہتے ہیں یعنی حدیث میں جس چیز کو واجب کیا۔ اب اگر اس عمر کا جانور نہ ہو تو اس پر زکوۃ ہی واجب مت کرو۔ مثلا پچیس اونٹ میں اونٹ کے ایک سال کا بچہ لازم آتا ہے، تیس گائے میں گائے کے ایک سال کا بچہ لازم ہوتا ہے، اور چالیس بکری میں بکری کے ایک سال کا بچہ لازم ہوتا ہے، یہ عمر ,ایجاب ماورد بہ الشرع، ہوا۔ اب اگر مالک کے پاس تمام بچے ایک سال سے کم کا ہو تو اسکے پاس عمر کا جانور ہی نہیں ہے۔ اس لئے اگر ایک سال سے کم عمر کا بچہ زکوۃ میں دلوائیں تو اوپر گزر چکا ہے کہ یہ جائز نہیں، اور اگر ایک سال کا بچہ خرید وا کر دلوائیں تو اس میں مالک پر حرج ہے، اس لئے ان بچوں میں زکوۃ بالکل لازم ہی نہ کریں۔ امتنع اصلا، کا یہی مطلب ہے۔ البتہ اگر ایک دو جانور ایک سال کا ہو تو اس کے تابع کر کے سب بچوں کو شمار کیا جائے گا اور زکوۃ کی تعداد پوری ہو جائے تو اس پر بڑے کی زکوۃ واجب ہوگی۔ لیکن زکوۃ میں بچہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ جو ایک سال کا بچہ موجود ہو یا اس سے بڑا ہو اسی کو زکوۃ میں لیا جائے گا۔

ے واذا كان فيها واحدة من المسان جعل الكل تبعا له في انعقادها نصابا دون تادية الزكوٰة

۸ ثم عند ابي يوسفؒ لا يجب في ما دون الاربعين من الحملان وفيما دون الثلثين من العجاجيل ويجب في خمس وعشرين من الفصلان واحد

ترجمه: ے اور اگر ان بچوں میں ایک بھی بڑا ہو تو تمام بچوں کو نصاب کے پورے کرنے میں اس کا تابع کیا جائے گا، لیکن بچہ کو زکوۃ میں نہیں دیا جائیگا

تشریح: اونٹ، یا گائے، یا بکری کے ایک سال سے کم بچوں کے ساتھ مسنہ ہو یعنی ایک سال کا ایک بچہ بھی ہو تو تمام چھوٹے بچوں کو اس ایک بڑے کے تابع کر کے سب کو گنا جائے گا اور شمار کیا جائے گا اور اس سے مثلاً تیس گائے کی تعداد پوری ہوگئی تو اس میں ایک سال کا بچہ لازم کر دیا جائے گا، البتہ ایک سال سے کم کا بچہ زکوۃ ادا کرنے کے لئے نہیں دیا جائے گا بلکہ جو بچہ ایک سال کا ہو اس کو ہی زکوۃ میں دیا جائے گا۔

لغت:۔ مسان: مسنہ سے مشتق ہے، بکری کے ایک سال کا بچہ، یا بڑا بچہ۔ انعقادھا نصابا: نصاب کو منعقد کرنے کے لئے، نصاب کو پورا کرنے کے لئے۔ دون تادیۃ الزکوۃ: زکوۃ ادا کرنے کے لئے نہیں۔

ترجمه: ۸ پھر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک [۱] چالیس بکری کے بچوں میں سے کم میں کچھ واجب نہیں [۲] اور تیس گائے کے بچوں میں سے کم میں کچھ واجب نہیں [۳] اور پچیس اونٹ کے بچوں میں ایک بچہ واجب ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ تھا کہ بچوں میں سے ایک دے دیا جائے، اب اسکی تفصیل یہ فرما رہے ہیں کہ [۱] چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے اس لئے چالیس سے کم بکری کے بچے ہوں تو ان میں کچھ لازم نہیں ہوگا۔ ہاں بکری کے بچے کی تعداد چالیس ہو جائے تو اس میں ایک بچہ لازم ہوگا۔ [۲] اسی طرح تیس گائے سے کم ہو تو کچھ لازم نہیں ہوتا، اسی طرح گائے کے تیس بچے سے کم ہوں تو ان میں کچھ نہیں لازم ہوگا، ہاں تیس کی تعداد پوری ہو جائے تو اس میں گائے کا ایک بچہ لازم ہوگا۔ [۳] پچیس اونٹ سے کم میں بکری لازم ہوتی ہے، اونٹ لازم نہیں ہوتا، اسی طرح اونٹ کے پچیس بچوں سے کم میں بچہ لازم نہیں ہوگا، پچیس کی تعداد پوری ہو جائے تو اس میں ایک بچہ لازم ہوگا۔ اور مالک کے پاس جو بچے موجود ہیں انہیں میں سے ایک اوسط بچہ دے دیا جائے گا۔

وجه: (۱) جب بڑا جانور رہو تو اس میں اس تعداد سے کم میں زکوۃ واجب نہیں تو چھوٹے بچے ہوں تو ان میں بھی اس تعداد سے کم میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور بڑے اونٹ کے پچیس سے کم میں اونٹ لازم نہیں ہوتا، بکری لازم ہوتی ہے، اس لئے اونٹ کے بچے میں بھی پچیس سے کم میں بچہ لازم نہیں ہوگا۔ باقی رہا کہ بکری لازم ہوگی یا نہیں اس کے لئے تین روایتیں آگے آ رہی ہیں۔

۹ ثم لا يجب شی حتی تبلغ مبلغا لو کانت مسان يثنی الواجب ثم لا يجب شئ حتی تبلغ مبلغا لو کانت مسان يثلث الواجب ۱۰ ولا يجب فيما دون خمس وعشرين فی رواية

لغت: حملان: حمل کی جمع ہے، بکری کا بچہ۔ عجاجیل: عجل کی جمع ہے، گائے کا بچہ۔ فصلان: فصیل کی جمع ہے، اونٹ کا بچہ۔

ترجمہ: ۹ پھر زائد میں کچھ واجب نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر بڑے ہوتے تو دو واجب ہوتے۔ پھر کچھ واجب نہیں ہوگا یہاں تک کہ بڑے ہوتے تین واجب ہوتے۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں اونٹ کے پچیس بچوں میں ایک بچہ لازم ہوا تھا، اب اس سے زائد بچہ ہو تو ابھی کچھ لازم نہیں ہوگا، جب یوں دیکھو کہ اگر بڑا اونٹ ہوتا تو دوسری مرتبہ بھی اسی عمر کا اونٹ دوبارہ لازم ہو جاتا تب دوسرا بچہ لازم ہوگا۔ مثلا چھتیس ۳۶ بڑے اونٹ میں ایک بنت لبون [اونٹ کے دو سال کا بچہ] لازم ہوتی ہے، اور چھہتر ۷۶ میں دو بنت لبون لازم ہوتی ہے تو چھہتر بچوں میں دو بچے لازم ہونگے، اس سے پہلے ایک بچہ ہی لازم ہوتا رہے گا۔ پھر ایک سو پینتالیس ۱۴۵ میں تین حقے ہیں، تو ایک سو پینتالیس ۱۴۵ بچوں میں اونٹ کے تین بچے لازم ہونگے، درمیان میں پھر کچھ نہیں، پھر ایک سو چھیانوے ۱۹۶ میں اونٹوں میں چار حقے ہیں تو ایک سو چھیانوے ۱۹۶ بچوں میں چار بچے لازم ہونگے۔ اسی طرح آگے حساب کرتے جائیں۔

گائے کے بچوں میں صورت یہ ہوگی کہ تیس ۳۰ گائے میں ایک بچھڑا ہے تو تیس بچوں میں ایک بچہ لازم ہوگا۔ اور ساٹھ ۶۰ بڑی گائے میں دو بچھڑے ہیں تو ساٹھ ۶۰ بچوں میں دو بچے لازم ہونگے، اور نوے ۹۰ بڑی گائے میں تین بچھڑے ہیں تو نوے بچوں میں تین بچے ہونگے۔

بکری کے بچوں میں صورت یہ ہوگی کہ، چالیس ۴۰ بڑی بکریوں میں ایک بکری ہے تو چالیس ۴۰ بچوں میں ایک بچہ لازم ہوگا، اور ایک سو بیس ۱۲۰ میں دو بکریاں ہیں تو ایک سو بیس ۱۲۰ بچوں میں دو بچے لازم ہونگے، دو سو ۲۰۰ بکریوں میں تین بکریاں ہیں تو دو سو ۲۰۰ بچوں میں تین بچے لازم ہونگے۔ اسی طرح حساب کرتے جائیں۔ حاصل یہ ہے کہ جب دوسری مرتبہ اسی عمر کا جانور لازم ہوتا ہو تو اسکے بچوں میں دوسرا بچہ لازم ہوگا، اور تیسری مرتبہ اسی عمر کا جانور لازم ہوتا ہو تو اس تعداد میں تیسرا بچہ لازم ہوگا۔۔۔ مسان: مسنہ سے مشتق ہے، بڑا جانور۔ یثنی: اثنان سے مشتق ہے، دوبارہ، یا دوگنا۔ مبلغ: وہ تعداد جس پر پہونچنے سے زکوۃ واجب ہوتی ہو۔

ترجمہ: ۱۰ اونٹ کے پچیس بچوں سے کم میں ایک روایت میں ہے کہ کچھ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: اونٹ کے پچیس بچوں میں تو بچہ لازم ہوگا، لیکن اس سے کم بچے ہوں تو اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی تین روایتیں ہیں، پہلی روایت یہ ہے کہ پچیس بچوں سے کم ہوں تو اس میں کچھ لازم نہیں ہوگا۔

۱۱؎ وعنه انه يجب فی الخمس خُمس فصيل وفی العشر خُمسا فصيل علیٰ هٰذا الاعتبار ۱۲؎ وعنه انه ينظر الیٰ قيمة خُمس فصيل فی الخمس والی قيمة شاة وسط فيجب اقلهما وفی العشر الیٰ قيمة شاتين والیٰ قيمة خمسی فصيل علیٰ هٰذا الاعتبار (۷۸۵) قال ومن وجب عليه مسن فلم يوجد اخذ المصدّق اعلیٰ منها ورد الفضل او اخذدونها واخذالفضل﴾

ترجمہ: ۱۱؎ امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اونٹ کے پانچ بچوں میں بچے کا پانچواں حصہ لازم ہوگا۔اور دس بچوں میں بچے کا دو پانچواں حصہ لازم ہوگا۔اسی اعتبار سے حساب کرتے جائیں۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اونٹ کے پانچ بچوں میں بچے کا پانچواں حصہ لازم ہوگا،مثلا ایک بچے کی قیمت بیس ۲۰ درہم ہے تو اس کا پانچواں حصہ چار ۴ درہم ہوگا،یہی چار درہم زکوۃ میں لازم ہوگا۔اور اونٹ کے دس بچوں میں بچے کا دو پانچواں حصہ لازم ہوگا۔جیسے اوپر بچے کی قیمت بیس ۲۰ درہم تھی تو دو پانچواں حصہ آٹھ درہم ہوگا۔اور پندرہ بچوں میں تین پانچواں حصہ لازم ہوگا،اور قیمت کے اعتبار سے بارہ درہم بنے گا۔

ترجمہ: ۱۲؎ امام ابو یوسفؒ کی تیسری روایت یہ ہے کہ پانچ بچوں میں اونٹ کے بچے کے پانچویں حصے کی قیمت کو دیکھو،اور درمیانہ بکری کی قیمت کو دیکھو اور دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب کرو۔اور اونٹ کے دس بچوں میں دو بکریوں کی قیمت کو دیکھو اور اونٹ کے بچے کے دو پانچویں حصے کی قیمت کو دیکھو[اور جو کم ہو وہ واجب کرو]اسی حساب سے کرتے جائیں۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے اس تیسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ پانچ بڑے اونٹ ہوں تو ایک بکری لازم ہوتی ہے اس لئے بکری کی قیمت کی طرف بھی نظر ہونی چاہئے اور اسکے ساتھ بھی موازنہ کرنا چاہئے،چنانچہ اونٹ کے پانچ چھوٹے بچے میں ایک بچے کا پانچواں حصہ لازم کیا تو یہ دیکھیں کہ ایک اوسط اور درمیانہ بکری کی قیمت کم ہے،یا بچے کے پانچویں حصے کی قیمت کم ہے جو کم ہو وہی زکوۃ میں لازم کریں۔مثلا اوسط بکری کی قیمت تین درہم ہے اور اونٹ کے بچے کے پانچویں حصے کی قیمت چار درہم ہے تو بکری لازم کردیں،اور اگر بکری کی قیمت پانچ درہم ہے تو اونٹ کے بچے کے پانچویں حصے کی جو قیمت چار درہم ہے وہ چار درہم لازم کریں۔اور اونٹ کے دس چھوٹے بچے ہوں تو دو پانچویں حصے کی قیمت اور دو اوسط بکری کی قیمت میں سے جو کم ہو وہ لازم کریں۔اسی حساب سے آگے چلتے جائیں۔خمس: پانچواں حصہ۔

ترجمہ: (۷۸۵) کسی پر مسنہ واجب ہوا اور مالک کے پاس مسنہ نہیں ہے تو زکوۃ لینے والا اس سے اعلی درجہ کا جانور لے اور جو زیادہ لیا اس کے روپے واپس کرے۔یا مسنہ سے ادنی لے لے اور جو زیادہ ہوا مالک سے وہ لے لے۔

تشریح: مثلا ایک سال کی اونٹنی کا بچہ بنت مخاض لازم تھا لیکن مالک کے پاس بنت مخاض نہیں تھی البتہ دو سال کا بچہ بنت لبون تھا

۱ وهـذا يبتنى علىٰ ان اخذ القيمة فى باب الزكوٰة جائز عندنا علىٰ ما نذكره ان شاء الله ۲ الا ان فى الوجه الاول له ان لا ياخذ ويطالبه بعين الواجب او بقيمته لانه شراء

جس کی قیمت عموما بنت مخاض سے بیس درہم زیادہ یا دو بکریاں زیادہ ہوتی تھی تو زکوۃ لینے والا مالک سے بنت لبون لے لے اور بنت مخاض سے جو زیادہ بیس درہم آئے اس کو مالک کی طرف واپس کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بنت مخاض سے ادنی مالک لے لے اور بنت مخاض اور اس ادنی کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے مثلا بیس درہم یا دو بکریاں وہ بھی مالک سے وصول کرے تا کہ زکوۃ برابر سرابر ہو جائے۔اور اس طرح قیمت سے زکوۃ وصول کرنا جائز ہے۔

وجه : (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے .ان ابا بکرؓ کتب له فريضة الصدقة التى امر الله رسوله ﷺ . من بلغت عنـده مـن الابل صدقة الجذعة و ليست عنده جذعة و عنده حقة فانها تقبل منه الحقة و يجعل معها شاتين ان استيسـر تـا لـه ، أو عشرين درهما . و من بلغت عنده صدقة الحقة و ليست عنده الحقة و عنده الجذعة فـانهـا تـقبـل منه الجذعة ، و يعطيه المصدق عشرين درهما أو شاتين (بخاری شریف، باب من بلغت عنده صدقة بنت مخاض ولیست عندہ ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۳ / ابو داؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۷،) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالک پر جذعہ واجب ہو اور اس کے پاس جذعہ نہ ہو بلکہ حقہ ہو تو زکوۃ لینے والا اس سے جذعہ لے لے اور ساتھ ہی بیس درہم بھی لے تا کہ جذعہ کی قیمت پوری ہو جائے۔ ۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو جانور واجب ہوا ہو اس کے بدلے میں اس کی قیمت بھی دے سکتے ہیں (۲) ایک اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔قـال معاذ لاهل اليمن ائتونى بعرض ثياب خميص او لبيس فـى الـصـدقة مكـان الشـعير والذرة اهون عليكم وخير لاصحاب النبى ﷺ بالمدينة. (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۸) اس اثر میں حضرت معاذ نے جو اور باجرے کے بدلے میں کپڑے لئے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ جو چیز واجب ہو اس کی قیمت لگا کر دوسری چیز یا درہم لے سکتے ہیں۔۔المصدق: صدقہ لینے والا زکوۃ وصول کرنے والا۔ الفضل: جو قیمت زیادہ ہو۔

ترجمه: ۱ اس مسئلے کی بنیاد اس قاعدے پر ہے کہ ہمارے نزدیک زکوۃ کے باب میں قیمت لینا جائز ہے۔جیسا کہ ہم ان شاء اللہ آگے ذکر کریں گے۔

ترجمه: ۲ مگر یہ کہ پہلی صورت میں زکوۃ لینے والے کے لئے اختیار ہے کہ وہ اعلی نہ لے بلکہ عین واجب کا مطالبہ کرے، یا عین واجب کی قیمت کا مطالبہ کرے اس لئے یہ خرید نا ہے۔

تشریح: بنت مخاض مالک پر واجب تھی اور اس کے پاس اس سے ایک سال بڑی بنت لبون ہے تو اس صورت میں زکوۃ لینے

۳؎ وفی الوجه الثانی یجبر لانه لا بیع فیه بل هو اعطاء بالقیمة (۷۸۶) ویجوز دفع القیم فی الزکوٰة عندنا﴾ ۱؎ وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر

والےکو بنت لبون لینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، چاہے تو وہ اس کو لے اور چاہے تو نہ لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں زکوۃ وصول کرنے والے کو بنت لبون کا بیس درہم واپس کرنا ہوگا، جو اعلی درجے کے جانور کو خریدنا ہے، اور اس خریدنے میں مصدق کو اختیار ہے کہ خریدے یا نہ خریدے۔

ترجمه: ۳؎ اور دوسری صورت میں مصدق کو لینے پر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں بیع نہیں ہے بلکہ قیمت کو دینا ہے۔

تشریح: دوسری صورت یہ ہے کہ مالک پر بنت لبون واجب تھی اور اس کے پاس بنت مخاض ہے، جو بنت لبون سے ایک سال چھوٹی ہے، تو مصدق کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بنت مخاض لے اور مالک سے بیس درہم بھی لے لے، تا کہ بنت لبون کی قیمت ہو جائے۔ اور یہ مجبور اس لئے کیا جائے گا کہ اس صورت میں خریدنا اور بیچنا نہیں پایا گیا، بلکہ بنت مخاض دیا اور بنت لبون کی قیمت پوری کرنے کے لئے بیس درہم بھی دے دیا، تو یہاں صرف قیمت دینا ہے، خریدنا بیچنا نہیں ہے اس لئے مصدق کو اس کے لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

ترجمه: (۷۸۶) زکوۃ میں چیز کی قیمت دینا جائز ہے۔

ترجمه: ۱؎ ایسے ہی کفارات میں، اور صدقۃ الفطر میں، اور عشر میں، اور نذر میں [قیمت دینا جائز ہے

تشریح: زکوۃ میں جو جانور واجب ہوا ہے اس کے بجائے اس کی قیمت دے دے تو یہ جائز ہے، اسی طرح کفارہ، صدقۃ الفطر، عشر اور نذر میں جو مال واجب ہوتا ہے اس مال کے بجائے اسکی قیمت دے دے تو یہ جائز ہے۔

وجه: .ان ابا بکرؓ کتب لـه فريضة الصدقة التی امر الله رسوله ﷺ . من بلغت عنده من الابل صدقة الجذعة و ليست عنده جذعة و عنده حقة فانها تقبل منه الحقة و يجعل معها شاتين ان استيسر تا له ، أو عشرين درهما . و من بلغت عنده صدقة الحقة و ليست عنده الحقة و عنده الجذعة فانها تقبل منه الجذعة ، و يعطيه المصدق عشرين درهما أو شاتين (بخاری شریف، باب من بلغت عندہ صدقۃ بنت مخاض ولیست عندہ ص ۱۹۵ نمبر ۱۴۵۳ / ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں ہے کہ مالک پر جذعہ واجب ہوا اور وہ اس کے پاس نہ ہو تو حقہ دے دے اور بیس درہم بھی دے دے۔ اور حقہ واجب تھا اور اس کے پاس جذعہ ہے تو جذعہ دے دے اور مصدق سے بیس درہم لے لے، جس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ میں جانور کی قیمت دے دے تب بھی جائز ہے۔ اسی پر کفارہ، صدقۃ الفطر، عشر اور نذر کو بھی قیاس کر لیں۔

۲ وقال الشافعیؒ لا یجوز اتباعا للمنصوص کما فی الهدایا والضحایا. ۳ ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیه فیکون ابطالا لقید الشاة فصار کالجزیة ۴ بخلاف الهدایا لان القربة فیها اراقة الدم وهو لا تعقل و وجه القربة فی المتنازع فیه سدّ خلّة المحتاج وهو معقول

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قیمت دینا جائز نہیں ہے، حدیث میں جو وارد ہوئی ہے اسکی اتباع کرتے ہوئے۔ جیسے کہ ھدی کے جانور اور قربانی کے جانور میں قیمت دینا جائز نہیں۔

تشریح :امام شافعیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انکے یہاں زکوۃ کی قیمت دینا جائز نہیں۔ اور اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ بنت مخاض اور بنت لبون وغیرہ جانور دینے کا حکم ہے اس لئے منصوص یعنی حدیث کی اتباع کرتے ہوئے جانور ہی دیا جائے گا، اسکی قیمت نہیں، جس طرح حج میں ہدی ذبح کرنے کا حکم ہے تو اس کے بدلے قیمت دینا جائز نہیں، اسی طرح قربانی ذبح کرنے کا حکم ہے تو اس کے بدلے اسکی قیمت دینا جائز نہیں، اسی طرح زکوۃ میں بھی قیمت دینا جائز نہیں۔ ۔لیکن موسوعۃ میں ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں بھی زکوۃ میں جانور کی قیمت دینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں غریب کا فائدہ ہو تو یہ کرے۔ موسوعہ کی عبارت یہ ہے. فکلما ارتفع سنا أعطى رب المال شاتين أو عشرين درهما . (موسوعۃ امام شافعیؒ باب اذا لم توجد السن، ج رابع، ص۲۴، نمبر ۳۶۴۸) اس عبارت میں ہے کہ بیس درہم دے جس سے معلوم ہوا کہ زکوۃ میں قیمت دینا بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے فقیر کو زکوۃ ادا کرنے کا جو حکم ہے وہ اللہ کی جانب سے وعدہ کئے ہوئے روزی کو پہونچانا ہے اسلئے بکری ہی دینے کی قید کو باطل کرنا ہوا، اس لئے زکوۃ جزیہ کی طرح ہو گئی۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے کہ، اللہ نے قرآن میں وعدہ کیا ہے کہ تمام جاندار کا رزق میرے ذمے ہے آیت یہ ہے [و ما من دابة فی الارض الا علی الله رزقها] (آیت نمبر ۶، سورۃ ھود ۱۱) اس لئے زکوۃ دینے کا حکم دیا تا کہ بندے کو رزق پہنچ جائے، اور رزق میں جانور ہی ضروری نہیں ہے اور بہت سی ضروریات ہیں، اس لئے درہم دینے میں اس کا پورا کرنا آسان ہے اس لئے بکری ہی کو متعین کرنا باطل ہے، اور اسکی قیمت دے دینا جائز ہوگا۔ جیسے جزیہ میں مال کے بجائے اس کی قیمت دینا جائز ہے۔

ترجمہ: ۴ بخلاف ہدی کے جانور کے اس لئے کہ اس میں خون بہانا قربت ہے، اس لئے اسکی قیمت دینا سمجھ میں نہیں آتا، اور جس میں ہم لوگ جھگڑ رہے ہیں [یعنی زکوۃ] اس میں ضرورت پوری کرنا قربت ہے، اس لئے اس میں قیمت دینا سمجھ میں آتا ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ ہدی کے جانور کو ذبح ہی کرنا ضروری ہے اس کی قیمت دینا جائز نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ ہدی میں ذبح کرنا اصل قربت اور عبادت ہے اس لئے جانور کی قیمت دینا سمجھ میں نہیں آتا ۔اور زکوۃ میں اصل عبادت مساکین کی ضرورت پوری کرنی ہے اور قیمت دینے سے ضرورت آسان سے پوری ہوگی، اس لئے جانور کی قیمت دینا سمجھ میں آتا ہے اور

(۷۸۷) وليس في العوامل والحوامل والعلوفة صدقة﴾ ل خلافا لمالك له ظواهر النصوص ۲ ولنا قوله عليه السلام ليس في الحوامل والعوامل ولا في البقرة المثيّرة صدقة

معقول ہے۔

لغت : متنازع فیہ: سے مراد زکوۃ ہے۔ سدالخلۃ: ضرورت کو پوری کرنا۔ معقول: سمجھ میں آتا ہے۔

ترجمہ: (۷۸۷) کام کرنے والے، بوجھ اٹھانے والے اور گھر پر کھانے والے جانوروں میں زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح : وہ جانور جو گھر میں کام کرنے کے لئے ہوں یا بوجھ اٹھانے کے لئے ہوں ان میں زکوۃ نہیں ہے

وجہ : (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال زهير احسبه عن النبی ﷺ ... وليس على العوامل شیء** (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲ دار قطنی ۲ لیس فی العوامل صدقۃ ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والے جانور میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور علوفہ یعنی سال کے زیادہ مہینوں میں گھر پر کھا کر زندگی گذارتے ہوں ان پر زکوۃ نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے (۲) **عن ابراهيم قال ليس في غنم الربائب صدقة** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۳ فی الرجل تکون لہ الغنم فی المصر یحتلبھا ج ثانی، ص ۳۶۷، نمبر ۹۹۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس بکری کو گھر میں کھلا کر پالتے ہوں اس پر زکوۃ نہیں ہے۔ اور اسی پر قیاس کر کے دوسرے جانوروں میں بھی جن کو گھر میں کھلا کر پال رہا ہے اس سے بھی مال بڑھ نہیں رہا ہے بلکہ مالک کا مال جانور میں شامل ہو رہا ہے اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ زکوۃ والی حدیث میں ہر جگہ سائمہ کا لفظ گزرا اس سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے۔ گھر پر کھانے والے جانور میں زکوۃ نہیں ہے۔ (بخاری شریف، نمبر ۱۴۵۴)

لغت : العوامل : جمع ہے عامل کی کام کرنے والے جانور۔ الحوامل : جمع ہے حامل کی بوجھ اٹھانے والے جانور۔ العلوفۃ : علف سے مشتق ہے، جن جانوروں کو گھر میں کھلا کر پالا جاتا ہو۔

ترجمہ: ل امام مالکؒ اس کے خلاف ہیں۔ انکی دلیل ظاہری احادیث ہیں۔

تشریح : امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ کام والے جانور، گھر پر پلنے والے جانور اور جس جانور پر سامان لادا جاتا ہے اس پر بھی زکوۃ ہے۔ اور انکی دلیل یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں یہ قید نہیں ہے اور آیت زکوۃ [**خذ من اموالهم صدقة** ۔ (آیت ۱۰۳، سورۃ التوبۃ ۹) بھی مطلق ہے اس لئے ان جانوروں پر بھی زکوۃ ہوگی۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے بوجھ اٹھانے والے، اور کام کرنے والے، اور جس بیل سے ہل جوتا ہو ان میں زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی پیش کردہ عبارت دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ ایک حدیث یہ ہے۔ **عن علی قال زهير احسبه عن النبی ﷺ ... وليس على العوامل شیء** (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲) اور دوسری حدیث یہ

۳؎ ولان السبب هو المال النامی ودلیله الاسامة او الاعداد للتجارة ولم یوجد ۴؎ ولان فی العلوفة تتراکم المؤنة فینعدم النماء معنی. ۵؎ ثم السائمة هی التی تکتفی بالرعی فی اکثر الحول حتی لو اعلفها نصف الحول او اکثر کانت علوفة لان القلیل تابع للاکثر (۴۸۸) ولا یأخذ المصدِّق خیار المال ولا رذالته ویاخذالوسط﴾

ہے۔عن جابر ان رسول الله ﷺ قال : لیس فی المثیرة صدقة ۔(دار قطنی ، باب تفسیر الخلیطین وماجاء فی الزکاۃ فی الخلیطین ، ج ثانی ،ص ۸۹،نمبر ۱۹۲۷)ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ جو جانور کام میں لائے جاتے ہوں، یا اس سے ہل جوتنے کا کام لیا جاتا ہو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔۔مثیر کا ترجمہ ہے ہل سے زمین کو پھاڑنا۔

ترجمه: ۳؎ اوراس لئے کہ زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے،اوراس کی دلیل چرانا ہے یا تجارت کے لئے تیار کرنا ہے اور یہاں دونوں نہیں پائے گئے

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ زکوۃ کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ بڑھ رہا ہو،اور جانور کو چرانے سے بڑھے گا، یا تجارت کے لئے مہیا کریں تب وہ بڑھے گا،اوراوپر کے جانور میں نہ تجارت پائی گئی اور نہ چرانا پایا گیا اس لئے مال نامی نہیں ہوا اس لئے اس میں زکوۃ بھی لازم نہیں ہوگی۔

لغت: نامی: بڑھنے والا۔اسامۃ: چرانا۔اعداد: تیار کرنا۔

ترجمه: ۴؎ اوراس لئے کہ علوفہ میں خرچ پر خرچ بڑھتا جاتا ہے اس لئے معنوی اعتبار سے بڑھوتری ختم ہوگئی۔

تشریح: علوفہ اس جانور کو کہتے ہیں جو سال کا اکثر حصہ گھر پر کھا کر پلتا ہو،تو اس میں کھلانے کا خرچ ہوتا چلا جا رہا ہے تو جانور میں بڑھوتری جتنی ہو رہی ہے اس سے زیادہ خرچ ہی ہے اس لئے بڑھنا اور نما نہیں پایا گیا اس لئے اس میں بھی زکوۃ نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۵؎ پھر سائمہ اس جانور کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر حصے میں چرنے پر اکتفاء کرتا ہو، یہاں تک کہ اگر جانور کو آدھا سال کھلایا یا اس سے زیادہ کھلایا تو وہ علوفہ ہوگا اس لئے کہ تھوڑا مہینہ زیادہ کا تابع ہوگا۔

تشریح: یہ مسئلہ ,, للاکثر حکم الکل ،، کے اصول پر متفرع ہے۔فرماتے ہیں کہ سائمہ: چرنے والا جانور اس کو کہتے ہیں کہ جو سال کا زیادہ تر حصہ چر کر زندگی گزارتا ہو، چنانچہ اگر آدھا سال، یا آدھا سال سے زیادہ اس کو کھلایا تو وہ علوفہ جانور ہو گیا، کیونکہ زیادہ مہینہ چر کر نہیں گزارا۔اور جو کم ہے وہ اکثر کے تابع ہو جائے گا،اس لئے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔۔ رعی: چرنا۔

ترجمه: (۴۸۸)زکوۃ لینے والا نہ اعلی درجہ کا مال لے گا اور نہ گھٹیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لیگا۔

وجه: (۱)یہ شریعت کا انصاف ہے کہ نہ اعلی درجے کا مال لے اور نہ گھٹیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لے (۲)ان انسا حدثه

﴿ لقوله عليه السلام لا تأخذوا من حزرات اموال الناس اى كرائمها وخذوا من حواشى اموالهم اى اوساطها ﴿ ولان فيه نظرا من الجانبين (۷۸۹)قال ومن كان له نصاب فاستفاد فى اثناء الحول من جنسه ضمه اليه وزكاه به﴾

ان ابا بكر كتب له التى امر الله رسوله ﷺ ولا يخرج فى الصدقة هرمة ولا ذات عوار ولا تيس الا ماشاء المصدق ـ (بخاری شریف، باب لا یوخذ فی الصدقۃ هرمۃ ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۵ رابوداؤدشریف ،باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۷۲)اس حدیث میں ھرمۃ: بوڑھا سے ادنی درجہ مراد ہے۔اور تیس: سانڈ سے اعلی درجہ مراد ہے۔ اوران دونوں کے لینے سے منع فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اعلی اور ادنی مال نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اوسط جانور لیا جائے گا (۳) عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ لما بعث معاذ علی الیمن ... وتوق كرائم اموال الناس. (بخاری شریف، باب لا تؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقۃ ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ لینے والا اچھا اور اعلی درجہ کا مال نہ لے۔۔خیار: اعلی مال۔رذالۃ: ادنی اور رذیل مال۔

ترجمه: ﴿ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ لوگوں کا عمدہ مال مت لو اور اس کے مال کا وسط لو۔

تشريح : یہ حدیث یہ ہے .أنبأنا هشام بن عروة عن ابيه قال بعث رسول الله ﷺ رجلا مصدقا قال : لا تأخذ من حزرات أنفس الناس شيئا خذ الشارف و البكر و ذوات العيب ـ (سنن بیہقی، باب لا یوخذ کرائم أموال الناس، ج رابع، ص ۱۷۲، نمبر ۷۳۱۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۲، ما یکرہ للمصدق من الابل، ج ثانی، ص ۳۶۱، نمبر ۹۹۱۵) اس حدیث میں ہے کہ حزرات یعنی اعلی درجے کا جانور زکوۃ میں مت لو۔۔حزرات: عمدہ مال۔شارف: درمیانہ قسم کا جانور، بکر: چھوٹا جانور۔

ترجمه: ﴿ اور اس لئے بھی کہ وسط لینے میں دونوں جانب کا لحاظ ہے۔

تشريح: اوسط جانور لینے میں مالک کا بھی لحاظ ہے کہ اس سے اعلی جانور نہیں لیا، اور غریب کا فائدہ ہے کہ اس کے لئے ادنی نہیں لیا۔

ترجمه: (۷۸۹) جس کے پاس نصاب کا مال ہو پھر سال کے درمیان میں اسی نصاب کی جنس سے فائدہ حاصل کیا تو اس کو مال کے ساتھ ملائے گا اور اس کی زکوۃ دے گا۔

تشريح: درمیان سال میں جو مال کا فائدہ ہوا اس کی تین صورتیں ہیں [۱] ایسے مال کا فائدہ ہوا جس کا نصاب پہلے سے نہیں ہے، مثلا چالیس گائے پہلے سے ہے، اور سال کے درمیان چالیس بکری حاصل ہوئی تو بکری کا نصاب گائے کے نصاب سے الگ ہے،

۱؎ وقال الشافعی لا یضم لانه اصل فی حقّ الملک فکذا فی وظیفته بخلاف الاولاد والارباح لانها تابعة فی الملک حتی مُلِکت بملک الاصل

اس لئے اس میں بالاتفاق بکری پر سال گزرنا ضروری ہے تب اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ جو نصاب پہلے سے ہے درمیان سال میں اسی کی پیداوار سے مال کا استفادہ ہوا مثلا چالیس گائے پہلے سے ہے اور درمیان سال میں اس نے بیس بچے دئے، تو یہ بیس بچے ماں کی پیداوار ہیں اس لئے ماں کا جب سال پورا ہوگا اسی وقت ان بچوں کی بھی زکوۃ واجب ہوگی، ان بچوں پر الگ سے سال گزرنا ضروری نہیں، امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے [۳] اور تیسری صورت یہ ہے کہ جو نصاب پہلے سے ہو اسی نصاب کی جنس سے مال کا فائدہ ہوا لیکن یہ مال اس نصاب کی پیداوار نہیں ہے، مثلا چالس گائے پہلے سے تھی درمیان سال میں بیس گائے الگ سے فائدے میں آئی یہ گائے پہلے گائے کے بچے نہیں ہیں، البتہ ہیں دونوں ایک ہی جنس، یعنی گائے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس مال مستفاد گائے پر الگ سے سال گزرنا ضروری نہیں پہلی گائے کے سال پورے ہوتے وقت دوسری بیس گائے کی بھی زکوۃ واجب ہوگی۔۔یہی مسئلہ متن میں۔اور امام شافعیؒ کے یہاں اس بیس گائے پر الگ سے سال گزرنا ضروری ہے۔

وجه: (۱) یہ بیس گائے درمیان سال میں مال مستفاد ہیں۔اور اس کی جنس بھی وہی ہے جو مال نصاب پہلے سے ہے یعنی گائے اس لئے دونوں کی زکوۃ پہلی گائے کے سال گزرنے پر ادا کرے (۲) اثر میں موجود ہے۔**عن الزهری انه کان یقول اذا استفاد الرجل ما لا فاراد ان ینفقه قبل مجیء شهر زکوته فلیزکه ثم لینفقه وان کان لایرید ان ینفق فلیزکه مع ماله۔** (مصنف ابن ابی شیبة ۴۹ من قال یزکیه اذا استفاده ج ثانی ص ۳۸۷، نمبر ۱۰۲۲۷ رمصنف عبد الرزاق، باب وجوب الصدقة فی الحول ج رابع ص ۳۲ نمبر ۶۸۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال مستفاد میں مال نصاب کے ساتھ زکوۃ واجب ہے۔۔اثناء: درمیان۔جنس: ایک ہی نسل کی چیز۔

ترجمه: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال مستفاد کو اصل کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، کیونکہ وہ ملکیت کے حق میں اصل ہے تو اس کے حکم میں بھی ایسا ہی اصل ہوگا، بخلاف اولاد اور نفع کے اس لئے کہ وہ ملک میں اصل کے تابع ہے، یہاں تک کہ اصل کے مالک ہونے سے اصل کا بھی مالک ہو جاتا ہے۔

تشریح: جانور کی اولاد اگر درمیان سال میں بڑھی ہے اور مال مستفاد ہوئی ہے تو اس کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الگ سے ان پر سال گزرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ماں پر جب سال پورا ہوگا تو ماں کے ساتھ بچوں کی بھی زکوۃ دینی ہوگی۔اسی طرح نصاب سے نفع ہوا ہے۔مثلا دوسو درہم تھا اس کو تجارت میں لگایا پھر اس سے درمیان سال میں اسی ۸۰ درہم نفع ہوا تو اس اسی

۲ ولنا ان المجانسة هی العلة فی الاولاد والارباح لان عندها یتعسر التمیز فیعسر اعتبار الحول لکل مستفاد وما شرط الحول الا للتیسیر

درہم پر الگ سے سال پورا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ پہلے نصاب کا جب سال پورا ہوگا اسی وقت اس کی بھی زکوۃ واجب ہوگی۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ و ان کانت الماشیة مما تجب فیه الصدقة ، فنتجت قبل الحول حسب نتاجها معها ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ باب الوقت الذی تجب فیہ الصدقۃ، ج رابع ص ۶۰، نمبر ۳۷۹۹) اس عبارت میں ہے کہ جانور کے بچوں کا سال ماں کے ساتھ ہوگا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اولاد اور نفع ملکیت میں اصل کے تابع ہیں چنانچہ ماں کا مالک ہے تو اسکی وجہ سے بچے کا بھی مالک بن جائے گا، اسی طرح تجارت کے مال کا مالک ہے تو اس کی وجہ سے اسکے نفع کا بھی وہی مالک بن جائے گا، اور چونکہ نفع اصل کے تابع ہے اس لئے سال پورا ہونے میں بھی اسی کے تابع ہوگا اور اصل کے سال گزرنے سے نفع اور اولاد کا بھی سال پورا ہو جائے گا لیکن جو مال اولاد اور نفع نہیں ہے۔ الگ سے حاصل ہوا ہے تو اس کو اصل کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا اس لئے کہ اس کی ملکیت الگ ہے اس لئے سال پورا ہونے میں اس کا حکم بھی الگ ہوگا، اور اس پر اس کا اپنا سال پورا ہوگا تب زکوۃ واجب ہوگی۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے. قال الشافعیؒ العطاء فائدة ، فلا زکوة فیها حتی یحول علیه الحول ۔ (موسوعۃ امام شافعیؒ باب الوقت الذی تجب فیہ الصدقۃ، ج رابع ص ۵۹، نمبر ۳۷۹۰) اس عبارت میں ہے کہ تنخواہ کے ساتھ جو عطیہ ہے اس پر سال نہ گزر جائے تو اس پر زکوۃ نہیں ہے۔

وجه : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من استفاد مالا فلا زکوة علیه حتی یحول علیه الحول (ترمذی شریف، باب ماجاء لا زکوۃ علی المال المستفاد حتی حال علیہ الحول ص ۱۳۷ نمبر ۶۳۱ / دار قطنی ا، باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۷ نمبر ۱۸۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک خود مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اولاد اور نفع میں بھی ایک جنس کا ہونا ہی علت ہے، اس لئے کہ ایک جنس ہوتے وقت الگ الگ کرنا مشکل ہے، اس لئے ہر مستفاد کے لئے سال کا اعتبار کرنا دشوار ہوگا، اور سال کی شرط ہی آسانی کے لئے لگائی گئی ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل مال اور مال مستفاد دونوں کی جنس ایک ہونا اس بات کی علت ہے کہ دونوں کا سال ایک ہی ہو، چنانچہ جانور کی اولاد اور مال تجارت کے نفع کے بارے میں جو یہ گزرا کہ اصل کے ساتھ اس کا بھی سال پورا ہو جائے گا، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ دونوں کی جنس ایک ہے اس لئے یہاں بھی مال مستفاد کی جنس ایک ہوئی تو اصل کے سال پورا ہوتے وقت مال مستفاد کی بھی زکوۃ واجب ہو جائے گی۔ اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ فائدے کا مال تھوڑا تھوڑا کر کے الگ الگ مہینوں میں حاصل ہوتا ہے اب ہر ایک کو الگ الگ رکھنا اور ہر ایک پر سال پورا کرنا مشکل کام ہے اس میں مالک پر حرج ہوگا، حالانکہ زکوۃ واجب ہونے میں

(۷۹۰) قال والزكوة عند ابى حنيفة وابى يوسف فى النصاب دون العفو وقال محمد وزفرؒ فيهما﴾ ۱؎ حتى لو هلك العفو وبقى النصاب بقى كل الواجب عند ابى حنيفة وابى يوسفؒ وعند محمد وزفر يسقط بقدره.

سال کی قید آسانی کے لئے ہے، اس لئے مال مستفاد کو اصل کے ساتھ ہی سال پورا کرنا بہتر ہوگا۔

لغت : ارباح: ربح سے مشتق ہے، نفع۔ یتعسر: مشکل۔ تیسیر: یسر سے مشتق ہے، آسانی۔ تمییز: الگ الگ کرنا، علاحدہ کرنا۔

اصول: حنفیہ کے یہاں۔ جنس ایک ہو تو اصل اور مستفاد دونوں مالوں کا سال اصل کے ساتھ ہی پورا ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۷۹۰) زکوۃ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے عفو میں نہیں ہے اور امام محمد اور زفر نے فرمایا دونوں میں واجب ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یہاں تک کہ اگر عفو ہلاک ہو گیا اور نصاب باقی رہا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کل واجب باقی رہے گا۔

تشریح: مثلا دوسو درہم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور کسی کے پاس دوسوتیس درہم ہیں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ دوسو درہم ہی پر پانچ درہم واجب ہوئی، باقی تیس درہم عفو ہے زیادہ ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی وہ معاف ہے۔ چنانچہ سال گزرنے کے بعد تیس درہم ہلاک ہو جائے تو دوسو درہم پر جو پانچ درہم زکوۃ واجب ہوئی تھی اس میں کچھ کم نہیں ہوگی پانچ درہم ہی دینا ہوگی۔ اور امام محمد اور امام زفر کے نزدیک عفو پر بھی زکوۃ واجب ہے تو گویا کہ دوسوتیس درہم پر پانچ درہم واجب ہوئی اس لئے تیس درہم ہلاک ہو گئے تو اس حساب سے پانچ درہم زکوۃ میں پینسٹھ (۶۵) پیسے کی کمی آئے گی۔ اور چار درہم پینتیس (۳۵) پیسے زکوۃ واجب ہوگی۔

لغت: نصاب کے بعد جو زائد مال ہے اس کو عفو کہتے ہیں۔ اس عفو میں زکوۃ واجب ہوئی یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔

وجہ: (۱) امام شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حين وجهه الى اليمن ان لاتأخذ من الكسر شيئا اذاكانت الورق مائتى درهم فخذ منها خمسة دراهم ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ اربعين درهما واذا بلغ اربعين درهما فخذ منه درهما .** (دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء، ج ثانی ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو زکوۃ اس سے کم میں واجب نہیں ہوگی۔ (۲)۔ **عن ابن عباس قال لما بعث رسول الله معاذا الى اليمن قيل له بما امرت قال امرت ان اخذ من البقر من كل ثلاثين تبيعا او تبيعة ومن كل اربعين مسنة قيل له امرت فى الاوقاص بشىء ؟ قال لا وسأسال النبى ﷺ**

۲ لمحمد وزفر ان الزكوٰة وجبت شكر النعمة المال والكل نعمة ۳ ولهما قوله عليه السلام في خمس من الابل السائمة شاة وليس في الزيادة شئ حتى تبلغ عشر او هكذا قال في كل نصاب نفي الوجوب عن العفو.

فساله فقال لا وهو مابين السنين يعني لا تأخذ من ذلك شيئا (دار قطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰، نمبر ۱۸۸۷ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۱ سنن بیہقی، باب کیف فرض صدقۃ البقر، ج رابع، ص ۱۶۶، نمبر ۷۲۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقص میں کوئی زکوۃ نہیں ہے، اور وقص کہتے ہیں جن دو عددوں پر زکوۃ ہے اس کے درمیان کے عدد کو، اس کا مطلب ہوا کہ درمیان کی عدد پر زکوۃ نہیں ہے۔ (۳) اس حدیث میں بھی ہے. عن سالم عن ابيه قال : كتب رسول الله كتاب الصدقة .....فان كانت الغنم أكثر من ذالک ففي كل مائة شاة شاة و ليس فيها شيء حتى تبلغ المائة ۔ (ابوداود شریف، باب فی زکاۃ السائمۃ، ص ۲۳۱، نمبر ۱۵۶۸) اس حدیث میں ہے کہ تین سو بکری کے بعد کوئی زکوۃ نہیں جب تک کہ ایک سونہ پورا ہو جائے، اس سے معلوم ہوا کہ عفو میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اس لئے عفو ہلاک ہوا تو واجب زکوۃ میں سے کچھ کم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام محمدؒ اور زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ مال کی نعمت کے شکریہ کے لئے واجب ہوئی ہے، اور کل مال نعمت ہے [اس لئے سب میں زکوۃ واجب ہوگی]

تشریح: عفو میں بھی زکوۃ واجب ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ مال نعمت ہے اور زکوۃ نعمت کے شکریہ ادا کرنے کے لئے واجب ہوئی ہے، اور اصل نصاب بھی نعمت ہے اور عفو بھی نعمت ہے اس لئے دونوں پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے، اور سال گزرنے کے بعد عفو ہلاک ہوا تو اس سے بھی زکوۃ کی کمی ہونی چاہئے۔

وجہ: حدیث میں ہے۔ فاذا كانت مائتي دراهم ففيها خمسة دراهم فمازاد فعلى حساب ذلك (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ، ص ۲۳۲، نمبر ۱۵۷۲ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵ فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ ہو زکوۃ میں اس کا بھی حساب ہوگا۔

ترجمہ: ۳ امام ابوحنیفہ: اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے چرنے والے پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے .....اور زیادہ میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ دس تک پہنچ جائے، اسی طرح فرمایا اور ہر نصاب میں عفو سے وجوب کی نفی کی۔

تشریح: عفو میں زکوۃ واجب نہیں ہے اس کے لئے اوپر کی حدیث ذکر کی گئی ہے۔ صاحب ھدایہ نے جن الفاظ کے ساتھ حدیث پیش کی ہے ان الفاظ کے ساتھ ہر نصاب میں حدیث نہیں ہے البتہ اس کے قریب قریب مفہوم اس طرح ہے (۱). فيما دون

۴ ولان العفو تبع للنصاب فيصرف الهلاک اولا الى التبع كالربح فى مال المضاربة ۵ ولهذا قال ابو حنيفة يصرف الهلاک بعد العفو الىٰ النصاب الاخير ثم الى الذى يليه الى ان ينتهى لان الاصل هو النصاب الاول وما زاد عليه تابع

خمس و عشرين من الابل الغنم فى كل خمس ذود شاة ، فاذا بلغت خمسا وعشرين ففيها بنت مخاض الى ان تبلغ خمسا و ثلاثلين ۔ (ابوداؤدشریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ،ص ۲۳۰،نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں الى ان تبلغ خمسا و ثلاثين ، کا لفظ ہے جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ پچیس اونٹ کے بعد پینتیس تک کوئی زکوۃ واجب نہیں ہے۔(۲) دوسری حدیث میں ہے. عن سالم عن ابيه قال : كتب رسول الله كتاب الصدقة....فى خمس من الابل شاة و فى عشر شاتان ....فان زادت واحدة ففيها ابنة لبون الى خمس و أربعين ، فاذا زادت واحدة ففيها حقة الى ستين... .فان كانت الغنم أكثر من ذالک ففى كل مائة شاة شاة و ليس فيها شىء حتى تبلغ المائة ۔(ابو داودشریف ، باب فی زکاۃ السائمۃ ،ص ۲۳۱،نمبر ۱۵۶۸ / ترمذی شریف ، باب ما جاء فی زکاۃ الابل والغنم ،ص ۱۶۰،نمبر ۶۲۱) اس حدیث میں .فان زادت واحدة ففيها ابنة لبون الى خمس و أربعين ، کا لفظ ہے جس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ چھتیس اور پینتالیس کے درمیان اونٹوں پر کوئی زکوۃ نہیں ہے۔۔البتہ اس حدیث کے آخیر میں , و ليس فيها شىء حتى تبلغ المائة، کا لفظ ہے جس سے مصنف کی مراد زیادہ واضح ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۴ اور اس لئے بھی کہ عفو نصاب کے تابع ہے اس لئے ہلاک پہلے تابع کی طرف پھیرا جائے گا۔ جیسے کہ مال مضاربت میں ہلاک پہلے نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

تشریح : عفو میں زکوۃ نہیں اس کی دلیل عقلی ہے، کہ عفو اصل نصاب کے تابع ہے، اس لئے جو مال، یا جانور ہلاک ہوا اس کو پہلے تابع کی طرف پھیرا جائے گا، اور کہا جائے گا یہ تابع سے ہلاک ہوا، اس کے بعد جو نصاب متصل ہے اسکی طرف پھیرا جائے گا، اس سے بھی پورا نہ ہو تو اس نصاب سے جو متصل ہو اس کی طرف پھیرا جائے گا، آخیر میں نصاب اول کی طرف پھرا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ نصاب اول سے ہلاک ہوا۔ اسکی مثال مضاربت کا مال ہے، مثلا چالیس درہم مضارت پر تجارت کرنے کے لئے کسی کو دیا، اور اس نے اس سے بیس درہم نفع کمایا، بعد میں بیس درہم ہلاک ہو گیا تو کہا جائے گا کہ یہ بیس درہم نفع میں سے ہلاک ہوا، کیونکہ وہ تابع ہے، اصل چالیس درہم میں سے ہلاک نہیں ہوا، اسی طرح یہاں پہلے عفو میں سے ہلاک ہوگا بعد میں نصاب سے۔

ترجمہ: ۵ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ عفو کے بعد ہلاک نصاب آخیر کی طرف پھیرا جائے گا، پھر اس کے بعد جو نصاب متصل ہو اس کی طرف پھیرا جائے گا، یہاں تک کہ نصاب پورا جائے، اس لئے کہ اصل پہلا نصاب ہے، اور جو اس سے زیادہ ہے وہ

۶ وعند ابی یوسف یصرف الی العفو او لا ثم الی النصاب شائعا. (۱۹۷) واذا اخذالخوارج الخراج وصدقة السوائم لا یثنی علیهم﴾ ۱ لان الامام لم یحمهم والجبایة بالحمایة

پہلے کے تابع ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ہلاک پہلے عفو کی طرف پھیرا جائے گا، اسکے بعد جو آخیر کا نصاب ہے اسکی طرف پھرا جائے گا، پھر جو نصاب ہے اسکی طرف پھیرا جائے گا۔ مثلا کسی کے پاس انیس ۱۹ اونٹ ہوں، اوران میں سے نو ۹ اونٹ ہلاک ہو گیا تو پہلے چار اونٹ عفو کی طرف پھیرا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ چار اونٹ عفو میں سے ہلاک ہوا، اس کے بعد پانچ اونٹ اس نصاب میں سے ہلاک شمار کیا جائے گا جو دس سے پندرہ تک اونٹ ہے، کیونکہ یہی آخیر نصاب ہے، اسکے بعد ہلاک ہو تو پانچ سے دس تک جو اونٹ ہے اس میں ہلاک شمار کیا جائیگا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ آخیر کا نصاب پہلے نصاب کا تابع ہے، اور پہلا نصاب اصل ہے، اس لئے تابع پہلے ہلاک شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۶ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہلاک پہلے عفو کی طرف پھیرا جائے گا، پھر تمام ہی نصاب کی طرف۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہلاک پہلے عفو کی طرف پھیرا جائے گا، اسکے بعد آخیر نصاب کی طرف نہیں بلکہ تمام ہی نصاب کی طرف پھیرا جائے گا۔ مثال مذکور میں جو انیس ۱۹ اونٹ میں سے نو ۹ اونٹ ہلاک ہوئے تو چار اونٹ عفو میں سے ہلاک ہوگا، اوراس کے بعد جو پانچ اونٹ ہے وہ تمام نصاب میں سے ہلاک شمار کیا جائے گا صرف آخیر نصاب میں سے ہلاک شمار نہیں کیا جائے گا۔۔ شائعا: مشترک، سب۔

ترجمہ: (۱۹۷) اگر خوارج نے خراج وصول کرلیا، یا چرنے والے جانور کی زکوۃ لے لی تو لوگوں سے دوبارہ نہیں لی جائے گی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ امام نے اسکی حمایت نہیں کی، اور محصول حمایت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تشریح: خوارج مسلمان ہوتا ہے، لیکن امام عادل کے خلاف جنگ کے لئے اتر پڑتا ہے اس لئے اسکو خوارج کہتے ہیں، اگر غیر مسلموں کے ساتھ لڑائی ہو جائے تو یہ خوارج امید ہے کہ ہمارے ساتھ ہی مل کر جنگ کریں گے اس لئے یہ کسی نہ کسی درجے میں ہمارے فوجی اور مقاتلہ ہیں۔ پس اگر ان خوارج نے کچھ گاؤں والوں کو مجبور کر کے غیر مسلموں کی زمین سے خراج وصول کرلیا تو امام عادل ان گاؤں والوں سے دوبارہ خراج وصول نہ کرے۔ اسی طرح باہر چرنے والے جانور کی زکوۃ خوارج نے لے لی تو وہ بھی ادا ہو گئی۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ خراج حفاظت کرنے کی وجہ سے وصول کرتے ہیں، اور یہاں امام نے گاؤں والوں کی حفاظت نہیں کی تب ہی تو خوارج نے انکو مجبور کیا، اس لئے امام عادل ان لوگوں سے دوبارہ خراج وصول نہ کرے۔ (۲) زکوۃ کے بارے

(۷۹۲) وأفتوا بان يعيدوها دون الخراج﴾ لے فيما بينهم وبين الله تعالیٰ لانهم مصارف الخراج لكونهم مقاتلة والزكوٰة مصرفها الفقراء فلا يصرفونها اليهم

میں حدیث میں ہے کہ ایسے لوگ زکوۃ وصول کرنے آئیں گے جس کو تم پسند نہیں کرتے تو اس کو بھی زکوۃ دے دو وہ ادا ہو جائے گی، حدیث یہ ہے۔ **عن جابر بن عتيک أن رسول الله ﷺ قال :سيأتيكم ركب مبغضون فاذا جاء و كم فرحبوا بهم و خلوا بينهم و بين ما يبتغون فان عدلوا فلانفسهم ، و ان ظلموا فعليها و أرضوهم ، فان تمام زكاتكم رضاهم و ليدعوا لكم** ۔(ابوداود شریف، باب رضاء المصدق، ص ۲۳۵، نمبر ۱۵۸۸) اس حدیث میں ہے مبغوض مصدق بھی تمہارے پاس آئے تو اس کو زکوۃ دے دو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔(۳) **أن ابن عمر قال : ادفعوا اليهم و ان شربوا بها الخمر يعني الامراء** ۔(سنن بیہقی، باب باب الاختیار فی دفعها الی الوالی، ج رابع، ص ۱۹۳، نمبر ۷۳۸۳ / مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۴۸، من قال تدفع الزکاۃ الی السلطان، ج ثانی، ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو آپ کا والی ہے اس کو زکوۃ دے دو چاہے وہ اس سے شراب ہی پی لیں آپ کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ یثنی: تثنیہ سے مشتق ہے، دوبارہ وصول کرنا۔ یحمی: حفاظت کرنا۔ جبایۃ محصول۔ سائمۃ: چرنے والے جانور کی قید اس لئے ہے کہ باہر چرنے والے جانور کی زکوۃ بادشاہ کو لینے کا حق ہے، کیونکہ وہ باہر چرتا ہے، اور بادشاہ کی فوج چور سے اس کی حفاظت کرتی ہے، اور گھر میں جو سونا چاندی ہے اس کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا مالک خود فقیروں کو اس کی زکوۃ دے، بادشاہ کو حوالہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ترجمہ: (۷۹۲) لوگوں کو فتوی یہ دیا جائے کہ زکوۃ فقیروں کو دوبارہ دے دے [یہ دوبارہ دینا اسکے اور اللہ کے درمیان ہے]، اور خراج دوبارہ نہ دے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ خوارج خراج کا مصرف ہیں، اور زکوۃ کا مصرف فقراء ہیں، اور یہ فقراء پر خرچ نہیں کریں گے [اس لئے زکوۃ دوبارہ دے

تشریح: اصل تو یہی ہے کہ خوارج خراج اور زکوۃ وصول کرلے تو دونوں ادا ہو جائیں گے۔ لیکن لوگوں کو فتوی یہ دیا جائے کہ زکوۃ اپنے ہاتھ سے دوبارہ فقراء اور مساکین کو دے دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ کا مصرف فقرا اور مساکین ہیں اور یہ لوگ ان پر خرچ نہیں کریں گے، اس لئے مالک اپنے ہاتھ سے دوبارہ زکوۃ ادا کر دے۔ اور خراج دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خراج کا مصرف اسلامی فوج ہے، اور خوارج لوگ بہر حال مسلمان ہیں، اور غیر مسلم سے جنگ ہو تو یہ ہماری فوج میں ہونگے، اس لئے یہ خراج کے مصرف ہیں اور انہوں نے خراج صرف کر دیا تو خراج کے مصرف میں صرف ہوا اس لئے دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقاتلۃ: فوج۔

٢ وقيل اذا نوى بالدفع التصدق عليهم سقط عنه وكذا ما دفع الى كل جائر لانهم بما عليهم من التبعات فقراء والاول احوط (۷۹۳) وليس على الصبى من بنى تغلب فى سائمته شئ وعلى المرأة ما على الرجل منهم ﴾ ١ لان الصلح قد جرى علىٰ ضِعف ما يوخذ من المسلمين ويوخذ من نساء المسلمين دون صبيانهم.

ترجمه: ٢ فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ دیتے وقت ان خوارج پر صدقہ کی نیت کرے تو دینے والے سے زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح ہر ظالم کو دیتے وقت [زکوۃ کی نیت کرے گا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی] اس لئے کہ جتنا قرض وغیرہ اس پر ہے اس کی وجہ سے وہ فقیر ہے۔ اور پہلا قول احوط ہے۔

تشریح : فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ ان ظالم بادشاہوں نے لوگوں پر ظلم کر کے اتنے مال لئے ہیں کہ اگر سب کو ادا کرے تو وہ فقیر بن جائیں گے اس لئے حقیقت میں وہ لوگ فقیر ہیں صرف دیکھنے کے مالدار ہیں اس لئے ان کو زکوۃ دیتے وقت یہ نیت کرے کہ انکو ہی زکوۃ دے رہا ہوں تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے۔ اصل میں اوپر کی حدیث ہے جسکی وجہ سے زکوۃ ادا ہوگی۔ البتہ احتیاط پہلے قول میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے واقعی فقیر کو دوبارہ زکوۃ دے دے۔ - جائر : ظالم۔ تبعات : پیچھے لگنے والی چیز، یہاں مراد ہے ظلم سے لیا ہوا مال، اور قرض۔

ترجمہ: (۷۹۳) بنی تغلب کے بچوں پر اس کے چرنے والے جانور میں کچھ نہیں ہے، اور عورتوں پر اتنی زکوۃ ہے جتنی انکے مرد پر ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ اس بات صلح ہوئی تھی کہ جتنی زکوۃ مسلمانوں سے لی جائے اسکا دوگنا ان سے لیا جائے۔ اور مسلمان عورتوں سے زکوۃ لی جاتی ہے، انکے بچوں سے نہیں لی جاتی۔

تشریح : بنو تغلب عرب کے نصاری کی ایک قوم تھی، جو روم کے پاس آباد تھی، حضرت عمرؓ نے جب ان پر جزیہ مقرر کرنا چاہا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم عرب ہیں اس لئے جزیہ دینے سے ہم کو شرم آتی ہے، اگر آپ ہم پر جزیہ مقرر کریں گے تو ہم بھاگ کر آپکے دشمن کے پاس چلے جائیں گے، اس لئے ہم پر بھی آپ زکوۃ ہی مقرر کریں چاہے دوگنی کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورہ سے ان پر دوگنی زکوۃ لازم کی اور ان لوگوں نے اس کو قبول کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہماری جانب سے تو یہ جزیہ ہی ہے البتہ تم لوگ اس کا جو چاہے نام رکھ لو۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی ان پر یہی جزیہ مقرر رہا، اور گویا کہ اس پر امت کا اجماع ہو گیا۔

چونکہ حنفیہ کے یہاں مسلمان بچوں سے زکوۃ نہیں لی جاتی ہے اس لئے بنو تغلب کے بچوں سے بھی زکوۃ نہیں لی جائے گی، اور مسلمان عورتوں سے زکوۃ لی جاتی ہے اس لئے بنو تغلب کی عورتوں سے دوگنی زکوۃ لی جائے گی۔ - ضعف : دوگنا۔

(۷۹۴)وان هلك المال بعد وجوب الزكوٰة سقطت الزكوٰة ﴾ ل وقال الشافعیؒ يضمن اذا هلك بعد التمكن من الاداء لان الواجب فى الذمة فصار كصدقة الفطر ،ولانه مَنَعه بعد الطلب فصار كالاستهلاك

ترجمه: (۷۹۴) زکوۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہوجائے تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

تشریح : نصاب پر سال گزر گیا جس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوئی اور ادا کرنے کی بھی قدرت ہوئی لیکن آجکل کرتا رہا اور اس درمیان مال ہلاک ہوگیا تو حنفیہ کے نزدیک زکوۃ ساقط ہوجائے گی۔اور اگر جان کر مال کو ہلاک کر دیا تو زکوۃ واجب رہے گی۔

وجه: (۱)زکوۃ کا محل مال تھا اور اب محل ہی باقی نہیں رہا تو زکوۃ کس پر لازم کریں۔جیسے جنایت کرنے والا غلام مرجائے تو مولی اب کس کو سپرد کرے گا۔مولی سے ضمان ساقط ہوجاتا ہے۔اسی طرح مال کی ہلاکت کے بعد زکوۃ ساقط ہوجائے گی۔اور اگر آدھا مال ہلاک ہوا تو آدھی زکوۃ ساقط ہوگی۔(۲)اس قول میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء فى الرجل اذا اخرج زكوة ماله فضاعت انها تجزى عنه (مصنف ابن ابی شیبۃ،۸۹ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ مالہ فضاعت ج ثانی ص ۴۰۸،نمبر ۱۰۴۹۱؍ مصنف عبد الرزاق، باب ضمان الزکاۃ، ج رابع ص ۴۳،نمبر ۶۹۶۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا مال نکال چکا ہو پھر ضائع ہوگیا ہو تو وہ کافی ہوگا تو پورا مال ہی ہلاک ہوگیا ہو تو بدرجۂ اولی زکوۃ ساقط ہوجائے گی۔

ترجمه: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ادا پر قدرت کے بعد مال ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا،اس لئے کہ زکوۃ ذمے میں واجب ہے، اس لئے صدقۃ الفطر کی طرح ہوگیا۔اور اس لئے بھی کہ گویا کہ طلب کرنے کے بعد منع کر دیا،تو ایسا ہوا کہ خود مال کو ہلاک کر دیا ہو۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کے مال پر سال گزر گیا اور زکوۃ ادا کرنے کی قدرت تھی اور ادا نہیں کیا اور مال ہلاک ہوگیا تو زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔قال الشافعیؒ وان اخرجها بعد ما حلت فهلكت قبل ان يدفعها الى اهلها ، فان كان لم يفرط و التفريط أن يمكنه بعد حولها دفعها الى أهلها أو الى الوالى فتأخر لم يحسب عليه ما هلك ، و لم تجز عنه من الصدقة لان من لزمه شىء لم يبرأ منه الا بدفعه الى من يستوجبه عليه ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب الذی یدفع زکاتہ فتھلک قبل أن یدفعھا الی أھلھا، ج رابع ص ۱۸۷،نمبر ۴۳۲۵)اس عبارت میں ہے کہ زکوۃ فقراء تک نہیں پہنچی اور ہلاک ہوگئی تو دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

وجه : مصنفؒ نے زکوۃ واجب رہنے کے لئے تین دلیل عقلی پیش کی ہے۔[۱] سال گزرنے کے بعد زکوۃ ذمے میں واجب ہوگئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی چیز ذمے میں واجب ہوجائے تو جب تک مستحق کو ادا نہ کرے واجب رہتی ہے،اور زکوۃ ابھی تک فقراء میں تقسیم نہیں کی ہے اس لئے واجب رہے گی [۲] دوسری دلیل دی ہے کہ جیسے صدقۃ الفطر واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہوجائے تب بھی واجب رہتا ہے ساقط نہیں ہوتا اسی طرح زکوۃ بھی واجب رہے گی۔[۳] تیسری دلیل یہ دی ہے کہ زکوۃ واجب ہوگئی تو گویا کہ اللہ

۲ ولنا ان الواجب جزء من النصاب تحقيقا للتيسير فيسقط بهلاک محله كدفع العبد الجانی بالجانی بالجناية يسقط بهلاكه ۳ والمستحق فقير يعينه المالک ولم يتحقق منه الطلب

نے اس زکوۃ کو طلب کر لیا، اور گویا کہ فقیر نے اپنا حق مانگا اور اس نے قدرت کے باوجود نہیں دیا تو گویا کہ اس نے مال جان کر ہلاک کر دیا، اور مال جان کر ہلاک کر دے تو حنفیہ کے یہاں بھی زکوۃ واجب رہتی ہے اس لئے یہاں بھی زکوۃ واجب رہے گی۔۔ استھلاک: کا ترجمہ ہے جان کر ہلاک کرنا [۴] اس اثر میں ہے کہ دوبارہ زکوۃ دینا ہوگی، اثر یہ ہے۔ عن مغيرة عن اصحابه قالوا: اذا اخرج زكوة ماله فضاعت فليزك مرة اخرى (مصنف ابن ابی شیبة، ۸۹ ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ مالہ فضاعت، ج ثانی، ص ۴۰۸، نمبر ۱۰۴۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوبارہ ادا کرے۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ واجب نصاب کا ہی ایک جز ہے آسانی متحقق ہونے کے لئے اس لئے محل کے ہلاک ہونے سے زکوۃ بھی ساقط ہو جائے گی، جیسے کہ جرم کی وجہ سے جرم کرنے والے غلام کو دینا ساقط ہو جاتا غلام کے ہلاک ہونے سے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ زکوۃ مالک کے ذمے میں واجب ہوتی ہے اس لئے مال کے ہلاک کے بعد بھی اس کے ذمے میں رہے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ مالک کے ذمے میں واجب نہیں ہوتی بلکہ آسانی کے لئے مال نصاب کے ہی ایک جز میں واجب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ چالیس بکری میں ایک بکری زکوۃ ہے تو اسی چالیس بکری ہی میں سے ایک بکری دینا واجب ہے، الگ سے بکری خریدنے کی ضرورت نہیں ہے، اور مال جو زکوۃ کا محل تھا وہ ہلاک ہو گیا تو وہ جز بھی ختم ہو گیا اب مالک اس جز کے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے، اس لئے زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مثلا زید کے غلام نے عمر کو غلطی سے قتل کر دیا تو زید پر لازم ہے کہ غلام کو عمر کے ولیوں کے حوالے کر دے۔ اب حوالہ کرنے سے پہلے غلام ہی ہلاک ہو گیا تو زید سے غلام دینا ساقط ہو جائے گا کیونکہ غلام جو محل تھا وہی باقی نہیں رہا، اسی طرح سے زکوۃ کا محل ختم ہو گیا تو زکوۃ کا دینا بھی ساقط ہو جائے گا۔۔ جنایۃ: جرم کرنا، جانی: جرم کرنے والا۔

ترجمہ: ۳ اور زکوۃ کا مستحق وہ فقیر ہے جسکو مالک متعین کرے، اور نہ مالک سے متعین کرنا متحقق ہوا اور نہ اس سے طلب کرنا پایا گیا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ زکوۃ واجب ہو گئی تو گویا کہ اللہ نے اس کو مانگ لیا، اور مانگنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو ایسا سمجھو کہ ہلاک کر دیا، اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مالک جس فقیر کے ہاتھ میں زکوۃ دے گا اور اپنی زکوۃ کے لئے متعین کرے گا اس فقیر سے طلب کرنا اصل ہے، اس کے طلب کرنے کے بعد نہ دے تو مالک ضامن ہوگا، اور مال کو ہلاک کرنا شمار کیا جائے گا، اور یہاں کسی فقیر کے ہاتھ میں زکوۃ دی ہی نہیں، اس لئے اس سے طلب کرنا نہیں پایا گیا، اس لئے خود سے ہلاک کرنا بھی نہیں ہوا، اس لئے زکوۃ واجب نہیں رہے گی۔

۴ وبعد طلب الساعی قیل یضمن وقیل لا یضمن لانعدام التفویت ۵ وفی الاستهلاک وجد التعدی ۶ وفی هلاک البعض یسقط بقدره اعتبارا له بالکل

ترجمہ: ۴ اورزکوۃ وصول کرنے والے کےطلب کرنے کے بعد بعض حضرات نے فرمایا کہ ضامن ہوجائے گا۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ضامن نہیں ہوگا،اس لئے کہ فوت کرنا نہیں پایا گیا۔

تشریح : مال زکوۃ پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ وصول کرنے والے ساعی نے زکوۃ مانگا،لیکن مالک نے نہیں دیا پھر مال ہلاک ہوگیا تو حضرت ابوالحسن کرخیؒ نے فرمایا کہ زکوۃ واجب رہے گی، کیونکہ ساعی کے مانگنے کے بعد نہیں دیا،اورامانت کا قاعدہ یہ ہے کہ مانگنے کے بعد نہ دے اور مال ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان لازم ہوتا ہے،تو یہاں بھی حقدار نے مانگا ہے اس لئے زکوۃ دینی ہوگی۔ اور ماوراءالنہر کے مشائخ نے فرمایا کہ مالک پر زکوۃ واجب نہیں رہے گی، کیونکہ باضابطہ انکی جانب سے مال کا ہلاک کرنا نہیں پایا گیا۔ باقی رہا ساعی کا مانگنا،تو کوئی ضروری نہیں ہے اسی ساعی کو دے کسی مصلحت کی وجہ سے کسی دوسرے ساعی کو بھی دے سکتا ہے، یا کسی دوسرے فقیر کو بھی دے سکتا ہے،اس لئے اس ساعی کے انکار میں کوئی حرج نہیں ہے۔۔ساعی: کوشش کرنے والا،زکوۃ وصول کرنے والا۔۔دریائے سیحون کے پاس اسکی اتر جانب کچھ گاؤں تھے اور بڑے بڑے مدرسے تھے،انکے علمار ماوراءالنہر کے علما کہے جاتے تھے، یہ گاؤں تاشقند کے پاس ہیں،اورابھی روس میں ہیں۔اس وقت یہ مدرسے ویران ہوچکے ہیں،مصنف ھدایہ اسی کے قریب مقام فرغانہ کے باشندے ہیں۔

ترجمہ: ۵ اور جان کر مال ہلاک کرنے میں تعدی پائی گئی۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ جان کر ہلاک کردے تو اس صورت میں زکوۃ واجب رہتی ہے اسی طرح مال خود بخود ہلاک ہوجائے تو اس میں بھی زکوۃ واجب رہے گی،اس کا جواب یہ ہے کہ ہلاک کرنے میں تعدی پائی گئی اس لئے مالک پر ضمان رہے گا،اور خود بخود ہلاک ہونے میں مالک کی جانب سے تعدی نہیں ہے اس لئے اس پر اس کا ضمان لازم نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۶ بعض مال ہلاک ہونے میں اسی کی مقدار ساقط ہوگی،کل پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : مثلا دوسو درہم تھا سال گزرنے کے بعد ایک سو درہم ہلاک ہوگیا تو جو ایک سو درہم ہلاک ہوا اس کی زکوۃ ساقط ہوگی، اور جو ایک سو درہم باقی رہا اس کی زکوۃ واجب رہے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مال ہلاک ہوتا تو سب زکوۃ ساقط ہوتی،اس پر قیاس کرتے ہوئے بعض مال ہلاک ہوا تو بعض زکوۃ ساقط ہوگی۔

(۷۹۵) وان قدَّم الزكوٰة على الحول وهو مالک للنصاب جاز ۱؎ **لانه ادى بعد سبب الوجوب فيجوز كما اذا كَفَّرَ بعد الجرح وفيه خلاف مالک** ؒ ۲؎ **ويجوز التعجيل لا كثر من سنة لوجود السبب**

ترجمہ: (۷۹۵) اگر سال مکمل ہونے سے پہلے زکوۃ دیدی اور حال یہ ہے کہ وہ نصاب کا مالک ہے تو جائز ہے۔

تشریح: ایک آدمی نصاب کا مالک ہے لیکن اس نصاب پر سال نہیں گزر را ہے اور وہ ابھی زکوۃ ادا کر دینا چاہتا ہے تو جائز ہے۔ اکوۃ ادا ہو جائیگی۔

وجہ: (۱) مال نصاب اصل سبب ہے اور وہ پایا گیا تو گویا کہ سبب پایا گیا اس لئے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائیگی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن علی ان العباس سأل النبی ﷺ فی تعجیل الصدقة قبل ان تحل فرخص له فی ذلک** . (ابوداؤد شریف، باب فی تعجیل الزکوۃ ص ۲۳۶ نمبر ۱۶۲۴ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی تعجیل الزکوۃ ص ۱۴۶ نمبر ۶۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عباسؓ کو اس کی اجازت دی تھی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وجوب کے سبب کے بعد ادا کیا اس لئے جائز ہو جائے گا، جیسے کہ زخمی کرنے کے بعد کفارہ دے دیا، اور اس میں امام مالکؒ کا خلاف ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ نصاب زکوۃ کا سبب ہے، اس سبب کے بعد زکوۃ ادا کی تو ادا ہو جائے گی۔ جیسے مثلا زید نے قتل خطا میں عمر کو زخمی کیا ابھی وہ مرا نہیں تھا کہ زید نے کفارے میں غلام آزاد کر دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ قتل خطا کیا ہو تو مقتول کے مرنے کے بعد کفارے میں غلام آزاد کرے، یہاں زخمی کرنا موت کا سبب پایا گیا اس لئے پہلے ہی آزاد کر دیا تب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

البتہ اس میں امام مالکؒ فرماتے ہیں سال سے پہلے زکوۃ دی تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ سبب پائے جانے کی وجہ سے ایک سال سے زیادہ کی زکوۃ دینا بھی جائز ہے۔

تشریح: اگر نصاب کا مال موجود ہے اور کئی سال کی زکوۃ پہلے ہی دینا چاہے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ کا سبب نصاب موجود ہے۔

وجہ: (۱) اس حدیث میں ہے۔ **عن الحكم أن رسول الله ﷺ بعث ساعيا على الصدقة فأتى العباس يستسلفه فقال له العباس : انى أسلفت صدقة مالى سنتين فأتى النبى ﷺ فقال : صدق عمى** . (مصنف ابن ابی شیبۃ، با ۴۰، ما قالوا فی تعجیل الزکوۃ، ج ثانی، ص ۳۷۷، نمبر ۱۰۰۹۸ رسنن بیہقی، باب تعجیل الزکاۃ، ج رابع، ص ۱۸۷، نمبر ۷۳۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے دو سالوں کی زکوۃ پیشگی ادا کی جس سے معلوم ہوا کہ کئی سالوں کی زکوۃ پہلے ہی

۳ ویجوز لنُصب اذا کان فی ملکه نصاب واحد خلاف لزفر لان النصاب الاول هو الاصل فی السببیة والزائد علیه تابع له.

دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اگر اسکی ملکیت میں ایک نصاب ہو تو کئی نصابوں کی زکوۃ دے سکتا ہے، اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے، اس لئے کہ پہلا نصاب سبب بننے میں اصل ہے، اور جو زائد ہے وہ اس کے تابع ہے۔

تشریح: ایک نصاب موجود ہو مثلا دو سو درہم موجود ہو اور گائے اور بکری کا نصاب نہ ہو لیکن گائے اور بکری کی زکوۃ دینا چاہتا ہو تو دے سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا نصاب اصل ہے اور باقی نصاب اس کے تابع ہے، اور اصل سبب موجود ہے، اس لئے باقی نصاب کی بھی زکوۃ دے سکتا ہے۔ حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ایک نصاب موجود ہے تو ایک ہی نصاب کی زکوۃ دے سکتا ہے، باقی کا نہیں کیونکہ دوسرے نصاب موجود نہیں ہیں، اور جب سبب موجود نہ ہو تو زکوۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

﴿باب زکوٰۃ المال﴾

﴿فصل فی الفضة﴾

(۴۹۶)لیس فیما دون مائتی درهم صدقة﴾ ۱؎ لقوله علیه السلام فیما دون خمس اواق صدقة والاوقیة اربعون درهما

﴿ باب زکوۃ الفضۃ ﴾

ضروری نوٹ: فضۃ کے معنی چاندی کے ہیں۔ یہاں فضۃ سے مراد درہم، چاندی کا زیور اور چاندی کا برتن مراد ہے۔حنفیہ کے نزدیک ان ساری چیزوں میں زکوۃ ہے۔(۱) دلیل یہ حدیث ہے۔**ان امرأ ۃ اتت رسول الله و معها ابنة لها وفی ید ابنتها مسکتان غلیظتان من ذهب فقال اتعطین زکو ۃ هذا؟ قالت لا قال ایسرک ان یسورک الله بهما یوم القیامة سوارین من نار؟ قال فخلعتهما و القتهما الی النبی ﷺ وقالت هما لله ورسوله**۔(ابوداؤد شریف، باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیور کی بھی زکوۃ لازم ہے۔آیت سے بھی سونے اور چاندی میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔(۲) **و الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم**۔(آیت ۳۴، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں سونا اور چاندی عام ہے چاہے کسی حال میں ہو جس کے نہ خرچ کرنے پر وعید سنائی گئی ہے ،اس لئے سبھی قسم کے سونا چاندی پر زکوۃ ہوگی۔

مال دو قسم کے ہیں۔ایک اموال ظاہرہ اور دوسرا اموال باطنہ [۱] جو مال گھر سے باہر ہو جیسے تجارت کا مال، جنگلوں میں چرنے والے جانور، کھیتوں کے غلے، باغوں کے پھل، انکی حفاظت بادشاہ کرتے ہیں اس لئے بادشاہ کے مزکی، اور عاشر کو اس کی زکوۃ لینے کا حق ہے، وہ لیکر غرباء پر تقسیم کرے۔[۲] اور جو مال گھر کے اندر رہتا ہے جیسے گھر کا سونا چاندی وغیرہ اس کو اموال باطنہ کہتے ہیں، اس کی حفاظت خود مالک کرتا ہے، اس لئے اپنے ہاتھ سے اسکی زکوۃ غرباء پر تقسیم کرے، یا جی چاہے تو بادشاہ کے مزکی کو دے، البتہ اس کو دینا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: (۴۹۶) دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ پانچ اوقیہ سے کم زکوۃ نہیں ہے۔اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

تشریح: دوسو درہم سے کم ہو تو اس پر زکوۃ نہیں ہے، کیونکہ نصاب سے کم ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں موجود ہے کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔**سمعت ابا سعید الخدری قال قال رسول الله**

(۶۹۷) فاذا کانت مائتین وحال علیها الحول ففیها خمسة دراهم ﴾ ١ لانه علیه السلام کتب الیٰ معاذ ان خذ من کل مائتی درھم خمسة دراھم ومن کل عشرین مثقالا من ذھب نصف مثقال **(۶۹۸) قال ولا شئ فی الزیادة حتی تبلغ اربعین فیکون فیھا درھم ثم فی کل اربعین درھما درھم** ﴾

لیس فیما دون خمس زود صدقة من الابل و لیس فیما دون خمس اواق صدقة. (بخاری شریف، باب زکوۃ الورق ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۷؍ مسلم شریف، باب لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة، ص ۳۹۳، نمبر ۲۲۶۳/۹۷۹؍ ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة، ص ۲۳۲، نمبر ۱۵۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے ہوں گے۔۔ ایک اوقیہ کا وزن 122.47 گرام ہوتا ہے۔ اور 10.5 تولہ ہوتا ہے۔ دلیل یہ حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ عن

جابر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول ....و لا زکاة فی شیء من الفضة حتی یبلغ خمسة أواق و الاوقیة أربعون درھما ۔(دارقطنی، باب لیس فی الخضر وات صدقة، ج ثانی ص ۸۴، نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث میں ہے کہ اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۶۹۷) پس جبکہ دوسو ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذؓ کو لکھوایا کہ ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ لو، اور ہر بیس مثقال سونے میں آدھا مثقال سونا زکوۃ لو۔

تشریح: دوسو درہم ہوا اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر پانچ درہم زکوۃ ہے۔

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔(۱) عن علی عن النبی ﷺ ببعض اول الحدیث قال فاذا کانت لک مائتا درھم و حال علیه الحول ففیھا خمسة دراھم ولیس علیک شیء یعنی فی الذھب حتی یکون لک عشرون دینارا فاذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیه الحول ففیھا نصف دینار فما زاد فبحساب ذلک (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳) ۔[۲] دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا زکو ة فی مال امرئ حتی یحول علیه الحول (دارقطنی، باب وجوب الزکوۃ بالحول ج ثانی ص ۷۶ نمبر ۱۸۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ مال نصاب پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔۔ حول کا معنی ہے سال، اور حال: کا ترجمہ ہے گزرنا۔

ترجمہ: (۶۹۸) پھر دوسو درہم سے زیادہ میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ چالیس درہم ہو جائے، پس چالیس درہم میں ایک

۱ وهذا عند ابی حنیفة ۲ وقالا ما زاد علی المائتین فزکاته بحسابها وهو قول الشافعیؒ لقوله علیه السلام فی حدیث علیؓ وما زاد علی المائتین فبحسابه

درہم ہے۔ پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے۔

ترجمه: ۱ امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک دوسو درہم کے بعد اس وقت تک کچھ لازم نہیں ہوگا جب تک کہ چالیس درہم نہ ہو جائے، البتہ چالیس درہم ہو جائے تو پھر اس میں ایک درہم لازم ہوگا۔

وجه: ان کی دلیل یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے (۱)۔عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حین وجهه الی الیمن ان لا تأخذ من الکسر شیئا اذا کانت الورق مائتی درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شیئا حتی تبلغ اربعین درهما، واذا بلغ اربعین درهما فخذ منها درهما . (دار قطنی ۳، باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶ ر سنن للبیھقی، باب ذکر الخبر الذی روی فی وقص الورق ج رابع ص ۲۲۸، نمبر ۷۵۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو اس کسر میں کچھ لازم نہیں ہے۔ البتہ چالیس درہم ہو جائے تو اس میں ایک درہم ہے۔(۲) ابوداؤد میں ہے۔عن علی ...هاتو اربع العشور من کل اربعین درهما درهم (ابوداؤد شریف، باب فی زکوة السائمة، ص ۲۲۷، نمبر ۱۵۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے، اس سے پہلے میں کچھ نہیں۔

ترجمه: ۲ اور صاحبین نے فرمایا کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی۔ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ حضرت علیؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ جو زیادہ ہو تو اسکی زکوۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

تشریح: مثلا دوسو درہم سے ایک درہم زیادہ ہو گیا تو ایک درہم میں ایک درہم کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اور دس درہم میں ایک درہم کی چوتھائی لازم ہوگی۔

وجه: ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو صاحب ھدایہ نے پیش کی ہے ۔عن عاصم بن حمزة وعن الحارث الاعور عن علی رضی الله عنه قال زهیر احسبه عن النبی ﷺ قال هاتو ربع العشور من کل اربعین درهما درهم ولیس علیکم شیء حتی تتم مائتی درهم فاذا کانت مائتی درهم ففیها خمسة دراهم فمازاد فعلی حساب ذلک (ابوداؤد شریف، باب فی زکوة السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۲ ر سنن للبیھقی، باب وجوب ربع العشر فی نصابها وفیما زاد علیه وان قلت الزیادة ج رابع ص ۲۲۷، نمبر ۷۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے لازم

۳ ولان الزکوٰۃ وجبت شکر النعمة المال واشتراط النصاب فی الابتداء لتحقق الغناء وبعد النصاب فی السوائم تحرزا عن التشقیص ۴ ولابی حنیفةؒ قوله علیه السلام فی حدیث معاذؓ لا تاخذ من الکسور شیئا وقوله فی حدیث عمر وبن حزم ولیس فیما دون الاربعین صدقة

ہوگی۔اس لئے ہر روپیہ میں اس کے حساب سے چالیسواں حصہ لازم ہوگی۔کلکیو لیٹر سے چالیسواں حصہ 0.025 ہوگا۔

ترجمه: ۳ اس لئے کہ زکوۃ مال کی نعمت کے شکریہ کے لئے واجب ہوئی ہے،اور شروع میں نصاب کی شرط مالداری متحقق ہو نے کے لئے ہے،اور چرنے والے جانور میں نصاب کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچاؤ کے لئے ہے۔

تشریح : نصاب کے بعد ہر درہم میں زکوۃ واجب ہونے کی دلیل عقلی ہے، کہ زکوۃ مال جیسی نعمت کے شکریہ کے لئے واجب ہوئی ہے،اور ہر مال نعمت ہےاس لئے ہر درہم پر زکوۃ واجب ہونی چاہئے۔لیکن شروع میں ہر درہم پر واجب نہیں کی دوسو درہم ہو تب زکوۃ واجب کی،اس کی وجہ یہ ہے کہ غریب پر زکوۃ واجب نہیں ہے،مالدار پر ہے تو دوسو درہم سے مالدار ہو جائے تب زکوۃ واجب کی۔پھر دوسرا اشکال یہ تھا کہ چرنے والے جانور میں نصاب پورا ہونے کے بعد ہر جانور میں صاحبین کے نزدیک زکوۃ کیوں واجب نہیں کی وہ بھی تو نعمت ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ نصاب پورا ہونے کے بعد ہر جانور پر زکوۃ واجب کریں تو زکوۃ کے جانور کو حصہ کرنا پڑے گا اس سے بچاؤ کے لئے ہر جانور پر زکوۃ واجب نہیں کی۔مثلا پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے،اب چار اونٹ اور ہو گیا اور اس پر بھی زکوۃ واجب کریں تو ایک بکری کا پانچ حصہ کرنا پڑے گا اور ہر اونٹ کی زکوۃ بکری کا ایک حصہ ہوگی تو چار اونٹ پر چار حصے ہونگے،اس طرح زکوۃ کی ایک بکری کا حصہ کر کے زکوۃ ادا کرنی ہوگی،اس سے بچنے کے لئے جانور میں نصاب پورا ہونے کے بعد اس کے ہر جانور میں زکوۃ واجب نہیں کی جب تک کہ اگلا نصاب کا عدد نہ پورا ہو جائے۔۔تشقیص :شقص سے مشتق ہے ٹکڑا کرنا۔

ترجمه: ۴ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضرت معاذ کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ کسر میں کچھ مت لو۔اور عمر بن حزم کی حدیث میں کہ چالیس درہم سے کم میں کوئی زکوۃ نہیں ہے۔

تشریح : اوپر کی دونوں حدیثیں اس میں ہیں۔**عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حین وجهه الی الیمن ان لا تأخذ من الکسر شیئا اذا کانت الورق مائتی درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شیئا حتی تبلغ اربعین درهما، واذا بلغ اربعین درهما فخذ منها درهما .** (دار قطنی ۳،باب لیس فی الکسر شیء ج ثانی ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶ رسنن للبیھقی ،باب ذکر الخبر الذی روی فی وقص الورق ج رابع ص ۲۲۸،نمبر ۷۵۲۴)اس حدیث میں ہے کہ کسر میں کچھ مت لو،اور یہ بھی ہے دوسو درہم کے بعد چالیس درہم سے کم کچھ نہیں ہے۔مثلا ایک سے انتالیس ۴۹ درہم کو کسر کہتے ہیں،اور چالیس نصاب ہے۔

٥ ولان الحرج مدفوع وفی ایجاب الکسور ذٰلک لتعذر الوقوف ٦ والمعتبر فی الدراهم وزن سبعة وهو ان تکون العشرة منها وزن سبعة مثاقیل بذلک جری التقدیر فی دیوان عمرؓ واستقر الامر علیه (۷۹۹) واذا کان الغالب علی الورق الفضة فهو فی حکم الفضة واذا کان الغالب علیها الغش

ترجمه : ٥ اوراس لئے کہ حرج دفع کیا ہوا ہے،اور کسر میں زکوۃ واجب کرنے میں یہ حرج ہے،اس لئے کہ کسر کے حساب پر واقف ہونا متعذر رہے۔

تشریح : شریعت ایسی چیز کو واجب نہیں کرتی جس میں حرج ہو،اور کسر میں زکوۃ واجب کریں تو اس کے حساب کرنے میں حرج ہے، کیونکہ ایک درہم کی زکوۃ کتنی ہوگی ، پھر ایک چوتھائی درہم کی زکوۃ کتنی ہوگی اس کا حساب تو اور مشکل ہے،اس لئے کسر میں زکوۃ واجب ہی نہیں کیا۔

ترجمه: ٦ درہم میں وزن سبعہ کا اعتبار ہے۔وزن سبعہ یہ ہے کہ دس درہم کا وزن سات مثقال ہو۔حضرت عمرؓ کے دیوان میں یہی تقدیر جاری تھی،اور معاملہ اسی پر مضبوط رہا۔

تشریح : حضرت عمرؓ کے زمانے میں تین قسم کا درہم رائج تھا[۱] ایک درہم چھوٹا تھا یہ دس درہم پانچ ۵ مثقال وزن کا ہوتا تھا۔ [۲] دوسرا درہم تھا جو دس درہم دس ۱۰ مثقال وزن کا ہوتا تھا۔[۳] تیسرا درہم جو دس درہم چھ ۶ مثقال وزن کا ہوتا تھا۔لوگوں کو زکوۃ دینے میں پریشانی ہوتی تھی کہ کس درہم سے زکوۃ دے،تو حضرت عمرؓ نے مشورے کے بعد تینوں درہموں کو ملایا تو تینوں درہم کا وزن اکیس ۲۱ مثقال ہوا، پھر اس سے تین درہم بنایا تو ہر درہم سات ۷ مثقال کا ہوا،یعنی دس درہم جمع کرو تو اس درہم کا وزن سات ۷ مثقال ہوگا ،اسی کو وزن سبعہ کہتے ہیں، وزن سبعہ درہم کا وزن تولہ کے اعتبار سے۔ 0.262 تولہ ہوتا ہے،اور گرام کے اعتبار سے۔ 3.061 گرام ہوتا ہے ۔ اور دوسو درہم کا وزن تولہ کے اعتبار سے۔ 52.50 تولہ ہوتا ہے اور گرام کے اعتبار سے۔ 612.36 گرام ہوتا ہے۔تفصیل آگے آئے گی۔

ترجمه: (۷۹۹) اگر ڈھلے ہوئے سکہ میں چاندی غالب ہے تو وہ سکہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر اس میں کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے۔اس میں اس بات کا اعتبار ہوگا اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے۔

تشریح :درہم اور دنانیر بنانے کے لئے خالص چاندی کام نہیں آتی بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ملانا پڑتا ہے تا کہ سخت ہو جائے اور درہم یا دنانیر ڈھال سکے اس لئے اصل معیار یہ رکھا گیا ہے کہ زیادہ چاندی یا سونا ہو تو وہ مکمل چاندی اور سونے کے حکم میں ہیں،اور پورے کو چاندی شمار کر کے دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ واجب ہوگی۔اور اگر زیادہ کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے۔اس سکہ کو سامان قرار دے دیا جائے تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اس سکے کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے مثلا دوسو درہم اسکی قیمت ہو جائے ، یا

فهو فی حکم العروض یعتبر ان تبلغ قیمته نصابا ﴾ ١ لان الدرهم لا تخلو عن قلیل غش لانها لا تنطبع الابه وتخلو عن الکثیر فجعلنا الغلبة فاصلة وهو ان یزید علی النصف اعتبار للحقیقة وسنذکر فی الصرف ان شاء الله. ٢ الا ان فی غالب الغَشّ لا بد من نیة التجارة کما فی سائر العروض الا اذا کان تخلص منها فضة تبلغ نصابا لانه لا یعتبر فی عین الفضة القیمة ولا نیة التجارة والله اعلم.

بیس دیناراس کی قیمت ہو جائے تو اسکی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اب یہ سکہ نہیں رہا کہ گن کر دوسو درہم پورا ہو جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہو جائے بلکہ اس کی قیمت دوسو درہم ہو جائے تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔ یا ان سکوں میں جو چاندی ہے اس کا وزن دوسو درہم کے برابر ہو تو زکوۃ ہوگی۔

وجه : زیادہ کا اعتبار کیا جائے گا اس کے لئے یہ اثر دلیل بن سکتی ہے۔ قال سألت ابراهیم عن رجل له مائة درهم و عشرة دنانیر قال یزکی من المائة بدرهمین و من الدنانیر بربع دینار و قال : سألت الشعبی فقال : یحمل الاکثر علی الاقل أو قال علی الاکثر فاذا بلغت فیه الزکاة زکی۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ٨، فی الرجل تکون عنده مائة درهم وعشرة دنانیر، ج ثانی، ص ٣٥٨، نمبر ٩٨٨٤) اس اثر میں یہ اصول ہے کہ اکثر کو اقل پر حمل کیا جائے گا، یعنی جو زیادہ ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ , للاکثر حکم الکل ، کے اصول پر ہے، کہ جو زیادہ ہے اس کا اعتبار کیا جائے۔

لغت: الورق : چاندی کا سکہ۔ الغش : کھوٹ۔ عروض: سامان جو سونا چاندی نہ ہو۔

ترجمه: ١ اس لئے کہ درہم تھوڑے بہت کھوٹ سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بغیر کھوٹ کے ڈھلتا نہیں ہے، اور زیادہ کھوٹ سے خالی ہوتا ہے اس لئے غلبہ کو حد فاصل قرار دیا، اور وہ یہ کہ آدھا سے زیادہ ہو حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ اس کو کتاب الصرف میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تشریح : سکہ بغیر کھوٹ ملائے ہوئے ڈھلتا ہی نہیں، اس لئے سکہ میں یہ تصور کرنا کہ اس میں خالص سونا ہو مشکل ہے، اس لئے اس کی حد یہ متعین کی کہ آدھا سے زیادہ سونا، یا چاندی ہو تو اس کو خالص سونے، چاندی کے حکم میں رکھیں گے، اور آدھا سے کم سونا یا چاندی ہو اور کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہوگا۔ باقی تفصیل ان شاء اللہ کتاب الصرف میں آئے گی۔۔ تنطبع: طبع سے مشتق ہے، ڈھلنا۔

ترجمه: ٢ مگر یہ کہ جس میں کھوٹ غالب ہو تو اس میں تجارت کی نیت ضروری ہے، جیسا کہ تمام سامان میں ہوتا ہے۔ مگر جبکہ اس میں اتنی چاندی نکلے کہ وہ نصاب تک پہنچ جائے، اس لئے کہ عین چاندی میں قیمت کا اعتبار نہیں ہے اور نہ تجارت کی نیت کی

ضرورت ہے۔

تشریح : جس سکے میں کھوٹ غالب ہےاورسامان کے حکم میں کر دیا گیا،تو سامان میں زکوۃ واجب ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ اس میں نیت ہوتب زکوۃ ہوگی،توان سکوں میں بھی تجارت کی نیت ہوتب زکوۃ واجب ہوگی۔یا دوسری شکل یہ ہے کہ یہ اندازہ لگایا جائے کہ سکوں سے چاندی الگ کی جائے گی تو اس کا وزن دوسودرہم ہو جائے گا،تو اس میں نہ تجارت کی نیت کی ضرورت ہے،اور نہ اس کی قیمت لگانے کی ضرورت ہے، کیونکہ عین چاندی میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے نہ اسکی قیمت لگانے کی ضرورت ہےاور نہ تجارت کی نیت کی ضرورت ہے

اصول : عین چاندی، یا سونا ہوتو اس میں تجارت کی نیت کئے بغیر بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے، کیونکہ شریعت نے اس کو پیدائشی نامی قرار دیا ہے ۔

﴿فصل فی الذهب﴾

(۸۰۰) لیس فیما دون عشرین مثقالا من ذهب صدقة فاذا کانت عشرین مثقالا ففیها نصف مثقال﴾ ل لما روینا ٢ والمثقال ما یکون کل سبعة منها وزن عشرة دراهم وهو المعروف (۸۰۱) ثم فی کل اربعة مثاقیل قیراطان﴾ ل لان الواجب ربع العشر وذلک فیما قلنا اذ کل مثقال عشرون قیراطا

﴿فصل زکوۃ الذہب﴾

ترجمہ: (۸۰۰) بیس مثقال سونے سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پس جب کہ بیس مثقال ہوتو اس میں آدھا مثقال زکوۃ ہے۔

ترجمہ: ل اس حدیث کی بنا پر جو میں نے روایت کی۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عاصم بن ضمزة والحارث الاعور عن علی عن النبی ﷺ ... ولیس علیک شیء یعنی فی الذهب حتی تکون لک عشرون دینار فاذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیها الحول ففیها نصف دینار فمازاد فبحساب ذلک. (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۳/ابن ماجۃ شریف، باب زکوۃ الورق والذہب، ص ۲۵۵، نمبر ۱۷۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیس مثقال سونا ہوتو اس میں سے آدھا مثقال واجب ہوگا جو چالیسواں حصہ ہوا۔

ترجمہ: ٢ اور مثقال وہ ہے کہ سات دینار کا وزن دس درہم کے برابر ہو، یہی مشہور ہے۔

تشریح: درہم وزن میں چھوٹا ہوتا ہے اور دینار وزن میں بڑا ہوتا ہے، ایک دینار ایک مثقال وزن کا ہوتا ہے، عبارت میں یہی کہنا چاہتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ سات دینار کا وزن اتنا ہو جتنا دس درہم کا ہوتا ہے۔دس درہم کا وزن سات مثقال ہوتا ہے تو سات دینار کا وزن بھی سات مثقال ہو، یعنی ایک دینار کا وزن ایک مثقال ہو۔یہی مشہور ہے۔تولے کے اعتبار سے ایک دینار۔0.375 تولہ ہوتا ہے، اور گرام کے اعتبار سے ایک دینار۔4.375 گرام ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۸۰۱) پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوۃ ہے۔

تشریح: اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیس مثقال کے بعد جب تک چار مثقال سونا نہ ہو جائے کچھ لازم نہیں ہوگا۔چار مثقال میں دو قیراط سونا لازم ہوگا۔اور صاحبین کے نزدیک بیس مثقال سونے سے جتنا بھی زیادہ ہوگا اس میں اسی حساب سے زکوۃ واجب ہوتی چلی جائے گی۔دونوں کے دلائل باب زکوۃ الفضۃ میں گزر چکے ہیں۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ زکوۃ وہ چالیسواں حصہ ہے۔یہی ہم نے بھی کہا کہ دو قیراط واجب ہوگا، اس لئے کہ ایک مثقال بیس ۲۰ قیراط کا ہوتا ہے۔

(۸۰۲) وليس فيما دون اربعة مثاقيل صدقة ﴾ ١ عند ابی حنيفة وعندهما تجب بحساب ذلک وهی مسألة الكسور. ٢ وكل دينار عشرة دراهم فی الشرع فيكون اربعة مثاقيل فی هٰذا كاربعين درهما

تشریح : عرب میں قیراط چلتا تھا اس اعتبار سے ایک مثقال، یا ایک دینار کا وزن بیس ۲۰ قیراط ہوتا ہے، تو چار مثقال کا وزن اسی ۸۰ قیراط ہوا، اور چالیسواں حصہ یعنی چالیس قیراط میں ایک قیراط زکوۃ واجب ہے، اس اعتبار سے اسی ۸۰ قیراط میں دو قیراط زکوۃ واجب ہوگی۔ یہی بات مصنف نے کہی ہے۔

ترجمہ: (۸۰۲) اور چار مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین کے نزدیک اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہے۔ اور یہ مسئلہ کسر کا ہے۔

تشریح : مسئلہ نمبر ۷۹۸ میں گزر چکا ہے کہ دو سو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے اس سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کے یہاں کچھ نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے یہاں دو سو درہم کے بعد ہر درہم میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے، یعنی کسر میں زکوۃ ہے۔ اسی طرح سونے کی زکوۃ میں بھی یہ اختلاف ہے۔ کہ بیس دینار، یا بیس ۲۰ مثقال سونے کے بعد ہر دینار میں صاحبینؒ کے یہاں چالیسواں حصہ زکوۃ واجب ہوگی، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جب تک چار دینار، یا چار مثقال سونا زیادہ نہ ہو جائے تب تک مزید کوئی زکوۃ نہیں ہو گی۔ جب چار مثقال ہو جائے تو اس میں دو قیراط زکوۃ ہوگی، یعنی چوبیس مثقال سونا ہو تو آدھا مثقال اور دو قیراط سونا زکوۃ واجب ہو گی۔ شریعت میں ایک دینار، ایک مثقال سونا کو دس درہم کے برابر قیمت مانتے ہیں اس حساب سے دو قیراط سونے کی قیمت ایک درہم ہوگی، اس لئے دو قیراط کے بدلے ایک درہم دے دے تب بھی صحیح ہے۔

وجہ: (۱) مسئلہ نمبر ۷۹۸ میں دونوں کے دلائل گزر چکے ہیں مزید اثر یہ ہے (۲) **قال عطاء : لا يكون فی مال صدقة حتى يبلغ عشرين دينار ا فاذا بلغت عشرين دينار ففيها دينار و فی كل أربعة دنانير يزيدها من المال درهم حتى تبلغ أربعين دينارا و فی كل أربعين دينار ا دينار و فی كل أربعة و عشرين دينار ا نصف دينار و درهم**. (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۷، ما قالوا فی الدنانیر ما یؤخذ منها فی الزکوۃ، ج ثانی، ص ۳۵۸، نمبر ۹۸۸۳) اس اثر میں ہے کہ ہر چار دینار میں ایک درہم ہے۔

ترجمہ: ٢ ایک دینار شریعت میں دس درہم ہے، اس لئے چار مثقال سونے میں چالیس درہم کی طرح ہونگے۔

تشریح: شریعت میں ایک دینار کی قیمت دس درہم مقرر ہے، اس اعتبار سے چار دینار کی قیمت چالیس درہم ہوئے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں دو سو درہم پر جب تک چالیس درہم کا اضافہ نہ ہو جائے مزید کوئی زکوۃ نہیں ہے، اسی حساب

(۸۰۳) قال وفی تبر الذهب والفضة وحليهما واوانيهما الزكوٰة ۞ ا وقال الشافعیؒ لاتجب فی حلی النساء وخاتم الفضة للرجال لانه مبتذل فی مباح فشابه ثياب البذلة

سے سونے کی زکوۃ میں بیس دینار پر جب تک چار مثقال کا اضافہ نہ ہو جائے مزید کوئی زکوۃ نہیں ہے۔ درہم والا ہی اصول یہاں بھی ہے۔

ترجمہ: (۸۰۳) سونے اور چاندی کے ڈلے، ان دونوں کے زیور اور ان دونوں کے برتن میں زکوۃ واجب ہے۔

تشریح: سونا اور چاندی کسی حال میں ہو، چاہے درہم اور دنانیر کی شکل میں ہو، ڈلے کی شکل میں ہو یا برتن اور زیور کی شکل میں ہو ہر حال میں حنفیہ کے نزدیک زکوۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل باب زکوۃ الفضۃ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ حدیث یہ ہے ۔ان امرأة اتت رسول الله و معها ابنة لها وفی يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال اتعطين زكوة هذا؟ قالت لا قال ايسرك ان يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار؟ قال فخلعتهما والقتهما الى النبی ﷺ وقالت هما لله ورسوله ۔(ابوداؤد شریف، باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۳ رترمذی شریف، باب ماجاء فی زکاۃ الحلی ، ص ۱۶۴، نمبر ۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیور کی بھی زکوۃ لازم ہے۔ آیت سے بھی سونے اور چاندی میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔(۲) و الذين يكنزون الذهب و الفضة و لا ينفقونها فی سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم ۔(آیت ۳۴، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں سونا اور چاندی عام ہے چاہے کسی حال میں ہو جس کے نہ خرچ کرنے پر وعید سنائی گئی ہے، اس لئے سبھی قسم کے سونا چاندی پر زکوۃ ہوگی۔(۳) اس حدیث میں بھی ہے۔ دخلنا على عائشةؓ زوج النبی ﷺ فقالت : دخل علی رسول الله ﷺ فرأى فی يدی فتخات من ورق فقال : ما هذا يا عائشة ؟ ، فقلت : صنعتهن أتزين لک يا رسول الله ! قال : أتؤدين زكاتهن ؟ قلت لا أو ما شاء الله، قال هو حسبک من النار . (ابوداؤد شریف، باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۳) اس حدیث میں بھی ہے کہ زیور کی زکوۃ نہ دینے سے عذاب ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ زیور میں بھی زکوۃ واجب ہے۔

ترجمہ: ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورتوں کے زیور میں اور مرد کے چاندی کی انگوٹھی میں زکوۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ یہ روزمرہ کے استعمال کی چیز ہے اور مباح ہے تو روزمرہ استعمال کے کپڑے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: امام شافعیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ عورتوں کا زیور اور مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننا حلال اور مباح ہے اس لئے یہ استعمال کی اور ضرورت کی چیز ہوگئی، اور پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ ضرورت کی چیز میں زکوۃ نہیں ہے اس لئے ان زیوروں میں بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی ، یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے روزانہ استعمال کے کپڑے، کہ اس میں زکوۃ نہیں ہے تو اس میں بھی زکوۃ نہیں ہونی

۲ ولنا ان السبب مالٌ نام ودليل النماء موجود وهو الاعداد للتجارة خلقة والدليل هو المعتبر بخلاف الثياب.

چاہئے۔موسوعہ میں ہے۔ قال الشافعی : و ان كان حليا يلبس أو يدخر أو يعار أو يكرى فلا زكاة فيه . (موسوعة امام شافعی، باب زکاۃ الحلی، ج رابع، ص ۱۵۰، نمبر ۴۱۶۹) اس عبارت میں ہے کہ عورتوں کے زیورات میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجه : (۱) ضرورت کی چیز میں زکوۃ نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ سمع ابا هرير ةعن النبی ﷺ قال خير الصدقة ماكان عن ظهر غنى وابدأ بمن تعول (بخاری شریف، باب لاصدقة الاعن ظہر غنی ص ۱۹۲ نمبر ۱۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ ہونے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن علی قال زهيرا حسبه عن النبی ﷺ ... وفی البقر فی كل ثلاثين تبيع والاربعين مسنّة وليس على العوامل شیء (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲) اس حدیث میں ہے کہ کام کے جانور میں زکوۃ نہیں ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے کام کے زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔ (۳) زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ اثر ہے. عن عبد الله بن عمرؓ انه قال: ليس فی الحلی زكاة . (سنن للبیہقی باب من قال لا زکوۃ فی الحلی ج رابع ص ۲۳۳، نمبر ۷۵۳۷ مصنف ابن ابی شیبة، باب ۴۷، من قال: لیس فی الحلی زکاۃ، ج ثانی، ص ۳۸۳، نمبر ۱۰۱۷۳) اس اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ زیور میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

لغت : بذل: کا معنی ہے خرچ کرنا، یہاں مراد ہے ہر روز استعمال کی چیز، ثیاب البذلۃ: ہر روز استعمال کا کپڑا۔ حلی: زیور۔

ترجمه: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ کا سبب بڑھنے والا مال ہے اور زیور میں بڑھنے کی دلیل موجود ہے وہ پیدائشی طور پر تجارت کے لئے مہیا ہونا، اور دلیل ہی کا اعتبار ہے۔ بخلاف کپڑے کے، [کہ وہ پیدائشی طور پر تجارت کے لئے مہیا نہیں ہے۔]

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ جو چیز تجارت کے لئے ہو اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اور سونے چاندی کی جتنی چیزیں ہیں وہ پیدائشی طور پر تجارت کے لئے تیار ہیں چاہے تجارت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، اس لئے اس میں زکوۃ واجب ہو جائے گی، اس کے بر خلاف روزانہ پہننے کے کپڑے پیدائشی طور پر تجارت کے لئے تیار نہیں ہیں اور نہ اس میں تجارت کی نیت ہے کیونکہ وہ تو روزانہ پہننے کے لئے ہیں، اور جب دونوں نہیں ہوئے تو اس میں زکوۃ بھی واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کپڑے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

﴿ جدید اور قدیم اوزان کی تفصیل ﴾

پرانے زمانے میں عرب میں سونا اور چاندی ناپنے کے لئے مثقال، استار اور قیراط رائج تھے۔ اور غلوں کو ناپنے کے لئے برتن رائج تھا جس میں ڈال کر لوگ غلہ ناپتے تھے۔ اس کو رطل، مد، صاع اور وسق کہتے تھے۔ آج کل کی طرح غلوں کو وزن کر کے نہیں ناپتے

تھے۔اس لئے جب سے ان غلوں کو کیلوگرام سے وزن کرنے لگے ہیں رطل، مد، صاع اور وسق کو کیلو سے موازنہ کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔تاہم علماء کے اقوال کی روشنی میں عرب کے پرانے اوزان کو ہندوستانی نئے اوزان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ عوام کو سہولت ہو۔

(درہم کا وزن)

ہندوستان میں سونا اور چاندی کے وزن کے لئے رتی، ماشہ اور تولہ چلتے تھے اس لئے ان کا حساب اس طرح ہے۔

8 رتی = ایک ماشہ ہوتا ہے اور 12 ماشہ کا = ایک تولہ ہوتا ہے، یعنی 96 رتی کا ایک تولہ ہوتا ہے۔

ایک درہم کا وزن ایک مثقال سے تھوڑا کم ہے۔دس درہم ملائیں تو سات مثقال ہوتا ہے۔اس کو وزن سبعہ کہتے ہیں۔کلکیو لیٹر میں اس طرح لکھتے ہیں (0.70 مثقال) چونکہ 200 درہم میں زکوۃ لازم ہے اس لئے 200 کو 0.70 سے ضرب دیں تو 140 مثقال ہوتے ہیں۔یعنی 140 مثقال چاندی ہو تو زکوۃ لازم ہوگی۔

ایک درہم کا وزن 25.20 رتی ہوتا ہے، یا 3.15 ماشہ، یا 0.26 تولہ، یا 3.061 گرام ہوتا ہے۔

200 درہم جو نصاب زکوۃ ہے اس کا وزن 5040 رتی ہوتا ہے، یا 630 ماشہ، یا 52.50 تولہ، یا 612.36 گرام ہوتا ہے۔

قیراط کے اعتبار سے ایک درہم کا وزن 14 قیراط ہوتا ہے۔ اور 200 درہم کا وزن 2800 قیراط ہوگا۔

(دینار کا وزن)

ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا ہے اس لئے ایک دینار 36 رتی کا ہوگا، یا 4.50 ماشہ، یا 0.375 تولہ، یا 4.374 گرام وزن کا ہوگا۔

20 مثقال یعنی 20 دینار سونے میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اس کا وزن 720 رتی، یا 90 ماشہ، یا 7.50 تولہ، یا 87.48 گرام ہوگا۔

قیراط کے اعتبار سے ایک دینار کا وزن 20 قیراط ہوتا ہے۔اور 20 دینار کا وزن 400 قیراط ہوتا ہے۔

نوٹ: 1000 گرام کا ایک کیلوگرام ہوتا ہے۔

﴿ نصاب اور اوزان ایک نظر میں ﴾

فارمولہ — فارمولہ

کتنے	برابر	کتنے		کتنے	برابر	کتنے
8 رتی	=	ایک ماشہ		1769 گرام	=	ایک صاع
12 ماشہ	=	ایک تولہ		1000 گرام	=	ایک کیلو
11.664 گرام	=	ایک تولہ		3.061 گرام	=	ایک درہم
0.218 گرام	=	ایک قیراط		612.36 گرام	=	نصاب چاندی
4.374 گرام	=	ایک مثقال		4.374 گرام	=	ایک دینار
442.25 گرام	=	ایک رطل		87.48 گرام	=	نصاب سونا
3538 گرام	=	ایک صاع				

(چاندی کا نصاب)

درہم	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 درہم	0.7	14	0.262	3.061	-------
200 درہم	140	2800	52.50	612.36	15.309 گرام

(سونے کا نصاب)

دینار	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 دینار	1 مثقال	20	0.375	4.375	-------
20 دینار	20 مثقال	400	7.50	87.48	2.189 گرام

(رتی اور ماشہ کا حساب)

کتنی زکوۃ ہوگی	گرام	تولہ	ماشہ	رتی	درہم
	3.061	0.262	3.15	25.20	1 درہم
1.312 تولہ	612.36	52.50	630	5040	200 درہم
	4.374	0.375	4.50	36	1 دینار
0.187 تولہ	87.48	7.50	90	720	20 دینار

نوٹ: کسی نصاب کو بھی چالیس سے تقسیم کریں تو کتنا گرام یا کتنا تولہ زکوۃ لازم ہوگی وہ نکل آئے گا۔

نوٹ: یہ حساب احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶، باب صدقۃ الفطر سے لیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں کیلو اور گرام کا رواج ہے اس لئے تمام حسابات کو اسی پر سیٹ کیا ہوں۔

﴿فصل فی العروض﴾

(٨٠٤) الزکوٰۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتھا نصابا من الورق او الذھب﴾ لـ لقولہ علیہ السلام فیھا یقوّمھا فیؤدّی من کل مائتی درھم خمسۃ دراھم

﴿ باب زکوۃ العروض ﴾

ضروری نوٹ : دنیا کے سامان کو آٹھ ۸ طریقے پر تقسیم کر سکتے ہیں [۱] سونا اور چاندی کا سکہ، یہ تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور اس پر سال گزر جائے اور نصاب پورا ہوتا ہو تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے [۲] سونا چاندی کے بنے ہوئے برتن یا زیور۔ اس کا حکم بھی سونے چاندی کا حکم ہے۔ [۳] جانور جو چرنے والے ہوں، اس کا حکم اوپر گزر چکا ہے کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے وغیرہ۔ [۴] وہ جانور جو گھر پر کھا کر زندگی گزارتے ہوں۔ ان میں زکوۃ نہیں ہے۔ [۵] وہ جانور جو کام کے ہوں۔ ان میں بھی زکوۃ نہیں ہے [۶] زمین سے پیدا ہونے والے غلے، اور پھل ۔ اس میں عشر ہے، ان میں سال گزرنا ضروری نہیں، اور حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا بھی ضروری نہیں۔ اس کی بحث آگے آرہی ہے۔ [۷] خراج، ٹیکس، جو غیر مسلم کی زمین پر لازم کی جاتی ہے۔ اس کی بحث بھی آگے آئے گی۔ [۸] سامان جسکو عروض کہتے ہیں، جیسے کپڑا، برتن وغیرہ، اسکی بحث چل رہی ہے، اس میں یہ شرط ہے کہ تجارت کے لئے ہو اور سال گزر گیا ہو تو اس کی قیمت لگا کر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔

ترجمہ: (٨٠٤) زکوۃ واجب ہے تجارت کے سامان میں جو سامان بھی ہو، جب کہ پہنچ جائے چاندی یا سونے کے نصاب کو۔

تشریح : تجارت کا کوئی بھی سامان ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی، چاہے سونے سے اس کی قیمت لگائے یا چاندی سے اس کی قیمت لگائے۔ اگر یہ قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ: حدیث میں ہے (۱) **عن سمرۃ بن جندب قال اما بعد ! فان رسول اللہ ﷺ کان یأمرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعد للبیع** (ابوداؤد شریف، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ھل فیھا زکوۃ؟ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۲) (۲) **عن سمرۃ بن جندب .... فان رسول اللہ ﷺ کان یأمرنا برقیق الرجل أو المرأۃ الذین ھم تلاد لہ، و ھم عملۃ لا یرید بیعہ فکان یأمرنا أن لا نخرج عنھم من الصدقۃ شیئا، و کان یأمرنا ان نخرج من الرقیق الذی یعد للبیع**. (دار قطنی ۸، باب زکوۃ مال التجارۃ وسقوطھا عن الخیل والرقیق ج ثانی ص ۱۱۱ نمبر ۲۰۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے لیکن جو سامان تجارت کے لئے نہ ہو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: لـ سامان کے بارے میں حضور علیہ السلام کا قول کہ سامان کی قیمت لگاؤ پھر ہر دوسو درہم میں پانچ درہم ادا کرو۔

تشریح : اس الفاظ کے ساتھ تو حدیث نہیں ملی لیکن اس کا مفہوم اوپر گزر گیا ہے کہ سامان تجارت کے لئے ہوگا تو اس کی قیمت

۲؎ ولانها معدة للاستنماء باعداد العبد فاشبه المُعَدّ باعداد الشرع ۳؎ ويشترط نية التجارة ليثبت الاعدادِ ثم (۸۰۵)قال يقومها بما هو انفع للمساكين ﴾ ۱؎ احتياطا لحق الفقراء قال وهٰذا رواية عن ابی حنيفةؒ

میں زکوۃ ہوگی،اور یہ اثر بھی ہے. عن ابن عمرؓ قال : ليس في العروض زكاة الا ما كان للتجارة .(سنن بیہقی،باب زکاۃ التجارۃ،ج رابع،ص ۲۴۹،نمبر ۷۶۰۵) اس اثر میں ہے کہ سامان تجارت کے لئے ہوتب اس میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں۔

ترجمه: ۲؎ اس لئے کہ بندے کے تیار کرنے سے بڑھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے،تو ایسا ہو گیا کہ شریعت نے اس کو بڑھنے کے لئے تیار کیا۔

تشریح: شریعت نے پیدائشی طور پر سونا اور چاندی کو بڑھنے اور نمو کے لئے بنایا ہے،کہ اس میں تجارت کرنے کی نیت نہ بھی کرے تب بھی وہ بڑھتا رہتا ہے۔لیکن سامان ایسی چیز ہے کہ انسان تجارت کی نیت کر کے بڑھانے کی نیت کرے تو وہ بڑھنے والا ہو جاتا ہے۔اور ایسے ہی بڑھنے والا ہوتا ہے جیسے شریعت نے سونے،چاندی کو بڑھنے والا قرار دیا ہے۔اور جب سامان بڑھنے والا ہو گیا تو اسکی قیمت میں زکوۃ ہوگی

ترجمه: ۳؎ پھر تجارت کی نیت کرنا شرط ہے،تا کہ نامی ہونا ثابت ہو جائے۔

تشریح: جس وقت سامان خرید رہا ہو اس وقت یہ نیت ہو کہ اس کو تجارت کرنے کے لئے خرید رہا ہوں تب وہ چیز تجارت کی بنے گی۔ اور اگر خریدتے وقت تجارت کی نیت نہیں تھی،بعد میں تجارت کرنے کی نیت کی تو صرف نیت کرنے سے تجارت کی چیز نہیں بن جائے گی،بلکہ تجارت کی نیت کے ساتھ اس کو بیچے گا تب وہ تجارت کا سامان بنے گا۔اس وقت سے تجارت پر ایک سال گزرنا ضروری ہوگا۔

لغت: :اعداد: کا معنی ہے تیار ہونا،مہیا ہونا۔اسی سے ہے معدۃ: تیار کیا ہوا،مہیا کیا ہوا۔استنماء:ماخذ نموٌ ہے،بڑھنے کے لئے۔

ترجمه: (۸۰۵)سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اس چیز سے جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔

ترجمه: ۱؎ یہ قول فقراء کے حق کی وجہ سے احتیاط پر مبنی ہے۔اور یہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے۔

تشریح: سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی تو اس بارے میں چار اقوال ہیں کہ کس طرح قیمت لگائی جائے۔[۱] امام ابو حنیفہؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ جس قیمت لگانے میں فقراء کا فائدہ ہو وہ قیمت لگائی جائے،مثلا سامان کی قیمت درہم سے لگائی جائے تو دوسو درہم پورا ہوتا ہے اور سونے سے قیمت لگائی جائے تو بیس ۲۰ مثقال نہیں ہوتا تو درہم ہی سے قیمت لگائی جائے تا کہ غریب کا فائدہ ہو جائے۔اور اگر سونے سے قیمت لگانے میں نصاب پورا ہوتا ہو اور چاندی سے قیمت لگانے میں نصاب پورا نہیں ہوتا ہو تو

۲ وفی الاصل خيّره لان الثمنين فی تقدير قيم الاشياء بهما سواء ۳ وتفسير الانفع ان يقوّمها بما يبلغ نصابا ۴ وعن ابی يوسف انه يقومها بما اشتری ان كان الثمن من النقود لانه ابلغ فی معرفة المالية وان اشتراها بغير النقود قومها بالنقد الغالب

سونے سے قیمت لگائی جائے ،اس میں غرباء کا فائدہ ہے۔اس لئے یہ قول احتیاط پر مبنی ہے اور فقراء کے فائدے کے لئے ہے۔

ترجمہ: ۲ اور اصل مبسوط میں قیمت لگانے میں اختیار دی ہے اس لئے کہ چیزوں کی قیمت لگانے میں دو ثمن برابر ہیں۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کا دوسرا قول ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک سے قیمت لگانے کا اختیار۔امام محمدؒ کی کتاب الاصل ،جسکو مبسوط کہتے ہیں اس میں ہے کہ درہم اور دینار دونوں میں سے جس سے بھی سامان کی قیمت لگائے دونوں جائز ہے،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ثمن ہیں اور شریعت میں دونوں سے قیمت لگائی جا سکتی ہے۔مبسوط کی عبارت یہ ہے. **قلت : أرأيت الرجل التاجر يكون فی يديه الرقيق قد اشتراه بدنانير أو بدراهم و فی يديه المتاع قد اشتراه بغير ما اشتری به الرقيق كيف يزكيه عند رأس الحول ؟ أيقوم ذالک كله دراهم أو دنانير ثم يزكيه ؟ قال : أی ذالک ما فعل أجزی عنه** ۔(کتاب الاصل، باب زکاۃ المال، ج ثانی،ص ۵۷،مطبوعہ عالم الکتاب، بیروت)عبارت کے آخیر کے میں ہے ,**أی ذالک ما فعل أجزی عنه**، کہ دونوں میں سے کسی سے بھی قیمت لگائے درست ہے۔

ترجمہ: ۳ اور انفع کی تفسیر یہ ہے کہ سامان کی قیمت اس ثمن سے لگائے کہ نصاب زکوۃ تک پہنچ جائے۔

ترجمہ: ۴ [۳] یہ تیسرا قول ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ جس ثمن سے سامان خریدا ہے اسی سے قیمت لگائے، اگر ثمن نقد میں سے ہوتو،اس لئے کہ مالیت کے پہچاننے میں یہ زیادہ آسان ہے۔اور اگر سامان کو نقد کے علاوہ سے خریدا ہے،تو جو نقد شہر میں زیادہ چلتا ہو اس سے اسکی قیمت لگائی جائے گی۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مثلا سامان کو درہم سے خریدا ہے تو اسی سے اسکی قیمت لگائے جائے،اور دینار سے خریدا ہے تو دینار سے اسکی قیمت لگائی جائے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ درہم یا دینار سے قیمت لگ چکی ہے اس لئے اس سے سامان کی قیمت پہچاننا آسان ہوگا،دوسرے نقد سے قیمت پہچاننا اتنا آسان نہیں ہوگا۔لیکن یہ اس صورت میں ہوگا کہ سامان کو درہم یا دینار جیسے نقدی چیز سے خریدا ہو،لیکن اگر اس سامان کو کپڑا وغیرہ غیر نقدی سے پہلے خریدا ہوتو جس نقد کا اس ملک میں زیادہ رواج ہو اس سے اس کی قیمت لگائی جائے گی۔

لغت : ثمن: کا معنی ہے قیمت، درہم، دینار۔نقد: درہم، دینار۔نقد غالب: شہر میں جس سکے کا رواج زیادہ ہو اس کو نقد غالب کہتے ہیں۔ابلغ: زیادہ مبالغہ، یہاں مراد ہے زیادہ آسان۔

۵ وعن محمدؒ انه يقومها بالنقد الغالب على كل حال كما فی المغصوب والمستهلک

(۸۰۶) واذا كان النصاب كاملا فی طرفی الحول فنقصانه فيما بين ذٰلک لا يُسقِط الزكوٰة

۱ لانه يشق اعتبار الكمال فی اثنائه اما لا بد منه فی ابتدائه للانعقاد وتحقق الغناء وفی انتهائه للوجوب ولا كذلک فيما بين ذٰلک لانه حالة البقاء

ترجمه: ۵ اور امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ ہر حال میں نقد غالب سے سامان کی قیمت لگائی جائے گی۔ جیسا کہ غصب کیا ہوا اور ھلاک کیا ہوا مال میں ہوتا ہے۔

تشریح: [۴] یہ چوتھا قول ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں سامان کی قیمت اس نقد سے لگائی جائے گی جسکا رواج شہر میں زیادہ ہو۔ پھر اس کی دو مثالیں دیتے ہیں ایک یہ کہ اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز غصب کر لی، اور چیز ہلاک ہوگئی اور وہ چیز ایسی تھی جسکی قیمت واجب ہوتی تھی، جسکو ذوات القیم، کہتے ہیں تو اس کی قیمت اس نقد سے لگائی جاتی ہے جس کا رواج زیادہ ہو۔ اسی طرح کسی نے کسی کی چیز امانت کے طور پر لی اور اس کو ہلاک کر دیا تو اس کی قیمت اس نقد سے لگے گی جس کا رواج شہر میں زیادہ ہو، جس کو نقد غالب کہتے ہیں۔ بندے کے یہاں بھی یہی ہے اور شریعت بھی اس کو قبول کرتی ہے۔ اسی طرح زکوۃ میں بھی نقد غالب سے ہی سامان کی قیمت لگائی جائے گی۔

وجه: کسی چیز کی قیمت لگا کر زکوۃ دینے کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۴۸/ابو داؤد شریف، باب زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۷/۱۵۷۲)۔

ترجمه: (۸۰۶) اگر نصاب سال کے دونوں کناروں میں کامل ہو تو سال کے درمیان نقصان ہونا زکوۃ ساقط نہیں کرتا۔

تشریح: مثلا رمضان میں کسی مال کا مکمل نصاب ہے اور محرم میں نصاب سے کم ہو گیا پھر رمضان میں نصاب مکمل ہو گیا تو زکوۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر درمیان سال میں نصاب کا مکمل ہی مال ختم ہو گیا تو چونکہ بالکل جڑ سے مال نہیں رہا اس لئے اب جب سے نصاب ہوگا اس وقت سے زکوۃ کا مہینہ شروع ہوگا۔

وجه: شروع میں نصاب ہونا زکوۃ کے انعقاد کے لئے ہے اور اخیر میں نصاب ہونا زکوۃ واجب ہونے کے لئے ہے، اور درمیان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

ترجمه: ۱ کیونکہ درمیان سال میں پورے نصاب کے اعتبار کرنے میں مشقت ہے، ہاں شروع سال میں نصاب کا پورا ہونا ضروری ہے زکوۃ منعقد ہونے کے لئے اور مالداری کے تحقق کے لئے، اور آخیر سال میں زکوۃ واجب ہونے کے لئے، اور درمیان سال میں اس کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ بقاء کی حالت ہے۔

۲ بخلاف مالوهلک الکل حیث یبطل حکم الحول ولا تجب الزکوٰة لانعدام النصاب فی الجملة ولا کذٰلک فی المسألة الاولی لان بعض النصاب باق فبقی الانعقاد (۸۰۷) قال وتضم قیمة العروض الی الذهب والفضة حتی یتم النصاب ؎ ا لان الوجوب فی الکل باعتبار التجارة وان افترقت جهة الاعداد

تشریح: سال کے ہر ہر مہینے میں نصاب مکمل رہے اس کی شرط لگانے میں مشقت ہے، اس لئے کہ مال گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ البتہ شروع میں اس لئے یہ شرط لگائی کہ پورا نصاب ہو تو زکوۃ منعقد ہونے کا سبب ہوگا اور آدمی مالدار اور غنی شمار ہوگا، اور آخیر سال میں اس لئے پورا نصاب ہونا ضروری ہے کہ اس وقت زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اس لئے آخیر میں نصاب پورا ہو تب ہی زکوۃ واجب ہوگی۔ اور درمیان سال بقاء کی حالت ہے، نہ اس میں زکوۃ واجب ہونے کے سبب کی ضرورت ہے اور نہ اس میں زکوۃ کی ادا کی ضرورت ہے، اس لئے اس میں نصاب کا پورا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ بخلاف اگر پورا ہی مال ہلاک ہو جائے تو سال گزرنے کا حکم باطل ہو جائے گا، اور زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ نصاب بالکلیہ معدوم ہو گیا، اور پہلی صورت میں یہ بات نہیں ہے اس لئے کہ بعض نصاب باقی ہے تو زکوۃ کا واجب بھی باقی رہے گا۔

تشریح: اگر درمیان سال میں پورا مال ہی ہلاک ہو جائے تو اب زکوۃ واجب نہیں رہے گی، دوبارہ جب سے نصاب پورا ہوگا اس وقت سے زکوۃ کا سال شروع ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاب پر سال گزرنا ضروری ہے، اور نصاب کا ایک درہم ہی نہیں رہا تو سال کس پر گزرے گا! اس لئے سال گزرنے کا حکم باطل ہو جائے گا کیونکہ نصاب کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ البتہ پہلے مسئلے میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ نصاب کا کچھ حصہ باقی ہے اس لئے سال اس پر ہی گزرتا رہے گا اور زکوۃ کا انعقاد باقی رہے گا۔۔ فی الجملة: کا ترجمہ ہے مکمل۔

ترجمہ: (۸۰۷) سامان تجارت کی قیمت سونے کی طرف اور چاندی کی طرف ملائی جائے گی۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ تمام میں وجوب تجارت کے اعتبار سے ہے، اگرچہ بڑھوتری کے لئے مہیا ہونے کی جہت الگ الگ ہے۔

تشریح: تجارت کا جو سامان ہے اس کی قیمت سے نصاب پورا نہیں ہوتا ہو اور اس کے پاس سونا، یا چاندی ہو تو سامان کی قیمت کو چاندی کے ساتھ یا سونے کے ساتھ ملائے، اگر اس سے نصاب پورا ہو جاتا ہو تو زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ نمو اور بڑھوتری دونوں میں ہے جو زکوۃ کا سبب ہے، البتہ بڑھوتری کی جہت الگ الگ ہے، سامان میں بڑھوتری تجارت کی وجہ سے ہے جو بندوں نے شروع کی ہے، اور سونا اور چاندی میں بڑھوتری اور نمو اللہ کی جانب سے پیدائشی

(۸۰۸) ویضم الذهب الی الفضۃ ﴿ ١ للمجانسة من حيث الثمنية و من هذا جالوجه صار سببا .

ہے، تاہم نمو دونوں میں ہے اور یہی زکوۃ کا سبب ہے اس لئے دونوں کو ملا کر نصاب پورا کر دیا جائے تاکہ فقراء کا فائدہ ہو (۲) اس اثر میں ہے قلت لمكحول : يا ابا عبد الله ان لی سيفا فيه خمسون و مائة درهم فهل علی فيه زكاة ؟ قال اضف اليه ما كان لک من ذهب و فضة فاذا بلغ مائتی درهم ذهب و فضة فعليک فيه الزكاة . (مصنف ابن ابی شيبة ، باب ۸، فی الرجل تكون عنده مائة درهم وعشرة دنانير، ج ثانی ،ص ۳۵۸، نمبر ۹۸۸۵) اس اثر میں ہے کہ تلوار میں جو سونا یا چاندی ہے اس کو نقد سونا چاندی کے ساتھ ملاؤ اگر اس ملانے سے دو سو درہم کی مقدار ہو جائے تو زکوۃ واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سامان کی قیمت سونے یا چاندی کے ساتھ ملائی جائے اور نصاب پورا ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

ترجمہ: (۸۰۸) سونا کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے۔

ترجمہ: ١ کیونکہ ثمن ہونے میں دونوں ہم جنس ہیں اور ثمن ہونے کی وجہ سے زکوۃ کا سبب ہوا۔

تشریح : کسی کے پاس صرف سونا بیس مثقال نہیں ہے کہ نصاب پورا ہو سکے، یا صرف چاندی دو سو درہم نہیں ہے کہ نصاب پورا ہو سکے تو چاندی کو سونے کے ساتھ ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا اور زکوۃ وجب ہوگی۔

وجہ : (۱) اسکی دلیل عقلی یہ ہے کہ دونوں ہی ثمن ہیں، اس لئے دونوں ثمن ہونے کے اعتبار سے ایک جنس کے ہو گئے اس لئے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا اور زکوۃ واجب کی جائے گی۔ (۲) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن انه كان يقول : اذا كانت له ثلاثون دينارا و مائة درهم كان عليه فيها الصدقة ، و كان يرى الدرهم و الدنانير عينا كله ۔ (مصنف ابن ابی شيبة ، باب ۸، فی الرجل تكون عنده مائة درهم وعشرة دنانير، ج ثانی ،ص ۳۵۸، نمبر ۹۸۸۶) اس اثر میں ہے کہ درہم اور دینار دونوں ایک ہی قسم کا نقد شمار کیا گیا ہے۔ اس لئے نصاب پورا کرنے کے لئے دونوں کو ملایا جائے گا۔ (۳) اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ قال سألت ابراهيم عن رجل له مائة درهم و عشرة دنانير قال يزكی من المائة بدرهمين و من الدنانير بربع دينار و قال : سألت الشعبی فقال : يحمل الاكثر على الاقل أو قال على الاكثر فاذا بلغت فيه الزكاة زكی ۔ (مصنف ابن ابی شيبة ، باب ۸، فی الرجل تكون عنده مائة درهم وعشرة دنانير، ج ثانی ،ص ۳۵۸، نمبر ۹۸۸۴) اس اثر میں ہے کہ سونے کو چاندی کی طرف ملایا جائے ، یا چاندی کو سونے کی طرف ملایا جائے ، اور دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوۃ واجب ہوگی۔

لغت: ثمن: اس کو کہتے ہیں جس سے چیزوں کی قیمت لگائی جائے ، اور درہم اور دینار سے چیزوں کی قیمت لگائی جاتی ہے اس لئے ثمن ہونے میں دونوں ایک جنس ہیں ، اور ثمن ہونا یہ زکوۃ کا سبب ہے، اس لئے دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جائے گا۔ جنس: کا ترجمہ ہے، ایک نسل کا ہو، یا دو چیزیں ایک طرح کی ہو تو کہتے ہیں کہ یہ ایک جنس کی چیز ہے۔ اسی سے مجانست ہے، ایک طرح کا ہونا

۲ ثم تضم بالقيمة عند ابی حنيفةؒ وعندهما بالاجزاء وهو رواية عنه حتی ان من كان له مائة درهم وخمسة مثاقيل ذهب وتبلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزكوٰة عنده خلافا لهما ۳ هما يقولان المعتبر فيهما القدر دون القيمة حتی لا تجب الزكوٰة فی مصنوع وزنُه اقل من مائتين وقيمته فوقها ۴ هو يقول ان الضم للمجانسة وهو يتحقق باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها والله اعلم.

ترجمه: ۲ پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے ذریعہ ملایا جائے گا اور صاحبینؒ کے نزدیک اجزاء کے ذریعہ، اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی ہے، یہاں تک کہ کسی کے پاس ایک سو درہم ہو اور پانچ مثقال سونا ہو جسکی قیمت ایک سو درہم پہونچ جاتی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر زکوۃ ہوگی خلاف صاحبینؒ کے [کہ انکے یہاں اس پر زکوۃ نہیں ہوگی]۔

تشریح: سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے کے دو طریقے ہیں تا کہ نصاب مکمل ہو جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ سونے کی قیمت لگا کر چاندی کے ساتھ ملایا جائے، یا چاندی کی قیمت لگا کر۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وزن کے اعتبار سے ملایا جائے۔ مثلا ایک آدمی کے پاس ایک سو درہم ہے اور پانچ مثقال سونا ہے تو درہم کا نصاب آدھا ہے لیکن سونے کا نصاب آدھا یعنی دس مثقال سے پانچ مثقال کم ہے لیکن پانچ مثقال کی قیمت ایک سو درہم دے رہا ہے تو قیمت کے اعتبار سے ایک سو درہم اور پانچ مثقال سونے کی قیمت ایک سو درہم دونوں ملا کر دو سو درہم ہو جاتے ہیں اور نصاب پورا ہو جاتا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور زکوۃ واجب ہوگی۔ چاہے وزن کے اعتبار سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو۔ اور صاحبینؒ کا مسلک یہ ہے کہ وزن کے اعتبار سے دونوں کا ملا کر نصاب پورا ہوتا ہو تو زکوۃ واجب ہوگی، چاہے قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا ہوتا ہو یا نہیں۔ مثلا ایک سو ۱۰۰ درہم کے وزن کا ایک برتن ہے، اور دس ۱۰ مثقال وزن کا ایک سونے کا زیور ہے تو وزن کے اعتبار سے دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اب اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔۔ اجزاء: کا معنی وزن۔ جز۔

ترجمه: ۳ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ درہم اور دینار میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا اعتبار نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بنا ہوا برتن جسکا وزن دو سو درہم سے کم ہو، اور اسکی قیمت دو سو درہم سے زیادہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ درہم اور دینار میں قیمت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے وزن کا اعتبار ہے ,قدر کا معنی ہے وزن، ۔ یہی وجہ ہے کہ مثلا چاندی کا ایک خوشنما برتن ہے جسکا وزن دو سو درہم سے کم ہے لیکن خوشنما ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت دو سو درہم سے زیادہ ہے پھر بھی کسی کے یہاں اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ وزن کے اعتبار سے نصاب پورا نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا اعبار نہیں ہے۔۔ مصنوع: صنع سے مشتق ہے، بنا ہوا برتن، یا کوئی چیز۔

ترجمه: ۴ امام ابوحنیفہؒ: فرماتے ہیں کہ ملانا مجانست کی وجہ سے ہے اور وہ قیمت کے اعتبار سے متحقق ہوتا ہے، وزن کے

اعتبار سے متحقق نہیں ہوتا،اس لئے قیمت کے ساتھ ہی ملایا جائے گا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونا اور چاندی الگ الگ چیزیں ہیں،البتہ دونوں ہی قیمت بنتے ہیں اس میں مجانست ہے،اس لئے قیمت ہی کے ذریعہ ایک دوسرے کو ملایا جا سکتا ہے،اس لئے سونا یا چاندی کی قیمت لگا کر ملایا جائے گا اور نصاب پورا کیا جائے گا،وزن کے ذریعہ نہیں ملایا جا سکے گا۔

﴿ باب فی من یمرّ علی العاشر ﴾

(۸۰۹)اذا مرّ علی العاشر بمال فقال اصبته منذ اشهر او علیَّ دین وحلف صُدّق﴾

﴿باب فی من یمر علی العاشر﴾

ضروری نوٹ: حضرت امام محمدؒ کی کتاب الاصل میں یہ باب زکوۃ الاموال کے بعد ہی ہے، اس لئے صاحب ھدایہ نے انکی اتباع میں یہ باب یہاں لایا۔(کتاب الاصل، باب العاشر، ج ثانی، ص ۸۹)۔

عاشر کیا ہے:۔ عاشر عشر سے مشتق ہے، یہ حربی سے دسواں حصہ وصول کرتا ہے اس لئے اس کو عاشر کہتے ہیں، اور عاشر جو کچھ لیتا ہے اس باب میں سب کو عشر کا نام دیا ہے، حالانکہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ زکوۃ لیتے ہیں ، ذمی سے بیسواں حصہ ٹیکس لیتے ہیں، اور حربی سے دسواں حصہ ٹیکس لیتے ہیں، لیکن سب کو ہی عشر کہا گیا ہے۔۔ زکوۃ وصول کرنے والے کو مصدق، مزکی، ساعی، اور عاشر کہتے ہیں، البتہ عاشر میں خصوصیت یہ ہے کہ شہر میں داخل ہونے کا جو راستہ ہوتا اس کے سرے پر ایک آدمی کھڑا کرتے ہیں جو تاجر بھی تجارت کا مال لیکر وہاں سے شہر میں داخل ہو اس سے مال تجارت کی زکوۃ وصول کرتا ہے، اس کو عاشر کہتے ہیں، یہ تاجروں کے مال کی حفاظت بھی کرتے ہیں تاکہ چور اس کو چرا نہ لے۔ اور اسی لئے اس کو زکوۃ وصول کرنے کا حق ہے۔ زکوۃ وصول کرنے کا حق اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ **خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها و صل عليهم** . (آیت ۱۰۳، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں حضورؐ کو زکوۃ وصول کرنے کا حکم دیا، جس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کو زکوۃ لینے کا حق ہے۔(۲) اس حدیث میں بھی ہے

(۲). **عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : العامل على الصدقة بالحق كالغازی فی سبيل الله حتى يرجع الى بيته** ۔(ابوداود شریف، باب فی السعایۃ علی الصدقۃ، ص ۴۲۷، نمبر ۲۹۳۶) اس حدیث معلوم ہوا کہ صدقہ وصول کرنا جائز ہے(۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو اہل یمن سے زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ لما بعث معاذا على اليمن .... أن الله قد فرض عليهم زكاة تؤخذ من اموالهم و ترد على فقرائهم فاذا اطاعوا بها فخذ منهم و توق كرائم أموال الناس** ۔(بخاری شریف، باب لا تؤخذ کرائم أموال الناس فی الصدقۃ، ص ۲۳۶، نمبر ۱۴۵۸) اس حدیث میں ہے کہ مالداروں سے زکوۃ وصول کی جائے گی۔

ترجمہ: (۸۰۹) اگر عاشر پر مال لیکر گزرا اور تاجر نے کہا ابھی چند ماہ سے یہ مال میرے پاس ہے، یا مجھ پر قرض ہے اور قسم کھایا تو تصدیق کی جائے گی۔

تشریح : تاجر عاشر کے سامنے سے گزرے اور یہ کہے کہ میرے اس مال پر سال پورا نہیں ہوا ہے، ابھی چند ماہ سے میرے پاس یہ مال آیا ہے، اور کوئی دوسرا مال بھی میرے پاس نہیں ہے جس پر سال گزرا ہو تاکہ اس کو اسکے ساتھ ملا کر زکوۃ وصول کیا جاسکے، اور اس

۱ والعاشر من نصبه الامام على الطريق لياخذ الصدقات من التجار ۲ فمن انكر منهم تمام الحول او الفراغ من الدين كان منكرا للوجوب والقول قول المنكر مع اليمين. (۸۱۰) وكذا اذا قال اديتها الیٰ عاشر اٰخر﴾ ۱ ومراده اذا كان فی تلک السنة عاشر اٰخر لانه ادعی وضع الامانة موضعها بخلاف ما اذا لم يكن عاشر اٰخر فی تلک السنة لانه ظهر كذبه بيقين (۸۱۱) وكذا اذا قال اديتُها ﴾

پرقسم کھالےتو اس کی بات مان لی جائے گی اوراس سے زکوۃ نہیں لی جائے گی۔اسی طرح کہا کہ میرے پاس تجارت کا مال نصاب تک ہے لیکن مجھ پرقرض ہےاوراس پرقسم کھالےتو اس کی بات مان لی جائے گی اورزکوۃ نہیں لی جائے گی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں عاشر زکوۃ لینے کا مدعی ہےاورتاجر مدعی علیہ ہےاورمنکر ہے،اورمدعی کے پاس گواہ نہ ہوتو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے،اس لئے تاجر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔(۲) کتب الی ابن عباسؓ أن رسول اللہ ﷺ قضى باليمين على المدعى عليه ۔(ابوداودشریف،باب الیمین علی المدعی علیہ،ص۵۲۰،نمبر۳۶۱۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ یعنی منکر پرقسم ہے۔

ترجمہ: ۱ عاشراس زکوۃ وصول کرنے والے کو کہتے ہیں کہ امام نے اس کوراستے پرمتعین کیا ہوتا کہ تاجروں سے صدقات لے۔

تشریح : یہ عاشر کی تعریف ہے کہ امام جسکو تاجروں سے زکوۃ صدقات لینے کے لئے شہر کے راستے پرمتعین کرےاس کو عاشر کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ تاجر میں سے کسی نے سال پورا ہونے کا انکار کیا،یا قرض سے فارغ ہونے کا انکار کیا تو وہ زکوۃ کے وجوب کا منکر ہوا،اورقسم کے ساتھ منکر کی بات مانی جاتی ہے[اس لئے تاجر کی بات مانی جائے گی،اورزکوۃ نہیں لی جائے گی]

تشریح :۔تاجر نے کہا کہ اس مال پرسال پورا نہیں ہوا ہے،یا کہا کہ مجھ پرقرض ہےتو وہ زکوۃ واجب ہونے کا منکر ہے،اورمدعی کے پاس گواہ نہ ہو یا کوئی قرینہ نہ ہو کہ مدعی علیہ جھوٹ بول رہا ہےتو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

ترجمہ: (۸۱۰)ایسے ہی اگر کہا کہ میں نے دوسرے عاشر کو دے دیا ہے[تو اسکی بات مان لی جائے گی۔

ترجمہ: ۱ اسکی مراد یہ ہے کہ اس سال میں دوسرا عاشر موجود ہو،اس لئے کہ اس نے امانت کو اپنی جگہ پررکھنے کا دعوی کیا ہے، بخلاف جبکہ اس سال میں دوسرا عاشر موجود نہ تو،اس لئے کہ یقینی طور پراس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔

تشریح : عاشر کے سامنے سے گزرنے والا تاجر یہ کہے کہ میں نے دوسرے عاشر کو زکوۃ دے دی ہے،اوراس سال میں دوسرا عاشر موجود ہوتو اس کی بات مان لی جائے گی اوراس سے زکوۃ نہیں لی جائے گی۔لیکن اگراس سال میں دوسرا عاشر موجود نہ رہا ہوتو اب

ا انما یعنی الی الفقراء فی المصر لان الاداء کان مفوضًا الیه فیه وولایة الاخذ بالمرور لدخوله تحت الحمایة. ۲ وکذا الجواب فی صدقة السوائم فی ثلثة فصول

یہ ظاہر ہو گیا کہ یقینی طور پر یہ جھوٹ بول رہا ہے اس لئے اب اسکی بات نہیں مانی جائے گی، اور زکوۃ لی جائے گی۔

اصول:۔ سچ بولنے کا قرینہ موجود ہو تو قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔ اور اگر سچ بولنے کا قرینہ نہ ہو تو بات نہیں مانی جائے گی۔

ترجمہ: (۸۱۱) ایسے ہی اگر کہا کہ میں نے اپنے سے زکوۃ ادا کی ہے۔

ترجمہ: ا یعنی میں نے شہر میں فقیر کو ادا کیا ہے اس لئے کہ زکوۃ کی ادائیگی مالک کے سپرد تھا، اور عاشر کو لینے کا حق اس کے سامنے سے گزرنے کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اس کی حفاظت میں داخل ہو گیا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تجارت کا مال جب تک شہر کے اندر ہے اس وقت تک اسکی حفاظت کی ذمہ داری مالک کی ہے اور بادشاہ کی حفاظت میں ابھی تک داخل نہیں ہوا ہے، یہ اموال باطنہ کے درجے میں ہے، اس لئے چاہے تو اسکی زکوۃ خود شہر کے فقراء کو تقسیم کر دے اور جی چاہے تو بادشاہ کے عاشر کو دے۔ ہاں جب شہر سے باہر لے جائے گا تو اسکی حفاظت بادشاہ کے ذمے ہے، اور یہ اموال ظاہرہ ہو جائے گا، اور اس کی زکوۃ بادشاہ کا عاشر ہی وصول کرے۔۔ اس اصول پر مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ عاشر کے سامنے سے گزرتے وقت تاجر نے یہ کہا کہ میں نے اس کی زکوۃ شہر کے اندر فقراء پر خود تقسیم کر دیا ہے، اور اس پر قسم کھایا، تو اسکی بات مان لی جائے گی اور اس سے دوبارہ زکوۃ نہیں لی جائے گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ شہر کے اندر رہتے ہوئے تجارت کا مال اموال باطنہ تھا اور خود مالک کو اسکی زکوۃ فقراء پر تقسیم کر دینے کا حق تھا، اس لئے اس نے زکوۃ تقسیم کر دی تو وہ صحیح ہو گئی۔ اور عاشر کی حفاظت میں تو یہ مال بعد میں آیا ہے، جب عاشر کے سامنے سے گزر رہا ہے اس وقت آیا ہے، اور زکوۃ اس سے پہلے ادا کر چکا ہے، اس لئے اسکی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

وجہ : (۱) اثر میں ہے. عن الحسن قال : ان دفعها الیهم أجزی عنه و ان قسمها أجزی عنه۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۴۹، من رخص فی ان لا تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص ۳۸۶، نمبر ۱۰۲۱۱) اس اثر میں ہے کہ زکوۃ کا مال خود بھی فقراء میں تقسیم کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ یہی جواب ہے چرنے والے جانور میں تینوں صورتوں میں۔

تشریح : چرنے والے جانور جنگل میں چرتے ہیں اس لئے اسکی حفاظت بادشاہ کرتا ہے اس لئے وہ اموال ظاہرہ ہیں۔ اس جانور کو لیکر عاشر کے سامنے سے گزرا اور یہ کہا کہ [۱] اس پر سال نہیں گزرا ہے، [۲] یا مجھ پر قرض ہے [۳] یا میں دوسرے عاشر کو اس کی زکوۃ ادا کر چکا ہوں، اور اس سال دوسرا عاشر موجود تھا تو ان تینوں صورتوں میں قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے اور اس سے

۳؎ وفی الفصل الرابع وهو ما اذا قال ادیت بنفسی الی الفقراء فی المصر لا یصدق وان حلف ۴؎ وقال الشافعیؒ یصدق لانه اوصل الحق الی المستحق ۵؎ ولنا ان حق الاخذ للسلطان فلا یملک ابطاله بخلاف الاموال الباطنة

زکوۃ نہیں لی جائے گی۔

ترجمه: ۳؎ اور چوتھی شکل یہ ہے کہ اگر کہے کہ میں نے خود شہر میں فقراء کو تقسیم کی ہے تو بات نہیں مانی جائے گی، چاہے قسم کھائے

تشریح: [۴] یہ چوتھی صورت ہے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوۃ خود فقراء پر تقسیم کردے تو صحیح نہیں ہے، اس زکوۃ کے لینے کا حق بادشاہ کو ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ چرنے والے جانور کو لیکر عاشر کے سامنے سے گزرا اور کہا کہ میں نے اس کی زکوۃ شہر کے فقراء میں تقسیم کردی ہے تو چاہے اس پر قسم کھائے تب بھی بات نہیں مانی جائے گی۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ چرنے والا جانور اموال ظاہرہ ہے اسکی زکوۃ وصول کرنے کا حق عاشر کو ہے اور اس نے کہا کہ میں نے خود شہر کے فقراء کو دے دیا تو یہ قاعدے کے خلاف کیا اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی (۲) حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ کو چرنے والی گائے کی زکوۃ لینے کا حکم فرمایا، حدیث یہ ہے۔ عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن أمره أن یأخذ من البقر من کل ثلاثین تبیعا او تبیعة . (ابوداود شریف، باب زکاۃ السائمة، ص۲۳۳، نمبر ۱۵۷۶) اس حدیث میں ہے کہ گائے میں زکوۃ لینے کے لئے کہا، جس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کو زکوۃ لینے کا حق ہے۔ (۳) اس حدیث میں ہے کہ تجارت کی مال کی زکوۃ امیر کے پاس لاؤ، حدیث یہ ہے۔ عن علی قال قال رسول الله ﷺ قد عفوت عن الخیل و الرقیق ، فهاتوا صدقة الرقة من کل اربعین درهما درهم . (ابوداود شریف، باب زکاۃ السائمة، ص۲۳۳، نمبر ۱۵۷۴) اس حدیث میں کہا کہ چالیس درہم میں ایک درہم لاؤ، جس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کو زکوۃ لینے کا حق ہے۔

ترجمه: ۴؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تصدیق کی جائے گی، اس لئے کہ مستحق کو اس کا حق پہونچا دیا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عاشر بھی زکوۃ آخیر فقراء کو ہی پہونچائے گا وہی اس کا مستحق ہے، اور مالک نے بھی اسی کو پہونچایا ہے اس لئے زکوۃ مستحق کو پہنچ گیا، اس لئے مالک کی بات مان لی جائے گی، اور اس سے دوبارہ زکوۃ نہیں لی جائے گی۔

ترجمه: ۵؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زکوۃ وصول کرنے کا حق بادشاہ کو تھا اس لئے اس کو باطل کرنے کا مالک نہیں ہے، بخلاف اموال باطنہ کے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ چرنے والا جانور اموال ظاہرہ ہے اس لئے اسکی زکوۃ وصول کرنے کا حق بادشاہ کو ہے، مالک اس حق کو باطل نہیں کرسکتا، اور خود فقراء پر زکوۃ تقسیم نہیں کرسکتا، اس لئے فقراء پر تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے اس کی بات بھی مانی نہیں

۶ ثم قيل الزكوٰة هو الاول والثانی سياسة وقيل هو الثانی والاول ينقلب نفلا وهو الصحيح ۷ ثم فيما يصدق فی السوائم واموال التجارة لم يشترط اخراج البراءة فی الجامع الصغير وشرطه فی الاصل وهو رواية الحسن عن ابی حنيفة لانه ادعی ولصدق دعواه علامة فيجب ابرازها

جائے گی۔اوراوپر تجارت میں جو بات مان لی گئی تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ شہر کے اندر رہتے ہوئے تجارت اموال باطنہ ہے،اور اموال باطنہ کی زکوۃ خود فقراء کو دے سکتا ہے،اس لئے تجارت کے بارے میں اگر یہ کہا کہ میں نے خود فقراء میں تقسیم کر دی تو بات مان لی جائے گی۔

ترجمہ: ۶ پھر کہا گیا کہ زکوۃ تو پہلی ہی ہے اور دوسری بطور سیاست کے ہے،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ زکوۃ دوسری ہے اور پہلی زکوۃ نفل ہو جائے گی،اور صحیح قول یہی ہے۔

تشریح: چرنے والے جانور میں دو مرتبہ زکوۃ دینا پڑا تو اصل زکوۃ کون سی شمار کی جائے گی،اس بارے میں دو اقوال ہیں[۱] ایک یہ ہے کہ اصل پہلی ہے اس لئے کہ یہ زکوۃ ہی کی نیت سے دی ہے،دوسری زکوۃ تو عاشر کے مجبور کرنے سے دی ہے جو حکومت کے انتظام چلانے کے لئے ہے اور سیاست کے طور پر ہے۔[۲] اور دوسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ کو یہ زکوۃ لینے کا حق تھا اس لئے جو زکوۃ عاشر کو دی وہ اصل زکوۃ ہے،اور جو زکوۃ پہلے دی وہ نفل زکوۃ ہو جائے گی۔صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے۔

ترجمہ: ۷ پھر جن صورتوں میں چرنے والے جانور اور تجارت کے مال میں اسکی بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔جامع صغیر میں برأت نامہ نکالنے کی شرط نہیں لگائی،اور مبسوط میں اسکی شرط لگائی ہے،اور یہی امام ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے۔اس لئے کہ مالک نے ایک دعوی کیا اور یہ دعوی کے لئے ایک علامت ہے۔

تشریح: برأت:عاشر زکوۃ وصول کرنے کے بعد اسکی رسید دیتا ہے تاکہ دوسرا عاشر اس سے دوبارہ زکوۃ اس سال میں وصول نہ کرے،اس کو برأت نامہ کہتے ہیں۔یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قسم کے علاوہ سچ ہونے کے لئے کوئی اور ثبوت بھی ضروری ہے یا نہیں ،تو کتاب الاصل مبسوط میں قسم کھلوانے کے علاوہ ثبوت کے لئے رسید کی بھی ضرورت ہے،اور جامع صغیر میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ چرنے والے جانور اور اموال تجارت کے بارے میں مالک یہ کہے کہ اس کی زکوۃ دوسرے عاشر کو دے چکا ہوں،اور اس سال میں دوسرا عاشر موجود تھا،تو صرف قسم کھانے پر اس کی بات کی تصدیق کر لی جائے گی یا پہلے عاشر کی رسید پیش کرنے کی بھی ضرورت ہے۔تو امام محمدؒ کی جامع صغیر میں یہ ہے کہ رسید [برأت نامہ] پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ **اذا قال :اديت زكاتها ، أو اخذها مصدق آخر فانه لا يصدق الا أن يعلم أنه كان فی تلك**

۸ وجه الاول الخط یشبه الخط فلا یعتبر علامةً (۸۱۲)قال وما صدق فیه المسلم صدق فیه الذمی ﴾ ١ لان ما یوخذ منه ضعف ما یوخذ من المسلم فیراعی تلک الشرائط تحقیقًا للتضعیف

السنة مصدق آخر ، فیحلف و یصدق و ان لم یکن معه براء ۃ . (جامع صغیر، باب فیمن یمر علی العاشر بمال، ص۱۲۷)
اس عبارت میں ہے کہ دوسرے عاشر زکوۃ دینے کی رسید نہ بھی ہو تب بھی اسکی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔۔اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تحریر مشابہ ہوتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ پہلے عاشر کی تحریر کے مشابہ کوئی تحریر پیش کر دی ہو، اس لئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ رسید پہلے عاشر ہی کی ہے اس لئے رسید پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
اور امام محمدؒ کی کتاب الاصل میں یہ ہے کہ پہلے عاشر کی رسید پیش کرنے کی ضرورت ہے، اور حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہی نقل کی ہے، کتاب الاصل کی عبارت یہ ہے۔ **قلت أرأیت الرجل التاجر یمر علی العاشر فیرید أن یأخذ منه الصدقة فیقول : قد اخذ ها منی عاشر غیرک کذا ، و یحلف علی ذالک أیقبل منه قوله و یطلب منه البرائة من ذالک العاشر ؟ قال نعم قلت و کذالک الذمی ؟ قال نعم** ۔(کتاب الاصل، مبسوط، باب العاشر، ج ثانی، ص۹۱) اس عبارت میں ہے کہ دوسرے عاشر کی رسید ہو تو اسکی بات قسم کے ساتھ قبول کی جائے گی۔
وجه: اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ مال کا مالک یہاں مدعی ہو گیا، وہ اس بات کا دعوی کر رہا ہے کہ میں نے دوسرے عاشر کو زکوۃ دے دی ہے، اس لئے مدعی کے دعوی کے لئے دلیل چاہئے ، اور یہ رسید دعوی کے سچ ہونے کی گواہی تو نہیں ہے، ایک علامت ہے اس لئے دلیل کے لئے اس کو پیش کرنا ضروری ہے۔۔ابراز: کا معنی ظاہر کرنا، نکالنا۔
ترجمه: ۸ پہلی رائے کی وجہ یہ ہے کہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے اس لئے یہ علامت ہونا معتبر نہ ہوگا۔
تشریح: پہلی رائے سے مراد امام محمدؒ کی جامع صغیر والی روایت کی وجہ یہ ہے کہ ایک کی تحریر دوسرے کی تحریر کے مشابہ ہوتی ہے، اس لئے کیا معلوم کہ یہ رسید پہلے عاشر کی ہے یا بناوٹی تحریر ہے، اس لئے یہ رسید علامت نہیں ہوگی ، یہ ممکن ہے کہ اگر قسم جھوٹی کھا رہا ہے تو یہ تحریر بھی بناوٹی ہی پیش کر رہا ہے اس لئے اسکی ضرورت نہیں، حدیث کے اعتبار سے قسم کافی ہے۔۔آج کل کے دور میں رسید کی بھی ضرورت ہے اور سارے قرائن بھی دیکھے کہ اس نے زکوۃ ادا کی ہے یا نہیں ، کیونکہ اس وقت لوگ جھوٹی قسم بہت کھاتے ہیں۔ثمیر غفرلہ۔
ترجمه: (۸۱۲) جس بارے میں مسلمان کی تصدیق کی جائے اس بارے میں ذمی کی بھی تصدیق کی جائے گی۔
ترجمه: ١ اس لئے کہ جتنا مسلمان سے لیا جاتا ہے ذمی سے اس کا دوگنا لیا جاتا ہے، اس لئے دوگنا ثابت کرنے کے لئے انہیں شرائط کی رعایت کی جائے گی۔

(۸۱۳) ولا یصدّق الحربی الافی الجواری یقول هن امهات اولادی اوغلمان معه یقول هم اولادی﴾ ۱؎ لان الاخذ منه بطریق الحمایة وما فی یده من المال یحتاج الی الحمایة وما فی یده من المال یحتاج الی الحمایة

تشریح : اوپر زکوۃ کے سلسلے میں جہاں جہاں قسم کے ساتھ مسلمان کی بات مانی گئی وہاں ذمی کی بات بھی قسم کے ساتھ مانی جائے گی ،اوراس سے دوبارہ زکوۃ نہیں لی جائے گی ۔۔ جو غیر مسلم ٹیکس دے کر دارالاسلام میں رہتے ہیں اس کو ذمی کہتے ہیں ۔ضعف: دو گنا۔

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی سے مسلمان کی زکوۃ کا دوگنا لیا جاتا ہے،اس لئے زکوۃ کی ان تمام شرائط کی رعایت کی جائے گی جو مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہے،اس لئے جہاں قسم کے ساتھ مسلمان کی بات مانی جاتی ہے وہاں ذمی کی بھی مانی جائے گی ،کافر ہو نے کی وجہ سے اس کی بات اور قسم رد نہیں کی جائے گی ۔(۲) ذمی سے مسلمان کی زکوۃ کا دوگنا لیا جائے گا اس کے لئے یہ اثر ہے ۔عن انس بن سیرین قال : بعثنی أنس بن مالک علی الایلة ، قال قلت : بعثتنی علی شر عملک قال : فأخرج لی کتابا من عمر بن الخطاب : خذ من المسلمین من کل أربعین درهما درهما، و من أهل الذمة من کل عشرین درهما درهما ، و ممن لا ذمة له من کل عشرة دراهم درهما ۔(مصنف عبدالرزاق ،باب صدقۃ العین، ج رابع ،ص ا۷، نمبر ۷۱۰۲ / کتاب الاثار امام محمدؒ، باب زکوۃ الزرع والعشر ،ص ۶۳،نمبر ۳۱۵)اس اثر میں ہے کہ مسلمانوں کی تجارت سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں حصہ اور جسکا ذمہ نہیں ہے یعنی حربی سے دسواں حصہ لیا جائے گا ۔یعنی دس درہم میں سے ایک درہم لیا جائے گا۔

ترجمہ: (۸۱۳) حربی کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر باندی کے بارے میں یوں کہے کہ یہ میری ام ولد ہے، یا اسکے ساتھ بچے کے بارے میں کہے کہ یہ میری اولاد ہیں ۔[تو بات مان لی جائے گی]

ترجمہ: ۱؎ اس لئے اس سے ٹیکس لینا حفاظت کی وجہ سے ہے،اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں مال ہے وہ حفاظت کا محتاج ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ دو اصولوں پر ہے [۱] ایک یہ ہے کہ حربی سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ فوری حفاظت کی وجہ سے لیا جاتا ہے،اس میں سال گزرنا ضروری نہیں ۔ یہی وجہ ہی کہ سال میں تین مرتبہ دارالحرب جا کر آئے تو تین مرتبہ اس سے ٹیکس لیا جائے گا [۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ مال کا ٹیکس لیا جائے گا اولاد کا نہیں ۔۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ دارالحرب کا آدمی امن لیکر دارالاسلام آئے اور عاشر کے سامنے سے گزرے اور اوپر چار صورتیں کہے تو ان چاروں صورتوں میں بات نہیں مانی نہیں جائے گی ۔[۱] مثلا یہ کہے کہ میرے مال پر سال نہیں گزرا ہے تو بات نہیں مانی جائے گی ، کیونکہ حربی سے ٹیکس لینے کے لئے سال گزرنا ضروری نہیں ہے، وہ تو فوری حفاظت کی

۲؎ غير ان اقراره بنسب من في يده منه صحيح فكذا باموته الولد لانها تبتنى عليه فانعدمت صفة المالية فيهن والاخذ لا يجب الا من المال (۸۱۴) قال ويوخذ من المسلم ربُع العشر ومن الذمى نصف العشر ومن الحربى العشر هكذا امر عمرؓ سُعاته﴾

اجرت ہے۔[۲] یا کہے کہ مجھ پر قرض ہے تو بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ قرض دار الحرب میں ہے، دار الاسلام میں نہیں ہے، پھر یہ فوری حفاظت کی اجرت ہے جو دینا پڑے گا۔[۳] یا یہ کہے کہ میں دوسرے عاشر کو دے چکا ہوں تو بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ پتہ نہیں کہ یہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے۔[۴] یا یہ کہے کے میں فقراء میں تقسیم کر چکا ہوں تو بات نہیں مانی جائے گی، کیونکہ زکوۃ دینے پر تو اس کو اعتقاد ہی نہیں ہے اس نے فقراء میں تقسیم کیسے کیا! اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اور سب کی وجہ یہ ہے کہ یہ فوری حفاظت کی اجرت ہے جو ابھی چاہئے۔۔ ہاں باندی ساتھ ہے اس کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ میری ام ولد ہے تو یہ بات مان لی جائے گی، کیونکہ اب یہ مال نہیں رہی بیوی کے درجے میں آ گئی اس لئے اس میں بات مان کر ٹیکس نہیں لی جائے گی، اسی طرح بچے ساتھ ہیں اس کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے یا بیٹی ہے تو بات مان لی جائے گی کیونکہ یہ مال نہیں رہے بلکہ اولاد بن گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حربی جس طرح دار الحرب میں بیوی اور اولاد بنا سکتا ہے دار الاسلام میں بھی بنا سکتا ہے یہ اس کا فطری حق ہے، اس لئے یہاں بھی اس کا اقرار کرنا صحیح ہے۔۔ حربی: جو غیر مسلم دار الحرب میں رہتا ہو وہ حربی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ یہ الگ بات ہے کہ جو بچہ اس کے ہاتھ میں ہے اس کے نسب کا اقرار کرنا صحیح ہے، ایسے ہی ام ولد کا اقرار کرنا بھی صحیح ہے، اس لئے کہ ام ولد پر ہی بچہ ہونے کا مدار ہے، اس لئے ام ولد اور بچے میں مال ہونے کی صفت ختم ہو گئی، اور ٹیکس لینا مال ہی سے ہوتا ہے۔

تشریح : جو بچہ ہاتھ میں ہے اس کے لئے نسب کا اقرار کرنا کہ یہ میری اولاد ہے صحیح ہے۔ اور بچہ ماں سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے باندی کے لئے یہ اقرار کرنا کہ یہ میری ام ولد ہے یہ بھی صحیح ہے، اس لئے اب بچہ اور ام ولد مال نہیں رہے، اور ٹیکس مال سے لیا جاتا ہے، اس لئے ام ولد اور بچوں میں ٹیکس نہیں لیا جائے گا، اور اسکی بات بھی اس میں مان لی جائے گی۔

ترجمہ: (۸۱۴) مسلمان سے چالیسواں حصہ، اور ذمی سے بیسواں حصہ، اور حربی سے دسواں حصہ لیا جائے گا، حضرت عمرؓ نے اپنے ساعی یعنی مزکی کو یہی حکم دیا تھا۔

تشریح: ربع العشر : اس کا ترجمہ ہے دسویں حصے کی چوتھائی حصہ یعنی چالیسواں حصہ۔ نصف العشر : دسویں حصے کا آدھا، یعنی بیسواں حصہ۔ اور عشر: کا ترجمہ ہے دسواں حصہ، حضرت عمرؓ نے اپنے ساعی یعنی زکوۃ وصول کرنے والے کو یہی حکم دیا تھا۔ اثر یہ ہے۔

عن انس بن سيرين قال : بعثنى أنس بن مالك على الايلة ، قال قلت : بعثتنى على شر عملك قال :

(۸۱۵) وان مر حربی بخمسین درهما لم یوخذ منه شئ الا ان یکونوا یاخذون مِنّا من مثلها﴾

لے لان الاخذ منهم بطريق المجازاة بخلاف المسلم والذمی لان الماخوذ زکوٰة او ضعفها فلا بد من النصاب وهذا فی الجامع الصغير

فأخرج لی کتابا من عمر بن الخطاب : خذ من المسلمین من کل أربعین درهما درهما، و من أهل الذمة من کل عشرین درهما درهما ، و ممن لا ذمة له من کل عشرة دراهم درهما ۔(مصنف عبدالرزاق، باب صدقة العين، ج رابع ص ۷۱، نمبر ۷۱۰۲/ مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب مایؤخذ منھم، ج ثانی ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۳/ کتاب الآثار امام محمدؒ، باب زکوۃ الزرع والعشر ص ۶۳، نمبر ۳۱۵) اس اثر میں ہے کہ مسلمان سے چالیس درہم میں ایک درہم، اور ذمی سے بیس درہم میں ایک درہم، اور حربی سے دس درہم میں ایک درہم لیا جائے گا۔

ترجمه : (۸۱۵) اگر حربی پچاس درہم لیکر عاشر کے سامنے سے گزرا تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا، مگر یہ کہ وہ ہمسے ویسے ہی لیتے ہوں۔

تشریح : حربی عاشر کے سامنے سے نصاب زکوۃ سے کم لیکر گزرا مثلا پچاس درہم لیکر گزرا، تو چونکہ نصاب زکوۃ سے کم ہے اس لئے اس سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ ہاں اگر دار الحرب والے ہمارے تاجروں سے تھوڑے مال میں بھی ٹیکس لیتے ہوں تو ہم بھی پچاس درہم میں ٹیکس لیں گے۔

ترجمه : لے اس لئے کہ حربی سے لینا بدلے کے طور پر ہے، بخلاف مسلمان اور ذمی کے کیونکہ ان سے زکوۃ لی جاتی ہے یا اس کا دوگنا لیا جاتا ہے اس لئے نصاب ہونا ضروری ہے، یہ مسئلہ جامع صغیر میں ہے۔

تشریح : یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر دار الحرب والے ہمارے تاجروں سے لیتے ہوں تو ہم دوسو درہم سے کم میں بھی لیں گے۔ کہ یہ لینا بدلے کے طور ہے کہ وہ لوگ ہم سے لیتے ہیں اس لئے ہم لوگ بھی بدلے میں ایسے ہی کریں گے۔ اور مسلمانوں سے جو لیا جاتا ہے وہ زکوۃ ہے، اور ذمی سے زکوۃ کا دوگنا ہے، اس لئے ان سے لینے کے لئے نصاب زکوۃ ہونا ضروری ہے، دوسو درہم سے کم میں نہیں لیا جائے گا۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ فان مر حربی بخمسین درهما لم یؤخذ منه شیء الا ان یکونوا یأخذون من مثلها ۔(جامع صغیر، باب فیمن یمر علی العاشر بمال، ص ۱۲۸) اس عبارت میں ہے کہ پچاس درہم میں کچھ نہیں لیں گے، لیکن دار الحرب والے اس میں لیتے ہوں تو ہم بھی لیں گے۔

وجه: بدلے کے طور پر ہم لیتے ہیں اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ و قال لعمر : کم تأمرنا أن نأخذ من تجار أهل الحرب؟ قال : کم یأخذون منکم اذا أتیتم بلادهم قالوا : العشر قال: فکذالک فخذوا منهم ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ،

۲؎ وفی کتاب الزکوٰۃ لا تأخذ من القلیل وان کانوا یأخذون منا منه لان القلیل لم یزل عفوا ولانه لا یحتاج الی الحمایة (۸۱۶) قال وان مرَّ حربی بمائتی درهم ولا یعلم کم یاخذون منا یا خذ منه العشر﴾ ۱؎ لقول عمرؓ فان اعیَاکُمُ فالعشر (۸۱۷) وان علم انهم یاخذون منا ربع عشر او نصف عشر یأخذ بقدره﴾

باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب مایؤخذ منھم، ج ثانی، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۳) اس اثر میں ہے کہ دارالحرب والے ہم سے دسواں لیتے ہیں تو پھر ہم بھی اس سے دسواں لیں گے، جس سے بدلے کا پتہ چلا۔

ترجمہ: ۲؎ اور مبسوط کے کتاب الزکوۃ میں یہ ہے کہ تھوڑے سے مت لو چاہے وہ ہم سے لیتے ہوں، اس لئے کہ تھوڑا ہمیشہ معاف ہوتا ہے، اور اس لئے بھی کہ بادشاہ کو اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: مبسوط میں ہے کہ تھوڑا مال ہوتو چاہے دارالحرب والے ہم سے تھوڑے مال میں ٹیکس لیتے ہوں تب بھی ہم نہیں لیں گے، اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ تھوڑا مال ہمیشہ معاف ہوتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تھوڑے مال کی حفاظت تو خود مالک کرے گا بادشاہ کو اسکی حفاظت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور ٹیکس حفاظت کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لئے تھوڑے مال میں ٹیکس نہ لیا جائے۔ الحمایۃ :حفاظت۔

ترجمہ (۸۱۶) اگر حربی دوسو درہم لیکر عاشر کے سامنے سے گزرے اور اس کو پتہ نہ ہو کہ دارالحرب والے ہم سے کتنا لیتے ہیں، تو اس سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے کہ تم کو پتہ نہ ہو تو دسواں حصہ لے لو۔

تشریح: حربی عاشر کے سامنے سے دوسو درہم لیکر گزرے اور اس عاشر کو پتہ نہ ہو کہ یہ دارالحرب والے ہمارے تاجروں سے کتنا لیتے ہیں تب بھی اس سے دسواں حصہ ٹیکس لے لے، وجہ یہ ہے کہ دسواں حصہ تو حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے متعین ہی ہے، اس لئے دسواں حصہ لیلے۔

ترجمہ: (۸۱۷) اور معلوم ہوا کہ دارالحرب والے ہم سے چالیسواں لیتے ہیں، یا بیسواں حصہ لیتے ہیں تو ہمارا عاشر بھی اسی قدر لے، اور اگر معلوم ہو کہ حربی لوگ ہم سے کل مال لیتے ہیں تو ہمارا عاشر کل مال نہیں لے گا، کیونکہ یہ تو بدعہدی ہے۔

تشریح : اوپر یہ گزرا کہ ہم حربی سے بدلے کے طور پر لیتے ہیں، اسی پر یہ مسائل متفرع ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب والے ہمارے تجار سے چالیسواں حصہ لے تو ہم بھی پھر چالیسواں ان سے لیں گے، اور اگر وہ بیسواں حصہ لے تو ہم بھی ان سے بیسواں حصہ ہی لیں گے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کتنا لیتے ہیں تو بتایا گیا کہ دسواں لیتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے بدلے کے

(۸۱۸) وان کانوا یاخذون الکل لا یأخذ الکل لانه غدر وان کانوا لا یأخذون اصلا لا یاخذ ﴿ ۱ لیترکوا الاخذ من تجارنا ولانا احق بمکارم الاخلاق (۸۱۹) قال وان مر الحربی علیٰ عاشر فعشّره ثم مر مرة اخری لم یعشره حتی یحول علیه الحول ﴾

طور پر دسواں متعین فرمایا۔ لیکن اگر وہ چالیسواں اور بیسواں لے تو ہم بھی اس سے یہی لیں گے۔ اثر یہ ہے۔ و قال لعمرؓ: کم تأمرنا أن نأخذ من تجار أهل الحرب ؟ قال : کم یأخذون منکم اذا أتیتم بلادهم قالوا : العشر قال: فکذالک فخذوا منهم ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب مایؤ خذ منھم، ج ثانی، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۳)

اس اثر میں ہے کہ دار الحرب والے ہم سے دسواں لیتے ہیں تو پھر ہم بھی اس سے دسواں لیں گے، جس سے بدلے کا پتہ چلا۔

اور اگر وہ لوگ ہمارے تاجروں سے سب مال ہڑپ کر لیتے ہوں تو ہم انکے تاجروں سے سب مال نہیں لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسکے مال کی حفاظت کا امن دیا ہے اور سب لے لینا قانون کے طور پر ٹیکس نہیں ہے بلکہ بد عہدی ہے اس لئے چاہے وہ لوگ کرتے ہوں ہم مسلمان ایسا نہیں کریں گے۔

ترجمہ: (۸۱۸) اور اگر حربی لوگ ہم سے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہمارا عاشر بھی کچھ نہ لے گا تا کہ ہمارے تاجروں سے بھی لینا چھوڑ دیں۔

ترجمہ: ۱ اور اس لئے کہ ہم اخلاق کریمہ کے زیادہ لائق ہیں۔

تشریح: چونکہ ہمارا لینا بدلے کے طور پر ہے اس لئے اگر دار الحرب والے ہمارے تاجروں سے کچھ نہ لیتے ہوں تو ہم بھی ان سے کچھ نہیں لیں گے، کیونکہ وہ اخلاق کریمانہ اختیار کرتے ہیں تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ انکے ساتھ اخلاق کریمانہ برتیں، اور ان سے نہ لیں، تا کہ آیندہ بھی وہ ہمارے تاجروں سے نہ لینے کا فیصلہ کریں۔۔ مکارم: اچھے اخلاق۔

ترجمہ: (۸۱۹) اگر حربی عاشر پر گزرا اور اس سے عشر لیا پھر دوسری مرتبہ گزرا تو اس سے عشر نہیں لے گا جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔

تشریح: یہ مسئلہ دو اصولوں پر ہے۔ [۱] ایک تو یہ کہ ایک مرتبہ امن لیکر دار الاسلام آیا تو وہ سال بھر کا امن ہوگا، اس کے بعد اگلے سال دوسرا امن لینا ہوگا، یا دار الحرب واپس جانا ہوگا۔ ہاں اگر سال کے درمیان وہ دار الحرب چلا گیا تو پہلا امن ختم ہو جائے گا، اب دار الاسلام آنے کے لئے دوبارہ امن لینا ہوگا اور دوبارہ ٹیکس دینا ہوگا۔ [۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ امن اس لئے دیا ہے کہ اس کا مال محفوظ رہے، اس لئے نہیں دیا ہے کہ ٹیکس لے لے کر اس کا مال ختم کر دیا جائے، اس لئے سال میں ایک ہی مرتبہ اس مال کا ٹیکس لیا جائے گا۔۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ حربی عاشر کے پاس سے گزرا اور ایک مرتبہ اس نے اس سے ٹیکس لے لیا، تو دوبارہ کتنا ہی مرتبہ

ل لان الاخذ فی کل مرة استیصال المال وحق الاخذ لحفظه ٢ ولان حکم الامان الاول باق وبعد الحول یتجدد الامان لانه لا یمکن من المقام الاحولا والاخذ بعده لایستاصل المال (٨٢٠) وان عشره فرجع الی دار الحرب ثم خرج من یومه ذلک عشره ایضا ل لانه رجع بامان جدید

گزرے سال کے اندر دوبارہ نہیں لیا جائے گا۔

وجه :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ بار بار لینے سے اس کا مال ختم ہو جائے گا،(۲)اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر دار الحرب واپس نہ جائے تو سال بھر امن باقی ہے اس لئے مسلمان اور ذمی کی طرح سال بھر میں ایک ہی مرتبہ لیا جائے گا۔اس اثر میں اس کا ثبوت ہے.

عن ابراهیم قال جاء نصرانی الی عمرؓ فقال : ان عاملک عشر فی السنة مرتین فقال : من أنت ؟ فقال انا الشیخ النصرانی ، فقال له عمرؓ: و أنا الشیخ الحنیف، فکتب الی عامله أن لا تعشر فی السنة الا مرة . (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۱۰۶، من کان لا یری العشور فی السنۃ الا مرۃ، ج ثانی ،ص ۴۱۸،نمبر ۱۰۵۸۹)اس اثر میں ہے کہ سال میں ایک ہی مرتبہ ٹیکس لیا جائے گا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ ہر بار عشر لینا تو مال کو جڑ سے نیست نابود کرنا ہے،حالانکہ لینے کا حق حفاظت کے لئے تھا۔

تشریح : شہر میں بار بار داخل ہونا ہوگا اس لئے ہر بار ٹیکس لینے سے مال ختم ہو جائے گا،حالانکہ لینے کا حق مال کی حفاظت کے لئے تھا اس لئے بار بار نہیں لیا جائے گا،صرف سال میں ایک بار لیا جائے گا۔۔استیصال: جڑ سے ختم کرنا۔لا یستاصل: جڑ سے ختم نہیں ہوگا۔

ترجمه: ٢ اور اس لئے کہ پہلے امان کا حکم باقی ہے،اور سال کے بعد امان نیا ہوگا،اس لئے کہ حربی کو ایک سال تک ہی ٹھہرنے دیا جائے گا،اور ایک سال کے بعد ٹیکس لینا مال کو نیست نابود کرنا نہیں ہے۔

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ حربی کا امان ایک سال تک موجود ہے اس لئے سال میں دوسری مرتبہ ٹیکس نہیں لیا جائے گا،اور سال کے بعد نیا امان ہوگا،اور نئے امان میں دوبارہ ٹیکس لیا جائے گا،اور سال کے بعد ٹیکس لینے میں مال ختم نہیں ہوگا،اتنا تو مسلمان سے بھی لیا جاتا ہے۔

ترجمه: (۸۲۰)اور اگر لیا پس حربی دار الحرب چلا گیا پھر اسی دن واپس آیا تب بھی عشر لیا جائے گا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ نئے امان کے ساتھ واپس آیا ہے

تشریح: عاشر نے حربی سے عشر لیا،پھر وہ دار الحرب چلا گیا،تو چاہے اسی دن واپس دار الاسلام آیا ہو عشر دوبارہ لیا جائے گا۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ دار الحرب چلا گیا تو پہلا امان ختم ہو گیا،اب جو واپس آیا ہے تو نئے امان کے ساتھ واپس آیا ہے

٣ وكذا الاخذ بعده لا يفضي الى الاستيصال (۸۲۱) وان مرذمي بخمرٍ او خنزير عشر الخمر دون الخنزير﴾ ١ وقوله عشر الخمر اى من قيمتها. ٢ وقال الشافعيؒ لا يعشرهما لانه لا قيمة لهما

تو گویا کہ نیا سال شروع ہو گیا، اس لئے دوبارہ عشر لیا جائے گا۔ اصول: نیا امان پر نیا عشر لازم ہوتا ہے۔

ترجمہ: ٣ دار الحرب واپس جانے کے بعد ٹیکس لینا مال ختم کرنے کی طرف نہیں پہونچائے گا۔

تشریح: جب حربی جانتا تھا کہ دار الحرب جانے سے امان ختم ہو جائے گا اور دوبارہ عشر دینا ہوگا پھر بھی وہ دار الحرب گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دوبارہ عشر دینے سے زیادہ فائدہ ہے اس لئے وہ دار الحرب گیا، اس لئے دوبارہ عشر لینے سے اس کا مال ختم نہیں ہوگا، اس لئے دوبارہ عشر لیا جائے۔ یفضی: افضاء مأ خذ اشتقاق ہے، پہونچائے گا۔

ترجمہ: (۸۲۱) اگر ذمی شراب یا سور لیکر گزرے تو شراب کا ٹیکس لیا جائے گا سور کا نہیں۔

ترجمہ: ١ متن کا قول کہ شراب میں ٹیکس لیا جائے گا یعنی اسکی قیمت میں ٹیکس لیا جائے گا۔

تشریح: ذمی شراب یا سور لیکر عاشر کے سامنے سے گزرے، اور اسکی قیمت دوسو درہم ہو تو اس میں ٹیکس لیا جائے یا نہیں؟ اس بارے میں چار اقوال ہیں۔[١] پہلا قول امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا متن میں ہے کہ شراب میں ٹیکس لیا جائے سور میں نہیں۔[٢] دوسرا قول امام شافعیؒ کا ہے کہ دونوں میں سے کسی کا ٹیکس نہ لیا جائے۔[٣] تیسرا قول امام زفرؒ کا ہے کہ دونوں کا ٹیکس لیا جائے۔[۴] چوتھا قول امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ شراب اور سور دونوں ساتھ ہوں تو سور کو شراب کے تابع کر کے دونوں کا ٹیکس لیا جائے، اور اگر الگ الگ ہو تو شراب کا ٹیکس لیا جائے اور سور کا ٹیکس نہ لیا جائے۔

وجہ: (١) پہلے قول کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابراهيم قال: ...و من اهل الذمة اذا اتجروا فى الخمر من كل عشرة دراهم درهم ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب ما یؤ خذ منھم، ج ثانی، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۵) اس اثر میں ہے کہ شراب کی قیمت میں سے ہر دس درہم میں ایک درہم ٹیکس لیا جائے۔ (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ شراب ہلاک ہو جائے تو اسکے مثل شراب دینا ہوتا ہے کیونکہ وہ ذوات الامثال ہے، اب شراب کے بدلے اس کی قیمت لینا گویا کہ شراب لینا نہیں ہے، اس لئے اس میں ٹیکس لیا جائے گا، اور سور ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں قیمت لازم ہوتی ہے کیونکہ وہ ذوات القیم ہے، اس لئے اسکی قیمت میں ٹیکس لینا گویا کہ سور ہی لینا ہے، اور مسلمان سور کا مالک بن نہیں سکتا کیونکہ وہ نجس العین ہے، اس لئے سور کی قیمت میں ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ٢ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں ہی میں عشر نہیں لیا جائے گا، اس لئے کہ ان دونوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شراب اور سور نجس ہیں اس لئے مسلمانوں کے نزدیک اسکی کوئی قیمت نہیں ہے، اس لئے ان

۳؎ وقال زفر یعشرهما لاستوائهما فی المالیة عندهم ۴؎ وقال ابویوسفؒ یعشرهما اذا مر بهما جملة کانه جعل الخنزیر تبعًا للخمر فان مر بکل واحد علی الانفراد عشر الخمر دون الخنزیر ۵؎ وجه الفرق علی الظاهر ان القیمة فی ذوات القیم لها حکم العین والخنزیر منها وذوات الامثال لیس لها هٰذا الحکم والخمر منها

دونوں کی قیمت سے ٹیکس بھی نہیں لیا جائے گا۔

وجه: (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن المثنی قال : قرأ علینا کتاب عمر بن عبد العزیز و لا یعشر الخمر مسلم۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۵۴، فی الخمر تعشیر ام لا؟، ج ثانی، ص ۴۳۸، نمبر ۱۰۷۹۷) اس اثر میں ہے کہ شراب سے ٹیکس نہیں لیا جائے، جب شراب سے نہیں لیا جائے گا تو سور سے بدرجہ اولی نہ لیا جائے، کیونکہ وہ تو اور نجس ہے۔

ترجمه: ۳؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں ہی سے ٹیکس لیا جائے۔ کیونکہ ذمی کے نزدیک مالیت میں دونوں برابر ہیں۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ شراب اور سور دونوں ہی کی قیمت میں سے ٹیکس لیا جائے گا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کے نزدیک اس کی قیمت نہیں ہے لیکن ذمی کے نزدیک تو دونوں کی قیمت ہے، اسی لئے تو دونوں کی تجارت کرتے ہیں، اور مال کا ٹیکس ہوتا ہے اس لئے دونوں سے ٹیکس لیا جائے گا۔ استوا: برابر۔

وجه: (۱) اس اثر میں ہے کہ شراب اور سور کے مالکوں کو اس کا کام کرنے دو، جس میں اشارہ ہے کہ اس کی قیمت سے ٹیکس لے سکتے ہو، اثر یہ ہے۔ عن سوید بن غفلة أن عمال عمرؓ کتبوا الیه فی شأن الخنازیر و الخمر یأخذونها فی الجزیة ؟ فکتب عمرؓ أن ولوها اربابها (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۵۴، فی الخمر تعشیر ام لا؟، ج ثانی، ص ۴۳۹، نمبر ۱۰۷۹۹) اس اثر میں ہے کہ ان کے مالکوں کو انکا کام کرنے دو، جس سے ٹیکس کا اشارہ ملتا ہے۔

ترجمه: ۴؎ امام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں کا ٹیکس لیا جائے گا اگر دونوں کو ساتھ لیکر گزرا، گویا کہ سور کو شراب کے تابع کیا۔ اور اگر دونوں کو الگ الگ لیکر گزرا تو شراب کا ٹیکس لے گا سور کا نہیں۔

تشریح: امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ شراب کا تو اوپر کے اثر کی وجہ سے ٹیکس لیا جائے گا، لیکن اگر سور کو ساتھ لیکر گزرا تو اس کو بھی شراب کے تابع کر کے ٹیکس لیا جائے گا۔ اور اگر الگ الگ لیکر گزرا تو شراب کا لیا جائے گا اور سور کا نہیں لیا جائے گا۔ جملة: معنی ایک ساتھ۔

ترجمه: ۵؎ ظاہری روایت پر فرق کی وجہ یہ ہے کہ ذوات القیم میں اسکی قیمت دینا عین کا حکم ہے اور سور ذوات القیم میں سے ہے، اور ذوات الامثال کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور شراب ذوات الامثال میں سے ہے۔

۶ ولان حق الاخذ للحماية والمسلم يَحْمِى خمر نفسه للتخليل فكذا يحميها علىٰ غيره ولا يحمى خنزير نفسه بل يجب تسييبه بالاسلام فكذا لا يحميه على غيره (۸۲۲) ولو مر صبى او امرأة من بنى

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔دوقسم کی چیزیں ہوتیں ہیں[۱] ایک ذوات القیم: جو چیز آپس میں متفاوت ہوتی ہے،اور کسی سے ہلاک ہوجائے تو اسکا مثل نہیں دینا پڑتا بلکہ اس کی قیمت دینی پڑتی ہے اس کو ذوات القیم، کہتے ہیں،سور ذوات القیم میں سے ہے، یہ کسی سے ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت دینی پڑتی ہے،اس لئے سور کی قیمت دینا گویا کہ سور کو دینا ہے،اور مسلمان کو سور نہیں دے سکتے اس لئے اس کی قیمت میں بھی ٹیکس نہیں لے سکتے۔[۲] دوسرا ہے ذوات الامثال: جو چیز آپس میں متفاوت نہیں ہے،اگر وہ کسی سے ہلاک ہوجائے تو قیمت نہیں دینی پڑتی ہو بلکہ اسی چیز کا مثل دینا پڑتا ہو، جیسے شراب ہلاک ہوجائے تو اس کی قیمت نہیں دینی پڑتی ہے بلکہ اسی کی مثل شراب دینی پڑتی ہے تو یہ ذوات الامثال ہوا،اور ذوات الامثال میں اس کے مثل دینے کے بجائے اس کی قیمت دے دے تو اسی چیز کو دینا نہیں ہوا،اس لئے شراب کے بدلے اس کی قیمت دینا شراب کو دینا نہیں ہوا،اس لئے شراب کی قیمت میں مسلمان ٹیکس لے سکتا ہے، کیونکہ شراب کا لینا نہیں ہوا۔ظاہر روایت جو متن میں ہے اس میں سور اور شراب کے ٹیکس میں فرق کی وجہ یہی ہے۔

ترجمہ: ۶ اور اس لئے کہ ٹیکس لینے کا حق حفاظت کرنے کی وجہ سے ہے اور مسلمان سرکہ بنانے کے لئے اپنی شراب کی حفاظت کرسکتا ہے، تو ایسے ہی دوسرے کی شراب کی بھی حفاظت کرسکتا ہے۔اور اپنے سور کی حفاظت نہیں کرسکتا بلکہ اسلام کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے تو ایسے ہی دوسرے کے سور کی بھی حفاظت نہیں کرسکتا۔

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے کہ، مثلا مکاتب غلام کافر تھا وہ کتابت چھوڑ کر دوبارہ غلام بن گیا،اور اس کے پاس شراب تھی تو وہ شراب مسلمان مالک کی ملکیت ہوگئی تو مالک اس کی حفاظت کرسکتا ہے، کیونکہ شراب میں نمک ڈال کر اس کو سرکہ بنائے گا جو جائز ہے۔اور جب اپنے شراب کی حفاظت کرسکتا ہے تو ذمی کی شراب کی بھی حفاظت کرسکتا ہے،اس لئے اسکا ٹیکس بھی لے سکتا، کیونکہ ٹیکس حفاظت کرنے کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔اور مکاتب غلام کی ملکیت میں سور تھا آقا اس کا مالک بنا تو سور کی حفاظت نہیں کرسکتا اور نہ اس کو اپنی ملکیت میں رکھ سکتا ہے اور نہ اس کو بیچ سکتا ہے بلکہ اس کو جنگل میں بھگا دینا ضروری ہے، پس جب اپنے سور کی حفاظت نہیں کرسکتا تو ذمی کے سور کے بھی حفاظت نہیں کرسکتا اس لئے ذمی سے سور کا ٹیکس بھی نہیں لے سکتا، کیونکہ ٹیکس حفاظت کرنے کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔شراب کے ٹیکس لینے اور سور کے ٹیکس نہ لینے کے لئے یہ دوسرا فرق ہے۔۔ یحمی: حمایت کرنا، حفاظت کرنا، تسییب: سیب سے مشتق ہے بھگانا، چھوڑ دینا۔

ترجمہ: (۸۲۲) اگر بنی تغلب کا بچہ یا عورت مال لیکر گزرے تو بچے پر کچھ نہیں ہے،اور عورت پر اتنا ہی ٹیکس ہے جتنا مرد پر ہے

تغلب بمال فلیس علی الصبی شیء و علی المرأة ما علی الرجل﴾ ۱؎ لما ذکرنا فی السوائم.

(۸۲۳) و من مر علی عاشر بمأة درهم و أخبره ان له فی منزله مائة اخریٰ قد حال علیها الحول لم یزک التی مر بها﴾ ۱؎ لقلته وما فی بیته لم یدخل تحت حمایته

ترجمه: ۱؎ جیسا کہ ہم نے سوائم کے باب میں گزرا۔

تشریح: اوپر گزرا کہ حضرت عمرؓ نے بنی تغلب سے زکوۃ کے دوگنے پر صلح کی تھی، اور حنفیہ کے یہاں بچے پر زکوۃ نہیں ہے، اس لئے اگر بنی تغلب کا بچہ عاشر کے سامنے سے مال لیکر گزرے تو اس سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا، اور مسلمان عورت سے زکوۃ لی جاتی ہے اس لئے بنی تغلب کی عورت مال لیکر گزرے تو اس سے ٹیکس لیا جائے گا، اور صلح دوگنے پر ہوا ہے اس لئے اس سے زکوۃ کا دوگنا، یعنی بیسواں حصہ لیا جائے گا۔

وجه: اس کے لئے اثر یہ ہے۔ عن عمر بن الخطاب أنه صالح نصاری بنی تغلب علی أن تضعف علیهم الزکوة مرتین. (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب مایؤ خذ منهم، ج ثانی، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۱) اثر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بنی تغلب سے زکوۃ کے دوگنے پر صلح کی۔

ترجمه: (۸۲۳) کوئی آدمی عاشر کے سامنے سے ایک سو درہم لیکر گزرا اور یہ خبر دی کہ دوسرا ایک سو گھر میں ہے اور اس پر سال گزر گیا ہے تو جو ایک سو لیکر گزرا اس کی زکوۃ نہیں لی جائے گی۔

ترجمه: ۱؎ نصاب سے کم ہونے کی وجہ سے، اور جو گھر میں ہے وہ اس کی حفاظت میں داخل نہیں ہوا۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گھر کے اندر جو مال ہے عاشر اسکی زکوۃ وصول کرنے کا حقدار نہیں ہے، کیونکہ وہ مالک کی حفاظت میں ہے، بادشاہ کی حفاظت میں نہیں ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ عاشر کے سامنے سے نصاب سے کم ایک سو درہم لیکر گزرا اور یہ کہا کہ دوسرا ایک سو درہم گھر کے اندر ہے اور اس پر سال بھی گزر گیا ہے تو دونوں کو ملا کر زکوۃ نہیں لے سکتا، کیونکہ گھر کے اندر کا مال بادشاہ کی حفاظت میں نہیں ہے وہ خود مالک کی حفاظت میں ہے، اس لئے اس کی زکوۃ نہیں لے سکتا، صرف اس مال کی زکوۃ لے سکتا ہے جو عاشر کے سامنے سے لیکر گزرا، اور عاشر کے سامنے جو مال لیکر گزرا وہ نصاب نہیں ہے اس لئے کسی کی بھی زکوۃ وصول نہ کرے۔ البتہ مالک اس کی زکوۃ عاشر کو دے تو دے سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے

اصول: جس مال کی حفاظت کرتا ہے بادشاہ صرف اسکی زکوۃ وصول کرنے کا حقدار ہے۔

ترجمه: (۸۲۴) اگر دو سو درہم بضاعت کا لیکر عاشر کے سامنے سے گزرا تو اس کی زکوۃ نہیں لے گا۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ زکوۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے

(۸۲۴) فلو مر بمائتی درهم بضاعة لم يعشرها ﴾ ١ لانه غير ما ذون باداء زكوٰة (۸۲۵) قال وكذا المضاربة ﴾ ١ يعنى اذا مر المضارب به على العاشر ٢ وكان ابو حنيفة يقول اولا يعشرها لقوة حق المضارب حتى لا يملك ربُ المال نهيه عن التصرف فيه بعد ما صار عروضا فنزل منزلة الملك

تشریح : بضاعت کا معنی ہے ٹکڑا، مال کسی کو تجارت کے لئے دے اور اس کا پورا نفع مالک کا ہو، تجارت کرنے والے کو مزدوری مل جائے تو اس تجارت کو بضاعت کہتے ہیں، اور اس مال کو مال بضاعت کہتے ہیں، اس میں تجارت کرنے والے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے اگر وہ مال بضاعت کو لیکر گزرا تو عاشر اس سے زکوۃ نہیں لے گا کیونکہ اس کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اصول : زکوۃ مالک سے لی جا سکتی ہے، یا جس کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دیا ہو اس سے لی جا سکتی ہے۔

ترجمہ: (۸۲۵) ایسے ہی مضاربت کا مال لے کر گزرے۔

ترجمہ: ١ یعنی مضارب مال لیکر عاشر کے پاس سے گزرے [تو اس سے زکوۃ نہ لے]

تشریح : کسی کو مال تجارت کے لئے دے اور کہے کہ جو نفع ہوگا اس میں دونوں کا آدھا آدھا ہوگا، اس تجارت کو 'مضاربت' کہتے ہیں، اور اس مال کو 'مال مضاربت' کہتے ہیں، اور تجارت کرنے والے کو 'مضارب' کہتے ہیں، اور مال کے مالک کو 'رب المال' کہتے ہیں۔ چونکہ مضاربت کا مال مضارب کا نہیں ہے اور نہ اس کو مالک کی جانب سے اسکی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت ہے اس لئے عاشر کے سامنے سے مضاربت کا مال لیکر گزرے تو عاشر اس سے زکوۃ نہ لے، کیونکہ نہ وہ اس مال کا مالک ہے، اور نہ مالک کی جانب سے زکوۃ ادا کرنے کی اجازت ہے، ہاں اگر اتنا نفع ہوا ہو کہ خود مضارب کے حصے میں دوسو درہم آیا ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو تو مضارب کے حصے کی زکوۃ عاشر لے سکتا ہے۔ کیونکہ مضارب اس نفع کا مالک بن گیا ہے۔

ترجمہ: ٢ حضرت امام ابو حنیفہؒ پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ عاشر مضارب سے زکوۃ لے گا مضارب کے حق کے مضبوط ہونے کی وجہ سے یہاں تک کہ رب المال اس میں تصرف کرنے سے روکنے کا مالک نہیں ہے جبکہ مضاربت کا مال سامان ہو، تو مضارب مالک کے درجے میں ہو گیا۔

تشریح : حضرت امام ابو حنیفہؒ پہلے یہ فرمایا کرتے تھے کہ مضارب عاشر کے سامنے سے مال مضاربت لے کر گزرے تو عاشر اس سے زکوۃ لے سکتا ہے، بعد میں فرمانے لگے کہ وہ مالک نہیں ہے اور نہ زکوۃ ادا کرنے میں اس کا نائب ہے اس لئے اس سے زکوۃ وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ مضارب کا حق مال بضاعت سے مضبوط ہے، اور مضارب ایک درجے میں مال کا مالک بن جاتا

۳؎ ثم رجع الیٰ ماذکر فی الکتاب وهو قولهما لانه لیس بمالک ولا نائب عنده فی اداء الزکوٰۃ الا ان یکون فی المال ربح یبلغ نصیبه نصابا فیوخذ منه لانه مالک له (۸۲۶) ولو مر عبد ماذون له بمائتی درهم ولیس علیه دین عشره ﴾ ۱؎ قال ابو یوسفؒ لا ادری ان ابا حنیفةؒ رجع عن هذا ام لا

ہے، مثلا مالک نے تجارت کے لئے دوسو درہم دیا تو جب تک درہم ہے تو مالک تجارت کرنے سے روک سکتا ہے اور مضاربت کو توڑ سکتا ہے، لیکن اگر اس درہم سے [عروض] مال مثلا کپڑا خرید لیا تو اب مالک تجارت کرنے اور اس کو بیچنے سے مضارب کو نہیں روک سکتا، جب تک کہ سارا سامان بک کر اسکی قیمت درہم کی شکل میں ہاتھ میں نہ آجائے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مضارب ایک گونہ مالک ہے اس لئے اس سے زکوۃ لی جا سکتی ہے۔۔عروضا: سامان، مضارب مال مضاربت کے درہم سے سامان خرید لے، وہ عروض یہاں مراد ہے۔

ترجمه: ۳؎ پھر اس قول کی طرف رجوع کیا جو کتاب میں ہے، اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے، اس لئے کہ مضارب نہ مالک ہے اور نہ زکوۃ ادا کرنے میں اس کا نائب ہے، مگر یہ کہ مال میں اتنا نفع ہو کہ مضارب کا حصہ نصاب تک پہونچ جائے تو اس کے حصے سے لیا جائے گا اس لئے کہ وہ اس کا مالک ہے۔

تشریح: بعد میں اس قول کی طرف رجوع کیا کہ مضارب سے مال مضاربت کی زکوۃ عاشر وصول نہ کرے، اور یہی قول صاحبینؒ کا ہے اور مبسوط، ج ثانی، ص ۹۸ میں یہی منقول ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مضارب نہ مال مضاربت کا مالک ہے اور نہ وہ مالک کی طرف سے زکوۃ ادا کرنے کا نائب ہے اس لئے عاشر اس سے زکوۃ وصول نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کے نفع میں مضارب کا اتنا حصہ ہو کہ دو سو درہم تک پہنچ جائے تو مضارب کے حصے سے زکوۃ وصول کرے، کیونکہ مضارب اس مال کا مالک ہے۔

ترجمه: (۸۲۶) اگر ایسا غلام دوسو درہم لیکر گزرا جسکو تجارت کی اجازت تھی اور اس پر قرض بھی نہیں ہے تو زکوۃ لی جائے گی۔

تشریح : عبد مأذون اس غلام کو کہتے ہیں جسکو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہو، ایسا غلام دوسو درہم لیکر عاشر کے سامنے سے گزرا اور اس پر قرض بھی نہیں ہے تو ایک قول یہ ہے کہ اس سے عاشر زکوۃ نہ لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال آقا کا ہے، غلام نہ اس مال کا مالک ہے اور نہ زکوۃ ادا کرنے کا نائب ہے، اس لئے عاشر اس سے زکوۃ وصول نہ کرے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ عبد مأذون سے زکوۃ وصول کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبد مأذون ایک گونہ اپنے لئے تصرف کرتا ہے، اور بادشاہ کی حفاظت کی ضرورت بھی عبد مأذون کو ہی ہے اس لئے عبد مأذون سے زکوۃ وصول کر سکتا ہے۔دلیل آگے ہے۔

ترجمه: ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس قول سے رجوع کیا ہے یا نہیں۔

۲؎ وقیاس قولہ الثانی فی المضاربة وهو قولهما انه لا یعشره لان الملک فیما فی یده للمولی وله التصرف فصار کالمضارب. ۳؎ وقیل فی الفرق بینهما ان العبد یتصرف لنفسه حتی لا یرجع بالعهدة علی المولیٰ فکان هو المحتاج الی الحمایة والمضارب یتصرف بحکم النیابة حتی یرجع بالعهدة علیٰ رب المال فکان رب المال هو المحتاج فلا یکون الرجوع فی المضارب منه فی العبد

تشریح: متن میں یہ قول گزرا کہ عبد ماذون دوسودرہم لیکر گزرے تو اس سے زکوۃ لی جائے، حالانکہ اس کا مال نہیں ہے آقا کا مال ہے اس کے باوجود اس سے زکوۃ لینا قیاس کے خلاف ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس قول سے رجوع کیا یا نہیں مجھے معلوم نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ دوسرے قول کو مضاربت پر قیاس کیا ہے، اور صاحبینؒ کا قول بھی یہی ہے کہ غلام سے زکوۃ نہ لی جائے، اس لئے کہ جو کچھ غلام کے ہاتھ میں ہے وہ آقا کی ملکیت ہے، اور غلام کو صرف تصرف کرنے کا حق ہے، اس لئے غلام مضارب کی طرح ہوا۔

تشریح: دوسرا قول یہ ہے کہ غلام سے زکوۃ نہ لی جائے اور یہی قول صاحبینؒ کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام کے قبضے میں جو کچھ ہے وہ آقا کی چیز ہے، غلام کو صرف تصرف کرنے کا حق ہے اس لئے اس سے زکوۃ نہ لی جائے، جیسے مضارب کو تصرف کا حق ہے اور مال اس کا نہیں ہے اس لئے اس سے زکوۃ نہیں لی جاتی ہے اسی طرح غلام سے بھی زکوۃ نہ لی جائے۔

ترجمہ: ۳؎ کہا گیا کہ غلام اور مضارب کے درمیان فرق یہ ہے کہ غلام اپنے لئے تصرف کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہدہ کا رجوع آقا پر نہیں کرے گا تو بادشاہ کی حفاظت کا محتاج غلام ہی ہوا۔ اور مضارب نیابت کے حکم سے تصرف کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہدہ کا رجوع مالک سے کرے گا، تو مالک حفاظت کا محتاج ہوا، اس لئے مضارب کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ نے رجوع کیا تو ضروری نہیں ہے کہ غلام کے بارے میں بھی رجوع کرے۔

تشریح: اس عبارت میں ایک لفظ ہے ,عہدہ، آدمی تجارت کرے اس تجارت کی وجہ سے کسی کا اتنا قرض آجائے کہ پورا مال گھر جائے اس قرض کا نام ,عہدہ، ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ تجارت کے درمیان غلام پر کوئی قرض ہو جائے تو خود غلام اس قرض کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہے آقا سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس قرض کو تجارت سے ادا کرے، یا اس قرض کے بدلے میں بک جائے، یا آزاد ہونے کے بعد ادا کرے، اس عہدے اور قرض کا رجوع آقاء سے نہیں کر سکتا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام اپنے لئے تصرف کرتا اور تجارت کرتا ہے، اس لئے بادشاہ سے تجارت کے مال کی حفاظت کا محتاج غلام ہے، اس لئے غلام سے ہی زکوۃ وصول کرے۔ اور مضارب کا معاملہ یہ ہے کہ مضاربت کی تجارت میں جو قرض آئے گا وہ قرض [عہدہ] مال کے مالک [رب المال] سے وصول کرے گا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضارب اپنے لئے تصرف نہیں کرتا نیابت کے طور پر اصل میں مالک کے لئے تجارت کر رہا ہے، اس

۴ وان کـان مولاه معه یؤخذمنه لان الملک له ۵ الا اذا کـان عـلی العبد دین یحیط بماله لانعدام الملک اوللشغل (۸۲۷) قال ومـن مـر علیٰ عاشر الخوارج فی الارضٍ قد غلبوا علیها فعشره یثنی عـلیه الصدقة ۱ مـعـنـاه اذا امـر عـلـیٰ عاشر اهل العدل لان التقصیر جاء من قبله من حیث انه مر علیه.

لئے مالک بادشاہ سے اس مال کی حفاظت کا محتاج ہے، مضارب حفاظت کا محتاج نہیں ہے، اس لئے مضارب سے عاشر زکوۃ نہ لے۔ ۔غلام اور مضارب میں یہ فرق ہے، اس لئے اگر مضارب کے مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ رجوع کر گئے تو ضروری نہیں کہ غلام کے مسئلے میں بھی رجوع کر جائے، کیونکہ دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

ترجمه: ۴ اور اگر آقا غلام کے ساتھ ہو تو آقا سے زکوۃ لی جائے، اس لئے کہ وہ آقا کی ملکیت ہے۔

تشریح: اگر غلام کے ساتھ آقا بھی ہو تو چونکہ اصل مال آقا کا ہے اس لئے اس سے ہی زکوۃ لی جائے، غلام کو نہ پوچھے۔

ترجمه: ۵ مگر جبکہ غلام پر اتنا قرض ہو کہ مال کو گھیر لے تو آقا سے بھی زکوۃ نہ لی جائے، اس لئے یا تو آقا کی ملکیت نہیں رہی، یا ملکیت مشغول ہے۔

اگر غلام پر تجارت کا اتنا قرض ہو کہ تجارت کا سارا مال اس میں گھر جائے، مثلا دوسو درہم کا مال ہے اور اس پر دوسو درہم قرض بھی ہے تو چاہے آقا ساتھ ہو پھر بھی آقا سے بھی زکوۃ نہ لی جائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسو درہم اب آقا کی ملکیت نہیں رہی، بلکہ قرض دینے والے کی ہوگئی۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس دوسو درہم پر ملکیت تو ابھی بھی آقا کی ہی ہے لیکن یہ قرض دینے والے کے ساتھ مشغول ہے، یعنی گویا کہ قرض دینے والے کا ہے اس لئے آقا سے بھی اس کی زکوۃ عاشر نہ لے۔

لغت: لانعدام الملک: آقا کی ملکیت نہیں ہے۔ للشغل: دوسرے کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے زکوۃ نہیں ہے۔

ترجمه: (۸۲۷) خارجی جن زمینوں پر مسلط تھا وہاں اس کے عاشر کے سامنے سے گزرا اور اس نے عشر لے لیا تو زکوۃ اس کو دو بارہ دینی ہوگی۔

ترجمه: ۱ اس کا معنی یہ ہے کہ جب اہل عدل کے عاشر پر گزرے گا، اس لئے کہ کوتاہی تو اسی کی طرف سے ہوئی ہے کہ خارجی کے عاشر کے پاس سے گزرا ہے۔

تشریح: جن ملکوں پر خارجی مسلط تھا اور اس کی حکومت تھی وہاں سے ہمارا آدمی مال لیکر گزرا جسکی وجہ سے اس کے عاشر نے زکوۃ لی، اب دوبارہ اہل عدل کے عاشر کے پاس سے گزرے گا تو یہ عاشر دوبارہ زکوۃ لے گا، پہلی زکوۃ کافی نہیں ہے۔

وجه: اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں خارجی کی حکومت تھی وہاں سے مال لیکر گزرنے کی کیا ضرورت تھی! یہ تو اس آدمی کی غلطی ہے کہ

اس کے عاشر کے پاس سے گزرا، اس لئے وہ زکوۃ کافی نہیں ہے، عادل بادشاہ اس کی ابھی بھی اپنی مملکت میں حفاظت کرر ہا ہے اس لئے جب عادل کے عاشر کے سامنے سے گزرے گا تو وہ دوبارہ زکوۃ لے گا ۔ تقصیر: کوتاہی۔ یثنی: دوبارہ زکوۃ دے۔

﴿ باب فی المعادن والرکاز ﴾

﴿باب فی المعادن و الرکاز ﴾

ضروری نوٹ : اس باب میں تین الفاظ ہیں جنکے معانی میں اختلاف ہے،اس کا جاننا ضروری ہے

کنز: جس مال کو انسان نے زمین کے اندر دفن کیا ہو اس کو کنز کہتے ہیں ، یا جو مال آدمی جمع کرتا ہو اس کو بھی کنز کہتے ہیں، آیت میں ہے۔و الذین یکنزون الذهب و الفضة و لا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم ۔(آیت ۳۴،سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جولوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے ہیں اس کے لئے دردناک عذاب ہے،اس سے معلوم ہوا کہ جس مال کو جمع کرتا ہو وہ کنز ہے

معدن: عدن کا ترجمہ ہے قائم رہنا،اللہ نے جو خزانہ لوہا ابرک زمین میں پیدا کیا ہے اس کو معدن،اور کان کہتے ہیں

رکاز: رکز سے مشتق ہے،گاڑنا،انسان کا دفن کیا ہوا اور اللہ تعالی کا زمین میں پیدا کیا ہو دونوں گاڑا ہوا ہے اس لئے دونوں کو رکاز کہتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان گاڑے وہ بھی رکاز ہے اور حدیث کے اعتبار سے اس میں بھی پانچواں حصہ ہے۔اور جسکو معدن کہتے ہیں یعنی اللہ تعالی کا پیدا کی ہوئی کان اس میں بھی پانچواں حصہ ہے۔(۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ الرکاز : ما وجد من معدن و ما استخرج منه من مال مدفون ، و شیء کان لقرن قبل هذه الامة ، قال ابن جریج : و أقول : هو مغنم ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الرکاز والمعدن، ج رابع، ص ۹۲،نمبر ۷۲۱۱)اس اثر میں تشریح کی ہے کہ جو اللہ کے خزانے سے نکلے جسکو معدن کہتے ہیں وہ بھی رکاز ہے،اور جو زمانہ جاہلیت میں دفن کیا گیا وہ بھی رکاز ہے۔(۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ جو کچھ اللہ نے کان پیدا کیا ہے وہ رکاز ہے اور اس میں پانچواں حصہ ہے،حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: فی الرکاز الخمس قیل و ما الرکاز یا رسول الله ﷺ ؟ قال الذهب و الفضة الذی خلقه الله فی الارض یوم خلقت . (سنن بیہقی، باب من قال المعدن رکاز فیہ الخمس، ج رابع، ص ۲۵۷،نمبر ۷۶۴۰) اس حدیث میں ہے کہ اللہ نے زمین میں جو سونا چاندی پیدا کیا ہے وہ رکاز ہے اور اس میں پانچواں حصہ ہے۔(۳) اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے. عن ابی هریرةؓ أن رسول الله ﷺ قال : العجماء جبار ، و البئر جبار ، و المعدن جبار ، و فی الرکاز الخمس ۔(بخاری شریف، باب فی الرکاز الخمس، ص ۲۴۴،نمبر ۱۴۹۹ مسلم شریف، باب جرح العجماء والمعدن و البئر جبار، ص ۷۵۸،نمبر ۱۷۱۰/۴۴۶۵) اس حدیث میں ہے کہ معدن میں تو کچھ نہیں ہے لیکن رکاز میں پانچواں حصہ ہے، ہمارے یہاں معدن بھی رکاز ہے اس لئے معدن میں بھی پانچواں حصہ لازم ہوگا۔

(۸۲۸) قال معدن ذھب او فضۃ او حدید او رصاص او صفر وجد فی ارض خراج او عشرٍ ففیہ الخمس عندنا ﴾۱ وقال الشافعی لا شیٔ علیہ فیہ لانہ مباح سبقت یداہ الیہ کالصید الا اذا کان المستخرج ذھبًا او فضۃ فیجب فیہ الزکوٰۃ

ترجمہ: (۸۲۸) اگرسونا، یا چاندی، یالوہا، یا سیسہ، یا پیتل کی کان ہواورخراجی یاعشری زمین میں پائی جائے تواس میں ہمارے نزدیک پانچواں حصہ ہے۔

تشریح: جوآگ میں پگھلنے والی قیمتی چیز ہےاس کی کان نکل جائے اورایسی زمین میں ہوجس پرعشر یاٹیکس ہےتوجتنا مال نکلے گا اس کا پانچواں حصہ حکومت لے گی، اور باقی چار حصے جس کی زمین میں نکلی ہےاس کودیا جائے گا۔ جیسے سونا، چاندی، لوہا، سیسہ، پیتل کی کان نکل جائے توجتنا نکلتا جائے گااس میں پانچواں حصہ لیتا چلا جائے گا۔

وجہ:(۱). عن ابی ھریرۃؓ أن رسول اللہ ﷺ قال : العجماء جبار ، و البئر جبار ، و المعدن جبار ، و فی الرکاز الخمس ۔(بخاری شریف، باب فی الرکاز الخمس ،ص ۲۴۴، نمبر ۱۴۹۹ رمسلم شریف، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار، ص ۵۸ ۷،نمبر ۱۷۱۰ر ۴۴۶۵)اس حدیث میں ہے کہ معدن میں تو کچھ نہیں ہے لیکن رکاز میں پانچواں حصہ ہے، ہمارے یہاں معدن بھی رکاز ہےاس لئے معدن میں بھی پانچواں حصہ لازم ہوگا۔(۲)دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ زمین پہلے کفار کے ہاتھ میں تھی اب مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا تو گویا کہ زمین اوراس میں سے نکلنے والی چیز مال غنیمت ہوئی اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ ہے، اس لئے اس کان میں بھی پانچواں حصہ ہوگا، اس کے لئے آیت یہ ہے۔ و اعلموا أنما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ و للرسول و لذی القربی و الیتیمی و المساکین و ابن السبیل ۔(آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو مال غنیمت ہواس میں خمس ہے، اور یہ مال غنیمت کے درجے میں ہےاس لئے اس میں بھی خمس ہوگا۔

۔اورعشری اورخراجی زمین کی قیداس لئے لگائی کہ اس زمین پر پہلے سے کچھ نہ کچھ ٹیکس موجود ہےاس لئے اب کچھ زیادہ ٹیکس یعنی پانچواں حصہ لے لیا جائے گا، لیکن اگرگھر میں کان نکل جائے تو چونکہ گھر پر کوئی ٹیکس نہیں ہوتا اسلئے اس میں کان نکلے تو اس میں پانچواں حصہ نہیں لیا جائے گا۔۔معدن: کان۔ رصاص: سیسہ۔صفر: پیتل۔ارض خارجی: جس زمین پرخراج لاگو ہواس کوارض خارجی کہتے ہیں۔ارض عشری: جس زمین پرعشر لاگو ہواس کوارض عشری کہتے ہیں۔

ترجمہ:۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ معدن کان پر کچھ نہیں ہے، اس لئے کہ کان مباح چیز ہے جس نے پہلے لے لیا اسی کی چیز ہے، جیسے کہ شکار [جس نے پکڑلیا اسی کی ہوجاتی ہے] لیکن اگر نکلنے والی چیز سونا یا چاندی ہوتواس میں زکوۃ واجب ہے۔

تشریح: ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں معدن الگ چیز ہےاوررکاز الگ چیز ہے دونوں ایک نہیں ہے۔۔لوہا

ابرک سیسہ پیتل کے کان کو معدن کہتے ہیں جس کو اللہ نے زمین میں پیدا کیا ہے، حدیث میں ہے کہ یہ معاف ہے اس میں عشر وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اور زمانہ جالیت کے دفینے کو رکاز کہتے ہیں، جس میں پانچواں حصہ ہے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ اخبرنا الشافعیؒ قال : و اذا عمل فی المعادن فلا زکوة فی شیء مما یخرج منها الا ذهب أو ورق ، فأما الکحل و الرصاص و النحاس و الحدید و الکبریت و الموميا و غيره فلا زكوة فيه۔ (موسوعہ امام شافعی: باب زکاۃ المعادن، ج رابع، ص ۱۵۳، نمبر ۴۱۷۹) اس عبارت میں ہے کہ سرمہ، سیسہ، پیتل، لوہا وغیرہ کی کان نکل جائے تو اس میں کچھ نہیں ہے نہ چالیسواں ہے اور نہ پانچواں حصہ ہے۔ البتہ اگر سونے چاندی کی کان نکلے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ ہے اس میں بھی پانچواں حصہ خمس نہیں ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ و قال مالک و ابن ادریس [الشافعی] الرکاز دفن الجاهلية ، فی قليله و كثيره الخمس ، و ليس المعدن بركاز . (بخاری شریف، باب فی الرکاز الخمس، ص ۲۴۴، نمبر ۱۴۹۹۔ (موسوعہ امام شافعی: باب زکاۃ المعادن، ج رابع، ص ۱۵۴، نمبر ۴۱۸۴)) اس اثر میں ہے کہ زمانہ جاہلیت کے مدفون کو رکاز کہتے ہیں، اور جو خزانہ زمین میں اللہ نے پیدا کیا ہے وہ معدن ہے۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے کہ معدن یعنی کان کا خزانہ معاف ہے اور رکاز یعنی زمانہ جاہلیت کے دفینے میں پانچواں حصہ ہے، حدیث وہی اوپر والی ہے. عن ابی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال : العجماء جبار ، و البئر جبار ، و المعدن جبار ، و فی الرکاز الخمس ۔ (بخاری شریف، باب فی الرکاز الخمس، ص ۲۴۴، نمبر ۱۴۹۹ رمسلم شریف، باب جرح العجماء و المعدن والبئر جبار، ص ۷۵۸، نمبر ۱۷۱۰/۴۴۶۵) اس حدیث میں معدن اور رکاز میں فرق کیا ہے، اور فرمایا کہ معدن یعنی کان میں معاف ہے اور رکاز میں خمس ہے۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت بلال مزنیؓ کو حضورؐ مقام قبلیہ کا معادن جاگیر میں دیا تو اسکے کان سے پانچواں حصہ نہیں لیتے تھے، بلکہ صرف زکوۃ وصول کرتے تھے، حدیث یہ ہے . عن ربيعة بن أبی عبد الرحمن عن غير واحد أن النبی ﷺ أقطع بلال بن الحارث المزنی معادن القبلية و هی من نا حية الفرع فتلک المعادن لا يؤخذ منها الا الزكوة الى اليوم ۔ (ابوداود شریف، باب فی اقطاع الارضین، ص ۴۴۸، نمبر ۳۰۶۱ رسنن بیہقی، باب زکاۃ المعدن و من قال المعدن لیس برکاز، ج رابع، ص ۲۵۶، نمبر ۷۶۳۶) اس حدیث میں ہے کہ معادن میں صرف چالیسواں حصہ زکوۃ ہے، پانچواں حصہ نہیں ہے۔ (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ یہ خزانے شکار کی طرح مباح ہے جس نے پہلے اٹھالیا اسی کا ہو گیا۔ اور شکار سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے تو اس کان سے بھی کچھ نہ لیا جائے۔ اس کے لئے حدیث یہ ہے.

عن ابيها أسمر ابن مضرس قال : أتيت النبی ﷺ فبايعته فقال : من سبق الى ما لم يسبقه اليه مسلم فهو له ، قال : فخرج الناس يتعادون يتخاطون . (ابوداود شریف، باب فی اقطاع الارضین، ص ۴۵۰، نمبر ۳۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ مباح چیز کا جو مالک بن گیا وہ اس کا ہے [اس سے پانچواں حصہ نہ لیا جائے]

۲ ولا يشترط الحول فی قول لانه نماء کله والحول للتنمية ۳ ولنا قوله عليه السلام وفی الرکاز الخمس وهو من الرکز فاطلق علی المعدن ۴ ولانها کانت فی ايدی الکفرة و حوتها ايدينا غلبة فکانت غنيمة وفی الغنائم الخمس

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ کے ایک قول میں یہ ہے کہ سال گزرنا شرط نہیں اسلئے کہ پورے کا پورا نماء ہی ہے، اور سال گزرنا بڑھنے کے لئے ہے۔

تشریح: اوپر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سونا اور چاندی کا کان نکل جائے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوۃ واجب ہوگی، تو ایک قول میں یہ ہے کہ اس سونے چاندی کا جب سے مالک ہوا اس وقت سے سال گزرے گا تب زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ زکوۃ کے لئے سال گزرنا شرط ہے، اور ایک قول میں یہ ہے کہ ابھی ہی زکوۃ واجب ہو جائے گی سال گزرنا ضروری نہیں، کیونکہ سال گزرنا بڑھوتری کے لئے ہے، اور یہ جو کچھ سونا چاندی نکلا ہے وہ تو بڑھا ہوا ہی ہے، اس لئے سال گزرنا ضروری نہیں۔۔ تنمیۃ: بڑھنا۔

ترجمہ: ۳ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ رکاز میں خمس ہے، اور رکاز رکز سے مشتق ہے [اس کا معنی ہے گاڑنا] پس معدن پر بھی اس کا اطلاق کیا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ رکاز میں پانچواں حصہ ہے، اور، رکاز، رکز، سے مشتق ہے جسکا معنی ہے گاڑنا، اور اللہ نے جب کان میں لوہا ابرک کا خزانہ پیدا کیا تو گویا کہ اللہ تعالی نے اس کو زمین میں گاڑا اس لئے معدن پر بھی رکاز کا اطلاق ہو سکتا ہے اور وہ بھی رکاز میں داخل ہے اور اس میں بھی حدیث کے اعتبار سے خمس ہونا چاہئے۔ حدیث یہ گزر چکی۔ **عن ابی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال : العجماء جبار ، و البئر جبار، و المعدن جبار، و فی الرکاز الخمس** ۔(بخاری شریف، باب فی الرکاز الخمس، ص ۲۴۴، نمبر ۱۴۹۹ / مسلم شریف، باب جرح العجماء والمعدن والبئر جبار، ص ۷۵۸، نمبر ۱۷۱۰ / ۴۴۶۵) اس حدیث میں رکاز میں پانچواں حصہ ہے اور معدن بھی رکاز میں داخل ہے اس لئے معدن [کان] میں بھی پانچواں حصہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۴ اور اس لئے کہ یہ کانیں کافروں کے قبضے میں تھیں پھر ہمارے ہاتھوں نے اس کو غلبۃ جمع کر لیا تو یہ مال غنیمت ہو گئیں، اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ ہے [اس لئے اس میں بھی پانچواں حصہ ہوگا]

تشریح: کان میں پانچواں حصہ واجب کرنے کے لئے یہ دلیل عقلی ہے، کہ یہ کانیں [معدن] پہلے کفار کے قبضے میں تھیں، اسلام آنے کے بعد ہمنے اس پر غلبہ کے طور پر قبضہ کیا تو گویا کہ وہ مال غنیمت ہو گئیں، اور مال غنیمت میں پانچواں حصہ ہے اس لئے اس میں بھی پانچواں حصہ ہوگا۔۔ حوتھا: حوی سے مشتق ہے، گھیرنا، قبضے میں لینا۔

۵ بخلاف الصيد لانه لم يكن في يد احد ٦ الا ان للغانمين يدا حكمية لثبوتها على الظاهر واما الحقيقية فللواجد فاعتبر نا الحكمية في حق الخمس والحقيقية في حق الاربعة الاخماس حتى كانت للواجد (۸۲۹) ولو وجد في داره معدنا فليس فيه شئ ﴾ ا عند ابي حنيفة وقالا فيه الخمس لا طلاق ما روينا.

ترجمہ: ۵ بخلاف شکار کے اس لئے کہ وہ کسی کے قبضے میں نہیں تھا۔[اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا]

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ شکار میں پانچواں حصہ نہیں تو معدن یعنی کان بھی پانچواں حصہ نہیں، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ شکار کا جانور پہلے سے کسی کافر کے قبضے میں نہیں تھا کہ اس پر قبضے کے بعد اس کو مال غنیمت شمار کیا جائے، اور اس پر خمس لازم کیا جائے، اس کے برخلاف کان زمانہ قدیم میں کافر کے قبضے میں تھی، اس لئے مسلمانوں کے قبضے کے بعد مال غنیمت کے درجے میں ہوگئی، اس لئے اس میں خمس ہوگا۔

ترجمہ: ٦ مگر غازیوں کا قبضہ حکمی طور پر ہے، کیونکہ وہ ظاہری پر ثابت ہے، بہر حال حقیقی قبضہ تو پانے والے کا ہے، اس لئے ہم نے حکمی قبضے کا اعتبار پانچویں حصے کے حق میں کیا، اور حقیقی قبضے کا اعتبار باقی چار خمس کے حق میں کیا اسی لئے وہ پانے والے کے لئے ہوا۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ معدن پر ہمارا قبضہ غلبہ کے طور پر ہوا اور وہ مال غنیمت ہوئی تو پانچواں حصہ حکومت کو ملنا چاہئے، اور باقی چار حصے مجاہدین کو ملنا چاہئے، پانے والے کو کچھ نہیں ملنا چاہئے۔ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مجاہدین کا غلبہ ظاہری طور پر مانا ہے، کیونکہ اس زمین پر ایک گونا حکومت کا قبضہ ہے، اور اسی ظاہری کا اعتبار کرتے ہوئے حکومت کو ایک پانچواں حصہ دلوایا، اور حقیقت میں اس پر پانے والے کا قبضہ ہے، اس لئے حقیقی قبضے کا اعتبار کرتے ہوئے پانے والے کو باقی چار خمس دلوایا۔

لغت: غانمین: غنیمت حاصل کرنے والے، غازی۔ یدا: قبضہ۔ خمس: پانچواں حصہ، اور اربعۃ اخماس: کا ترجمہ ہے چار خمس، یعنی چار پانچواں حصہ۔ واجد: پانے والا۔

ترجمہ: (۸۲۹) اگر گھر میں کان پایا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: ا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس میں پانچواں حصہ ہے اس حدیث کی بنا پر جو میں نے اوپر روایت کی۔

تشریح: اگر کسی کے گھر ہی میں لوہے وغیرہ کی کان نکل آئی تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس میں نہ پانچواں ہے نہ چالیسواں حصہ ہے۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ گھر کی زمین میں کوئی لگان نہیں ہے نہ عشر ہے اور نہ خراج وہ تو مفت ہوتا ہے، اور جو کان ہے وہ

۲؎ ولـه انه من اجزاء الارض مرکب فیها ولا مؤنة فی سائر الاجزاء فکذا فی هذا الجزء لان الجزء لا یخـالف الجملة بخلاف الکنز لانه غیر مرکب فیها(۸۳۰) قال وان وجـد فی ارضه فعن ابی حنیفة فیه روایتان﴾

اسی مفت زمین کا حصہ ہے، کیونکہ اللہ نے اس زمین کے اجزاءکواور کان کوایک ساتھ پیدا کیا ہے ،اور گھر کی زمین میں کوئی لگان نہیں تو اسکے حصے پر بھی کوئی خمس نہیں ہونا چاہئے ۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اوپر والی حدیث ,وفی الرکاز الخمس ، کہ کان میں پانچواں حصہ ہے یہ عام ہے، گھر اور زمین کی قید اس میں نہیں ہے اس لئے کان چاہے زمین میں نکلے چاہے گھر میں ہر حال میں پانچواں حصہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کان زمین کا جز ہے،اس کے ساتھ شامل،اور اس زمین کے تمام اجزاء میں کوئی لگان نہیں ہے تو اسی طرح اس کان والے جز میں بھی کوئی لگان نہیں ہونا چاہئے ،اس لئے کہ جز پورے مجموعے کا مخالف نہیں ہوتا۔بخلاف دفن شدہ خزانے کے اس لئے کہ وہ زمین کے ساتھ مرکب نہیں ہے۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ گھر کی زمین پر کوئی مونت یعنی کوئی عشر یا خراج وغیرہ نہیں ہے،اور کان اور گھر کی زمین دو نوں تخلیق کائنات کے وقت ہی سے مرکب ہیں،اور گھر کی زمین کے کسی جز پر کوئی لگان نہیں ہے تو اس کان پر بھی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ کوئی جز مجموعے کے حکم کے خلاف نہیں ہوتا۔ہاں اگر گھر کی زمین میں کوئی دفن کیا ہوا خزانہ مل جائے تو اس میں خمس ہوگا، کیونکہ دفن کیا ہوا خزانہ زمین کا جز نہیں ہوتا،اور اس کے ساتھ مرکب نہیں ہوتا ہے، وہ تو بعد میں دفن کیا ہوا ہے،اس لئے اس کا حکم گھر کا حکم نہیں ہوگا اس پر خمس ہوگا۔

لغت : سائر:باقی تمام اجزا۔مرکب:ملا ہوا،شامل۔مؤنۃ:لگان،خرچ، یہاں عشر،یا خراج مراد ہے۔جملۃ:تمام۔کنز:خزانہ، یہاں مراد ہے دفن کیا ہوا خزانہ۔

ترجمہ: (۸۳۰)اگر کان اپنی زمین میں نکل جائے تو امام ابو حنیفہؒ کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اپنی زمین میں کان نکل جائے تو اس میں خمس نہیں۔یہ روایت مبسوط میں ہے، مبسوط کی عبارت یہ۔قلت : أرأیت الرجل المسلم أو الذمی یکون فی داره المعدن أو فی أرضه ؟قال: هو له و لیس فیه خمس ، و هذا قول أبی حنیفةؒ ، و فی قول ابی یوسف و محمدفیه الخمس . (کتاب الاصل المبسوط، باب الذهب والفضۃ والرکاز والمعدن الخ ،ج ثانی ،ص ۱۱۶،)اس عبارت میں ہے کہ اپنی زمین میں کان نکل جائے تو اس پر خمس نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اپنی زمین پر عشر یا خراج ہے خمس نہیں ہے اس لئے اس پر خمس لازم نہیں ہوگا۔

لے ووجه الفرق علیٰ احداهما وهو رواية الجامع الصغير ان الدار ملكت خالية عن المؤن دون الارض ولهٰذا وجب العشر والخراج فی الارض دون الدار فكذا هذه المؤنة (۱۸۳۱) وان وجدر كازا ای كنزا وجب فيه الخمس عندهم ﴾ لے لما روينا ٢ٍ واسم الركاز يطلق على الكنز لمعنى الركز وهو الثبات

ترجمه: لے دو میں سے ایک روایت میں فرق کی وجہ یہ ہے، جو جامع صغیر میں ہے کہ گھر کا مالک اس حال میں بنا کہ وہ تمام لگان سے خالی ہے، زمین ایسی نہیں ہے، اسی لئے زمین میں عشر یا خراج واجب ہے گھر میں واجب نہیں ہے پس ایسے ہی گھر اس لگان سے بھی خالی ہو۔

تشریح : اور دوسری روایت اوپر گزری کہ زمین عشری ہو یا خراجی ہو اور کان نکل جائے تو اس میں خمس ہے۔ یہ روایت جامع صغیر میں ہے اس کی عبارت یہ ہے. محمد عن يعقوب عن ابی حنيفةؒ فی معدن ذهب ، أو فضة أو حديد أو رصاص أو صفر وجد فی أرض خراج أو عشر قال : فيه الخمس ۔(جامع صغیر، باب فی المعدن والرکاز ص۱۳۳) اس عبارت میں ہے کہ چاہے اپنی زمین ہو لیکن اگر عشری یا خراجی ہو تو اس پر خمس لازم ہے۔ اس روایت کے اعتبار سے زمین اور گھر میں فرق یہ ہے کہ گھر ہمیشہ مفت ہوتا ہے، اس پر کوئی مؤنت [لگان] عشر یا خراج لازم نہیں ہے، اس لئے اس میں کان نکل جائے تو اس میں کچھ نہیں لازم ہوگا۔ اور زمین پر عشر یا خراج دونوں میں سے ایک ضرور ہوتا ہے، جب کوئی لگان ہوتا ہے تو اس کو بڑھا کر پانچواں حصہ کر نے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه: (۸۳۱) اور اگر رکاز یعنی دفن کیا ہوا خزانہ پایا تو سب اماموں کے نزدیک اس میں پانچواں حصہ ہے۔

ترجمه: لے اس حدیث کی بنا پر جو ہم نے پہلے روایت کی۔

تشریح : اب تک کان کے سلسلے میں مسئلے تھے۔ اب اس خزانہ کے سلسلے میں مسئلہ ہے جو کسی آدمی نے زمین میں دفن کیا ہو، مثلا درہم یا دینار دفن کر دیا اور وہ مل گیا، تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسف، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ سب کے نزدیک خمس ہے۔ کیونکہ حدیث گزر چکی ہے۔ وفی الرکاز الخمس، اور امام شافعیؒ نے بھی رکاز کا ترجمہ دفن کیا ہوا خزانہ کیا ہے، اس لئے انکے یہاں بھی اس میں پانچواں حصہ لازم ہوگا۔

ترجمه: ٢ٍ اور رکاز کا لفظ دفینہ پر بولا جاتا ہے رکز کے معنی کی وجہ سے اور رکز کا معنی ثابت کرنے کے ہیں۔

تشریح : اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں کہ رکاز کے معنی ثابت کرنا اور گاڑنا ہے اور دفن کیا ہوا خزانہ بھی گاڑا جاتا ہے اس لئے اس کو بھی رکاز کہتے ہیں۔ اور حدیث کے اعتبار سے رکاز میں خمس ہے تو دفن کیا ہوا خزانہ میں بھی سب کے نزدیک خمس لازم ہوگا۔

۳؎ ثم ان کان علیٰ ضرب اھل الاسلام کالمکتوب علیه کلمة الشھادة فھو بمنزلة اللقطة وقد عرف حکمھا فی موضعھا ۴؎ وان کان علیٰ ضرب اھل الجاھلية کالمنقوش عليه الصنم ففيه الخمس علی کل حال لما بینا ۵؎ ثم ان وجده فی ارض مباحة فاربعة اخماسه للواجد لانه تم الاحراز منه اذ لاعلم به للغانمين فيختص ھو به

ترجمہ: ۳؎ پھر اگر یہ دفینہ اہل اسلام کے طریقے پر ڈھلا ہوا ہو، جیسے اس پر کلمہ شہادت لکھا ہوا ہوتو وہ لقطہ کے درجے میں ہے اوراس کا حکم کتاب اللقطہ میں آئے گا۔

تشریح : دفن کیا ہوا خزانے کی تین صورتیں ہیں[۱] اگر علامات سے معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا دفن کیا ہوا مال ہے تو اس کا حکم لقطہ کا حکم ہے یعنی جس مال کو پایا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اہم مال ہو تو ایک سال تک یا اس سے زیادہ اس کا اعلان کروائے ، اور مالک مل جائے تو اس کو دے دے، اور مالک نہ ملے تو خود فقیر ہے تو خود اس کو استعمال کرے، اور خود مالدار ہے تو اس مال کو کسی فقیر کو صدقہ کر دے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس مال کو رکھے رہے ابھی صدقہ نہ کرے۔ اس صورت میں پانچواں حصہ نہیں ہے [۲] اور اگر علامت سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کافر کا دفن کیا ہے مثلا اس پر بت کی تصویر ہے تو یہ مال غنیمت کے درجے میں ہے حدیث کے اعتبار سے اس میں خمس ہے۔ [۳] اور اگر اسلام اور کافر کی کوئی علامت نہ ہو تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کو کافر کا دفینہ قرار دیا جائے، ظاہر مذہب یہی ہے ، کیونکہ اس زمین پر اسلام سے پہلے کافروں کی ہی حکومت تھی، اس لئے کافروں کا دفن کیا ہوا قرار دیا جائے، لیکن بعد کے لوگوں نے یہ فرمایا کہ مسلمانوں کا دفینہ قرار دیا جائے، کیونکہ اسلام کا زمانہ کافی لمبا ہو چکا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ کسی مسلمان کا ہی دفن کیا ہوا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور اگر اہل جاہلیت کے انداز کا ڈھلا ہوا ہو، جیسے اس پر بت نقش کیا ہو تو اس میں ہر حال میں پانچواں حصہ ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح: دفن کئے ہوئے خزانے پر کوئی ایسی علامت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس کو دفن کیا ہے جیسے اس پر بت کی تصویر بنی ہوئی ہے تو یہ مال غنیمت کے درجے میں ہے اور اس میں ہر حال میں خمس ہے، اسی کے بارے میں حدیث، وفی الرکاز الخمس، ہے۔

ترجمہ: ۵؎ پھر اگر اس کو مباح زمین میں پایا تو چار خمس پانے والے کے لئے ہے، کیونکہ اپنی حفاظت میں کرنا اسی کی طرف سے پورا ہوا، کیونکہ غازیوں کو اس کا علم بھی نہ تھا، اس لئے خاص طور پر اسی کو ملے گا۔

تشریح: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ دفینہ میں ایک پانچواں حصہ تو اسلامی حکومت لے گی، باقی چار خمس کسکو دیا جائے؟ کیونکہ

۶ وان وجده فی ارض مملوکة فکذا الحکم عند ابی یوسف لان الاستحقاق بتمام الحیازة وهو منه ۷ و عند ابی حنیفة ومحمد هو للمختطّ له وهو الذی ملکه الامام هذه اول الفتح لانه سبقت یده الیه وهی ید الخصوص فیملک به ما فی الباطن وان کانت علی الظاهر کمن اصطاد سمکة ففی بطنها دُرّةٌ

یہاں تین قسم کا قبضہ ہے[۱] اسلامی حکومت ہے اس لئے ظاہری قبضہ غازیوں کا ہے،[۲] پھر زمین جسکی ہے تو ظاہری قبضہ اس کا بھی ہے،[۳] اور حقیقی قبضہ پانے والے کا ہے۔فرماتے ہیں کہ اگر ایسی زمین میں خزانہ پایا جو کسی کی نہیں ہے، حکومت کی ہے جس پر کوئی بھی قبضہ کر کے اپنی زمین بنا سکتا ہے جسکو ارض مباح، کہتے ہیں، تو اس میں چار خمس پانے والے کو ملے گا، کیونکہ ظاہری قبضہ اگر چہ غازیوں کا ہے اسی وجہ سے ایک خمس حکومت کو ملا لیکن حقیقی قبضہ پانے والے کا ہے اسی نے اس کو اپنی حفاظت میں لیا، غازیوں کو تو اس کا پتہ بھی نہیں تھا کہ اس زمین میں خزانہ ہے

وجه : اس اثر میں اس کا ثبوت ہے. عن عبد الله بن بشر الخثمی ، عن رجل من قومه أن رجلا سقطت علیه جرة من دیر بالکوفة فأتی بها علیاً فقال : اقسمها أخماسا ، ثم قال : خذ منها اربعة اخماس و دع واحدا ۔ (سنن بیہقی، باب ماروی عن علیؓ فی الرکاز، ج رابع، ص۲۶۴، نمبر ۷۶۵۶)اس اثر میں ہے کہ کوفہ کی ویران زمین، یعنی مباح زمین میں خزانہ پایا تو حضرت علیؓ نے چار حصہ پانے والے کو اور ایک خمس حکومت کو دلوایا۔

لغت : تم الاحراز: احراز کا معنی حفاظت، یہاں ترجمہ ہے اس نے پورے طور پر اپنی حفاظت میں لیا۔ یختص ھو: اسی کو خاص طور پر ملے گا۔

ترجمہ: ۶ اور اگر کسی کی مملوکہ زمین میں خزانہ پایا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہی حکم ہے [یعنی پانے والے کو چار خمس ملے گا زمین والے کو نہیں] اس لئے کہ حصہ لینے کا استحقاق پورے طور پر قبضہ میں لینے سے ہے، اور یہ پانے والے ہی کی جانب سے ہوا۔

تشریح : کسی دوسرے کی مملوکہ زمین میں دفینہ پایا تو امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ جس نے پایا اسی کو چار خمس دیا جائے، زمین والے کو کچھ نہ دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ زمین پر ظاہری قبضہ اگر چہ زمین والے کی ہے، لیکن دفینہ زمین کی پیداوار نہیں ہے وہ تو الگ سے دفن کیا ہوا ہے اس لئے زمین والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور حصہ پانے کا حقدار جمع کرنے اور قبضہ کرنے سے ہوتا ہے، اور جمع پانے والے نے کیا ہے اور اسی کا حقیقی قبضہ ہے اس لئے اسی کو باقی چار خمس ملے گا۔۔ حیازة: جمع کرنا، محفوظ کرنا۔

ترجمہ: ۷ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ چار حصے مختط لہ کے لئے ہوگا۔ مختط لہ وہ آدمی ہے جسکو امام نے فتح کے وقت میں پہلی مرتبہ زمین کے اس ٹکڑے کا مالک بنایا، اس لئے کہ اس کا قبضہ اسلام میں سب سے پہلے ہے، یہ مخصوص قبضہ ہے، اس لئے

۸ ثم بالبيع لم يخرج عن ملكه لانه مودع فيها بخلاف المعدن لانه من اجزائها فينتقل الى المشترى

زمین کے اندر جو کچھ ہے اس کا وہ مالک بنے گا، اگر چہ ظاہری طور پر اس کا قبضہ ہے جسکی زمین ہے، جیسے کہ مچھلی کا شکار کیا اور اس کے پیٹ سے موتی نکلا [تو موتی شکار کرنے والے کا ہوگا بعد میں خریدنے والے کا نہیں]

تشریح : مختط لہ: جس وقت اس ملک پر اسلام کا قبضہ ہوا اور اس وقت کے امیر نے پہلی مرتبہ زمین کے اس ٹکڑے کا مالک جس کو بنایا اس آدمی کو مختط لہ، کہتے ہیں۔ چونکہ امام زمین پر خط کھینچ کر اس ٹکڑے کو الگ کرتے ہیں اس لئے اس آدمی کو مختط لہ کہتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ یہ چار حصے مختط لہ کو ملے گا، اور وہ نہ ہو تو اس کے وارث کو ملے گا، اور اس کا بھی پتہ نہ چلے تو یہ دیکھو کہ اسلام میں زمین کے اس ٹکڑے کا سب سے پہلا مالک کون نظر آ رہا ہے اس کو دو، اور وہ بھی نہ ہو تو اس کے وارث کو دو

وجہ: اس کی وجہ ایک اصول ہے، وہ یہ ہے کہ جو مختط لہ ہے وہ اس زمین کا پہلا مالک ہے اسی کا قبضہ پہلے ہوا ہے، اس لئے زمین بھی اسکی ہے اور اس میں جو دفینہ ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ اور زمین کو بیچ دیا تو زمین دوسرے کی ہوگئی لیکن دفینہ اس میں امانت ہے، اور زمین سے الگ چیز ہے، اس لئے دفینہ زمین خریدنے والے کا نہیں ہوا وہ مختط لہ کا ہی رہا، اور وہ زندہ نہ ہو تو اس کے وارث کا ہوا۔ اس لئے دفینہ کا چار خمس مختط لہ کو دیا جائے یا اسکے وارث کو دیا جائے۔ یا جسکے بارے میں پتہ لگے کہ اسلام میں اس زمین کا پہلا مالک ہے اس کو دیا جائے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ کسی نے مچھلی شکار کی، پھر اس نے مچھلی کو بیچ دیا تو مچھلی خریدنے والے کی ہوئی، لیکن اگر خریدنے والے کے یہاں مچھلی کے پیٹ سے موتی نکلے تو یہ موتی خریدنے والے کو نہیں ملے گا شکار کرنے والے کو ملے گا، کیونکہ اس نے صرف مچھلی بیچی ہے، موتی کا مالک ابھی بھی شکار کرنے والا ہی ہے۔ اسی طرح سے مختط لہ نے صرف زمین بیچی ہے، دفینہ کا مالک ابھی بھی مختط لہ ہی ہے۔ بقعۃ: زمین کا ٹکڑا۔ درۃ: موتی۔

ترجمہ: ۸ پھر زمین بیچنے کی وجہ سے دفینہ اس کے ملک سے نہیں نکلے گا، اس لئے کہ دفینہ زمین میں امانت ہے۔ بخلاف کان کے اس لئے کہ وہ زمین کا جز میں سے ہے، اس لئے وہ خریدنے والے کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

تشریح : دفینہ اور کان میں فرق یہ ہے کہ دفن کیا ہوا مال جسکو کنز کہتے ہیں وہ زمین کا جز نہیں ہے وہ بالکل الگ ہے، اور گویا کہ زمین میں اسکے مالک کی امانت رکھا ہوا ہے، اس لئے زمین کو بیچنے کی وجہ سے دفینہ خریدنے والے کی ملکیت میں نہیں جائے گا، وہ پہلے مالک کا ہی ہوگا۔ کان [معدن] کا معاملہ اور ہے وہ زمین کی پیدائش کے وقت سے اس کا جز ہے، اس لئے زمین خریدنے کی وجہ سے کان بھی خریدنے والے کی ملکیت میں چلی جائے گی، اس لئے اوپر مسئلہ گزرا کہ کسی کی زمین میں کان نکلی تو پانچواں حصہ حکومت کو ملے گا، اور باقی چار حصہ زمین کے موجودہ مالک کو ملے گا۔ مودع: امانت۔

۹ وان لم یعرف المختط له یصرف الی اقصی مالک یعرف فی الاسلام علیٰ ما قالوا ۱۰ ولو اشتبه الضربُ یجعل جاهلیاً فی ظاهر المذهب لانه الاصل وقیل یجعل اسلامیا فی زماننا لتقادم العهد

(۸۳۲) ومن دخل دار الحرب بامان فوجد فی دار بعضهم رکازا رده علیهم ۱ تحرزا عن الغدر لان ما فی الدار فی ید صاحبها خصوصًا

ترجمہ: ۹ اگر مختط لہ کا پتہ نہ چلے تو اسلام میں سب سے پہلے مالک کا پتہ لگے اس کو یہ دفینہ دیا جائے گا، یہی متأخرین مشائخ کا قول ہے۔

تشریح: زمانہ اتنا گزر گیا کہ مختط لہ کا پتہ ہی نہیں چل رہا ہے کہ کون تھا تو اس کا پتہ لگائے کہ اسلامی حکومت میں اس زمین کا سب سے پہلا مالک کون تھا، جس کے بارے میں پتہ چلے اس کو دیا جائے، اور وہ نہ ہو تو اس کے وارث کو دیا جائے، یا وارث کے وارث کو دیا جائے، متأخرین مشائخ نے یہی فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دفینہ زمین کے پہلے مالک کی امانت ہے۔۔ اقصی: آخری مالک۔

ترجمہ: ۱۰ اگر ٹھپہ مشتبہ ہو گیا ہو تو ظاہری مذہب میں اس کو زمانہ جاہلیت کا قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ یہی اصل ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہمارے زمانے میں اسلامی قرار دیا جائے گا اس لئے کہ زمانہ کافی گزر چکا ہے۔

تشریح: درہم یا دینار کا جو دفینہ نکلا اس پر جو ٹھپہ لگا ہوا ہے اس کے بارے میں پتہ نہیں چلتا ہے کہ زمانہ اسلام کا ہے یا زمانہ کفر کا تو ظاہری مذہب یہ ہے کہ زمانہ کفر کا قرار دیا جائے، اور اس سے خمس لیا جائے، اس لئے کہ اصل تو پہلے زمانہ کفر ہی تھا۔ اور بعد کے مشائخ نے یہ فرمایا کہ اسلامی حکومت پر بھی کافی زمانہ گزر چکا ہے اس لئے اسلئے اسکو زمانہ اسلام کا قرار دیا جائے۔۔ الضرب: سکے پر جو ٹھپہ لگاتے ہیں۔

ترجمہ: (۸۳۲) کوئی دار الحرب میں امان لیکر داخل ہوا کسی حربی کے گھر میں دفینہ پایا تو حربی ہی کو دے دے گا۔

ترجمہ: ۱ غدر سے بچنے کے لئے جو کچھ کسی کے گھر کے اندر ہے وہ خاص طور پر گھر کے مالک کا ہے ۔

تشریح: کوئی آدمی امن لیکر دار الحرب میں داخل ہوا، اور کسی حربی کے گھر کے اندر دفن کیا ہوا خزانہ پایا تو یہ خزانہ گھر کے مالک کو واپس دے دے، کیونکہ گھر کے اندر جو خزانہ ہے وہ گھر کے مالک کا ہی ہے، اس لئے اگر اس کو نہیں دے گا تو دھوکا ہوگا، اس لئے مالک کو واپس دے۔

وجہ: عن الشعبی قال : جاء رجل الی علیؓ فقال انی وجدت ألفا و خمسمأة درهم فی خربة فی السواد ، فقال علیؓ أما لأقضین فیها قضاء بینا ان کنت وجدتها فی قریة تؤدی خراجها قریة اخری فهی لأهل تلک

(۸۳۳) وان وجده فی الصحراء فھو له ﴾ ل لانه لیس فی ید احد علی الخصوص فلا یعد غدرا ولا شئ فیه لانه بمنزلة المتلصص غیر مجاھر (۸۳۴) ولیس فی الفیروزج الذی یوجد فی الجبال خمس﴾ ل لقوله ں لا خمس فی الحجر

القریة و ان کنت وجدتھا فی قریة لیس تؤدی خراجھا قریة اخری فلک أربعة اخماسه و لنا الخمس ، ثم الخمس لک ۔(سنن بیہقی ، باب ماروی عن علیؓ فی الرکاز ، ج رابع ، ص ۲۶۳ ، نمبر ۷۶۵۵) اس اثر میں ہے کہ کسی خاص گاؤں والے کا خزانہ ہو تو اس کو ملے گا ، اور خاص گاؤں والے کا نہ ہو تو چار حصہ پانے والے کا اور ایک خمس حکومت کا ہوگا۔

ترجمہ: (۸۳۳) اور اگر دفینہ صحرا میں پایا تو یہ پانے والے کے لئے ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ صحراء کسی خاص آدمی کے قبضے میں نہیں ہے اسلئے غدر شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور اس میں کچھ بھی نہیں لازم ہوگا ، اسلئے کہ وہ خفیہ طور پر چرانے کے درجے میں ہے۔

تشریح: دفن کیا ہوا خزانہ دار الحرب کے کسی جنگل یا صحراء میں پایا ، تو یہ خزانہ پانے والے کے لئے ہے ، اس لئے کہ یہ زمین کسی خاص آدمی کی ملکیت نہیں ہے اس لئے اس کو لینے میں غدر اور دھوکا بھی نہیں ہے۔ اور اس دفینے میں پانچواں حصہ بھی لازم نہیں ہوگا ، اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچواں حصہ اس مال میں لازم ہوتا ہے جو مال غنیمت کے درجے میں ہو ، اور جو مال یا زمین اہل حرب کے قبضہ میں تھا پھر مسلمان حملہ آور ہو کر اس پر غلبہ پا گئے ہوں وہ مال غنیمت کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور یہاں تو حملہ آور ہونا نہیں پایا گیا ، بلکہ یہ ایسا ہوا کہ خفیہ طور پر چرا کر خزانہ لایا ہو اس لئے اس میں پانچواں حصہ بھی لازم نہیں ہوگا پورا مال پانے والے کو ملے گا۔

لغت: متلصص: لص سے مشتق ہے ، چور کا انداز بنانا۔ مجاھر: جھر سے مشتق ہے ، ظاہر کرنا ، اعلان کرنا۔ غیر مجاھر: خفیہ طور پر۔

ترجمہ: (۸۳۴) فیروز پتھر ہیں جو پہاڑوں میں پایا جاتا ہے خمس نہیں ہے۔

ترجمہ: ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ پتھر میں خمس نہیں ہے۔

تشریح: پہاڑوں وغیرہ میں جو پتھر پائے جاتے ہیں جو بعض مرتبہ قیمتی ہوتے ہیں ، جیسے فیروز کا پتھر ، تو اگر خزانے کے طور پر کسی کو مل جائے تو اس میں پانچواں حصہ نہیں ہے اس حدیث کی بنا پر کہ پتھر میں زکوۃ نہیں ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے. عن عمر و بن شعیب ، عن ابیه عن جده قال : قال رسول الله ﷺ : لا زکوة فی حجر ۔(سنن بیہقی ، باب مالا زکوۃ فیہ من الجواہر غیر الذھب و الفضة ، ج رابع ، ص ۲۴۵ ، نمبر ۷۵۹۰) اس حدیث میں ہے کہ پتھر میں زکوۃ نہیں ہے۔ (۲) اس اثر میں بھی ہے کہ پتھر میں زکوۃ نہیں ہے . عن سعید بن جبیر ، قال : لیس فی حجر زکاة الا ما کان لتجارة من جوھر و لا یاقوت و لا لؤلؤ و لا غیره الا الذھب و الفضة ۔(سنن بیہقی ، باب

(۸۳۵) وفی الزیبق الخمس ﴾ ۱ فی قول ابی حنیفۃؒ آخر او ھو قول محمد. ۲ خلافا لابی یوسف
(۸۳۶) ولا خمس فی اللؤ لؤ و العنبر ﴾ ۱ عند ابی حنیفۃؒ ومحمد

مالا زکوۃ فیہ من الجواہر غیر الذھب وط الفضۃ ، ج رابع ،ص ۲۴۶،نمبر ۱۰۵۹۲) اس اثر میں ہے کہ پتھر میں زکوۃ نہیں ہے۔مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہو۔

ترجمہ: (۸۳۵)

ترجمہ: ۱ امام ابوحنیفہؒ کا اخری قول اور وہی قول امام محمدؒ کا ہے کہ پارے میں خمس نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول یہ ہے کہ پارہ جسکو زیبق کہتے ہیں اس کی کان نکل جائے یا اس کا خزانہ مل جائے تو اس میں خمس نہیں ہے

وجہ : وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے اور اوپر گزر ا کہ پتھر میں زکوۃ بھی نہیں اور خمس بھی نہیں ،اس لئے اس میں بھی خمس نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ اس کے خلاف ہیں۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ پارہ عنبر کی طرح ہے اور عنبر میں زکوۃ ہے اور اس کا خزانہ مل جائے تو اس میں خمس بھی ہو گا۔

وجہ: اس اثر میں ہے کہ عنبر میں خمس ہے۔**و قال الحسن فی العنبر و اللؤلؤ الخمس ، فانما جعل النبی ﷺ فی الرکاز الخمس لیس فی الذی یصاب فی الماء** (بخاری شریف ،باب ما یستخرج من البحر ،ص ۲۴۳ ،نمبر ۱۴۹۸ ر مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۳۵ ،من قال لیس فی العنبر زکاۃ ، ج ثانی ،ص ۳۷۴ ،نمبر ۱۰۰۶۳) اس اثر میں ہے کہ عنبر اور موتی میں خمس ہے، اس لئے پارے میں بھی خمس ہوگا۔۔زیبق : پارہ ،سنگ پارہ۔

ترجمہ (۸۳۶) موتی اور عنبر میں خمس نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح : امام ابوحنیفہ :اور امام محمدؒ کے نزدیک موتی اور عنبر میں پانچواں حصہ نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ خمس اس مال میں ہوتا ہے جو مال غنیمت کے درجے میں ہوتا ہے، اور غنیمت اس کو شمار کر سکتے ہیں جہاں غازیوں کا غلبہ ہو اور سمندر پر غازیوں کا غلبہ نہیں ہوتا اس لئے اس سے نکلنے والے سامان موتی اور عنبر میں بھی خمس نہیں ہوگا (۲) اس اثر میں ہے.**و قال ابن عباسؓ لیس العنبر برکاز ، انما ھو شیء دسرہ البحر** ۔(بخاری شریف ،باب ما

۲ وقال ابو یوسف فیهما وفی کل حلیة تخرج من البحر خمس لان عمر اخذ الخمس من العنبر
۳ ولهما ان قعر البحر لم یرد علیه القهر فلا یکون الماخوذ منه غنیمة وان کان ذهبًا او فضة

یستخرج من البحر، ص۲۴۳، نمبر ۱۴۹۸ / سنن بیہقی، باب مالا زکوۃ فیہ مما أخذ من البحر من عنبر وغیرہ، ج رابع، ص ۲۴۶، نمبر ۷۵۹۳) اس اثر میں ہے کہ عنبر رکاز نہیں ہے یعنی اس میں پانچواں حصہ نہیں لیا جائے گا (۳) اس اثر میں بھی ہے کہ لؤلؤ موتی میں زکوۃ نہیں ہے، اور اس میں خمس بھی نہیں ہوگا۔ **عن عکرمة قال : لیس فی حجر اللؤلؤ و لا حجر الزمرد زکاة الا أن یکونا لتجارة فان کا نا لتجارة ففیها زکاة** . (مصنف ابن ابی شیبة، باب، فی اللؤلؤ والزمرد، ج ثانی، ص ۳۷۴، نمبر ۱۰۰۶۷) اس اثر میں ہے کہ موتی اور زمرد کے پتھر میں زکوۃ نہیں ہے

ترجمه: ۲ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ موتی اور عنبر میں اور ہر زیور میں جو سمندر سے نکلے خمس ہے، کیونکہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے عنبر سے خمس لیا

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ موتی اور عنبر اور تمام وہ چیز جو زینت اور زیور کا کام آتا ہے اور سمندر سے نکلے اس میں خمس ہے۔

وجه: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے اس میں خمس لیا ہے، اثر یہ ہے۔ **عن لیث أن عمر بن عبد العزیز خمس العنبر** ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، باب ۳۵، من قال لیس فی العنبر زکاة، ج ثانی، ص ۳۷۴، نمبر ۱۰۰۶۲) اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے عنبر میں پانچواں حصہ لیا۔ (۲) دوسرے اثر میں ہے۔ **قال الحسن فی العنبر واللؤلؤ الخمس ، فانما جعل النبی ﷺ فی الرکاز الخمس لیس فی الذی یصاب فی الماء** (بخاری شریف، باب ما یستخرج من البحر، ص ۲۴۳، نمبر ۱۴۹۸ / مصنف ابن ابی شیبة، باب ۳۵، من قال لیس فی العنبر زکاة، ج ثانی، ص ۳۷۴، نمبر ۱۰۰۶۳) اس اثر میں ہے کہ عنبر اور موتی میں خمس ہے، اس لئے خمس لازم ہوگا۔ لؤلؤ: موتی، یہ سیپ سے نکلتا ہے اور بہت قیمتی ہوتا ہے۔ عنبر: یہ سمندر کا گھاس ہے یا پتھر ہے۔

ترجمه: ۳ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ سمندر کی گہرائی پر غلبہ نہیں ہوا تو جو سمندر سے لیا گیا وہ غنیمت نہیں ہے چاہے سونا اور چاندی ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: یہ طرفین کی دلیل عقلی ہے کہ خمس اس میں ہوتا ہے جو مال غنیمت کے درجے میں ہو، اور مال غنیمت کے درجے میں وہ ہوتا ہے جہاں غازیوں کا قہر اور غلبہ ہو، اور سمندر کی گہرائی پر غازیوں کا غلبہ نہیں ہوتا اس لئے اس سے نکلنے والی چیز مال غنیمت کے درجے میں نہیں ہے اور نہ اس میں خمس واجب ہوگا۔ قعر: سمندر کی گہرائی۔

ع والمروی عن عمر فیما دسره البحر وبه نقول (۸۳۷) متاع وجد رکاز فهو للذی وجد وفیه الخمس ﴾ ل معناه وجد فی الارض لا مالک لها لانه غنیمة بمنزلة الذهب والفضة . والله اعلم.

ترجمہ: ع اور حضرت عمرؓ سے جو روایت پیش کی ہے وہ اس عنبر کے بارے میں ہے جسکو سمندر نے کنارے پر پھنک دیا[اور غازیوں نے اس کو لے لیا ہو اور اس کے قائل ہم بھی ہیں۔

تشریح : یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے اثر پیش کیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے عنبر میں خمس لیا ہے، تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ اس عنبر کے بارے میں ہے جس کو سمندر کی موجوں نے دار الحرب کی زمین پر پھینک دیا اور غازیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو چونکہ اس پر غازیوں کا قبضہ ہے، یا دار الحرب کی زمین سے لیا ہے جس پر غازیوں کا غلبہ ہے تو یہ مال غنیمت کے درجے میں ہوا اس لئے اس عنبر میں خمس ہونا چاہئے، اس کے قائل ہم بھی ہیں، یہ براہ راست سمندر سے نکالے ہوئے عنبر کے بارے میں نہیں ہے ۔۔ دسر: باہر پھینک دیا۔

ترجمہ: (۸۳۷) سامان بطور رکاز پایا گیا تو اس کا ہے جس نے پایا۔ اور اس میں خمس ہے۔

ترجمہ: ل اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی زمین میں پایا جس کا کوئی مالک نہیں ہے، اس لئے یہ سونے اور چاندی کے درجے میں غنیمت کا مال ہے۔

تشریح: سونے چاندی کے علاوہ گھر میں کام آنے والا سامان، مثلا کپڑا، ہتھیار، آلات وغیرہ کا دفینہ پایا، اور وہ بھی ایسی زمین میں جو کسی کی ملکیت نہیں ہے، مباح ہے تو اس کا حکم سونے چاندی کا ہوگا، اس میں سے ایک خمس حکومت کو ملے گا اور باقی چار خمس پانے والے کو مل جائے گا، کیونکہ یہ بھی سونے چاندی کی طرح مال غنیمت کے درجے میں ہے۔

اصول : سامان دفینہ ہو تو اس کا بھی حکم درہم اور دینار کی طرح ہے۔

﴿باب زکوٰۃ الزّروع والثمار﴾

(۸۳۸)قال ابو حنيفة فی قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سُقی سَيحًا او سقته السماء الا القصب والحطب والحشيش﴾ ١ وقالا لا يجب العشر الا فيما له ثمرة باقية اذا بلغ خمسة او سق

﴿ باب زکوۃ الزروع والثمار ﴾

ضروری نوٹ: غلہ اور پھل میں زکوۃ ہے۔اس کی دلیل اور مقدار کی تفصیل آگے آرہی ہے۔عشر کی دلیل یہ آیت ہے. وأتو حقه يوم حصاده و لا تسرفوا انه لا يحب المسرفين . (آیت ۱۴۱،سورۃ الانعام ۶)اس آیت میں ہے کہ کھیتی کاٹنے کے دن اس کا حق دو۔

ترجمہ: (۸۳۸)امام ابوحنیفہ نے فرمایا،زمین تھوڑا غلہ نکالے یا زیادہ اس میں عشر واجب ہے چاہے پانی سے سیراب کی گئی ہو یا اس کو آسمان نے سیراب کیا ہو،مگر جلانے کی لکڑی اور بانس اور گھاس میں عشر نہیں ہے۔

تشریح: زمین سے جتنے غلے یا پھل نکلتے ہیں حنفیہ کے نزدیک اس تمام میں عشر واجب ہے۔چاہے اس کی مقدار پانچ وسق پہنچے یا نہ پہنچے۔اور چاہے وہ سال بھر تک رہ سکتا ہو یا نہ رہ سکتا ہو۔البتہ ایسی چیز جو قابل التفات نہیں سمجھی جاتی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔جیسے جلانے کی لکڑی،نرکٹ اور گھاس کہ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ لوگ ان کو قصد و ارادہ کر کے بوتے ہوں۔بلکہ خودرو ہیں۔اور اگر یہ چیزیں باضابطہ بوئیں اور قابل حیثیت ہو تو پھر اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

وجہ: (۱)عن سالم بن عبد الله بن ابيه عن النبی ﷺ قال فيما سقت السماء والعيون او كان عشر يا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر ۔(بخاری شریف،باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳ر مسلم شریف،باب ما فیہ العشر أو نصف العشر ،کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱ ر ۲۲۷۲ ر ابو داؤد شریف،باب صدقۃ الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶)اس حدیث میں کوئی قید نہیں ہے نہ پانچ وسق کی قید ہے اور نہ سال بھر رہنے کی قید ہے،بلکہ مطلق یہ ہے کہ آسمان کی بارش اور نہروں کی سیرابی سے جو کچھ پیدا ہوا ہو اس میں عشر ہے(۲) صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔كتب عمر بن عبد العزيز ان يوخذ مما انبتت الارض من قليل او كثير العشر. (مصنف عبد الرزاق،باب الخضر ج رابع ص ۹۵ نمبر ۷۲۲۶ر مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۰ کل شیء اخرجت الارض زکوۃ،ج ثانی،ص ۳۷۱،نمبر ۱۰۰۲۸)اس اثر میں ہے کہ جو کچھ بھی زمین پیدا کرے اس میں عشر ہے۔

لغت: سیحا : بارش سے۔ الحطب : جلانے کی لکڑی۔ القصب : بانس،نرکٹ۔ الحشیش : گھاس۔

ترجمہ: ١ صاحبین نے فرمایا عشر واجب نہیں ہے مگر پھل میں جو باقی رہتا ہو جب کہ پانچ وسق پہنچ جائے۔

۲؎ والوَسَق ستون صاعًا بصاع النبی علیه السلام.

تشریح: سبزی وغیرہ جو زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں ان میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔اسی طرح جب تک کہ غلے کی مقدار پانچ وسق نہ ہوجائے تو اس میں عشر نہیں ہے۔

وجه: ان کی دلیل یہ حدیث ہے(۱)۔عن معاذ انه کتب الی النبی ﷺ یسأله عن الخضروات و هی البقول فقال لیس فیها شیء (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الخضروات ص ۱۳۸ نمبر ۶۳۸ رسنن للبیہقی، باب الصدقۃ فیما یزرعه الآدمیون ج رابع ص ۲۱۶،نمبر ۷۴۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔(۲)اس اثر میں ہے. عن ابن جریج قال : قال عطاء لیس فی البقول ، و القصب ، و الجرجیر ، و القثاء ، و الکرسف ، و العصفر ، و الفواکه ، و الاترج ، و التفاح ، و الجوز، و التین ، و الرمان ، و الفرسک ، و الفواکه یعدها کلها لیس فیها صدقة وانما تؤکل ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخضر ج رابع ص ۹۳ نمبر ۷۲۱۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۱ فی الخضر من قال: لیس فیها زکوۃ، ج ثانی، ص ۳۷۲،نمبر ۱۰۰۴۴) اس اثر میں ہے کہ اوپر کے سبزیات میں عشر نہیں ہے۔(۳)اور پانچ وسق ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة (بخاری شریف، باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۴ رمسلم شریف، باب لیس فیما دون خمسۃ اَوسق صدقۃ، کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۷۹ ر۲۲۶۳ رابوداؤد شریف، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ یہ حدیث کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمه: ۲؎ وسق ساٹھ صاع کا ہو حضورؐ کے صاع سے۔

تشریح : وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔(۱)عن ابی سعید الخدری یرفعه الی النبی ﷺ قال : لیس فیما دون خمسة اوساق زکاة . و الوسق ستون مختوما . (سنن بیہقی، باب مقدار الوسق، ج رابع، ص ۲۰۴،نمبر ۷۴۲۷)اس حدیث میں ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے(۲)اس اثر میں بھی ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے ۔عن ابن عمر قال : الوسق ستون صاعا (سنن بیہقی، باب مقدار الوسق، ج رابع، ص ۲۰۴،نمبر ۷۴۲۸ رمصنف عبدالرزاق، باب کم الوسق، ج رابع، ص ۱۱۰،نمبر ۷۲۸۹)اس اثر میں ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ وسق ساٹھ صاع کا ہوا تو پانچ وسق 300 صاع ہوا، اور ایک صاع کا وزن 3.538 کیلو ہے اس اعتبار سے 300 صاع کا وزن 1061.40 کیلو ہوا، یعنی 10 کوئنٹل 61 کیلو اور 40 گرام ہوا۔

اور حضورؐ کے صاع سے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ کے صاع کا اعتبار ہے، حدیث میں ہے کہ اہل مدینہ کے صاع کا اعتبار ہے اور

اہل مدینہ میں حضورؐ کا صاع بھی شامل ہے، کیونکہ اہل مدینہ کا صاع وہی ہوگا جو حضورؐ کا صاع ہوگا۔حدیث یہ ہے۔ **ابن عمرؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ : المیزان علی میزان أھل مکۃ ، و المکیال مکیال أھل المدینۃ .** (سنن بیہقی، باب مادل علی أنّ زکاۃ الفطر انما صاعا بصاع النبی ﷺ وان الاعتبار فی ذالک بصاع اہل المدینۃ الذین کانوا یقتاتون بہ، ج رابع، ص ۲۸۵، نمبر ۷۷۱۷) اس حدیث میں ہے کہ اہل مدینہ کے صاع کا اعتبار ہے۔

﴿صاع کا وزن﴾

صاع تو سب کے نزدیک چار مد کا ہوتا ہے، البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کتنے رطل کا صاع ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک صاع 8 رطل کا ہوتا ہے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے۔(۱) **عن انس بن مالکؓ عن النبی ﷺ کان یتوضأ برطلین و یغتسل بالصاع ثمانیۃ أرطال ، اسنادھما ضعیف** ۔(سنن بیہقی، باب مادل علی أن صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسۃ أرطال وثلث، ج رابع، ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کا صاع آٹھ رطل کا تھا۔(۲) اس اثر میں بھی ہے کہ صاع آٹھ رطل کا ہے۔**سمعت حنشا یقول : صاع عمر ثمانیۃ أرطال و قال شریک أکثر من سبعۃ أرطال و أقل من ثمانیۃ** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۱۵ فی الصاع ماھو، ج ثانی، ص ۴۲۲، نمبر ۱۰۶۴۳) اس اثر میں ہے کہ آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے

اور صاحبینؒ کے یہاں صاع 5.33 پانچ رطل اور تہائی رطل کا ہوتا ہے۔(۱) انکی دلیل یہ اثر ہے . **قال قدمنا علینا أبو یوسف من الحج فأتیناہ ، فقال : انی أرید أن افتح علیکم با با من العلم ھمنی تفحصت عنہ فقدمت المدینۃ فسألت عن الصاع فقالوا صاعنا ھذا صاع رسول اللہ ﷺ قلت لھم : ما حجتکم فی ذالک ؟ فقالوا : نأتیک بالحجۃ غدا ، فلما أصبحت أتانی نحو من خمسین شیخا من ابناء المھاجرین و ألانصار مع کل رجل منھم الصاع تحت ردائہ کل رجل منھم یخبر عن أبیہ أو أھل بیتہ أن ھذا صاع رسول اللہ ﷺ فنظرت فاذا ھی سواء قال : فعایرتہ فاذا ھو خمسۃ أرطال و ثلث بنقصان معہ یسیر فرأیت امرا قویا فقد ترکت قول ابی حنیفۃ فی الصاع و أخذت بقول أھل المدینۃ** ۔(سنن بیہقی، باب مادل علی أن صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسۃ أرطال وثلث، ج رابع، ص ۲۸۶، نمبر ۷۷۲۱) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا تھا۔(۲) **سمعت محمد بن سعد الجلاب یقول : سألت اسماعیل بن أبی أویس بالمدینۃ عن صاع النبی ﷺ فاخرج الی صاعا عتیقا بالیا فقال : ھذا صاع النبی ﷺ بعینہ ، فعیرتہ فکان خمسۃ أرطال و ثلث .** (سنن بیہقی، باب مادل علی أن صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسۃ أرطال وثلث، ج رابع، ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۲) اس اثر میں بھی ہے کہ حضورؐ کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا تھا۔

لیکن اتفاق کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا رطل چھوٹا ہے، یہ 20 استار کا ہے۔اور صاحبینؒ کے نزدیک 5.33 یعنی پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے، لیکن یہ رطل بڑا ہے یعنی 30 استار کا ایک رطل ہے۔اس لئے دونوں کو استار سے ضرب دیں تو حاصل 160 استار ہوتے ہیں۔اس لئے دونوں رطلوں کے صاع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

وجه: درمختار میں عبارت یوں ہے۔فقال الطرفان : ثمانية ارطال بالعراقی وقال الثانی خمسة ارطال وثلث، وقيل لاخلاف لان الثانی قدره برطل المدينة، لانه ثلاثون استاروالعراقی عشرون.واذا قابلت ثمانية بالعراقی بخمسة وثلث بالمدينی وجدتهما سواء (ردالمحتار علی الدرالمختار، مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل، ج ثالث، ص۳۷۳) اس عبارت میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا عراقی رطل 20 بیس استار کا ہے اور صاحبینؒ کا مدینی رطل 30 تیس استار کا ہے۔اس لئے دونوں کا حاصل ایک قسم کا صاع ہے، یعنی 160 استار کا ایک صاع ہے۔

نوٹ: رطل عراقی 442.25 گرام اور رطل مدینی 663.41 گرام کا ہوتا ہے۔

ساٹھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے۔اور صاحبین کے نزدیک پانچ وسق میں عشر یعنی دسواں حصہ لازم ہے۔جس کا حاصل یہ ہے کہ پانچ وسق میں 30 صاع اور بیسواں حصہ ہو تو 15 صاع لازم ہوگا۔

احسن الفتاوی میں ہے کہ ایک صاع 3.538 کیلو اور آدھا صاع 1.769 کیلو ہوگا یعنی ایک کیلو اور 769 گرام ہوگا۔یہی آدھا صاع صدقۃ الفطر میں لازم ہوتا ہے۔اس کو لیٹر سے ناپیں تو 2.94 لیٹر ہوگا۔

ایک وسق یعنی 60 صاع 212.28 کیلو ہوگا۔اور پانچ وسق یعنی 300 صاع 1061.40 کیلو ہوگا۔جس کو دس کوینٹل اکسٹھ کیلو اور چالیس گرام کہتے ہیں۔(احسن الفتاوی، باب صدقۃ الفطر، ج رابع ص ۴۱۶)

البتہ درمختار میں لکھا ہے کہ ایک صاع 1040 درہم کا ہوتا ہے۔عبارت یہ ہے۔الصاع المعتبر ما يسع الفا واربعين درهما من ماش وعدس (ردالمحتار علی الدرالمختار، باب صدقۃ الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم ہے۔اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔اس لئے ایک صاع کا وزن 3.061 × 1040 = 3183.44 گرام ہوا۔اور آدھا صاع 1.591 کیلو ہوا۔یعنی آدھا صاع ایک کیلو پانچ سو اکیانوے گرام ہوئے۔

نوٹ: احتیاط کے لئے میں نے احسن الفتاوی کا حساب لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۔صاع سے وزن کا طریقہ یہ ہے کہ ایک برتن میں جو یا گیہوں یا ماش ڈال دیں جو ایک صاع کی مقدار ہو اس کو صاع کہتے ہیں۔جیسے آج کل دودھ وغیرہ برتن میں ناپ کر دیتے ہیں۔لیکن اب اس زمانے میں یہ ساری چیزیں کیلو سے وزن کرنے لگے ہیں۔چونکہ گیہوں، جو اور ماش مختلف قسم کے بھاری ہوتے ہیں اس لئے وزن کے اعتبار سے ہر غلہ الگ الگ وزن کا ہوگا۔تاہم ایک صاع جو 3.538 کیلو کا ہوتا ہے۔اور گیہوں 4.498 کیلو اور ماش 4.9726 کیلو ہوتا ہے۔یعنی چار کیلو نو سو بہتر گرام ہوتا ہے۔اس

اعتبار سے تین سو صاع جو 1061.40 کیلو ہوگا۔یعنی دس کوئنٹل، اکسٹھ کیلو اور چالیس گرام ہوگا۔اور تمام کا لیٹر 2.94 ہوتا ہے۔

﴿ جدید اور قدیم اوزان کی تفصیل ﴾

پرانے زمانے میں عرب میں سونا اور چاندی ناپنے کے لئے مثقال، استار اور قیراط رائج تھے۔اور غلوں کو ناپنے کے لئے برتن رائج تھا جس میں ڈال کر لوگ غلہ ناپتے تھے۔اس کو رطل، مد، صاع اور وسق کہتے تھے۔آج کل کی طرح غلوں کو وزن کر کے نہیں ناپتے تھے۔اس لئے جب سے ان غلوں کو کیلو گرام سے وزن کرنے لگے ہیں رطل، مد، صاع اور وسق کو کیلو سے موازنہ کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔تاہم علماء کے اقوال کی روشنی میں عرب کے پرانے اوزان کو ہندوستانی نئے اوزان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام کو سہولت ہو۔

﴿ نصاب اور اوزان ایک نظر میں ﴾

(فارمولہ)

کتنے	برابر	کتنے کے
8 رتی	=	ایک ماشہ
12 ماشہ	=	ایک تولہ
کتنے	برابر	کتنے
11.664 گرام	=	ایک تولہ
0.218 گرام	=	ایک قیراط
4.374 گرام	=	ایک مثقال
442.25 گرام	=	ایک رطل
3538 گرام	=	ایک صاع
1769 گرام	=	آدھا صاع
1000 گرام	=	ایک کیلو
3.061 گرام	=	ایک درہم
612.36 گرام	=	نصاب چاندی

۳ ولیس فی الخضراوات عندھما عشر ۴ فالخلاف فی موضعین فی اشتراط النصاب وفی شتراط البقاء

ایک دینار	=	4.374 گرام
نصاب سونا	=	87.48 گرام

(صاع کا نصاب)

صاع	رطل	وسق	کیلو	لیٹر	کتنا واجب ہوگا
1صاع	8	-----	3.538	5.88	صدقۃ الفطر
آدھا صاع	4	-----	1.769	2.94	1.769 کیلو
60صاع	-----	1وسق	212.28	352.80	عشر
300صاع	-----	5وسق	1061.40	1764	106.14 کیلو

یعنی پانچ وسق، دس کوئنٹل اکسٹھ کیلو چالیس گرام ہوگا۔ جس میں عشر ایک سو چھ کیلو اور چودہ گرام لازم ہوگا۔

نوٹ: یہ حساب احسن الفتاوی، باب صدقۃ الفطر، ج رابع، ص ۴۱۶، سے لیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں کیلو اور گرام کا رواج ہے اس لئے تمام حسابات کو اسی پر سیٹ کیا ہوں۔

نوٹ: اگر آٹھ رطل کا ایک صاع ہو تو رطل چھوٹا ہوگا اور 442.25 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور اگر پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہو تو کا صاع ہو تو رطل بڑا ہوگا اور 663.37 گرام کا رطل ہوگا۔ اور دونوں رطلوں کا مجموعی صاع 3.538 کیلو ہوگا۔

ترجمہ: ۳ سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔

وجہ: (۱) عن معاذ انہ کتب الی النبی ﷺ یسألہ عن الخضروات و ھی البقول فقال لیس فیھا شیء (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الخضروات ص ۱۳۸ نمبر ۶۳۸ رسنن للبیھقی، باب الصدقۃ فیما یزرعہ الآدمیون ج رابع ص ۲۱۶، نمبر ۷۴۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے (۲) عن علی قال لیس فی الخضر صدقہ البقل، والتفاح والقثاء (مصنف عبد الرزاق، باب الخضر ج رابع ص ۱۲۰ نمبر ۷۱۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ پس اختلاف دو جگہوں میں ہے [۱] نصاب کے شرط لگانے میں [۲] اور دیر تک باقی رہنے کے شرط لگانے میں۔

۵ لهما فی الاول قوله علیه السلام لیس فیما دون خمسة اَوُسُق صدقة ۶ ولانه صدقة فیشترط فیه النصاب لتحقق الغناء ۷ ولابی حنیفة قوله علیه السلام ما اخرجت الارض ففیه العشر من غیر فصل ۸ وتاویل ما رویاه زکوٰة التجارة لانهم کانوا یتبایعون بالاوساق وقیمة الوسق اربعون درهما

تشریح: صاحبین اورامام ابوحنیفہؒ کے درمیان دو باتوں میں اختلاف ہے [۱] ایک یہ کہ صاحبین کے نزدیک عشر کا نصاب پانچ وسق غلہ ہوگا تب عشر واجب ہوگا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تھوڑا بھی غلہ ہو تو عشر لازم ہو جائے گا۔[۲] اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک دیر تک رہنے والا غلہ ہو یا پھل ہو تب اس میں عشر واجب ہوگا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی بھی پھل، یا غلہ یا سبزی چاہے دیر تک باقی نہ رہتا ہو تب بھی اس میں عشر واجب ہے۔ دونوں کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں۔

ترجمہ: ۵ صاحبین کے نصاب کے بارے میں حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لیس فیما اقل من خمسة اوسق صدقة** (بخاری شریف، باب لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۴ / مسلم شریف، باب لیس فیما دون خمسة اَوسق صدقة، کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۷۹ / ۲۲۶۳)

ترجمہ: ۶ اور اس لئے بھی کہ یہ زکوۃ ہے اس لئے مالداری متحقق ہونے کے لئے اس میں نصاب کی شرط لگائی جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ عشر بھی غلے کی زکوۃ ہے اس لئے جس طرح درہم دینار میں نصاب ہو تو زکوۃ واجب ہوتی ہے تا کہ مالداری ثابت ہو اسی طرح عشر میں بھی نصاب پانچ وسق ہو تب عشر واجب ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۷ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول کہ زمین سے جو چیز بھی پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ بغیر کسی تفصیل کے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن سالم بن عبد الله بن ابیه عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر** ۔(بخاری شریف، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳ / مسلم شریف، باب ما فیه العشر اَو نصف العشر، کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱ / ۲۲۷۲) اس حدیث میں ہے کہ آسمان اور چشمے کے پانی سے جو کچھ بھی پیدا ہو اس میں عشر یا بیسواں حصہ واجب ہے۔ اور اس حدیث میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ پانچ وسق ہو اس لئے پانچ وسق ہونے کی قید مناسب معلوم نہیں ہوتا، اسی طرح اس حدیث میں یہ بھی نہیں ہے کہ غلہ دیر تک باقی رہے تو عشر ہے ورنہ نہیں، اس لئے دیر تک باقی رہنے کی قید بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

ترجمہ: ۸ اور صاحبینؒ نے جو حدیث روایت کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ تجارت کے غلے ہوں تو [تو پانچ وسق ہو تو زکوۃ واجب ہوگی] اس لئے کہ صحابہ وسق سے بیچتے تھے، اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی۔۔ یتبایعون: خرید و فروخت کرتے

۹ ولا معتبر بالمالک فیه فکیف بصفته وهو الغناء ۱۰ و لهذا لا یشترط الحول لانه للاستنماء وهو کله نماء ۱۱ ولهما فی الثانی قوله علیه السلام لیس فی الخَضُروات صدقة والزکوٰة غیر منفی فتعین العشر

تھے۔

تشریح : اوپر صاحبینؒ کی حدیث گزری کہ پانچ وسق میں صدقہ ہے، اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام غلہ کی تجارت وسق سے کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت عموماً چالیس درہم ہوتی تھی، اس اعتبار سے پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئی، حدیث کا مطلب یہ ہوگا کوئی غلے کی تجارت کرتا ہو تو پانچ وسق مال ہو جسکی قیمت دوسو درہم ہو تو اس میں زکوۃ ہے۔ یہ حدیث زمین کی پیداوار کے بارے میں نہیں ہے۔

ترجمہ : ۹ عشر میں مالک کا اعتبار نہیں تو اس کی صفت یعنی مالداری کا اعتبار کیسے ہوگا ؟۔

تشریح : یہ صاحبین کی دلیل کا جواب ہے۔ انہوں نے دلیل دی تھی کہ عشر میں بھی پانچ وسق ہو تا کہ مالداری ثابت ہو، اس کا جواب دیتے ہیں کہ عشر لینے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مالک ہو، مثلا کوئی وقف کی زمین میں غلہ اگائے تب بھی اس پر عشر ہے حالانکہ وہ اس زمین کا مالک نہیں ہے، تو جب عشر لینے کے لئے مالک ہونا شرط نہیں ہے تو جو اس کی صفت ہے یعنی مالدار ہونا، اور پانچ وسق ہونا یہ شرط کیوں ہو؟۔ یا بچہ کی زمین ہو یا مکاتب کی زمین ہو اس کی پیداوار میں بھی عشر ہے حالانکہ مکاتب اس کا مالک نہیں ہو تا، اور بچہ کم عقل ہے، تو عشر لینے کے لئے مالک ہونا ضروری نہیں تو اس کا مالدار ہونا ضروری کیوں ہو؟ یہ تو مالک کی صفت ہے، جب اصلی کی شرط نہیں تو صفت کی شرط کیوں ہو؟ اس لئے مالدار ہونے اور پانچ وسق ہونے کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ : ۱۰ اسی لئے عشر میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ سال گزرنا بڑھنے کے لئے ہے اور پیداوار کل کے کل بڑھوتری ہے۔

تشریح : پانچ وسق کی شرط نہ ہونے کے لئے یہ دوسری دلیل ہے کہ یہی وجہ ہے کہ عشر لینے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ پیداوار پر سال گزرے، کیونکہ زکوۃ پر سال گزرنے کی شرط اس لئے ہے کہ وہ مال بڑھے، اور پیداوار تو خود بڑھوتری ہے اس لئے اس پر سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، اس لئے پانچ وسق کی شرط بھی نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ : ۱۱ صاحبینؒ کی دلیل دوسرے [یعنی دیر تک باقی رہنے کے بارے میں] حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے، اور اس میں زکوۃ کی نفی نہیں ہے تو عشر متعین ہوا۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔ **عن معاذ انه کتب الی النبی ﷺ یسأله عن الخضروات و هی**

۱۲ وله ما روينا ۱۳ ومر ويهما محمول على صدقة يأخذها العَاشر وبهٖ يأخذ ابو حنيفة فيه ۱۴ ولان الارض قد تستنمى بما لا يبقى والسبب هى الارض النامية ولهٰذا يجب فيها الخراج ۱۵ اما الحطب و القَصَب والحشيش لا تستنبت فى الجنان عادة بل تُنَقّٰى عندها حتى لو اتخذها مقصبة او مَشْجَرة

البقول فقال ليس فيها شيء (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الخضر وات ص ۱۳۸ نمبر ۶۳۸ سنن للبیہقی، باب الصدقۃ فیما یزرعہ الآدمیون ج رابع ص ۲۱۶، نمبر ۷۴۷۴) اس حدیث میں ہے کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔اور یہ حدیث زکوۃ کے بارے میں تو ہے نہیں، کیوں کہ کوئی سبزیوں کی تجارت کرے گا تو اس کی قیمت میں زکوۃ دینا ہی ہوگا، تو اس سے معلوم ہوگی کہ عشر کے بارے ہی میں فرمایا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو اوپر روایت کی۔۔ یہ حدیث بخاری گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۱۳ اور صاحبین کی حدیث جو روایت کی ہے وہ اس صدقے پر محمول ہے جسکو عاشر لیتا ہے، امام ابوحنیفہؒ اس بارے میں یہی مطلب لیتے ہیں۔

تشریح : اوپر صاحبینؒ نے جو حدیث پیش کی تھی اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ گزرنے والے سے عشر میں سبزی ہی لے لے تو حدیث میں اس سبزی کے لینے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ عاشر نے عشر میں سبزی لے لی، اور ان سبزیوں کو فقراء میں بروقت تقسیم نہیں کی گئی تو بہت ممکن ہے کہ سبزی سڑ جائے اور ضائع ہو جائے تو عاشر کو عشر میں سبزی لینے سے منع فرمایا، اور اسکی قیمت عشر میں لے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

ترجمہ: ۱۴ اور اس لئے کہ زمین سے کبھی ایسی چیز بھی پیدا ہوتی ہے جو دیر تک باقی نہیں رہتی، اور سبب تو یہی زمین کا نامی ہونا ہے، اسی لئے اس میں خراج واجب ہوتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ عشر کا اصل سبب زمین ہے جس سے غلہ پیدا ہوتا ہے، اور نامی ہے، پس اگر اس سے ایسی سبزی پیدا کرتا رہے جو دیر تک باقی نہیں رہتی ہو اور اس میں عشر نہ لیا جائے تو نامی زمین جو سبب ہے وہ موجود ہے اس کے باوجود عشر نہ لیا جائے تو حکم کے بغیر سبب رہ گیا جو اچھی بات نہیں ہے اس لئے جب نامی زمین ہے تو اس سے جو کچھ بھی پیدا ہو اس سے عشر لینا چاہئے۔ چنانچہ خراجی زمین میں سبزی بھی پیدا کرے تو اس پر پورا خراج لازم کیا جاتا ہے، کیونکہ نامی زمین موجود ہے۔اس لئے نامی زمین میں سبزی ہو تو اس میں بھی عشر ہونا چاہئے۔ تستنمی : نماء سے مشتق ہے، پیدا ہوتا ہے۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ اصل عشر نامی زمین پر ہے، اس لئے اس سے جو چیز بھی پیدا کرے گا اس پر عشر واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۱۵ بہرحال ایندھن کی لکڑی، اور نرکل، اور گھاس تو عادۃ وہ باغوں میں نہیں اگائی جاتی ہے، بلکہ باغوں کو اس سے

او منبتًا للحشيش يجب فيها العشر ١٦ والمراد بالمذكور القصب الفارسى اما قصب السكّر وقصب الـذريـرـة ففيهما العشر لانه يقصد بهما الاستغلال الارض ١٧ بـخلاف السَعَف والتبن لان المقصود الحبّ والثمر دونهما

صاف کیا جاتا ہے، حتی کہ اگر مالک نے اس کو نرکل کا کھیت یا ایندھن کے درختوں کا باغ یا گھاس لگانے کی جگہ بنالی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

تشریح : ایندھن کی لکڑی اور نرکل اور گھاس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اور لوگ اس کو عام طور پر باغ سے صاف کرتے ہیں، اس لئے خود بخود یہ چیزیں باغ میں نکل آئیں تو اس میں عشر نہیں ہوگا، چنانچہ اگر مالک نے باضابطہ ان چیزوں کی کھیتی کی تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

لغت : تنقی: صاف کرنا۔ مقصبۃ: قصب سے مشتق ہے نرکل بونے کی جگہ۔ مشجرۃ: درخت اگانے کی جگہ۔ منبتا للحشیش: گھاس اگانے کی جگہ۔

ترجمہ: ١٦ اور متن میں قصب سے مراد فارسی نرکل ہے، بہر حال گنا اور چرائتہ تو ان دونوں میں عشر واجب ہے، اس لئے کہ ان دونوں سے زمین کی پیداوار مقصود ہے۔

تشریح : متن میں قصب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب بتا رہے ہیں۔ قصب کا معنی ہے بانس، لیکن تین چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ [١] اس کا اطلاق قصب الفارسی پر ہوتا ہے، جسکا معنی ہے نرکل، اس سے قلم بنایا جاتا ہے، اور جلانے کے کام میں آتا ہے، یہ گھاس پھونس ہے اس لئے اس میں عشر نہیں، جب تک کہ باضابطہ مالک اس کی کھیتی نہ کرے۔ [٢] دوسرا اس کا اطلاق ہوتا ہے گنے پر جسکو قصب السکر کہتے ہیں۔ یہ تو قیمتی چیز ہے اس لئے اس کی پیداوار پر عشر ہے۔ [٣] تیسرا اس کا اطلاق ہے، قصب الذریرۃ، پر جس کا معنی ہے چرائتہ، یہ مزے میں بہت تیکھا ہوتا ہے اور خون کی بیماریوں کی تمام دواؤں میں یہ کام آتا ہے، اس اعتبار سے یہ قیمتی ہے، اس لئے اس کی پیداوار میں بھی عشر ہے، کیونکہ لوگ اس کی کھیتی کرنا چاہتے ہیں، اور قیمتی ہے۔۔ استغلال: غلہ سے مشتق ہے، غلہ اگانا، پیداوار کرنا۔

ترجمہ: ١٧ برخلاف کھجور کی شاخوں اور بھوسے کے، کیونکہ اس میں مقصود دانہ اور چھوارہ ہے نہ کہ بھوسا اور شاخیں۔

تشریح : اس عبارت میں ایک اصول بیان فرما رہے ہیں، کہ مالک ایک چیز کو قصد اور ارادے سے پیدا کرنا چاہتا ہے اور قیمتی بھی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا جیسے دانہ اور کھجور کہ مالک ان کو پیدا کرنا چاہتا ہے اور قیمتی ہیں، اس لئے ان میں عشر ہے، اور اس کے ساتھ کھجور کی شاخیں بھی ہوتیں ہیں، لیکن مالک اس کو ارادے اور قصد سے پیدا کرنا نہیں چاہتا، اور قیمتی بھی نہیں تو اس میں عشر نہیں ہو

(٨٣٩)قال وما سقى بغرب اودالية او سانية ففيه نصف العشر على القولين ﴾ ل لان المؤنة تكثر فيه وتقل فيما يُسقى بالسماء او سيحا

گا،اسی طرح غلہ مقصود ہوتا ہے اس لئے اس میں عشر ہے،لیکن اس کے ساتھ بھوسا بھی پیدا ہوتا ہے،لیکن وہ مقصود نہیں اور قیمتی بھی نہیں اس لئے بھوسے میں عشر نہیں ہوگا۔لیکن اگر کسی ملک میں کھجور کی شاخوں کی قیمت بہت ہو اور مالک مقصود کے طور پر اس کو پیدا کرے تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔

لغت : سعف: کھجور کی شاخ۔ پتی۔تبن: بھوسا،خشک گھاس۔حب: دانہ۔

ترجمه: (٨٣٩)جس زمین کو بڑے ڈول،رہٹ اور اونٹنی کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے دونوں قولوں پر۔

تشریح: جو زمین قدرتی پانی مثلا بارش،نہر اور چشموں کے ذریعہ سیراب نہ ہوئی ہو بلکہ زیادہ تر اس کو ذاتی آلات کے ذریعہ سیراب کیا ہو مثلا بڑے ڈول یا رہٹ یا اونٹنی یا مشین کے ذریعہ سیراب کیا ہو تو اس زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔یعنی بیس کیلو میں ایک کیلو غلہ لازم ہوگا۔

وجه: (١)چونکہ اس میں مشقت اور خرچ زیادہ ہوا ہے اس لئے شریعت نے عشر کم کر کے آدھا کر دیا(٢)عن عبد الله عن ابيه عن النبی ﷺ قال فيما سقت السماء والعيون او كان عثريا العشر وما سقى بالنضح نصف العشر . (بخاری شریف،باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص٢٠١ نمبر١٤٨٣ رمسلم شریف،باب مافیہ العشر أونصف العشر ص٣٩٤ نمبر ٩٨١/٢٢٧٢ رابوداؤد شریف،باب صدقة الزرع ص٢٣٢ نمبر١٥٩٦)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشین وغیرہ سے زمین کو سیراب کیا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہوگا۔یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔

لغت: نصف العشر : دسواں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ۔غرب: بڑا ڈول۔دالیۃ: دلو سے مشتق ہے،چھوٹے چھوٹے ڈول کو جوڑ کر کنویں کے پانی تک لی جاتے ہیں اور اس کو اونٹنی سے گھما کر پانی نکالتے ہیں،اس کو رہٹ کہتے ہیں۔سانیۃ: اونٹنی،یہاں مراد ہے اونٹنی کے ذریعہ پانی نکال کر کھیتی کو سیراب کرنا۔

ترجمه: ل اس لئے کہ ڈول سے سیراب کرنے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے،اور جس میں بارش یا دریا کے پانی سے سینچائی ہو تو مشقت کم ہے۔

تشریح: ڈول سے یا مشین سے سیراب کرنے میں خرچ زیادہ ہے اس لئے بیسواں حصہ عشر لازم ہوگا۔اور بارش کے پانی سے یا دریا کے پانی سے سینچائی کرنے میں خرچ کم ہے اس لئے اس کی پیداوار میں دسواں حصہ عشر ہے۔

۲؎ وان سُقی سیحا وبدالیة فالمعتبر اکثر السنة کما هو فی السائمة ۳؎ وقال ابو یوسف فیما لا یوسق کالزاعفران

لغت: مؤنۃ: خرچ، محنت۔ سیحا: بہنے والا پانی، مراد ہے دریا کا پانی جو خود بہہ کر آیا ہو۔ دالیۃ: دلو سے مشتق ہے، ڈول۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر دریا کے پانی اور بڑے ڈول دونوں سے سینچا گیا ہو تو سال کے اکثر کا اعتبار، جیسا کہ چرنے والے جانور میں اکثر سال کا اعتبار ہے

تشریح: اگر آسمان کے پانی سے بھی سیراب کیا اور ڈول کے پانی سے بھی سیراب کیا تو جس پانی سے زیادہ دیر تک سیراب کیا ہے اس پانی کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی کے مطابق عشر لازم کیا جائے گا، مثلا ڈول کے پانی سے زیادہ سیراب کیا تو بیسواں حصہ لازم ہوگا، اور بارش کے پانی سے زیادہ سیراب کیا تو دسواں حصہ لازم ہوگا۔ جس طرح جانور کی زکوۃ میں اس بات کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ سال کا اکثر حصہ چر کر زندگی گزارتا ہو تو اس میں زکوۃ ہے اور اگر سال کا اکثر حصہ گھر پر کھا کر زندگی گزارتا ہو تو وہ علوفہ ہے اس میں زکوۃ نہیں ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

وجہ: (۱) اس اثر میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء فی الزرع یکون علی سیح الزمان ثم یسقی بالبئر، یعنی بالدلو و بالدالیة قال: یصدق علی أکثر من ذالک أن یسقی به۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳۸، ما قالوا میما یسقی سیحا ویسقی بالدلو کیف یصدق؟ ج ثانی، ص ۳۷۷، نمبر ۱۰۰۹۳ / مصنف عبد الرزاق، باب ما تسقی السماء، ج رابع، ص ۱۰۷، نمبر ۷۲۷۵) اس اثر میں ہے کہ اکثر پانی کا اعتبار کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابو یوسف نے فرمایا ان چیزوں میں جو وسق میں نہ آتی ہوں جیسے زعفران اور روئی کہ ان میں عشر واجب ہوگا جب کہ اس کی قیمت ادنی درجہ کے غلہ کے وسق کی قیمت پہنچ جائے جو وسق میں داخل ہوتا ہو، جیسے ہمارے زمانے میں جوار ہے۔

تشریح: جو غلے یا پیداوار وسق سے نہیں ناپی جاتی، اور صاحبینؒ کے یہاں پانچ وسق ہونا ضروری ہے تو اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کے یہاں معیار یہ ہے کہ وہ غلہ جو ادنی درجہ کا ہے اس غلے کے پانچ وسق کی جو قیمت ہو اتنی قیمت اس چیز کی ہو جائے جو وسق میں نہیں ناپی جاتی تو اس پر عشر واجب ہوگا، مثلا جوار ادنی درجے کا غلہ ہے اور وسق میں ناپا جاتا ہے، اس کے پانچ وسق کی قیمت ایک سو پچاس درہم ہے، اور زعفران وسق میں نہیں ناپا جاتا ہے، وہ تو پورے ایکڑ میں چند کیلو ہوتا، اور قیمتی ہوتا ہے، لیکن اتنا زعفران پیدا ہوا ہے کہ اس کی قیمت ایک سو پچاس درہم ہو جاتی ہے تو اس زعفران پر عشر ہوگا۔ یا روئی جو وسق میں نہیں ناپی جاتی، بلکہ اس کا گانٹھ بنایا جاتا ہے اور اونٹ پر لادا جاتا ہے، تو روئی اتنی ہوئی کہ اس کی قیمت ایک سو پچاس درہم ہوگئی تو اس روئی پر عشر واجب ہوگا۔
الذرۃ: مکئی، جوار۔

والقطن يجب فيه العشر اذا بلغت قيمته خمسة اوسق من ادنى ما يوسق كالذرّة فى زماننا ۴؎ لا نه لا يمكن التقدير الشرعى فيه فاعتبرت قيمته كما فى عروض التجارة ۵؎ وقال محمد يجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة اعداد من اعلىٰ ما يقدر به نوعه فاعتبر فى القطن خمسة احمال كل حمل ثلٰث

ترجمه: ۴؎ اس لئے کہ غیر وسق چیز میں شرعی نصاب کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کی قیمت کا اعتبار کیا گیا جیسے تجارت کے سامان میں ہے۔

تشریح: یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے کہ، ایسی چیز جس میں شرعی نصاب کا اندازہ کرنا ممکن نہ ہو، مثلا اس غلے کا نصاب وسق سے بنتا ہے لیکن وسق میں ناپنا ممکن نہ ہو تو اس میں اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسے تجارت کے سامان میں دوسو درہم کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس سامان کی قیمت دوسو درہم کو پہنچ جائے تو اس قیمت کو نصاب کا درجہ دے کر اس پر زکوۃ واجب کرتے ہیں، اسی طرح یہاں ادنی درجے کا غلہ پانچ وسق ہو اس کی قیمت کی مقدار زعفران کی قیمت ہو جائے تو عشر واجب ہوگا۔

اصول:۔ امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جو وسق میں نہ ناپا جا سکے تو اسکی قیمت لگائی جائے۔

ترجمه: ۵؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ عشر واجب ہوگا جبکہ پیداوار پانچ عدد کو پہنچ جائے اس اعلی درجے کے پیمانے سے جس کے ذریعہ اس قسم کی چیز ناپی جاتی ہو۔ پس روئی میں پانچ حمل کا اعتبار کیا جائے گا، ہر حمل تین سو من کا ہو۔ اور زعفران میں پانچ من کا [اعتبار کیا جائے گا]، اس لئے کہ وسق سے اندازہ کرنا اس لئے تھا کہ غلے میں وزن کرنے کا سب سے اعلی پیمانہ یہی تھا۔

تشریح: امام محمد کی رائے یہ ہے کہ وہ غلہ جو وسق میں نہیں ناپا جاتا ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ کیا ہے۔ اس بڑے سے بڑے پیمانے سے پانچ پیمانہ وہ غلہ ہو جائے تو گویا کہ پانچ وسق کی طرح ہو گیا۔ اس لئے اب اس میں عشر لازم ہوگا۔ مثلا زعفران کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ من ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ اس لئے پانچ کیلو زعفران ہو جائے تو گویا کہ پانچ وسق گیہوں کی طرح ہو گیا۔ اس لئے اب اس میں عشر واجب ہے۔ یا روئی کو گانٹھ سے ناپتے ہیں اس کا بڑا پیمانہ وہی ہے اس لئے پانچ گانٹھ روئی ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

اصول: امام محمد نے ایسے غلے کے بڑے پیمانے کا اعتبار کیا۔

لغت: احمال : حمل کی جمع ہے اونٹ پر لادنے کا بوجھ، گانٹھ۔ امناء : جمع ہے من کی، ایک وزن ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ ردالمختار میں ہے۔ **والمن بالدراهم مائتان وستون درهما** (ردالمختار علی الدر المختار، باب صدقۃ الفطر، مطلب فی تحریر الصاع والمد والمن والرطل، ج ثالث، ص ۳۷۳) اس عبارت میں دوسو ساٹھ درہم کا ایک من بتایا۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061

مـائة من وفى الزعفران خمسة اَمْنَاء لان التقدير بالوسق كان لاعتبار انه اعلىٰ ما يقدر به(۸۴۰) وفى العَسَل العشر اذا اخذ من ارض العشر ﴾

گرام ہے۔اس لئے 260 درہم کو 3.061 سے ضرب دیں تو 795.86 گرام من کا وزن ہوگا۔

صاحب ھدایہ نے فرمایا کہ ایک حمل [گانٹھ] 300 من کا ہو تو ایک گانٹھ کا وزن 238.758 کیلو ہوگا [یعنی دوسواڑتیس 238 کیلو اور 758 گرام ہوگا۔۔حساب اس طرح ہوگا کہ، 300 ضرب 795.86 برابر 238758 گرام، ایک ہزار گرام کا ایک کیلو ہوتا ہے،اس کو ایک ہزار سے تقسیم دو تو 238.758 کیلو ہوگا ۔

اور 5 گانٹھ کا وزن 1193.79 کیلو ہوگا [یعنی 11 کوئنٹل 93 کیلو اور 79 گرام ہوگا۔

حساب اس طرح ہوگا کہ، 5 ضرب 238.758 برابر 1193.79 کیلو۔اور ایک سو کیلو کا ایک کوئنٹل ہوتا ہے اس لئے 1193 کیلو کو ایک سو سے تقسیم دیں تو 11.93 ہوگا، یعنی 11 کوئنٹل اور 93 کیلو، اور 79 گرام۔

ترجمه: (۸۴۰) اور شہد میں عشر ہے جب کہ عشری زمین سے حاصل کیا جائے، [کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو]۔

تشــــريـــح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو ہر حال میں اس میں عشر ہوگا جب کہ عشری زمین سے شہد حاصل کیا جائے، چاہے وہ دس مشک ہوں یا کم ہو۔

وجه: (۱)قال جاء هلال احد بنى متعان الى رسول الله بعشور نحل له وكان سأله ان يحمى واديا يقال له سلبة فحمى رسول الله ذلک الوادى فلما ولى عمر ابن الخطاب كتب سفيان بن وهب الى عمر بن خطاب يسأله عن ذلک فكتب عمر ان ادى اليک ما كان يودى الى رسول الله من عشور نحله فاحم له سلبة والا فانما هو ذباب غيث يأكله من يشاء (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰۰ رسنن للبیہقی، باب ما ورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۲، نمبر ۷۴۶۰) اس حدیث میں شہد کی زکوۃ دینے کا تذکرہ ہے اور مطلق ہے۔اس میں دس مشک شہد ہونے کی قید نہیں ہے۔اس لئے جتنا بھی شہد حاصل ہو اس میں دسواں حصہ لازم ہوگا۔ (۲)عن ابى هريرة قال كتب رسول الله ﷺ الى اهل اليمن أن يؤخذ من العسل العشر ۔(سنن للبیہقی، باب ما ورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۲، نمبر ۷۴۵۹ ر مصنف عبدالرزاق، باب صدقۃ العسل، ج رابع، ص ۵۴، نمبر ۷۰۰۲) اس حدیث میں ہے کہ شہد میں عشر لیا جائے اور دس مشک کی قید نہیں ہے اس لئے تھوڑا نکلے یا زیادہ تمام میں عشر لیا جائے گا۔

اصول: شہد کے بارے میں بھی وہی اصول ہے جو اوپر غلوں کے بارے میں گزرا کہ کم وبیش تمام میں عشر ہے۔

لے وقال الشافعی لا یجب لانه متولد من الحیوان فاشبه الابریسم ٢ے ولنا قوله علیه السلام فی العسل العشر ٣ے ولان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیهما العشر فكذا فیما یتولد منها بخلاف دود القز لانه یتناول الاوراق ولا عشر فیها

ترجمه: لے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ شہد میں عشر واجب نہیں ہے، اس لئے کہ حیوان سے پیدا ہوتا ہے تو وہ ریشم کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں شہد میں عشر نہیں ہے۔ موسوعہ میں ہے۔ قال الشافعی ؒ : لا صدقة فی العسل ۔(موسوعہ امام شافعیؒ، باب أن لا زکوۃ فی العسل، ج رابع ص ۱۴۰، نمبر ۴۱۱۷) اس عبارت میں ہے کہ شہد میں عشر نہیں ہے۔ اس کی دلیل عقلی یہ فرماتے ہیں کہ شہد مکھی سے پیدا ہوتا ہے جو حیوان ہے، اس لئے اس میں عشر نہیں ہے، جس طرح ریشم حیوان یعنی کیڑے سے پیدا ہوتا ہے تو اس میں عشر نہیں ہے، اسی طرح شہد میں بھی عشر نہیں ہوگا۔

وجه:(۱) اس حدیث میں ہے۔ أن معاذا لما أتی الیمن أتی العسل و أوقاص الغنم فقال : لم أؤمر فیها بشیء ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب من قال لیس فی العسل زکاة، ج ثانی، ص ۳۷۳، نمبر ۱۰۰۵۵) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت معاذؓ کو شہد کے بارے میں کچھ حکم نہیں فرمایا تھا، اس لئے اس میں کچھ لازم نہیں ہوگا۔ (۲) عن علیؓ قال لیس فی العسل زکاة (سنن للبیہقی، باب ماورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۴، نمبر ۷۴۶۷ رمصنف عبد الرزاق، باب صدقة العسل، ج رابع ص ۵۲، نمبر ۶۹۹۵ رمصنف ابن ابی شیبة، باب من قال لیس فی العسل زکاة، ج ثانی، ص ۳۷۳، نمبر ۱۰۰۵۶) اس اثر میں ہے کہ شہد میں کچھ نہیں ہے۔

ترجمه: ٢ے اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ شہد میں عشر ہے۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابی هریرة قال كتب رسول الله ﷺ الی اهل الیمن أن یؤخذ من العسل العشر ۔(سنن للبیہقی، باب ماورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۲، نمبر ۷۴۵۹ رمصنف عبد الرزاق، باب صدقة العسل، ج رابع، ص ۵۴، نمبر ۷۰۰۲) اس حدیث میں ہے کہ شہد میں عشر لیا جائے۔

ترجمه: ٣ے اور اس لئے کہ شہد کی مکھی شگوفوں اور پھلوں کو چوستی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے اس لئے شہد میں بھی عشر ہوگا جو ان دونوں سے پیدا ہوتا ہے، برخلاف ریشم کے کیڑوں کے، کیونکہ یہ کیڑے پتیاں کھاتے ہیں اور پتیوں میں عشر نہیں ہے [اس لئے ریشم میں بھی عشر نہیں ہوگا]

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ شہد کی مکھی پھلوں اور شگوفوں سے کھاتی ہے اور اس سے شہد پیدا کرتی ہے، اور پھل اور شگوفوں میں عشر ہے اس لئے شہد میں بھی عشر ہونا چاہئے، اس کے برخلاف ریشم کا کیڑا شہتوت کا پتہ کھاتا ہے اور اس سے ریشم پیدا کرتا، اور پتوں

ﷲ ثم عند ابی حنيفة يجب فيه العشر قل او كثر لانه لايعتبر النصاب ۵ وعن ابی يوسف انه يعتبر فيه قيمة خمسة اوساق كما هو اصله وعنه انه لا شئ فيه حتی يبلغ عشر قرب لحديث بنی شبابة انهم كانوا يؤدون الیٰ رسول الله صلی الله عليه وسلم كذٰلک

میں عشر نہیں ہے، اس لئے اس سے جو ریشم پیدا ہوا اس میں بھی عشر نہیں ہونا چاہئے ، اس میں امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب بھی ہو گیا۔

لغت: انوار: نور کی جمع ہے، کلی، شگوفہ۔ ثمار: ثمر کی جمع ہے، پھل، دود القز: ریشم کا کیڑا۔ ابریشم: ریشم۔ یتناول: ناول سے مشتق ہے، کھاتا ہے۔

ترجمہ: ﷲ پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے چاہے شہد کم ہو یا زیادہ ہو۔ اس لئے کہ وہ نصاب کا اعتبار نہیں کرتے۔

تشریح: شہد کم حاصل ہو یا زیادہ حاصل ہو دسواں حصہ لازم ہے، کیونکہ وہ زمین کی پیداوار میں اس بات کا اعتبار نہیں کرتے کہ نصاب یعنی پانچ وسق ہو تب ہی عشر ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کم ہو یا زیادہ ہر حال میں عشر واجب ہے۔ دلیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۵ امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ وہ شہد میں پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، جیسا کہ انکا اصول ہے۔

تشریح: شہد میں عشر واجب ہونے کے بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ کی تین روایتیں ہیں [۱] ایک یہ کہ وسق میں جو نیچے درجے کا غلہ ناپا جاتا ہے، جیسے جوار اور مکئی، تو پانچ وسق جوار کی قیمت جتنی ہو اتنی قیمت کا شہد ہو جائے تو اس پر عشر ہے اس سے پہلے نہیں۔ امام ابو یوسفؒ کا یہ قاعدہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ شہد میں کوئی چیز واجب نہیں ہے یہاں تک کہ دس مشکیزہ کی مقدار کو پہونچ جائے۔ بنی شبابہ کی حدیث کی وجہ سے کہ وہ لوگ حضورؐ کو ایسے ہی ادا کرتے تھے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی یہ دوسری روایت ہے کہ دس مشکیزہ شہد ہو تو اس میں ایک مشکیزہ واجب ہوگا، اس سے کم ہو تو عشر واجب نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ فی العسل فی كل عشرة ازقاق زق** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ العسل ص ۱۳۷ نمبر ۶۲۹ / ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس مشک ہو تب ایک مشک لازم ہوگا۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عمر ابن شعيب عن ابيه عن جده أن شبابة ـ بطن من فهم ـ فذكر نحوه قال من كل عشر قرب قربة**۔ (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳

۶ وعنه خمسة امناء ۷ وعن محمد خمسة افراق كل فَرَق ستة وثلثون رطلا لانه اقصى ما يقدر به.
۸ و كذا في قَصَب السُّكر

نمبر۱۶۰۱)اس حدیث میں ہے کہ دس مشکیزہ میں ایک مشکیزہ لازم ہوگا۔۔ ازقاق : زق کی جمع ہے،مشکیزہ۔قرب:مشکیزہ۔

ترجمہ: ۶ امام ابو یوسفؒ کی تیسری روایت ہے کہ پانچ من ہو[عشر واجب ہے]

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کی تیسری روایت یہ ہے کہ پانچ من شہد ہو تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ایک من 795.86 گرام وزن کا ہوتا ہے تو5 من 3979.30 گرام کا ہوا،یعنی3 کیلو979 گرام شہد ہو تو اس397.930 گرام عشر واجب ہو گا۔

ترجمہ: ۷ امام محمدؒ نے فرمایا یہاں تک کہ شہد پانچ فرق کو پہنچے اور ایک فرق چھتیس رطل کا ہوگا۔اس لئے کہ یہ سب سے بڑا پیمانہ ہے جس سے شہد ناپا جاتا ہے۔

تشریح: امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کم سے کم پانچ فرق نکلے تو اس میں عشر لازم ہے اور اگر اس سے کم وصول ہو تو عشر لازم نہیں۔اور ایک فرق چھتیس (36) رطل کا ہوتا ہے۔اب اگر ایک رطل 442.25 گرام کا لیں تو ایک فرق 15.921 کیلو کا ہوگا۔اور پانچ فرق 79.605 کیلو کے ہوں گے۔اور اگر ایک رطل 663.41 گرام کا لیں تو ایک فرق 23.882 کیلو کا ہوگا۔اور پانچ فرق119.413 کیلو کے ہوں گے۔

نوٹ: صاع کے وزن میں اختلاف ہے۔آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے جو حنفیہ کے نزدیک مروج ہے اس کو عراقی رطل کہتے ہیں۔اور پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے،جسکو مدنی رطل کہتے ہیں جو دوسرے ائمہ کے نزدیک مروج ہے۔اس لئے اوپر کے حساب میں بھی اختلاف ہوا۔

وجه: امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کو ناپنے کا زیادہ سے زیادہ بڑا پیمانہ فرق ہے۔اس لئے پانچ فرق ہو جائے تو عشر لازم ہوگا۔امام محمد اپنے پرانے اصول پر گئے ہیں کہ جس چیز کو وسق سے نہیں ناپتے ہیں اس میں یہ دیکھیں کہ ان کو ناپنے کا بڑا پیمانہ کیا ہے؟ اگر اس بڑے پیمانے سے پانچ پیمانے ہو جائیں تو اس پر عشر لازم ہوگا۔اور شہد کو ناپنے کا بڑا پیمانہ فرق ہے،اس لئے پانچ فرق ہوگا تو عشر لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۸ اور ایسے ہی گنے میں۔

تشریح : امام محمدؒ گنے کے بارے میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ پانچ فرق ہو اور ہر فرق چھتیس رطل کا ہو تب عشر لازم ہوگا،ورنہ نہیں۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان جو اختلاف شہد کے بارے میں ہوا وہی اختلاف گنے کے بارے میں بھی ہے،یعنی امام ابو یوسفؒ پانچ وسق کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں،اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پانچ فرق گنا ہو تو عشر واجب ہوگا،ورنہ

۹ وما یوجد فی الجبال من العسل والثمار ففیه العشر ۱۰ وعن ابی یوسف انه لا یوجب لانعدام السبب وھی الارض النامیة ۱۱ وجه الظاهر ان المقصود حاصل وھو الخارج. (۸۴۱)قال وکل شئ اخرجته الارض مما فیه العشر لا یحتسب فیه اجر العُمّال ونفقة البقر ۱ لان النبی علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنی لرفعها

نہیں۔

ترجمہ: ۹ پہاڑوں میں جو شہد اور پھل پائے جاتے ہیں اس میں عشر ہے۔

تشریح: پہاڑ عشری زمین نہیں ہے لیکن اس سے مال حاصل ہو رہا ہے اس لئے اس سے بھی شہد، یا پھل حاصل ہو تو اس میں عشر ہے۔

ترجمہ: ۱۰ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ پہاڑ کے شہد میں عشر واجب نہیں کرتے، کیونکہ سبب نہیں ہے، اور وہ ہے نامی زمین کا ہونا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ عشر کا سبب نامی زمین ہے یعنی پیداوار والی زمین ہے اور پہاڑ پیداوار والی زمین نہیں ہے اس لئے اس سے شہد یا پھل حاصل ہو تو اس میں عشر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱۱ ظاہری روایت کی وجہ یہ ہے کہ مقصود حاصل ہے اور وہ پیداوار ہے۔

تشریح: ظاہری روایت میں یہ فرمایا کہ پہاڑ سے شہد یا پھل آوے تو اس میں عشر ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ نامی ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ پیداوار ہو رہی ہے، اور مال آ رہا ہے، اس لئے اس میں عشر ہوگا، چاہے زمین نامی نہ بھی ہو

ترجمہ: (۸۴۱) زمین سے جو بھی پیداوار ہو اس میں عشر ہے، اور کام کرنے والے کی اجرت اور بیل کا خرچ اس میں حساب نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ حضورؐ نے مختلف مشقتوں کی وجہ سے مختلف واجبات کا حکم دیا ہے، پس خرچہ محسوب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: زمین سے جتنا بھی پیدا ہو اس سب میں عشر ہے، اس میں سے مزدور کی مزدوری، اور ہل چلانے کا خرچ نہیں نکالا جائے گا، مثلا سو کوئنٹل گیہوں ہوا اور مزدور کی مزدوری، اور ہل چلانے میں دس کوئنٹل خرچ ہوا تو یہ دس کوئنٹل نکال کر نوے کوئنٹل کا عشر نہیں ہوگا، بلکہ پورے سو کوئنٹل کا عشر لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں عشر کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ اسکی مزدوری منہا کی جائے، (۲) مشقت کم

(۸۴۲) قال تغلبی له ارض عشر فعلیه العشر مضاعفا ﴾ ۱؎ عرف ذلک باجماع الصحابة رضوان الله علیهم ۲؎ وعن محمد ان فیمااشتراه التغلبی من المسلم عشرا واحدا لان الوظیفة عنده لا تتغیر بتغیر المالک

ہوتو دسواں حصہ ہے، اور مشقت زیادہ ہوتو بیسواں حصہ عشر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مشقت کی کمی بیشی سے عشر کے واجبات میں کمی بیشی ہے، اس لئے مزدوری منہا نہیں کی جائے گی (۳) اثر میں اس کا ثبوت ہے ۔ عن ابن عمر و ابن عباس ؓ فی الرجل ینفق علی ثمرته فقال أحدهما: یزکیها و قال الآخر یرفع النفقة و یزکی ما بقی ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۳۹، ما قالوا فی الرجل یخرج زکاۃ ارضہ وقد أنفق فی البذور والبقر، ج ثانی، ص ۳۷۷، نمبر ۱۰۰۹۶) اس اثر میں ہے کہ پھل پر جو مزدوری لگی ہے وہ منہا نہیں کی جائے گی۔

لغت : عمال: کام کرنے والے، مزدور۔ نفقۃ البقر: بیلوں کا خرچ، ہل چلانے کا خرچ۔ رفع: اٹھانا، یہاں مراد ہے خرچ کو الگ کرنا۔

ترجمہ: (۸۴۲) قوم بنو تغلب کی عشری زمین ہو تو اس پر دوگنا عشر ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بنو تغلب کے نصاری سے اس بات پر صلح کی تھی کہ ان پر زکوۃ کا دوگنا ہوگا، اس لئے اگر انکے پاس عشری زمین ہو تو اس پر مسلمانوں کا دوگنا لیا جائے گا، مثلا دس کیلو میں ایک کیلو مسلمان پر ہے تو تغلبی سے پانچ کیلو میں ایک کیلو لیا جائے گا، یعنی تغلبی کی زمین میں پانچواں حصہ ہے۔ اور اگر ڈول سے زمین سیراب کرے تو دسواں حصہ ہوگا۔۔ اب یہ قوم سعودی عرب میں نہیں رہی

وجہ: اثر میں ہے ۔ عن زیاد بن حدیر قال: بعثنی عمرؓ الی نصاری بنی تغلب و أمرنی أن أخذ نصف عشر أموالهم ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب ما یؤخذ منھم، ج ثانی، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ بنی تغلب سے مسلمان کا دوگنا لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ زمین جسکو تغلبی نے مسلمان سے خریدا ہو اس پر ایک ہی عشر ہے اس لئے کہ انکے نزدیک مالک کے بدلنے سے حکم نہیں بدلتا۔

تشریح : امام محمدؒ کی روایت یہ ہے کہ اگر تغلبی نے کسی مسلمان سے زمین خریدی جس پر ایک عشر تھا تو تغلبی کے پاس جانے سے اس کا دوگنا عشر نہیں ہوگا، انکا قاعدہ یہ ہے کہ جو ٹیکس زمین پر لازم ہو گیا مالک کے بدلنے کے باوجود وہی رہے گا، مالک کے بدلنے

(۸۴۳) فان اشتراها منه ذمی فهی علیٰ حالها عندهم﴾ لِ لجواز التضعيف عليه فی الجملة كما اذا مر علی العاشر (۸۴۴) وكذا اذا اشتراها منه مسلم او اسلم التغلبی﴾ لِ عند ابی حنيفة سواء كان التضعيف اصليا او حادثا لان التضعيف صارو ظيفة لها فتنتقل الی المسلم بما فيها كالخراج

سے حکم نہیں بدلے گا۔ کتاب الاصل میں یہ عبارت ہے۔و قال محمدؒ بن الحسن : يكون علی الكافر عشر واحد علی حاله لا يزاد عليه ۔(کتاب الاصل،مبسوط، باب عشر الارض، ج ثانی،ص۱۴۲) اس عبارت میں ہے کہ تغلبی نے مسلمان سے زمین خریدی تو بھی ایک ہی عشر لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۸۴۳) اور اگر تغلبی سے ذمی نے خریدی تو سب کے نزدیک اپنی حالت پر رہے گا [یعنی دوگنا عشر ہوگا] اس لئے کہ ذمی پر کسی نہ کسی درجے میں دوگنا جائز ہے، جیسے کہ عاشر پر گزرے [تو مسلمان کا دوگنا زکوۃ اس پر ہے]

تشریح: تغلبی کے پاس زمین تھی جس پر پانچواں حصہ عشر تھا، اب اس زمین کو تغلبی کے علاوہ کسی ذمی کافر نے خریدی تو اس پر بھی پانچواں حصہ عشر ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی بھی ایک گونا تغلبی کی طرح ہے، کیونکہ عاشر کے سامنے سے گزرے تو ذمی سے مسلمان کی زکوۃ کا دوگنا بیسواں حصہ لیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک گونا تغلبی کی طرح ہے، اس لئے اس نے تغلبی کی زمین خریدی تو اس پر بھی عشر کا دو گنا پانچواں حصہ لازم رہے گا۔۔تضعیف: دوگنا۔

ترجمہ: (۸۴۴) ایسے ہی دوگنا عشر لیا جائے گا اگر تغلبی سے مسلمان نے خریدا، یا تغلبی خود مسلمان ہو گیا۔

ترجمہ: لِ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چاہے دوگنا اصلی ہو یا بعد میں دوگنا ہو گیا ہو، اس لئے کہ تضعیف اس زمین کا وظیفہ ہو گیا ،اس لئے جو کچھ اس زمین کا وظیفہ ہے اسی کے ساتھ ہی مسلمان کی طرف منتقل ہوگی، جیسے کہ خراج۔

تشریح: تغلبی کی زمین پر دوگنا عشر تھا بعد میں اس کو مسلمان نے خرید لیا تو مسلمان پر بھی دوگنا ہی عشر ہوگا یعنی پانچواں حصہ لازم ہوگا، اسی طرح تغلبی بعد میں مسلمان ہو گیا تب بھی اس زمین پر دوگنا ہی عشر لازم ہوگا۔۔یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، چاہے تغلبی پر یہ دوگنا اصلی ہو یا بعد میں لازم ہوا ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ زمین وظیفہ اور لگان ہو گیا، تو جسکے پاس بھی یہ زمین جائے گی، اسی لگان اور وظیفہ کے ساتھ جائے گی، اس لئے مسلمان کے پاس بھی یہ زمین گئی تو دوگنا ہی عشر لازم رہے گا۔جیسے کہ خراجی زمین مسلمان خریدے تو مسلمان پر بھی خراج ہی باقی رہتا ہے، اسی طرح یہاں بھی دو عشر باقی رہے گا۔ ۔اسکے لئے مبسوط میں یہ عبارت موجود ہے۔قلت أرأيت ان باعها بعد ذالک من مسلم أو اسلم هو ما عليه ؟قال :عشران ، و هذا كله قول أبی حنيفةؒ (کتاب الاصل،مبسوط، باب عشر الارض، ج ثانی،ص۱۴۳) اس عبارت میں موجود ہے کہ مسلمان خریدے یا تغلبی مسلمان ہو جائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر دوگنا ہی رہے گا۔

۲ وقال ابو يوسف يعود الىٰ عشر واحد لزوال الداعى الى التضعيف ۳ قال فى الكتاب وهو قول محمد فيما صح عنه

التضعيف اصليا : تغلبی پر اصلی دوگنا ہونے کی شکل یہ ہے کہ تغلبی اپنے باپ سے زمین کا وارث ہوا تو اصل میں ہی دوگنا عشر تھا، کیونکہ باپ کے پاس ہی وہ زمین دوگنا عشر والی تھی۔ التضعيف حادثا : اور حادث، یعنی بعد میں دوگنا عشر ہوا اس کی شکل یہ ہے کہ تغلبی نے کسی مسلمان سے زمین خریدی تو پہلے اس زمین پر ایک عشر تھا اب تغلبی کے پاس آنے کے بعد دوگنا عشر ہو گیا تو یہ حادث اور نیا دوگنا عشر ہوا۔

ترجمه: ۲ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ایک عشر کی طرف لوٹ آئے گا، دوگنا ہونے کا جو داعی تھا [کفر] وہ ختم ہونے کی وجہ سے

۔

تشریح : تغلبی سے کسی مسلمان نے زمین خرید لی، یا خود تغلبی مسلمان ہو گیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس زمین کا عشر دوبارہ ایک گنا ہو جائے گا دوگنا نہیں رہے گا۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ دوگنا ہونے کی وجہ تغلبی کا کفر تھا، پس جب وہ کافر نہیں رہا مسلمان ہو گیا، یا اس سے مسلمان نے خرید لی تو دوگنا ہونے کا سبب نہیں رہا، اس لئے اب عشر لوٹ کر ایک گنا ہو جائے گا۔ مبسوط میں عبارت یہ ہے۔، و قال ابو يوسف : أما أنا فأرى عليه عشرا واحدا لانى أضاعف عليهم ما داموا ذمة فاذا اسلموا أسقطت ذالك عنهم ، و كان عليه ما على المسلمين و هو قول محمد ۔(کتاب الاصل، مبسوط، باب عشر الارض، ج ثانی، ص ۱۴۳) اس عبارت میں امام ابو یوسف، اور امام محمدؒ دونوں کا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان پر ایک ہی عشر رہے گا۔

وجه: (۱) عن العلاء بن الحضرمی قال بعثنی رسول الله ﷺ الى البحرين او الى هجر فكنت آتی الحائط يكون بين الاخوة يسلم احدهم فآخذ من المسلم العشر ومن المشرک الخراج ۔(ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج لیا جائے گا۔ (۲)۔ قال كتب عمر بن عبد العزيزؒ الى عبد الحميد بن عبد الرحمن فذكره فقال فيه ولا خراج على من اسلم من اهل الارض . (سنن للبیہقی، باب من اسلم اهل الصلح سقط الخراج عن ارضه، ج تاسع، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر میں ہے کہ مسلمان پر خراج نہیں ہے، اس لئے اس سے عشر لیا جائے گا

ترجمه: ۳ مبسوط کتاب میں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ امام محمدؒ کا قول بھی یہی ہے [کہ مسلمان پر ایک ہی عشر لازم ہوگا]

تشریح : کتاب الاصل مبسوط کا حوالہ ابھی اوپر گزرا کہ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد اس پر ایک ہی عشر لازم رہے گا۔ مبسوط کی عبارت یہ تھی۔ و كان عليه ما على المسلمين و هو قول محمد ۔(کتاب الاصل،

۴ قال اختلفت النسخ فی بیان قوله والاصح انه مع ابی حنیفة فی بقاء التضعیف الا ان قوله لا یتاتی الا فی الاصلی لان التضعیف الحادث لا یتحقق عنده لعدم تغیر الوظیفة (۸۴۵) ولو کانت الارض لمسلم باعها من نصرانی ﴿ یرید به ذمیا غیر تغلبی وقبضها فعلیه الخراج ﴾ ۱عند ابی حنیفة لانه الیق بحال الکافر

مبسوط، باب عشر الارض، ج ثانی، ص۱۴۳) اس عبارت میں امام ابو یوسف، اور امام محمدؒ دونوں کا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان پر ایک ہی عشر رہے گا۔

ترجمہ: ۴ حضرت امام محمد کے قول کے بیان کرنے میں نسخہ مختلف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ دوگنا کے باقی رکھنے میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں، یہ اور بات ہے کہ ان کا قول صرف اصلی دوگنے کے بارے میں ہوگا، اس لئے کہ نیا دوگنا انکے یہاں متحقق نہیں ہوتا، اس لئے کہ وظیفہ انکے یہاں نہیں بدلتا۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ امام محمد کے قول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابھی کتاب الاصل سے حوالہ نقل کیا کہ امام محمدؒ کی رائے ہے کہ تغلبی سے مسلمان زمین خریدے، یا خود تغلبی مسلمان ہو جائے تو عشر ایک گنا ہو جائے گا۔ لیکن سرخسیؒ نے نقل فرمایا کہ وہ اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں کہ عشر دوگنا ہی رہے گا، ایک گنا نہیں ہوگا۔ البتہ انکے یہاں ایک مرتبہ زمین کا جو وظیفہ متعین ہو جاتا ہے تو مالک کے بدلنے سے وہ بدلتا نہیں ہے۔ اس لئے مسلمان پر جو دوگنا عشر ہوگا وہ اسی شکل میں ہوگا کہ اصلی دوگنا ہو یعنی تغلبی اس زمین کا باپ وغیرہ سے وارث ہوا ہو اور باپ کی وجہ سے اس زمین پر دوگنا عشر ہو، تو اس زمین کو مسلمان خریدے تو اس مسلمان پر بھی دوگنا عشر ہوگا، اور تضعیف حادث، یعنی نیا دوگنا تو انکے یہاں متحقق ہی نہیں ہوتا، اس لئے تضعیف حادث میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ترجمہ: (۸۴۵) اگر زمین مسلمان کی ہو اور اس کو نصرانی سے بیچی۔ اس سے مراد ہے کہ تغلبی کے علاوہ جو ذمی ہے اس سے بیچی۔ اور اس نے اس پر قبضہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نصرانی پر خراج ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ خراج کافر کی حالت کے زیادہ لائق ہے۔

تشریح : تغلبی مسلمان سے زمین خریدے تو اس پر دوگنا عشر ہے اس کا تذکرہ اوپر آ گیا، اس لئے یہاں ذمی سے مراد تغلبی کے علاوہ ذمی ہے، کہ تغلبی کے علاوہ ذمی نے مسلمان سے زمین خریدی تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس ذمی سے عشر نہیں لیا جائے گا، بلکہ خراج لیا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ عشر عبادت ہے جو مسلمان سے لیا جاتا ہے، اس لئے زمین کافر کے پاس گئی تو اس سے خراج لیا جائے گا،

۲ وعند ابی یوسف علیه العشر مضاعفا ویصرف مصارف الخراج اعتبارا بالتغلبی وهٰذا اهون من التبدیل. ۳ وعند محمد هی عشریة علیٰ حالها لانه صار مؤنة لها فلا تتبدل کالخراج ۴ ثم فی روایة یصرف مصارف الصدقات وفی روایة مصارف الخراج (۸۴۶) فان اخذها منه مسلم بالشفعة اوردت علی البائع لفساد البیع فهی عشریة کما کانت ﴾

کیونکہ کافر خراج کے زیادہ لائق ہے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اس پر دوگنا عشر ہے، لیکن خراج کی جگہ پر صرف کیا جائے گا، تغلبی پر قیاس کرتے ہوئے، اور یہ حکم کے تبدیل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان سے کسی ذمی نے زمین خریدی تو اس پر دوگنا عشر ہی لازم کیا جائے گا، جس طرح تغلبی سے دوگنا عشر لیا جاتا ہے، البتہ چونکہ یہ حقیقت میں خراج اس لئے اس کو خراج کے مصرف پر خرچ کیا جائے گا زکوۃ کے مصرف میں خرچ نہیں کیا جائے گا۔ صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ زمین مسلمان کے پاس عشری تھی اب اس کو خراجی بنانا ذرا مشکل ہے، اور عشر ہی کو دوگنا کرنا تھوڑا آسان ہے۔۔ مضاعفا: ضعف سے مشتق ہے، دوگنا۔ اھون: آسان۔

ترجمہ: ۳ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ اپنی حالت پر عشری ہے، اس لئے کہ وہ اس کا لگان ہو گیا تو خراج کی طرح وہ تبدیل نہیں ہوگا۔

تشریح : امام محمدؒ کا قاعدہ گزر گیا کہ ایک مرتبہ زمین کا جو حکم ہو گیا وہی باقی رہتا ہے، مالک کے بدلنے سے نہیں بدلتا، اس لئے مسلمان کے پاس یہ زمین عشری تھی تو کافر کے خریدنے سے بھی وہ عشری ہی رہے گی اور ایک ہی عشر لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۴ پھر امام محمدؒ کی ایک روایت میں ہے کہ اس عشر کو صدقات کے مصرف میں خرچ کیا جائے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ خراج کے مصرف میں خرچ کیا جائے گا۔

تشریح : ذمی سے جو عشر لیا جائے گا، اس بارے میں امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کو زکوۃ کے مصرف میں خرچ کیا جائے گا، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں عشر ہے، اس لئے زکوۃ کے مصرف میں خرچ کریں، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو خراج کے مصرف میں خرچ کیا جائے گا، یعنی پل وغیرہ بنایا جائے گا، اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ کافر سے لیا گیا ہے تو چاہے اس کا نام عشر ہو لیکن ہے خراج اس لئے اس کو خراج کے مصرف میں خرچ کیا جائے۔

ترجمہ: (۸۴۶) اور اگر اس زمین کو مسلمان نے ذمی سے شفعہ کے طور پر لیا، یا بیع کے فاسد ہونے کی وجہ سے بائع پر زمین لوٹ گئی تو وہ پہلے کی طرح عشری ہی رہے گی۔

ل اما الاول فلتحول الصفقه الى الشفيع كانه اشتراها من المسلم. ٢ واما الثانى فلانه بالرد والفسخ بحكم الفساد جعل البيع كان لم يكن ٣ ولان حق المسلم لم ينقطع بهذاالشراء لكونه مستحق الرد(٨٤٧) قال واذا كانت لمسلم دار خطة فجعلها بستانا فعليه العشر

تشریح : مسلمان سے ذمی نے زمین خریدی تھی جس کی وجہ سے اس پر خراج لازم ہوتا، لیکن ایسی صورت پیش آئی کہ ذمی کی بیع بیچ میں رہی ہی نہیں، بلکہ مسلمان کی بیع مسلمان سے ہوگئی تو پہلے ہی کی طرح عشر ہی باقی رہے گا، اور ایک عشر ہی لازم ہوگا۔ کیونکہ ذمی کی بیع تو درمیان میں رہی ہی نہیں تو خراج کیوں لازم ہو! مصنف نے اس کی دو مثالیں پیش کی ہیں۔ [ا] ذمی نے خریدی تو تھی لیکن مسلمان نے ذمی کی بیع توڑ وادی اور حق شفعہ کے ذریعہ خود خرید لی، تو مسلمان سے مسلمان کا خریدنا ہوا اس لئے اس پر ایک عشر ہی باقی رہے گا۔ [۲] اور دوسری مثال یہ ہے کہ ذمی کی بیع کسی وجہ سے فاسد تھی اس لئے زمین مسلمان بائع کی طرف لوٹ گئی تو گویا کہ ذمی سے بیع ہوئی ہی نہیں اس لئے زمین کا ایک عشر بحال رہے گا۔

ترجمہ : ل بہر حال پہلا [یعنی مسلمان نے شفعہ کے ذریعہ لیا] تو صفقہ شفیع کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے، گویا کہ زمین کو مسلمان ہی سے خریدا۔

تشریح : پہلی صورت یہ ہے کہ ذمی نے خریدا تھا لیکن مسلمان نے حق شفعہ کے ذریعہ اس بیع کو توڑ وادیا اور خود مسلمان سے خرید لیا تو چونکہ خود مسلمان سے خریدا ہے اس لئے پہلا ہی عشر بحال رہے گا۔ ۔صفقۃ : کسی معاملہ کرنے کو صفقۃ کہتے ہیں۔ تحول : منتقل ہونا۔

ترجمہ : ٢ بہر حال دوسری صورت [یعنی بیع فاسد ہونے کی وجہ سے بائع کی طرف لوٹی] تو اس لئے کہ زمین واپس کرنے اور بیع کے فسخ ہونے کی وجہ سے بیع کو ایسا کر دیا کہ گویا کہ ہوئی ہی نہیں۔

تشریح : دوسری صورت یہ ہے کہ ذمی نے بیع فاسد کی تھی جسکی وجہ سے بیع فسخ کر دی گئی، اور زمین بائع کی طرف واپس کر دی گئی، تو بیع کے فسخ ہونے کی وجہ سے گویا کہ ذمی سے بیع ہوئی ہی نہیں، اور خراج لاگو ہی نہیں ہوا اس لئے مسلمان بائع کے پاس زمین عشری ہی رہی۔

ترجمہ : ٣ اور اس لئے کہ اس خریدنے سے مسلمان کا حق منقطع نہیں ہوا اس لئے کہ مبیع کے واپس کرنے کا مستحق تھا۔

تشریح : یہ عبارت پہلی ہی دلیل کا تتمہ ہے۔ چونکہ بیع فاسد تھی اس لئے ذمی کے خریدنے سے مسلمان بائع کا حق ختم نہیں ہوا تھا کیونکہ مسلمان کو زمین واپس لینے کا حق تھا، اور جب واپس لینے کا حق تھا تو زمین عشری ہی بحال رہی۔

ترجمہ : (۸۴۷) امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے لئے کوئی گھر مختط کر دیا ہو پھر مسلمان نے اسکو باغ بنالیا ہو تو اس پر واجب ہوگا۔

۱؎ معناه اذا اسقاه بماء العشر اما اذا كانت تسقى بماء الخراج ففيها الخراج لان المؤنة فى مثل هٰذا تدور مع الماء (۸۴۸ وليس على المجوسى فى داره شئ ﴾ ۱؎ لان عمر جعل المساكن عفوا (۸۴۹) وان جعلها بستانا فعليه الخراج ﴾ ۱؎ وان سقاها بماء العشر لتعذر ايجاب العشر اذفيه معنى القربة فتعين الخراج وهو عقوبة تليق بحاله ۲؎ وعلى قياس قولهما يجب العشر فى الماء

ترجمه: ۱؎ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو عشری پانی سے سیراب کیا ہو تو۔ اور اگر اس کو خراجی پانی سے سیراب کیا ہو تو اس میں خراج ہے، اس لئے اس قسم کی زمین میں لگان کا مدار پانی پر ہوتا ہے۔

تشریح: خطہ کا ترجمہ ہے کہ ملک فتح ہوتے وقت امیر المؤمنین نے خط کھینچ کر اس زمین کو مسلمان کو گھر بنانے کے لئے دیا تھا، مسلمان نے اس گھر کو باغ بنا دیا تو اگر عشری پانی سے سیراب کرتا ہے تو اس پر عشر لازم ہوگا، اور اگر خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے تو خراج لازم ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی زمین کا مدار پانی پر ہے، جس قسم کا پانی استعمال کیا جائے گا اسی قسم کا لگان لازم ہوگا۔

خطہ: خط کھینچ کر زمین دینا۔

ترجمه: (۸۴۸) مجوسی کے گھر پر کچھ نہیں ہے۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے گھروں کو کو معاف قرار دیا تھا۔

تشریح: گھر چاہے مسلمان کا ہو چاہے مجوسی کا ہو اس پر نہ خراج ہے اور نہ عشر ہے وہ معاف ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے گھروں کو معاف کیا تھا۔

ترجمه: (۸۴۹) اور اگر گھر کو باغ بنا دیا تو اس پر خراج ہے۔

ترجمه: ۱؎ چاہے وہ عشری پانی سے سیراب کیا ہو، عشر کے واجب کرنے سے متعذر رہونے کی وجہ سے اس لئے کہ عشر میں قربت کا معنی ہے، اس لئے خراج متعین ہوا، خراج یہ سزا ہے جو اس کی حالت کے لائق ہے۔

تشریح: اگر مجوسی اور ذمی نے اپنے گھر کو باغ بنا دیا تو چاہے عشری پانی سے باغ سیراب کرتا ہو پھر بھی اس پر خراج ہی لازم کیا جائے گا۔

وجه: اسکی وجہ یہ ہے کہ عشر میں عبادت ہے، جو کافر کے لائق نہیں، اور خراج میں ایک قسم کی سزا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا اس لئے اس پر خراج لازم ہوا اس لئے اس پر خراج ہی لازم کیا جائے گا۔

ترجمه: ۲؎ اور صاحبینؒ کے قول پر قیاس کرتے ہوئے عشری پانی میں عشر واجب کیا جائے گا، یہ اور بات ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک ایک عشر واجب ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دو عشر واجب ہوگا۔ اسکی دلیل گزر چکی ہے۔

العشری الاٰن عند محمد عشر اواحد او عند ابی یوسف عشر ان وقد مر الوجه ٣ ثم الماء العشری ماء السماء والاٰبار والعیون والبحار التی لا تدخل تحت ولایة احد والماء الخراجی الانهار التی شقّها الاعاجم. ٤ وماء جیحون وسیحون ودجلة والفرات عشری عند محمد لانه لا یحمیها احد کالبحار وخراجی عند ابی یوسف لانها یتخذ علیها القناطیر من السفن وهذاید علیها

تشریح : مسئلہ نمبر ۸۴۵ میں گزر چکا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں کافر پر بھی عشر لازم کیا جا سکتا ہے، البتہ اس پر عشر دو گنا ہوتا ہے، اس لئے اگر اس نے عشری پانی استعمال کیا تو اس پر دو گنا عشر لازم ہوگا، اور امام محمدؒ کے یہاں ایک گنا ہی عشر لازم ہوگا۔ دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ٣ پھر عشری پانی یہ ہیں آسمان کا پانی، کنؤوں کا پانی، چشموں کا پانی، اور بڑے دریاؤں کا پانی جو کسی کی ولایت میں داخل نہیں ہیں، اور خراجی پانی وہ نہریں جن کو عجمیوں نے کھودا ہے۔

تشریح : یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ عشری پانی کون سا پانی ہے، اور خراجی کون سا پانی ہے؟ اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ جو پانی کسی کی ولایت اور قبضے میں نہ ہو وہ پانی عشری ہے۔ جیسے آسمان کا پانی، کنؤوں کا پانی، چشموں کا پانی، اور بڑے دریاؤں کا پانی جو کسی کی ولایت میں داخل نہیں ہو وہ سب عشری پانی ہے۔

وجه: (۱) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن سالم بن عبد الله بن ابیه عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔ (بخاری شریف، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۳) اس حدیث میں ہے کہ آسمان اور چشمے کے پانی سے سیراب کیا ہو تو اس میں عشر ہے، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ یہ پانی عشری ہیں تب ہی تو اس میں عشر لازم کیا۔ شق: پھاڑنا، کھودنا۔

اور عجمیوں کے کھودے ہوئے نہروں سے جو پانی آتا ہو وہ پانی خراجی ہے۔ یا جن نہروں پر عجمیوں کا قبضہ ہو ان نہروں کا پانی خراجی ہے۔

ترجمہ: ٤ اور دریائے جیحون اور دریائے سیحون اور دجلہ اور فرات کا پانی امام محمدؒ کے نزدیک عشری ہے، کیونکہ سمندروں کی طرح ان کا کوئی محافظ نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خراجی ہے، کیونکہ ان دریاؤں پر کشتیوں کے پل بنائے جاتے ہیں اور یہ ایک طرح کا قبضہ ہے۔

تشریح: دریائے جیحون ترمذ کے پاس ہے اور ابھی عجبکستان ملک میں ہے۔ دریائے سیحون تاشقند کے پاس ہے اور یہ بھی عجبکستان ملک میں ہے۔ اور دریائے دجلہ بغداد کے پاس ہے اور عراق ملک میں ہے، دریائے فرات بھی بغداد کے قریب ہے، اور عراق ملک

(۸۵۰) وفی ارض الصبی والمرأة التغلبيين ما فی ارض الرجل ﴾ ۱ یعنی العشر المضاعف فی العشرية والخراج الواحد فی الخراجية لان الصلح قد جری علی تضعيف الصدقة دون المؤنة المحضة ۲ ثم علی الصبی والمرأة اذا كانا من المسلمين العشر فيضعف ذلک اذا كانا منهم

(۸۵۱) وليس فی عين القير والنفط فی ارض العشر شئ ﴾ ۱ لانه ليس من انزال الارض وانما هو

میں ہے، سمندر کی طرح ان دریاؤں کا کوئی محافظ نہیں ہے اس لئے امام محمدؒ کے نزدیک ان کا پانی عشری ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان دریاؤں پر کشتیوں کا پل بناتے ہیں جو ایک قسم کا قبضہ ہے، اور قبضے کا پانی خراجی ہوتا ہے اس لئے ان دریاؤں کا پانی خراجی ہے، اور انکے پانی سے سیراب کرے گا تو اس زمین پر خراج لازم ہوگا۔ یحمی: حمایت سے مشتق ہے، حفاظت کرنا۔ قناطیر: پل۔ ید: قبضہ، ہاتھ۔

ترجمہ: (۸۵۰) تغلبی قوم کے بچے اور عورت کی زمین میں اتنی ہی عشر ہے جو اس کے مرد کی زمین میں ہے۔

ترجمہ: ۱ یعنی عشری زمین میں دوگنا عشر، اور خراجی زمین میں ایک گنا خراج۔ اس لئے کہ صلح زکوۃ کے دوگنا پر جاری ہوئی ہے ہر لگان پر نہیں۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے تغلبی قوم سے اس بات کی صلح کی تھی کہ زکوۃ دوگنی دیں گے اور عشر چونکہ زکوۃ کی ایک قسم ہے اس لئے عشر دوگنا ہوگا، تمام لگان میں دوگنے پر صلح نہیں ہوئی تھی، اس لئے جب مسلمان کے بچے اور عورت کی زمین پر عشر ہے تو تغلبی قوم کے بچے اور عورت کی زمین پر بھی دوگنا عشر ہوگا، جس طرح اس کے مرد کی زمین پر دوگنا عشر لازم ہوتا ہے۔ لیکن خراج کے دوگنے ہونے پر صلح نہیں ہوئی تھی اس لئے خراجی زمین پر ایک گنا ہی خراج لازم ہوگا۔ مضاعف: دوگنا، اسی سے تضعیف ہے، دوگنا۔ صدقة: سے مراد زکوۃ، اور عشر ہے۔ مؤنة: لگان۔

ترجمہ: ۲ پھر بچے پر اور عورت پر جبکہ دونوں مسلمان ہوں تو عشر ہے پس تغلبی قوم کا ہو تو اس کا دوگنا ہوگا۔

تشریح: مسلمان بچہ یا عورت ہو تو اس کی زمین پر عشر ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے تغلبی قوم کا بچہ یا عورت ہو تو اس کی زمین پر دوگنا عشر ہوگا۔ اس لئے کہ عشر زکوۃ کی قسم ہے اور حضرت عمرؓ نے زکوۃ کے دوگنے پر تغلبی قوم سے صلح کی تھی۔

ترجمہ: (۸۵۱) عشری زمین میں قیر اور نفط کا چشمہ ہو تو اس میں کچھ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ زمین کی پیداوار نہیں ہے وہ تو پانی کے چشمے کی طرح پھوٹنے والا چشمہ ہے۔

تشریح: قیر: اس کو تارکول اور جھارکھنڈ میں الکترا کہتے ہیں، یہ کالا سیاہ تیل ہوتا ہے اور لوگ پچھلے زمانے میں کشتی پر ملتے تھے۔ نفط مٹی کے تیل کی طرح ہوتا ہے اور پانی پر چھایا ہوتا ہے، پٹرول۔ یہ دونوں تیل عشری زمین میں نکل جائے تو اس میں عشر نہیں لیا

عين فوّارة كعين الماء (۸۵۲) وعليه في ارض الخراج خراج وهٰذا ﴾ ل اذا كان حريمهما صالحا للزراعة لان الخراج يتعلق بالتمكن من الزراعة.

جائے گا۔

وجه : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ زمین کی پیداوار نہیں ہیں، اور نہ غلہ وغیرہ میں سے ہیں، یہ تو پانی کے چشمے کی طرح پھوٹنے والا چشمہ ہے، تو جس طرح پانی کے چشمے میں کچھ نہیں اسی طرح پٹرول اور الکترا کے چشمے میں کچھ نہیں ہے۔۔ابھی یہ تیل بہت مہنگے ہیں اس لئے اس میں ٹیکس لیا جاتا ہے۔

ترجمه: (۸۵۲) اور خراجی زمین میں ہو تو اس پر خراج ہے۔

ترجمه: ل یہ جب ہے کہ اس کا گرد کاشتکاری کے قابل ہو، کیونکہ خراج اس وقت ہوتا ہے جبکہ کاشتکاری پر قدرت ہو۔

تشريح : اگر تارکول اور پٹرول خراجی زمین میں نکل جائے اور اس کے چشمے کے حریم، یعنی اس کے ارد گرد کاشتکاری کے لائق ہو تو اس چشمے پر خراج لازم ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ خراجی زمین کی پیداوار پر خراج نہیں ہوتا بلکہ اس کی زمین پر خراج ہوتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ زمین کاشتکاری کے لائق ہو تب خراج لازم ہوگا، لیکن اگر زمین کے ارد گرد کاشتکاری کے لائق ہی نہ ہو تو اس پر خراج نہیں ہے ، اس لئے یہاں بھی خراج لازم نہیں ہوگا۔۔حریم: کھیت کے ارد گرد یا کنویں کے ارد گرد کو حریم کہتے ہیں۔

﴿ باب من يجوز دفع الصّدقات اليه و من لا يجوز ﴾

(۸۵۳)قال: الاصل فيه قوله تعالىٰ انما الصدقات للفقراء الأية ﴾ ل فهذه ثمانية اصناف وقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لان الله تعالىٰ اعز الاسلام واغنى عنهم وعلىٰ ذالک انعقد الاجماع

﴿ باب من يجوز دفع الصدقة اليه و من لا يجوز ﴾

ضروری نوٹ: کن لوگوں کوزکوۃ دینا جائز ہے جس سے زکوۃ کی ادائیگی ہوگی اس کی پوری تفصیل ہے۔

ترجمہ: (۸۵۳)اللہ تعالی نے فرمایا۔انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم . (آیت ۶۰ سورۃ التوبۃ ۹)اس آیت میں آٹھ قسم کے آدمیوں کو مستحق زکوۃ قرار دیا ہے۔

(۱)۔۔۔فقراء: جس کے پاس کچھ تھوڑا سا ہو۔اس کوزکوۃ کی رقم دینا۔

(۲)۔۔۔مساکین: جس کے پاس کچھ نہ ہو۔اس کوزکوۃ کی رقم دینا۔

(۳)۔۔۔عاملین: جو اسلامی حکومت کی جانب سے صدقات وغیرہ وصول کرنے کے لئے متعین ہو۔اس کو مزدوری میں زکوۃ کی رقم دینا۔

(۴)۔۔۔مؤلفۃ القلوب: جن کے اسلام لانے کی امید ہو، یا اسلام میں کمزور ہو۔زکوۃ کی رقم دیکر اس کو اسلام کی طرف مائل کرنا۔

(۵)۔۔۔رقاب: کا معنی ہے گردن، یہاں مراد ہے زکوۃ سے بدل کتابت ادا کر کے غلام آزاد کرے، یا غلام خرید کر آزاد کرے، یا قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے اس کو آزاد کرائے۔

(۶)۔۔۔غارمین: کسی حادثے کی وجہ سے مقروض ہو گیا، یا کسی کی ضمانت ادا کرنے کی وجہ سے مقروض ہو گیا ہو۔زکوۃ سے اس کی مدد کرنا۔

(۷)۔۔۔فی سبیل اللہ: اس کا ترجمہ ہے، اللہ کے راستے میں۔یہاں مراد ہے جو جہاد میں ہو زکوۃ سے اس کی مدد کرنا۔

(۸)۔۔۔ابن السبیل: اس کا ترجمہ ہے راستے کا بیٹا، یعنی مسافر، یہاں مراد ہے کہ گھر پر تو مالدار ہے، لیکن سفر میں رقم نہیں ہے، اور رقم کی سخت ضرورت ہے، زکوۃ کی رقم دے کر اس کی اعانت کرنا۔

ترجمہ: ل ان میں سے مؤلفت قلوب ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسلام کو عزت دی اور مؤلفت قلوب سے اسلام کو بے نیاز کر دیا۔

تشریح: مؤلفت قلوب اس کو کہتے ہیں کہ کافر کوزکوۃ کا روپیہ دے کر اس کو دین اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔شروع اسلام

(۸۵۴) والفقير من له ادنى شئ والمسكين من لا شئ له وهذا مروى عن ابى حنيفة وقد قيل على العكس ذالک ﴾ ل وجه .

میں یہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ قسم منسوخ ہوگئی۔ اس لئے کہ اب اسلام کو اللہ نے عزت دیدی۔ اب مؤلفت قلوب کو زکوۃ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

وجہ: یہ اثر ہے عن عامر قال انما كانت المؤلفة قلوبهم على عهد رسول الله ﷺ فلما ولى ابو بكر انقطعت . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴۵، فی المؤلفۃ قلوبھم یوجدون الیوم اوذھبواج ثانی ص۴۳۵، نمبر ۱۰۷۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ کے زمانے میں مؤلفت قلوب کا حق ساقط ہو گیا۔

ترجمہ: (۸۵۴) فقیر اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس تھوڑی چیز ہو۔ اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

تشریح: کسی کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب کے برابر نہ ہو تو اس کو فقیر کہتے ہیں۔ اور جس کے پاس کچھ بھی مال نہ ہو اس کو مسکین کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) أو مسكينا ذا متربة۔ (آیت ۱۶، سورۃ البلد ۹۰) اس آیت میں ہے کہ ایسا مسکین کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، اور بھوک سے مٹی کے ساتھ چپکا ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہو۔

ترجمہ: ل یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے، اور اس کا الٹا بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور ہر ایک کی دلیل ہے۔

تشریح : فقیر اور مسکین کی دوسری تعریف یہ ہے کہ مسکین اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس تھوڑی چیز ہو۔ اور فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

وجہ: (۱) عن جابر بن زيد أنه سئل عن الفقراء و المساكين فقال : الفقراء المتعففون ، و المساكين الذى يسألون ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۰۷، ما قالوا فی الفقراء والمساکین من ھم، ج ثانی، ص ۴۱۸، نمبر ۱۰۵۹۱) اس اثر میں ہے کہ فقراء اس کو کہتے ہیں جو لوگوں کے پاس مانگتا پھرتا ہو، یعنی اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، اور مساکین اس کو کہتے ہیں کہ وہ ہر ایک کے پاس مانگتا تو نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس کچھ ہے، لیکن مانگنے کی ضرورت ہے کیونکہ تھوڑی سی چیز سے اس کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ (۲) اس آیت کا اشارہ بھی اس کی دلیل ہے۔ اما السفينة فكانت لمساكين يعملون فى البحر ۔ (آیت ۷۹، سورۃ الکھف ۱۸) اس آیت میں ہے کہ کشتی کچھ مسکینوں کی تھی، جسکا مطلب یہ ہوا کہ مسکین اس کو کہتے ہیں کہ اس کے پاس کچھ مال ہو، لیکن اس سے ضرورت پوری نہیں ہو سکتی ہو۔

ﮱ ثم هما صنفان اوصنف واحد سنذكره فی كتاب الوصايا ان شاء الله تعالىٰ (۸۵۵) والعامل يدفع الامام اليه ان عمل بقدر عمله فيعطيه ما يسعه واعوانه غير مقدر بالثمن ﮰ خلافا للشافعی

ترجمه: ﮱ پھر مسکین اور فقیر ایک ہی قسم ہیں یا دو قسم۔اس کو کتاب الوصایا میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔

تشریح: زکوۃ دینے کے لئے فقیر اور مسکین دونوں ایک ہی قسم میں آتے ہیں، یا دو قسم میں آتے ہیں، اس کو کتاب الوصایا میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔

ترجمه: (۸۵۵)اور عامل کو امام دے گا اگر عمل کیا ہو اس کے عمل کے مطابق۔اتنا دے کہ اس کو بھی اور اس کے مددگار کو بھی کافی ہو جائے، ہاں آٹھواں حصہ متعین نہیں ہے

تشریح: جتنا کام کیا ہو اس کے مطابق حاکم کام کرنے والے کو اس کے کام کے مطابق زکوۃ میں سے رقم دے گا۔اور اس سے بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔کام کرنے والے کا جتنا وقت خرچ ہوا ہے اس کے مطابق اتنا دے کہ کام کرنے والے کو اور اس کی مدد کرنے والے کو کافی ہو جائے، اس میں یہ نہیں ہے کہ آیت میں آٹھ قسم کے آدمیوں کا تذکرہ ہے تو کام کرنے والے نے جتنی زکوۃ وصول کر کے لایا تو اس کا آٹھواں حصہ اس کو دے دیا جائے، یہ شرط نہیں ہے۔

وجه: (۱) آیت گزر چکی جس میں ہے کہ زکوۃ کے لئے کام کرنے والے کو اس کی مزدوری زکوۃ کی رقم میں سے دے سکتے ہیں، اس سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔(۲) اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن عطاء بن يسار ان رسول الله ﷺ قال لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة (۱) لغاز فی سبيل الله (۲) او لعامل عليها (۳) او لغارم (۴) او لرجل اشتراها بماله (۵) او لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فاهدها المسكين للغنی (ابوداؤد شریف، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۵) اس حدیث میں ہے کہ کام کرنے والے کو بھی مزدوری میں زکوۃ کا مال دے سکتے ہیں۔(۳) اس حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن الساعدی المالكی أنه قال : استعملنی عمر بن الخطاب ؓ على الصدقة فلما فرغت منها و أديتها اليه أمر لی بعمالة فقلت : انما عملت لله و أجری على الله فقال خذ ما اعطيت فانی عملت على عهد رسول الله ﷺ فعملنی ، فقلت مثل ذالک فقال لی رسول الله ﷺ اذا اعطيت شيئا من غيران تسأل فكل و تصدق . (مسلم شریف، باب جواز الاخذ بغیر سوال ولا تطلع ص ۴۲۰، نمبر ۱۰۴۵ / نمبر ۲۴۰۸ / ابوداود شریف، باب فی الاستعفاف، ص ۲۴۴، نمبر ۱۶۴۷) اس حدیث میں ہے کہ کام کرنے والے کو زکوۃ سے مزدوری دی جا سکتی ہے۔

ترجمه: ﮰ خلاف امام شافعیؒ کے

۲؎ لان استحقاقه بطریق الکفایة ولهذا یأخذ وان کان غنیا ۳؎ الا ان فیه شبهة الصدقة فلا یاخذها العامل الهاشمی تنزیها لقرابة الرسول علیه السلام عن شبهة الوسخ

تشریح: یہاں یہ بتایا کہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کام کرنے والے نے جتنی زکوۃ لایا اس کا آٹھواں حصہ اس کو دے دو۔لیکن موسوعہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام شافعیؒ کا بھی مسلک وہی ہے جو ہمارا ہے، یعنی جتنا کام کیا ہے اس حساب سے اتنی مزدوری دے دو جس اس کو اور اس کے مددگار کو کافی ہو جائے۔موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔قال [الشافعیؒ] و یعطی العا ملون علیها بقدر أجور مثلهم فیما تکلفوا من السفر و قاموا به من الکفایة ، لا یزادون علیه شیئا ۔(موسوعہ امام شافعیؒ، باب جماع تفریع السهمان، ج رابع، ص ۲۷۶، نمبر ۴۶۶۴) اس عبارت میں ہے کہ کام کرنے والے کو اس کی اجرت دی جائے آٹھواں حصہ دینے کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ: ۲؎ اس لئے کہ کام کرنے والے کا مستحق ہونا کافی ہونے کے طریقے پر ہے، اسی لئے مالدار ہونے کے باوجود بھی لیتا ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ کام کرنے والے کو اس لئے نہیں دیا جاتا ہے کہ وہ محتاج ہے، بلکہ اس کا مستحق ہونا اس لئے ہے کہ وہ اس کے لئے کام کرتا ہے، اور چونکہ اس کے وصول کرنے میں کتنا وقت لگے گا یہ متعین نہیں ہے اس لئے پہلے سے اجرت بھی متعین نہیں کر سکتے، البتہ یہ دیکھا جائے کہ اس وصول کرنے میں کتنا وقت صرف ہوا اس اعتبار سے اتنا دے دے کہ اس کو اور اس کے مددگار کو کافی ہو جائے۔چونکہ کام کرنے کی وجہ سے لیتا ہے اسی لئے مالدار ہونے کے باوجود زکوۃ لے گا، کیونکہ یہ ایک قسم کی مزدوری ہوئی۔

ترجمہ: ۳؎ مگر یہ کہ اس میں صدقہ کا شبہ ہے اس لئے ہاشمی عامل اس کو نہ لے، قرابت رسول کو میل کچیل سے پاک رکھنے کے لئے۔

تشریح: یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ مالدار کی مزدوری ہے تو اگر کام کرنے والا ہاشمی ہو یعنی حضورؐ کے خاندان کا ہو تو اس کے لئے مزدوری کے طور پر لینا کیوں نا جائز ہے؟ تو اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اگر چہ یہ مزدوری ہے لیکن اس سے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، اس لئے زکوۃ کا شبہ ہے، اور زکوۃ ایک قسم کا انسانی میل ہے، اور حضورؐ کا خاندان اتنا اونچا اور مکرم ہے کہ اس کو میل کچیل سے بھی دور رکھنا ہے، اس لئے انکے لئے زکوۃ میں سے اپنی مزدوری لینا بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں کہ اس کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوۃ میں سے مزدوری لینا ٹھیک نہیں۔

وجہ: اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔(۱) حدثنا بهز بن حکیم عن ابیه عن جده قال کان رسول الله اذا اتی بشیء

ؐ والغنی لا يوازيه فی استحقاق الکرامة فلم تعتبر الشبهة فی حقه (۸۵۶) وفی الرقاب ان يعان المکاتبون منها فی فک رقابهم هو المنقول﴾

سأل اصدقه هی ام هدية؟ فان قالوا صدقة لم يأکل وان قالوا هدية اکل (ترمذی شريف، باب ماجاء فی کراہیة الصدقة للنبی واهل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۱ نمبر ۶۵۶ ر بمعناہ ابوداؤد شریف، باب الصدقة علی بنی ھاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔ (۲) اور زکوۃ کے مال سے اجرت لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور آل محمد کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ کے مال سے مزدوری لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی۔ عن ابی رافع ان رسول الله ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة فقال لابی رافع اصحبنی کیما تصیب منها فقال لا حتی آتی رسول الله ﷺ فاسأله فانطلق الی النبی ﷺ فسأله فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان مولی القوم من انفسهم. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیة الصدقة للنبی ﷺ واہل بیتہ وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷ ر ابوداؤد شریف، باب الصدقة علی بنی ھاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار بھی اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اور ان کو بھی زکوۃ کے مال میں سے مزدوری نہیں لینی چاہئے۔ یہ تقوی کا تقاضا ہے۔ لیکن لے لے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ آپ کے آل نے زکوۃ کے مال میں سے مزدوری لی ہے۔ حدیث میں۔ عن کریب مولی ابن عباس عن ابن عباسؓ قال : بعثنی ابی الی النبی ﷺ فی ابل اعطاها اياه من الصدقة. (ابوداؤد شریف، باب الصدقة علی بنی ہاشم، ص ۲۴۰، نمبر ۱۶۵۳) اس حدیث میں ہے کہ صدقہ کا اونٹ ابن عباس کو دیا۔

ترجمه: ؐ مالدار کرامت کے مستحق ہونے میں ہاشمی کے برابر نہیں ہوسکتا، اس لئے مالدار کے حق میں شبہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

تشریح: کرامت اور عزت میں مالدار حضورؐ کے خاندان کی برابری نہیں کرسکتا، اس لئے مالدار کے حق میں زکوۃ کے شبہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا گیا، اس لئے یہ کہا گیا کہ مالدار اپنی مزدوری زکوۃ کے مال میں سے لے سکتا ہے، اور حضورؐ کا خاندان نہیں لے سکتا، اصل اوپر کی حدیث ہے۔

لغت: ہاشمی: حضور ہاشمی خاندان کے ہیں اس لئے حضور کے خاندان کو ہاشمی کہتے ہیں۔ تنزیہ: پاک کرنا۔ وسخ: میل کچیل۔ یوازیہ: برابری کرنا

ترجمه: (۸۵۶) اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ مکاتب غلام کو اس کی گردن چھڑانے میں مدد کی جائے۔

تشریح: آیت میں (و فی الرقاب) جو آیا ہے، اس کا ترجمہ ہے اور زکوۃ گردن چھڑانے میں دے، اس گردن چھڑانے کی دو صورتیں ہیں [۱] ایک کہ زکوۃ کی رقم سے غلام خرید کر آزاد کرے [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ مکاتب کو زکوۃ کی رقم کا مالک بنائے

(۸۵۷) والغارم من لزمه دين ولا يملك نصابا فا ضلاً عن دينه ﴾

وہ مال کتابت ادا کر کے آزاد ہو جائے، حنفیہ کے نزدیک یہی صورت ہے۔۔رقبۃ: گردن۔

وجه : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے مالک بنانا ضروری ہے،اور غلام کو خریدے گا تو غلام مالک نہیں ہو سکے گا، کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا،اس کا آقا اس کا مالک ہوتا ہے،اور آقا مالدار ہے اس لئے زکوۃ کا مالک اس کو بھی نہیں بنا سکتے، اس لئے غلام کو خرید کر آزاد کرنا صحیح نہیں، اس لئے یہی صورت رہ گئی کہ مکاتب کو زکوۃ کا مالک بناؤ اور وہ مال کتابت ادا کر کے اپنی گر دن چھڑائے۔(۲) تفسیر طبری میں حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے۔ و أخرج عن الحسنؓ و الزهری، و عبد الرحمن بن زيد بن اسلم قالوا : ﴿و فی الرقاب ﴾ [التوبۃ:۶۰] ھم المکاتبون،انتہی۔(نصب الرایۃ،باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لا یجوز، ج ثانی،ص ۴۱۱)اس عبارت میں ہے کہ حضرت حسن بصری سے رقاب کی تفسیر میں ہے کہ اس سے مکاتب کی مدد کرنا مراد ہے۔(۳)عن الثوری قال الرجل لايعطى زكوة ماله من يجبر على النفقة من ذوی ارحامه،... ولا تعطيها مكاتبك، ولاتبتاع بها نسمة تحررها. (مصنف عبد الرزاق،باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۸۹ نمبر ۷۰۰۲)اس اثر میں ہے کہ اپنے مکاتب کو نہ دے جسکا یہ مطلب ہے کہ دوسرے کے مکاتب کی مدد کر سکتا ہے،اس اثر میں یہ بھی ہے کہ زکوۃ کے مال سے غلام کو خرید کر آزاد نہ کرے،اس لئے رقاب کی یہی صورت متعین ہوگی کہ دوسرے کے مکاتب کی مدد کرے ۔(۴)اس اثر میں ہے.عن ابراهيم انه كان يكره ان يشترى من زكاة ماله رقبة يعتقها۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۸۷ فی الرقبۃ تعتق عن الزکوۃ، ج ثانی،ص ۴۰۳،نمبر ۱۰۴۱۹) اس اثر میں ہے کہ زکوۃ کے مال سے غلام خرید کر آزاد کرنا مکروہ ہے،اس لئے رقاب میں یہی صورت باقی رہی کہ مکاتب کی مدد کرے۔(۵) امام شافعیؒ کے یہاں رقاب سے مکاتب ہی مراد ہے،موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔قال [الشافعیؒ] و الرقاب المكاتبون من جيران الصدقة ۔(موسوعہ امام شافعیؒ،باب جماع بیان أہل الصدقۃ، ج رابع،ص ۲۶۵،نمبر ۴۶۲۷)اس عبارت میں ہے کہ رقاب سے مراد مکاتب کی گردن چھڑانا ہے۔۔ فک رقاب : مکاتب کی گردن چھڑوانا۔

ترجمه: (۸۵۷)غارم،وہ مقروض ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو۔اور اتنے نصاب کا مالک نہ ہو جو قرض سے زیادہ ہو۔

تشریح: جس پر قرض لازم ہوا ہو اور اتنے روپے اس کے پاس نہ ہو جس سے قرض ادا کر کے نصاب کے مطابق بچے،تو چونکہ وہ غریب ہے اس لئے وہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔چاہے اہل وعیال کی کفالت کی وجہ سے قرض ہوا ہو، یا دو آدمیوں نے جھگڑا کیا ہوا نکی صلح کرانے میں مقروض ہو گیا ہو۔۔غرم: کا ترجمہ ہے قرض، یہاں مراد ہے مقروض ہونا۔

وجه: (۱)اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابی سعيد الخدرى قال أصيب رجل فی عهد رسول الله ﷺ فی ثمار ابتاعها فكثر دينه فقال رسول الله ﷺ : تصدقوا عليه فتصدق الناس عليه ۔(ترمذی شریف،باب ما

ل وقال الشافعی: من تحمل غرامة فی اصلاح ذات البین واطفاء النائرة بین القبیلتین

(۸۵۸) وفی سبیل اللہ منقطع الغزاۃ عند ابی یوسف ل لانہ المتفاهم عند الاطلاق

جاء من تحل لہ الصدقة من الغارمین وغیرهم، ص ۱۶۸، نمبر ۱۶۵۵) اس حدیث میں ہے کہ اپنے کام کے لئے قرض ہو گیا تو حضورؐ نے انکے لئے صدقے کی اپیل کی، جس سے معلوم ہوا کہ اپنے عیال کے لئے دین ہو جائے تو بھی زکوۃ حلال ہے۔(۲) قال سألت الزهری عن الغارمین قال أصحاب الدین و ابن السبیل و ان کان غنیا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الغارمین من ھم؟، ج ثانی، ص ۴۲۴، نمبر ۱۰۶۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو بھی قرض والا ہے اور قرض ادا کر کے اتنا روپیہ نہیں بچتا کہ نصاب کا مالک ہو سکے وہ غارم ہے، (۳) اور صلح کرانے میں مقروض ہوا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے. عن قبیصة بن مخارق الهلالی قال : تحملت حمالة فأتیت رسول الله ﷺ أسله فیها فقال اقم حتی تأتینا الصدقة فنامر لک بها قال ۔ ثم قال : یا قبیصة ان المسألة لا تحل الا لاحد ثلاثة : رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتی یصیبها ثم یمسک . (مسلم شریف، باب من تحل لہ المسالۃ، ص ۴۱۹، نمبر ۱۰۴۴ ۲۴۰۴ /ابوداود شریف، باب ما تجوز بہ المسألۃ، ص ۲۴۳، نمبر ۱۶۴۰) اس حدیث میں تحمل حمالۃ ہے: جس کا ترجمہ ہے کہ صلح کرانے میں اپنے اوپر قرض کا بوجھ لے لیا تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

ترجمہ: ل اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ غارم وہ شخص ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان باہمی پھوٹ کی اصلاح کی خاطر اور دو قبیلوں کے درمیان عداوت کی آگ کو بجھانے کے لئے مالی خسارہ برداشت کیا ہو۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں بھی غارم کی وہی دونوں صورتیں ہیں جو اوپر گزریں، کہ اپنے اہل وعیال کے لئے مقروض ہوا ہو یا صلح کرانے کے لئے مقروض ہوا ہو دونوں کے لئے زکوۃ جائز ہے۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔و الغارمون صنفان : صنف ادانوا فی مصلحتهم أو معروف و غیر معصیة ، ثم عجزوا عن اداء ذالک فی العرض و النقد ، فیعطون فی غرمهم لعجزهم .....قال [الشافعیؒ] و صنف ادانوا فی حمالات و اصلاح ذات بین و معروف ۔(موسوعہ امام شافعی ، باب جماع بیان اهل الصدقات، ج رابع، ص ۲۶۵، نمبر ۴۶۲۹ نمبر ۴۶۳۱) اس عبارت میں یہ ہے کہ اپنے جائز خرچ میں مقروض ہوا ہو وہ بھی غارم میں داخل ہے، اور آپس میں صلح کرنے کے لئے مقروض ہوا ہو وہ بھی غارم میں داخل ہے۔

لغت :۔تحمل غرامۃ: صلح کرانے کے لئے قرض برداشت کرلیا۔ ذات البین: آپس میں۔ اطفاء النائرۃ: آگ کو بجھانا۔

ترجمہ: (۸۵۸) اور اللہ کے راستے میں۔

ترجمہ ل ،کا مطلب یہ ہے کہ وہ غازی جو مال سے پیچھے رہ گیا ہو، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک، اس لئے کہ فی سبیل اللہ کو مطلق بولتے وقت میں یہی غازی سمجھ میں آتا ہے۔

(۸۵۹) وعند محمد منقطع الحاج ﴾ ۱؎ لما روى ان رجلا جعل بعيرا له فى سبيل الله فامره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يحمل عليه الحاج ۲؎ ولا يصرف الى اغنياء الغزاة عندنا لان المصرف هو الفقراء

تشریح: آیت میں مصرف زکوۃ کا ساتواں آدمی فی سبیل اللہ: ہے یعنی اللہ کے راستے میں ہو۔ اللہ کے راستے میں ہونے سے ایک مطلب یہ ہے کہ جہاد میں ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو، اگر چہ گھر پر مال ہو تو اس کو زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فی سبیل اللہ کا یہی مطلب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب مطلق فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے تو لوگ غازی ہی کو فی سبیل اللہ میں سمجھتے ہیں۔

وجه: (۱) اس حدیث میں اس کا شارہ ہے۔ عن عطاء بن يسار ان رسول الله ﷺ قال لا تحل الصدقة لغنى الا لخمسة (۱) لغاز فى سبيل الله (ابوداؤد شریف، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۵) اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے زکوۃ جائز ہے، اگر اس وقت اس کے پاس نہ ہو، جس سے معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد کا راستہ ہے

ترجمه: (۸۵۹) اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ حاجی لوگ جو مال سے منقطع ہوں۔

ترجمه ۱؎ کیونکہ روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا تھا، تو حضورؐ نے اس کو حکم فرمایا کہ اس پر حاجیوں کو سوار کرے۔

تشریح : امام محمدؒ کے یہاں فی سبیل اللہ سے مراد وہ حاجی ہیں جو حج میں ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کو زکوۃ کی اتنی رقم دی جا سکتی ہے جس سے وہ گھر واپس آسکے، اگر چہ گھر پر وہ مالدار ہو۔

وجه : انکی دلیل یہ حدیث ہے جو صاحب ھدایہ نے پیش کی ہے . قالت كان ابو معقل حاجا مع رسول الله ﷺ فلما قدم قالت ام معقل قد علمت أن على حجة فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه فقالت يا رسول الله ! ان على حجة و ان لابى معقل بكرا ، قال ابو معقل صدقت جعلته فى سبيل الله ، فقال رسول الله ﷺ أعطها فلتحج عليه فانه فى سبيل الله فأعطاها البكر ۔(ابوداود شریف، باب العمرۃ، ص ۲۸۹، نمبر ۱۹۸۸) اس حدیث میں ہے کہ حج کرنا یہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، اس لئے جو حج میں گیا ہو اور اس کے پاس واپس آنے کا روپیہ نہ ہو تو اس کو بھی زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، کیونکہ وہ آیت فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

ترجمه ۲؎ اور ہمارے نزدیک مالدار غازی پر زکوۃ کی رقم خرچ نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ زکوۃ کا مصرف فقراء ہیں۔

(۸۶۰) وابن السبيل من كان له مال في وطنه وهو في مكان اٰخر لا شئ له فيه ﴾ (۸۶۱)قال: فهٰذه جهات الزكوٰة فلما لک ان يدفع الىٰ كل واحد منهم وله ان يقتصر على صنف واحد ﴾ ۱؎وقال الشافعي :لا يجوز الاان يصرف الىٰ ثلثة من كل صنف لان الاضافة بحرف اللام للاستحقاق.

تشریح: غازی جہاد کے اندر ہواوراس کے پاس سفر میں اپنا اتنامال ہو کہ صاحب نصاب ہوتو اس کوزکوۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس غازی کے لئے زکوۃ جائز ہے جو سفر میں صاحب نصاب نہ ہو، کیونکہ زکوۃ درحقیقت فقراء کے لئے ہے۔اسی طرح حاجی سفر میں صاحب نصاب ہوتو اس کوزکوۃ نہیں دی جاسکتی ہے۔

ترجمه: (۸۶۰)ابن السبیل ،جس کا مال اس کے وطن میں ہواوروہ دوسری جگہ میں ہواور وہاں اس کے لئے کچھ نہ ہو۔

تشریح: ابن السبیل : راستے کا بیٹا یعنی مسافر،جس کے گھر میں مال نصاب ہولیکن اس کے پاس سفر میں ابھی کچھ نہ ہوتو اس کو زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔تا کہ وہ گھر تک پہنچ جائے۔اس لئے کہ آیت میں زکوۃ لینے والے آٹھویں قسم ،ابن السبیل ،یعنی مسافر ہے۔

ترجمه: (۸۶۱)مالک کے لئے جائز ہے کہ زکوۃ کے ہر صنف والوں کو دے۔اوراس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ایک قسم پر اکتفا کرے۔

تشریح: آیت میں آٹھ قسموں کوزکوۃ دینے کا تذکرہ کیا ہے۔لیکن اگر ایک قسم کو تمام زکوۃ دیدے تب بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔اورسب کو دے تب بھی جائز ہے۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ نے اسی اثر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عن ابن عباس قال : اذا وضعتها في صنف واحد من هذه الاصناف فحسبک ۔(مصنف عبدالرزاق، باب ﴿انما الصدقات للفقراء﴾ ج رابع ،ص ۸۳، نمبر ۷۱۶۶)اس اثر میں ہے کہ ایک قسم میں بھی تقسیم کردیا تو کافی ہے(۲)اس اثر میں بھی ہے۔عن حذيفة قال اذا اعطاها في صنف واحد من الاصناف الثمانية التي سمى الله تعالى اجزأه ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۸۵، ما قالوا فی الرجل اذا وضع الصدقة فی صنف واحد ج ثانی ص ۴۰۵، نمبر ۱۰۴۴۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک قسم کو بھی زکوۃ دے دیگا تو کافی ہو جائیگا۔

ترجمه: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر قسموں میں سے تین کی طرف پھیرے بغیر جائز نہیں ہے،اس لئے کہ حرف لام کے ساتھ اضافت استحقاق کے لئے ہوتی ہے۔

تشریح : صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ زکوۃ اوپر کے آٹھ قسموں کو دے اور ہر قسم میں سے تین تین

۲ ولنا ان الاضافة لبيان انهم مصارف لا لا ثبات الاستحقاق.

افراد کو دے تب زکوۃ ادا ہوگی ۔لیکن موسوعہ امام شافعیؒ کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے والی اور امیر کو یہ مشورہ دیا ہے کہ انکے پاس تمام قسم کی زکوۃ جمع ہو جائے تو زکوۃ پر کام کرنے والے کو چھوڑ کر باقی سات قسموں کے لوگوں کا نام لکھے اور ہر قسموں میں اس شہر میں کتنے آدمی ہیں ان کا بھی نام لکھے اور زکوۃ کو اس طرح تقسیم کرے کہ سب قسموں کو مل جائے اور ہر قسم کے تمام افراد کو مل جائے، اور شہر کا کوئی مستحق محروم نہ رہ جائے، تقسیم کا طریقہ بتانے کے لئے حضرت نے ۲۲ باب باندھا ہے، اور ۵۹ صفحوں پر اس کو سمجھایا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک قسم کو دیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ اگر ایک ہی قسم کے لوگ ہیں اور اس کو دے دیا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی ۔موسوعہ کی عبارت اس طرح ہے۔ قال الشافعیؒ : ينبغى لوالى الصدقة أن يبدأ فيأمر بأن يكتب أهل السهمان ، و يوضعون مواضعهم ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب جماع تفریق السھمان، ج رابع، ص ۲۷۳، نمبر ۴۶۵۵) اس عبارت میں ہے کہ ہر قسم میں تقسیم کرنے کا مشورہ والی امیر کو دیا ہے تا کہ اس کے شہر میں کوئی مستحق فرد چھوٹ نہ جائے۔ لیکن ایک قسم کو زکوۃ دے دی تو ادا ہو جائے گی، چنانچہ دوسری جگہ ہے۔قال الشافعیؒ و اذا لم يبق من أهل الصدقة الا صنف واحد قسمت الصدقة كلها في ذالک الصنف حتى يستغنوا (موسوعۃ امام شافعی، باب فضل السھمان علی اہل الصدقۃ، ج رابع، ص ۲۹۰، نمبر ۴۶۹۵) اس عبارت میں ہے کہ ایک قسم باقی ہو اور اس کو زکوۃ دے دی تو ادا ہو جائے گی، جس سے معلوم ہوا کہ سب قسموں کو دینا ضروری نہیں ہے صرف مصلحت کے طور پر ہے۔

وجه :امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل یہ دیتے ہیں کہ آیت۔ انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم و فى الرقاب والغارمين و فى سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم .(آیت ۶۰ سورۃ التوبۃ ۹) میں صدقات کو فقراء اور مساکین وغیرہ کی طرف لام کے ساتھ اضافت کی جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سبھی مستحق ہیں، اس لئے سبھی قسموں کو دینا ہوگا۔اور چونکہ یہ سب قسمیں جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے، اس لئے ہر قسم کے تین تین فرد کو دینا ہوگا۔

ترجمه: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ لام کے ساتھ اضافت یہ بیان کرنے کے لئے ہے کہ یہ لوگ مصارف ہیں استحقاق ثابت کرنے کے لئے نہیں۔

تشريح: ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ﴿انما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ میں لام کی اضافت یہ بتانے کے لئے ہے کہ یہ آٹھ قسم کے آدمی مصرف زکوۃ ہیں جنکو چاہو دے دو، اس بات کے لئے نہیں ہے کہ یہ سب مستحق ہیں، اور سب کو ہی دینا ہوگا، اس کے بغیر زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

۳؎ وهٰذالماعرف ان الزكوٰة حق الله تعالىٰ وبعلة الفقر صار وامصارف فلا يبالى باختلاف جهاته

۴؎ والذى ذهبنا اليه مروى عن عمر وابن عباس (۸۶۲)ولا يجوز ان يدفع الزكوٰة الىٰ ذمى﴾

۱؎ لقولهٖ عليه السلام لمعاذ خذها من اغنيائهم وردها فى فقرائهم

ترجمه: ۳؎ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ زکوۃ اللہ کا حق ہے،اورفقر کی وجہ سے یہ لوگ مصارف ٹھہرے تو فقر کی جہت کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ اصل میں تو زکوۃ کا مال اللہ کا ہے،لیکن اللہ تعالی غنی ہیں،اوراحتیاج اورضرورت کی وجہ سے یہ سات قسم زکوۃ کا مصرف ٹھہرے،تو اب یہ نہیں دیکھا جائے گا کیوں یہ لوگ مصرف ہیں،فقر کی وجہ سے، یا مسکین ہونے کی وجہ، یا اللہ کے راستے میں ہونے کی وجہ سے، یا مسافر ہونے کی وجہ سے! صرف یہ دیکھا جائے گا یہ محتاج ہے بس اس کو زکوۃ دے دو،اس لئے ایک کو بھی دینا کافی ہوجائے گا۔

ترجمه: ۴؎ اورجس مسلک کی طرف ہم گئے ہیں یہ حضرت عمرؓاورحضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

تشریح :یعنی ایک قسم کوبھی دے دینے سے زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی، یہ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے، یہ اثر گزر چکا ہے۔عن ابن عباس قال : اذا وضعتها فى صنف واحد من هذه الاصناف فحسبک ۔(مصنف عبدالرزاق،باب ﴿انما الصدقات للفقراء﴾ ج رابع ،ص۸۳،نمبر۷۱۶۶)اس اثر میں حضرت ابن عباس سے ہے کہ ایک قسم کودے دوتب بھی کافی ہے۔

ترجمه: (۸۶۲)نہیں جائز ہے کہ زکوۃ ذمی کودے۔

ترجمه: ۱؎ حضرت معاذؓ کوحضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مسلمان کے مالداروں سے زکوۃ لو،اورانہیں کے غریبوں پرتقسیم کردو۔

تشریح : کافر ہو یا مشرک ہو یا یہود ہو یا نصاری ہو، جو اسلامی ملک میں ذمی بن کر رہ رہا ہو تو اس کو زکوۃ کا مال نہیں دے سکتے یا کوئی فرض صدقہ نہیں دے سکتے ،البتہ نفلی صدقہ دے سکتے ہیں، یا قربانی کرنے کے بعد اس کا گوشت کافر کو دے سکتے ہیں۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل ... ان الله قد افترض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم. (بخاری شریف،باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد فی الفقراء حيث کانوا ص۲۰۲ ۲۰۳/نمبر۱۴۹۶/مسلم شریف ، باب الدعاء الی الشهادتين وشرائع الاسلام ،ص ۳۱،نمبر۱۹/نمبر۱۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالداروں سے لیکر اسی کے یعنی مسلمان غرباء پر تقسیم کی جائے گی۔اس لئے غیر مسلم کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے(۲)اس اثر میں ہے کہ غیر مسلم کو زکوۃ نہ دو۔ عن الثورى قال الرجل لايعطى زكوة ماله من يجبر على النفقة من ذوى ارحامه، ولا يعطيها فى كفن ميت ،ولا دين ميت ،ولا بناء مسجد، ولا شراء مصحف، ولا يحج

(۸۶۳) ويدفع اليه ما سوى ذلک من الصدقة ﴾

بهـا، ولا تـعـطيهـا مكاتبک، ولاتبتاع بها نسمة تحررها، ولا تعطيها فی اليهود، و لاالنصاری، ولا تستأجر علـيها منها من يحملها ليحملها من مكان الى مكان(مصنف عبدالرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص۸۹ نمبر ۷۲۰۰)اس حدیث میں ہے کہ [۱] ایسے لوگوں کو اپنی زکوۃ کا مال نہ دے جسکا نان نفقہ اس کے ذمے ہو۔[۲] میت کے کفن میں نہ دے [۳] میت کے دین میں نہ دے۔[۴] مسجد بنانے میں نہ دے [۵] قرآن کریم خریدنے میں نہ دے [۶] اس سے حج نہ کرے [۷] اپنے مکاتب کو زکوۃ نہ دے، دوسرے کے مکاتب کو دے سکتا ہے۔[۸] اس سے غلام خرید کر آزاد نہ کرے۔[۹] زکوۃ یہود کو نہ دے اور نصاری کو نہ دے، یعنی کافر کو نہ دے۔[۱۰] اس سے اپنے لئے کرائے کا جانور نہ لے۔۔اس اثر میں ہے کہ یہود اور نصاری کو نہ دے ،یعنی کسی کافر کو زکوۃ کا مال نہ دے۔(۳) اس اثر میں بھی ہے. سألت ابراهيم عن الصدقة على غير اهل الاسلام ؟ فقال : امـا الـزكـاة فـلا ، و أما ان شاء رجل أن يتصدق فلا بأس (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ ما قالوا فی الصدقۃ یعطی منها اہل الذمۃ ج ثانی، ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۰) اس اثر میں بھی ہے کہ فرض زکوۃ غیر مسلم کو نہ دے، نفل دے سکتا ہے (۴) آیت میں انما کے حصر کے ساتھ آٹھ قسموں کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آٹھ قسموں کو زکوۃ دینے سے ادائیگی ہوگی۔

اصول: مسلمان غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔

ترجمه: (۸۶۳) زکوۃ کے علاوہ جو صدقہ ہو وہ غیر مسلم کو دے سکتا ہے۔

تشــريـح : اوپر کی حدیث کی وجہ سے زکوۃ تو غیر مسلم کو نہیں دے سکتا، البتہ اس کے علاوہ جو صدقہ نافلہ ہے وہ غیر مسلم کو دے سکتا ہے۔

وجه: (۱) لا ينهٰكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين و لم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم و تقسطوا اليهـم ان الـلـه يـحـب الـمقسطين ۔(آیت ۸، سورۃ الممتحنۃ ۶۰) اس آیت میں ہے کہ غیر مسلم کے ساتھ رواداری کرنے اور احسان کرنے کو اللہ منع نہیں فرماتے۔(۲) اس حدیث میں ہے۔ عـن اسـمـاء بنت ابی بكرؓ قلت قدمت علی أمي و هي مشـركة فـي عهد رسول الله ﷺ فاستفتيت رسول الله ﷺ قلت : امي قدمت و هي راغبة أفاصل أمي ؟ قـال؛ نـعـم ـــ صلي أمک ۔(بخاری شریف، هدیۃ المشرکین، ص ۴۲۴، نمبر ۲۶۲۰ رمسلم شریف، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین...ولو کانوا مشرکین، ص ۴۰۶، نمبر ۱۰۰۳ رنمبر ۲۳۲۵ رابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی اہل الذمۃ ص ۲۴۳ نمبر ۱۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔(۳) اس اثر میں بھی اس کا ثبوت ہے. سـألـت ابـراهيم عن الصدقة على غير اهل الاسلام ؟ فقال : اما الزكاة فلا ، و أما ان شاء رجل أن يتصدق فلا بأس (

۱ وقال الشافعی لا یدفع وھو روایة عن ابی یوسف اعتبارا بالزکوٰة ۲ ولنا قوله علیه السلام تصدقوا علیٰ اھل الادیان کلھا ولو لا حدیث معاذ لقلنا بالجواز فی الزکوٰة(۸۶۴) ولا یبنی بھا مسجد ولا یکفّن بھا میت ﴾

مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۷ ما قالوا فی الصدقۃ یعطی منہا اہل الذمۃ ج ثانی ،ص ۴۰۲،نمبر ۱۰۴۱۰)اس اثر میں بھی ہے کہ فرض زکوۃ غیر مسلم کو نہ دے، نفل دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نفلی زکوۃ بھی ذمی کو نہ دے اور یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی ہے، زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا، اور یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی ہے کہ جس طرح کافر کو زکوۃ دینا جائز نہیں اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس کو صدقہ نافلہ بھی دینا جائز نہیں ۔۔لیکن موسوعہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کافر کو صدقہ نافلہ دینا جائز ہے، موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔قال الشافعیؒ : و لا بأس أن یتصدق علی المشرک من النافلة ، و لیس له فی الفریضة من الصدقة حق ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب صدقۃ النافلۃ علی المشرک، ج رابع ،ص ۲۲۲، نمبر ۴۴۳۶)اس عبارت میں ہیں کہ نفلی صدقہ مشرک کو دے سکتے ہیں، اور دلیل اوپر کی آیت اور حدیث ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ تمام دین والے پر صدقہ کرو، چنانچہ اگر حضرت معاذ والی حدیث نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ زکوۃ بھی غیر مسلم کو دینا جائز ہے۔

تشریح: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن سعید بن جبیر قال : قال رسول الله ﷺ :((لا تصدقوا الا علی أهل دینکم)) فانزل الله تعالی ﴿لیس علیک هداهم و لکن الله یهدی من یشاء و ما تنفقوا من خیر فلانفسکم و ما تنفقوا الا ابتغاء وجه الله و ما تنفقوا من خیر یوف الیکم و انتم لا تظلمون (آیت ۲۷۲ ، سورۃ البقرۃ ۲) قال : قال رسول الله ﷺ : تصدقوا علی اهل الادیان ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ما قالوا فی صدقۃ فی غیر اہل الاسلام، ج ثانی ،ص ۴۰۱،نمبر ۱۰۳۹۸)اس حدیث میں ہے کہ تمام دین والوں پر صدقہ کرو جس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کو صدقہ نافلہ دینا جائز ہے ۔۔اس حدیث کی بنا پر ہم کہہ سکتے تھے کہ غیر مسلم کو زکوۃ دینا بھی جائز ہے، لیکن چونکہ اوپر حضرت معاذ والی حدیث گزری کہ مسلمان مالدار سے لو اور مسلمان ہی کے غریبوں پر تقسیم کردو، اس لئے زکوۃ غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں رہا، البتہ اس حدیث کی بنا پر صدقہ نافلہ دینا جائز رہا۔

ترجمہ: (۸۶۴) زکوۃ سے مسجد نہ بنائے، اور نہ اس سے میت کا کفن دے۔

ل لانعدام التمليك وهو الركن (۸۶۵) ولا يقضى بها دين ميت ﴾ل لان قضاء دين الغير لا يقتضى التمليك منه لا سيما فى الميت

ترجمه: ل اس لئے کہ مالک بنانا معدوم ہے، حالانکہ وہ رکن ہے۔

تشریح: زکوۃ کی رقم سے مسجد بنائے گا تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی، اسی طرح اس سے میت کا کفن نہ دے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ میں کسی غریب کو مالک بنانا ضروری ہے، اور مسجد بنائے گا تو اس رقم کا مالک کون بنے گا؟ مسجد غیر ذی روح ہے، اور متولی ہوسکتا ہے کہ مالدار ہو، اور میت کا کفن بھی نہیں دے سکتا، کیونکہ میت مر چکا ہے اس لئے اب مالک کون بنے گا، اور اس کا وارث غریب ہے تو وارث کو غربت کی وجہ سے مالک بنانا ہوا، خود میت زکوۃ کا مالک نہیں بن سکا، کیونکہ وہ تو مر چکا ہے، اس لئے اس سے میت کا کفن بھی نہ دے۔۔اگر وارث غریب ہو اور میت کا کفن بھی میسر نہ ہو تو وارث کو زکوۃ دے کر اس کا مالک بنائے پھر وارث اس رقم سے کفن دے یہ جائز ہے۔

ترجمه: (۸۶۵) نہ زکوۃ سے میت کا قرض ادا کرے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ دوسرے کے قرض کو ادا کرنا یہ تقاضا نہیں کرتا ہے کہ وہ مالک بن جائے، خاص طور پر جبکہ وہ مر چکا ہے۔

تشریح: زکوۃ کی رقم کسی مسکین کو دے اور اس کو مالک بنائے پھر وہ اپنی طرف سے میت کا قرض ادا کرے تو جائز ہے، کیونکہ کوئی غریب اس کا مالک بنا، لیکن میت مر چکا ہے، اور اس نے کوئی مال نہیں چھوڑا، اور اس پر قرض ہے، اب میت کی جانب سے قرض ادا کرے تو جائز نہیں، کیونکہ جب وہ مر چکا ہے تو وہ زکوۃ کا مالک کیسے بنے گا، جبکہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔

وجه: اس سب کے لئے یہ اثر گزر چکا ہے۔ عن الثورى قال الرجل لايعطى زكوة ماله من يجبر على النفقة من ذوى ارحامه، ولا يعطيها فى كفن ميت ،ولا دين ميت ،ولا بناء مسجد، ولا شراء مصحف، ولا يحج بها، ولا تعطيها مكاتبك، ولاتبتاع بها نسمة تحررها، ولا تعطيها فى اليهود، و لاالنصارى، ولا تستأجر عليها منها من يحملها ليحملها من مكان الى مكان (مصنف عبد الرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۸۹ نمبر ۲۰۰۷) اس حدیث میں ہے کہ [۱] ایسے لوگوں کو اپنی زکوۃ کا مال نہ دے جنکا نان نفقہ اس کے ذمے ہو۔[۲] میت کے کفن میں نہ دے [۳] میت کے دین میں نہ دے۔[۴] مسجد بنانے میں نہ دے [۵] قرآن کریم خریدنے میں نہ دے [۶] اس سے حج نہ کرے [۷] اپنے مکاتب کو زکوۃ نہ دے، دوسرے کے مکاتب کو دے سکتا ہے۔[۸] اس سے غلام خرید کر آزاد نہ کرے۔[۹] زکوۃ یہود کو نہ دے اور نصاری کو نہ دے، یعنی کافر کو نہ دے۔[۱۰] اس سے اپنے لئے کرائے کا جانور نہ لے۔

اصول: زکوۃ کی ادائیگی کے لئے مسلمان غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔

(٨٦٦) ولاتشترى بها رقبة تعتق﴾ ل خلا فالمالک حيث ذهب اليه فى تاويل قوله تعالىٰ وفى الرقاب ٢ ولنا ان الاعتاق اسقاط الملک وليس بتمليک

ترجمه: (٨٦٦)زکوۃ سے کوئی غلام نہ خریدے جسکوآزاد کرے۔

تشریح: زکوۃ کے مال سے غلام خرید کر کے آزاد کرے یہ بھی جائز نہیں۔

وجه: (۱)عن الثوری قال الرجل لایعطی زکوۃ ماله من یجبر علی النفقة من ذوی ارحامه،.... ولاتبتاع بها نسمة تحررها. (مصنف عبدالرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۸۹ نمبر ۷۲۰۰)اس اثر میں ہے کہ زکوۃ کے مال سے غلام کو خرید کرآزاد نہ کرے ۔(۲)اس اثر میں ہے .عن ابراهيم انه كان يكره ان يشترى من زكاة ماله رقبة يعتقها ـ(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۸۷ فی الرقبۃ تعتق عن الزکوۃ ، ج ثانی ،ص ۴۰۳ ،نمبر ۱۰۴۱۹)اس اثر میں ہے کہ زکوۃ کے مال سے آزاد کرنے کے لئے غلام نہ خریدے ۔(۳) یہ وجہ بھی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے مالک بنانا ضروری ہے،اور غلام کو مالک نہیں بنا سکتا،کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں بنتا،اوراس کے آقا کو دے نہیں سکتے ،کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مالدار ہو،اس لئے زکوۃ کے مال سے غلام خریدنا جائز نہیں۔

ترجمه: ل خلاف امام مالکؒ کے اللہ تعالی کے قول وفی الرقاب کی تاویل میں وہ اس بات کی طرف گئے ہیں[کہ غلام کا آزاد کرنا جائز ہے]

تشریح: امام مالکؒ کی رائے یہ ہے کہ زکوۃ کے مال سے غلام خرید کرآزاد کرنا جائز ہے۔

وجه : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے قول ﴿وفی الرقاب﴾ ،گردن کو چھڑاؤ کو عام کرتے ہیں،اور یہ مطلب بھی لیتے ہیں کہ غلام خرید کرآزاد کرنا یہ بھی غلام کی گردن چھڑانا ہے،اس لئے یہ بھی جائز ہے۔(۲)اس اثر میں اس کا ثبوت ہے. عن ابن عباسؓ أنه كان لا يرى بأسا أن يعطى الرجل من زكاته فى الحج و أن يعتق منها النسمة ـ(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۷۹ من رخص أن یعتق من الزکاۃ ، ج ثانی ،ص ۴۰۳ ،نمبر ۱۰۴۲۴)اس اثر میں ہے کہ زکوۃ کے مال سے غلام خرید کرآزاد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه: ٢ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آزاد کرنے میں ملک کو ساقط کرنا ہے مالک بنانا نہیں ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ،زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ غریب کو مالک بنائے،اور غلام آزاد کرنے میں غلام پر جوآقا کی ملکیت ہے اس کو ساقط کرنا ہے،غلام کو زکوۃ کا مالک بنانا نہیں ہے، چونکہ زکوۃ کا مالک بنانا نہیں پایا گیا جو زکوۃ کی ادائیگی کے لئے رکن ہے، اس لئے اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

(٨٦٧) ولا تـدفع الى غنى ﴾ ١ لقوله عليه السّلام لا تحل الصدقة لغنى ٢ وهو باطلاقه حجة على الشافعى فى غنى الغزاة وكذا حديث معاذ علىٰ ما رويناه(٨٦٨) قال: ولا يدفع المزكى زكوٰة ماله الىٰ ابيه وجده وان علا ولا الىٰ ولده وولد ولده وان سفل﴾

ترجمه :(٨٦٧)زکوۃ کسی مالدار کو نہ دی جائے۔

ترجمه : ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ صدقہ مالدار کے لئے حلال نہیں ہے۔

وجه(١)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر و عن النبی ﷺ قال : لاتحل الصدقة لغنی و لا ذی مرة سوی (ابوداؤد شریف، باب من یعطی من الصدقة وحد الغنی ،ص ۲۴۱،نمبر ۱۶۳۴/ترمذی شریف، باب ما جاء من لا تحل له الصدقة ،ص ۱۶۷،نمبر ۶۵۲)اس حدیث میں ہے کہ مالدار کے لئے زکوۃ حلال نہیں ہے۔

ترجمه: ٢ یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہے کہ وہ مالدار مجاہد کے لئے بھی زکوۃ جائز قرار دیتے ہیں۔اسی طرح حضرت معاذؓ کی حدیث جو ہم روایت کر چکے ہیں وہ بھی حضرت امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجاہد جہاد میں ہو اور اس کے ساتھ اپنا مال نصاب تک ہو پھر بھی زکوۃ کا مال اس کے لئے حلال ہے۔ موسوعہ میں ہے۔ قال الشافعیؒ: و بهذا قلنا يعطى الغازى و العامل و ان کانا غنيين ۔(موسوعہ امام شافعی: باب من طلب من أهل السهمان ، ج رابع ،ص ۲۶۹،نمبر ۴۶۴۴)اس عبارت میں ہے کہ غازی اور عامل مالدار ہو اور اس کے پاس مال ہو تب بھی اس کے لئے زکوۃ حلال ہے۔

وجه : (١)انکی دلیل یہ حدیث ہے عن عطاء بن يسار ان رسول الله ﷺ قال لا تحل الصدقة لغنى الا لخمسة (١)لغاز فى سبيل الله(٢)او لعامل عليها. (ابوداؤد شریف، باب من یجوز له اخذ الصدقة وهو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۵/ابن ماجة شریف، باب من تحل له الصدقة ،ص ۲۶۳،نمبر ۱۸۴۱)اس حدیث میں ہے کہ غازی مالدار ہو تب بھی اس کے لئے زکوۃ جائز ہے ۔۔صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ اوپر کی حدیث،اور اوپر حضرت معاذؓ کی حدیث گزری کہ مالدار سے لو اور غریب پر تقسیم کرو یہ دونوں حدیثیں حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہیں۔

ترجمه: (٨٦٨)زکوہ دینے والا زکوۃ نہ دے اپنے باپ کو،اپنے دادا کو اگر چہ اوپر تک ہو،اپنی اولاد کو نہ اولاد کی اولاد کو اگر چہ نیچے تک ہو۔

تشریح : جو آدمی اصل ہو جیسے باپ، دادا، پردادا، ماں، دادی، پردادی، نانا، نانی۔یا جو آدمی کا فروع ہو، جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی ، پر پوتا، پر پوتی، نواسہ، نواسی، پرنواسہ، یا پرنواسی ،تو چونکہ ان لوگوں کا نان نفقہ آدمی کے ذمے ہوتا ہے تو ان کو دینا گویا کہ زکوۃ اپنے ہی

ل لان منافع الاملاک بينهم متصلة فلا يتحقق التمليک على الكمال (۸۶۹) ولا الى امرأته ﴾ ل لـلاشتراک فى المنافع عادة (۸۷۰) ولا تـدفع المرأة الىٰ زوجها عند ابى حنيفة ﴾ ل لما ذكرنا

کے اوپر خرچ کرنا ہوا، اس لئے ان لوگوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔

وجه: (۱) ان لوگوں کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے کہ ان کا نان ونفقہ بھی اپنے ہی ذمہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو دینا گویا کہ زکوۃ کا مال اپنے ہی پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے زکوۃ کا مال ان لوگوں کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) عن علی بن طالبؓ : ليس لولد و لا والد حق فى صدقة مفروضة ، و من كا له ولد أو والد فلم يصله فهو عاق ۔ (سنن بیہقی، باب لا یعطیھا من تلزمہ نفقتہ من ولدہ ووالدیہ من سھم الفقراء والمساکین، ج سابع ص ۴۵، نمبر ۱۳۲۲۹) اس اثر میں ہے کہ فروع یعنی اولاد، اور اصول یعنی والد وغیرہ کا حق زکوۃ میں نہیں ہے۔ (۳) اثر میں ہے کہ جن لوگوں کی کفالت کرتا ہو اور اصول و فروع میں سے ہوں ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ عن ابن عباس قال لا بأس ان تجعل زكوتک فى ذوى قرابتک مالم يكونوا فى عيالک (مصنف ابی ابی شیبۃ ۹۶ ما قالوا فی الرجل یدفع زکوتہ الی قرابتہ ج ثانی ص ۴۱۲، نمبر ۱۰۵۳۱ / مصنف عبد الرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۸۸ نمبر ۱۹۳ ۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوں اور اس کی قدرتی طور پر کفالت بھی کرتا ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

ترجمه: ل اور اس لئے کہ ملک کے منافع انکے درمیان متصل ہیں اس لئے پورے طور پر تملیک متحقق نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ باپ بیٹے، ماں بیٹے، یعنی اصول اور فروع کے درمیاں تملیک متصل ہوتی ہے، اور ایک کی چیز دوسرے کی گنی جاتی ہے، اور ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لئے ان لوگوں کو دینے سے پورے طور پر دوسرے کو مالک بنانا نہیں پایا گیا، اس لئے ان کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۸۶۹) اور زکوۃ نہ اپنی بیوی کو دے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ عادۃ دونوں کے منافع مشترک ہوتے ہیں۔

تشریح: شوہر عموما بیوی کے مال سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور بیوی کا مال شوہر کا مال شمار کیا جاتا ہے، اس لئے بیوی کو دینے سے گویا کہ اپنے پاس ہی زکوۃ رکھ لی، اس لئے بیوی کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابھی اوپر اثر گزرا کہ جسکی کفالت کرتا ہو اس کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے، اور بیوی کی کفالت کرتا ہے اس لئے بیوی کو زکوۃ دینا درست نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۸۷۰) اور زکوۃ نہ دے عورت اپنے شوہر کو امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

ترجمه: ل اس اثر کی وجہ سے جو ہمنے ذکر کیا۔

ؒ وقالا: تدفع اليه لقوله عليه السلام لک اجر ان اجر الصدقة واجر الصلة قاله لامرأة ابن مسعود وقد سألته عن التصدق عليه. ۳ؒ قلنا هو محمول على النافلة

وجه: (۱)امام اعظم کی دلیل اوپر یہ اثر ہے۔عن ابن عباس قال لا بأس ان تجعل زکوتک فی ذوی قرابتک مالم یکونوا فی عیالک (مصنف ابی شیبۃ ۹۶ ما قالوافی الرجل یدفع زکوتہ الی قرابتہ ج ثانی ص ۴۱۲،نمبر ۱۰۵۳۱ ر مصنف عبد الرزاق، باب لمن الزکوۃ ج رابع ص ۸۸ نمبر ۷۱۹۳) اس اثر میں ہے کہ جو کفالت میں ہوان کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔اور بیوی شوہر کی کفالت میں ہے اس لئے زکوۃ اس پر ہی لوٹ آئے گی۔اس لئے اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) شوہر کو دینے سے نان ونفقہ کے طور پر مال خود بیوی پر لوٹ آئے گا۔اور بعد میں خود بیوی اس مال سے کھائے گی۔اس لئے گویا کہ اپنی ہی جیب میں زکوۃ کا رکھنا ہوا۔اس لئے شوہر کو زکوۃ کا مال دینا جائز نہیں۔البتہ نفلی صدقہ شوہر کو دے سکتی ہے۔۔البتہ ان رشتہ داروں کو دینا جائز ہے جنکا نفقہ انکے ذمے نہیں، جیسے بھائی، بہن، چچا چچازاد بھائی، خالہ، ماموں، سالہ سالی، ساس، سسر، ان رشتہ داروں کو زکوۃ دینا جائز ہے اوراس سے دوگنا ثواب ملے گا۔

ترجمه: ۲ؒ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بیوی اپنی زکوۃ شوہر کو دے سکتی ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ تمہارے لئے دو اجر ہیں ،صدقے کا اجر اور صلہ رحمی کا اجر،حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی بیوی سے کہا جب انہوں نے حضرت عبداللہؓ پر صدقے کے بارے میں دریافت کیا۔

وجه: (۱)شوہر بیوی کے عیال میں نہیں ہے۔یعنی بیوی پر شوہر کا نان ونفقہ لازم نہیں ہے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے .عن ابی سعید الخدری ... قالت یا نبی الله انک امرت الیوم بالصدقة وکان عندی حلی لی فاردت ان اتصدق به فزعم ابن مسعود انه وولده احق من تصدقت به علیهم فقال رسول الله صدق ابن مسعود زوجک وولدک احق من تصدقت به علیهم (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۷ نمبر ۱۴۶۲) اس حدیث میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی سے فرمایا کہ تمہاری اولاد اور تمہارا شوہر تمہارے صدقے کا زیادہ حقدار ہے یعنی زکوۃ کا،اس لئے بیوی شوہر کو زکوۃ دے تو جائز ہے۔(۳)مسلم شریف کی اس حدیث میں اس طرح ہے .عن زینب امرأة عبد الله قالت قال رسول الله ﷺ تصدقن یا معشر النساء ! ....فقال رسول الله ﷺ ای الزیانب ؟ قال امرأة عبد الله ، فقال له رسول الله ﷺ : لهما اجران : اجر القرابة وأجر الصدقة . (مسلم شریف، باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین والزوج، ص ۴۰۵، نمبر ۱۰۰۰ ر نمبر ۲۳۱۸) اس حدیث میں ہے کہ دو اجر ملیں گے۔

ترجمه: ۳ؒ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صدقہ نافلہ پر محمول ہے۔

تشریح: امام اعظم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صدقۂ نافلہ کے بارے میں ہے جو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔

(۸۷۱) قال: ولا یدفع الیٰ مدبره ومکاتبه وام ولده ﴾ ل لفقدان التملیک اذ کسب المملوک لسیده وله حق فی کسب مکاتبه فلم یتم التملیک (۸۷۲) ولا الیٰ عبد قد اعتق بعضه ﴾

ترجمہ: (۸۷۱) اور زکوۃ نہ دے اپنے مدبر غلام کو اور اپنے مکاتب غلام کو، اور اپنی ام ولد کو۔

ترجمہ: ل تملیک نہ ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ مملوک کی کمائی اس کے آقا کے لئے ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ مکاتب غلام کی کمائی میں آقا کا حق ہے اس لئے غلام کی ملکیت مکمل نہیں ہوئی۔

تشریح: دوسرے کے مکاتب کو تو زکوۃ دے سکتا ہے تاکہ وہ مال کتابت ادا کر کے آزادگی حاصل کر لے، لیکن اپنے مکاتب غلام کو زکوۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ اس زکوۃ کی رقم پھر مالک کی طرف آجائے گی، تو زکوۃ دینے والے کی زکوۃ واپس اسی کی طرف آگئی اس لئے مکاتب کو مکمل طور پر زکوۃ کا مالک بنانا نہیں پایا گیا اس لئے اپنے مکاتب کو زکوۃ نہیں دے سکتا، اسی طرح اپنے مدبر غلام کو زکوۃ نہیں دے سکتا، اس لئے کہ اس غلام کا پیسہ تو پھر مالک کا ہی ہو جائے گا۔ اسی طرح اپنی ام ولد باندی کو زکوۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ اس باندی کا پورا مال آقا کا ہے اس لئے ان کی زکوۃ انہیں کی طرف واپس ہوگئی، تو پورے طور پر زکوۃ کا مالک بنانا نہیں پایا گیا، اس لئے ان لوگوں کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔

وجه: (۱) عن الثوری قال.... ولا تعطیها مکاتبک (مصنف عبدالرزاق، باب لمن الزکاۃ، ج رابع ص ۸۹ نمبر ۷۲۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو اس لئے کہ وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے اپنے غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔ (۲) عن الحسن قال: لایعطی عبد و لا مشرک من الزکاة. (مصنف عبدالرزاق، باب لمن الزکاۃ، ج رابع ص ۸۹ نمبر ۷۱۹۷) اس اثر میں ہے کہ اپنے غلام کو زکوۃ نہ دے۔ کیونکہ وہ مال خود اسی کی طرف واپس آجائے گا۔

لغت: مکاتب: کتابت سے مشتق ہے، لکھ کر دیا ہو، یا وعدہ کیا ہو۔ جس غلام کو آقا نے کہا ہو کہ اتنا درہم ادا کر دو اور آزاد ہو جاؤ، اس کو مکاتب غلام کہتے ہیں، یہ غلام رقم ادا کرنے تک آقا کا غلام ہے، لیکن اس کو تجارت کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ مدبر: دبر سے مشتق ہے، جسکا ترجمہ ہے بعد میں۔ آقا نے اپنے غلام سے کہا ہو کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو اس کو مدبر غلام کہتے ہیں، اس غلام کو تجارت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، اور آقا کے زندہ رہنے تک آقا کا غلام رہتا ہے، اس کے مرنے کے بعد آزاد ہوتا ہے۔ ام ولد: بچے کی ماں، جس باندی سے آقا نے بچہ پیدا کیا ہو اس کو ام ولد کہتے ہیں، یہ ام ولد آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، آقا کی زندگی تک وہ آقا کی باندی رہتی ہے۔ اور خاص غلام کو عبد کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو آقا اپنی زکوۃ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اپنی جیب میں ہی رکھنا ہوا۔

ترجمہ (۸۷۲) اپنے اس غلام کو بھی نہ دے جسکا بعض حصہ آزاد کر چکا ہو۔

ل عند ابی حنیفة لانه بمنزلة المكاتب عنده ٢ وقالا: يدفع اليه لانه حرمديون عندهما (۸۷۳) ولا يدفع الىٰ مملوک غنی﴾ ل لان الملک واقع لمولاه (۸۷۴) ولا الى ولد غنی اذا كان صغيرا ﴾ ل لانه يعُدُّ غنيا بمال ابيه.

ترجمه: ل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اس لئے کہ مکاتب انکے نزدیک مکاتب کے درجے میں۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کا بعض حصہ آزاد کر دیا تو اس کو آقا اپنی زکوۃ نہیں دے سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ جتنا حصہ آزاد کیا اتنا ہی آزاد ہوا اور باقی حصہ ابھی بھی آقا کا غلام ہے، اس لئے اس کو دینا گویا اپنے ہی غلام کو دینا ہے، اور اوپر گزر چکا کہ آقا اپنے غلام کو زکوۃ نہیں دے سکتا، اس لئے اس کو زکوۃ نہیں دے سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ غلام امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکاتب کی طرح ہے، اور مکاتب کے بارے میں گزرا کہ آقا اپنی زکوۃ اس کو نہیں دے سکتا، اسلئے اس غلام کو بھی نہیں دے سکتا۔

ترجمہ: ٢ اور صاحبین نے فرمایا کہ آقا اپنی زکوۃ دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کے نزدیک غلام آزاد ہے، البتہ آقا کا مقروض ہے۔

تشریح: صاحبین کا قاعدہ یہ ہے کہ غلام کا کچھ حصہ بھی آزاد کیا تو پورا غلام آزاد ہو جاتا ہے، انکے یہاں آزادگی میں حصہ اور شقص نہیں ہے، البتہ جتنا حصہ آزاد نہیں ہوا اس کی قیمت کما کر آقا کو دے گا۔ اس لئے جب آقا نے کچھ حصہ آزاد کیا تو پورا غلام آزاد ہو گیا، اور اب وہ آقا کا غلام نہیں رہا، صرف آقا کا مقروض ہے، اس لئے آقا اپنی زکوۃ اس کو دے سکتا ہے، کیونکہ اس نے ایک آزاد آدمی کو زکوۃ دی۔

ترجمه: (۸۷۳) اور مالدار کے مملوک کو زکوۃ نہ دے۔

ترجمه: ل اس لئے کہ ملک تو اس کے آقا کے لئے واقع ہوگی۔

تشریح: کسی دوسرے مالدار آدمی کے غلام کو زکوۃ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ غلام ہو یا اس کا مدبر ہو یا ام ولد ہو۔

وجه: پیچھے گزر چکا ہے کہ مملوک کا مال مولی کا مال ہوتا ہے۔ اس لئے مالدار کے مملوک کو زکوۃ دی تو وہ مالدار مولی کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں اس لئے مالدار کے مملوک کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں۔ ہاں غریب آدمی کا مملوک ہو تو اس کو دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ غریب مولی کے ہاتھ میں پہنچے گی۔

ترجمه: (۸۷۴) مالدار آدمی کے بچے کو بھی دینا جائز نہیں ہے اگر وہ چھوٹا ہو۔

ترجمه: ل اس لئے کہ باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے وہ بھی مالدار شمار کیا جاتا ہے۔

۲ بخلاف ما اذا كان كبيرا فقيرا لانه لا يعدّ غنيا بيسار ابيه وان كانت نفقته عليه ۳ وبخلاف امرأة الغنى لانها وان كانت فقيرة لا تعد غنية بيسار زوجها وبقدر النفقة لا تصير موسرة

(۸۷۵) ولا تدفع الى بنى هاشم﴾ ۱ لقوله عليه السّلام يا بنى هاشم ان الله تعالىٰ حرم عليكم

تشریح: اسی طرح مالدار آدمی کا نابالغ بچہ مالدار کی کفالت میں ہوتا ہے اور گویا کہ باپ ہی اس کے مال کا مالک ہوتا ہے، اس لئے مالدار کے بچے کے ہاتھ میں زکوۃ دینا گویا کہ مالدار کے ہاتھ میں مال دینا ہے۔اس لئے مالدار کے چھوٹے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے چھوٹا بچہ بھی مالدار شمار کیا جاتا ہے، اس لئے بھی مالدار کے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مالدار کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے ۔ **عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال : لا تحل الصدقة لغنی و لا ذی مرة سوی** (ابوداؤد شریف، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، ص ۲۴۱، نمبر ۱۶۳۴ر ترمذی شریف، باب ما جاء من لا تحل لہ الصدقۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۶۵۲) اس حدیث میں ہے کہ مالدار کے لئے زکوۃ حلال نہیں ہے۔

اصول: نابالغ بچہ باپ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۲ بخلاف جبکہ بڑا ہو اور فقیر ہو، اس لئے کہ باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے بیٹا مالدار شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ چاہے بڑے بیٹے کا نفقہ باپ پر ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: مالدار کا بیٹا بالغ ہو چکا ہے اور وہ ذاتی طور پر غریب ہے تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کے مالدار ہونے کی وجہ سے بڑا بیٹا مالدار شمار نہیں کیا جاتا ہے، چاہے بڑے بیٹے کا نان ونفقہ باپ پر ہو لیکن شریعت کی نظر میں وہ غریب ہے اس لئے اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف مالدار آدمی کی بیوی کے، اس لئے کہ اگر وہ فقیر ہے تو اپنے شوہر کے مالدار ہونے کی وجہ سے مالدار شمار نہیں کی جاتی ہے، اور نفقہ کی مقدار لینے سے مالدار نہیں ہوتی۔

تشریح: مالدار آدمی کی بیوی اگر غریب ہے تو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے مالدار ہونے کی وجہ سے بیوی مالدار شمار نہیں ہوتی، اس لئے بیوی تو ذاتی طور پر فقیر ہی ہے۔ باقی رہا مالدار شوہر جو نفقہ دیتا ہے اس سے بیوی مالدار نہیں ہو پاتی کیونکہ وہ تو کھانے میں خرچ ہو جائے گا۔ اس لئے اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔۔ یسار: یسر سے مشتق ہے، مالدار، آسانی۔

ترجمہ: (۸۷۵) اور زکوۃ نہ دے بنی ہاشم کو۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے اے بنی ہاشم اللہ نے تم پر لوگوں کا دھوون اور ان کا میل کچیل حرام کر دیا ہے اور

غُسالة الناس واوساخهم وعوَّضكم منها بخمس الخمس ٢ بخلاف التطوع لان المال ههنا كالماء يتدنس باسقاط الفرض اما التطوع بمنزلة التبرد بالماء.

اس کے عوض تم کو خمس کا خمس دیا۔

تشریح : اس عبارت میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہ دے، اور اگلے متن میں جو اس کی تفصیل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم کے بیٹے عبد المطلب کے تیرہ ۱۳ بیٹے تھے یعنی حضورؐ کے بارہ ۱۲ چچا تھے ان میں سے صرف تین کی اولاد کو زکوۃ نہ دے۔ اس لئے کہ انہیں تینوں نے حضور کا پورا ساتھ دیا تھا، اور انہیں تینوں کے لئے خمس کا پانچواں حصہ ہے، اور حضور کی حدیث میں انہیں تینوں کو مخاطب کر کے زکوۃ سے منع فرمایا ہے، چونکہ باقی چچاؤں کو زکوۃ سے منع نہیں فرمایا، اور نہ انکی اولاد کو منع فرمایا اس لئے انکے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

وجہ: (۱) پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ آل ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگوں کا میل ہے اور میل آل رسول کے لئے کھانا اچھا نہیں ہے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ أن اباه ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب و العباس بن عبد المطلب قالا لعبد المطلب بن ربيعة و للفضل بن عباس : أتيا رسول الله . ... ثم قال رسول الله لنا ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد، (مسلم شریف، باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ وعلی آلہ وھم بنو ہاشم و بنو عبد المطلب دون غیرھم ص ۳۴۵ نمبر ۱۰۷۲/۲۴۸۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ واہل بیتہ ومو الیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ جس کا تذکرہ اوپر ہوا ان کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔۔ اس حدیث میں یہ بھی غور فرمائیں کہ عبد المطلب جو آپؐ کے دادا ہیں انکے بیٹے حضرت حارث بن عبد المطلب، اور حضرت عباس بن عبد المطلب، جو آپؐ کے چچا ہوتے ہیں انکو زکوۃ لینے سے منع فرمایا ہے۔ (۳) خود حضرت علیؓ کی اولاد کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت أبا ھریرۃؓ قال: أخذ الحسن بن علیؓ تمرۃ من تمرۃ الصدقۃ فجعلھا فی فیہ، فقال النبی ﷺ ((کخ کخ)) لیطرحھا ثم قال: أما شعرت أنا لا نأکل الصدقۃ؟۔ (بخاری شریف، باب مایذکر فی الصدقۃ للنبی ﷺ وآلہ، ص ۲۴۲، نمبر ۱۴۹۰) اس حدیث میں حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت حسنؓ کو زکوۃ کے کھجور کھانے سے منع فرمایا۔

ترجمہ: ٢ بخلاف نفلی صدقہ کے، اس لئے کہ مال یہاں پانی کی طرح ہے، فرض ساقط کرنے میل والا ہوتا ہے، رہا نفلی صدقہ تو وہ پانی سے ٹھنڈک حاصل کرنے کے مرتبے میں ہے۔

تشریح : نفلی صدقہ جسکو ہدیہ کہتے ہیں حضورؐ کو اور حضورؐ کی اولاد کو دے سکتے ہیں، اس کی ایک مثال صاحب ھدایہ نے دی ہے

(۸۷۶) قال وهم آل علی وآل العباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث ابن عبد المطلب ومواليهم﴾ ل اما هؤلاء فلانهم ينسبون الیٰ هاشم بن عبد مناف ونسبة القبيلة اليه

کہ مال کو یوں سمجھو جیسے کہ پانی، فرض غسل یا فرض وضو کے لئے پانی استعمال کیا ہوتو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا، اور اس کو دوبارہ وضو یا غسل کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، اور پہلے سے غسل یا وضو ہو اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے پانی استعمال کیا ہوتو اس پانی سے دوبارہ وضو اور غسل ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ پانی ناپاک نہیں ہوا، اسی طرح مال کو زکوۃ کے لئے دیا ہوتو گویا کہ ناپاک ہو گیا، اس لئے حضورؐ اور اسکے آل کو دینا جائز نہیں، لیکن اگر نفلی صدقہ ہوتو گویا کہ وہ ناپاک نہیں ہے، اس لئے اس کو حضورؐ اور اسکے آل کو دینا جائز ہے۔

وجه: صدقہ نافلہ جسکو ھدیہ کہتے ہیں حضورؐ اور اسکے آل اور اولاد کو دینا جائز ہے، (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن انس ان النبی ﷺ أتی بلحم تصدق به علی بریرة فقال هو علیها صدقة وهو لنا هدیة** (بخاری شریف، باب اذا تحولت الصدقۃ ص ۲۰۲ نمبر ۱۴۹۵ / مسلم شریف، باب اباحۃ الھدیۃ للنبی ﷺ ولبنی ہاشم وبنی المطلب، ص ۴۳۷، نمبر ۱۰۷۴/۲۴۸۵) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہؓ نے حضورؐ کو گوشت ھدیہ دیا اور آپ نے اس کو نوش فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ صدقہ نافلہ فرض کے درجے میں نہیں ہے اس لئے وہ ہاشمی کو دے سکتے ہیں۔ جس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے صدقہ نہیں کھایا اس سے مراد زکوۃ ہے، صدقہ نافلہ مراد نہیں ہے۔

ترجمہ: (۸۷۶) بنی ہاشم میں یہ لوگ ہیں جن پر زکوۃ لینا حرام ہے۔ [۱] حضرت علیؓ کی اولاد [۲] حضرت عباسؓ کی اولاد [۳] حضرت جعفرؓ کی اولاد [۴] حضرت عقیلؓ کی اولاد [۵] حضرت حارثؓ کی اولاد، کیونکہ یہ سب عبد المطلب کی اولاد ہیں، اور انکے آزاد کردہ غلام۔

ترجمہ: ل بہر حال یہ لوگ تو اس لئے کہ یہ ہاشم بن عبد مناف کی طرف منسوب ہیں، اور قبیلہ کی نسبت ہاشم کی طرف ہے۔

تشریح: ہاشم حضورؐ کے پردادا کا نام ہے، اسی کی طرف منسوب کر کے ان حضرات کو ہاشمی کہتے ہیں جن کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے، لیکن ہاشم کے تمام اولاد کے لئے زکوۃ لینا حرام نہیں ہے، بلکہ ہاشم کے بیٹے عبد المطلب جو حضورؐ کے دادا ہیں، انکے تیرہ ۱۳ بیٹے ہیں ان میں سے صرف چار بیٹوں کی اولاد کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے۔ خود حضورؐ کی اولاد، اور باقی تین چچا کی اولاد [۱] چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کی اولاد [۲] چچا ابو طالب کی تین بیٹے (۱) حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد (۲) حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اولاد (۳) حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کی اولاد اور [۳] چچا حارث بن عبد المطلب کی اولاد۔ باقی نو ۹ چچا، جیسے ابولہب کی اولاد کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

۲ واما مواليهم فلما روى ان مولى لرسول الله صلى الله عليه وسلم سأله اتحل لى الصدقة فقال لا انت مولانا

آپؐ کے چچا، یعنی آپ کے دادا عبد المطلب کے تیرہ بیٹے یہ ہیں [۱] عبد الکعبہ [۲] ضرار [۳] قثم [۴] الزبیر [۵] المقدم [۶] حجل [۷] الغیداق [۸] ابولہب [۹] الحارث [۱۰] حمزہ [۱۱] عباس [۱۲] ابوطالب [۱۳] حضورؐ کے والد ماجد عبد اللہ۔ آخیر کے چار بیٹوں کی اولاد پر زکوۃ حرام ہے۔

آپؐ کی پھوپھی یعنی عبد المطلب کی بیٹیاں چھ ہیں۔[۱] ام حکیم بیضاء [۲] امیمہ [۳] اروی [۴] برہ [۵] عاتکہ [۶] صفیہ۔

وجہ:(۱) سمعت زيد بن ارقم يقول قام فينا رسول الله ﷺ ذات يوم خطيبا فحمد الله و اثنى عليه ....قال حصين لزيد : و من اهل بيته ، نسائه من اهل بيته ؟ قال بلى ان نسائه من اهل بيته و لكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده ، قال : و من هم؟ قال : آل على ، و آل عقيل ، و آل جعفر و آل عباس ، قال : كل هؤلاء تحرم عليهم الصدقة قال نعم . (سنن بیہقی، باب بیان آل محمد ﷺ الذین تحرم علیہم الصدقۃ المفروضۃ، ج سابع ص ۴۸، نمبر ۱۳۲۳۸) اس حدیث میں ہے کہ: آل علی، وآل عقیل، وآل جعفر وآل عباس حضورؐ کے اہل بیت میں سے ہیں اور ان پر زکوۃ حرام ہے۔

ترجمہ: ۲ بہر حال ہاشمی کے آزاد کردہ غلام کے بارے میں تو روایت ہے کہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام نے پوچھا کہ کیا میرے لئے زکوۃ حلال ہے؟ تو فرمایا کہ نہیں، تم میرے آزاد کئے ہوئے غلام ہوئے۔۔مولی: کا ترجمہ ہے آزاد کیا ہوا غلام۔

تشریح: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابى رافع ان رسول الله ﷺ بعث رجلا من بنى مخزوم على الصدقة ... فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان موالى القوم من انفسهم (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واہل بیتہ ومموالیہ ص۱۴۲ نمبر ۶۵۷/ابوداود شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ص۲۴۵، نمبر ۱۶۵۰) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔اس لئے بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں۔حضرت ابو رافع آپؐ کا آزاد کیا ہوا غلام تھے۔انکے لئے فرمایا کہ تم بھی میری قوم میں سے ہو اس لئے تم بھی زکوۃ کا مال مت لو۔

نوٹ: اس زمانے میں حالت ابتر ہوگئی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہو تو بنو ہاشم کو زکوۃ دینے کی گنجائش بعض مفتیان کرام نے دی ہے۔(۱) آزاد کردہ غلام باندی کو صدقہ دینے کی یہ حدیث ہے۔ عن انس ان النبى ﷺ اتى بلحم تصدق به على بريرة فقال هو عليها صدقة وهو لنا هدية (بخاری شریف، باب اذا تحولت الصدقۃ ص۲۰۲ نمبر ۱۴۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپکی آزاد کردہ باندی کو زکوۃ دی گئی۔(۲) اثر میں ہے.عن ابى جعفر قال : لابأس بالصدقة من بنى هاشم بعضهم على بعض ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب مارخص فیہ من الصدقۃ علی بنی ھاشم، ج ثانی، ص۴۳۲، نمبر ۱۰۷۳۵) اس اثر میں ہے کہ بنی ہاشم

۳؎ بخلاف ما اذا اعتق القريشي عبدا نصرانيا حيث توخذ من الجزية ويعتبر حال المعتق لانه القياس والالحاق بالمولىٰ بالنص وقد خص الصدقة(۸۷۷) قال ابو حنيفة ومحمد اذا دفع الزكوٰة الىٰ رجل يظنه فقيرا ثم بان انه غنی او هاشمی او کافر او دفع فی ظلمة فبان انه ابوه او ابنه فلا اعادة عليه﴾

ایک دوسرے کوزکوۃ دے سکتے ہیں،تواس پرقیاس کرکے بہت غربت ہوتو دوسروں کی زکوۃ بھی بنی ہاشم کودے سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف جبکہ قریشی نے نصرانی غلام کوآزادکیا ہوتواس سے جزیہ لیا جائے گا اور آزاد کئے ہوئے غلام کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا،قیاس کا تقاضا یہی ہے،اور آزاد کردہ غلام کوخاندان کے ساتھ ملایا وہ نص کی وجہ سے ہے،اور صرف زکوۃ کے بارے میں خاص ہے۔

تشریح : ہاشمی کا آزاد کیا ہوا غلام مسلمان ہوتو وہ زکوۃ نہ لے،لیکن اگر وہ کافر ہوتو اس پر جزیہ لازم ہوگا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ جزیہ کے بارے میں خود آزاد کیا ہوا غلام کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا،اور وہ کافر ہے اس لئے اس سے جزیہ لیا جائے گا،قیاس کا تقاضا یہی ہے۔اور زکوۃ کے سلسلے میں آزاد کئے ہوئے غلام کوآزاد کرنے والے خاندان کے ساتھ ملایا وہ حدیث کی بنا پر ہے،اور حدیث میں صرف زکوۃ کے بارے میں ملایا ہے،اس لئے اسی کے ساتھ خاص رہے گا،جزیہ کے بارے میں نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ اسکے آزاد کرنے والے پر جزیہ نہیں ہے اس لئے آزاد کئے ہوئے غلام پر بھی نہ ہو۔

وجہ: (۱)اس اثر میں اس کا ثبوت ہے. أن عمر بن عبد العزيز أخذ الجزية من نصرانی أعتقه مسلم ۔مصنف ابن ابی شیبة،باب ما قالوا فی الرجل یعتق العبد النصرانی،ج ثانی،ص ۴۱۹،نمبر ۱۰۶۰۳)اس اثر میں ہے کہ ذمی غلام کوآزاد کیا ہوتو اس پر جزیہ ہوگا۔(۲) قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ کافر ہے تو اس سے جزیہ لیا جائے،تا کہ ایک قسم کی سزا ہو جائے۔۔معتق :فتحہ کے ساتھ آزاد کیا ہوا۔

ترجمہ: (۸۷۷)امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے فرمایا اگر زکوۃ ایک آدمی کو دے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ فقیر ہے پھر ظاہر ہوا کہ وہ مالدار ہے،یا ہاشمی ہے،یا کافر ہے،یا اندھیرے میں فقیر کو دیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ ہے،یا اس کا بیٹا ہے تو اس پر زکوۃ کا لوٹانا نہیں ہے۔

تشریح:کسی نے فقیر گمان کرتے ہوئے زکوۃ دیا کہ یہ مستحق ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مستحق نہیں ہے پھر بھی اگر تحقیق کے بعد دیا تھا اور بعد میں خطا ظاہر ہوگئی تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔حنفیہ کے نزدیک دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں۔

وجہ: (۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ ان معن بن يزيد حدثه ... وكان ابی يزيد اخرج دنانير يتصدق بها

(۸۷۸)وقال ابو يوسف عليه الاعادة ﴾ ۱؎ لظهور خطائه بيقين وامكان الوقف على هذاه الاشياء وصار كالاوانى والثياب ۲؎ ولهما حديث مَعْن بن يزيد فانه عليه السّلام قال فيه يا يزيد لکَ ما

فوضعها عند رجل فى المسجد فجئت فاخذتها فاتيته بها فقال والله ما اياک اردت فخاصمته الى رسول الله فقال لک ما نويت يا يزيد ولک ما اخذت يا معن (بخاری شریف، باب اذا تصدق علی ابنہ وھولایشعر ص۱۹۱نمبر ۱۴۲۲)اس حدیث میں باپ کی زکوۃ بھول سے بیٹے کو پہنچ گئی پھر بھی آپؐ نے باپ سے فرمایا کہ تم نے جونیت کی ہے اس کی ادائیگی ہوجائے گی(۲)عن الحسن فى الرجل يعطى زكوته الى فقير ثم يتبين له انه غنى قال اجزى عنه. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۷ ما قالوافی الرجل یعطی زکوتہ لغنی وھولایعلم ج ثانی ص۴۱۳،نمبر ۱۰۵۴۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے غریب سمجھ کر مالدار کو زکوۃ دے تو زکوۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

ترجمہ: (۸۷۸)امام ابو یوسف نے فرمایا اس پر زکوۃ کولوٹانا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یقینی طور پر غلطی ظاہر ہونے کی وجہ سے، اوران چیزوں پر واقف ہونا ممکن ہونے کی وجہ سے، اور ایسا ہو گیا جیسے کہ برتن اور کپڑا۔

تشریح: یعنی بھول کر غیر مستحق کو دی اور بعد میں ظاہر ہوا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقینی طور پر غلطی معلوم ہوگئی کہ مستحق تک زکوۃ نہیں پہونچی ہے، حالانکہ یہ معلوم کرنا ممکن تھا کہ یہ مستحق ہے یا نہیں ہے۔اس کی دو مثال دے رہے ہیں[۱] ایک یہ کہ ناپاک پانی اور غیر ناپاک پانی دونوں قسم کے برتن تھے ایک آدمی نے تحری کر کے ایک برتن کے پانی سے وضو کیا، اور نماز پڑھی، بعد میں پتہ چلا کہ وہ پانی ناپاک تھا تو وہ نماز کافی نہیں ہوگی دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، اسی طرح یہاں بھی دوبارہ زکوۃ دینی ہوگی، [۲] دوسری مثال یہ ہے کہ دو قسم کے کپڑے تھے، ناپاک اور پاک، ایک آدمی نے تحری کر کے ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھی، بعد میں پتہ چلا کہ وہ کپڑا ناپاک تھا تو نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی، اسی طرح یہاں بھی پتہ چلا کہ غیر مستحق کو زکوۃ دی تو زکوۃ دوبارہ دینی ہوگی۔

وجہ: (۱)غریب کو مالک بنانا ضروری تھا اور وہ نہیں ہوا اور مستحق تک زکوۃ نہیں پہنچی اس لئے زکوۃ دوبارہ ادا کرنی ہوگی (۲) عن ابراهيم فى الرجل يعطى زكوته الغنى وهو لايعلم قال لايجزيه (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۵ ما قالوافی الرجل یعطی زکوتہ لغنی وھولایعلم ج ثانی ص۴۱۳،نمبر ۱۰۵۴۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ بھول کر غیر مستحق کو دیدی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

اصول: زکوۃ مستحق کو نہ پہنچے چاہے بھول کر بھی ہو تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل معن بن یزید کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس میں فرمایا کہ اے یزید تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے نیت کی، اور اے معن تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے لیا، حالانکہ انکے باپ کے وکیل نے باپ کی زکوۃ

نویت ویا معن لک ما اخذت وقد دفع الیه وکیل ابیه صدقته ۳ ولان الوقوف علیٰ ھٰذا الاشیاء بالاجتھاد دون القطع فیبنی الامر فیھا علیٰ ما یقع عنده کما اذا اشتبھت علیه القبلة ۴ و عن ابی حنیفة فی غیر الغنی انه لا یجزیه والظاھر ھو الاول ۵ وھٰذا اذا تحری ودفع وفی اکبر رأیه انه

انکو دیا تھا۔

تشریح : حدیث یہ ہے۔ ان معن بن یزید حدثه ... وکان ابی یزید اخرج دنانیر یتصدق بھا فوضعھا عند رجل فی المسجد فجئت فاخذتھا فاتیته بھا فقال واللہ !ما ایاک اردت ،فخاصمته الی رسول اللہ فقال لک مانویت یا یزید ولک ما اخذت یا معن (بخاری شریف، باب اذا تصدق علی ابنه وھولایشعر ص۱۹۱ نمبر۱۴۲۲) اس حدیث میں ہے کہ باپ نے جونیت کی ہے یعنی زکوۃ کی وہ ادا ہوگئی۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ ان باتوں پر واقف ہونا بطور اجتہاد کے ہے یقینی طور پر نہیں اس لئے ان باتوں کی بنیاد اسی اجتہاد پر ہو گی جو اس کے نزدیک واقع ہے۔ جیسے کہ جبکہ نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ لینے والا مالدار ہے یا غریب، ہاشمی ہے یا غیر ہاشمی، کافر ہے یا مسلمان، بیٹا ہے یا غیر بیٹا، ان باتوں کا یقینی طور پر معلوم کرنا ممکن ہے اس لئے دوبارہ زکوۃ دے، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ ان باتوں کو یقینی طور پر معلوم کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ بطور اجتہاد ہی معلوم کر سکتا ہے، اور اسی پر معاملے کی بنیاد رکھ سکتا ہے، اور جب اس پر بنیاد رکھ دیا اور تحری کر کے زکوۃ دے دی تو اب غلطی ظاہر ہونے کے بعد دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اتنا ہی کا وہ مکلّف ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ کسی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اس کے ذمے تحری کرنا ہوتا ہے اور تھوڑا غور خوض کرنا ہوتا ہے، اب تحری کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں پتہ چلا کہ قبلہ کا رخ غلط تھا تب بھی نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح یہاں غلطی کا پتہ چلا تو زکوۃ دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ مالدار کے علاوہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ زکوۃ دینا کافی نہیں ہوگا۔ لیکن ظاہر قول پہلا ہی ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ مالدار کو تحری کرنے کے بعد دیا ہو تو کافی ہو جائے گی، لیکن مالدار کے علاوہ مثلا ہاشمی کو دے دیا، یا یا کافر کو دے دیا، یا باپ کو دے دیا، یا بیٹے کو دے دیا تو کافی نہیں ہوگی حضرت امام ابو یوسفؒ کی طرح دو بارہ دینا ہوگا۔ لیکن ظاہر قول پہلا ہی ہے۔

ترجمہ: ۵ یہ کافی ہونا اس صورت میں ہے کہ تحری کیا ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ یہ مصرف ہے [اور پھر دیا ہو تو زکوۃ ادا ہو گی]۔ اور

مصرف اما اذا شک ولم يتحر او تحری فدفع وفی اکبر رأيه انه ليس بمصرف لا يجزيه الا اذا علم انه فقير هو الصحيح (٨٧٩) ولو دفع الیٰ شخص ثم علم انه عبده او مکاتبه لا يجزيه﴾

ل لانعدام التمليک لعدم اهلية الملک وهو الرکن علیٰ ما مر (٨٨٠) ولا يجوز دفع الزکوٰة

اگر شک ہوا اور تحری نہ کیا ہو، یا تحری کر کے دیا ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ یہ مصرف نہیں ہے تو کافی نہیں ہے، ہاں اگر فقیر ہی کو دیا ہو تو کافی ہو جائے گی، صحیح یہی ہے

تشریح : اوپر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ مالدار، ہاشمی، کافر، باپ، یا بیٹا کو زکوۃ دی ہو تو کافی ہو جائے گی۔لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ تحری کرنے کے بعد یعنی غور خوض کے بعد دیا ہو اور دینے والے کی اکبر رائے یعنی غالب گمان یہ ہو کہ جسکو دے رہا ہوں وہ مصرف ہے تب زکوۃ ادا ہوگی۔لیکن [۱] اگر غور خوض ہی نہیں کیا ہو اور دے دیا ہو، [۲] یا غور خوض کیا اور اس کا غالب گمان یہ تھا کہ یہ مصرف نہیں ہے ، [۳] یا شک تھا کہ مصرف ہے یا نہیں پتہ نہیں پھر بھی دے دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی زکوۃ ادا نہیں ہوگی ۔کیونکہ یہاں اصول یہ ہے کہ تحری کیا ہو اور تحری میں غالب گمان یہ ہو کہ یہ مصرف ہے پھر دیا ہو اور بعد میں غلطی ظاہر ہوئی ہو تو زکوۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ اسکی قوت میں اتنا ہی کرنا تھا۔

لیکن اگر بغیر تحری کے دیا، یا شک میں ہی دے دیا اور بعد میں پتہ چلا کہ فقیر کو ہی دیا ہے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فقیر کو ہی دینا تھا اور اسی کو دیا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی۔صحیح یہی ہے۔۔اکبر رؤیہ: غالب گمان۔یتحری: غور خوض کرنا، تحری کرنا۔

ترجمہ: (٨٧٩) اور اگر زکوۃ کسی شخص کو دی پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا اپنا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ل مالک بنانا نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ ان میں ملک کی اہلیت نہیں ہے، حالانکہ یہ فرض ہے جیسے کہ گزر گیا۔

تشریح: زکوۃ ادا ہونے کے لئے یہ رکن اور فرض تھا کہ کسی غریب کو مالک بناتے ،اور غلام میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، اس کی ملک آقا کی ملک ہے، اور جب مالک نہیں بنایا تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔اور مکاتب میں مالک بننے کی صلاحیت ہے، لیکن یہ مال بعد میں مال کتابت کے طور پر آقا کے پاس ہی جائے گا، تو اپنا مال اپنے ہی پاس لوٹ آیا تو دوسرے کو مالک بنانا اس صورت میں بھی نہیں پایا گیا اس لئے اپنے مکاتب یا غلام کو بھول سے دے دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ میرا غلام یا مکاتب تھا تو بالاتفاق زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی زکوۃ دوبارہ دے۔کیونکہ مال اپنے ہی پاس رہا۔

اصول: غلام کی ملکیت خود مولی کی ملکیت ہے۔

ترجمہ: (٨٨٠) زکوۃ کا دینا جائز نہیں ہے اس آدمی کو جو نصاب کا مالک ہو چکا ہے جس مال کا ہو۔

الیٰ من یملک نصابا من ایّ مال کان﴾ لـ لان الغنی الشرعی مقدربہٖ والشرط ان یکون فاضلاً عن الحاجة الاصلية

تشریح: اپنی حاجت اصلیہ سے زیادہ ہواور کوئی بھی مال نصاب زکوۃ کے برابر ہوتو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مثلا حاجت اصلیہ کے علاوہ کسی کے پاس دوسو درہم ہے، یا پانچ اونٹ ہے، یا دوسو درہم کی کوئی چیز ہے جسکو بیچنے سے دوسو درہم آ سکتا ہے، اور اس کو اسکی ضرورت نہیں ہے تو یہ آدمی مالدار ہے اس کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔لیکن اگر ضرورت کی چیز ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، مثلا کسی مجاہد کے پاس پانچ سو درہم کا گھوڑا ہے لیکن جہاد کے لئے اس کو اس گھوڑے کی ضرورت ہے تو یہ مالدار نہیں ہے اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔

وجه:(۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال : لاتحل الصدقة لغنی و لا ذی مـرة سوی (ابوداؤد شریف، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، ص ۲۴۱، نمبر ۱۶۳۴ رترمذی شریف، باب ما جاء من لاتحل له الصدقۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۶۵۲) اس حدیث میں ہے کہ مالدار کے لئے زکوۃ حلال نہیں ہے۔

ترجمه: لـ اس لئے کہ شرعی مالداری اسی نصاب کے ساتھ مقدر ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو

تشریح: شریعت میں غنی اس کو کہتے ہیں کہ اصلی ضرورت سے فارغ ہو کر اس کے پاس کسی بھی مال سے نصاب زکوۃ پورا ہو جائے ،اور اس کی قیمت دوسو درہم کو پہونچ جائے چاہے وہ مال نامی ہو یا نامی یعنی بڑھنے والا نہ ہو تو ایسے آدمی کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی ۔ مالدار کے لئے زکوۃ جائز نہیں اس کے لئے حدیث اوپر گزر گئی ۔اور اگر اس کے پاس کچھ چیز ہے لیکن حاجت اصلیہ میں داخل ہے تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں اس کے لئے یہ اثر ہے۔

وجه :(۱) عن الحسن قال : كان لا يرى بأسا أن يعطى منها [من الزكوة] من له الخادم و المسكن اذا كان مـحتاجا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷، من له دار وخادم یعطی من الزکوۃ، ج ثانی، ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۷) اس اثر میں ہے کہ گھر اور خادم ہو لیکن محتاج ہو تو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔

نوٹ : حدیث میں ہے کہ کسی کے پاس پچاس درہم ہو تو اس کے لئے مانگنا اچھا نہیں تاہم اس کو زکوۃ دے تو جائز ہے اس لئے کہ وہ مالدار نہیں ہے۔حدیث یہ ہے . عن عبد الرحمن بن يزيد عن أبيه عن عبد الله قال : قال رسول الله ﷺ : من سأل و لـه ما يغنيه جاء يوم القيامة خموش أو خدوش أو قدوح فى وجهه ، فقيل يا رسول الله ! و ما الغنى ؟ قـال خمسون درهما أو قيمتها من الذهب . (ابوداود شریف باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، ص ۲۴۱، نمبر ۱۶۲۶ رترمذی شریف باب من جاء من تحل له الزکوۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۶۵۰) اس حدیث میں ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہو تو اس کو مانگنا نہیں

۲ وانما النماء شرط الوجوب (۸۸۱)ویجوز دفعها الیٰ من یملک اقل من ذلک وان کان صحیحا مکتسبا﴾ ۱ لانه فقیر والفقراء هم المصارف ۲ ولان حقیقة الحاجة لا یوقف علیها فادیر الحکم علیٰ دلیلها وهو فقد النصاب

چاہئے ،لیکن کوئی اس کوزکوۃ دے تو دے سکتا ہے، کیونکہ وہ شریعت کی نگاہ میں مالدار نہیں ہے۔

ترجمه: ۲ مال نامی کی شرط تو زکوۃ واجب ہونے کے لئے ہے۔

تشریح: اوپر فرمایا کہ مال نامی ہو یا نامی نہ ہو اگر ضرورت سے زیادہ ہو اور نصاب تک ہو تو اس کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔لیکن اس پر زکوۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ مال بڑھنے والا ہو اگر مال بڑھنے والا نہ ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی ، اگر چہ اس کے لئے زکوۃ لینا حرام ہوگا۔

ترجمه: (۸۸۱)اور جائز ہے زکوۃ دینا ایسے آدمی کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو چاہے وہ تندرست ہو اور کمانے والا ہو۔

تشریح: جو آدمی نصاب سے کم کا مالک ہو وہ شریعت کی نگاہ میں غنی نہیں ہے بلکہ وہ فقیر ہے اس لئے اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ چاہے وہ تندرست ہو اور کما کر کھا سکتا ہو۔ کیونکہ فی الحال وہ فقیر ہے اور فقیر کے لئے زکوۃ جائز ہے۔اور اوپر جو حدیث گزری کہ پچاس درہم ہو تو اس کے لئے ٹھیک نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے مانگنا ٹھیک نہیں ہے، لیکن زکوۃ کوئی دے دے تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔اسی طرح اوپر حدیث گزری کہ جو کما سکتا ہو اور تندرست ہو اس کے لئے زکوۃ حلال نہیں تو اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس کے لئے زکوۃ لینا اچھا نہیں ہے، لیکن چونکہ وہ غنی کی تعریف میں داخل نہیں ہے اس لئے زکوۃ لے تو ادائیگی ہو جائے گی۔۔مکتسب : کمانے والا۔

وجه: (۱) سمعت حمادا یقول من لم یکن عنده مال یبلغ فیه الزکوة اعطی من الزکوة (مصنف ابن ابی شیبة ۸۱ من قال لا تحل له الصدقة اذا ملک خمسین درهما ج ثانی،ص ۴۰۴،نمبر ۱۰۴۳۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو نصاب کا مالک نہ ہو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے

ترجمه: ۱ اس لئے کہ وہ فقیر ہے اور فقراء ہی مصرف زکوۃ ہیں [اس لئے اس کو زکوۃ دینا جائز ہے]

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ جو نصاب کا مالک نہیں ہے اس سے کم مال اس کے پاس ہے تو وہ حقیقت میں فقیر ہے، اور زکوۃ کا مصرف فقیر ہی ہے اس لئے اس کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمه: ۲ اور اس لئے بھی کہ حقیقت ضرورت پر واقف ہونا مشکل ہے، اس لئے حکم اسکی دلیل پر رکھا گیا، اور وہ نصاب کا نہ ہونا ہے۔

(٨٨٢) ویکره ان یدفع الیٰ واحد مائتی درهم فصاعدا او ان دفع جاز ﴿١﴾ وقال زفر لا یجوز لان الغناء قارن الاداء فحصل الاداء الی الغنی

تشریح : یہ بھی دلیل عقلی ہے، کہ کسکو حقیقت میں ضرورت ہے اس کا معلوم کرنا ایک مشکل کام ہے، اس لئے فقر کی جو ظاہری دلیل ہے اسی پر حکم رکھ دیا گیا ہے اور نصاب کا مالک نہ ہونا یہ ظاہری دلیل ہے کہ وہ فقیر ہے، اس لئے نصاب کے مالک نہ ہونے والے کو زکوۃ دینے کی اجازت دے دی گئی۔۔ ادیر الحکم: حکم پھیر دیا گیا، حکم لگا دیا گیا۔فقد: کا معنی ہے گم ہونا، نہ ہونا۔

ترجمه: (٨٨٢) اور مکروہ ہے کہ ایک آدمی کو دوسو درہم یا اس سے زیادہ دے، اور اگر دے دیا تو بھی جائز ہے۔

تشریح :ایک آدمی پر کوئی قرض وغیرہ نہیں ہے، اور اسکی فیملی بھی بڑی نہیں ہے تو اس کو اتنا مال نہ دے کہ وہ خود صاحب نصاب بن جائے، یعنی بیک وقت دوسو درہم یا اس سے زیادہ نہ دے ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر دے دیا تو جائز ہے زکوۃ ادا ہو جائے گی

وجه: (ا)اثر میں ہے۔عن عامر قال اعط من الزکوة ما دون ان یحل علی من تعطیه الزکوة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ١٠٤٣٠) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کو اتنی زکوۃ نہ دے کہ خود اس پر زکوۃ واجب ہو جائے (٢)عن ابی جعفر قال یعطی منها ما بینه و بین المائتین ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ٨٠ ما قالوا فی الزکوۃ قدر ما یعطی منہاج ثانی ص ٤٠٣، نمبر ١٠٤٢٩)اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم کے اندر اندر دے۔ضرورت ہو تو دوسو درہم سے زیادہ بھی دے سکتا ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے. أن رجلا من الانصار یقال له سهل بن ابی حثمة أخبره : أن النبی ﷺ وداه بمائة من ابل الصدقة یعنی دیة الانصاری الذی قتل بخیبر ۔(ابوداود شریف، باب کم یعطی الرجل الواحد من الزکوۃ؟ ص ٢٤٣، نمبر ١٦٣٨)اس حدیث میں دیت کی ضرورت کی وجہ سے زکوۃ کے سو اونٹ آپؐ نے عطا فرمایا۔

ترجمه: ﴿١﴾ امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسو درہم دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ مالداری ادائیگی کے ساتھ ہی ہو جائے گی تو ایسا ہوا کہ اس نے مالدار کو زکوۃ دے دی [اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے اس لئے دوسو درہم بھی دینا جائز نہیں ہے]

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی رائے تھی کہ دوسو درہم دینا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے، امام زفرؒ کی رائے ہے کہ دوسو درہم بیک وقت کسی غریب کو دینا جائز ہی نہیں ہے، اگر دے دیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اس کی دلیل عقلی یہ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی غریب کو دوسو درہم دیا تو وہ مالدار ہو گیا، تو گویا کہ مالدار کو زکوۃ دینا ہوا اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے، اس لئے دوسو درہم بھی بیک وقت دینا جائز نہیں ہے۔

وجه : اس اثر میں ہے کہ اتنی زکوۃ نہ دے کہ اس غریب پر بھی زکوۃ واجب ہو جائے۔اثر یہ ہے۔ عن عامر قال اعط من الزکوة ما دون ان یحل علی من تعطیه الزکوة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ١٠٤٣٠) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کو اتنی زکوۃ نہ دے کہ خود اس پر زکوۃ واجب ہو جائے ۔

۲ ولنا ان الغناء حكم الاداء فيتعقبه لكنه يكره لقرب الغنى منه كمن صلى وبقربه نجاسة(۸۸۳) قال وان يغني بها انسانا احب الیّ﴾ ۱ معناه الاغناء عن السوال لان الاغناء مطلقا مكروه

لغت: غناء قارن الاداء : کا ترجمہ یہ ہے کہ زکوۃ دینے کے ساتھ ہی غریب مالدار بن گیا۔ قارن : کا ترجمہ ہے ساتھ ہونا۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ مالداری ادا کرنے کا حکم ہے اس لئے مالداری زکوۃ ادا کرنے کے بعد آئے گی، لیکن مالداری اس کے قریب ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، جیسے کہ کوئی نماز پڑھے اور اسکے قریب میں نجاست ہو۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب غریب کو زکوۃ دے رہا تھا اس وقت وہ مالدار نہیں تھا غریب ہی تھا، وہ مالدار تو زکوۃ دینے کے بعد ہوا ہے، اور جب غربت کی حالت میں زکوۃ دی ہے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، لیکن جب زکوۃ دے رہا تھا اس کے فوراً ہی بعد مالداری آئی ہے اس لئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ جیسے کہ نجاست کے قریب کوئی نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی، لیکن چونکہ نجاست کے قریب ہے اس لئے مکروہ ہے، اسی طرح مالدار ہونے کے قریب زکوۃ دی ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔

لغت : ان الغناء حکم الاداء فیتعقبہ : اس عبارت کا مطلب یہ ہے مالدار بننا یہ زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے، اور حکم بعد میں آتا ہے اس لئے زکوۃ ادا کرنے کے بعد مالداری آئے گی، اور زکوۃ دیتے وقت لینے والا غریب تھا اس لئے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۸۸۳) کسی آدمی کو اتنی زکوۃ دے کہ سوال کرنے سے بے نیاز کر دے یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

تشریح : کسی غریب کو اتنا دینا چاہئے کہ ایک دن کے لئے اس کے لئے اور اس کی فیملی کے لئے کافی ہو جائے اور اس دن سوال کرنے سے مستغنی ہو جائے، یہ مستحب ہے۔ البتہ اتنا نہ دے کہ وہ مالدار ہی بن جائے اور زکوۃ دینے والا بن جائے، یہ مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) اس میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابراهيم قال كان يستحب أن يسد بها حاجة اهل البيت ، اى بالزكوة (مصنف ابن ابی شیبۃ ۸۰ ما قالوا فی الزکوۃ قدر ما یعطی منہاج ثانی ص ۴۰۳، نمبر ۱۰۴۲۹) اس اثر میں ہے کہ اتنا دے کہ اس کی فیملی کو کافی ہو جائے (۲) اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے ۔عن قبيصة بن مخارق الهلالى قال تحملت حمالة.....و رجل اصابته فاقة حتى يقول ثلاثة من ذوى الحجى من قومه قد اصابت فلانا الفاقة فحلت له المسألة فسأل حتى يصيب قواما من عيش ـ او سدادا من عيش ـ ثم يمسك و ما سواهن من المسألة يا قبيصة ! سحت يأكلها صاحبها سحتا . (ابوداود شریف، باب ما تجوز بہ المسألۃ، ص ۲۴۴، نمبر ۱۶۴۰) اس حدیث میں ہے کہ اتنا مانگے کہ ضرورت پوری ہو جائے اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت پوری ہونے کے مطابق زکوۃ دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۱ معنی یہ ہے کہ سوال کرنے سے مستغنی کر دے، اس لئے کہ مطلقا مالدار بنانا تو مکروہ ہے۔

تشریح : متن میں یغنی کا لفظ ہے جس سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے کہ صاحب زکوۃ بنا دے، اس لئے اسکی وضاحت کر دی کہ اس

(٨٨٤)ويكره نقل الزكوٰة من بلد الیٰ بلد وانما تفرق صدقة كل فريق فيهم ﴾ ل لما روينا من حديث معاذ. ٢ و فيه رعاية حق الجوار (٨٨٥) الا ان ينقلها الانسان الیٰ قرابته اوالیٰ قوم هم احوج من اهل بلده ﴾

عبارت سے مراد ہے کہ اتنا دے کہ ایک دن سوال سے مستغنی ہو جائے، کیونکہ بالکل مالدار بنانا تو ابھی گزرا کہ مکروہ ہے

ترجمہ: (٨٨٤) مکروہ ہے زکوۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا۔ صرف ہر فریق کا صدقہ انہیں میں تقسیم کیا جائے۔

ترجمہ: ل اس حدیث کی بنا پر جو حضرت معاذ کی حدیث میں نے روایت کی۔

تشریح: جس شہر کے مالداروں سے زکوۃ وصول کیا ہو اسی شہر کے غرباء پر تقسیم کر دیا جائے، دوسرے شہر میں زکوۃ دینے والے کا رشتہ دار نہ ہو، یا وہ زیادہ محتاج نہ ہو تو دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے، البتہ آیت میں جو آٹھ قسم کے لوگ ہیں انہیں میں تقسیم کیا جائے، کیونکہ حضرت معاذؓ کی حدیث گزر گئی جس میں تھا کہ انکے مالداروں سے زکوۃ لو اور انہیں کے غریبوں پر تقسیم کر دو۔

وجہ: (١) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله لمعاذ بن جبل حين بعثه الى اليمن ... قد افترض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم فترد على فقرائهم۔ (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث کانوا ص ٢٠٢/٢٠٣ نمبر ١٤٩٦) اس حدیث میں ہے کہ اس شہر کے مالداروں سے لیں اور انہیں کے غرباء پر تقسیم کر دیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے شہر کی طرف زکوۃ منتقل کرنا مکروہ ہے۔ (٢) سئل عمر عما يؤخذ من صدقات الاعراب كيف يصنع بها ؟فقال عمر :و الله لأردن عليهم الصدقة حتى تروح على أحدهم مائة ناقة أو مائة بعير ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من قال ترد الصدقۃ فی الفقراء اذا أخذت من الأغنیاء، ج ثانی، ص ٤٢٢، نمبر ١٠٦٤٥) اس اثر میں ہے کہ ان سے لیکر اسی شہر کے فقراء پر تقسیم کر دیا جائے (٣) عن ابى هريرة انه قال : يا رسول الله ا أى الصدقة أفضل ؟ قال جهد المقل ، و أبدأ بمن تعول ۔ (ابوداود شریف باب الرخصۃ فی ذالک، ص ٢٤٨، نمبر ١٦٧٧) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ پہلے انکا حق ہے جو قریب ہے۔

ترجمہ: ٢ اس میں پڑوسی کے حق کی رعایت ہے۔

تشریح: زکوۃ شہر والے کو دے گا اس میں پڑوسی کے حق کی بھی رعایت ہے اس لئے اس کو پہلے دینا زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ: (٨٨٥) مگر یہ کہ انسان اپنے رشتہ داروں کی طرف منتقل کرے، یا ایسی قوم کی طرف منتقل کرے جو اس شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہو۔

ل لما فيه من الصلة او زيادة دفع الحاجة ٢ ولو نقل الیٰ غیر هم اجزاه وان کان مکروها لان المصرف مطلق الفقراء بالنص واللہ اعلم.

ترجمہ: ل اس لئے کہ اس میں صلہ رحمی ہے، یا حاجت دور کرنے میں زیادتی ہے۔

تشریح: بہتر تو یہی ہے کہ جس شہر کے مالداروں سے زکوۃ لی اسی شہر کے غرباء پر تقسیم کر دی جائے۔لیکن اگر دوسرے شہر میں ان کے رشتہ دار ہیں تو دوسرے شہر میں رشتہ داروں کی طرف زکوۃ منتقل کر سکتے ہیں کیونکہ اس میں صلہ رحمی ہے۔ یا دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہیں تو پھر وہاں منتقل کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ محتاج کی مدد کرنا ہے۔

وجہ : (۱) رشتہ دار کو دینے کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا۔ وقال النبی ﷺ له اجران اجر القرابة واجر الصدقة. (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۶۱ ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۸) اس حدیث میں ہے کہ رشتہ دار کو دینے میں دہرا اجر ہے اس لئے دوسرے شہر میں رشتہ دار کو دیا تو مکروہ نہیں ہے۔ (۲) اور زیادہ محتاج کو دینے کی حدیث یہ ہے۔عن قبيصة بن مخارق الهلالي قال تحملت حمالة فأتيت النبي ﷺ فقال : أقم يا قبيصة ! حتى تأتينا الصدقة فنأمر لک بها . (ابوداود شریف، باب ما تجوز بہ المسألۃ، ص ۲۴۴، نمبر ۱۶۴۰) اس حدیث میں حضرت قبیصہ ہلالی مدینے کے باہر سے تشریف لائے تھے، لیکن چونکہ زیادہ محتاج تھے اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ زکوۃ کا مال آئے گا تو دونگا، اس سے معلوم ہوا کہ باہر کا آدمی زیادہ محتاج ہو تو اس کو زکوۃ دینا مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ لیکن اگر دوسرے شہر کی طرف منتقل کر دیا تو جائز ہے اگر چہ ایسا کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ آیت کی وجہ سے مطلق فقراء زکوۃ کا مصرف ہیں

تشریح : دوسرے شہر میں رشتہ دار بھی نہیں ہے، اور وہ زیادہ محتاج بھی نہیں ہے اس کے باوجود دوسرے شہر میں زکوۃ دے دی تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔۔ اور دینا جائز اس لئے ہے کہ آیت میں ہے کہ فقراء کو دو اور یہ لوگ بھی فقراء ہیں، اس لئے دینا جائز ہے

وجہ : اس اثر میں ہے. عن ابی العالية أنه بعث بصدقة ماله الى المدينة .(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۶۵ من رخص أن یرسل بھا الی بلد غیرہ، ج ثانی ص ۳۹۴، نمبر ۱۰۳۱۳) اس اثر میں زکوۃ اپنے شہر سے مدینۃ کی طرف بھیجی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جائز ہے۔

﴿باب صدقة الفطر﴾

(۸۸۶) قال صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا عن مسكنه وثيابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبيده﴾

﴿ باب صدقۃ الفطر ﴾

ضروری نوٹ: عید کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کر وہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لئے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ عن كثير بن عبد الله المزنى عن ابيه عن جده أن رسول الله ﷺ سئل عن قوله﴿ قد افلح من تزكى و ذكر اسم ربه فصلى ﴾ [آیت ۱۴-۱۵، سورۃ الاعلی ۸۷] قال : هى زكوة الفطر ۔ (سنن بیہقی، باب جماع ابواب زکاۃ الفطر، ج رابع، ص ۲۶۸، نمبر ۷۶۶۸) اس حدیث میں ہے کہ اس آیت میں صدقۃ الفطر کا تذکرہ ہے

شرائط وجوب: ۔ صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں [۱] آزاد ہو [۲] مسلمان ہو [۳] مقدار نصاب کا مالک ہو۔

ترجمہ : (۸۸۶) صدقۃ الفطر واجب ہے ہر آزاد، مسلمان پر جب کہ نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اپنے رہنے کے مکان اور اپنے کپڑے اور اپنے سامان اور اپنے گھوڑے، اور اپنے ہتھیار اور خدمت کے غلام سے زیادہ ہو۔

تشریح: حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو تب ہی صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔ اور اوپر کی ساری چیزیں حاجت اصلیہ کی ہیں۔ مثلا [۱] رہنے کے لئے ایک مکان، [۲] روزانہ پہننے کے کپڑے، [۳] گھر کا فرنیچر، [۴] اگر جہاد کرنے والا ہے تو جہاد کے لئے گھوڑے، [۵] ہتھیار [۶] اور خدمت کے غلام یہ چیزیں انسان کے لئے ضروریات زندگی میں سے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں سے فارغ ہو کر اور سال بھر تک کھانے پینے سے فارغ ہو کر مقدار نصاب کے برابر مال کا مالک ہو تب صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔

وجه: (۱) غنی کی دلیل پہلے گزر چکی ہے ۔ تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم (بخاری شریف، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقراء حیث ما کانوا ص ۲۰۳ نمبر ۱۴۹۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوۃ یا صدقہ مالداروں سے لیا جائے گا۔ اور مالدار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیہ سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔ (۲) حدیث میں ہے۔ وقال النبى ﷺ لا صدقة الا عن ظهر غنى (بخاری شریف، باب تاویل قولہ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین، کتاب الوصایا ص ۳۸۴ نمبر ۲۷۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجت اصلیہ سے فارغ ہونے کے بعد زکوۃ یا صدقۃ الفطر ادا کرے (۳) حاجت اصلیہ کی تفصیل کا پتہ اس اثر سے ہوتا ہے ۔عن سعيد بن جبير قال يعطى من الزكوة من له االدار والخادم والفرس . (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۷ من لہ دار وخادم یعطی من الزکوۃ ج ثانی ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس رہنے کا گھر ہو اور خدمت کا غلام ہو اور

ل اما وجوبها فلقوله عليه السلام فی خطبته ادّ واعن كل حر وعبد صغيرٍ او كبير نصف صاعٍ من بُرّ او صاعا من شعيرٍ رواه ثعلبة بن صُعَيْر العدوی وبمثله يثبت الوجوب لعدم القطع ٢ وشرط الحرية لتحقق التمليک.

جہاد کا گھوڑا ہو وہ غنی نہیں ہے۔ اگر وہ محتاج ہو تو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔

وجه : (۱) صدقۃ الفطر واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والانثى والصغير والكبير من المسلمين وامر بها ان تودى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳ رمسلم شریف، باب زکوۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر ص ۳۹۵ نمبر ۹۸۴/۲۲۷۸) اس حدیث میں فرض کے لفظ سے حنفیہ صدقۃ الفطر دینا واجب قرار دیتے ہیں۔

لغت : مسکن: رہنے کی جگہ، رہنے کا مکان۔ اثاثة : گھر کا سامان، گھر کا فرنیچر۔ سلاح: ہتھیار۔

ترجمه: ل صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کی دلیل تو حضور علیہ السلام کا قول ہے اپنے خطبے میں کہ ہر آزاد اور غلام، اور چھوٹے اور بڑے کے بدلے میں صدقۃ الفطر نکالو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو نکالو۔ حضرت ثعلبہ بن صعیر عدوی نے اس کو روایت کی ہے، اور یقینی نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کی حدیث سے وجوب ہی ثابت کر سکتے ہیں۔

تشريح: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱). عن عبد الله بن ثعلبة بن أبي صعير عن ابيه قال قام رسول الله ﷺ خطيبا فأمر بصدقة الفطر صاع تمر أو صاع شعير عن كل رأس ـ زاد على فى حديثه : أو صاع بر أو قمح بين اثنين ، ثم اتفقا : عن الصغير و الكبير و الحر و العبد ۔ (ابوداود شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ، ص ۲۴۰، نمبر ۱۶۲۰) اس حدیث میں صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کا ثبوت ہے، اور چونکہ صدقۃ الفطر آیت سے ثابت نہیں ہے، بلکہ حدیث سے ثابت ہے اور حدیث ظنی ہوتی ہے اور ظنی سے وجوب ہی ثابت ہوگا فرض ثابت نہیں ہوگا، اس لئے صدقۃ الفطر فرض نہیں ہے واجب ہے۔ (۲) اس حدیث میں واجب ہونے کی صراحت ہے . عن عمر و بن شعيب عن ابيه عن جده أن النبي ﷺ بعث مناديا فى فجاج مكة : ألا ان زكوة الفطر واجبة على كل مسلم ، على كل ذكر وأنثى ، حر و عبد ، وصغير و كبير ، مدان من قمح ، أو صاع مما سواه من الطعام . (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۲۰۶۱) اس حدیث میں ہے کہ صدقۃ الفطر ہر مسلمان پر واجب ہے۔

ترجمه: ٢ آزاد ہونے کی شرط ملکیت متحقق ہونے کے لئے ہے۔

٣ والاسلام ليقع قربة ٤ واليسار لقوله عليه السلام لا صدقة الا عن ظهر غنى ٥ وهو حجة على الشافعي في قوله يجب على من يملك زيادة على قوت يومه لنفسه وعياله

تشریح : متن میں یہ ہے کہ آزاد ہوتو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ غلام پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے، بلکہ غلام کا بھی مالک ہی پر صدقۃ الفطر واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد ہی مال کا مالک ہوتا ہے، غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے، بلکہ خود اس کا جسم بھی آقا کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے آزاد پر ہی صدقۃ الفطر واجب ہے۔

وجه : اثر میں ہے۔ عن جابر قال : ليس في مال المكاتب و لا العبد زكاة حتى يعتقا . (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ۵۲، فی المکاتب من قال: لیس علیہ زکوۃ، ج ثانی، ص ۳۸۸، نمبر ۱۰۲۳۲) اس اثر میں ہے کہ مکاتب اور غلام کے مال میں زکوۃ بھی نہیں ہے تو صدقۃ الفطر کیسے واجب ہوگا۔

ترجمه: ٣ اور اسلام کی شرط اس لئے ہے کہ تا کہ قربت اور عبادت واقع ہو۔

تشریح: متن میں یہ ہے کہ مسلمان ہوتو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ صدقۃ الفطر عبادت ہے، اور عبادت کا حکم مسلمان کو ہی دیا جاتا ہے کافر کو نہیں، اس لئے فرمایا کہ صدقۃ الفطر اس پر واجب ہے جو مسلمان ہو۔

وجه: (۱) خذ من أموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم (آیت ۱۰۳، سورۃ توبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ مسلمان کو پاک کرنے کے لئے ان سے زکوۃ لیجئے، جس سے معلوم ہوا کہ صدقۃ الفطر مسلمان پر واجب ہے (۲) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والانثى والصغير والكبير من المسلمين وامر بها ان تودى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳ رمسلم شریف، باب زکوۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر ص ۳۹۵ نمبر ۹۸۴/۲۲۷۸) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان پر صدقۃ الفطر واجب ہے، اس لئے کافر غلام یا کافر مالک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

ترجمه: ٤ اور مالدار کی قید حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے ہے کہ صدقہ نہیں ہے مگر مالدار سے۔

تشریح : جو غریب ہے، یعنی حاجت اصلیہ سے فارغ ہونے کے بعد نصاب کی مقدار کے مال کا مالک نہیں ہے اس پر صدقۃ الفطر نہیں ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ صدقہ نہیں ہے مگر مالدار پر، صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ وقال النبي ﷺ لا صدقة الا عن ظهر غنى (بخاری شریف، باب تاویل قولہ من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین، کتاب الوصایا ص ۳۸۴ نمبر ۲۷۵۰) اس حدیث میں ہے کہ مالدار ہو تب صدقۃ الفطر واجب ہے۔

ترجمه: ٥ یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جو اپنے لئے اور اپنے عیال کے لئے ایک دن کے کھانے

ل وقُدِّر اليسارُ بنصاب لتقدر الغناء فى الشرع به فاضلا عما ذكر من الاشياء لانها مُستَحقَّةٌ بالحاجة الاصلية والمستحَقُّ بالحاجة الاصلية كالمعدوم

سے زیادہ رکھتا ہو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چاہے وہ نصاب کا مالک نہ ہو، اس کے لئے اور اسکے عیال کے لئے صرف ایک دن کے کھانے سے زیادہ ہو تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے، یہ اور بات ہے کہ وہ صدقۃ الفطر دے اور زکوۃ لینے کی ضرورت پڑے تو زکوۃ لے لے۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ و کل من دخل علیه شوال و عنده قوته و قوت من یقوته یومه ، و ما یؤدی به زکوة الفطر عنه و عنهم اداها عنهم و عنه . (موسوعۃ امام شافعیؒ باب زکوۃ الفطر، ج رابع، ص ۲۳۶، نمبر ۴۵۰۰) اس عبارت میں ہے کہ ایک دن کی روزی ہو تب بھی صدقۃ الفطر ادا کرے۔

وجه: ان کی دلیل یہ حدیث ہے . عن ثعلبة بن عبد الله بن ابی صعیر ، عن ابیه ۔ قال قال رسول الله ﷺ صاع من بر أو قمح علی کل اثنین صغیر أو کبیر ، حر أو عبد ، ذکر أو انثی أما غنیکم فیزکیه الله تعالی ، و اما فقیر کم فیرد الله تعالی علیه أکثر مما أعطاه (ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۲۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے فیرد الله علیه اکثر مما اعطاه اس نے جتنا دیا ہے اس سے زیادہ اس پر واپس ہوگا۔ یعنی ممکن ہے کہ کوئی اس کو زکوۃ دے دے اور جتنا صدقۃ الفطر دیا ہے اس سے بھی زیادہ آجائے۔ (۲) دار قطنی میں اس کی صراحت ہے کہ فقیر پر بھی صدقہ فطرہ واجب ہے، حدیث یہ ہے. عن ثعلبة ، عن ابیه ۔ ان رسول الله ﷺ قال : ادوا عن کل انسان صاعا من بر عن الصغیر و الکبیر ، و الذلر و الأنثی و الغنی و الفقیر (دار قطنی ، کتاب زکوۃ الفطر، ج ثانی ص ۱۲۸/۱۲۹ نمبر ۲۰۸۵ سنن للبیهقی ، باب من قال بوجوبها علی الغنی والفقیر اذا قدر علیہ ج رابع ص ۲۷۶، نمبر ۷۶۹۲) اس حدیث میں ہے کہ مالدار پر بھی ہے اور فقیر پر بھی ہے اس لئے جو ایک دن کا کھانا رکھتا ہو اس پر صدقہ ہے۔ (۳) امام شافعیؒ کا نظریہ یہ ہے کہ صدقۃ الفطر روزہ کو پاک کرنے کے لئے ہے اس لئے ایک دن کا بھی کھانا ہو تو صدقۃ الفطر دے کر اپنا روزہ پاک کر لے، حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال : فرض رسول الله ﷺ زکاة الفطر طهرة للصیام من اللغو و الرفث و طعمة للمساکین من اداها قبل الصلوة فهی زکاة مقبولة، و من أداها بعد الصلوة فهی صدقة من الصدقات ۔ (ابوداود شریف، باب زکاۃ الفطر، ص ۲۳۹، نمبر ۱۶۰۹) اس حدیث میں ہے کہ صدقۃ الفطر روزہ کو پاک کرنے کے لئے ہے۔

ترجمه: ل اور مالداری کا اندازہ نصاب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کیونکہ شریعت میں غنی اسی کے ساتھ مقدر ہے شرط یہ ہے کہ یہ

ے ولا يشترط فيه النمو. ۸ے ويتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة ووجوب الاضحية و الفطر (۸۸۷) قال يخرج ذلک عن نفسه ﴾ لے لحديث ابن عمر قال فرض رسول الله صلّى الله عليه وسلم زكوٰة الفطر على الذكر والانثى الحديث

نصاب مذکورہ چیزوں سے فاضل ہو، کیونکہ مذکورہ چیزیں حاجت اصلیہ کے ساتھ مستحق ہیں۔اور حاجت اصلیہ میں جو چیزیں شامل ہوں وہ گویا کہ ہیں ہی نہیں۔

تشریح : مالدار کسکو کہتے ہیں اس کے بارے میں متن میں بتایا کہ جو نصاب کا مالک ہو وہ مالدار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں غنی کہتے ہی ہے اس کو جو نصاب کا مالک ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ نصاب کی مقدار اس کی حاجت اصلیہ سے فاضل ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز حاجت اصلیہ میں ہو وہ گویا کہ معدوم ہے یعنی وہ چیز گویا کہ اس کے پاس ہے ہی نہیں، اس لئے حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور نصاب کے برابر ہو تب وہ شریعت کی نگاہ میں مالدار اور غنی ہے، تب اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔ غنی کی حدیث اوپر گزر گئی ۔۔ یسار: مالداری۔

ترجمہ: ے اس نصاب میں نمو کی شرط نہیں ہے۔

تشریح : آدمی کے پاس نصاب کی مقدار کوئی بھی چیز ہو چاہے وہ مال بڑھنے والا ہو یا بڑھنے والا نہ ہو دو صورتوں میں صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۸ے اور اس نصاب کے ساتھ [۱] صدقے کا حرام ہونا [۲] قربانی کا واجب ہونا [۳] اور صدقۃ الفطر کا واجب ہونا متعلق ہے۔

تشریح: نصاب دو قسم کے ہیں [۱] ایک ہے یہ کہ حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور اس کے پاس نصاب کی مقدار مال مال ہو، اور وہ مال نامی یعنی بڑھنے والا ہو تو اس پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہے، [۲] اور دوسرا نصاب یہ ہے کہ حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور نصاب کی مقدار ہو چاہے نامی ہو کہ نہ ہو، اس نصاب کے مالک ہونے پر صدقۃ الفطر ہے، قربانی واجب ہے، اور کسی سے زکوۃ لینا حرام ہے، یہ تینوں چیزیں اس نصاب کے ساتھ متعلق ہیں۔ اور ایک تیسرا نصاب ہے کہ اس کے پاس پچاس درہم ہو تو کسی سے سوال کرنا حرام ہے۔

ترجمہ: (۸۸۷) صدقۃ الفطر نکالے گا اپنی ذات کی جانب سے۔

ترجمہ لے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضورؐ نے صدقۃ الفطر مرد پر اور عورت پر فرض کی۔ یہ پوری حدیث گزر گئی ۔

(۸۸۸) ويخرج عن اولاده الصغار ﴾ ١؎ لان السبب رأسٌ يمونه ويلي عليه لانها تضاف اليه يقال زكوٰة الرأس وهي امارة السببية

تشریح: آدمی اپنی ذات کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا،اور جس کی کفالت کرتا ہے اسکی جانب سے بھی صدقۃ الفطر نکالے گا

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔اعن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والانثى والصغير والكبير من المسلمين وامر بها ان تودى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف،باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳ مسلم شریف،باب زکوۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر ص ۳۹۵ نمبر ۹۸۴/۲۲۷۸)اس حدیث میں ہے مذکر مؤنث سب کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے۔

ترجمه: (۸۸۸) اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے۔

تشریح: صدقۃ الفطر اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے بھی نکالے،کیونکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی کفالت کرتا ہے اور اس پر یہ آدمی متولی اور سرپرست ہے ان سب کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہے،اور چھوٹی اولاد اور غلام کی کفالت کرتا ہے اور ان پر متولی بھی ہے اس لئے چھوٹی اولاد اور غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا۔اگر اولاد لڑکا یا لڑکی بالغ ہو تو اسکی طرف سے نکالنے کی ذمہ داری باپ کی نہیں ہے وہ خود نکالے،البتہ اگر باپ نکال دے تو جائز ہے۔

وجه : (۱)حدیث میں ہے۔عن ابن عمر قال امر رسول الله بصدقة الفطر عن الصغير والكبير والحر والعبدمن تمونون (دار قطنی،کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۲۰۵۹ سنن للبیھقی،باب اخراج زکوۃ الفطر عن نفسہ و غیرہ،ج رابع ص ۲۷۲،نمبر ۷۶۸۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس آدمی کی کفالت کرتا ہے اس کا صدقہ الفطر بھی خود ادا کرے گا۔تمونون مؤنت سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جس کی تم کفالت کرتے ہو۔(۲) اوپر کی حدیث میں بھی ہے کہ چھوٹے بڑے سب پر صدقۃ الفطر واجب ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بچے پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے لیکن اس کی جانب سے باپ ادا کرے گا۔

ترجمه: ١؎ اس لئے جسکو روزی دیتا ہو اور اس کا متولی ہو وہ صدقۃ الفطر کا سبب ہے،یہی وجہ ہے کہ صدقۃ الفطر اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے،کہا جاتا ہے زکوۃ الرأس،اور یہ اضافت سبب ہونے کی علامت ہے۔

تشریح:۔باپ پر چھوٹی اولاد کا صدقۃ الفطر واجب ہے اسکی یہ دلیل عقلی ہے۔تھوڑا پیچیدہ ہے۔کہ صدقے کا سبب یہ ہے کہ جس آدمی کی روزی اس کے ذمے ہو اور اسکی پوری کفالت کرتا ہو وہ صدقے کا سبب ہے،یہی وجہ ہے کہ صدقۃ الفطر کو،زکوۃ الرأس،

۲ والاضافة الى الفطر باعتبار انه وقتها ولهذا تتعدد بتعدد الراس مع اتحاد اليوم ۳ والاصل فى الوجوب رأسه وهو يمونه يلى عليه فيلحق به ما هو فى معناه كاولاده الصغار لانه يمونهم ويلى عليهم (۸۸۹) ومما ليكه ۱ لقيام المؤنة والولاية وهذا اذا كانوا للخدمة ۲ ولا مال للصغار فان كان لهم مال يؤدّى من مالهم عند ابى حنيفة وابى يوسف خلافا لمحمد لان الشرع اجراه

کہتے ہیں، اورزکوۃ کورأس کی طرف اضافت کرتے ہیں اوررأس کی طرف اضافت کرنا رأس کے سبب ہونے کی علامت ہے، اس لئے جتنا سر ہوگا اتنا ہی صدقہ واجب ہوگا۔۔ یلی: ولایت سے مشتق ہے، متولی ہونا۔

ترجمہ: ۲ اورفطر کی طرف اضافت اس وجہ سے ہے کہ وہ صدقۃ الفطر ادا کرنے کا وقت ہے اس لئے دن ایک بھی ہوتو جتنا سر ہوا اتنا ہی صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔

تشریح: یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ صدقۃ کی اضافت فطر کی طرف کیوں کرتے ہیں؟ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ فطر کی طرف اضافت اس لئے ہے کہ فطر یعنی عیدالفطر کے وقت صدقۃ الفطر ادا کرنے کا وقت ہے، چونکہ سر صدقۃ الفطر کا اصل سبب ہے اس لئے جتنے سر کی کفالت کرتا ہوا اتنا ہی صدقہ واجب ہوگا چاہے ایک ہی دن میں ہو، کیونکہ فطر کا دن صدقے کا سبب نہیں ہے، وہ ادا کرنے کا وقت ہے۔

ترجمہ: ۳ صدقہ واجب ہونے کا اصل سبب ایسا سر ہے جسکی کفالت کرتا ہو اور اس کا متولی ہو، تو جو بھی اس کے معنی میں ہو وہ بھی شامل ہو جائے گا، جیسے چھوٹی اولاد اس لئے کہ اس کی کفایت کرتا ہے اور اسکی سرپرستی کرتا۔

ترجمہ: (۸۸۹) اوراپنے غلام باندی کی جانب سے [صدقۃ الفطر نکالے گا]

ترجمہ: ۱ کیونکہ اس کی کفالت بھی کرتا ہے اوراس پر ولایت بھی ہے، اور یہ وجوب اس وقت ہے جبکہ غلام خدمت کے لئے ہو۔

تشریح: غلام یا باندی اگر تجارت کے لئے ہو تو آقا پر اس کا صدقہ فطر واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ تجارت کا مال ہے اس پر زکوۃ واجب ہے، اوراگر خدمت کے لئے ہے تو اس کا صدقۃ الفطر واجب ہے، چاہے خالص غلام ہو یا مدبر ہو یا ام ولد ہو سب کا صدقۃ الفطر آقا پر واجب ہے ۔کیونکہ انکی کفالت بھی کرتا ہے اوران پر آقا کی ولایت بھی ہے۔ اوپر حدیث میں عبد یہی عبد مراد ہے۔

ترجمہ: ۲ بچے کے پاس مال نہ ہو تب والد صدقۃ الفطر ادا کرے گا، اوراگر اس کے پاس مال ہو تو امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کے مال سے ادا کرے گا۔ خلاف امام محمدؒ کے، اس لئے کہ شریعت نے صدقۃ الفطر کو مؤنت کے قائم مقام کیا ہے تو وہ نفقہ کے درجے میں ہو گیا

مجری المؤنة فاشبه النفقة (۸۹۰) ولا يؤدی عن زوجته ﴾ ۱ لقصور الولاية والمؤنة فانه لا يليها في غير حقوق النكاح ولا يمونها في غير الرواتب كالمداواة

تشریح : اگر بچے کے پاس مال نہ ہوتو باپ اپنے مال سے بچے کا صدقۃ الفطر ادا کرے گا۔ اور اگر بچے کے پاس مال ہوتو باپ بچے کے مال سے صدقۃ الفطر ادا کرے گا، یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں صدقۃ الفطر نفقہ اور روزانہ کے خرچ کی طرح ہے، اور نفقے کا قاعدہ یہ ہے کہ بچے کے پاس مال ہوتو بچے کے مال سے ہی باپ نفقہ ادا کرے گا اور اسی کا مال اس کے نفقے میں خرچ کرے گا، اسی طرح بچے کے پاس مال ہوتو بچے کے مال میں سے ہی صدقۃ الفطر ادا کرے گا۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک صدقۃ الفطر زکوۃ کے درجے میں ہے یہی وجہ ہے کہ صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کے لئے تقریبا وہی شرطیں ہیں جو زکوۃ کی ہیں، اور پہلے گزر چکا ہے کہ بچے کے مال میں زکوۃ نہیں ہے، اس لئے بچے کے مال سے صدقۃ الفطر بھی ادا نہیں کر سکتے

وجہ : اس حدیث کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ بچے کی جانب سے باپ اپنے ہی مال سے صدقہ ادا کرے کیونکہ حدیث میں عن الصغیر کہا ہے یعنی چھوٹے کی جانب سے خود ادا کرو، حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر قال امر رسول الله بصدقة الفطر عن الصغير والكبير والحر والعبد من تمونون** (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۲۰۵۹ سنن للبیہقی، باب اخراج زکوۃ الفطر عن نفسہ وغیرہ، ج رابع ص ۲۷۲، نمبر ۷۶۸۲) اس حدیث میں ہے کہ چھوٹے کی جانب سے خود صدقۃ الفطر ادا کرو۔

ترجمہ: (۸۹۰) اور صدقۃ الفطر ادا نہ کرے اپنی بیوی کی جانب سے۔

ترجمہ: ۱ اس پر ولایت اور کفالت کے ناقص ہونے کی وجہ سے، اس لئے حقوق نکاح کے علاوہ میں اس پر ولایت نہیں اور شوہر ثابت شدہ امور کے علاوہ میں اس کی مؤنت برداشت نہیں کرتا، جیسے دوا کرنا۔

تشریح : بیوی کا صدقۃ الفطر شوہر پر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی پر پورے طور پر ولایت نہیں ہے چنانچہ نکاح کے معاملات ہیں صرف اسی معاملے میں شوہر کا بیوی پر ولایت ہے اور سرپرستی ہے، باقی معاملے میں وہ آزاد ہے، کیونکہ وہ خود عاقلہ بالغہ ہے، اس لئے ولایت ناقص ہوئی۔ اور کفالت اس طرح ناقص ہے کہ نان، نفقہ، اور سکنی وغیرہ جو شریعت سے دینا ثابت ہیں شوہر اسی کا ذمہ دار ہے، انکے علاوہ کا وہ ذمہ دار نہیں، چنانچہ بیوی بیمار ہو جائے تو دوا کرانا شوہر کے ذمہ نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کفالت بھی ناقص ہے اس لئے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ دار قطنی کی حدیث میں تمونوں کا مطلب یہ ہے کہ جنکی مکمل کفالت اور ولایت ہو انکا صدقہ ادا کرنا واجب ہے۔ یوں ادا کر دے تو جائز ہے ادا ہو جائے گا۔۔ یلیھا: ولایت کرنا، سرپرستی کرنا۔ یمونھا: اخراجات برداشت کرنا۔

(۸۹۱) ولا عن اولاده الكبار وان كانوا فی عياله ﴿۱﴾ لانعدام الولاية ﴿۲﴾ ولو ادى عنهم او عن زوجته بغير امر هم اجزاهم استحسانا لثبوت الاذن عادة (۸۹۲) ولا يخرج عن مكاتبه ﴿۱﴾ لعدم الولاية

وجه: بیوی کا نان ونفقہ اگر چہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے لیکن یہ شوہر کے گھر میں احتباس کی وجہ سے ہے اس پر نفقہ لازم ہے۔ کفالت کی وجہ سے نہیں ہے اسی لئے بیوی کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے اور شوہر کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: (۸۹۱) اور اپنے بڑے بیٹے کی جانب سے صدقۃ الفطر نہ نکالے، اگر چہ اس کی کفالت میں ہو۔

ترجمہ: ۱ اس پر ولایت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اسی طرح بڑے لڑکے کی ملکیت باپ سے الگ ہو جاتی ہے اور وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے باپ کی اس پر ولایت اور سر پرستی نہیں رہتی۔ چاہے کسی محتاجگی کی وجہ سے لڑکے کا نفقہ باپ پر لازم ہو۔ اس لئے بڑے لڑکے کا صدقۃ الفطر باپ پر لازم نہیں۔

ترجمہ: ۲ اور اگر اولاد کی جانب سے یا بیوی کی جانب سے بغیر انکے حکم کے صدقہ ادا کر دیا تو استحسانا ادا ہو جائے گا، عادۃً اجازت کے ثابت ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اگر چہ بیوی اور بڑی اولاد پر ولایت نہیں ہے تاہم انکے حکم کے بغیر صدقۃ الفطر ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر میں عام طور پر بیوی یہی سمجھتی ہے کہ شوہر صدقہ ادا کریں گے اور انکی جانب سے عادۃً اجازت ہوتی ہے، اسی طرح بالغ لڑکا یا لڑکی ساتھ رہتے ہوں تو یہی سمجھتے ہیں کہ والد صاحب ہی ادا کر دیں گے اس لئے عادۃً اجازت کی وجہ سے صدقہ کی نیت بھی ہوگئی اور انکی جانب سے ادا بھی ہو جائیگا۔

ترجمہ: (۸۹۲) اپنے مکاتب غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر نہیں نکالے گا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اس پر آقا کی ولایت نہیں ہے۔

وجہ: (۱) مولی مکاتب غلام کی کفالت نہیں کرتا بلکہ مکاتب خود کفیل ہوتا ہے اس لئے آقا پر مکاتب کا صدقہ الفطر ادا کرنا واجب نہیں۔ (۲) اثر میں ہے ۔عن ابن عمر انه كان يودى زكوة الفطر عن كل مملوك له فی ارضه و غير ارضه وعن كل انسان يعوله من صغيرا و كبير وعن رقيق امرأته وكان له مكاتب بالمدينة فكان لا يودى عنه۔ (سنن للبیہقی، باب من قال لا یودی عن مکاتبہ ج رابع ص ۲۷۲، نمبر ۷۶۸۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷، ما قالوا فی المکاتب یعطی عنه سیدہ ام لا ج ثانی ص ۴۰۰، نمبر ۱۰۳۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر مکاتب کا صدقہ الفطر خود ادا نہیں کرتے تھے

(۸۹۳) ولا المكاتب عن نفسه ﴾ ل لفقره. ۲ وفى المدبر وام الولد ولا ية المولى ثابتة فيخرج عنهما (۸۹۴) ولا يخرج عن مماليكه للتجارة ﴾ ل خلافا للشافعى فان عنده وجوبها على العبد ووجوب الزكوٰة على المولىٰ فلا تنا فيه

۔کیونکہ وہ ان کی مؤنت میں نہیں تھا۔

ترجمه: (۸۹۳) مکاتب خود اپنی جانب سے بھی نہ نکالے۔

ترجمه: ل ا اس کے فقیر ہونے کی وجہ سے۔

وجه: (۱) مکاتب پر ابھی مال کتابت کا قرض ہے اس لئے اس کے پاس مال نصاب بھی ہو تو وہ ایک اعتبار سے فقیر ہے اس لئے خود مکاتب بھی صدقۃ الفطر نہ نکالے۔اس اثر میں ہے. ان عمر بن عبد العزيز قال : ليس فى مال المكاتب زكوة . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۲ فی المکاتب من قال: لیس علیہ زکوۃ ج ثانی ص ۳۸۷،نمبر ۱۰۲۲۹)اس اثر میں ہے کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے اور صدقۃ الفطر بھی زکوۃ کا ایک حصہ ہے اس لئے صدقۃ الفطر بھی نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۲ اور مدبر اور ام ولد میں آقا کی ولایت ثابت ہے اس لئے ان دونوں کی جانب سے آقا نکالے۔

تشريح: اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ غلام کی جانب سے آقا صدقۃ الفطر نکالے،اور چونکہ مدبر غلام اور ام ولد غلام کے درجے میں ہیں،کیونکہ ان پر آقا کی پوری ولایت اور مؤنت ہے اس لئے ان دونوں کی جانب سے آقا ہی صدقہ نکالے گا۔

ترجمه (۸۹۴) نہ تجارت کے غلاموں کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے۔

وجه: تجارت کے غلام کی قیمت میں زکوۃ ہے اس لئے اس کے لئے صدقۃ الفطر دینے کی ضرورت نہیں،ورنہ دومرتبہ اس کی زکوۃ نکالنی ہو جائے گی۔

ترجمه: ل امام شافعیؒ اس کے خلاف ہے،اس لئے انکے نزدیک اسکا وجوب غلام پر ہے،اور زکوۃ کا وجوب آقا پر ہے اس لئے اسکے منافی نہیں ہے

تشريح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تجارت کے غلام کا بھی صدقۃ الفطر آقا نکالے۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعی ؒ : و يؤدى زكاة الفطر عن رقيقه الذى اشترى للتجارة و يؤدى عنهم زكوة التجارة معا ۔(موسوعہ امام شافعیؒ باب زکوۃ الفطر، ج رابع ،ص ۲۳۳،نمبر ۴۴۸۱)اس عبارت میں ہے کہ تجارت کے غلام کی جانب سے آقا زکوۃ بھی ادا کرے اور صدقۃ الفطر بھی ادا کرے۔

وجه :(۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ تجارت کے غلام کی زکوۃ بھی آقا ہی دے گا اور صدقۃ الفطر بھی آقا ہی دے گا،لیکن فرق یہ

۲ وعندنا وجوبها على المولى بسببه كالزكوٰة فيؤدّى الى الثّنى(۸۹۵) والعبد بين شريكين لا فطرة علىٰ واحد ﴿ ا منهما لقصور الولاية والمؤنة فى كل واحد منهما (۸۹۶) وكذا العبيد بين اثنين﴾ ا عندابى حنيفة

ہے کہ زکوۃ براہ راست آقا پر ہے اورصدقۃ الفطر خود غلام پر واجب ہوتا ہے، لیکن اس کے پاس مال نہیں ہے اس لئے اس کی جانب سے آقا نکالے گا، اس طرح زکوۃ اور صدقہ کا وجوب ایک ہی پر نہیں ہوا، صرف نکالنا ایک پر ہوا اس لئے اس میں کوئی منافی نہیں ہے اور نہ کوئی حرج ہے (۲) اوپر حدیث میں ہے کہ غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے، اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ خدمت کے لئے ہو یا تجارت کے لئے ہو اس لئے دونوں کے لئے نکالنا واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۲ ہمارے یہاں صدقہ کا وجوب آقا پر ہے غلام کے سبب سے جیسے کہ زکوۃ اس لئے یہ تکرار کا سبب بنے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جس طرح غلام کی زکوۃ آقا پر واجب ہوتی ہے اسی طرح صدقۃ الفطر بھی غلام کے سبب سے آقا پر ہی واجب ہوتا ہے، تو اس طرح غلام پر ایک سال میں دو مرتبہ فریضہ مالیہ ہو جائے گا، حالانکہ دو مرتبہ زکوۃ لینے سے منع فرمایا ہے اس لئے زکوۃ کے غلام میں صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔ دو مرتبہ لینے سے منع کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن أمه فاطمة أن النبی ﷺ قال : لا ثناء فی الصدقة . (مصنف ابن ابی شیبۃ، من قال: لاتؤخذ الصدقۃ فی السنۃ الامرۃ واحدۃ، ج ثانی ص ۴۳۱، نمبر ۱۰۷۳۴) اس حدیث میں ہے کہ سال میں دو مرتبہ صدقہ نہ لیا جائے۔

ترجمہ: (۸۹۵) اور جو غلام دو شریکوں کے درمیان میں ہو ان دونوں میں سے کسی پر صدقۃ الفطر نہیں ہے۔

ترجمہ: ا دو آقاؤں میں سے ہر ایک میں ولایت اور مؤنت میں ناقص ہونے کی وجہ سے۔

وجہ: (۱) دونوں شریکوں میں سے کوئی بھی پورا پورا مالک نہیں ہے اور نہ پوری پوری کفالت کر رہے ہیں اور نہ پورا ولی ہے، بلکہ دونوں کی ولایت اور مؤنت آدھی آدھی ہے۔ اس لئے کسی شریک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابی هريرة قال ليس فى المملوک زکوة الا مملوک تملکه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۱۸ فی المملوک یکون بین رجلین علیہ صدقۃ الفطر ج ثانی ص ۴۲۳، نمبر ۱۰۶۵۱) اس اثر میں الا مملوک تملکه کا مطلب یہی ہے کہ تم مملوک کے مکمل مالک ہو تو زکوۃ یعنی صدقۃ الطفر واجب ہے، اور مکمل مالک نہیں ہو بلکہ شرکت میں مملوک ہے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: (۸۹۶) ایسے ہی کئی غلام دو آدمیوں کے درمیان ہو۔

ترجمہ: ا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک [تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی پر صدقۃ الفطر واجب نہیں]

تشریح: مثلا دو غلام زید اور بکر کے درمیان شریک ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی پر بھی ان کا صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

۲ وقالا علىٰ كل منهما ما يخصه من الرؤس دون الاشقاص بناء علىٰ انه لا يرى قسمة الرقيق وهما يريانها ۳ وقيل هو بالاجماع لانه لا يجتمع النصيب قبل القسمة فلم تتم الرقبة لكل واحد منهما(۸۹۷) ويؤدى المسلم الفطرة عن عبده الكافر ۱ لا طلاق ما رويناه

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم کرنے سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زید کا ایک غلام اور بکر کا ایک غلام نہیں ہے، بلکہ زید کا آدھا آدھا دونوں غلاموں میں ہے، اور بکر بھی آدھا آدھا دونوں غلاموں میں ہے تو دونوں غلاموں میں دونوں کی ولایت اور مؤنت ناقص ہے اس لئے دونوں میں سے کسی پر بھی صدقہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اوپر گزرا کہ پورا پورا ولایت اور مؤنت ہو تب صدقہ واجب ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۲ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں آقاؤں پر اتنا آئے گا جو پورا پورا سر اس کے حصے میں آئے نہ کہ ٹکڑا، بناء کرتے ہوئے اس بات پر کہ امام ابوحنیفہؒ غلام کی تقسیم کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، اور صاحبین جائز سمجھتے۔

تشریح: صاحبینؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ غلام کو تقسیم نہ بھی کیا ہو پھر بھی ذہنی طور جو دونوں آقاؤں کے حصے میں آتا ہوا گر ان حصوں سے پورا ایک غلام بن جاتا ہو تو اس کا صدقۃ الفطر ادا کرے گا، اور اگر پورا ایک غلام نہ بنتا ہو غلام کا ٹکڑا ہی رہ جاتا ہو تو اس کا صدقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ وہ غلام کے حصے کو جائز سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ تقسیم سے پہلے حصے کو جائز نہیں سمجھتے۔۔ مثال کے طور پر تین غلام زید اور بکر کے درمیان میں مشترک ہیں، تو ذہنی طور پر دونوں کے حصے میں ایک ایک پورا پورا غلام ہوتا ہے، اور تیسرے غلام کا آدھا آدھا ہوتا ہے، اس لئے صاحبینؒ کے نزدیک دونوں پر ایک ایک غلام کا صدقہ لازم ہوگا کیونکہ ایک ایک رؤس یعنی پورا غلام حصے میں آیا، اور باقی آدھے آدھے غلام کا صدقہ کسی پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ ٹکڑا ہوا اور ٹکڑے کا صدقہ لازم نہیں ہوتا۔۔ رؤس: پورا غلام۔ اشقاص: شقص کی جمع ہے، ٹکڑا۔

ترجمہ: ۳ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ بالاجماع ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے حصص جمع نہیں ہو سکتے، اس لئے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے کوئی غلام پورا نہیں ہوا۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ بالاتفاق ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک دونوں آقاؤں میں سے کسی پر صدقہ لازم نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ابھی غلام کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اس لئے ہر غلام کا جو آدھا آدھا حصہ ہوگا وہ جمع کر کے ایک غلام نہیں بنا سکتے، اور جب پورا ایک غلام کسی کا نہیں بنا تو کسی پر اس کا صدقہ لازم نہیں ہوگا۔۔ نصیب حصہ۔ رقبہ: پورا غلام، گردن

ترجمہ: (۸۹۷) مسلمان آقا صدقۃ الفطر ادا کرے گا اپنے کافر غلام کی جانب سے۔

ترجمہ: ۱ اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہمنے روایت کی۔

۲ ولقوله عليه السّلام فی حديث ابن عباس ادوا عن كل حر وعبد يهودی اونصرانی او مجوسی الحديث ۳ ولان السبب قد تحقق والمولیٰ من اهله ۴ وفيه خلاف الشافعی لان الوجوب عنده علی العبد وهو ليس من اهله

وجه: (۱)حنفیہ کے نزدیک غلام کا صدقہ مولی پر واجب ہوتا ہے اور مولی چونکہ مسلمان ہے اس لئے اس پر واجب ہوگا (۲) بخاری میں دوسری حدیث مطلق ہے اس میں من المسلمین کی قید نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ مملوک مسلمان ہو یا کافر دونوں صورتوں میں اس کا صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا ،صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر صاعا من شعير او صاعا من تمر علی الصغير والكبير والحر والمملوك (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر علی الصغیر والکبیر ص ۲۰۵ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں والمملوک مطلق ہے ۔یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے

ترجمہ: ۲ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا قول ہے ہر آزاد، غلام، یہودی یا نصرانی، یا مجوسی کی جانب سے ادا کرو۔

تشریح: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس قال قال رسول الله صدقة الفطر عن كل صغير وكبير ذكر و انثی يهودی او نصرانی حر او مملوک نصف صاع من بر. (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۳۱ نمبر ۲۱۰۰/ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۱ ما قالوا فی العبد النصرانی یعطی عنہ ج ثانی ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۳۷۴) اس حدیث میں ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ سبب متحقق ہوگیا ہے اور آقا صدقے کے اہل میں سے ہے۔

تشریح: سبب ہے راس، یعنی غلام کا مالک ہونا، اس پر ولایت ہونا اور اسکی مؤنت برداشت کرنا، اور آقا غلام کا مالک ہے اور ولایت اور مؤنت بھی ہے، اور آقا صدقہ ادا کرنے کا اہل بھی ہے یعنی مسلمان ہے، اس لئے کافر غلام کی وجہ سے بھی اس پر صدقہ واجب ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۴ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اس لئے کہ انکے یہاں وجوب غلام پر ہے اور غلام صدقے کا اہل نہیں ہے۔

تشریح: ۔امام شافعیؒ کے یہاں صدقہ خود غلام پر واجب ہوتا ہے، البتہ آقا اس کی جانب سے ادا کرتا ہے، اور غلام کافر ہے اسلئے غلام پر صدقہ واجب ہی نہیں ہوگا اسلئے آقا اسکی جانب صدقہ ادا نہیں کرے گا۔

وجہ: ان کے یہاں خود غلام پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اور غلام کافر ہے اور کافر صدقہ کا اہل نہیں ہے۔کیونکہ صدقہ تو عبادت

۵ؕ ولو كان على العكس فلا وجوب بالاتفاق (۸۹۸) قال ومن باع عبد اواحد هما بالخيار ففطرته على من يصير له ۱ؕ معناه و انه اذا مرّ يوم الفطر والخيار باق.

ہےاس لئے ان کے یہاں کافر غلام کا صدقۃ الفطر مولی پر واجب نہیں ہے(۲)عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ زكوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والانثى والصغير والكبير من المسلمين وامر بها ان تودى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳/ مسلم شریف، باب زکوۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر ص ۳۹۵ نمبر ۲۲۷۸/۹۸۴) اس حدیث میں من المسلمین کی قید ہے اس لئے کافر غلام کی جانب سے صدقہ واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵ؕ اور اگر معاملہ اس کا الٹا ہو [یعنی غلام مسلمان ہو اور آقا کافر ہو] تو صدقہ بالاتفاق واجب نہیں ہے۔

تشریح : غلام مسلمان ہے تو اس کے پاس مال ہی نہیں ہے جو مال ہے وہ آقا کا مال ہے اس لئے فقیر پر صدقہ واجب کیسے کریں؟ اور آقا تو کافر ہے اس لئے وہ صدقہ ادا کرنے کا اہل ہی نہیں اس لئے اس پر بھی واجب نہیں کر سکتے ،اس لئے سب کے نزدیک غلام پر صدقہ واجب نہیں ہوگا۔دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر چہ غلام پر صدقہ لازم ہوتا ہے لیکن ادا تو آقا کو کرنا پڑتا ہے اور وہ کافر ہونے کی وجہ سے اس کا اہل نہیں، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آقا پر لازم ہوتا ہے اور وہ کافر ہے اس لئے اس پر کیسے لازم ہوگا، اس لئے کسی کے نزدیک صدقہ واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: (۸۹۸) کسی نے غلام خریدا اور خریدنے یا بیچنے والے میں سے ایک نے خیار شرط لی تو غلام کا صدقہ اس پر ہوگا جس کے لئے وہ ہوگا۔

ترجمہ: ۱ؕ اس کا معنی یہ ہے کہ عید الفطر کا دن گزر گیا اور اختیار باقی ہے۔

تشریح: عید کے ایک دن پہلے کسی نے خدمت کا غلام بیچا اور دوسرے نے خدمت کے لئے ہی خریدا، اور بائع یا مشتری میں سے کسی ایک نے تین دن کا خیار شرط لے لیا، اور عید کے دن گزر جانے تک خیار شرط باقی تھا تو صدقۃ الفطر اس پر لازم ہوگا جسکے لئے بعد میں غلام ہوگا ، مثلا بیع توڑ دی اور غلام بائع کی طرف لوٹ آیا تو بائع پر صدقہ لازم ہوگا ، اور اگر بیع باقی رہی اور غلام مشتری کی طرف چلا گیا تو مشتری پر صدقہ لازم ہوگا۔۔خیار شرط: بیع ہونے کے بعد بیع توڑنے کا تین دن کا اختیار لیا جاتا ہے، اس کو خیار شرط کہتے ہیں۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع مکمل ہو جائے تو جس وقت سے عقد ہوا ہے اسی وقت سے مشتری کی ملکیت شمار کی جاتی ہے، اس لئے عید کے ایک دن پہلے سے مشتری کا غلام ہو گیا، اور اسی کی ولایت اور مؤنت غلام پر ہوئی اسلئے اسی پر صدقہ لازم ہوگا۔۔اور اگر خیار

۲ وقال زفر علیٰ من له الخيار لان الولاية له ۳ وقال الشافعی علی من له الملک لانه من وظائفه کالنفقة ۴ ولنا ان الملک موقوف لانه لورد يعود الیٰ ملک البائع ولو اجيز يثبت الملک للمشتری من وقت العقد فيتوقف ما يبتنی عليه

شرط کی بنا پر بیع ٹوٹ گئی تو غلام بائع کی طرف واپس آجائے گا اور یوں سمجھا جائے گا پہلے ہی سے بائع ہی کی ملکیت بحال ہے اس لئے بائع پر صدقہ واجب ہوگا۔ اس لئے ابھی بات موقوف رکھی جائے بعد میں جسکی ملکیت ہوگی اسی پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۲ امام زفرؒ نے فرمایا کہ جس نے خیار شرط لیا ہے صدقہ اسی پر ہوگا، اس لئے کہ غلام پر ولایت اسی کی ہے۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ بائع یا مشتری میں سے جس نے بیع توڑنے کا اختیار لیا اس کو بیع کو توڑنے کی ولایت ہوتی ہے کہ چاہے تو بیع باقی رکھے، اور چاہے تو بیع توڑ دے، اور جب اسکو ولایت ہے تو اسی پر صدقہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس کی ملک ہے اس پر صدقۃ الفطر ہے، اس لئے کہ صدقہ غلام کے وظائف میں سے ہے جیسے کہ نفقہ۔

تشریح: ہمارے اور امام شافعیؒ کے درمیان صرف اتنا اختلاف ہے کہ وہ فوری طور پر جسکی ملکیت ہے اس پر صدقہ لازم کرتے ہیں ، اور ہمارے یہاں ابھی موقوف رہے گا، خیار ختم ہونے کے بعد جسکی ملکیت ہوگی اس پر صدقہ لازم ہوگا۔ امام شافعیؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ بیع ہونے کے بعد کسی نے بھی خیار شرط لیا ہو مشتری کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور جس کی ملکیت ہوتی ہے اسی پر صدقہ لازم ہے کیونکہ صدقہ غلام کے اخراجات اور وظائف میں سے ہے، جیسے کہ نفقہ غلام کے اخراجات میں سے ہے، اور جسکی ملکیت ہوتی ہے اس پر نفقہ لازم ہوتا ہے، اسی طرح اس پر صدقہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۴ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک موقوف ہے اس لئے کہ اگر بیع رد کر دے تو غلام بائع کی ملکیت کی طرف لوٹ جائے گا ، اور اگر بیع جائز قرار دے تو عقد ہی کے وقت سے مشتری کی ملکیت ثابت ہوگی، اس لئے جو چیز ملک پر مبنی ہے وہ بھی موقوف رہے گی۔] یعنی صدقہ]

تشریح: ہمارے یہاں اور امام شافعیؒ کے یہاں اس بات پر اتفاق ہے کہ عید کے دن جس کی ملکیت ہوگی اسی پر صدقہ لازم ہوگا، لیکن انکے یہاں خیار کے باوجود عید کے دن مشتری کی ملکیت ثابت ہے اس لئے مشتری پر صدقہ لازم ہوگا، اور ہمارے یہاں خیار کی وجہ سے ملک ابھی موقوف ہے اس لئے خیار ختم ہونے تک صدقہ بھی موقوف رہے گا، پس اگر بیع رد ہو جائے اور غلام بائع کی طرف لوٹ جائے تو بائع پر صدقہ لازم ہوگا، کیونکہ شروع سے اسی کی ملک آرہی تھی اور بیع ٹوٹنے کی وجہ سے اسی کی ملک برقرار رہی، اور عید کے دن بھی اسی کی ملک رہی اس لئے اس پر صدقہ لازم ہوگا۔ اور اگر بیع جائز کر دی تو عقد کے وقت سے ہی یعنی عید کے ایک دن پہلے

۵ بخلاف النفقة لانها للحاجة الناجزة فلا تقبل التوقف ٦ وزكوٰة التجارة علىٰ هذا الخلاف

ہی سے مشتری کی ملکیت ہوگئی اس لئے مشتری پر صدقہ لازم ہوگا۔ تاہم عید کے دن ملک بھی موقوف ہے اور اسکی وجہ سے صدقہ بھی موقوف رہے گا۔

ترجمہ: ۵ بخلاف نفقہ کے اس لئے کہ وہ فوری ضرورت کے لئے ہے اس لئے وہ توقف قبول نہیں کرے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ جسکی ملکیت ہو اس پر جس طرح فوری طور پر نفقہ لازم ہوتا ہے اسی طرح صدقہ بھی لازم ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ نفقہ فوری ضرورت کے لئے ہے اس میں ایک دن تاخیر کرے گا تو غلام مر جائے گا اس لئے اس میں تاخیر نہیں کر سکتے، اور صدقہ بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے اس لئے ابھی موقوف رکھا جائے، خیار ختم ہونے کے بعد جسکی ملکیت ثابت ہوگی اسی پر صدقہ لازم کر دیا جائے گا۔۔ الناجزۃ: فوری طور پر۔

ترجمہ: ٦ تجارت کی زکوۃ اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح: غلام تجارت کا تھا اور سال پورا ہونے والا تھا کہ اس نے بیچ دیا اور دونوں میں سے ایک نے خیار شرط لیا، تو اس کا مسئلہ بھی صدقۃ الفطر کی طرح اسی اختلاف پر ہے۔ چنانچہ امام زفرؒ کے یہاں اس غلام کی زکوۃ اس پر ہوگی جس نے اختیار لیا، اور امام شافعیؒ کے یہاں اس پر ہوگی جس کے لئے اس وقت ملک ثابت ہے، یعنی مشتری پر، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ابھی موقوف رکھا جائے گا خیار ختم ہونے کے بعد جسکی ملکیت ثابت ہوگی اسی پر اس کی زکوۃ ہوگی اگر وہ صاحب نصاب ہو۔

﴿فصل فی مقدار الواجب و وقته﴾

(٨٩٩) الفطرة نصف صاع من بر او دقيق اوسويق او زبيب اوصاع من تمر او شعير﴾

(٩٠٠) وقالا الزبيب بمننزلة الشعير﴾ ل وهو رواية عن ابی حنيفة والاول رواية عن ابی حنيفة

﴿فصل فی مقدار الواجب ووقتہ﴾

ترجمه: (٨٩٩) صدقۃ الفطر آدھا صاع ہے گیہوں سے یا اسکے آٹے سے، یا اسکے ستو سے، یا کشمش سے یا ایک صاع ہے کھجور سے، یا جو سے۔

تشریح: آدھا صاع گیہوں ہو یا اس کا آٹا ہو یا اس کا ستو ہو تو چونکہ وہ گیہوں کی جنس سے ہے اس لئے آدھا صاع ہی کافی ہے، البتہ کھجور اور جو ایک صاع ہونا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں کھجور اور جو پیدا ہوتا تھا اس لئے یہ چیزیں سستی تھیں، اس لئے ایک صاع قرار دیا، اور گیہوں کی پیداوار کم تھی اس لئے یہ مہنگا تھا اس لئے آدھا صاع مقرر فرمایا۔ اس وقت گیہوں اگر چہ کھجور کے مقابلے پر سستا ہے لیکن چونکہ حدیث میں وہ معیار مقرر کر دیا ہے اس لئے وہی معیار رہے گا۔ اور کشمش کے بارے میں اختلاف ہے جو آگے آرہا ہے۔

وجه: (۱) عن ابی سعید الخدری ؓ قال کنا نعطيها فی زمان النبی ﷺ صاعا من طعام أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير أو صاعا من زبيب فلما جاء معاوية و جائت السمراء قال أری مدا من هذا يعدل مدين (بخاری شریف، باب صاعا من زبیب ص ۲۴۵ نمبر ۱۵۰۸ رمسلم شریف، باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر ص ۳۹۶ نمبر ۹۸۵/۲۲۸۳) اس حدیث میں ہے کہ ایک صاع گیہوں اور ایک صاع کھجور اور ایک صاع کشمش فطرہ میں دیتے تھے بعد میں ایک صاع گیہوں دو آدمیوں کے لئے کر دیا، یعنی آدھا صاع ایک آدمی کے لئے اور اس پر اجماع بھی ہو گیا۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی صعير قال قال رسول الله صاع من بر او قمح علی کل اثنين صغير او کبير. (ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۳۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث میں ہے کہ خود حضور ؐ نے آدھا صاع گیہوں فطرہ کے لئے متعین فرمایا۔ (۳) اور آٹے کا تذکرہ اس اثر میں ہے۔ سألت عبد الله بن شداد عن صدقة الفطر فقال : نصف صاع من حنطة أو دقيق ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی صدقۃ الفطر من قال: نصف صاع بر، ج ثانی ص ۳۹۷، نمبر ۱۰۳۴۹) اس اثر میں ہے کہ گیہوں یا آٹا آدھا صاع ہے، اس لئے گیہوں کا آٹا ہی مراد ہے۔

ترجمه: (۹۰۰) اور صاحبین ؒ نے فرمایا کہ کشمش جو کے درجے میں ہے۔

ترجمه: ل یہی ایک روایت امام ابوحنیفہ ؒ کی ہے، اور پہلی روایت جامع صغیر کی ہے

والاول رواية الجامع الصغير ٢ وقال الشافعي من جميع ذلك صاع لحديث ابی سعيد الخدری قال كنا نخرج ذلک على عهد رسل الله صلى الله عليه وسلم ٣ ولنا ما روينا وهو مذهب جماعة من الصحابة وفيهم الخلفاء الراشدون رضوان الله عليهم

تشریح : صاحبین کی رائے یہ ہے کہ جس طرح جوفطرہ میں ایک صاع لازم ہوتا ہے اسی طرح کشمش بھی ایک صاع ہی لازم ہو گا، آدھا صاع نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، اور متن میں جو آدھا صاع کی روایت ہے وہ جامع صغیر کی روایت ہے۔

وجه : اوپر حدیث میں گزرا کہ کشمش ایک صاع ہے۔عن ابی سعید الخدری أو صاعا من زبيب. (بخاری شریف نمبر ۱۵۰۸ رمسلم شریف، نمبر ۹۸۵/۲۲۸۳) اس حدیث میں ہے کہ کشمش ایک صاع ہے اس لئے ایک صاع ہی لازم ہوگا۔

ترجمه : ٢ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس تمام سے ایک صاع ہے، حضرت ابوسعید خذریؓ کی حدیث کی وجہ سے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے زمانے میں یہی نکالتے تھے۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو کھجور کشمش اور گیہوں بھی ایک صاع ہی لازم ہے، موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعی : ولا يخرج من الحنطة فی صدقة الفطر الا صاع ۔ (موسوعہ امام شافعیؒ ، باب مکیلة زکاة الفطر، ج رابع ،ص ۲۴۴، نمبر ۴۵۳۶) اس عبارت میں ہے کہ گیہوں بھی ایک صاع ہی ہے۔

وجه : (۱) انکی دلیل حضرت ابوسعید خذری کی حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم حضورؐ کے زمانے میں اوپر کی چیزیں ایک صاع ہی نکالا کرتے تھے اس لئے گیہوں بھی ایک صاع ہی لازم ہوگا آدھا صاع نہیں، صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی سعيد الخدریؓ قال كنا نعطيها فی زمان النبی ﷺ صاعا من طعام أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير أو صاعا من زبيب فلما جاء معاوية و جائت السمراء قال أرى مدا من هذا يعدل مدين** (بخاری شریف، باب صاعا من زبیب، ص ۲۴۵ نمبر ۱۵۰۸ رمسلم شریف، باب زکاة الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر ،ص ۳۹۶، نمبر ۹۸۵/۲۲۸۳ رابوداود شریف، باب کم یؤ دی فی صدقة الفطر؟ ص ۲۳۹، نمبر ۱۶۱۶) اس حدیث میں طعام سے مراد گیہوں ہے جو ایک صاع نکالا کرتے تھے۔

ترجمه : ٣ اور ہماری دلیل وہ ہے جو ہم نے روایت کی، اور یہ صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب ہے، اور اس میں خلفاء راشدینؓ بھی ہیں۔

تشریح : اوپر یہ حدیث گزر گئی ہے۔ **عن ابی صعير قال قال رسول الله صاع من بر او قمح على كل اثنين صغير او كبير** . (ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۲۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث میں دو آدمیوں کی جانب سے

۴ وما رواه محمول على الزيادة تطوعا ۵ ولهما في الزبيب انه والتمر يتقاربان في المقصود.
۶ وله انه والبر يتقاربان في المحنى لانه يوكل كل واحد منهما بجميع اجزائه ويلقىٰ من التمر النواة ومن الشعير النخالة وبهذا ظهر التفاوت بين البر والتمر

ایک صاع ہے تو ایک آدمی کی جانب سے آدھا صاع ہوا۔ اور اجماع کے لئے بھی یہ حدیث گزر گئی کہ حضرت معاویہؓ نے آدھا صاع گیہوں کی تجویز دی تو سب صحابہؓ نے مان لیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اور خلفاء راشدین بھی ان میں شامل ہیں اس کی دلیل یہ ہے . عن ابی قلابة قال أخبرني من ادى الى أبي بكر صدقة الفطر نصف صاع من طعام . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی صدقۃ الفطر من قال: نصف صاع بر، ج ثانی، ص ۳۹۶، نمبر ۱۰۳۳۶) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو آدھا صاع گیہوں ادا کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلفاء راشدین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ آدھا صاع گیہوں دے دے۔

ترجمہ: ۴ اور جو ابو سعید خدریؓ کی جو حدیث امام شافعیؒ نے پیش کی وہ نفلی طور پر زیادتی پر محمول ہے۔

تشریح : اوپر حضرت امام شافعیؒ کی دلیل کے لئے ابو سعید خدریؓ کی حدیث گزری جس میں تھا کہ ہم لوگ حضورؐ کے زمانے میں ایک صاع گیہوں فطرہ میں دیتے تھے، اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضورؐ نے تو آدھا صاع گیہوں ہی لازم فرمایا تھا، لیکن حضرت ابو سعیدؓ اپنی طرف سے نفلی طور پر ایک صاع دیا کرتے تھے، البتہ لازم تو آدھا صاع ہی تھا۔

ترجمہ: ۵ صاحبینؒ کی دلیل کشمش کے بارے میں یہ ہے کہ کشمش اور کھجور دونوں مقصود میں قریب قریب ہیں [یعنی تفکہ کے طور پر کھاتے ہیں]

تشریح : صاحبینؒ نے فرمایا کہ کھجور کی طرح کشمش کو بھی صدقے میں ایک صاع دیں، اور اس کی دلیل عقلی یہ دے رہے ہیں کہ کھانے کے اعتبار سے کشمش اور کھجور ایک طرح کے ہیں کیونکہ دونوں تفکہ کے طور پر کھایا جاتا ہے، اور دونوں سے مٹھاس حاصل کی جاتی ہے، اس لئے دونوں کا صدقہ بھی ایک ہونا چاہئے، یعنی ایک صاع ہونا چاہئے۔ اصل تو اوپر کی حدیث ہے جس میں کشمش ایک صاع فرمایا ہے۔

ترجمہ: ۶ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کشمش اور گیہوں معنی کے اعتبار سے قریب قریب ہیں، اس لئے کہ دونوں پورے اجزاء کے ساتھ کھائے جاتے ہیں، اور کھجور سے سے گٹھلی پھینک دی جاتی ہے اور جو سے بھونسی پھینک دی جاتی ہے۔ پس اس دلیل سے گیہوں اور کھجور کے درمیان میں فرق ظاہر ہو گیا۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے کشمش اور گیہوں قریب قریب ہیں کیونکہ کشمش کو بھی پورا پورا ہی کھایا جاتا ہے اس میں سے کچھ بھی نہیں پھینکا جاتا، اور گیہوں کو بھی پورا پورا ہی کھایا جاتا ہے اس میں سے کچھ بھی نہیں پھینکا جاتا، اس لئے

ے ومراده من الدقيق والسويق ما يتخذ من البُرّ اما دقيق الشعير كالشعير ٨ والاولیٰ ان يراعی فيهما القدر والقيمة احتياطا وان نص علی الدقيق فی بعض الاخبار

جس طرح گیہوں کا آدھا صاع لازم ہوتا اسی طرح کشمش کا بھی آدھا صاع ہی فطرہ لازم ہونا چاہئے۔اور کھجور سے گٹھلی پھینک دی جاتی ہے،اسی طرح جو سے اس کی بھونسی پھینک دی جاتی ہے،اس لئے یہ دونوں گویا کہ ایک قسم کی چیز ہوئی،اور کھجور ایک صاع فطرہ ہے اور جو کا بھی ایک صاع ہی فطرہ ہے کیوں کہ دونوں معنی کے اعتبار سے ایک قسم کی چیز ہوئی۔اور یہ فرق بھی ظاہر ہو گیا کہ گیہوں الگ چیز ہے اور کھجور الگ چیز ہے۔

لغت : نواۃ: گٹھلی۔نخالۃ: بھونسی۔بر گیہوں۔زبیب: کشمش۔دقیق: آٹا،شعیر: جو۔

ترجمہ: ے آٹے اور ستو سے مراد وہ ہے جو گیہوں سے بنایا گیا ہو،بہر حال جو کا آٹا تو اس کا حکم جو کی طرح ہے۔

تشریح : متن میں آدھا صاع آٹا اور آدھا صاع ستو دینے کا تذکرہ ہے،اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ یہ آٹا اور ستو گیہوں کا ہو تو آدھا صاع ہے،کیونکہ یہ بھی گیہوں ہی کی جنس میں سے ہیں،اور اگر جو کا آٹا ہے تو ایک صاع لازم ہوگا کیونکہ جو ایک صاع ہے تو اس کا آٹا اور ستو بھی ایک صاع ہی لازم ہوگا،کیونکہ وہ جو کی جنس ہے۔

وجہ :(۱)اس اثر میں ہے کہ گیہوں کا آٹا آدھا صاع لازم ہوگا۔ سألت عبد الله بن شداد عن صدقة الفطر فقال : نصف صاع من حنطة أو دقيق ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،باب فی صدقۃ الفطر من قال:نصف صاع بر،ج ثانی ص ۳۹۷،نمبر ۱۰۳۴۹) اس اثر میں ہے کہ گیہوں یا آٹا آدھا صاع ہے ا،اس لئے گیہوں کا آٹا ہی مراد ہے۔(۲)اس حدیث میں ہے کہ آٹا ایک صاع ہے اور حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کا آٹا ہے کیونکہ جو کے بعد اس کا تذکرہ ہے،حدیث یہ ہے. عن زيد بن ثابت قال : خطبنا رسول الله ﷺ فقال : من كان عنده فليتصدق بنصف صاع من بر ، أو صاع من شعير ، أو صاع من تمر أو صاع من دقيق ، أو صاع من زبيب ، أو صاع من سلت . (دار قطنی،باب زکاۃ الفطر،ج ثانی،ص ۱۳۰،نمبر ۲۰۹۸)اس حدیث میں جو کے بعد آٹے کا تذکرہ ہے جسکا مطلب یہ ہوگا کہ جو کا آٹا ایک صاع ہے۔

ترجمہ: ٨ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ احتیاطا اس میں مقدار اور قیمت دونوں کی رعایت کی جائے،اگر چہ آٹے پر بعض حدیث میں نص موجود ہے۔

تشریح : گیہوں کے آٹے کے بارے میں اگر چہ اثر موجود ہے کہ آدھا صاع دیا جائے لیکن چونکہ اثر ہے اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح دے کی اسکی مقدار بھی آدھا صاع ہو جائے اور اس کی قیمت بھی آدھا صاع گیہوں کے برابر ہو جائے۔عام طور پر آدھا صاع آٹے کی قیمت آدھے صاع گیہوں کی قیمت سے زیادہ ہی ہوتی ہے اس لئے متن میں یہ نہیں فرمایا کہ احتیاطا آٹے کی قیمت گیہوں کے برابر ہوتا ہے اس لئے ایسا کرنا بہتر ہے کہ قیمت و وزن دونوں برابر ہو جائے،مثلا آدھا صاع آٹا دیا لیکن اس کی

۹ ولم يبين ذلک فی الكتاب اعتبارا للغالب ۱۰ والخبز يعتبر فيه القيمة هو الصحيح ۱۱ ثم يعتبر نصف صاع من بروزنا فيما يروی عن ابی حنيفة وعن محمد انه يعتبر كيلا ۱۲ والدقيق اولٰی من البر والدراهم اولی من الدقيق فيما يروی عن ابی يوسف وهو اختيار الفقيه ابی جعفر لانه ادفع للحاجة واعجل به

قیمت آدھے صاع گیہوں سے کم ہے تو احتیاط پر عمل نہیں ہوا، اسی طرح آدھا صاع سے کم آٹا دیا لیکن اس کی قیمت آدھا صاع گیہوں کے برابر ہے تو قیمت میں برابر ہو گیا لیکن مقدار میں کم رہ گیا اس لئے احتیاط پر عمل نہیں رہا۔

ترجمه: ۹ لیکن کتاب یعنی متن میں احتیاط پر عمل کرنے کی بات نہیں کی غالب کا اعتبار کرتے ہوئے۔

تشریح : عام طور پر آدھے صاع آٹے کی قیمت آدھے صاع گیہوں کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، یا برابر ہوتی ہے اس لئے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے متن میں یہ نہیں فرمایا کہ احتیاط پر عمل کیا جائے۔

ترجمه: ۱۰ اور روٹی میں قیمت کا اعتبار ہے صحیح بات یہی ہے۔

تشریح : روٹی عددی ہے وہ گن کر بکتی ہے، وہ کیلی یا وزنی نہیں ہے، اس لئے چاہے گیہوں کی روٹی ہو آدھا صاع دینا کافی نہیں ہے، بلکہ اتنی روٹی دے کہ آدھا صاع گیہوں کی قیمت کے برابر ہو جائے۔

ترجمه: ۱۱ پھر آدھا صاع گیہوں میں وزن کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے۔ اور امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ کیل اور ناپ کا اعتبار کیا جائے۔

تشریح : گیہوں چاول وغیرہ کو ناپنے کے دو طریقے ہیں [۱] ایک تو پیمانے سے ناپا جائے یعنی کسی برتن میں ڈال کر اس کو ناپا جائے جسکو صاع، اور مد کہتے ہیں حضورؐ کے زمانے میں غلہ کو ناپنے کا یہی طریقہ رائج تھا، اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ آدھا صاع گیہوں دو یا ایک صاع کھجور دو، جسکا مطلب یہ ہوا کہ حدیث میں برتن میں ناپ کر دینے کا تذکرہ ہے، چنانچہ حضرت امام محمدؒ کی رائے یہی ہے کہ برتن میں ناپ کر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو دیا جائے۔ [۲] اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی باٹ سے وزن کر کے ناپا جائے، جیسا کہ آج کل تمام غلے باٹ اور کیلو سے ناپ کر وزن کرتے ہیں۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ باٹ سے وزن کر کے آدھا صاع گیہوں دیا جائے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اختلاف رہا ہے کہ ایک صاع کتنے رطل کا ہوگا، اور رطل وزن کا نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھا صاع گیہوں وزن کر کے دیا جائے اور وزن کا اعتبار کیا جائے۔

ترجمه: ۱۲ آٹا دینا گیہوں سے زیادہ بہتر ہے، اور درہم دینا آٹے سے زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے اور اسی کو فقیہ ابو جعفرؒ نے پسند فرمایا ہے، کیونکہ درہم ضرورت کو زیادہ پورا کرتا اور جلدی پورا کرتا ہے۔

۱۳ وعن ابی بکر الاعمش تفضیل الحنطة لانه ابعد من الخلاف اذفی الدقیق والقیمة خلاف الشافعی **(۹۰۱)** قال والصاع عند ابی حنیفة ومحمد ثمانیة رطال بالعراقی وقال ابویوسفؒ خمسة ارطال وثلث رطل﴾ **۱** وهو قول الشافعی **۲** لقوله علیه السلام صاعنا اصغر الصیعان

تشریح: حضرت امام ابویوسفؒ نے فرمایااوراسی کوفقیہ ابوجعفرؒ نے پسند فرمایا کہ فطرے میں گیہوں سے آٹا دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ جلدی سے روٹی پکا کر کھائے گا ،اور درہم دینا آٹا دینے سے بھی بہتر ہے، کیونکہ درہم سے ضرورت کی اور بھی چیزیں خرید سکتا ہے اور جلدی خرید سکتا ہے اس لئے درہم دینا زیادہ بہتر ہے۔ ۔ادفع للحاجۃ :ضرورت زیادہ پوری کرتا ہے۔اعجل: جلدی پوری کرنا۔

ترجمہ: **۱۳** حضرت ابوبکر اعمشؒ نے فرمایا کہ گیہوں دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ اختلاف سے بہت دور ہے، اس لئے کہ آٹا اور قیمت دینے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : حضرت ابوبکر اعمش فرماتے ہیں کہ حدیث میں گیہوں دینے کا تذکرہ ہے اس لئے گیہوں ہی دیں دوسری بات یہ ہے کہ آٹا اور اس کی قیمت دینے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اس لئے اختلاف سے بچنے کے لئے زیادہ بہتر گیہوں ہی ہے۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ و لا یؤدی من الحب غیر الحب نفسه ، و لا یؤدی دقیقا و لا سویقا ، و لا قیمته** . (موسوعۃ امام شافعی، باب مکیلۃ زکاۃ الفطر، ج رابع ،ص ۲۴۶،نمبر ۴۵۵۲)اس عبارت میں ہے کہ قیمت نہ دے۔

ترجمہ: (۹۰۱) اور صاع امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک آٹھ رطل کا ہے عراقی رطل کے ساتھ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا پانچ رطل اور ایک تہائی رطل۔

ترجمہ: **۱** یہی امام شافعی کا قول ہے۔

تشریح : ایک صاع سب کے نزدیک چار مد کا ہوتا ہے،لیکن کتنے رطل کا ہوتا اس بارے میں اختلاف ہے،امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور امام شافعی اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے۔دونوں کی دلیلیں مسئلہ نمبر ۸۳۸۔حاشیہ **۲** میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیں۔

ترجمہ: **۲** حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ ہمارا صاع سب صاعوں میں سے چھوٹا ہے۔

تشریح: ابن حبان کے حوالے سے نصب الرایہ میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ **عن ابی هریرة أن رسول الله ﷺ قیل له : یا رسول الله ، صاعنا اصغر الصیعان و مدنا اکبر الامداد ، فقال اللهم بارک لنا فی صاعنا و بارک لنا فی قلیلنا و کثیرنا و اجعل لنا مع البرکة برکتین** ۔(روی ابن حبان فی صحیحہ، فی النوع التاسع والعشرین من القسم الرابع] نصب الرایہ، باب صدقۃ الفطر، ج ثانی ،ص ۴۴۶)اس حدیث میں ہے کہ ہمارا صاع چھوٹا صاع ہے (۲) یہ حدیث بھی امام

۳ ولنا ما روى انه عليه السّلام كان يتوضأ بالمدد طلين ويغسل بالصاع ثمانية ارطال وهكذا كان صاع عمر

ابو یوسفؒ کی دلیل ہے۔ حدثنی ابی عن امه انها ادت بهذا الصاع الی رسول الله قال مالک انا حزرت هذه فوجدتها خمسة ارطال و ثلث (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ص۱۳۲ نمبر ۲۱۰۵ رسنن للبیھقی، باب مادل علی ان صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسة ارطال وثلث، ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا تھا۔ اسی پر جمہور ائمہ کا عمل ہے۔(۳) انکی دلیل یہ اثر بھی ہے ۔ قال قدمنا علینا أبو یوسف من الحج فأتیناه ، فقال : انی أرید أن افتح علیکم با با من العلم همنی تفحصت عنه فقدمت المدینة فسألت عن الصاع فقالوا صاعنا هذا صاع رسول الله ﷺ قلت لهم : ما حجتکم فی ذالک ؟ فقالوا : نأتیک بالحجة غدا ، فلما أصبحت أتانی نحو من خمسین شیخا من ابناء المهاجرین و ألانصار مع کل رجل منهم الصاع تحت ردائه کل رجل منهم یخبر عن أبیه أو أهل بیته أن هذا صاع رسول الله ﷺ فنظرت فاذا هی سواء قال : فعایرته فاذا هو خمسة أرطال و ثلث بنقصان معه یسیر فرأیت امرا قویا فقد ترکت قول ابی حنیفة فی الصاع و أخذت بقول أهل المدینة ۔(سنن بیہقی، باب مادل علی أن صاع النبی ﷺ کان عیارہ خمسة أرطال وثلث، ج رابع، ص ۲۸۶، نمبر ۷۷۲۱) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل کا تھا۔

ترجمہ: ۳ اور ہماری دلیل وہ جو روایت کی کہ حضور علیہ السلام ایک مد سے وضو فرماتے جو دو رطل ہوتا تھا، اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے جو آٹھ رطل کا ہوتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کا صاع بھی ایسے ہی تھا۔

وجہ : (۱) آٹھ رطل کا صاع ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جو صاحب ھدایہ نے پیش کی ۔عن انس بن مالک ان النبی ﷺ کان یتوضأ برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیة ارطال (دار قطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۱۳۴ نمبر ۲۱۱۹/۲۱۲۰ رسنن للبیھقی، باب مادل علی ان صاع النبی کان عیارۃ خمسة ارطال وثلث ج رابع ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاع آٹھ رطل کا ہونا چاہئے ۔(۲) حضرت عمرؓ کا اثر یہ ہے جو صاحب ھدایہ نے پیش کیا ہے۔ سمعت حنشا یقول : صاع عمر ثمانیة أرطال و قال شریک أکثر من سبعة أرطال و أقل من ثمانیة ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۱۱۵ فی الصاع ماھو، ج ثانی، ص ۴۲۲، نمبر ۱۰۶۴۳) اس اثر میں ہے کہ آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے۔

ﷺ وهو اصغر من الهاشمی وکانوا یستعملون الهاشمی. (۹۰۲) قال ووجوب الفطرة یتعلق بطلوع الفجر من یوم الفطر ﴾

ترجمہ: ﷺ اور حضور کا وہ صاع ہاشمی صاع سے چھوٹا تھا، اور صحابہ ہاشمی صاع استعمال کرتے تھے۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ کی جانب سے ایک حدیث نقل کی تھی کہ۔ ہمارا صاع سب صاعوں سے چھوٹا ہے۔ صاحب ھدایہ اس حدیث کی تاویل فرما رہے ہیں کہ، یہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام ہاشمی صاع کو استعمال کرتے ہوں جو آٹھ رطل سے بھی بڑا صاع ہوتا تھا، اور حضور اس سے چھوٹا صاع استعمال کرتے ہوں جو آٹھ رطل کا ہوتا تھا، اس لئے حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارا صاع سب صاعوں میں سے چھوٹا ہے۔

نوٹ: وزن کی پوری تفصیل مسئلہ نمبر ۸۳۸ میں گزر چکی ہے وہاں تفصیل دیکھ لیں۔ یہاں صرف مختصر سا خاکہ دے رہا ہوں۔

(صاع کا وزن)

صاع	رطل	وسق	کیلو	لیٹر	کتنا واجب ہوگا
1صاع	8	-----	3.538	5.88	صدقۃ الفطر
آدھا صاع	4	-----	1.769	2.94	1.769 کیلو
60صاع	-----	1وسق	212.28	352.80	عشر
300صاع	-----	5وسق	1061.40	1764	106.14 کیلو

یعنی پانچ وسق، دس کوینٹل اکسٹھ کیلو چالیس گرام ہوگا۔ جس میں عشر ایک سو چھ کیلو اور چودہ گرام لازم ہوگا۔

نوٹ: یہ حساب احسن الفتاوی، باب صدقۃ الفطر، ج رابع، ص ۴۱۶، سے لیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں کیلو اور گرام کا رواج ہے اس لئے تمام حسابات کو اسی پر سیٹ کیا ہوں۔

نوٹ: اگر آٹھ رطل کا ایک صاع ہو تو رطل چھوٹا ہوگا اور 442.25 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور اگر پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہو تو رطل بڑا ہوگا اور 663.37 گرام کا رطل ہوگا۔ اور دونوں رطلوں کا مجموعی صاع 3.538 کیلو ہوگا۔

ترجمہ: (۹۰۲) صدقۃ الفطر کا وجوب متعلق ہے عید الفطر کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

وجہ: (۱) روزہ صبح صادق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور رمضان کے بعد یہ پہلا دن ہے جب کہ افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا، اور صدقۃ الفطر کی نسبت افطار کی طرف ہے اس لئے جس وقت سے حقیقت میں افطار شروع ہوا یعنی صبح صادق کا وقت وہ وقت صدقۃ

ل وقال الشافعی بغروب الشمس فی الیوم الاخیر من رمضان حتی ان من اسلم او ولد لیلة الفطر تجب فطرته عندنا وعنده لا تجب ۲ وعلیٰ عکسه من مات فیها من مما لیکه اوولده

الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔اس لئے عید کے دن صبح صادق کا وقت صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔(۲)امام ابوحنیفہؒ کا استدلال اس حدیث کے اشارے سے ہے۔عن ابن عمرؓ قال فرض رسول الله ﷺ زکوة الفطر صاعا من تمر ... وامر بها ان تؤدی قبل خروج الناس الی الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص۲۰۴، نمبر ۱۵۰۳)اس حدیث میں عید کی نماز سے پہلے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم دیا۔جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس سے قریب کا وقت یعنی صبح صادق اس کے نکالنے کا سبب ہے۔

ترجمه: ل امام شافعیؒ نے فرمایا رمضان کے آخیر دن کے سورج غروب ہونے سے فطرہ واجب ہوگا۔یہاں تک کہ کوئی عید الفطر کی رات میں مسلمان ہوا یا بچہ پیدا ہوا تو ہمارے نزدیک اس کا صدقہ واجب ہوگا،اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ہوگا۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ رمضان کے آخری دن جب سورج غروب ہوگا ،اور عید الفطر کی مغرب ہوگی، پس یہ مغرب کا وقت فطرہ واجب ہونے کا سبب ہے، چنانچہ جو آدمی اس مغرب سے پہلے پیدا ہوا یا مسلمان ہوا اس کا فطرہ واجب ہے، اور جو آدمی مغرب کے بعد پیدا پیدا ہوا یا مسلمان ہوا تو چونکہ واجب ہونے کا وقت گزر گیا اس لئے اس پر فطرہ واجب نہیں ہوگا۔۔اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مغرب کا وقت فطرہ کے واجب ہونے کا سبب نہیں ہے، بلکہ اس کے بارہ گھنٹے بعد صبح صادق کا وقت فطرہ کے واجب ہونے کا سبب ہے،اور اس سے پہلے یہ پیدا ہو چکا ہے، یا مسلمان ہو چکا ہے، کیونکہ یہ مغرب کے بعد اور صبح صادق سے پہلے پیدا ہو چکا ہے یا مسلمان ہو چکا ہے اس لئے ان دونوں پر صدقہ واجب ہے۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔و اذا غابت الشمس من لیلة الفطر ثم ولد بینهم أو صار واحد منهم فی عیاله لم تجب علیه زکاة الفطر من عامه ذالک عنه ، و کان فی سقوط زکاة الفطر عنه کالمال یملکه بعد الحول ۔(موسوعہ امام شافعیؒ، باب زکوۃ الفطر، ج رابع ،ص۲۳۲، نمبر ۴۴۷۴)اس عبارت میں ہے کہ عید الفطر کا سورج غروب ہو گیا تو غروب ہوتے وقت جو موجود ہے اس کا فطرہ واجب ہے، جس کا مطلب یہ ہے ہوا کہ سورج کا غروب ہونا فطرہ کا سبب ہے

وجه : وہ فرماتے ہیں کہ اسی مغرب کے وقت ہی سے افطار شروع ہو گیا ہے اس لئے مغرب کا وقت ہی سبب بنے گا۔ہمارا جواب یہ ہے کہ مغرب کے وقت تو ہمیشہ ہی افطار کا تھا اس لئے صبح صادق کا وقت صدقۃ الفطر واجب ہونے کا سبب بنے گا۔

ترجمه: ۲ اور اس کا الٹا حکم ہوگا جو اسکے مملوک یا اولاد میں سے رات میں مر گیا۔

تشریح : صبح صادق سے پہلے اور مغرب کے بعد رات میں کسی آدمی کا مملوک مر گیا، یا اسکی چھوٹی اولاد مر گئی تو حکم پہلے سے الٹا ہو

۳ له انه يختص بالفطر وهذا وقته ۴ ولنا ان الاضافة للاختصاص واختصاص الفطر باليوم دون الليل (۹۰۳) والمستحب ان يخرج الناس الفطرة يوم الفطر قبل الخروج الى المصلى ﴾ ١ لانه عليه السّلام كان يخرج قبل ان يخرج

گا۔ یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک فطرہ واجب ہوگا کیونکہ مغرب کا وقت جو سبب ہے اس وقت مملوک یا اولاد موجود تھی، اس کے بعد میں مری ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فطرہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ صبح صادق سے پہلے مر چکی ہے جو فطرہ واجب ہونے کا سبب ہے۔

ترجمہ: ۳ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے صدقۃ الفطر کا وجوب افطار کے ساتھ مخصوص ہے، اور افطار کا وقت یہی مغرب کا وقت ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ صدقۃ الفطر، میں صدقہ کی اضافت فطر کی طرف ہے یعنی افطار کے وقت کا صدقہ، اور افطار کرنے کا وقت مغرب کا وقت ہے اس لئے صدقہ واجب ہونے کا سبب مغرب کا وقت ہوگا۔ پس جو مغرب کے وقت موجود ہو اس کا فطرہ واجب ہوگا اور جو مغرب سے پہلے مر گیا، یا مغرب کے بعد پیدا ہوا یا مسلمان ہوا اس کا فطرہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اضافت خصوصیت کے لئے ہے، اور افطار کی خصوصیت دن کے ساتھ ہے نہ کہ رات کے ساتھ۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ صدقۃ الفطر میں صدقہ کی اضافت فطر کی طرف جو ہے اس فطر سے روزے سے افطار یعنی روزہ ترک کرنا اور چھوڑ نا مراد ہے، اور روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس لئے روزے کو چھوڑ نا بھی صبح صادق کے وقت ہو گا، اس لئے فطرہ کا سبب بھی صبح صادق ہی ہوگی، چنانچہ جو صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا فطرہ واجب نہیں ہوگا۔ یا جو آدمی صبح صادق کے بعد پیدا ہوا یا کوئی کافر مسلمان ہوا اس کا فطرہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ صبح صادق کے وقت موجود نہیں تھا، اس لئے اس پر سبب نہیں گزرا۔۔ یہاں بالیوم: سے مراد صبح صادق ہے۔ کیونکہ وہیں سے دن شروع ہوتا ہے۔

اصول: سبب نہ پایا جائے تو حکم لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۹۰۳) اور مستحب ہے کہ آدمی صدقۃ الفطر عید کے دن عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے نکالے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ حضورؐ نماز عید کے لئے نکلنے سے پہلے نکالا کرتے تھے۔

تشریح: مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز کے لئے نکلنے سے پہلے فطرہ نکال کر فقراء میں تقسیم کر دے تا کہ فقراء بھی کھا کر اور سیر ہو کر عید پڑھنے جائے اور ایسا نہ ہو کہ اس کو نماز سے پہلے فطرہ نہ ملے تو وہ فطرہ مانگنے میں رہ جائے اور نماز عید میں شریک نہ ہو سکے، اس لئے پہلے دینا مستحب ہے، اور اگر رمضان کے شروع میں دے دیا تب بھی جائز ہے کیونکہ فطرہ واجب ہونے کے لئے رمضان جو سبب

ع ولان الامر بالاغناء کی لا یتشاغل الفقیر بالمسألة عن الصلوٰة وذٰلک بالتقدیم (۹۰۴)فان قدموها علیٰ یوم الفطر جاز﴾ لے لانہ ادی بعد تقرر السبب فاشبه التعجیل فی الزکوٰة ولا تفصیل بین مدةٍ ومدةٍ هو الصحیح

ہے وہ پایا گیا تو فطرہ ادا ہو جائے گا، اور اگر کسی نے عید کے دن کے بعد دیا تب بھی فطرہ ادا ہو جائے گا، کیونکہ گویا کہ اس نے قرض ادا کیا، البتہ استحباب کے خلاف کیا

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عمر ان النبی ﷺ امر بزکوة الفطر قبل خروج الناس الی الصلوة. (بخاری شریف، باب الصدقۃ قبل العیدص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۹ رمسلم شریف، باب باب الامر باخراج زکاۃ الفطرقبل الصلوۃ، ص ۳۹۷، نمبر ۲۲۸۸/۹۸۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ کی طرف نکلنے سے پہلے عید کے دن صدقۃ الفطر نکالے۔

ترجمه: ع اوراس لئے کہ مستغنی کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ تا کہ ایسا نہ ہو کہ فقیر سوال کرنے میں رہ جائے اور نماز چھوٹ جائے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب عید کی نماز سے پہلے فطرہ ادا کرے۔

تشریح: فطرہ دینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ غریب اور مسکین کھا کر اور سیر ہو کر عید کی نماز میں آئیں، تا کہ ایسا نہ ہو کہ فطرہ مانگنے میں رہ جائے اور عید کی نماز میں شریک نہ ہو سکے، اور یہ مقصد اسی وقت پورا ہوگا جبکہ نماز سے پہلے ہی فطرہ غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔

ترجمه: (۹۰۴) اور اگر فطرہ کو عید کے دن سے پہلے دے دیا تب بھی جائز ہے۔

وجه: (۱)اس سے بھی پہلے نکالے تو جائز ہے کیونکہ صدقۃ الفطر کا سبب اصلی مالداری ہے اور ولایت اور مؤنت ہے اور وہ سب موجود ہیں صبح صادق تو ادا کا وقت ہے، جیسے زکوۃ کا اصلی سبب نصاب کا مالک ہونا ہے، اور سال پورا ہونا ادا کا سبب ہے، اس لئے اگر صبح صادق سے پہلے ادا کر دیا تو ادائیگی ہو جائے گی۔ جیسے زکوۃ جلدی دے تو ادا ہو جاتی ہے۔(۲) اثر میں ہے . و کان ابن عمرؓ یعطیها للذین یقبلونها و کانوا یعطون قبل الفطر بیوم او یومین . (بخاری شریف، باب صدقۃ الفطر علی الحر و المملوک، ص ۲۴۶، نمبر ۱۵۱۱/ابوداؤد شریف، باب متی تودی ص ۲۳۴ نمبر ۱۶۱۰)اس اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر صدقۃ الفطر عید کے ایک دن یا دو دن قبل ہی نکال دیتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ سبب تو عید الفطر کے صبح صادق کا وقت ہے لیکن اگر دو چار روز قبل ہی نکال دے تو ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمه: لے اس لئے کہ سبب کے ثابت ہونے کے بعد ادا کیا تو ایسا ہوا کہ زکوۃ میں جلدی کی، اور کچھ مدت کی تفصیل نہیں ہے، صحیح یہی ہے۔

(۹۰۵) وان اخروها عن يوم الفطر لم تسقط وكان عليهم اخراجها ﴾ ل لان وجه القربة فيها معقول فلا يتقدر وقت الاداء فيها بخلاف الاضحية . والله اعلم.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ سبب کے ثابت ہونے کے بعد ادا کیا، فطرے کا سبب مالدار رہنا، اور ولایت اور مؤنت ہونا ہے، اور وہ موجود ہیں ، اس لئے فطرہ دے دیا تو فطرہ ادا ہو جائے گا، جیسے زکوۃ کا اصلی سبب نصاب کا مالک ہونا ہے، اور سال پورا ہونا زکوۃ کے ادا کا سبب ہے، اسی لئے نصاب کے مالک ہونے کے بعد سال گزرنے سے پہلے زکوۃ دے دی تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، اسی طرح صبح صادق سے پہلے فطرہ دے دیا تو فطرہ ادا ہو جائے گا۔۔ پھر اثر میں ایک دن اور دو دن پہلے کہا ہے اس لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں ہے اس لئے رمضان کے شروع میں بھی دے سکتے ہیں اور رمضان سے پہلے بھی دے سکتے ہیں۔ صحیح بات یہی ہے۔

ترجمہ: (۹۰۵) اور اگر صدقۃ الفطر کو عید الفطر کے دن سے مؤخر کیا تو وہ ساقط نہیں ہوگا اور ان پر اس کا نکالنا ضروری ہوگا۔

تشریح: اگر عید الفطر کے دن تک صدقۃ الفطر نہیں نکالا تو واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے نماز واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور بعد میں بھی اس کا نکالنا واجب ہوگا۔ اور چونکہ ایک صاع یا آدھا صاع گیہوں ہی دینا پڑے گا اس لئے بوجھ بھی کوئی زیادہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ قربت کی وجہ اس میں سمجھ میں آتی ہے اس لئے اس کا ادا کرنا کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں ہوگا۔ بخلاف قربانی کے۔

تشریح : قربانی میں جانور کو ذبح کرنا اور مارنا ہے، اس لئے عبادت سمجھ میں نہیں آتی ہے اس لئے اس کو وقت کے ساتھ متعین کیا کہ قربانی کا وقت ہو اور اس میں قربانی کی تو قربانی ہو جائے گی اور قربانی کا وقت گزر گیا تو اب قربانی نہیں ہوگی۔ لیکن فطرہ عبادت ما لیہ ہے، یہ کسی غریب کو دینا اور اس کی مدد کرنا سمجھ میں آتا ہے اس لئے یہ کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے، اس لئے وقت کے بعد دے گا تب بھی ادا ہو جائے گا، جیسے زکوۃ سال کے بعد دے گا تب بھی ادا ہو جائے گی۔

اصول : صدقۃ الفطر وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔